قصص الانبیاء



مصنف

الامام الحافظ عماد الدین محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

المعروف

امام ابنِ کثیر

مترجم

حضرت علامہ مفتی ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی

زاویہ پبلشرز

2006

بار اول ________ ۱۰۰۰

ہدیہ ________ 313 روپے

○

زیر اہتمام

نجابت علی تارڑ

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ نزد چوک میلادِ مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

اسلامک بک کارپوریشن بالمقابل دی بنک آف پنجاب راولپنڈی 0300-5829668

مکتبۃ المدینہ اصغر مال روڈ نزد عید گاہ راولپنڈی 0300-9141712

مکتبہ المجاہد دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف 048-6691763

حنفیہ پاک پبلی کیشنز نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی

مکتبہ فیضانِ مشتاق کھارادار کراچی 033-3121792

منہاج القرآن اسلامک سیل سنٹر ضیاء مارکیٹ سرگودھا 0483-721630

مکتبہ ضیاء العلوم مین صدر بازار راولپنڈی 051-5585695

عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دو دروازہ سیالکوٹ 051-4588503

فہرست

حضرت آدم علیہ السلام

و اذ قال ربك للملائكة انى جاعل .... هم فيها خالدون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں میں سے مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب، کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا، اس میں اور خون ریزیاں کرے گا حالانکہ کہ تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام، پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے، اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔ عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔ فرمایا: اے آدم! بتا دو انہیں ان چیزوں کے نام پھر جب آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور (داخل) ہو گیا وہ کفار (کے ٹولہ) میں اور ہم نے فرمایا: اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا، اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے۔ پھر پھسلا دیا انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے۔ اور ہم نے فرمایا: اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمہارا زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے وقت مقرر تک۔ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا۔ ہم نے حکم دیا اتر جاؤ تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

ان مثل عيسى عندالله كمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له كن فيكون ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: ”بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جاؤ تو وہ ہو گیا۔“

یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی .... علیکم رقیبا۔ ﴿سورۂ نساء﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا، اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے، وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور ڈرو رحموں (کے قطع کرنے سے) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔“

یا یھا الناس انا خلقنا کم من .... علیم خبیر ﴿سورۂ الحجرات﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قوموں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔“

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هو الذی خلقکم من نفس واحدة و جعل منها زوجها لیسکن الیها ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: ”وہ خدا ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تا کہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔“

و لقد خلقنا کم ثم صورنا کم .... و منها تخرجون۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمہاری پھر حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے۔ ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے۔ تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اتر جا یہاں سے مناسب نہیں ہے تیرے لیے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے۔ بس نکل جاؤ بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ بولا: مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے۔ کہنے لگا: اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا ضرور تاک میں بیٹھوں گا۔ (ان کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے پر، پھر میں ضرور آؤں گا ان

کے پاس بہکانے کیلئے انکے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار۔ فرمایا: نکل جا یہاں سے اور ذلیل (اور) راندہ ہوا۔ جس کسی نے پیروی کی۔ تیری ان سے تو یقیناً میں بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔ پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تا کہ بے پردہ کر دے ان کیلئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرمگاہوں سے اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لیے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے اور قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور چپٹانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلا شبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ دونوں نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لیے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے۔“

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

منها خلقنا کم و فیها نعید کم و منها نخرجکم تارة اخری ﴿سورۂ طہٰ﴾

ترجمہ: ”اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔“

و لقد خلقنا الانسان .... منهم جزء مقسوم۔ ﴿سورۂ الحجر﴾

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں اور (اے محبوب) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف

سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔ سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نکل جا یہاں سے تو مردود ہے اور بے شک تجھ پر لعنت ہے روز جزاء تک۔ کہنے لگا اے میرے رب! پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تو مہلت دیے ہوئے گروہ میں سے ہے۔ وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی ہے بولا: اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا۔ میں (برے کاموں کو) ضرور خوشنما بنا دوں گا، ان کیلئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا، مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے اور بے شک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کیلئے۔ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کیلئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے۔"

و اذا قلنا للملائكة اسجدو الادم .... و كفى بربك و كيلا۔ ﴿سورۂ بنی اسرائیل﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس (آدم) کو جس کو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے مہلت دے اور روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا۔ سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا، جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور اے (محبوب) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کیلئے۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ قلنا للملائكة اسجدوا الادم .... للظا لمين بدلا۔ ﴿سورۂ الکہف﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو، آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔ (اے اولاد آدم!)

کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست۔ مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں، ظالموں کیلئے بہت برا بدلہ ہے۔"

و لقد عهدنا الى آدم من قبل .... كذالك اليوم تنسى۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے اس کا کوئی قصد اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا (سوائے ابلیس کے) اس نے (حکم بجالانے سے) انکار کر دیا اور ہم نے فرمایا: اے آدم! بے شک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی۔ سو (ایسا نہ کرنا) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بے شک تمہارے لیے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، اس نے کہا: اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھا لیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے اور حکم عدولی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی۔ وہ بامراد نہ ہوا۔ پھر اپنے قرب کیلئے چن لیا انہیں اپنے رب نے اور توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔ حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کیلئے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلایا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا۔"

قل هو نبا عظيم۔ انتم عنه معرضون۔ .... لتعلمن نباه بعد حين ﴿سورۂ ص﴾

ترجمہ: "فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں۔ جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی، میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں، بشر کو گارے سے۔ پس جب میں اس کو سوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے، پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے

گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔ ارشاد ہوا: اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ بولا: میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے حکم ملا نکل جا جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا اے میرے رب مجھے مہلت دیجئے روزِ محشر تک جواب ملا بے شک تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے۔ مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کر دوں گا، ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔ فرمایا تو میں حق ہوا اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں، نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کیلئے اور (اے کفار!) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد۔"

اللہ تعالیٰ نے ان قرآنی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر کو بیان کیا ہے۔ یہ آیات قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں آئی ہیں۔ ذکر آدم پر ہم نے اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ مندرجہ بالا آیات مصدقہ کی روشنی میں ہم اس قصہ کے متعلق مضمون کو بیان کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جو اس قصہ میں وارد ہیں، بیان کریں گے۔

۞ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

انی جاعل فی الارض خلیفة ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: بے شک میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔"

اس آیت مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آدم علیہ السلام اور انکی اولاد کی تخلیق کے بارے میں انہیں آگاہ کروں جو یکے بعد دیگرے زمین میں اس کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و هو الذی جعلکم خلائف الارض ﴿سورۂ انعام﴾

۞ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و یجعلکم خلفاء الارض ﴿سورۂ نمل﴾

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی تخلیق سے باخبر کرنا بغرض تعظیم و

تکریم تھا۔ جس طرح کہ کسی امر عظیم کے ہونے سے پہلے اس کی خبر دیدی جائے اور فرشتوں کا اظہار بھی کسی اعتراض کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ آدم خاکی کی تخلیق کی وجہ اور حکمت سے معلومات حاصل کریں۔ فرشتوں کو نہ تو حضرت آدم علیہ السلام سے حسد تھا اور نہ وہ ان کی شان کے منکر تھے وہ صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کی تخلیق میں کونسا راز چھپا ہوا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کو یہ وہم لاحق ہوا ہے کہ شاید فرشتوں کا یہ اعتراض تنقیص شان یا حسد کی بنا پر تھا فرشتوں نے عرض کیا:

اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفك الدماء ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: "کیا اس کو نائب بنائے گا جو اس زمین میں فساد پھیلائے گا۔"

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کی تخلیق ہو چکی تھی اور وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور زمین میں فتنہ فساد کرتے رہتے تھے۔ یہ قول حضرت قتادہ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنات حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے تخلیق ہو چکے تھے اور وہ آپس میں جنگ و قتال کا بازار گرم رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو خونریزی کے انسداد کیلئے بھیجا، فرشتوں کی اس جماعت نے انہیں سمندروں اور جزیروں کی طرف بھگا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے لیکن حضرت حسن فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو الہام ہوا تھا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین پر خونریزی کرے گی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کونسی حکمت پوشیدہ ہے۔

ابن ابی حاتم ابوجعفر باقر سے روایت کرتے ہیں کہ خونریزی کے متعلق ان کی معلومات لوح محفوظ سے اخذ شدہ تھیں۔ یہ معلومات انہیں ہاروت و ماروت فرشتوں نے دی تھیں، اور ہاروت و ماروت فرشتوں نے یہ معلومات ایک اور فرشتے سے لی تھیں، جس کا نام سجل تھا اور ان سے اگلی منزل پر قیام رکھتا تھا۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ فرشتے جانتے تھے کہ مٹی کے خمیر سے جو شخص بھی تخلیق ہو گا وہ خونریزی کرے گا کیونکہ مٹی کی خصوصیت ہی یہی ہے۔

"و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك" یعنی ہم ہر لحہ تیری حمد و ثناء میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی لحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہم تیری عبادت سے غافل ہوں، اگر آدم اور اولاد آدم کی تخلیق کا مقصد تیری عبادت ہے تو ہم ایک لحہ کیلئے بھی عبادت سے غفلت نہیں کرتے، دن رات ہم تیری تسبیح حمد و ثناء اور عبادت و ریاضت کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

"قال انی اعلم ما لا تعلمون" یعنی آدم علیہ السلام کے راز کو میں خوب جانتا ہوں لیکن تم کو اس حقیقت کا علم نہیں اور عنقریب تم دیکھو گے کہ اس کی اولاد سے نہایت ہی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام، رسول، صدیق، شہداء اور صالحین قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

تمام اشیاء کے ناموں کا علم:

پھر اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے شرف و علم و معرفت کو فرشتوں کے سامنے بیان کیا اور فرمایا:

و علم آدم الاسماء کلھا ﴿سورۃ بقرہ﴾

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ وہ اسماء تھے جن کو انسان آج بھی جانتے ہیں۔ مثلاً انسان، جانور، زمین، صحرا، پہاڑ، اونٹ، گدھے اور دنیا کی دوسری تمام اشیاء کے نام۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے تھے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کے برتن، ہنڈیا، کھمبی اور دوسری تمام چھوٹی چھوٹی چیزوں کے نام بھی اور دنیا میں کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جس کا نام حضرت آدم علیہ السلام کو نہ سکھایا گیا ہو۔

حضرت مجاہد کا ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر جانور کا، ہر پرندے کا اور ہر چیز کا نام سکھا دیا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ اور دیگر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف فرشتوں کے اسماء تعلیم فرمائے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تمام اولاد کے نام سکھا دیئے تھے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ذوات اور ان کے افعال کے نام بتا دیئے تھے اور چھوٹی بڑی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے آپ لاعلم رہے ہوں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یوم قیامت اہل ایمان حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں:

امام بخاری اور امام مسلم حضرت قتادہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یجتمع المومنون یوم القیامۃ فیقولون لو استشفعنا الی ربنا، فیأتون آدم فیقولون انت ابو البشر، خلقل اللہ بیدہ و اسجد لك ملائکتہ و علمك اسماء کل شیء۔

ترجمہ: "قیامت کے دن اہل ایمان جمع ہونگے اور کہیں گے کہ کیوں نہ اللہ تعالیٰ بارگاہ میں کسی

کو اپنا شفیع بنائیں تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور فرشتوں کو آپ کے حضور سجدہ کرنے کا حکم دیا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین۔

ترجمہ: "پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ہمارا رب کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو علم میں ہم سے زیادہ ہو۔ تو اللہ نے ان سے امتحان لیا اور انہیں بتا دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام علم میں ان سے بہت بلند ہیں۔

"ان کنتم صدقین" کے الفاظ بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

(اس سلسلہ میں اور بھی کثرت سے اقوال ہیں جن کو ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔)

فرشتوں کا اعتراف:

فرشتوں نے عرض کی:

سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم ﴿سورۃ بقرہ﴾

ترجمہ: "اے ہمارے رب! تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سکھائے بغیر کوئی شخص تیرے بے کراں علم میں کسی چیز کا احاطہ کرے۔"

جیسا کہ ایک اور جگہ فرمان خداوندی ہے:

و لا یحیطون بشیء من علمہ الا بماشاء۔ ﴿سورۃ بقرہ﴾

قال یآدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت و الارض و اعلم ما تبدون و ما کنتم تکتمون۔ ﴿سورۃ بقرہ﴾

ترجمہ: "میں پوشیدہ چیزوں کو بھی اسی طرح جانتا ہوں جس طرح ظاہری چیزوں سے آگاہی رکھتا ہوں۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "اعلم ماتبدون" سے مراد فرشتوں کا یہ کہنا ہے: "اتجعل فیھا من یفسد فیھا" اور "وما کنتم تکتمون" سے مراد ابلیس ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور اپنے دل ہی دل میں کبر و نخوت کو چھپاتا رہا۔ یہ قول سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک اور

ثوری رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور اسی کو علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

جبکہ ابوالعالیہ، ربیع، حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ "وما کنتم تکتمون" سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سمجھتے تھے ہمارا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو علم میں ہم سے بڑھ کر ہو اور جو اس کی بارگاہ میں ہم سے زیادہ عزت واحترام کی حامل ہو۔

سجدہ کا حکم:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس ابی و استکبر۔ ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: "اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور اس میں اپنی روح پھونکی تو فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم حضرت آدم علیہ السلام کیلئے بہت بڑا اعزاز واکرم تھا۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعو لہ ساجدین ﴿سورۂ الحجر﴾

ترجمہ: "میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دو تو اس کیلئے سجدہ میں گر پڑنا۔"

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کیلئے چار فضیلتوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) یہ کہ انہیں اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا۔ (۲) یہ کہ ان میں اپنی روح پھونکی، (۳) یہ کہ فرشتوں کو انکے حضور سجدے کرنے کا حکم دیا اور (۴) یہ کہ انہیں دنیا کی تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اس لیے کہ جب ملاء اعلیٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "آدم نسل انسانی کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدے کا حکم دیا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے، اسی طرح قیامت کے دن بھی اہل محشر آپ سے عرض کریں گے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ اس سلسلہ میں مزید گفتگو آگے آ رہی ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

و لقد خلقنا کم ثم صورنا کم .... خلقتہ من طین ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل وصورت بنائی تمہاری پھر حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے۔ ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے قیاس کیا اور وہی سب سے پہلے قیاس کرنے والا ہے۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند کی پرستش بھی محض قیاس کی وجہ سے کی جاتی ہے ان دونوں آراء کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور اپنے درمیان موازنہ کیا تو اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تصور کیا، اس لیے سجدہ کرنے سے رک گیا حالانکہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم فرشتوں کو بھی تھا اور ابلیس کو بھی۔ فرشتوں نے تو حکم کی اطاعت کی مگر ابلیس کا قیاس فی نفسہ بھی فاسد تھا کیونکہ مٹی آگ سے زیادہ نفع بخش اور زیادہ بہتر ہے۔ مٹی میں حلم وبردباری، عاجزی وانکساری اور نمو وزرخیزی جیسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جبکہ آگ میں طیش، ہلکا پن، تیزی اور جلانے جیسے اوصاف موجود ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی عطا کیا تھا، ان کی تخلیق اپنے دست قدرت سے کی تھی اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی اور انہیں اوصاف حمیدہ کی وجہ سے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے سامنے سجدہ کریں۔

۞ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

و اذ قال ربك للملائکۃ .... و ان علیك اللعنۃ الی یوم الدین ﴿سورۂ الحجر﴾

"ابلیس بارگاہ خداوندی سے اسی سلوک کا مستحق تھا کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تنقیص شان پر اتر آیا تھا اور ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر تصور کرنا اور اپنے آپ کو ان سے ارفع واعلیٰ کہنا حکم الٰہی کی مخالفت تھی کیونکہ علی التحقیق حضرت آدم علیہ السلام کو نص میں اس سے اعلیٰ وارفع قرار دے دیا گیا تھا جس کی وہ مخالفت کر رہا تھا۔ ابلیس نے معذرت بھی کی لیکن معذرت میں ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ اس کا معذرت کرنا اس کے گناہ سے کہیں زیادہ گستاخی قرار پایا۔

۞ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدو الادم .... و کفی بربك و کیلا۔ ﴿سورۂ الاسراء﴾

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

و اذ قلنا للملائك اسجدوا لادم .... اولیاء من دونی ﴿سورۃ الکہف﴾

یعنی شیطان نے عناد کی وجہ سے جان بوجھ کر اطاعت خداوندی سے منہ موڑا اور تکبر و غرور میں آکر حکم الہٰی سے سرتابی کی اور اس سرکشی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی طبیعت میں خیانت تھی اور اس کا خبیث مادہ اسی نافرمانی کی احتیاج رکھتا تھا، شیطان کی تخلیق میں ناری مادہ استعمال ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

فرشتوں، انسانوں اور جنوں کی تخلیق کس چیز سے ہوئی:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خلقت الملائکة من نورٍ۔ و خلق الجآن من مارج نار و خلق آدم مما وصف لکم

ترجمہ: ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس مادہ سے پیدا کیا گیا جو تمہیں بتا دیا گیا ہے۔ (یعنی مٹی سے)''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں: ابلیس جنوں میں سے تھا۔ پس جب جنوں نے زمین میں فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کیلئے فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جنہوں نے ان کو مارا اور سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔ ابلیس فرشتوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا اور فرشتے اسے اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے تھے تو وہ ادھر ہی رہا، پس جب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کر دیا۔

حضرت ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور سعید ابن المسیب اور دیگر کثیر مفسرین فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمان دنیا پر فرشتوں کا رئیس تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا اصل نام عزازیل ہے اور انہی سے دوسری روایت ہے کہ اس کا نام حارث ہے۔

نقاس کا قول ہے کہ ابلیس کی کنیت ابو کردوس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابلیس کا تعلق فرشتوں کے ایک قبیلے سے ہے جس کا نام الجن ہے۔ فرشتوں کا یہ قبیلہ جنتی نعمتوں کے خزانچی ہیں اور دوسرے فرشتوں سے علم اور عبادت کے میدان میں آگے ہیں اور سب فرشتوں سے افضل ہیں، ابلیس بھی بہت اشرف و برگزیدہ فرشتہ تھا اور اس کے چار نورانی پر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے رائندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ قال ربك للملائكة .... و ممن تبعك منهم اجمعين۔ ﴿سورۃ ص﴾

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال فبما اغويتنى لا قعدن لهم .... اكثرهم شاكرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

یعنی تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لیے میں ان کی تاک میں ہر سیدھے راستے پر گھات لگا کر بیٹھوں گا اور میں ہر جہت سے ان پر حملہ کروں گا۔ پس وہ شخص سعادت مند ہوگا جو اس لعین کی مخالفت پر کمربستہ ہوگا اور جو اس کے کہنے میں آ گیا وہ شقی اور بدبخت بن جائے گا۔

امام احمد نے سالم بن ابی الجعد اور سبدہ بن ابی فاکہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ان الشيطان قعد لا بن آدم باطرقه" اور آگے پوری حدیث ذکر کی۔ ''بے شک شیطان ابن آدم کی گھات میں اس کے تمام راستوں پر بیٹھا ہوا ہے۔''

مفسرین کرام نے سجدے پر مامور ملائکہ کے بارے میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔

(۱) کیا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا؟ جیسا آیت کے عموم سے واضح ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) یا اس سے مراد فرشتے ہیں جو زمین پر مامور ہیں، جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ اگرچہ بعض علمائے متاخرین نے اس قول کو ترجیح دی ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے اور اس کے سیاق کلام میں بھی کمزوری ہے۔ اگر آیات کے سیاق کو دیکھا جائے تو پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ "واسجد لم الملائكة" کے الفاظ میں بھی عموم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو فرمانا: "اهبط منها" اور "اخرج منها" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابلیس آسمان پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتر جانے کا حکم دیا اور اس گھر سے اور اس بلند و بالا عزت والے مقام سے نکل جانے کو کہا جو اس نے عبادت الہٰی کے صلہ میں حاصل کر لیا تھا۔ ابلیس طاقت و عبادت میں ملائکہ کے مشابہ ہو گیا تھا لیکن جب اس نے عناد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور کبر و نخوت میں آ کر اپنے خدا کی مخالفت پر اتر آیا تو اس سے یہ مقام رفیع سلب کر لیا گیا۔

جنت میں مسکن:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ جنت میں

رہیں۔ اسکے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قلنا یآدم اسکن .... فتکونا من الظالمین ﴿سورۂ بقرہ﴾

۞ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قال اخرج منھا مذؤ ما مدحورا .... فتکونا من الظالمین۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

حضرت حواء رضی اللہ عنہا کی تخلیق کہاں ہوئی:

۞ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

و اذ قلنا للملائکة اسجدو لادم .... فیھا و لا تضحی۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ان آیات طیبات کا سیاق تقاضا کرتا ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کی پیدائش ودخول جنت سے پہلے تسلیم کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"و یآدم اسکن انت و زوجك الجنة" ﴿سورۂ الاعراف﴾

اسحاق بن یسار نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ حضرت حواء دخولِ جنت سے پہلے پیدا ہوئیں اور ان آیات طیبات کے ظاہری الفاظ بھی اسی نظریہ کی توثیق کرتے ہیں۔

۞ حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس میں مقیم فرما دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں چلتے تو انہیں وحشت اور تنہائی محسوس ہوتی کیونکہ وہ اکیلے تھے اور ان کی بیوی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھیں کہ ان سے تنہائی کا یہ احساس جاتا رہتا۔ ایک دن وہ سوئے اور جب اٹھے تو دیکھا، ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے جو ان کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں عورت ہوں۔ آپ نے پھر پوچھا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اس نے بتایا: تاکہ میری وجہ سے آپ کو راحت و آرام نصیب ہو، پھر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی وسعت علمی کا اندازہ لگانے کیلئے پوچھا: اے آدم! اس عورت کا نام کیا ہے؟ تو آپ نے بتایا اس کا نام حواء ہے۔ فرشتوں نے پھر سوال کیا: اس کا نام حواء کیوں رکھا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس لیے کہ اسے ایک زندہ جسم سے پیدا کیا گیا ہے۔"

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حواء کی تخلیق پسلی سے ہوئی، جب حضرت آدم علیہ السلام سوئے تھے تو ان کی بائیں پسلی نکال کر حواء کو تخلیق کیا گیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم .... کثیرا و نساء ا ﴿سورۂ نساء﴾

۞ اور اسی طرح دوسرا فرمان خداوندی بھی اس کی تائید میں ہے:

ھو الذی خلقکم من نفس واحدہ .... حفیفا فمرت بہ ﴿سورۂ الاعراف﴾

(اس بارے میں انشاءاللہ آئندہ صفحات میں بیان ہوگا۔)

عورتوں سے نرمی کا حکم:

۞ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استو صوا بالساء خیرا فان المراة خلقت من ضلع و ا اعوج شیء فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ و ان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیرا۔

ترجمہ: "تم عورتوں کے ساتھ نرمی کیا کرو، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور اوپر والی پسلی زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ اسلئے تم عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو۔"

ممنوعہ درخت کونسا تھا:

"ولا تقر با ھذہ الشجرہ" کی تفسیر میں علمائے مفسرین کا اختلاف ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، شعبی اور جعدہ بن ہبیرہ سے روایت ہے اور محمد بن قیس اور سدی ایک دوسری حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

(۲) یہود کہتے ہیں کہ یہ گندم کا پودا تھا اور یہ اسرائیلی روایت حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، وہب بن منبہ، عطیہ عوفی، ابو مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے لی گئی ہے۔

۞ حضرت وہب فرماتے ہیں کہ وہ گندم کا پودا تھا لیکن اس کا دانا دنیا کی گندم کے دانے سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔

(۳) ثوری، ابو حصین سے اور وہ ابو مالک کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا وہ کھجور کا درخت تھا۔

(۴) ابن جریج مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ شجر ممنوعہ زیتون تھا۔ اور اسی قول کو ابن جریج اور قتادہ نے نقل کیا ہے۔

(۵) ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا درخت تھا جس کے کھانے سے بول و براز کی ضرورت ہو جاتی تھی

اور جنت اور جنت کی نفاستیں اس چیز کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ اختلاف قابل اعتناء نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کی تعیین فرما دی تھی۔ جس کو حضرت آدم علیہ السلام خوب جانتے تھے چونکہ اس کے ذکر اور تعیین میں ہمارے لیے کوئی مصلحت نہیں تھی، اس لیے اس سے چشم پوشی کی گئی اور اس کے نام سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

جنت کہاں ہے:

آئمہ کرام کا اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ جنت کہاں ہے؟ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو قیام کا حکم دیا گیا۔ وہ آسمان پر ہے یا زمین پر۔ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں مختلف اقوال کی جانچ پڑتال کر کے اختلاف سے نکلنے کی کوشش کی جائے اور کوئی قابل اعتماد اور صحیح فیصلہ دیا جائے۔

(۱) جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ وہی جنت ہے جو آسمان پر واقع ہے اور جس کا ذکر اکثر قرآن پاک میں آیا ہے۔ جسے جنت الماویٰ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ قرآنی آیات و احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

و قلنا یآدم اسکن انت و زوجك الجنة ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: "اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بی بی جنت میں رہو۔"

"الجنۃ" کا الف، لام نہ تو عموم کیلئے ہے اور نہ عہد لفظی کیلئے ہے۔ یہ الف لام عہد ذہنی کا ہے۔ اس سے مراد شرعاً وہ مقام ہے جہاں جنت الماویٰ میں حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو قیام کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا:

"علام اکر جتنا و نفسك من الجنة"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یجمع اللہ الناس فیقوم المؤمنون حین تزلف لهم الجنة۔ فیا تون آدم فیقولون یا ابانا......استفتح لنا جنة فیقول۔ وہ هل اخرجکم من الجنة الا خطیئة ابیکم؟

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو جمع فرمائے گا تو اہل ایمان کو جنت کے قریب لایا جائے گا تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہونگے اور کہیں گے: اے ہمارے باپ! ہمارے لیے جنت کو کھولیے۔ تو آپ فرمائیں گے کہ تم صرف اپنے باپ کی لغزش کی وجہ سے جنت سے نکلے ہو۔"

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا وہ جنت الماویٰ ہی ہے لیکن یہ حتمی فیصلہ نہیں ہے کیونکہ اس حدیث پر تنقید ہو سکتی ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر تھے وہ دائمی جنت نہیں کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک خاص درخت کا پھل نہ کھائیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جنت میں تو حضرت آدم علیہ السلام پر نیند بھی طاری ہوئی، انہیں وہاں سے نکالا بھی گیا، اس میں ابلیس داخل ہوا۔ یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت ظاہر کرتی ہیں کہ وہ جنت الماویٰ میں قیام پذیر نہیں رہے۔

یہ قول ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن عباس، وہب ابن منبہ، سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم کا بیان کردہ ہے۔ ابن قتیبہ نے "المعارف" میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ قاضی مقرر بن سعید البلوطی نے بھی اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اسی روایت کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اسے ابوعبداللہ محمد بن عمر رازی بن خطیب رے نے اپنی تفسیر میں ابوالقاسم بلخی اور ابومسلم اصفہانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں معتزلہ اور قدریہ کے حوالے سے اس قول کو نقل فرمایا ہے۔

دراصل یہ قول موجودہ تورات سے لیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں جن لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں ابومحمد بن حزم نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں اور ابومحمد بن عطیہ اور ابوعیسیٰ زمانی نے اپنی تفاسیر میں ایک الگ رائے پیش کی ہے۔

ابوالقاسم راغب اور قاضی ماوردی نے اپنی تفسیر میں ایک اور رائے پیش کی ہے۔ قاضی ماوردی فرماتے ہیں کہ جس جنت میں حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو ٹھہرایا گیا اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ جنت الخلد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت الخلد نہیں بلکہ ایک ایسی جنت تھی جسے خاص انہیں کیلئے اللہ تعالیٰ نے تیار کیا تھا اور اسے ان کیلئے آزمائش گاہ بنایا تھا۔ اور جنت الخلد دار ابتلاء نہیں بلکہ دار الجزاء ہے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ جنت زمین پر ہے یا آسمان پر ہے۔

(۱) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو اتر جانے کا حکم دیا تھا۔

(۲) ابن یحییٰ کا قول یہ ہے کہ وہ جنت زمین پر تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو اس جنت میں داخل فرمایا تو انہیں منع فرمایا کہ وہ اس خاص درخت کے قریب نہ

جائیں اور یہ حکم ان دونوں کیلئے ایک آزمائش تھا اور دار الخلد آزمائش گاہ نہیں اور دخول جنت اور آزمائش اس وقت کے بعد واقع ہوا جب ابلیس کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا۔ (واللہ اعلم)

اس آیت کے بارے یہی گفتگو علماء نے بیان کی ہے تو گویا آیت کے بارے میں تین نظریے ہوئے۔ (۱) یہ کہ وہ جنت الخلد ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ایک الگ جنت تھی جو زمین پر آزمائش گاہ قرار پائی اور (۳) یہ کہ اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی جائے۔

اسی لیے ابوعبداللہ رازی اپنی تفسیر میں اس مسئلے میں چار اقوال لائے ہیں تین تو وہی ہیں جنہیں ماوردی نے نقل کیا ہے اور چوتھا قول توقف کا ہے اس سلسلہ میں ایک پانچواں قول بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ جنت ہے تو آسمان میں لیکن جنت الماویٰ نہیں ہے۔ یہ قول ابوالجبائی سے نقل کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے وہ دوسروں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب ابلیس نے حکم عدولی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کر بیٹھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حریم قدس سے دور کر دیا، یقیناً یہ ایک ایسا اٹل حکم تھا جس کی کسی صورت مخالفت نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرمایا:

اخرج منها مذء وما ________ ﴿سورۃ الاعراف﴾

اھبط منها فما یکون لك ان تتكبر فيها ________ ﴿سورۃ الاعراف﴾

اخرج منها فانك رجيم ________ ﴿سورۃ ص﴾

ھا کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے یا پھر آسمان یا گھر اس کا مرجع ہے۔ ھا ضمیر کا مرجع جو بھی ہو اس سے تو بہر حال انکار ہی نہیں کہ وہ اس جگہ سے تقدیری طور پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دھتکار دیا گیا اور اسے نکال دیا گیا۔ اب نہ تو وہ وہاں مستقل ٹھہر سکتا ہے نہ وہاں سے گزر سکتا ہے وہ کہتے ہیں: سیاق کلام سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہے کہ شیطان نے حضرت آدمؑ کو بہکایا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

هل ادلك على شجرة الخلد و ملك لا يبلى ﴿سورۃ طہ﴾

ما نها كما ربكما عن هذه الشجرة .... فد لا هما بغرور۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

اور ظاہر ہے کہ یہ گفتگو ابلیس نے حضرت آدم وحواء علیہما السلام سے اس وقت کی جب وہ جنت میں ان کے ساتھ تھا۔ اس سوال کا جواب یہ دیا جاتا ہے:

(۱) ابلیس کا حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے ساتھ جنت میں ہونا ممتنع نہیں ہے کیونکہ اسے جنت میں رہائش پذیر ہونے سے روکا گیا تھا نہ کہ گزرنے پر بھی پابندی لگا دی گئی تھی۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان نے جنت کے دروازے پر پہنچ کر محض وسوسہ اندازی سے انہیں بہکا دیا ہو۔

(۳) اور بھی ممکن ہے کہ وہ جنت تک نہ پہنچا ہو بلکہ آسمان کے نیچے سے وسوسہ اندازی کر کے ان کی لغزش کا سبب بن گیا ہو۔

۞ یہ تینوں آراء نظر و فکر کی محتاج نہیں۔ واللہ اعلم

جو حضرات کہتے ہیں کہ جس جنت میں حضرت آدمؑ قیام پذیر رہے وہ زمین پر تھی ان کی دلیل وہ روایت ہے جسے عبداللہ بن احمد نے زیادات میں ہدبہ بن خالد، حماد بن سلمہ، حسن بصری، یحییٰ بن ضمرہ سعدی اور حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ کو جنت کے انگوروں کے کھانے کی خواہش ہوئی۔ آپ کے بیٹے اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں ان کی فرشتوں سے ملاقات ہوگئی۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے والد حضرت آدمؑ کی دلی تمنا ہے کہ جنت کے انگور کھائیں۔ فرشتوں نے کہا: واپس آؤ، پس تم اپنے مقصد تک پہنچ گئے۔ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد کو لے کر حضرت آدمؑ کی خدمت میں جا پہنچے۔ ان کی روح قبض کی۔ انہیں غسل دیا، خوشبو لگائی۔ کفن پہنایا اور حضرت جبرئیلؑ کی اقتداء میں سب نے نماز جنازہ ادا کی اور فرشتوں نے حضرت آدمؑ کے بیٹوں کو بتایا کہ جب تم میں سے کوئی انسان فوت ہو جائے تو اس کی تجہیز و تدفین کا یہ طریقہ ہے۔ یہ حدیث اپنی سند اور تمام الفاظ کے ساتھ بعد میں اس وقت ذکر ہوگی جب حضرت آدمؑ کی وفات کا تذکرہ ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت دنیا پر نہ ہوتی اور اس تک پہنچنا ممکن نہ ہوتا تو حضرت آدمؑ انگور کھانے کی خواہش کیوں کرتے اور ان کے بیٹے جنت کی تلاش میں کیوں نکلتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس جنت میں تخلیق کے بعد آپ قیام پذیر رہے وہ آسمانوں پر نہیں بلکہ زمین پر تھی۔ واللہ اعلم

اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آیت "و یآدم اسكن انت و زوجك الجنة" میں لفظ "الجنۃ" کا الف، لام نہ تو عموم کیلئے نہ معہود لفظی کیلئے ہے بلکہ یقینی طور پر معہود ذہنی کیلئے ہے لہٰذا جنت سے مراد آسمانی جنت لینا صحیح نہیں، اگرچہ الجنتہ کا الف لام معہود ذہنی ہے لیکن سیاق کلام بتاتا ہے کہ الجنتہ سے مراد جنت ارضی ہے، کیونکہ حضرت آدمؑ زمین سے پیدا کیے گئے اور یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ پیدائش کے بعد انہیں آسمان کی طرف اٹھایا گیا، چونکہ آپ زمین کے خمیر سے پیدا کیے گئے اس

لیے اللہ نے فرشتوں کو بتایا: "انی جاعل فی الارض خلیفة" (سورۂ بقرہ) کہتے ہیں کہ "انا بلونا ھم کما بلونا اصحاب الجنة" کی آیت کریمہ میں لفظ الجنۃ کا الف لام نہ عموم کیلئے ہے نہ معہود لفظی کیلئے بلکہ یقینی طور پر معہود ذہنی کیلئے ہے جس پر کہ سیاق کلام دلالت کرتا ہے اور یہاں اس سے مراد ایک زمینی باغ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اتر جانے کا حکم آسمان سے نزول پر دال نہیں ہے کیونکہ

قیل یا نوح اھبط بسلام منا و برکات علیك و علی امم ممن معك ﴿سورۂ ہود﴾

کی آیت کریمہ میں اگرچہ "اھبط" کے الفاظ آئے ہیں لیکن یہاں آسمان سے اترنا مراد نہیں بلکہ یہ ارشاد اس وقت ہوا جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر کھڑی ہوئی اور زمین سے پانی خشک ہو گیا کہ اب کشتی سے زمین پر آؤ اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے آؤ...... اس طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم ——— ﴿سورۂ البقرہ﴾

و ان منھا لما یھبط من خشیة اللہ ——— ﴿سورۂ بقرہ﴾

اسی طرح احادیث اور لغت کی کتابوں سے بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کہتے ہیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں بلکہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو ٹھہرایا گیا وہ تھی تو زمین پر لیکن باقی زمین کی نسبت قدرے بلند جگہ پر تھی۔ اور اس میں انواع واقسام کے درخت، پھل، سائے، سبزہ اور دوسری کئی نعمتیں موجود تھیں۔

۞ جس طرح کہ فرمان خداوندی ہے:

ان لك الا تجوع فیھا ولا تعری ——— ﴿سورہ طہ﴾

یعنی نہ تو وہاں پیاس کا خوف ہوگا اور نہ جسم کو سورج کی تپش سے واسطہ ہوگا، بلکہ موسم نہایت ہی خوشگوار ہوگا، نہ زیادہ سردی ہوگی اور نہ گرمی۔

حضرت آدم علیہ السلام اس ارضی جنت میں رہے، یہاں تک کہ انہوں نے ممنوعہ پھل کھا لیا تو انہیں اتار دیا گیا۔ ایک ایسی زمین کی طرف جہاں شقاوت و بدبختی خیمے گاڑھے ہوئے تھی۔ جہاں تھکاوٹ اور درماندگی تھی، جہاں سعی و کوشش اور ابتلاء و آزمائش تھی۔ جہاں کا ہر لمحہ امتحان تھا۔ جہاں کے رہنے والے دین، اخلاق، اعمال، تمناؤں اور ارادوں اور اقوال و افعال میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین ﴿سورۂ بقرہ﴾

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکل جانے کا حکم ملا وہ آسمان پر واقع ہے کیونکہ اس طرح تو پھر ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل بھی آسمان پر تھے۔

۞ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الاخرة جئنا بکم لفیفا ﴿سورۂ الاسراء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ، اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں تمہیں سمیٹ کر۔"

اس سے تو کسی کو اختلاف نہیں کہ بنی اسرائیل زمین پر تھے نہ کہ آسمان پر، جو علماء جنت ارضی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریئے کے مطابق کسی صورت میں یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی کہ آج جنت اور دوزخ کا وجود ہی نہیں اور نہ انہیں لازم و ملزوم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ علماء سلف اور اکثر علماء خلف میں سے جس کسی نے بھی یہ نظریہ اپنایا ہے، اس نے جنت اور دوزخ کے وجود کا انکار نہیں کیا اور ان کے وجود پر تو قرآن پاک کی سینکڑوں آیات اور صحاح ستہ کی کئی احادیث شاہد عدل ہیں۔ (واللہ اعلم)

شیطان کا بہکانا:

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کا فیه ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: "پھر پھسلا دیا انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث۔" (یعنی جنت سے۔) اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے۔"

یعنی نعمتوں اور راحت و سرور سے تھکاوٹ، محنت و مشقت کی طرف، اور یہ اس لیے ہوا کہ ابلیس نے انہیں بہکایا اور ان کے دلوں میں دنیا کی خواہش کو پیدا کر دیا۔

۞ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فو سوس لھما الشیطن .... او تکونا من الخالدین۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: "پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے، ان کیلئے جو ڈھانپا گیا تھا، ان کی شرمگاہوں سے، اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسلئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے۔"

شیطان کہنے لگا تمہیں اس درخت کا پھل کھانے سے محض اس لیے روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ تم ابدی زندگی حاصل کر لو اور زندہ جاوید نہ بن جاؤ۔ یعنی اگر تم نے اس درخت

کا پھل کھالیا تو تمہیں ابدی زندگی مل جائے گی اور ان نعمتوں پر تمہارا ہمیشہ کا استحقاق ثابت ہو جائے گا "وقاسمھما" یعنی آدم حواء کے سامنے قسم اٹھائی کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بالکل صحیح ہے۔ "انی لکما لمن الناصحین" (سورۃ الاعراف) میں تم دونوں کو نصیحت کرنے والا ہوں۔ جس طرح کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا:

فوسوس الیه الشیطان قال یآدم هل ادلك علی شجرة الخلدو ملك لایبلی

یعنی کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جس کا پھل کھا کر تم ان نعمتوں سے ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہو، اس ملک میں ہمیشہ کیلئے رہنے لگو اور اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی جدا نہ ہونا پڑے۔ شیطان مردود نے محض دھوکے اور فریب سے کام لیا اور خلاف واقع باتیں بتا کر حضرت آدم اور حضرت حوا کو پھانسنے کی کوشش کی۔ اس کا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ شجرۃ الخلد جس کے پھل کھانے سے ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے یہی ہے جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے اور ہو سکتا ہے شجر ممنوعہ کوئی بڑا درخت ہو۔ جیسا کہ امام احمد کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے ان سے شعبہ نے، ان سے ابی ضحاک نے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان فی الجنة شجرة یسیر الراکب فی ظلها مائة عام لا یقطعها شجرة الخلد

ترجمہ: "بے شک جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ ایک سوار اگر اس کے سائے میں سو سال بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو اور اسی درخت کو ہمیشگی کا درخت کہا گیا ہے۔"

حضرت امام احمد سے روایت ہے کہ غندر کہتے ہیں میں نے شعبہ سے پوچھا: کیا اس سے مراد شجرۃ الخلد (ہمیشگی کا درخت) ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اس میں اس کا ذکر تو نہیں ہے۔ (اس روایت کو صرف حضرت امام احمد نے نقل کیا ہے۔)

فدلھما بغرور، فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سوآتهما و طفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور چپٹانے لگ گئے اپنے بدن پر جنت کے پتے۔"

۞ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاکلا منها فبدت لهما سوأتهما و طفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

حضرت حواء نے یہ پھل حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کھایا اور انہوں نے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی ترغیب دی۔ (واللہ اعلم)

امام بخاری سے روایت ہے کہ ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی بھی نہ گلتا سڑتا اور اگر حضرت حواء نہ ہوتیں تو عورت کبھی بھی اپنے مرد سے خیانت نہ کرتی۔

مذکورہ سند کے حوالے سے یہ حدیث مفرد ہے۔ اور اسی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ عبدالرزاق معمر سے اور وہ ہمام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اسی حدیث کو احمد اور مسلم نے ہارون ان معروف سے انہوں نے ابی وہب سے، انہوں نے عمرو بن الحارث سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی الفاظ روایت کیے ہیں۔

موجودہ تورات میں بھی یہ قصہ مذکور ہے۔ تورات میں ہے کہ سانپ نے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو پھل کھانے کی ترغیب دی اور وہ سانپ بہت خوبصورت اور جسیم تھا۔ حضرت حواء نے اس کے کہنے سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور پھر یہی حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔" اس میں ابلیس کا ذکر نہیں۔ تورات بیان کرتی ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے جونہی پھل کھایا ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ ننگے ہیں تو یہ دیکھ کر وہ انجیر کے پتے اپنے جسموں پر لپیٹنے لگے اور اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے وہ جنت میں ننگے رہتے تھے۔ وہب بن منبہ کی بھی یہی رائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ننگے تھے اور ان کا لباس ایک نور تھا جس سے دونوں کی شرمگاہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ وہب بن منبہ کا قول تورات ہی سے ماخوذ لگتا ہے جو بالکل غلط ہے اور یہ وہ تورات نہیں کہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔ اس میں بہت تحریف ہو چکی ہے اور اسکے تراجم بھی ناقص ہیں، کیونکہ جب ایک کلام کو ترجمہ کر کے کسی دوسری لغت میں لایا جاتا ہے تو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ ہر شخص کے بس کا روگ نہیں اور خصوصاً وہ لوگ جو عربوں کے کلام سے پوری طرح واقف نہیں اور جس کتاب کا ترجمہ وہ کر رہے ہیں اس میں درج علوم پر مکمل دسترس نہیں رکھتے تو ایسے لوگوں سے لفظاً اور معنًی کئی غلطیاں ہو جاتی ہیں لہٰذا کتب سابقہ کے تراجم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام جنت میں عریاں تھے۔ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر لباس تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ينزع عنهما لبا سهما لیر یهما سواٰ تیهما ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور اتروادیا ان کا لباس تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردے کی جگہیں۔''

لہٰذا قرآن مجید کی آیت کو کسی اور کلام سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ (واللہ اعلم)

ابن ابی حاتم کہتے ہیں ہم سے علی بن الحسن بن سکاب نے، ان سے علی بن عاصم نے، ان سے سعید بن ابی عروبہ نے ان سے قتادہ نے اور ان سے حسن نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہت طویل القامت تھے اور آپ کے سر کے بال بہت گھنے تھے۔ آپ کی قامت کو دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا بہت بڑا درخت ہے جب انہوں نے درخت کا پھل چکھا تو ان کا لباس اتر گیا۔ سب سے پہلے ان کی شرمگاہ ننگی ہوئی جونہی شرمگاہ پر نظر پڑی جنت میں دوڑنا شروع کر دیا۔ آپ کے بال ایک درخت سے الجھ گئے۔ آپ نے چھڑانے کی کوشش شرع کر دی۔ اسی لمحے اللہ تعالیٰ نے آواز دی: اے آدم! کیا مجھ سے چھڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔ عرض کی نہیں مولا۔ میں تجھ سے نہیں بھاگ سکتا لیکن حیاء کے مارے بے قرار ہوں اور دوڑ رہا ہوں۔

سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "و طفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة" میں جنت کے پتوں سے مراد انجیر کے درخت کے پتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کا اسناد صحیح لگتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ آیت کے الفاظ میں عموم ہے۔ کسی خاص درخت کے پتوں کا تعین نہیں، "ورق الجنته" سے انجیر کے پتے مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکر نے محمد بن اسحاق، ذکوان، حسن بصری اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ابا کم آدم کان کالنحلة السحوق۔ سبتون ذراعا کثیر الشعر مواری العورة فلما اصاحب الخطیئة فی الجنة بدت له سواٰ ته، فخرج من الجنة، فلقیته شجرة فاحذت بنا صیته فناداه ربه، افرارا منی یاآدم؟ فقال بل حیاء منك مما جنت به۔

ترجمہ: ''بے شک تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کھجور کے بلند و بالا درخت کی مانند طویل القامت تھے۔ آپ کا قد مبارک ستر گز تھا۔ بال بہت لمبے تھے اور آپ کی شرمگاہ مستور اور چھپی ہوئی تھی۔ جب جنت میں آپ سے لغزش ہوئی تو شرمگاہ ننگی ہوگئی۔ آپ جنت سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک درخت میں آپ الجھ کر رہ گئے۔ پیشانی کے بال ایسے بری طرح الجھے کہ آپ وہیں

رک گئے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آواز دی: آدم! کیا مجھ سے بھاگے جا رہے ہو؟ عرض کی: مولا! اپنی لغزش پر نادم ہو کر بھاگ رہا ہوں۔

ابن عساکر نے سعید ابی عروبہ سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے یحییٰ بن ضمرہ اور انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ اور اس کی یہ سند صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت حسن نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

حافظ بن عساکر نے اسی حدیث کو ای کار سند سے بھی لیا ہے۔ وہ سند خثیمہ بن سلیمان طرابلسی کی وساطت سے چلتی ہے۔ وہ محمد بن عبدالوہاب ابی مرصافۃ العسقلانی سے، وہ آدم بن ابی ایاس سے، وہ سنان سے، وہ قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔

و نادا هما ربهما الم انهکما .... لنکو نن من الخاسرین ﴿سورۃ الاعراف﴾

اس دعا میں اپنی خطا کا اعتراف ہے توبہ پر آمادگی کا اظہار ہے۔ تذل و خضوع اور عاجزی و انکساری ہے اور اس جذبے کا اظہار ہے کہ مشکل گھڑی میں انسان اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور عفو و درگزر کا محتاج ہے اور عاجزی و انکساری اور تذلل و خضوع کا یہ راز آپ کی اولاد سے جو بھی پا جائے گا دنیا و آخرت میں اس کا انجام بہت بہتر ہوگا۔

و قال اهبطوا بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین ﴿سورۃ الاعراف﴾

یہ خطاب آدم، حواء اور ابلیس تینوں کو ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس خطاب میں سانپ بھی ان تینوں کیساتھ شریک ہے۔ ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم جنت سے اتر جاؤ۔ اور تم ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہو گے اور دشمن رہو گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک جس میں سانپ کے قتل کا حکم دیا گیا ہے اس سے استشہاد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ سانپ بھی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کے ساتھ تھا جب انہیں جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ما سالمنا هن منذ حاربنا هن" کہ جب تک ہم سانپوں کو ماریں گے نہیں ان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

۞ ارشاد خداوندی ہے:

قال اهبطا منها جمیعا بعضکم لبعض عدو ﴿سورۃ طہ﴾ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین دونوں کیلئے خروج جنت کا حکم ہے۔ حضرت حوا اور سانپ کا ذکر صراحۃً نہیں لیکن بالتبع وہ بھی دونوں اس حکم میں شامل ہیں۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ حواء کا اور ابلیس کے ساتھ

سانپ کا ذکر بالتبع کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت میں اگرچہ تثنیہ کا صیغہ ہے لیکن مقصود حضرت آدم و حضرت حواء علیہما السلام اور ان کے دشمن ابلیس اور سانپ چاروں ہیں جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و داود و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم و کنا لحکمهم شاهدین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا، جب رات کے وقت چھوٹ گئیں، اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم انکے فیصلے کا مشاہدہ کر رہے تھے۔''

یہی صحیح ہے کیونکہ حاکم ہمیشہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ صادر کرتا ہے۔ ان میں سے ایک مدعی ہوتا ہے اور دوسرا مدعا علیہ۔ اسی لیے فرمایا: ''و کنا لحکمهم شاهدین۔''

(مقصد یہ ہے کہ ہم ضمیر اگرچہ جمع غائب کی ہے لیکن اس کا مرجع مدعی اور مدعا علیہ دو شخص ہیں۔ تو گویا بعض اوقات دو آدمیوں کیلئے بھی جمع کی ضمیر آسکتی ہے۔ اسی طرح مذکور بالا آیت ''اهبطا'' میں اگرچہ تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے لیکن اس حکم میں دو نہیں بلکہ چار شخصیتیں شامل ہیں۔ آدم، حوا، ابلیس اور سانپ)

✿ سورۂ بقرہ میں لفظ ''اهبطو'' (اتر جاؤ) دو مرتبہ آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و قلنا اهبطو بعضکم بعض عدو و لکم .... هم فیها خالدون۔ ﴿سورۂ بقرہ﴾

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ پہلے حکم ''اتر جاؤ'' سے مراد یہ تھا کہ جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتر جاؤ اور دوسرے سے مقصود تھا، آسمان دنیا سے زمین کی طرف اتر جاؤ۔ لیکن یہ توجیہ بہت ضعیف ہے۔ کیونکہ آیت ''و قلنا اهبطو بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین'' دلالت کر رہا ہے کہ پہلے حکم سے زمین پر اتارنا مقصود تھا۔ واللہ اعلم

صحیح توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ لفظاً تو تکرار ہے لیکن حکم ایک ہی ہے اور ہر ایک کے ساتھ ایک بات کا اضافہ فرما دیا۔ پہلے حکم کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی چلتی رہے گی اور دوسرے کے ساتھ فرمایا کہ میری طرف سے جو پیغام آئے گا، اس پر عمل کرنے والا خوش نصیب ہوگا اور جو اس پیغام کی مخالفت کرے گا بد بخت ہوگا۔ اس اسلوب کی قرآن میں کئی مثالیں ہیں۔ جہاں لفظاً تکرار ہے لیکن معنی ایک ہی ہے۔

حافظ ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم و حواء

علیہما السلام کو میرے پڑوس سے نکال دو۔ حضرت جبرئیل ''و قلنا اهبطو بعضکم لبعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین'' کے سر سے تاج اتارا۔ اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے ان کی جبین سے جواہر سے مرصع پٹکا کھولا حضرت آدم علیہ السلام جنتی درخت کی ایک ٹہنی میں الجھ گئے۔ سمجھے کہ شاید اسی وقت اس خطا کی سزا دی جا رہی ہے۔ سر جھکا لیا اور عفو و درگزر کی التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا مجھ سے بھاگنا چاہتے ہو؟ عرض کی: اے میرے مولا! اپنی خطا پر نادم و شرمندہ ہوں، اس لیے بھاگ رہا ہوں، تجھ سے بھاگ کر کہا جاؤں گا۔

قیام جنت کا عرصہ:

ابن عطیہ روایت کرتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام جنت میں سو سال مقیم رہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ جنت میں ساٹھ سال مقیم رہے، جنت کی جدائی پر ستر سال اور اپنی خطا پر بھی ستر سال روئے اور جب آپکے فرزند (ہابیل) قتل ہوئے تو آپ نے چالیس سال ماتم کیا۔'' (اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔)

جنت سے کس مقام پر اترے:

ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا گیا تو آپ زمین میں ''وحنا'' نامی مقام پر اترے جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے۔ اور حسن سے روایت ہے کہ کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور حواء علیہا السلام جدہ میں۔ ابلیس ''دستمسان'' سے چند میلوں کے فاصلے پر اترا اور سانپ اصفہان میں۔ (ابن ابی حاتم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

سدی کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کے ساتھ جنت سے حجر اسود اور جنت کے پتوں کی ایک مٹھی بھی تھی۔ آپ نے ان پتوں کو ہندوستان کی سرزمین پر بکھیر دیا تو اس سے ایک خوبصورت درخت اگ آیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حضرت آدم علیہ السلام صفا پر اترے اور حضرت حواء علیہا السلام مروہ پر۔'' (اسے بھی ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

عبدالرزاق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو انہیں تمام چیزوں کی کاریگری سکھا دی اور جنت کے پھلوں کا توشہ بھی عطا کر دیا اور فرمایا: تمہارے یہ دنیوی پھل ہیں تو جنت کے میوے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی آجاتی ہے۔ (باسی اور خراب ہو جاتے ہیں) مگر جنتی پھلوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حاکم اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ بہت تھوڑا وقت جنت میں رہے، تقریباً عصر اور غروب آفتاب کے درمیانی کے وقفہ کے برابر۔"

حاکم نے کہا ہے کہ اگر چہ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل نہیں کیا لیکن یہ شیخین کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ صحیح مسلم میں اعرج سے روایت کردہ امام زہری کی ایک حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ؓ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعة: فیه آدم، و فیه ادخل الجنة و فیه اخرج منها

ترجمہ: "بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ (کیونکہ) اسی دن حضرت آدم ؑ پیدا ہوئے۔ اسی روز (سعید) کو جنت میں داخل کیے گئے اور اسی روز کو انہیں جنت سے نکالا گیا۔"

اور بخاری شریف میں "و فیه تقوم الساعة" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ حضرت امام احمد ؒ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مصعب نے، ان سے اوزاعی، ان سے ابی عمار، ان سے عبداللہ بن فروخ، ان سے حضرت ابو ہریرہ ؓ اور ان سے نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا:

خیر یوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعة: فیه آدم، و فیه ادخل الجنة و فیه اخرج منها و فیه تقوم الساعة

ترجمہ: "بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا، جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کو حضرت آدم ؑ پیدا ہوئے۔ اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی روز انہیں جنت سے نکالا گیا اور جمعہ کے روز ہی قیامت برپا ہوگی۔" (مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔)

لیکن وہ حدیث جو ابن عساکر نے ابی القاسم بغوی کی سند سے روایت کی ہے۔ بغوی کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن جعفر ورکانی نے، ان سے سعید بن میسرہ اور ان سے حضرت انس ؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حضرت آدم ؑ اور حضرت حواء رضی اللہ عنہا جب زمین پر اترے تو بالکل ننگے تھے، ان کے جسم پر صرف جنتی اور درختوں کے پتے تھے۔ حضرت آدم ؑ کو جب گرمی نے ستایا تو آپ بیٹھ کر رونے لگے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت حواء سے فرمایا: مجھے گرمی سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اسی وقت حضرت جبرئیل ؑ روئی لے کر آئے اور حواء کو حکم دیا کہ اسے کاتو اور انہیں کاتنے کا طریقہ بھی سکھا

دیا۔ اور حضرت آدم ؑ کو حکم دیا کہ تم اس سے دھاگے بنو اور پھر انہیں کپڑا بننے کا طریقہ سکھا دیا۔

حضرت آدم ؑ جنت میں اپنی اہلیہ سے جماع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے ان سے جو خطا ہوئی اس کی پاداش میں زمین پر اترے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: دونوں میاں بیوی الگ الگ ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک وادی کے ایک کنارے پر سوتا تو دوسرا دوسرے کونے میں۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل ؑ ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں حکم دیا کہ اپنی اہلیہ کے پاس جائیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل ؑ نے آدم کو مجامعت کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا۔ جب حضرت آدم ؑ اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس گئے تو حضرت جبرئیل ؑ نے پوچھا اپنی اہلیہ کو کیسے پایا تو آپ نے کہا بہت اچھا" یہ حدیث غریب اور حضور نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اسلاف میں کسی کا قول ہو۔ اس حدیث کی سند میں سعید بن میسرہ کا نام آتا ہے جو ابو عمران بکری بصری کہلاتا ہے۔ وہ منکر الحدیث ہے اور اس سند میں مذکور دوسرا شخص ابن حبان ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ یہ اکثر موضوع حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ شخص مجہول الحال ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم" کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ دعا یہ تھی:

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکو نن من الخاسرین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

یہ روایت، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب، خالد بن معدان، عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں ہم سے علی بن حسن بن اسکاب، ان سے علی بن عاصم ان سے سعید بن ابی عروبہ، ان سے قتادہ، ان سے حسن، ان سے حضرت ابی بن کعب ؓ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"حضرت آدم ؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! اگر میں توبہ کروں اور اپنی خطاء سے منہ موڑ کر تیری طرف توجہ رہوں تو کیا میں دوبارہ جنت میں لوٹا دیا جاؤں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔" تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه" ﴿سورۂ بقرہ﴾ اپنی سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اسکی سند منقطع ہے،

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کلمات سے مراد یہ دعا ہے:

اللھم لا الہ الا انت سبحانك و بحمدك، رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انك خیر الراحمین۔ اللھم لا الہ الا انت سبحانك و بحمدك، رب انی ظلمت نفسی فتب علی انك انت التواب الرحیم۔

ترجمہ: ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے اور میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں۔ میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ مجھے بخش دے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی الہ نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، میں تیری حمد وستائش کرتا ہوں۔ میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ سے زیادتی کی ہے۔ میری توبہ قبول فرما لے۔ بے شک تو ہی سب کی توبہ قبول کرنے والا اور سب پر رحم فرمانے والا ہے۔''

حاکم اپنی مستدرک میں سعید بن جبیر کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ ''فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه'' اس پس منظر میں نازل ہوئی ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں فرمایا؟ جواب دیا گیا کہ کیوں نہیں۔ کیا تو نے میرے جسد میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ جواب دیا گیا: کیوں نہیں۔ کیا جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا: تجھ پر اللہ رحمت کرے، تو تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں آگئی اور میں نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا کہ میں ایسا ہی کروں گا؟ جواب دیا گیا: کیوں نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! اب اگر میں اپنی خطاء سے توبہ کر لوں تو تو مجھے جنت میں لوٹا دے گا؟ فرمایا ہاں۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اگرچہ امام مسلم اور بخاری نے اسے روایت نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت:

حاکم نے ایک اور سند اور بیہقی، ابن عساکر نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے، کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کتاب اقترف آدم الخطیئة، قال: یا رب...... اسالك بحق محمد الا غفرت لی

ترجمہ: ''جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ! محمد (ﷺ) کے حق کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے معاف فرما دے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فقال اللہ: کیف عرفت محمدا و لم اخلقه بعد؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم تو محمد (ﷺ) سے کیسے واقف ہے میں نے تو ابھی انہیں پیدا ابھی نہیں فرمایا: ''عرض کیا: مولا! کیونکہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ تو نے جس شخص کے نام کو اپنے نام سے جوڑ دیا ہے وہ مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم! تو نے سچ کہا: بے شک وہ پوری مخلوق سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ اب جبکہ تو نے ان کے وسیلے سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تجھے بخش دیا۔ اور اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔''

بیہقی نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اکیلے ہیں، اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

✿ مذکورہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

و عصی آدم ربه فغوی۔ ثم اجتباہ ربه فتاب علیه و ھدی ﴿سورۂ طہ﴾

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حاج موسیٰ آدم علیہ السلام فقال له: انت الذی اخرجت الناس بذنبك من الجنة و اشقیتھم

ترجمہ: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام سے جھگڑے اور کہا: آپ وہی ہیں جس نے اپنے گناہ کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور ان کو بد بخت بنا دیا۔''

قال آدم یاموسیٰ! انت الذی اصطفاك اللہ برسالته و بکلامه اتلو منی علی امر قد کتبه اللہ علی قبل ان یخلقنی۔ او قدرہ علی قبل ان یخلقنی قال رسول اللہ ﷺ فحج آدم موسیٰ۔

ترجمہ: ''حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور ہم کلامی کیلئے چن لیا۔ کیا آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کرنے لگے جو میری پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے لکھ دیا تھا۔ یا میری پیدائش سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو عمرو بن ناقد سے اور نسائی نے محمد بن عبداللہ یزید سے اور انہوں

نے ایوب بن نجار سے روایت کیا ہے۔ ابومسعود دمشقی کہتے ہیں: امام مسلم اور امام بخاری نے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث ایوب بن نجار سے روایت نہیں کی۔

امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے ابوکامل، ان سے ابراہیم، ان سے ابوشہاب، ان سے حمید بن عبدالرحمٰن اور ان سے حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

احتج آدم و موسیٰ! فقال له موسی: انت آدم الذی اخرجتك خطیئتك من الجنة؟

ترجمہ: ''حضرت آدم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ کی آپس میں بحث ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا: آپ وہی ہیں جنہیں لغزش کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا؟''

فقال له آدم: و انت موسیٰ الذی اصطفاك الله برسالته و کلامه تلو منی علی امر قدر علی قبل ان اخلق۔

ترجمہ: ''حضرت آدم ؑ نے انہیں جواب دیا: اور کہا آپ وہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور ہم کلامی کیلئے چن لیا؟ آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کرتے ہیں جو میری تخلیق سے پہلے مقدر کر دیا گیا تھا۔'' **قال رسول الله ﷺ! فحج آدم موسیٰ مرتین** ''حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ حضرت موسیٰ ؑ پر غالب آ گئے۔ یہ بات آپ نے دوسری دفعہ بھی دوہرائی کہ حضرت آدم ؑ غالب آ گئے۔ میں (امام ابن کثیر ؒ) کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے زہری کے حوالے سے انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام احمد، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

احتج آدم و موسیٰ! فقال له موسیٰ: یا آدم! انت الذی خلقك الله بیده و نفخ فیك من روحه! آغویت الناس واخرجتهم من الجنة قال۔ فقال آدم! و انت موسیٰ الذی اصطفاك الله بکلامه تلومنی علی عمل عمل اعمله کتب الله علی قبل ان یخلق المسوات والارض۔ قال فحج آدم موسیٰ۔

ترجمہ: ''حضرت آدم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ کی آپس میں بحث ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے کہا: اے آدم! آپ وہی ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی، آپ نے لوگوں کو بھٹکا دیا اور انہیں جنت سے نکال دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ نے جواب دیا: آپ وہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہم

کلامی کا شرف بخشا۔ آپ مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں جو مجھ سے اس لیے ہو گیا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ حضرت موسیٰ ؑ پر غالب آ گئے۔''

اسی حدیث کو ترمذی اور نسائی دونوں نے یحییٰ بن حبیب بن عدی سے، انہوں نے معمر بن سلیمان سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اعمش سے روایت کیا ہے۔

امام احمد نے کہا ہے کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ ان سے عمرو نے بیان کیا اور عمرو نے طاؤس سے سنا اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

احتج آدم و موسیٰ! فقال یآدم! انت ابونا خیبتنا و اخرجتنا من الجنة قال له آدم: یا موسیٰ! انت الذی اصطفاك الله بکلامه و قال مرة: برسالته و خط لك بیده اتلو منی علی امر قدره الله علی قبل ان یخلقنی باربعین سنة؟

ترجمہ: ''حضرت آدم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ کی بحث ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، (مگر) آپ نے ہمیں ذلیل و رسوا کر دیا اور ہمیں جنت سے نکال باہر کیا۔ حضرت آدم ؑ نے جواب دیا اے موسیٰ! آپ وہی تو ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کلام کرنے کا شرف عطا کیا اور ایک دفعہ فرمایا: آپ کو اپنی رسالت اور پیامبری سے نوازا اور آپ کو اپنا کلام اپنے ہاتھ سے لکھ کر عطا کیا، کیا آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل میرے مقدر میں لکھ چھوڑا تھا۔''

قال: فحج آدم موسیٰ، آدم موسیٰ حج آدم موسی۔

''حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ حضرت موسیٰ ؑ پر تکرار میں غالب آ گئے۔ اس جملے کو آپ نے تین دوہرایا۔''

اسی طرح امام بخاری سے روایت ہے کہ طاؤس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

احتج آدم و موسیٰ فقال موسیٰ یا آدم! انت ابونا خیبتنا و اخر جتنا من الجنة فقال له آدم: یا موسیٰ! اصطفاك الله بکلامه و خط لك بیده، اتلو منی علی امر قدره الله علی قبل ان یخلقنی با ربعین سنة؟

ترجمہ: ''حضرت آدم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ میں تکرار ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے

فرمایا: حضرت آدم! آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ نے ہمیں ناکام بنا دیا اور ہمیں جنت سے نکال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا اور اپنے ہاتھ سے لکھی کتاب عطا کی۔ کیا آپ مجھے ایسے امر پر ملامت کرنے لگے جو میری پیدائش سے چالیس سال قبل اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقدر فرما دیا تھا۔"

فحج: آدم موسیٰ! فحج آدم موسیٰ، فحج آدم موسی، هکذا ثلا ثا

ترجمہ: "حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے اور آپ نے تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔"

سفیان نے کہا ہے کہ ہم سے ابوزناد نے، ان سے اعراج نے، ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضور نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو دس طریقہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک سند یوں ہے سفیان بن عینیہ عمرو بن دینار سے، اور عبداللہ بن طاؤس سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسری اسناد بھی ہیں جن کے تحت یہ حدیث بیان کی گئی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت عبدالرحمٰن نے، ہم سے حماد نے، ان سے عمار نے، ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور ان سے حضور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا۔

لقی آدم موسیٰ فقال انت الذی خلقك الله بیده و اسجد لك ملا ئکته و اسکنك الجنة ، ثم فعلت ما فعلت

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ اور اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے وہ کام کیا جو کیا؟"

فقال: انت موسیٰ الذی کلمك الله و صطفاك برسالته و انزل علیك التوراة انا اقدم ام الذکر؟ قال: لا، بل الذکر فحج آدم موسیٰ۔

ترجمہ: "تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تو وہی موسیٰ ہے کہ تجھ سے رب نے کلام کیا تجھے اپنی رسالت کیلئے چن لیا، تجھ پر تورات نازل کی۔ کیا میں مقدم ہوں یا تقدیر؟ انہوں نے فرمایا: بلکہ تقدیر ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

محمد بن سیرین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لقی آدم موسیٰ فقال انت آدم الذی خلقك الله بیده و اسکنك جنته، و اسجد لك ملا ئکته ثم صنعت ما صنعت؟

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہی آدم ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور جنت میں ٹھہرایا۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا، پھر آپ نے وہ کیا جو کیا؟"

فقال آدم لموسی: انت الذی کلمه الله، و انزل علیه التوراة؟ قال نعم قال فهل تجده مکتوبا علی قبل ان اخلق؟ قال نعم۔

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: آپ وہی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور جن پر اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں۔"

قال فحج آدم موسیٰ! فحج آدم موسی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

یزید بن ہرمز نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

احتج آدم و موسیٰ عند ربهما فحج آدم موسیٰ فقال موسیٰ انت الذی خلقك الله بیده ونفخ فیك من روحه و اسجد لك ملا ئکته و اسکنك جنته، ثم اهبطت النساء الی الارض بخطیئتك؟

ترجمہ: "حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور تکرار کی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے تکرار کرتے ہوئے کہا۔ آپ وہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی، اپنے فرشتوں کو، آپ کو سجدے کا حکم دیا۔ آپ کو جنت میں ٹھہرایا، پھر اپنی لغزش کی وجہ سے عورتوں نے تجھے جنت سے نکال کر زمین پر لا کھڑا کیا؟"

فقال آدم انت موسیٰ الذی اصطفاك الله برسالته و بکلا مه و اعطاك الالواح فیها تبیان کل شیء و قربك نجیا؟ فبکم و جدت الله کتب التوراة؟ قال موسیٰ: باربعین عاما۔ قال آدم: فهل و جدت فیها و عصی آدم ربه فغوی قال: نعم۔ قال افتلو

منی علی ان عملت عملاً کتب اللہ علی قبل ان یخلقنی باربعین سنة؟

ترجمہ: ''حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ وہی موسیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت اور ہم کلامی سے نوازا۔ ایسی تختیاں دیں جن پر ہر چیز کا مفصل بیان تھا اور آپ کو خصوصی قرب بخشا ذرا یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کے (پانچ) حصے کتنے عرصے میں عطا فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: چالیس سال کی مدت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ نے تورات میں یہ الفاظ لکھے دیکھے ہیں: ''و عصی آدم ربه فغوی'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر آپ ایک ایسے کام پر مجھے ملامت کیوں کر رہے ہیں جو میری پیدائش سے چالیس سال قبل مقدر ہو چکا تھا۔''

قال: قال رسول اللہ ﷺ فحج آدم موسیٰ۔

راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

حضرت امام احمد نے کہا ہے: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ہم کو معمر نے خبر دی۔ انہوں نے زہری سے، انہوں نے ابی سلمہ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قال موسیٰ علیہ السلام: یا رب! ارنا آدم الذی اخرجنا و نفسه من الجنة۔ فاراه آدم علیہ السلام، فقال انت آدم؟ فقال له آدم: نعم فقال: انت الذی نفخ اللہ فیك من روحه و اسجد لك ملائکته و علمك الاسماء کلها؟ قال نعم قال: فما حملك علی ان اخرجتنا و نفسك من الجنة۔

ترجمہ: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی اے رب کریم! حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کراؤ جنہوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے پوچھا: آپ ہی حضرت آدم علیہ السلام ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں فرمایا: آپ وہی ہیں نا جس میں اللہ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب فرمایا: ہاں۔ فرمایا: پھر کس لیے آپ نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا۔''

فقال له آدم من انت؟ قال انا موسی قال: انت موسیٰ بنی اسرائیل؟ انت الذی کلمه من وراء حجاب فلم یجعل بینك و بینه رسولا من خلقه؟ فقال نعم، قال تلو

منی علی امر قد سبق من اللہ عزوجل القضاء من قبل؟ قال رسول اللہ ﷺ فحج آدم موسیٰ۔ فحج آدم موسیٰ۔

ترجمہ: ''حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا: میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ ہیں؟ آپ وہی ہیں کہ جس سے اللہ نے در پردہ کلام کیا اور درمیان میں کسی مخلوق کو پیامبر نہیں بنایا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: پھر آپ مجھے ایک ایسے امر پر ملامت کر رہے ہیں جو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا تھا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام بحث و تکرار میں جیت گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع ہے۔ فرمایا:

التقی آدم و موسیٰ فقال موسیٰ لآدم: انت ابو البشر، اسکنك اللہ جنته و اسجد لك ملئکته قال آدم، یا موسیٰ: اما تجده علی مکتوبا؟ قال فحج آدم موسیٰ! فحج آدم موسیٰ

ترجمہ: ''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم سے پوچھا: آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا۔ آپ کے حضور فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیز میرے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام تکرار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔''

اس حدیث کی اس سند کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

''حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی'' پھر اسی معنی کی حدیث روایت کی ہے۔ (اس حدیث کے بارے میں اہل علم حضرات کی مختلف آرائیں ہیں۔)

۱۔ قدریہ نے اس رد کر دیا ہے کیونکہ اس میں تقدیر کا اثبات موجود ہے۔

۲۔ جبریہ نے اس کو اپنے مسلک کے ثبوت میں صحیح قرار دیا ہے۔ بادی النظر میں یہ حدیث ان کے نظریے کو ثابت کرتی ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام غالب آ گئے کیونکہ انہوں نے اپنی خطا کا سبب تقدیر کے لکھے کو قرار دیدیا، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام رد نہ کر سکے۔ اس کا جواب آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

۳- بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس لیے غالب آئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو ایک ایسی خطا پر ملامت کر رہے تھے جس پر آپ نے توبہ کر لی تھی اور گناہ سے توبہ کرنے والے کی حیثیت بے گناہ کی ہے۔ گویا انہوں نے خطا کی ہی نہیں تھی۔

۴- ایک رائے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس لیے غالب آ گئے کیونکہ وہ عمر میں بڑے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبی تھے۔

۵- یہ بھی کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جیت والد ہونے کی وجہ سے تھی۔

۶- یہ بھی رائے ہے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں میں بہت زیادہ فرق تھا۔

۷- بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تکرار عالم برزخ میں ہوا اور وہاں کوئی شخص دینی احکام کا مکلف نہیں ہوتا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برملا اعتراض کیا اور بحث و تکرار کی۔

۸- تحقیق یہ کہتی ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے روایت کی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہے۔ لہٰذا اس میں کافی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ اگر صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری کتب حدیث کی روایات کو سامنے رکھا جائے تو جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی اور کہا کہ آپ نے خود کو بھی اور اپنی تمام اولاد کو بھی جنت سے نکال باہر کیا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا: میں نے تمہیں جنت سے نہیں نکالا بلکہ اس ذات نے نکالا ہے جس نے میرے پھل کھانے پر جنت سے نکالنے کو مرتب کیا ہے اور جس نے اسے مرتب کیا، مقدر کیا اور میری پیدائش سے قبل اسے لکھ دیا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ مجھے ملامت کر رہے ہیں ایک ایسے کام پر جس کو میرے ساتھ صرف اتنی نسبت ہے کہ مجھے درخت کا پھل کھانے سے روکا گیا اور میں نے پھل کھا لیا۔ جنت سے نکالا جانا اس امر مقدر پر مرتب ہے نہ کہ میرے فعل پر۔ جنت سے اپنے آپ کو اور تم کو میں نے نہیں نکالا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا فیصلہ تھا۔ اور اس میں اللہ کے پیش نظر کوئی بہتری تھی، اس بنا پر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

پس جس شخص نے اس حدیث کی تکذیب کی وہ معاند ہے کیونکہ اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت حفظ اور اتقان کا تقاضا ہے کہ اسے کسی صورت رد نہ کیا جائے۔ نیز یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

اور حدیث پاک کی جو تاویلات ابھی گزری ہیں وہ لفظ اور معنی سے بہت دور کا تعلق بھی نہیں رکھتیں، ہاں جبریہ کی تاویل قابل توجہ ہے اور الفاظ سے کافی حد تک ان کا مسلک ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن کئی وجوہات کی بنا پر ان کے مسلک کو بھی رد کرنا پڑتا ہے۔

۱- ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عمل پر ملامت نہیں کر سکتے تھے جس سے فاعل نے توبہ کر لی تھی۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کرنے کا انہیں حکم نہیں ملا تھا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس خطاء کی معافی بھی مانگی تھی اور عرض کی تھی:
"اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔" (سورۂ القصص)

۳- تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر گناہ پر ملامت کا جواب تقدیر سابق بن سکتی ہے تو پھر ہم کسی بھی گنہگار کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ دنیا میں جو بھی شخص جرم کا ارتکاب کریگا جب اسے ملامت کرینگے تو وہ جھٹ کہہ دے گا کہ میں کیا کروں یہ تو سب تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ میں تو مجبور محض ہوں۔ مجھے سزا اور ملامت کس لیے؟ اس طرح معاشرے میں جرم کا ارتکاب کرنیوالے کسی مجرم کو سزاوار نہیں ٹھہرایا جا سکے گا اور حدود و قصاص کا دروازہ بند ہو جائے گا، اگر تقدیر کو حجت تسلیم کر لیا جائے تو پھر چھوٹے بڑے گناہوں پر مؤاخذے کا تصور بھی کالعدم ہو جائے گا اور اس سے بہت ساری قباحتیں لازم آئیں گی۔

اسی لیے علماء کرام کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مصیبت پر تقدیر کو حجت ٹھہرایا نہ کہ معصیت پر۔"

احادیث سے تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کا بیان:

امام احمد نے کہا ہے: ہم سے یحییٰ اور محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ اور یحییٰ اور محمد کا بیان ہے کہ ہم سے عوف نے بیان کیا۔ عوف کہتے ہیں کہ مجھ سے قسامہ بن زہیر نے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض۔ جاء منهم الابيض و الا حمر و الاسود و بين ذالك و الخبيث الطيب و السهل و الحزن و بين ذالك

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مشت خاک سے پیدا فرمایا جو پوری زمین سے لی گئی تھی پس حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے موافق پیدا ہوئی۔ کوئی ان میں سفید ہے، تو کوئی سرخ، کوئی سیاہ ہے تو کوئی سانولا۔ کوئی نیک ہے تو کوئی بدکار، کوئی سخت مزاج ہے تو کوئی نرم اور کوئی نہ زیادہ سخت مزاج ہے اور نہ نرم مزاج بلکہ معتدل مزاج رکھتا ہے۔''

حضرت امام احمد اس حدیث کو ہوذہ سے، وہ عوف سے اور تسامہ بن زہیر سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اور ابن زہیر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض۔ فجاء منهم الابيض و الا حمر و الاسود و بين ذالك و السهل و الحزن و بين ذالك و الخبيث و الطيب و بين ذالك

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام روئے زمین سے لی گئی ایک مشت خاک سے پیدا فرمایا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے موافق پیدا ہوئی۔ کوئی ان میں سے سفید ہے کوئی سرخ ہے، کوئی سیاہ اور کوئی سانولا، کوئی سخت مزاج ہے، کوئی خوش مزاج اور کوئی معتدل طبیعت کا (اسی طرح) کوئی برا ہے کوئی نیک ہے اور کوئی ملی جلی طبیعت رکھتا ہے۔''

(اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

سدی نے ابی مالک اور ابی صالح سے، انہوں نے ابن عباس سے اور مرۃ سے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا کہ زمین سے مٹی لے آئیں، آپ آئے تو زمین نے کہا: میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ سے کچھ کم کر یا مجھے عیب نہ لگا وہ واپس آ گئے اور مٹی نہ لی پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: مولیٰ کریم! زمین نے تیری پناہ کا سوال کیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے مٹی نہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ زمین انہیں بھی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ کی طالب ہوئی، انہوں نے بھی اسے چھوڑ دیا اور واپس لوٹ گئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: کہ وہ تیری پناہ کی طالب ہوئی تو میں نے اسے تعرض نہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا تو وہ پھر اللہ کی پناہ کی

طالب ہوئی۔ فرشتہ اجل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں لوٹ جاؤں اور اللہ کا حکم بجا نہ لاؤں۔ انہوں نے تمام روئے زمین سے مٹی لی اور آپس میں ملا دیا۔ یہ مٹی مختلف جگہوں سے لی گئی تھی جس میں سے کچھ سرخ تھی، کچھ سفید اور کچھ سیاہ، اسی لیے اولاد آدم مختلف رنگوں کی ہے حضرت عزرائیل علیہ السلام اسے اوپر لے گئے اور اسے گیلا کیا حتی کہ وہ گارا بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر فرشتوں سے فرمایا:

''میں پیدا کرنیوالا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا، اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔'' ﴿سورۂ ص﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا تا کہ ابلیس اس کے مقابلے پر گھمنڈ نہ کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بشر کو پیدا فرمایا۔ وہ چالیس سال تک مٹی کا ایک جسم رہا۔ یہ سال جمعۃ المبارک کے دن کے برابر تھا۔ فرشتے جب اس کے قریب سے گزرے تو اسے دیکھ کر ڈر گئے اور سب سے زیادہ ابلیس خوف زدہ تھا۔ وہ جب بھی حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے قریب سے گزرتا تو اسے ٹھوکر مارتا۔ اس کی ٹھوکر سے اس جسد سے ٹھیکرے کی سی آواز نکلتی، جس سے ایک کھنکھناہٹ پیدا ہوتی۔ اسی مرحلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ومن صلصال كا لفخار'' (سورۂ الرحمٰن) ترجمہ: ''بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کے مانند۔''

شیطان یہ سوال بھی کرتا: اسے کس لیے تخلیق کیا جا رہا ہے؟ وہ اس جسد کے آگے سے داخل ہوتا اور پیچھے سے نکل جاتا اور فرشتوں سے کہتا: اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بے شک تمہارا رب غنی ہے اور یہ کھوکھلا ہے۔ اگر میں اس پر مسلط ہو گیا تو اسے ہلاک کر دوں گا۔

وہ وقت آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں اپنی روح کو پھونکنا تھا تو ملائکہ سے فرمایا: اب میں اس جسم میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا، جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی اور روح آدم کے سر میں پہنچی تو انہوں نے چھینک ماری اس پر فرشتوں نے کہا: (اے مخلوق خدا) الحمدللہ کہہ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ''الحمدللہ'' کہا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (رحمك ربك) یعنی تیرے رب نے تجھ پر رحمت کی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں میں پہنچی تو آپ نے جنت کے میوؤں کو دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں داخل ہوئی تو انہوں نے کھانے کی خواہش کی اور اس سے پہلے روح پاؤں میں پہنچتی جلدی سے جنت کے پھلوں کو توڑنا چاہا، اور اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''خلق الانسان من عجل'' انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے۔ (سورۂ انبیاء)

فسجد الملا ئکة کلھم اجمعون۔ الا ابلیس ابی ان یکون مع الساجدین ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: ''پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے، سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔''

اس کے بعد پورا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس سیاق کلام میں بہت ساری احادیث پیش کی جاسکتی ہیں اگرچہ ان میں سے اکثر کا تعلق اسرائیلیات سے ہے۔

چھینک کا جواب:

امام احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسد کو بنایا تو کچھ عرصہ کیلئے اسے چھوڑ دیا جتنا کہ اس کی مشیت میں تھا۔ تو ابلیس اس جسم کے قریب آنے جانے لگا، جب اسے پتہ چلا کہ یہ بت کھوکھلا ہے تو جان گیا کہ اس میں ضبط نفس کی کمی ہوگی۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حسن بن سفیان اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی اور روح ان کے سر میں پہنچی تو انہوں نے چھینک ماری ''الحمد للہ رب العالمین'' کہا تو اللہ تعالیٰ نے یرحمك اللہ فرمایا۔''

حافظ ابوبکر بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہوں نے چھینکا اور ''الحمدللہ'' کہا، اس پر ان کے رب نے فرمایا: ''رحمك ربك یا آدم'' (اے آدم علیہ السلام تجھ پر تیرے رب نے رحم فرمایا۔) اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ اسے الصحاح میں روایت نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے کس فرشتہ نے سجدہ کیا:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب فرشتوں کو سجدے کا حکم ملا تو سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پیشانی پر قرآن لکھ دیا۔

(اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔)

سلام کی سنت:

حافظ ابویعلیٰ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر اس مٹی کو کیچڑ میں تبدیل کر کے

ایک عرصے تک کیلئے چھوڑ دیا۔ اور جب وہ کیچڑ سیاہ بدبودار گارا میں بدل گیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے مختلف مراحل سے گزارا، اور ایک خاص شکل وصورت دیدی، پھر اس بت کو چھوڑ دیا حتی کہ وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھنانے لگا۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شیطان جسد آدم کے پاس سے گزرا کرتا تو کہتا: یقیناً تو ایک بہت بڑے مقصد کیلئے تخلیق ہوا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں اپنی روح پھونکی۔ سب سے پہلے روح اس جسد کی آنکھوں اور ناک کی رگوں میں پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام نے چھینکا، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خصوصی رحمت فرمائی اور کہا: تیرا رب تجھ پر رحمت فرما رہا ہے،

پھر حکم دیا: اے آدم (سامنے کے) اس گروہ کے پاس جا اور ان سے بات چیت کر اور دیکھ وہ کیا کہتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام اس گروہ کے پاس گئے اور سلام کیا تو انہوں نے ''وعلیك السلام و رحمة الله بر کاته'' کے الفاظ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم اور تمہاری اولاد انہی الفاظ سے دعا وسلام کرے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری اولاد کیا ہوگی؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میرے ایک ہاتھ کا انتخاب کرو۔'' حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! تیرا دایاں ہاتھ اور میرے رب کے تو دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت پھیلایا تو قیامت تک ہونے والی تمام اولاد آدم اللہ رحمٰن ورحیم کے ہاتھ پر نظر آئی، ان میں کچھ ایسے لوگ بھی نظر آئے جن کے چہرے نور کے تھے۔ ایک شخص کے نور نے تو حضرت آدم علیہ السلام کو حیران وششدر کر دیا۔ پوچھا: اے میرے پروردگار! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کیا: اے میرے رب! اسے کتنی عمر دی ہے؟ فرمایا: اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پھر عرض کیا: اے میرے پروردگار! اسے میری عمر سے بھی چالیس سال دے دیجئے تاکہ اس کی عمر پورے ایک سو سال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر سے میں چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرما دیئے اور اس پر گواہ مقرر کر لیے۔

انسان کو بھولنا وراثت میں ملا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو بھیجا۔ حضرت آدم علیہ السلام بولے کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے آپ سے کہا: کیا آپ نے چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا نہیں کیے تھے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا، اس ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے، بس ان کی اولاد بھی بھول جاتی

ہے۔" حافظ ابوبکر بزار، ترمذی اور نسائی نے "الیوم و اللیلة" میں اس حدیث کو روایت کیا ہے،)

امام ترمذی، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا، ان کی پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والا ہر روح ظاہر ہو گیا اور ہر شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمک رہا تھا۔ پھر ان تمام کو حضرت آدم ؑ پر ظاہر کیا تو حضرت آدم ؑ نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیری اولاد ہیں۔ ان لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس کی پیشانی کے نور نے حضرت آدم ؑ کو حیران کر دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اے رب کریم! یہ شخص کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ شخص آخری امتوں میں ہوگا۔ اس کا نام داؤد (ؑ) ہوگا۔ حضرت آدم ؑ نے عرض کیا: الٰہی! تو نے اسے کتنی عمر دی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔ حضرت آدم ؑ نے عرض کیا: اے اللہ! میری عمر سے چالیس سال اور دے دیجئے۔ جب حضرت آدم ؑ کی عمر پوری ہو گئی تو ملک الموت آیا۔ حضرت آدم ؑ نے فرمایا: کیا میری عمر ابھی چالیس سال باقی نہیں؟ فرشتے نے عرض کیا: کیا آپ نے چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داؤد ؑ کو عطا نہیں کر دیے تھے؟

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ نے انکار کر دیا۔ سو ان کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے۔ وہ بھول گئے تھے اب ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے اور حضرت آدم ؑ سے لغزش ہوئی اسی لیے ان کی اولاد سے بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ (امام ترمذی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: کہ یہ حسن صحیح ہے۔) یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی حضرت ابوہریرہ کے واسطے سے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں ابی نعیم فضل بن دکین کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ شیخین نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا۔

ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے، وہ عطاء بن یسار سے، وہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ان پر پیش کیا اور فرمایا: اے آدم ؑ! یہ آپ کی اولاد ہیں۔ حضرت آدم ؑ نے دیکھا تو ان میں کچھ لوگ جزام اور برص کی بیماری میں مبتلا تھے۔ کچھ اندھے تھے اور کچھ دوسری تکالیف سے دوچار۔ آپ ؑ نے عرض کی۔ الٰہی! میری اولاد کو

بیماریوں میں مبتلا کیوں کر دیا۔ فرمایا۔ اس لیے کہ آپ میری نعمتوں کا شکر بجا لائیں"

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابودرداء ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر دست قدرت پھیرا۔ اس سے آپ کی ساری سفید اولاد نکل آئی۔ ایسا لگتا تھا گویا موتی ہیں۔ پھر بائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو سارے کالے لوگ برآمد ہوئے جن کو دیکھ کر لگتا تھا کہ سیاہ کوئلے ہیں۔ پھر دائیں کندھے والوں کو فرمایا کہ تم جنت میں جاؤ گے اور اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور بائیں کندھے والوں کو کہا کہ تم جہنم میں جاؤ گے اور مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

ابن ابی الدنیا، حضرت حسن سے روایت ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو تخلیق فرمایا پھر ان کے دائیں کندھے سے اہل جنت کو نکالا اور بائیں کندھے سے اہل جہنم کو۔ اور انہیں زمین پر ڈال دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ اندھے تھے۔ کچھ گونگے تھے اور کچھ دوسری بیماریوں میں مبتلا۔ حضرت آدم ؑ نے عرض کی: پروردگار! میری اولاد کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم ؑ: اس لیے کہ میں نے ارادہ کیا کہ میرا شکر کیا جائے۔ (اسی طرح یہ حدیث عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے حسن سے روایت کی ہے۔)

ابوحاتم اور ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا کیا اور ان کے جسم میں روح پھونکی تو انہوں نے چھینکا اور "الحمد اللہ" کہا۔ یہ الفاظ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہے۔ پس ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم ؑ اللہ تم پر رحمت فرما رہا ہے۔ ان ملائکہ کی طرف جاؤ۔ وہ جو جلوس کی شکل میں نظر آ رہے ہیں۔ اور انہیں سلام کرو۔ حضرت آدم ؑ گئے اور آپ نے السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کے الفاظ سے جواب دیا پھر آپ ؑ بارگاہ خداوندی میں آئے تو ارشاد ہوا کہ تیری اولاد کے لیے سلام کا یہی طریقہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جبکہ اس کی قدرت کے دونوں ہاتھ بند تھے کہ ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر جس کو تو چاہے۔ آپ نے عرض کی: میں اپنے رب کے دائیں ہاتھ کا انتخاب کرتا ہوں۔ اور میرے رب کے دونوں ہاتھ مبارک دائیں ہیں پھر اللہ نے قدرت کے دونوں کو کشادہ کیا تو ان دونوں میں حضرت آدم ؑ کی تمام اولاد تھی۔ حضرت آدم ؑ نے پوچھا: مولیٰ کریم! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: یہ تیری اولاد ہیں۔ ہر انسان کی پیشانی پر اس کی عمر لکھی ہوئی تھی ان میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جن کی پیشانی دوسروں سے

کہیں زیادہ روشن وتاباں تھی۔ لیکن ان کی عمر صرف چالیس سال لکھی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے اللہ! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤد علیہ السلام ہے اور اللہ نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: مولیٰ کریم! اس کی عمر میں اضافہ فرما۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: اس کی عمر اتنی ہی لکھی گئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گزارش کی۔ الٰہی میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال اسے دے دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ آپ کا اور اس کا معاملہ ہے پھر انہیں حکم ہوا۔ جنت میں رہائش پذیر ہو جایئے۔ حضرت آدم علیہ السلام مشیت ایزدی کے مطابق ایک عرصہ تک جنت میں رہے پھر وہاں سے اتر کر زمین پر آ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی عمر کا شمار کرتے رہے حتی کہ ملک الموت آئے تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے جلدی کی ہے۔ میری عمر تو ہزار سال لکھی ہوئی ہے۔ فرشتے نے کہا۔ ہاں یہ تو صحیح ہے لیکن آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیدیے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ سو ان کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے۔ وہ بھول گئے۔ ان کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اسی دن تحریر لکھنے اور گواہی کا حکم دیا گیا۔'' یہ الفاظ ابن حبان کے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرزاق اور معمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو آپ کا قد ساٹھ گز لمبا تھا۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کہو۔ اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا۔ آپ گئے اور السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے وعلیک السلام ورحمۃ اللہ کے الفاظ سے سلام کا جواب دیا۔ تو آپ نے بھی ورحمۃ کا کے الفاظ کا اضافہ کر لیا۔ پس جو بھی جنت میں جائے گا وہ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل وصورت پر ہوگا اور وقت سے اب تک مخلوق کی قد وقامت کم ہوتی آئی ہے۔ (اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الاستئذان'' میں یحییٰ بن جعفر سے اور امام مسلم نے محمد بن رافع سے روایت کیا ہے۔ یحییٰ اور محمد دونوں نے اسے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کا قد مبارک:

امام احمد، سعید بن مسیّب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی لمبائی ساٹھ گز اور جسم کی چوڑائی سات گز تھی۔'' (اس حدیث کی روایت میں امام احمد اکیلے ہیں۔)

امام احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب قرض کی

آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ (تین مرتبہ آپ نے یہ کلمہ فرمایا) کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ پھیرا، پس قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد ظاہر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد کو پیش کرنا شروع کر دیا حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو نہایت ہی روشن شخص نظر آیا۔ آپ نے پوچھا اے اللہ! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤد (علیہ السلام) ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی۔ آپ نے عرض کیا: اے مولیٰ کریم! ان کی عمر میں اضافہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ تیری عمر کم کر کے اس کی عمر میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ہزار سال تھی۔ چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر زائد کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے لکھ لیا اور اس پر ملائکہ کو گواہ بنا دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو فرشتے روح قبض کرنے کیلئے آئے۔ آپ نے فرمایا: میری عمر میں ابھی چالیس سال باقی ہیں۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے کہا کہ نہیں میں نے ایسا نہیں کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ تحریر سامنے کی اور فرشتوں نے گواہی دی۔

امام احمد فرماتے ہیں ہم سے اسود بن عامر، حماد بن سلمہ، علی بن زید، یوسف بن مہران اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جس نے سب سے پہلے انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جب آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ کہا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، پس اس سے تمام اولاد نکال کر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک مرد کو دیکھا جس کی پیشانی بہت زیادہ تاباں تھی۔ عرض کیا: اے اللہ! اس کی عمر میں اضافہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ تیری عمر سے کم کر کے اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام اس پر راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ فرما دیا اور اس پر ایک تحریر لکھ دی اور فرشتوں کو گواہ کر دیا۔ پھر جب ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے فرمایا: میری عمر تو ابھی چالیس سال باقی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ بقیہ چالیس سال تو آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے نام کر دیئے تھے۔ اس پر آپ نے انکار کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تحریر نکالی اور فرشتوں نے گواہی بھی دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بھی سو سال کر دی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر میں بھی کوئی کمی نہ کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی ہزار سال عمر پائی۔ (امام احمد اس حدیث کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں اور علی بن زید اپنی حدیث میں منکر شمار ہوتے ہیں۔)

میثاق الوہیت اور اولاد آدم علیہ السلام:

طبرانی، علی بن عبدالعزیز، حجاج بن منہال، حماد بن سلمہ، علی بن زید، یوسف بن مہران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت حسن کے بارے میں انہوں نے فرمایا: کہ جب قرض کی آیت کریمہ کا نزول ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔'' آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد راوی نے یہ حدیث پوری بیان کی۔ جو کہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''موطا'' میں حضرت زید بن انیسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ:

و اذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهور هم ذریتهم و اشهد هم علی انفسهم الست بربکم قالو بلی ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور اے محبوب! یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں۔''

کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا، جس سے اولاد آدم پیٹھ سے باہر آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے انہیں جنت کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ اہل جنت کے سے کام کرینگے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، جس سے آپ کی بقیہ اولاد ظاہر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے انہیں جہنم کیلئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو پھر ہم نیک عمل کیوں کرتے ہیں؟ (اگر مجبور محض ہیں تو) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جنت کیلئے پیدا کیا ہے ان سے جنتیوں والے کام کرائے گا حتی کہ اس کا خاتمہ بھی نیک اعمال پر ہوگا۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کیلئے پیدا کیا ہے، اسے برے کاموں میں مشغول رکھے گا حتی کہ وہ دوزخیوں والے برے کام کرتے ہوئے مرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔''

(اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن جریر، ابن ابی حاتم نے

اور ابو حاتم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں مختلف طریقوں سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔)

حافظ دار قطنی نے کہا ہے کہ عمر بن جعشم کی متابعت ابوفروہ بن یزید بن سنان دھاوی نے کی ہے۔ انہوں نے بھی اسے زید بن انیسہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں کا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے زیادہ صحیح ہے یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو نکالا جس طرح کہ زمین سے بیج اگتا ہے اور انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا۔ ایک دائیں ہاتھ والے اور دوسرے بائیں ہاتھ والے اور دائیں ہاتھ والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور ان سے مجھے کوئی غرض نہیں اور بائیں ہاتھ والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ دوزخی ہیں اور ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ رہا ان کو گواہ اور ان سے اقرار وحدانیت کرانا تو یہ کسی ثابت شدہ حدیث میں نہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت کی تفسیر کو اس مفہوم پر محمول کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے وہاں (تفسیر ابن کثیر میں) بیان کر دیا ہے۔ اور ہم نے اس آیت کے ضمن میں تمام احادیث و آثار اسناد اور متون کے الفاظ سمیت ذکر کر دیئے ہیں، اگر کسی کو تحریر میں لانے کا شوق ہو تو وہ مراجعت کر لے۔ واللہ اعلم

امام احمد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے مقام نعمان پر نویں ذی الحجہ کے دن میثاق لیا، تمام بنی آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور اپنے سامنے بکھیر دیا جس طرح کہ بیج ہوتا ہے، پھر ان سے گفتگو فرمائی اور پوچھا:

الست بربکم قالوا بلی شهدنا، ان تقولوا یوم القیامة انا کنا عن هذا غافلین۔ او تقولو انما اشرك آباء نا من قبل و کنا ذریة من بعد هم افتهلکنا بما فعل المطبلون۔

ترجمہ: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے کہا: بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہم نے گواہی دی کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے، یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا۔ (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد ان کے بعد۔ تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے۔''

(اس حدیث کی سند بہت اچھی اور قوی ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ اس کو نسائی، ابن جریر اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حسین بن محمد مروزی سے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔)

امام احمد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز ایک جہنمی شخص کو کہا جائے گا کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس ہوتی تو کیا تو اسے فدیہ میں دے دیتا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو وہ کہے گا ہاں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے بندے! میں نے تو تجھ سے اس سے کم کا ارادہ کیا تھا۔ میں تجھے آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ایک عہد لیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو کوئی شریک نہ کرنا تو تو نے میرا حکم نہ مانا اور شرک میں مبتلا ہو گیا۔

(بخاری اور مسلم نے اسے شعبہ کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

ابوجعفر رازی ربیع بن انس سے، وہ ابن العالیہ سے، وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے آیت: "واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهور هم ذريتهم" (سورۂ الاعراف) اور اس کے بعد آیات کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی اولادِ آدم کو اکٹھا کیا۔ انہیں شکل وصورت دے کر ان سے گفتگو کی اور ان سے عہد و میثاق لیا اور انہیں اپنی ذات پر گواہ مقرر کر دیا۔ وہ میثاق یہ تھا: پوچھا (الست بربکم) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تمام نے عرض کی: (بلی) کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے۔) پھر فرمایا: میں اس پر سات آسمان اور سات زمینوں کو گواہ مقرر کرتا ہوں اور تم پر اس سلسلہ میں تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام بھی گواہ ہوں گے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس عہد و پیمان کو جانتے بھی نہیں۔ میرا عہد یہ ہے کہ سوائے میرے کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میرے سوا تمہارا کوئی رب نہیں۔ میرے ساتھ کسی کو ساجھی مت بنانا، میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور میں تمہاری ہدایت کی خاطر اپنی کتاب نازل کروں گا۔ اولادِ آدم نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں، اس دن تمام انسانوں نے اس حقیقت کا اقرار کیا اور اطاعت پر کمر بستہ رہنے کا عہد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بلند کیا تو آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ان میں غنی بھی تھے، فقیر بھی، خوبصورت بھی تھے اور بدصورت بھی، یہ دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے خالق و مالک! تو میری اولاد کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ اس لیے کہ میں شکر کو پسند کرتا ہوں۔" حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ ان کا نورِ نبوت چراغوں کی مانند چمک رہا تھا۔ انبیاء کرام سے بھی ایک خصوصی عہد لیا گیا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

و اذ اخذنا من النبين ميثاقهم و منك و من نوح و ابراهيم و موسى و عيسى ابن مريم و اخذنا منهم ميثاقا غليظا

ترجمہ: "اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے بھی اور ہم ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاقم وجهك للدين حنيفا۔ فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ﴿سورۂ روم﴾

ترجمہ: "تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کیلئے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا یہی سیدھا دین ہے۔"

۞ ارشاد خداوندی ہے:

هذا نذير من النذر الاولى ﴿سورۂ نجم﴾

ترجمہ: "یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔"

۞ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

و ما وجدنا لا كثر هم من عهد و ان وجدنا اكثر هم لفاسقين ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند اور ضرور پایا ان میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا۔"

اس حدیث کو کئی آئمہ تفسیر نے اپنی تفسیروں میں ابی جعفر کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ مثلاً عبداللہ بن احمد، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن مردویہ وغیرہ ہم اور مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، سدی اور دیگر کئی علماء سلف نے ان آیات کے ضمن میں ایسے اقوال کو ذکر کیا ہے جو ان احادیث کے موافق ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ تعظیمی کا حکم ملا تو تمام فرشتوں نے اپنی نورانی پیشانیاں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ٹیک دیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی، لیکن ابلیس لعین حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنے لگا اور عداوت میں آ کر سجدے سے رک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرکشی کی پاداش میں اس پر پھٹکار بھیجی اسے اپنی رحمتوں سے دور کر دیا اور قرب الٰہی سے نکال کر اسے زمین پر اتار دیا۔ اب وہ رائندہ درگاہ ہے، ملعون ہے،

دھوکے باز اور پھٹکار کے قابل ہے۔

شیطان کا رونا:

امام احمد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اولادِ آدم میں سے کوئی شخص تلاوت قرآن کرتا ہے اور سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان زار و قطار روتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اور اس نے سجدہ کر لیا۔ سو وہ جنت کا مستحق ٹھہرا، لیکن مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی، اس لیے میرے لیے جہنم کی آگ ہے۔''

مسلم نے وکیع اور ابی معاویہ کے حوالے سے اعمش سے روایت کیا ہے، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں مقیم ہوئے۔ زمینی جنت مراد ہو یا آسمانی جیسا کہ اختلاف رائے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت حوا علیہا السلام جنت میں مقیم جنتی پھلوں سے کھانے لگے۔ جو چاہتے جہاں سے چاہتے رغبت سے تناول فرماتے، لیکن جب شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا تو ان سے لباس فاخرہ اتار لیا گیا اور زمین پر دونوں کو اتار دیا گیا۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کہاں اترے۔ علماء میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جس کا ذکر بالتفصیل سابقہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کتنا عرصہ جنت میں رہے۔ علماء کی اس ضمن میں بھی مختلف آراء ہیں۔

۱- بعض کہتے ہیں کہ جنتی مدت دنیا میں قیام رہا اتنی ہی مدت جنت میں گزاری، مسلم کی روایت کردہ حدیث جو پہلے ہم نے ذکر کر دی ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے اور اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ''حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی آخری گھڑیوں میں پیدا ہوئے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی روایت کردہ حدیث گزر چکی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے۔ ''حضرت آدم علیہ السلام جمعۃ المبارک کے دن پیدا ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔'' اگر یہ بات مان لی جائے کہ جس دن آپ جنت میں داخل ہوئے اسی دن نکالے گئے اور ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ وہ دن آج کے دن کے برابر تھے تو ثابت ہوگا کہ آپ دن کا کچھ حصہ جنت میں قیام پذیر رہے، لیکن اس نظریے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ آپ جس دن پیدا ہوئے، اس دن کے علاوہ کسی اور دن کو جنت میں داخل ہوئے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیں کہ وہ دن آج کے دن کی طرح چند ساعتوں پر مشتمل نہیں تھے بلکہ

ایک دن سات ہزار سال کے برابر تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ آپ ایک لمبا عرصہ جنت میں قیام پذیر رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ بات مسلم ہے کہ آپ جمعۃ المبارک کی آخری ساعتوں میں پیدا ہوئے اور وہاں کی ایک ساعت تراسی سال چار ماہ دینوی کے برابر تھی۔ آپ روح پھونکے جانے سے پہلے ایک جسد خاکی کی حیثیت سے چالیس سال رہے، اور ہبوط جنت سے قبل ۴۳ سال ۴ ماہ جنت میں رہے۔ واللہ اعلم

قدم کی برکت سے شہر آباد:

عبدالرزاق، حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو آپ اس قدر بلند قامت تھے کہ آپ کے پاؤں زمین پر اور سر آسمان کو چھوتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی قامت کو چھوٹا کر کے ساٹھ گز بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں جہاں زمین پر حضرت آدم علیہ السلام نے قدم رکھا وہاں وہاں بستیاں آباد ہو گئیں۔

ابن جریر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میرے عرش کی سیدھ میں نیچے زمین پر میرا گھر ہے اسے تعمیر کرو اور اس کا طواف کرو جس طرح فرشتے عرش کا طواف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیج کر حضرت آدم علیہ السلام کو وہ جگہ دکھا دی اور مناسک سکھا دیئے۔

اسی قسم کی ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ مگر یہ حدیث غور و فکر کی محتاج ہے، کیونکہ اس سے پہلے ذکر کی گئی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ متفق حدیث اس کی مخالفت کرتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ گز لمبا تھا، پس آج تک انسان کی قد و قامت مسلسل کم ہو رہی ہے۔'' اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا قد شروع سے ساٹھ گز تھا اور کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں رہا اور آج تک مسلسل انسانوں کی قد و قامت میں کمی آ رہی ہے۔

زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی خوراک:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی زمین پر پہلی خوراک گندم تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام گندم کے سات دانے لائے، حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: اسی درخت کا پھل ہے جس سے آپ کو روکا گیا تھا۔ آپ نے کہا: میں اسے کیا

کروں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: اسے زمین میں کاشت کر دو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے وہ دانے زمین میں کاشت کر دیئے۔ گندم کے ہر دانے سے بھی زائد پودے اگے۔ فصل پک کر تیار ہوگئی۔ آپ نے اسے کاٹا، صاف کیا پھر زمین میں کاشت کر دیا، پھر اسے پیس کر آٹا بنایا۔ اسے گوندھا اور اس سے روٹیاں بنائیں اور اسی طرح بڑی مشقت کوشش اور تھکاوٹ کے بعد اسے کھایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”تو ایسا نہ ہو کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔“

زمین پر آدم علیہ السلام کا لباس:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء رضی اللہ عنہا پر پہلا لباس مینڈھے کی اون کا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے مینڈھے سے اون اتاری، اسے صاف کیا، پھر اس سے اپنے لیے ایک جبہ بنایا اور حضرت حوا کیلئے پورے جسم کو ڈھانپنے کیلئے ایک قبا اور سر ڈھانپنے کیلئے ایک چادر تیار کی۔

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں اولاد ہوئی یا نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں علماء کے بیان مختلف ہیں۔

جواب: ایک رائے تو یہ ہے کہ آپکی وہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تمام بچے زمین پر پیدا ہوئے ہیں۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ قابیل اور اسکی جڑواں بہن دونوں جنت میں پیدا ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

علماء مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک بچہ اور ایک بچی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ ہر بچہ کو دوسرے بچے کے ساتھ پیدا ہونے والی بچی سے نکاح کیا جائے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور کسی بچے کیلئے اپنے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے نکاح کرنا جائز نہ تھا۔

قابیل اور ہابیل کا قصہ:

۞ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

و اتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق۔ .... فاصبح من الندمین ﴿سورۂ المائدہ﴾

ترجمہ: ”اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندانِ آدم کی ٹھیک ٹھیک، جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی۔ ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے۔ (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے۔ اللہ صرف پرہیزگاروں سے، تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا

ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا، میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھا لے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی، پس آسان بنا دیا، اس کیلئے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت شرمندگی اٹھانے والوں سے۔ پھر بھیجا اللہ تعالیٰ نے ایک کوا۔ کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی۔ کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی۔ غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے۔“

اس قصہ پر ہم اپنی تفسیر میں بالتفصیل گفتگو کر چکے ہیں۔ ”الحمدللہ علی ذالک“ اب یہاں آئمہ سلف کی تصریحات کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ”حضرت آدم علیہ السلام ہر جوڑے کے بچے کی دوسرے جوڑے کی بچی سے شادی کرتے تھے۔ ہابیل نے ارادہ کیا کہ وہ قابیل کی بہن سے شادی کرے جو عمر میں ہابیل سے بڑا تھا۔ قابیل کی جڑواں بہن بہت خوبصورت تھی۔ قابیل اس قانون کو توڑ کر خود اپنی جڑواں بہن سے شادی کا خواہشمند تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے حکم دیا کہ اپنی بہن کی شادی ہابیل سے کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے دونوں کو قربانی کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں حج کرنے گئے تو آسمانوں کو کہا کہ اس کے بیٹوں کی حفاظت کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا، آپ نے زمینوں اور پہاڑوں کو کہا کہ اس کے بیٹوں کی حفاظت کریں لیکن انہوں نے بھی انکار کر دیا قابیل نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام حج کو چلے گئے تو دونوں نے قربانی کی۔ ہابیل نے ایک موٹا جوان بکرا ذبح کیا، کیونکہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا اور قابیل نے ردی اجناس کا ایک ڈھیر قربانی کے طور پر پیش کیا۔ آگ نازل ہوئی۔ اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا لیکن قابیل کی قربانی ویسی کی ویسی رہ گئی۔ قابیل ناراض ہو گیا اور غصے سے کہنے لگا: میں تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔ ہابیل بولا: اس میں غصے کی کونسی بات ہے؟ قربانی تو صرف متقیوں کی قبول ہوتی ہے۔

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کئی دوسری سندوں سے بھی روایت ہے۔ اسے عبداللہ ابن عمرو سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں خدا کی قسم! مقتول قاتل سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن اللہ کا خوف اسے مانع تھا کہ وہ ہاتھ بڑھائے۔

ابوجعفر ذکر کرتے ہیں کہ جب دونوں بھائیوں نے قربانی کی تو حضرت آدم علیہ السلام وہاں موجود

تھے۔ اور ان کی قربانی کی مقبولیت کی دعا کر رہے تھے لیکن جب ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی رد کر دی گئی تو قابیل نے کہا: اے ابا جان! قربانی کی قبولیت ہابیل کے تقویٰ اور حق بجا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ صرف آپ کی دعا کی برکت کی وجہ سے ہے۔ آپ نے ہابیل کیلئے دعا کی ہے مگر میرے لیے دعا نہیں کی، پھر اس نے ہابیل کو قتل کی دھمکی دی۔ ایک رات ہابیل نے چراگاہ سے آنے میں دیر کر دی تو حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا کہ دیکھے ہابیل نے دیر کیوں کی ہے؟ یہ چراگاہ میں پہنچا تو ہابیل وہاں موجود تھا۔ قابیل نے کہا: اب بتاؤ آپ کی قربانی قبول ہوگئی مگر میری قربانی قبول کیوں نہیں ہوئی؟ ہابیل نے جواب دیا: بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کی قبول کرتا ہے۔ قابیل کو غصہ آ گیا ہاتھ میں لوہے کا ڈنڈا تھا اپنے بھائی کے سر پر مار کر اسے قتل کر دیا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک بڑے پتھر سے اپنے بھائی کے سر کو کچل دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ ہابیل سویا ہوا تھا اور اس پر یہ حملہ اچانک کیا گیا۔ بعض اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ قابیل نے اپنے سوتے بھائی کا گلہ دبایا اور اسے درندوں کی طرح کاٹ کھایا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ واللہ اعلم

۞ جب قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی تو اس نے جواب دیا:

لئن بسطت یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لا قتلك انی اخاف الله رب العالمین ﴿سورۃ مائدہ﴾

اس سے ہابیل کی بلندی کردار کا بھی اندازہ ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف، خشیت اور تقویٰ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی لیے تو وہ طاقت کے باوجود اپنے بھائی کی برائی کا بدلہ برائی سے دینے کو تیار نہیں تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ قتل ایک شنیع جرم ہے اور اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے قتل کے درپے ہو تو ابھی ایک شخص کو بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور پہل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے: جب دو مسلمان تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مقابلے میں آجاتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! قاتل کا جہنم رسید ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کس لیے جہنم میں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ وہ اپنے بھائی کے قتل کی خواہش رکھتا تھا۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انی ارید ان تبوء باثمی و اثمك فتكون من اصحاب النار وذالك جزاء الظالمین ﴿سورۃ مائدہ﴾

کا مقصد یہ ہے کہ میں تیرا مقابلہ نہیں کروں گا، اگرچہ میں تجھ سے زیادہ طاقتور اور زور آور ہوں، کیونکہ تو نے عزم کر لیا جس چیز کا عزم کر لیا ہے۔ اس طرح میرے قتل کا گناہ اور سابقہ سرکشیوں کا وبال سب تیرے کندھوں پر ہوگا۔

مجاہد، سدی، ابن جریر اور دیگر سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مقتول کے زندگی بھر کے گناہ قاتل کے کھاتے میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اس مفہوم کے خلاف اجماع ہے۔ بعض لوگ جو حدیث سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اپنے موقف کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ "قاتل مقتول کے تمام گناہ لے لیتا ہے اور اسے بالکل صاف کر دیتا ہے۔" اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کتب حدیث میں اس قسم کی کوئی چیز صحیح، حسن یا ضعیف سند کے ساتھ نہیں آئی۔ لیکن بعض لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز اس بات پر اتفاق ہو جائے گا کہ قاتل مقتول سے مطالبہ کرے گا تو قاتل کی عمر بھر کی نیکیاں بھی اس ظلم کا بدلہ نہیں بن سکیں گی، تو پھر مقتول کے گناہ بھی قاتل کے نامہ اعمال میں لکھ دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ تمام مظالم کے بارے میں حدیث صحیح سے یہی حکم ثابت ہے، ہم نے اپنی تفسیر میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلاف میں اٹھنے والے فتنے کے دوران فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: "عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، اس میں بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔" ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کی رائے کیا ہے کہ اگر ایک شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اور میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائے تو (میں کیا کروں) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تجھے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جانا چاہیے۔"

ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے اسے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تو حضرت آدم علیہ السلام کے نیک بیٹے کی طرح ہو جا۔" امام مسلم اور نسائی کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

اس مفہوم کی دوسری حدیث امام احمد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص ظلماً قتل ہوتا ہے تو اس کا سارا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے

پہلے بیٹے (قابیل) کے ذمہ ہوتا ہے کیونکہ سب سے پہلے قتل کرکے اسی نے قتل کی بنیاد ڈالی ہے۔

قتل گاہ کا مقام:

ابوداؤد کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو اعمش سے اسے اپنے الفاظ میں روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابراہیم نخعی اس حدیث کو انہی الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ دمشق کے شمال میں ''جبل قاسیون'' کے مقام پر ایک جنگل ہے جسے خونی جنگل کا نام دیا گیا ہے۔ اسکے متعلق مشہور ہے کہ وہ جگہ جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اسی جنگل میں واقع ہے۔ لگتا ہے کہ یہ کہانی بھی اہل کتاب سے لی گئی ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن عساکر نے احمد بن کثیر کے احوال میں لکھا ہے کہ حضرت احمد ﷫ صالحین کی جماعت کے سرخیل تھے۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ہابیل رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے ہابیل کو قسم دی کہ کیا یہی آپ کے قتل ہونے کی جگہ ہے تو انہوں نے قسم اٹھائی کہ ہاں یہی میرے قتل ہونے کی جگہ ہے اور ہابیل نے یہ بھی کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ اس جگہ کو دعا کی قبولیت کا مقام بنادے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول فرمالیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں خود ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہم) ہر جمعرات کو اس کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ یہ ایک خواب ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو تو تب بھی اس پر شریعت کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم

کوّے نے دفن کرنے کا طریقہ سکھایا:

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض .... فاصبح من النادمین ﴿سورۂ مائدہ﴾

کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب ہابیل قتل ہوگیا تو ایک سال تک قابیل اس کی لاش کو کندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ سو سال تک لاش کو اٹھائے پھرتا رہا حتی کہ اللہ نے دو کوّے بھیجے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد صحابہ تک پہنچتی ہے وہ دونوں کوّے سگے بھائی تھے۔ دونوں قابیل کے سامنے لڑے۔ ایک نے دوسرے کو قتل کردیا، جب ایک مرگیا تو دوسرے نے اپنی چونچ سے زمین میں گڑھا کھودا اور مردہ کوّے کو اس گڑھے میں دفن کرکے مٹی ڈال دی اور جگہ برابر کر دی، قابیل دیکھ کر کہنے لگا: ہائے افسوس میں تو کوّے سے بھی عاجز نکلا کہ اس طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن نہیں کرسکا۔ فوراً ایک گڑھا کھودا اور اپنے بھائی کی لاش کو دفن کردیا۔

اہل سیر و تاریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے ہابیل کی موت پر بہت افسردہ ہوئے اور غم واندوہ میں انہوں نے ایک مرثیہ بھی کہا۔ اس مرثیہ کو علامہ ابن جریر نے ابن حمید کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ﴿مرثیہ﴾

تغیرت البلاد و من علیها — فوجه الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی لون و طعم — و قل بشاشة الوجه الملیح

ترجمہ: ''زمین کی بستیاں اور اس پر بسنے والے لوگ تبدیل ہوگئے، پس زمین کا چہرہ خاک آلود اور بدنما ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز بے رنگ و بے مزہ ہوگئی ہے، اور خوبصورت چہرے کی بشاشت کم ہوگئی ہے۔''

۞ حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں کہا گیا:

ابا قبیل قد قتلا جمیعا — و صار الحی کالمیت الذبیح

و جاء بشرة قد کان منها — علی خوف فجاء بها یصیح

ترجمہ: ''قابیل کے والد! وہ دونوں مارے گئے اور یہ گھرانہ ذبح شدہ مردے کی طرح ہوگیا، اس گھر میں جتنی خوشیاں تھیں سب خوف کی نذر ہوگئیں، اب یہاں غم واندوہ کی چیخ وپکار کے سوا کچھ نہیں۔''

ضروری نہیں کہ یہ اشعار حضرت آدم علیہ السلام کے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی زبان میں حزن وملال بھری باتیں کی ہوں اور کسی اور شخص نے انہیں باتوں کو شعر کی زبان دیدی ہو۔ واللہ اعلم (ان اقوال کے بارے میں اور بھی بہت سارے اقوال ہیں۔)

قابیل کو جرم کی سزا:

مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ قابیل کو اس جرم کی فوراً سزا مل گئی۔ اس کی پنڈلی ران سے جڑ گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف ہوگیا، جس طرح سورج گھومتا قابیل خود بخود گھوم جاتا، چونکہ اس نے حسد کیا، اپنے بھائی سے خوامخواہ دشمنی کی اور اس کے قتل میں عجلت سے کام لیا، اس لیے اسے فوراً اس کے جرم کی سزا دیدی گئی۔ حدیث میں ہے ''بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس بات کے لائق ہو کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ فوراً اسی دنیا میں دیدے۔''

حافظ عماد الدین ابن کثیر ﷫ (مصنف کتاب) فرماتے ہیں کہ مجھے اہل کتاب کے ہاتھوں میں موجود اس کتاب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جسے وہ تورات کہتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے قابیل پر فوراً عذاب نازل نہیں کیا بلکہ اس کے عذاب میں تاخیر کر دی اور اس کو مہلت دیدی۔ وہ عدن کے مشرق میں شہر ''نود'' میں قیام پذیر رہا جسے اہل کتاب ''قنین'' کہتے ہیں اور اس کی پشت سے خنوخ پیدا ہوا۔ اور خنوخ سے ''عندر'' پیدا ہوا۔ عندر یہ سے محوایل پیدا ہوا۔ محوایل سے متوشیل پیدا ہوا، متوشیل سے لامک پیدا ہوا۔ لامک نے دو شادیاں کیں۔ ایک بیوی کا نام ''عدا'' تھا اور دوسری بیوی کا نام ''صلا'' تھا۔ ''عدا'' سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''ابل'' تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جو خیموں میں رہائش پذیر ہوا اور مویشی پالے۔ اسی بیوی کے بطن سے ایک بچہ اور پیدا ہوا۔ جس کا نام ''توبل'' رکھا گیا۔ توبل ارغنون اور بین بجانے والوں کا باپ ہے اور صلہ دوسری کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''توبلقین'' تھا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے لوہے اور پیتل کی صنعت شروع کی۔ ''صلا'' سے ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام نعمی رکھا گیا۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں شیث پیدا ہوا تو آپ کی عمر مبارک ایک سو تیس (۱۳۰) سال تھی۔ اس کے بعد آپ آٹھ سو ستر سال زندہ رہے۔ اور آپ کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ انوش سے قینان پیدا ہوا۔ اس وقت انوش کی عمر ستر (۷۰) سال تھی اور اس کے بعد وہ آٹھ سو پندرہ (۸۱۵) سال کی ہوئی تو اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئے۔ جب قینان کی عمر ستر (۷۰) سال کی ہوئی تو اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ (۶۵) سال ہوئی تو اس کے ہاں ''یرد'' پیدا ہوا اور اس کے بعد وہ آٹھ سو (۸۰۰) سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ اور جب ''یرد'' ایک سو باسٹھ (۱۶۲) سال کا ہوا تو اس سے خنوخ پیدا ہوا، اور اس کے بعد آٹھ سو (۸۰۰) سال زندہ رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

جب خنوخ کی عمر پچھتر (۷۵) سال ہوئی تو اس سے متوشلخ پیدا ہوا، اور اس کے بعد خنوخ آٹھ سو سال تک زندہ رہا اور اس سے بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ جب متوشلخ کی عمر ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال ہوئی تو اس سے لامک پیدا ہوا اور اس کے بعد وہ سات سو بیاسی (۷۸۲) سال زندہ رہا اور اس سے بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ پس جب لامک کی عمر ایک سو بیاسی (۱۸۲) سال ہوئی تو اس سے حضرت نوح (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ اور اس کے بعد وہ پانچ سو پچانوے (۵۹۵) سال زندہ رہا اور اس سے بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں اور جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک پانچ سو سال تھی تو ان سے بچے پیدا ہوئے ان کے نام سام، حام اور یافث ہیں۔ یہ سارا مضمون موجودہ تورات میں صراحتاً مذکور ہے۔

کیا یہ وہی تاریخیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھیں اور آج تک محفوظ چلی آتی ہیں یا ان

میں کچھ کمی بیشی ہوگئی ہے؟

فائدہ از مترجم:

موجودہ تورات کی تاریخوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی نو پشتوں کو دیکھا ہے کیونکہ بائبل کی رو سے آپ علیہ السلام کی کل عمر ۹۳۰ سال بنتی ہے۔ گویا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے والد پیدا ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام زندہ تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کی عمر جب گیارہ سال تھی تو آپ فوت ہوئے۔ اس سے عجیب تر اور لمبی عمر آپ کی پشت میں ایک شخص محلل اہل کی بنتی ہے جو آپ کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے پرپوتے تھے۔ ھبوط ارضی کے سن ۸۴۹۰ میں ان کی دفات ہوئی تو اس اعتبار سے وہ اپنی تقریباً بیس پشتوں تک زندہ رہتا ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات سن ھبوط کے ۲۵۸۰ سال کو ہے تو گویا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبل تمام نبیوں کا زمانہ پایا ہے اگر اس کا سن پیدائش ۳۴۴۰ تسلیم کیا جائے تو اس کی عمر ۸۰۵۰ سال بنتی ہے۔ عمروں میں اس قدر تفاوت حیران کن ہے اور کوئی شخص بھی ان تاریخوں کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس لیے خود اہل کتاب کے جید اور متعصب علماء نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ یہ تاریخیں تخمینی ہیں یقینی نہیں ہیں۔ ﴿از مترجم﴾

یہ بات بہت زیادہ غور وفکر کی محتاج ہے۔

علماء کرام نے اہل کتاب پر اس ضمن میں خوب تنقید کی ہے اور شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں بہت زیادہ تحریف ہو چکی ہے اور حاشیہ اور تفسیر کے الفاظ متن میں اس قدر خلط ملط ہوئے ہیں کہ اب سنجیدہ کوشش سے بھی متن کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر گفتگو کی کوشش کروں گا۔

امام ابو جعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں بعض لوگوں سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیس بیٹے ہوئے۔ جو تمام کے تمام حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئے اور تمام جڑواں تھے۔ (آپ نے صرف ایک ہی شادی کی کیونکہ اولاد سے شادی شروع سے حرام رہی) ابن اسحاق نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے اور انہوں نے ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کے ایک سو بیس بطنوں نے دو سو چالیس (۲۴۰) جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ ہر بطن میں ایک بچہ تھا اور ایک بچی۔ پہلے بطن سے قابیل اور اس کی بہن قلیما پیدا ہوئے اور آخری بطن سے عبدالمغیث اور اس کی بہن ام المغیث پیدا ہوئے۔ اس کے بعد انسان

پھیلتے چلے گئے اور زمین پر پھلتے پھولتے بہت زیادہ تعداد میں پھیل گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایها الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے۔ اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)۔''

اہل تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے وصال سے پہلے اپنی اولاد سے اور ان کی اولاد پھر ان کی اولاد سے ایک لاکھ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ واللہ اعلم

۞ اللہ تعالیٰ کا فرماتا ہے:

ھوالذی خلقکم من نفس واحدة ... فتعالی اللہ عما یشرکون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''وہ (رب ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔ پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے۔ پھر چلتی پھرتی رہتی ہے اس کے ساتھ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں اللہ سے جو ان کا رب ہے کہ تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار بندوں سے۔ پس جب اللہ عطا کرتا ہے تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھی شریک اس میں جو اس نے انہیں دیا۔ تو بلند و برتر ہے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔''

اس آیت میں اولاً تو حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کر کے تنبیہ کی جا رہی ہے پھر پوری جنس انسانی کے متعلق گفتگو کا رخ پھیر دیا گیا ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کا ذکر مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک شخص کا ذکر کر کے گفتگو کا رخ پوری جنس کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔

۞ جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین۔ ثم جعلناه نطفةً فی قرار مکین ﴿سورۃ المومنون﴾

ترجمہ: ''اور بیشک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔''

اور یہ بات تو جانی پہچانی ہے کہ شیطان کو مار بھگانا ستاروں کے وجود سے نہیں بلکہ گفتگو کو ان کی شخصیت سے جنس کی طرف پھیرا جا رہا ہے۔

ایک حدیث ہے جسے امام احمد نے بیان کیا ہے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت حوا رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان کے اردگرد چکر لگایا۔ اس سے آپ کے ہاں بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ شیطان نے کہا کہ آپ ہونے والے بچے کا نام ابوالحارث رکھیں تو وہ زندہ رہے گا۔ آپ نے بچے کا نام ابوالحارث رکھا تو وہ نہ مرا اور زندہ رہا۔ اس بچے کی زندگی کا سبب شیطان کا وسوسہ اور اس کا حکم تھا۔

اس طرح اس حدیث کو ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مرویہ نے اسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں روایت کیا ہے۔ اس کو حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے۔ یہ تمام لوگ اس حدیث کی روایت عبدالصمد بن عبدالوارث سے کرتے ہیں۔

حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اگرچہ شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت نہیں کیا۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف عمر بن ابراہیم کے حوالے سے جانتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے عبدالصمد سے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ مرفوع نہیں ہے۔ اور یہی علت قادحہ ہے کہ یہ حدیث صحابی پر موقوف ہے مرفوع نہیں اور اسی وجہ سے قابل استدلال نہیں ظاہر ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ اسی طرح یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی موقوفاً روایت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ حدیث کعب بن احبار اور آپ کے ساتھیوں سے روایت کی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ ان آیات کی ایک دوسری تفسیر فرماتے ہیں۔ اگر ان کے بعد حضرت سمرہ سے کوئی مرفوع حدیث ہوتی تو وہ اپنی تفسیر میں اس روایت سے عدول نہ کرتے اور حدیث کے مطابق ان آیات کریمہ کی تفسیر کرتے۔

اس حدیث کے ناقابل عمل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو اس لیے تخلیق فرمایا کہ آپ بشریت کی اصل قرار پائیں اور آپ سے مرد اور عورتیں کثیر تعداد میں پھیلتی چلی جائیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں جیسا کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اگر یہ حدیث علت سے محفوظ ہے تو بھی ایک ظنی روایت بلکہ مقطوع روایت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لے جانا غلطی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس پر توقف کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

الحمد اللہ ہم اس پر تفسیر میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں۔ پھر رد کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہما رضی اللہ عنہا نہایت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور جو اس روایت میں بیان ہے وہ ان کے مقام رفیع کے کسی طرح مناسب نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کوئی

معمولی شخصیت نہیں۔ وہ ابوالبشر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا۔ ان میں اپنی روح پھونکی فرشتوں کو ان کے حضور سجدے کرنے کا حکم دیا۔ اور انہیں تمام اشیاء کے نام سکھائے اور جنت میں ٹھہرایا۔

تعداد انبیاء اور رسول:

ابن حبان نے حضرت ابوذر ؓ سے روایت کرتے ہوئے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! انبیاء کتنے ہو گزرے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک لاکھ چوبیس ہزار۔'' میں نے عرض کی: حضور! رسول کتنے ہیں؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! سب سے پہلے آنے والے رسول کون ہیں؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے رسول حضرت آدم ؑ ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا حضرت آدم ؑ بھی نبی مرسل تھے؟

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا۔ ان میں روح پھونکی اور انہیں خوبصورت شکل عطا فرمائی۔''

طبرانی، حضرت عطاء بن ابی رباح ؒ اور حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں افضل فرشتے کی خبر نہ دوں؟ فرشتوں میں سب سے افضل جبریل امین ؑ ہیں۔ نبیوں میں افضل ترین حضرت آدم ؑ ہیں۔ ایام میں سب سے زیادہ فضیلت جمعۃ المبارک کو حاصل ہے اور مہینوں میں رمضان المبارک سب سے افضل مہینہ ہے۔ اور راتوں میں شب قدر کی رات کو فضیلت ہے۔ اور عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے افضل ہیں۔''

اس حدیث کی یہ سند ضعیف ہے۔ اس میں نافع بن ھرمز کو ابن معین نے جھوٹا لکھا ہے۔ اور احمد، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن حبان وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت کعب احبار ؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں صرف حضرت آدم ؑ باریش ہوں گے اور کسی کی داڑھی نہیں ہوگی۔ آپ ؑ کی داڑھی سیاہ اور ناف تک لمبی ہوگی۔ جنت میں کوئی شخص کنیت نہیں کرے گا لیکن حضرت آدم ؑ کی وہاں بھی کنیت ہوگی، دنیا میں آپ ؑ کی کنیت ابوالبشر ہے اور جنت میں ابومحمد ہوگی۔

ابن عدی، شیخ بن خالد کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حماد بن سلمہ سے، وہ عمرو بن دینار سے، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''اہل جنت کو ان کے اپنے ناموں سے بلایا جائے گا لیکن حضرت آدم ؑ کو ابومحمد کہہ کر بلایا جائے گا۔'' اسی حدیث کو ابن عدی نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت کیا ہے لیکن یہ ہر لحاظ سے ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

بخاری و مسلم میں حدیث معراج میں ہے: ''حضور نبی کریم ﷺ کا جب حضرت آدم ؑ سے گزر ہوا تو آپ ؑ آسمان دنیا پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کو نیک بیٹے اور صالح نبی کے الفاظ سے خوش آمدید کہا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ لوگ تھے۔ جب آپ نے دائیں طرف دیکھا تو ہنس دیئے اور بائیں دیکھا تو رو پڑے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل ؑ! یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت جبریل ؑ نے بتایا: یہ حضرت آدم ؑ ہیں اور دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ جب انہوں نے دائیں والی روحوں کو دیکھا جو کہ جنتی ہیں تو ہنس دیئے ہیں اور جب بائیں والی روحوں کو دیکھا جو دوزخی ہیں تو رو پڑے۔''

محمد بن مثنیٰ حضرت حسن ؓ سے روایت کرتے ہیں: ''حضرت آدم ؑ کی ذہانت تمام بنی آدم کی ذہانت کے برابر ہے۔''

بعض علماء نے حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان ''میں حضرت یوسف ؑ کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ انہیں حسن کا ایک کثیر حصہ عطا کیا گیا ہے۔'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ کہ حضرت یوسف ؑ کا حسن حضرت آدم ؑ کے حسن سے آدھا تھا اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم ؑ کو اللہ نے پیدا کیا اور ان کو اپنے ہاتھ سے شکل و صورت عطا کی تھی۔ ان میں اپنی روح پھونکی تھی اور ظاہر ہے اس نے انہیں تمام چیزوں سے زیادہ حسن و جمال بخشا ہوگا۔

حضرت عمر ؓ سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا۔ تو فرشتوں نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! یہ جنت ہمیں عطا فرما دے بنی آدم کے لیے تو تو نے دنیا بنا دی ہے جہاں سے کھائیں گے اور پئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اپنے ہاتھ سے تخلیق کیے گئے آدم کی اولاد کو اس مخلوق کی طرح نہیں بناؤں گا جس کو میں نے کہا ہو جا تو وہ معرض وجود میں آ گئی۔

صحیحین اور دوسرے محدثین کی کئی طرق سے روایت کردہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔''

علماء نے اس حدیث پر گفتگو کی ہے اور اس بارے میں بہت سارے مسالک کا ذکر کیا ہے جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت:

شیث کے معنی عطیہ ربانی ہے۔ ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کے قتل کے بعد حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو اس صالح بیٹے کی صورت میں نیک بدلہ عطا کیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے ایک سو چار صحائف اتارے۔ ان میں سے پچاس صحائف حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے۔"

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت آدم علیہ السلام کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے ایک عہد لیا اور انہیں رات، دن کے اوقات (عبادت) کی تعلیم دی اور بتایا کہ فلاں وقت میں کون سی عبادت ہوگی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ میرے جانے کے بعد ایک بہت بڑا طوفان آئے گا۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ تمام اولاد آدم کا سلسلہ نسب حضرت شیث علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ کیونکہ آپ کی باقی تمام اولاد سے نسل نہیں چل سکی۔ سب کی سب نسل نیست و نابود ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال:

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات جمعۃ المبارک کے دن ہوئی۔ فرشتے خوشبو اور کفن جنت اور حریم قدس سے ساتھ لائے۔ حضرت شیث علیہ السلام سے تعزیت کی اور انہیں وصیت فرمائی۔

محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت آدم علیہ السلام کی رحلت ہوئی اس دن سے برابر سات دن رات تک چاند اور سورج کو گہن لگا رہا۔

ابو عبداللہ امام احمد، حمزہ یحییٰ یعنی ابن حمزہ سعدی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھے شخص کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ فرما رہے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: اے میرے بیٹو! مجھے جنت کے پھلوں کے کھانے کی خواہش ہو رہی ہے۔ آپ علیہ السلام کے بیٹے پھلوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں فرشتے ملے۔ جن کے ہاتھ میں کفن، خوشبوئیں، کلہاڑے، بیلچے اور ٹوکریاں تھیں۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا: اے آدم کے بیٹو! کیا ارادے ہیں؟ کیا تلاش کر رہے ہو؟ راوی کو شک ہے کہتا ہے کہ یا فرشتوں نے پوچھا کہ

تمہارا کیا ارادہ ہے یا یہ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے والد محترم بیمار ہیں اور انہیں جنت کے پھلوں کے کھانے کی خواہش ہے۔ فرشتوں نے کہا: واپس آجاؤ۔ تمہارے والد وفات پا گئے ہیں۔ وہ آئے اور جب حضرت حوا نے انہیں دیکھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پیچھے چھپ گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے دور ہو جا۔ میں تجھ سے پہلے آیا ہوں۔ میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی، انہیں غسل دیا، کفن پہنایا اور خوشبو لگائی، پھر ان کے لیے قبر کھودی اور لحد تیار کی۔ اس کے بعد ان پر نماز جنازہ ادا کی۔ انہیں قبر میں رکھا اور مٹی برابر کر دی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو بتایا کہ یہ ہے (تجہیز و تکفین) کا طریقہ۔ (اس حدیث کی نسبت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہے۔)

ابن عساکر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں پڑھیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر چار تکبیریں پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر چار تکبیریں کہیں اور حضرت صہیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر چار تکبیروں سے ہی نماز جنازہ ادا کی۔"

حضرت آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ کا جسد اطہر کو اسی پہاڑی کے نزدیک دفن کیا گیا جہاں پر ہندوستان میں آپ کو اتارا گیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے نزدیک جبل ابوقبیس کے نزدیک آپ کا مدفن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے زمانہ طوفان میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے جسم اطہر کو اور ان کی زوجہ محترمہ کے جسد اطہر کو نکال کر ایک تابوت میں رکھا اور انہیں بیت المقدس میں دفن کر دیا۔ یہ قول ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عساکر بعض علماء سے روایت کرتے ہیں: کہ آپکا سر اقدس مسجد ابراہیم کے پاس جبکہ باقی جسم بیت المقدس کی چٹان پر مدفون ہے۔ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کی وفات ایک سال بعد ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے اختلاف ہے۔ اس سے پہلے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی مرفوع حدیث میں گزر چکا ہے کہ "حضرت آدم علیہ السلام کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج تھی" موجودہ تورات کا بیان کہ آپ کی عمر مبارک نو سو تیس سال تھی یہ بیان حدیث کے مقابلے میں قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تورات کا بیان مردود اور مطعون ہے۔ (اس لیے کہ انہوں نے تورات میں تحریف کر دی ہے۔) وجہ یہ ہے وہ ایک ایسے قول کی مخالفت کر رہا ہے جو محفوظ ہے اور اللہ کے معصوم نبی سے اخذ کیا گیا ہے۔

تورات اور حدیث میں بھی ممکن ہے ۹۳۰ سال کو اگر دنیاوی زندگی یعنی ہبوط کے بعد کی زندگی پر محمول کیا جائے تو کل عمر ہزار سال بن جاتی ہے۔ تطبیق کی ایک صورت اور بھی ہے کہ ۹۳۰ سال شمسی اعتبار سے ہے اور ہزار سال قمری اعتبار سے۔ کیونکہ ۹۳۰ شمسی سال ۹۹۵ قمری سال کے برابر ہوئے اور پانچ سال ہبوط سے پہلے کے بھی اگر شامل کر لیں تو کل مدت عمر ایک ہزار سال بن جائے گی اس طرح قمری اعتبار سے آپ کی عمر ہزار سال بن جائے گی اور شمسی اعتبار سے بعد از ہبوط ۹۳۰ سال بن جائیگی۔

حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو تمام مخلوق نے سات دن تک گریہ کناں رہی۔ اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

حضرت شیث علیہ السلام کا بھاگ دوڑ سنبھالنا:

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد امور دنیا کی باگ ڈور حضرت شیث علیہ السلام نے سنبھالی۔ حضرت شیث علیہ السلام نبی تھے۔ جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "آپ پر پچاس صحائف نازل ہوئے تھے۔"

جب حضرت شیث علیہ السلام کی رحلت ہوئی تو ان کی جگہ ان کے بیٹے انوش نے لی۔ حضرت شیث علیہ السلام نے انہیں نیکی اور عدل وانصاف کے قیام کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ انوش کے بعد قینن پھر ان کے بیٹے مہلائیل۔ مہلائیل کے متعلق فارس کے عجمی لوگ کہتے ہیں کہ وہ سات اقالیم کے بادشاہ تھے۔ مہلائیل ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے درخت کاٹے۔ شہروں کی بنیادیں ڈالیں اور بلند قلعے تعمیر کیے۔

کہا جاتا ہے کہ بابل کا شہر انہیں کا بسایا ہوا ہے۔ اس طرح سوس اقصیٰ کے شہر کی بنیاد بھی انہوں نے ہی ڈالی تھی۔ انہوں نے ہی ابلیس اور اس کے لشکر پر سختی فرمائی تھی اور انہیں زمین کے اطراف اور پہاڑی دروں میں مار بھگایا تھا۔ اور بہت سارے باغی اور کافر جن ان کے ہاتھوں موت کی گھاٹ اترے تھے، ان کے سر پر ایک تاج ہوتا تھا اور وہ لوگوں کو خطاب کرتے تھے۔ ان کی حکومت چالیس سال تک قائم رہی۔ مہلائیل کے بعد ہفت اقالیم کی خلافت ان کے بیٹے "یرد" کے ہاتھ آئی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے "خنوخ" علیہ السلام کی وصیت فرمائی اور حکومت ان کے سپرد کر دی۔ حضرت خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ کر فی الکتاب ادریس، انه کان صدیقا نبیا۔ و ر فعناہ مکانا علیا ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے اور ان کی نبوت اور صدیقیت کو ظاہر فرمایا ہے۔ بائبل میں آپ کا نام "خنوخ" ذکر کیا گیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا سلسلہ نسب حضرت ادریس علیہ السلام کی وساطت سے حضرت شیث علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ اس طرح آپ حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب کی بنیاد قرار پاتے ہیں۔ کئی علماء نسب نے اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ کے بعد حضرت شیث علیہ السلام تھے اور حضرت شیث علیہ السلام کے بعد نبوت کا نور حضرت ادریس علیہ السلام کی وساطت سے انسانیت کو نصیب ہوا۔

لکھنے کا طریقہ اور علم رمل:

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے لکھنے کا طریقہ جاری کیا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ پایا اور آپ کی پیدائش کے تین سو اسی سال بعد تک زندہ رہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ معاویہ بن حکم سلمی کی بیان کردہ حدیث پاک میں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف ہی اشارہ کیا گیا ہے۔ "جب حضور نبی کریم ﷺ سے علم رمل کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نبی ریت پر خط کھینچا کرتے تھے بس جس شخص کا خط ان کے خط کے موافق پڑے، اسے بعض چھپی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے؟ علماء کے تفسیر و احکام میں سے بہت سارے لوگوں کا یہ گمان ہے کہ سب سے پہلے علم رمل میں حضرت ادریس علیہ السلام نے ہی گفتگو کی۔ اسی لیے آپ علیہ السلام کو اس علم کا سب سے بڑا ماہر کہا جاتا ہے۔ اہل نجوم آپ علیہ السلام کی طرف کئی جھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں جس طرح کہ اکثر لوگ انبیاء، علماء کرام، حکماء اور اولیاء کرام کے بارے کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ورفعناہ مکانا علیا" سے مراد آپ کے مقام و مرتبہ کی بلندی ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حدیث معراج سے ثابت ہے: "کہ حضور نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا۔ آپ چوتھے آسمان پر تھے۔"

ابن جریر سے روایت ہے کہ ہلال بن یساف کی موجودگی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ربانی "ورفعناہ مکانا علیا" کا کیا مقصد ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں ہر روز تمہیں تمام بنی آدم کے نیک کاموں کے مطابق بلند کروں گا۔ شاید اس سے مراد اس دور کے لوگ ہوں تو آپ علیہ السلام نے یہ بات پسند کی کہ زیادہ سے زیادہ نیک عمل کریں۔ آپ علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ آیا جو آپ کا بہت گہرا دوست تھا۔ آپ نے اس کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف اس طرح وحی کی ہے لہٰذا آپ موت کے فرشتہ سے بات کریں (کہ وہ مجھے مہلت دے) تا کہ میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل بجا لاسکوں۔ تو اس فرشتے نے آپ کو دو پروں کے درمیان اٹھایا اور آپ کو لے کر آسمان کی طرف چلا گیا، جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو اسے موت کا فرشتہ ملا جو نیچے اتر رہا تھا، دوست فرشتے نے ملک الموت سے اس سلسلے میں بات کی جس کے متعلق حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے بات کی تھی۔ ملک الموت نے پوچھا: حضرت ادریس علیہ السلام کہاں ہیں؟ فرشتے نے بتایا کہ وہ میری پیٹھ پر سوار ہیں۔ فرشتہ اجل نے کہا: تعجب ہے! مجھے بھیجا گیا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرو جبکہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں۔ کہنے لگا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ان کی چوتھے آسمان پر روح قبض کروں جبکہ وہ زمین پر ہوں؟ سو فرشتہ اجل نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی جبکہ وہ چوتھے آسمان پر تھے۔ اللہ کے اس قول "ورفعناہ مکانا علیا" میں اسی بات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابو حاتم لکھتے ہیں کہ جب ملک الموت سے اس فرشتے کی ملاقات ہوئی تو حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے کہا کہ ذرا فرشتہ اجل سے پوچھو کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ فرشتے نے ملک الموت سے پوچھا جبکہ حضرت ادریس علیہ السلام وہیں موجود تھے کہ ان کی بقیہ عمر کتنی ہے؟ فرشتہ اجل نے کہا کہ میں جب تک دیکھ نہیں لیتا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فرشتہ اجل نے آپ کو دیکھا اور کہا: آپ ایسے شخص کی عمر کے بارے میں مت پوچھیں جن کی عمر صرف پلک جھپکنے کی دیر باقی ہے۔ فرشتے نے اپنے پروں کے نیچے دیکھا تو حضرت ادریس علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے اور ان کے دوست فرشتے کو معلوم بھی نہ ہو سکا تھا کہ وہ کب جہان فانی سے کوچ فرما گئے۔ یہ روایت

اسرائیلیات سے ہے اور اس کے بعض پہلو قابل قبول نہیں ہیں۔

ابی نجیح، مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ورفعناہ مکانا علیا" میں اس بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے۔" یہ کہنا کہ آپ ابھی زندہ ہیں اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اگر مقصود یہ ہے کہ آپ کو زمین سے زندہ اٹھا لیا گیا اور آسمان پر ان کی روح قبض کی گئی تو اس میں اور پہلے قول جیسے کعب الاحبار نے بیان فرمایا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

"ورفعناہ مکانا علیا" کے متعلق عوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو ساتویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور آپ کی وفات آسمان پر ہی ہوئی۔ ضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ حدیث کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں، متفق علیہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ قول مجاہد اور دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اس آیت کریمہ کے بارے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے باپ "برد بن مہلائیل" کی زندگی میں اٹھا لیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

بعض اہل علم کا کہنا یہ بھی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں ہوئے بلکہ ان کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ امام بخاری، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ہی حضرت ادریس علیہ السلام کہا گیا ہے۔ اس بات کی تائید میں حدیث معراج پیش کی جا سکتی ہے جسے امام زہری نے روایت کیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا تو حضرت ادریس علیہ السلام نے خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبی کے الفاظ سے استقبال کیا اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضور نبی کریم ﷺ کو صالح نبی اور صالح بیٹے کے الفاظ سے مخاطب نہیں کیا۔ اس حدیث اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اگر حضرت ادریس علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب کی بنیاد ہوتے تو انہیں بھائی نہیں بلکہ بیٹے کے الفاظ سے خوش آمدید کہتے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات راوی کو اچھی طرح حدیث یاد نہیں ہوتی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے جلیل القدر نبی کو عاجزی و انکساری کی بنا پر بھائی کہا ہو کیونکہ ابن میں عاجزی کا اظہار نہیں ہوسکتا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو ابویت حاصل ہے وہ حضرت ادریس علیہ السلام کو حاصل نہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضور نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ بن یرد بن مہاییل بن قنسین بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت باسعادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی۔ابن جریر اور دیگر علماء تفسیر کے بیان کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے۔اہل کتاب کی تاریخ کے اعتبار سے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔آپ علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھیالیس سال بعد پیدا ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان فاصلہ:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں کا فاصلہ ہے جیسا کہ حافظ ابوحاتم بن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے۔ابوسلام کہتے ہیں میں نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام نبی تھے تو حضور نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: ہاں آپ علیہ السلام نبی تھے اور اللہ سے کلام کرتے تھے۔اس شخص نے دوسرا سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دس قرن۔''

یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے اگرچہ انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں کا فاصلہ ہے اور ان کے درمیان جتنے لوگ پیدا ہوئے ہیں تمام اسلام پر تھے۔'' اگر ہم اس حدیث کو تسلیم کر لیں تو اہل کتاب اور اہل تاریخ کا یہ نظریہ رد ہو جاتا ہے کہ قابیل اور اس کے بیٹے آگ کے پجاری تھے۔واللہ اعلم

قرن سے مراد انسانوں کا گروہ بھی ہو سکتا ہے جیسا قرآن کریم سے ثابت ہے:

و کم اھلکنا من القرون من بعد نوح ﴿سورۂ الاسراء﴾

ترجمہ: ''اور کتنی قومیں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد۔''

ثم انشانا من بعد ھم قرونا آخرین ﴿سورۂ مومنون﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے پیدا فرما دی ان (کے غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت''

و قرونا بین ذلک کثیرا ﴿سورۂ فرقان﴾

ترجمہ: ''اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔''

و کم اھلکنا قبلھم من قرن ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: ''کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا۔''

ان تمام آیات طیبات میں قرن سے مراد قوم، گروہ جماعت ہے وقت نہیں ہے۔اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی قرن سے مراد جماعت لیا گیا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(خیر القرون قرنی ....) ترجمہ: ''بہترین جماعت میری جماعت (صحابہ) ہے۔''

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تاریخ کا ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا۔اس بنا پر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال ہوں گے۔واللہ اعلم

دنیا کی حالت اور بعثت حضرت نوح علیہ السلام:

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث فرمایا، جب دنیا پر بت پرستی ہوئی تھی اور نسل آدم ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہی تھی۔اللہ تعالیٰ کے متعلق عجیب و غریب نظریات مسلم تھے اور کفر کا دور دورہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بندوں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔آپ اہل زمین کے پاس تشریف لانے والے پہلے رسول ہیں۔جیسا کہ قیامت کے روز آپ کو لوگ ''اول الرسل'' کہہ کر شفاعت کیلئے عرض کریں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے، انہیں بنو راست کہا جاتا تھا جیسا کہ ابن جبیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ان کی بعثت کس عمر میں ہوئی اس بارے اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی۔ایک قول تین سو پچاس سال کا ہے۔ایک قول چار سو اسی کا ہے، انہیں ابن جریر نے بیان کیا ہے اور تیسرے قول کو اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم، منکرین کیلئے طوفان کا عذاب، اہل ایمان کی نجات وغیرہ موضوعات کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔سورۂ الاعراف، سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ انبیاء، سورۂ مومنون، سورۂ شعراء، سورۂ عنکبوت، سورۂ صافات، سورۂ اقتربت میں آپ کے متعلق مختلف اسالیب سے گفتگو ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے پوری ایک سورۃ بھی نازل فرمائی ہے۔

قرآن میں تذکرہ:

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد ارسلنا نوحا الی قومہ .... انھم کانوا قوما عمین۔ ﴿سورۂ اعراف﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے، ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: اے نوح! ہم دیکھتے ہیں تمہیں کھلی گمراہی میں۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمہیں اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم سے میں ہے، تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے، پھر بھی انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کردیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے۔''

۞ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اتل علیھم نبا نوح اذ قال لقومہ .... کیف کان عاقبۃ المنذرین ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: ''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں نوح (علیہ السلام) کی خبر، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیا۔ سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کرلو اپنے شریکوں سے مل کر، پھر نہ ہو تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کوئی اجر۔ نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے۔ تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا، پس ہم نے نجات دی، انہیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا اور انہیں ان کا جانشین، اور ہم نے غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا، ان کا جنہیں ڈرایا گیا تھا۔''

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد ارسلنا نوحا الی قومہ انی لکم .... ان العاقبۃ للمتقین۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف، انہوں نے کہا: اے قوم! میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں، کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آجائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمہیں مگر انسان اپنے جیسا اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت ہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے خاص رحمت اپنی جناب سے، پھر پوشیدہ کر دی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اے میری قوم! میں تمہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال، نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور میں (تمہیں خوش کرنے کیلئے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے اور اے میری قوم! کون مدد کر سکتا ہے میری اللہ کے مقابلے میں۔ اگر میں نکال دوں اہل ایمان کو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں کہ ہرگز نہیں دیگا انہیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے۔ وہ (برافروختہ ہوکر) بولے۔ اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا (اس مباحثہ کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس اس (عذب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہے ہو اگر تم سچے ہو، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی، اگر چہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردے، وہ پروردگار ہے تمہارا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمایئے اگر میں نے خود گھڑا ہے تو مجھ پر ہوگا وبال میرے جرم کا اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے جو تم کرتے ہو اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے بجز ان کے جو ایمان لاچکے، اس لیے آپ غمگین نہ ہوں۔ اس سے جو وہ

کیا کرتے ہیں اور بنایئے ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسواء کر دے گا اسے اور (کون ہے) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔ یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا تنور تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر و مادہ دو اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور انہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ مگر تھوڑے لوگ، اور نوح نے کہا: سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے۔ بے شک میرا رب غفور و رحیم ہے اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑی کی مانند ہیں اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا۔ بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ۔ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی، وہ بچا لے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا: (بیٹا) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے اور (اسی اثنا میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج۔ پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے۔ حکم دیا گیا اے زمین! نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان! تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گیا اور رک گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کیلئے، پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں۔ پس نہ سوال کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا، نادانوں سے۔ عرض کرنے لگے اے میرے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں کاروں سے۔ ارشاد ہوا: اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن و سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔ اور (آئندہ) کچھ قومیں ہونگی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب، یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے

نہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم اس سے پہلے۔ پس آپ صبر کریں۔ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔"

و نوحا اذا نادی من قبل .... فاغر قنهم اجمعین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو نوح (علیہ السلام) کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بے شک وہ بڑے نابجار لوگ تھے، پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ارسلنا نوحا الی قومه .... و ان کنا لمبتلین۔ ﴿سورۃ مومنون﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباؤ اجداد میں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے۔ سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔ آپ نے عرض کی: اے اللہ! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے، تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق۔ پھر جب آ جائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں۔ آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشے پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے۔ اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے اللہ! اتار مجھے بابرکت منزل پر، اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصے میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذبت قوم نوح المرسلین۔ .... و ان ربك لهو العزیز الرحیم ﴿سورۂ شوریٰ﴾

ترجمہ: ''جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں کو، جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر، حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے، اگر تمہیں شعور ہے اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا مومنوں کو، نہیں ہوں میں مگر صاف صاف ڈرانے والا۔ ان (مغروروں) نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔ آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے بس تو فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے درمیان جو قطعی ہو اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان سے۔ پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ارسلنا نوحا الی قومه .... و جعلنا ها ایة للعالمین ﴿سورۂ عنکبوت﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال، آخر کار گھیر لیا طوفان نے، اس حال میں کہ وہ ظالم تھے، پس ہم نے نجات دیدی نوح کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کیلئے۔''

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد نادنا نوح فلنعم المجیبون .... ثم اغرقنا الاخرین۔ ﴿سورۂ صافات﴾

ترجمہ: ''اور پکارا ہمیں نوح نے۔ پس ہم بہترین فریاد رس ہیں اور ہم نے نجات دیدی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا، اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے، پھر ہم

نے غرق کر دیا اور دوسرے لوگوں کو۔''

۞ ارشاد خداوندی ہے:

کذبت قبلهم قوم نوح فکذبوا .... اللذکر فهل من مذکر۔ ﴿سورۂ القمر﴾

ترجمہ: ''جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا۔ آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے، پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو، پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کیلئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے (یہ طوفان) بدلہ تھا، اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے باقی رکھا اس کو بطور نشان۔ پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔''

۞ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

انا ارسلنا نوحا الی قومه .... ولا تزد الظلمین الا تبارا۔ ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی طرف (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ معیاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے۔ نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا، اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے، اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا

ہے۔ وہ برسائے گا آسمان پر تم پر موسلا دھار بارش۔ اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی۔ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہہ بہ تہ، اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا اور اللہ تعالیٰ نے ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تا کہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو۔ نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو!) نوح کے کہنے پر ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے۔ اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ اور نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہو گی۔ میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے۔"

ہم اپنی تفسیر میں مذکورہ تمام آیات کے ضمن میں اس قصے پر مفصل بات کر چکے ہیں۔ ان متفرق آیات کے حوالے سے اب ہم اس قصہ کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں اور اس قصہ سے متعلق جو احادیث کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں انہیں بھی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

مذکورہ آیات کے علاوہ بھی بہت ساری آیات ایسی ہیں جن میں حضرت نوح علیہ السلام کی مدح و ستائش اور آپ کے مخالفین کی مذمت کی گئی ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا اوحينآ اليك كما او حينا .... و كان الله عزيزا حكيما۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان

نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ ایوب یونس ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا: اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کیلئے اور ڈرانے کیلئے تا کہ نہ رہے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔"

سورۃ الاعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

الم یا تہم نبا الذین من قبلہم قوم نوح .... انفسہم یظلمون۔ ﴿سورۃ برأت﴾

ترجمہ: "کیا نہ آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح اور عاد ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ آئے ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔"

سورۂ یونس اور ہود میں یہ قصہ تفصیل سے آیا ہے۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح ......مما تدعوننا الیه مریب۔ ﴿سورۃ ابراہیم﴾

ترجمہ: "کیا تمہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں کی) کو جو پہلے گزر چکی ہیں۔ یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں پس انہوں نے ڈال لیے اپنے ہاتھ اپنے موہنوں میں اور کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی ہم شک میں ہیں جو تذبذب میں ڈالنے والا ہے۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذریة من حملنا مع نوح انه کان عبدا شکورا ﴿سورۃ الاسراء﴾

ترجمہ: "اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کے ساتھ۔ بے شک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔"

۞ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

و کم اھلکنا من القرون من بعد نوح۔ و کفی بربك بذنوب عبادہ خبیرا بصیرا ﴿سورۂ الاسراء﴾

ترجمہ: ’’اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

(سورۂ انبیاء، مومنون، شعراء اور عنکبوت کی متعلقہ آیات گزر چکی ہیں۔)

۞ ایک اور جگہ فرمان الٰہی ہے:

و اذ اخذنا من النبیین میثا قھم و منك و من نوح و ابراھیم و موسی و عیسی ابن مریم و اخذنا منھم میثاقا غلیظا۔ ﴿سورۂ احزاب﴾

ترجمہ: ’’(اور اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔‘‘

کذبت قبلھم قوم نوح و عاد و فرعون ذو الاوتاد۔ و ثمود و قوم لوط و اصحاب الایکۃ اولئك الاحزاب۔ ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب ﴿سورۂ ص﴾

ترجمہ: ’’جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔ یہی وہ گروہ ہیں، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب۔‘‘

۞ اور ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

کذبت قبلھم قوم نوح و الاحزاب .... کفروا انھم اصحب النار۔ ﴿سورۂ غافر﴾

ترجمہ: ’’جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے ان کے ساتھ ناحق تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو۔ پس میں نے پکڑ لیا انہیں کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں۔‘‘

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی .... الیہ من ینیب۔ ﴿سورۂ شوریٰ﴾

ترجمہ: ’’اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا۔ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم

السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا، اس میں بہت گراں گزری ہے، مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔‘‘

۞ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود و عاد و فرعون و اخوان لوط۔ و اصحاب الایکۃ و قوم تبع کذب الرسل فحق و عید۔ ﴿سورۂ ق﴾

ترجمہ: ’’(حق) کو جھٹلایا تھا (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو۔ پس پورا ہو گیا عذاب کا وعدہ۔‘‘

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قوم نوح من قبل، انھم کانوا قوما فاسقین ﴿سورۂ ذاریات﴾

ترجمہ: ’’اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی نافرمان تھے۔‘‘

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قوم نوح من قبل، انھم کانوا ھم اظلم و اطغی ﴿سورۂ نجم﴾

ترجمہ: ’’اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو اس سے پہلے، وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔‘‘

سورۂ قمر کی متعلقہ آیات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و لقد ارسلنا نوحا و ابراھیم و جعلنا فی ذریتھما النبوۃ و الکتاب فمنھم مھتد و کثیر منھم فاسقون۔ ﴿سورۂ الحدید﴾

ترجمہ: ’’اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب، پس ان میں سے چند ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔‘‘

۞ اور ارشاد الٰہی ہے:

ضرب اللہ مثلا الذین کفروا امرات نوح ...... مع الداخلین۔ ﴿سورۂ تحریم﴾

ترجمہ: ’’بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال، وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں نے ان دونوں

سے خیانت کی، پس وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے، اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔"

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ قرآن وسنت اور احادیث و آثار سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں: "حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں جو تمام کے تمام اسلام پر تھے۔" اسے امام بخاری نے روایت فرمایا ہے۔ اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ آیت میں قرن سے مراد تو جماعت ہے یا گزشتہ مدت اور عرصہ۔ پھر ان قرون صالحہ کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اس دور کے لوگ بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو گئے۔

دنیا میں بت پرستی کی ابتداء:

بت پرستی کے رواج کا اصل سبب وہی ہے جسے امام بخاری نے ابن جریج کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جسے انہوں نے عطا سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

و قالو الا تذرن الھتکم و لا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث و یعوق و نسرا ﴿سورۂ نوح﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سواع، یغوث، یعوق اور نسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب یہ صالحین رحلت فرما گئے تو شیطان نے ان لوگوں کے دل میں وسوسہ اندازی کی کہ وہ ان کی مجالس اور بیٹھکوں کی جگہ پر پتھر کھڑے کر دیں اور ان پتھروں کو ان صالحین کے نام سے موسوم کریں سو انہوں نے اول اول تو ایسے ہی کیا لیکن جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان پتھروں کے متعلق معلومات کم رہ گئیں تو عقیدہ بدل گیا اور انہیں پتھروں کی عبادت شروع ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قوم نوح کے یہی بت بعد میں عرب لوگوں کے معبود قرار پائے۔ عکرمہ، ضحاک، قتادہ، محمد بن اسحاق نے بھی یہی فرمایا ہے۔

ابن جریر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی صدیوں میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندے بہت شہرت رکھتے تھے۔ ان کے پیروکار ان سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے۔ جب وہ بندگان خدا رحلت فرما گئے تو ان کے متبعین نے سوچا اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو جب ان تصویروں کو دیکھ کر اللہ کے ان بندوں کو یاد کریں گے تو شوق عبادت زیادہ ہو گا اور ہم عبادت خداوندی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ یہ سوچ کر انہوں نے تصویریں بنالیں، جب یہ لوگ بھی وفات پا گئے تو ابلیس چپکے سے بعد والوں کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ تمہارے اسلاف

ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور انہیں کے وسیلے سے ان پر بارش ہوتی تھی یہ سن کر نئی نسل نے ان بتوں کی عبادت کرنا شروع کر دی۔

ابن ابی حاتم عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ود، یعوث، سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ود ان تمام سے عمر میں بڑا تھا اور سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار تھا۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ لوگوں نے وہیں یزید بن مہلب کا ذکر چھیڑ دیا۔

راوی کہتا ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم لوگ یزید بن مہلب کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ یزید بن مہلب اس سرزمین میں قتل ہوا جس میں سب سے پہلے بت پرستی شروع ہوئی، پھر "ود" کا ذکر چھڑ گیا تو آپ نے فرمایا: کہ ود ایک نیک آدمی کا نام ہے۔ وہ اپنی قوم میں نہایت ہی عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جب ود نے رحلت فرمائی تو ان کے متبعین ان کی قبروں کے اردگرد طواف کرنے لگے اور رونے پیٹنے لگے، ود کی قبر بابل میں تھی جب ابلیس لعین نے ان کی آہ و زاری دیکھی تو انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اس شخص پر تمہاری آہ و بکا دیکھ چکا ہوں۔ کیا میں تمہارے لیے اس کی ایک شبیہ نہ بنا دوں کہ تم گھروں میں رکھ لو اور اسے یاد کیا کرو۔ ود کے عقیدت مندوں نے کہا: ہاں ہمارے لیے شبیہ بنا دے۔ شیطان نے ود کی شبیہ تیار کی اور ان لوگوں نے یہ شبیہ اپنے گھروں میں رکھ لی اور اسے یاد کرنے لگے، جب کچھ عرصہ گزر گیا اور ود کا باقاعدگی سے ذکر شروع ہو گیا تو شیطان نے کہا: اگر میں ہر گھر کیلئے ایک شبیہ تیار کر دوں تو کیا خیال ہے؟ تاکہ ہر شخص کے گھر میں ود کی شبیہ موجود ہو اور وہ ہر وقت اسے یاد کیا کرے۔ لوگوں نے اس تجویز کا اثبات میں جواب دیا۔ ہر گھر میں تمثیل بن گئی اور بچوں نے اپنے والدین اور بڑوں کو جب دیکھا تو خود بھی ان کی پیروی کرنے لگے اور سلسلہ چلتا رہا۔ آخر یہ عقیدت مندی اور ذکر کا سلسلہ بت پرستی پر منتج ہوا اور آنے والی نسلوں نے "ود" کو خدا مان کر عبادت شروع کر دی اور یوں سب سے پہلے جس بت کو خدائی کا درجہ ملا وہ ایک صالح شخص "ود" کا بت تھا، اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر بت کی لوگ عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ شکلیں مجسم خداؤں کا روپ دھارتی گئیں اور یوں لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی بندگی کرنے لگے، مشرکین کے بت پرستی کے بارے مختلف مسلک تھے، جنہیں ہم نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

بخاری و مسلم سے روایت ہے جب حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنھن نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حبشہ کی سرزمین میں ''ماریہ'' نامی کلیسا کا ذکر کیا اور اس کی خوبصورتی اور اس میں رکھی گئی تصویروں کے متعلق گفتگو کی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''زمانہ قدیم میں جب کوئی نیک شخص مرجاتا تھا تو لوگ اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ تعمیر کردیتے تھے، پھر اس عبادت گاہ میں اس کی تصویر بنادیتے تھے۔ اللہ کی مخلوق میں اللہ کے نزدیک یہ لوگ سب سے برے ہیں۔''

ان رُوایات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب زمین میں انتشار کی آگ پھیل گئی اور بت پرستی کی لعنت عام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بندگی کی دعوت دیں اور انہیں بتائیں کہ اس کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور انہیں غیر اللہ کی عبادت سے روک دیں۔ حضرت نوح علیہ السلام بنی نوع انسان کی طرف تشریف لانے والے اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں۔

جیسا کہ بخاری و مسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے حدیث شفاعت میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کرینگے: اے آدم! آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہماری شفاعت نہیں فرماتے؟ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس قدر مشکل اور تنگی میں ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب و جلال میں ہے، اتنے جلال میں وہ پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ کبھی بعد میں اس طرح جلال میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر میں نافرمانی کر بیٹھا تھا اور الامان الامان فرمائیں گے اور کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے: اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والے سب سے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس قدر تکلیف میں ہیں؟ ہم جس حالت کو پہنچ چکے ہیں آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ کیا آپ ہماری بارگاہ خداوندی میں سفارش نہیں فرماتے؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے، آج میرا پروردگار اتنے غضب و جلال میں ہے کہ نہ اس سے قبل کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں ہوگا۔ الامان الامان۔ پھر

تمام حدیث بیان کی جس طرح کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ نوح میں نقل کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی لوگوں کو تبلیغ:

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ نے اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ بتوں، مورتیوں اور طاغوت کی عبادت نہ کرو۔ آپ نے انہیں تبلیغ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کوئی اس کے بغیر پروردگار نہیں، تم سب اسی کو خدا مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد سے مبعوث ہونے والے انبیاء و رسل کو حکم دیا جیسا کہ ان آیات طیبات سے ظاہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و جعلنا ذریته هم الباقین ﴿سورۂ صافات﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے بنادیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔''

✿ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و جعلنا فی ذریتهما النبوة و الکتاب ﴿سورۂ الحدید﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب۔''

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اور رسول آئے، ان تمام کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی مبعوث ہوا، وہ انہیں کی پشت سے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدو الله و اجتنبوا الطاغوت۔ ﴿سورۂ نحل﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول کہ عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے۔''

واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن آلهة يعبدون ﴿سورۂ زخرف﴾

ترجمہ: ''اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے، کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے۔''

✿ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیه انه لا له الا انا فاعبدون۔ ﴿سورۂ انبیاء﴾

ترجمہ: ”اور انہیں بھیجا ہم نے آپ سے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری عبادت کیا کرو۔“

اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو منصب دعوت وارشاد دے کر مبعوث کیا گیا تو آپ نے اپنی قوم کو اسلام کا یہی بنیادی نکتہ سمجھانے کیلئے تبلیغ شروع کی اور فرمایا:

اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ۔ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”کہ نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آجائے۔“

یا قوم انی لکم نذیر مبین۔ ان اعبدا اللہ واتقوہ واطیعون ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: ”اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ عبادت کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔“

و قد خلقکم اطوارا ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: ”حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔“

ان تمام آیات طیبات میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کی بنیادی تعلیمات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے مشرکین کو اسلوب بدل بدل کر دعوت دی۔ انہیں کبھی تو رات کی تاریکیوں کی طرف متوجہ کیا اور کبھی دن کی روشنی کی طرف توجہ دلائی تاکہ وہ اس نظام کو دیکھ کر اس اعلیٰ ہستی کا یقین کر لیں جس کا دست قدرت اس نظام کے پیچھے کارفرما ہے، کبھی سری طریقہ اختیار کیا اور کبھی جہری طریقہ۔ کبھی انہیں ترغیب دی اور کبھی ترہیب، لیکن تبلیغ کا کوئی طریقہ کارگر ثابت نہ ہوا، لوگ ضلالت اور سرکشی پر ڈٹے رہے اور بتوں اور مورتیوں کی عبادت سے بالکل ہی اجتناب نہ کیا بلکہ آپ کی تبلیغ سے ان کی دشمنی کا شعلہ بھڑک اٹھا اور وہ ہر وقت ہر لحہ آپ کے خلاف سوچنے لگے۔ آپ کی تبلیغ کو وہ تمسخر میں اڑا دیتے اور آپ کی اور آپ کے متبعین کی تحقیر و تنقیص شان کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے، جب تبلیغ کا سلسلہ دراز ہوا تو ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہوا۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر دعوت وارشاد کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے اور تجھے اس شہر سے نکال دیں گے۔ ان کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی اور آئے دن ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ”قال الملاء من قومه“ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے

بڑے رئیس۔ کہنے لگے: ”انا لنراك فی ضلالة و لکنی رسول من رب العالمین“ آپ نے فرمایا: کم عقلو! عقل کے ناخن لو، میں گمراہ نہیں بلکہ تمہارے رب العلمین کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اس خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں جو بے بس نہیں قادر مطلق ہے جب کسی چیز کا کہتا ہے ہو جا تو وہ ایک لمحے میں معرض وجود میں آجاتی ہے۔ تم مجھے بے راہ رو کہتے ہو اور میں ”ابلغکم رسالات ربی وانصح لکم و اعلم من اللہ ما لا تعلمون“ تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔ تم مجھے اس لیے گمراہ کہتے ہو کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔

قوم کا جھٹلانا اور دین حق قبول کرنے سے انکار:

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہونے کے ناطے بہت فصیح و بلیغ اور مخلص نصیحت کرنے والے تھے اور جو کچھ وہ جانتے تھے دنیا کے تمام لوگ بھی جاننے سے قاصر تھے کیونکہ وہ تلمیذ رحمٰن تھے اور لوگوں کو علام الغیوب کا تعارف کرانے آئے تھے، لیکن قوم نے آپ کی مخلصانہ نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کہنے لگے:

ما نراك الا بشرا مثلنا و ما نراك اتبعك الا الذین هم ارا ذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: ”ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔“

انہیں تعجب ہوا کہ ایک انسان اللہ کا رسول کیسے بن سکتا ہے۔ وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو بے عزت کرتے تھے اور انہیں ذلیل اور کمینہ گمان کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ان کا تعلق بہت غریب طبقہ سے تھا اور وہ لوگ انہیں کمی اور عاجز شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ ہرقل نے کہا: ”و هم اتباع الوسل“ کہ وہ رسولوں کے متبع ہیں اور یہ صرف اس لیے ہوا کہ جب ان غریب لوگوں پر حق واضح ہو گیا تو پھر کوئی چیز انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع سے باز نہ رکھ سکی اور کافروں کا آپ کے صحابیوں کے متعلق ”بادی الرای“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی دعوت پر غور و خوض نہیں کیا بلکہ سنتے ہی اندھی تقلید کرتے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لیے۔ کفار جس چیز کو برائی خیال کر رہے تھے درحقیقت یہ ان کیلئے وجہ عزت و شرف تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ان پاکباز بندوں نے جونہی اللہ کے نبی کی اخلاص بھری

باتوں کو سنا تو وقت ضائع نہیں کیا اور اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حق کسی فکر و نظر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اس کی اتباع اور پیروی واجب اور ضروری ہوتی ہے۔

اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس نے سوچ و بچار کی سوائے ابوبکر کے۔ انہوں نے کوئی پس و پیش نہیں کی۔'' اسی لیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد آپ کے ہاتھ پر بغیر کسی تردد کے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فوراً بیعت کر لی کیونکہ آپ کی افضلیت تمام صحابہ کرام پر ظاہر و باہر تھی۔ اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت کا پروانہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور پھر ترک کر دیا تو فرمایا: "یا بی اللہ و المؤمنون الا ابابکر" کہ ''اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ ہر کسی کی خلافت کا انکار کرے گا۔'' یعنی ابوبکر کی موجودگی میں کسی اور کی بیعت نہیں کی جائے گی۔ اس لیے تحریر لکھنا ضروری نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرکشوں اور کافروں نے آپ علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے متعلق کہا:

وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کا ذبین۔ قال یا قول ارایتم ان کنت علی بینة من ربی و اتا نی رحمة من عنده فعمیت علیکم انلز مکموها و انتم لها کارهون۔ ﴿سورۂ ہود﴾

یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد ہم تم میں کوئی ایسی خصوصیت تو نہیں دیکھ رہے جو تمہیں دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہو، تم جیسے تھے اب بھی ویسے ہی تو ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت الی الحق کیلئے جواباً بڑا ہی کرم اور شفقت بھرا لہجہ اختیار فرمایا اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے انداز گفتگو کی بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ''اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (غضب سے) ڈرنے لگے۔''

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن

ترجمہ: ''بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے

بحث (ومناظرہ) اس انداز ہ سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔''

مذکورہ بالا آیت میں بھی حضرت نوح علیہ السلام حکمت و شائستگی سے دعوت حق دے رہے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: "ارائیتم ان کنت علی بینة من ربی و اتا نی رحمة من عنده" یہاں بینہ اور رحمت سے مراد نبوت و رسالت ہے۔ "فعمیت علیکم" یعنی تم نہ سمجھ سکو اس حقیقت کو اور تمہاری رسائی اس تک نہ ہو تو "انلز مکموها" تو کیا ہم اس دین کو تم پر مسلط کر دیں اور تم کو اس کی قبولیت پر مجبور کریں؟ "و انتم لها کارهون" یعنی اس صورت میں تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ "و یا قوم لا اسالکم علیه مالا ان اجری الا علی الله" یعنی اس پیغام کی تبلیغ پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا جو پیغام تمہاری دنیوی اور اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔ میں دعوت و ارشاد کے ثواب کی تمنا اور آرزو اپنے رب سے رکھتا ہوں، جو میرے لیے بہتر ہے اور تمہارے فانی مال و دولت کے مقابلے میں باقی رہنے والی ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

"و ما انا بطارد الذین امنوا انهم ملا قو ربهم و لکنی اراکم قوما تجهلون" سردار ان قوم کا یہ مطالبہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے غریب اصحاب کو اپنے سے دور کر دیں تب وہ اس کے پاس جمع ہوں گے اور اس کی بات مانیں گے لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا: "انهم ملا قو ربهم" وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے ان مخلص بندگان خدا کو اپنے سے الگ کر دیا تو کل اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

اسی لیے جب قریش نے حضور نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان غریبوں کو اپنی محفل سے الگ کر دیں تو ہم آپ کے پاس آئیں گے اور آپ کی دعوت سنیں گے۔ جیسا کہ حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب (رضی اللہ عنہم) اور اس جیسے دوسرے غریب صحابہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا جیسا کہ سورۂ انعام اور سورۂ کہف کی آیات سے ظاہر ہے۔

۞ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

ولا اقو لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملك ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں تو صرف اتنا علم رکھتا ہوں جتنا میرے مالک نے مجھے عطا فرمایا ہے اور میری قدرت اتنی ہے جتنی میرے رب نے مجھے عطا کی ہے۔ میں تو اپنے نفع و نقصان پر صرف اتنی قدرت اور تصرف رکھتا ہوں جتنی پروردگار عالم کی مشیت میں ہے۔

"ولا اقول للذین تذدری اعینکم" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکار "لیؤتیھم اللہ خیرا، اللہ اعلم بما فی انفسھم انی اذا لمن الظالمین" مقصد یہ ہے کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا کہ قیامت کے دن ان کیلئے کوئی بھلائی نہیں ہوگی۔ ان کے دلوں سے اللہ واقف ہے۔ سزا و جزاء تو نیتوں پر مرتب ہوگی، اگر ان کی نیت میں خلوص ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے گا اور اگر دلوں میں کھوٹ اور برائی ہے تو اس کی جزاء بھی بُری ہوگی۔ اسی طرح قرآن مجید نے کفار کی گفتگو کو دوسرے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے:

انومن لك و اتبعك الارذلون وما انا بطارد المومنین۔ ان انا الا نذیر مبین
﴿سورۃ الشعراء﴾

کیا ہم تم پر ایمان لائیں جبکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے، اگر تمہیں حقیقت کا شعور ہے اور میں ان غریبوں کو کسی طور اپنے سے دور نہیں کروں گا۔ میں اللہ کا رسول ہوں، میں تو تمہیں آنے والے کھلے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ اب تمہاری مرضی چاہو تو اس دولت کو قبول کر کے اللہ کے ان مخلص بندوں کی صف میں شامل ہو جاؤ، چاہو تو بدبختی کی اس راہ پر اسی طرح چلتے رہو۔

حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی اولاد کو وصیت:

ایک عرصہ گزر گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو حق کا پیغام سناتے رہے اور ان سے بحث و تکرار کر کے حقیقت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے رہے "فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما فاخذھم الطوفان و ھم ظالمون۔" آپ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال قیام پذیر رہے، لیکن اتنی طویل مدت کی جدوجہد بھی سودمند ثابت نہ ہوئی اور چند خوش نصیبوں کو چھوڑ کر باقی حق و صداقت سے دور رہے۔ ان کی دشمنی کی انتہا دیکھئے کہ جب وہ کفار مرنے لگتے تو وہ جاتے جاتے اپنے بیٹوں کو وصیت کر جاتے کہ تم حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت لازم ہے، کچھ بھی ہو تم ایمان نہیں لاؤ گے اور ہر صورت اس دین کو جھٹلاؤ گے، جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا اور بات سمجھنے کے قابل ہوتا تو اسے حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کی تعلیم دی جاتی اور اسے نصیحت کی جاتی کہ حق کی مخالفت اور حضرت نوح علیہ السلام کی عداوت اس نسل کیلئے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی پہلی نسل کیلئے ضروری تھی باپ اپنے بچوں کو یہ وصیت کرتے کہ جب تک زندہ ہو، حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کا جذبہ دل میں سرد نہیں ہونے دینا اور کبھی بھی اس کی دعوت کی طرف توجہ نہ کرنا۔ ان کی طبیعت کا اقتضا

ہی یہ تھا کہ ایمان اور اتباع حق کا انکار کرتے جائیں گویا سرکشی اور عناد ان میں رچ بس چکا تھا۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی تھی:

"ولا یلدوا الا فاجرا کفارا" کہ ان کی نسل سے اگر پیدا ہوں گے تو وہ انہی کی طرح فاجر اور حق کے منکر ہی ہوں گے آخر وہ بدبخت اور کفر مزاج لوگ یہاں تک کہہ اٹھے:

لے آؤ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو:

قالوا یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔ قال انما یاتیکم به اللہ ان شاء وما انتم بمعجزین ﴿سورۃ ہود﴾

کفار نے کہا: اے نوح (علیہ السلام) اب وہ عذاب لے آ جس سے تو ہمیں اب تک ڈراتا آیا ہے، لیکن یہ سب جھوٹی باتیں ہیں، تو کب ان باتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب عذاب مسلط کرنے پر قادر ہے نہ تو کوئی اسے عاجز کر سکتا ہے اور نہ اس کا ہاتھ روک سکتا ہے، بلکہ اس کی قدرتوں کا تو یہ عالم ہے کہ وہ کسی چیز کے متعلق کہتا ہے ہو جا تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم۔ ان کان اللہ ان یغویکم ھو ربکم و الیه ترجعون ﴿سورۃ ہود﴾

جسے اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ رہنے دیتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کے لائق ہے۔ اس کی دانائی و حکمت انسانی سوچ سے علیحدہ ہے اور اس کی دلیل قطعی ہے۔

"و اوحی الی نوح انه لن یومن من قومك الا من" (سورۃ ہود)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کر کے انہیں تسلی دی کہ آپ ان کے رویے سے مت گھبرائیں، بہت ہو چکا، جن کی قسمت میں بدبختی ہے ان کے بارے میں آپ کو غمگین اور بے چین ہونے کی ضرورت نہیں، جن کی قسمت میں نیکی تھی وہ تو آپ کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں۔ "فلا تبتئس بما کانوا یفعلون" حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے رویے کے بارے میں غمخواری کی جا رہی ہے۔ آپ اس بات سے بہت پریشان تھے کہ اتنی کوششوں کے باوجود بھی ان کو میری بات سمجھ نہیں آ رہی، کیونکہ ساری قوم کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کو اس رویہ پر تنگ دل ہونے کی ضرورت نہیں۔ فتح کی گھڑی آنے والی ہے، عنقریب آپ ایک عجیب خبر سنیں گے۔

کشتی تیار کرنے کا حکم:

واصنع الفلك با عيننا و وحينا و لا تخا طبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون

ترجمہ: ''اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا اور ضرور ڈبو دیئے جائیں گے۔''

اس لیے کہ حضرت نوح ؑ ان کی اصلاح و فلاح سے ناامید ہو چکے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ان میں بھلائی کی کوئی رمق نہیں ہے اور اب ان کی دشمنی مخالفت اور تکذیب حد سے بڑھ گئی ہے، ان کی جور و جفا نے اہل اسلام کا جینا تنگ کر دیا ہے اور انہوں نے غریب مسلمانوں کو ستانے اور ان پر ظلم ڈھانے کا ہر طریقہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اپنے فعل سے بھی اور اپنے قول سے بھی وہ مخالف دین کی انتہاؤں کو چھونے لگے ہیں، ایسے میں آپ نے ان کو رباطنوں اور ننگ انسانیت و جودوں کیلئے بددعا کر دی جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب و جلال بھڑک اٹھا اور آپکی دعا کو قبول کر لیا گیا۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واصنع الفلك با عيننا و وحينا و لا تخا طبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون

ترجمہ: ''اور فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں حضرت نوح ؑ نے پس ہم بہترین فریادرس ہیں اور ہم نے نجات دیدی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔''

و نوحا اذنادى من قبل فا ستجبنا له فنجيناه و اهله من الكرب العظيم

ترجمہ: ''اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم اس قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔''

قال رب انى قومى كذبون۔ فا فتح بينى و بينهم فتحا و نجنى و من معى من المومنين ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''(حضرت نوح ؑ نے) عرض کی: اے میرے رب! میری قوم نے جھٹلایا ہے تو مجھ سے اور ان میں پورا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے۔''

فدعا ربه انى مغلوب فانتصر ﴿سورۃ قمر﴾

ترجمہ: ''تو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے۔''

قال رب انصر نى بما كذبون ﴿سورۃ مومنون﴾

ترجمہ: ''عرض کی: اے میرے رب! میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے جھٹلایا۔''

مما خطيئتهم اغرقوا فادخلوا .... لا يلدوا الا فاجرا كفارا۔ ﴿سورۃ نوح﴾

ترجمہ: ''اپنی خطاؤں پر ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پایا اور نوح (ؑ) نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بیشک اگر تو انہیں رہنے دیگا تو بڑے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر بدکار بڑی ناشکر کافروں کے فسق و فجور اور ان کے نبی کی بددعا کے نتیجے میں ان کی خطائیں جمع ہو کر عذاب الٰہی کی صورت اختیار کر گئیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ایسی بے نظیر کشتی تیار کر و جیسی زمانے کی آنکھ نے تا قیامت نہ دیکھی ہو اور نہ دیکھ سکے۔''

اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت نوح ؑ کو آگاہ فرما دیا کہ جب فیصلہ ہو جائے گا اور عذاب کا نزول شروع ہو جائے گا تو کوئی مجرم نہیں بچ پائے گا۔ ایسے میں آپ نے ان کیلئے دعا اور بچاؤ کیلئے التجا نہیں کرنی، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آپ کی قوم پر عذاب نازل ہو تو آپ کا رحیم دل پسیج جائے اور آپ ان کیلئے بے قرار ہو جائیں اس لیے کہ ابھی تو اس عذاب کی آپ کو خبر دی جا رہی ہے۔ عذاب کو آپ نے آنکھوں سے دیکھا نہیں، اب کی کیفیت وہ نہیں ہوگی، جو عذاب کو دیکھ لینے کے بعد آپ محسوس کریں گے

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لا تخا طبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون ﴿سورۃ ہود﴾

میرے محبوب بندے پھر ان ظالموں کیلئے آپ کی زبان مبارک سے دعا نہیں نکلنی چاہیے، انہوں نے آخر غرق ہونا ہی ہے۔

و يصنع الفلك و كلما مر عليه ملا من قومه سخرو امنه ﴿سورۃ ہود﴾

آپ نے کشتی بنانا شروع کر دی، کافروں کا جب بھی آپ کے پاس سے گزر ہوتا تو ٹھٹھا اور مذاق کرتے کہ کیسا بے وقوف شخص ہے ایک موہوم خوف سے کشتی بنانے پر وقت ضائع کر رہا ہے لیکن آپ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور فرمایا:

ان تسخروا فانا نسخر منكم كما تسخرون ﴿سورۃ ہود﴾

ٹھیک ہے جس طرح اب تم مذاق کرتے پھرتے ہو، جب عذاب آئے گا تو ہم تمہارا یونہی مذاق اڑائیں گے۔

فسوسف تعلمون من يا تيه عذاب يخزيه و يحل عليه عذاب مقيم ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: ''تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن تباہی کس پر آتی ہے اور ہمیشہ رہنے والا عذاب کس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔''

جس طرح دنیا میں ان کی فطرت میں سخت کفر و عناد ہے اسی طرح آخرت میں بھی یہ لوگ انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں تھا۔

یوم قیامت امت محمدیہ کی گواہی:

جیسا کہ بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: اے نوح! آپ نے ہمارا پیغام قوم کو پہنچایا تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: ہاں، میرے رب! میں نے تیرا پیغام پہنچایا تھا پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے مخاطب ہوگا اور پوچھے گا: کیا انہوں نے تمہیں میرا پیغام پہنچایا؟ کافر جھٹ بولیں گے: نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے مخاطب ہوگا: آپ کے حق میں کون گواہی دے گا؟ تو حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: حضرت محمد ﷺ (اور ان کی امت میرے حق میں گواہی دے گی، تو ہم گواہی دیں گے کہ بے شک انہوں نے (اپنی قوم تک) پیغام پہنچا دیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و كذالك جعلنا كم امة و سطا لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيداء ﴿سورۂ بقرہ﴾

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تا کہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو۔''

آیت کریمہ میں لفظ ''وسط'' سے مراد عدل ہے۔ یہ امت اپنے صادق و مصدوق نبی ﷺ کی گواہی پر گواہی دے گی اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرے گی: مولیٰ کریم! تو نے اپنے نبی حضرت نوح علیہ السلام کو حق کے ساتھ بھیجا اور اس پر سچا کلام نازل کیا۔ الٰہی! تیرے اس بندے نے تبلیغ حق کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے تیرے کلام کو اپنی امت تک مکمل اور تمام طریقے سے پہنچایا۔ انہوں نے انہیں ہر اس چیز سے آگاہ کیا جو انہیں دین کے معاملے میں نفع دے سکتی تھی اور کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کیلئے نقصان دہ ہوتی اور انہوں نے اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ اے اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں لحہ بہ لحہ نیکی کا حکم دیا اور قدم قدم پر برائی سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں امت محمدیہ ﷺ کے لوگ گواہی دیں گے۔ مسلمان یہ گواہی

بھی دیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام تو ان کیلئے سراپا شفقت و محبت تھے۔ اس نے تو ازراہ شفقت و رحمت اور خیر خواہی کے جذبے سے انہیں مسیح دجال سے خبردار کیا اگرچہ ان کے زمانے میں اس بدبخت کا خروج متوقع نہیں تھا۔

جیسا کہ امام بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا: ''حضور نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، جو اس ذات کے شایان شان تھی، پھر دجال کا ذکر فرمایا اور کہا: ''میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور جو نبی بھی تشریف لایا، اس نے اپنی امت کو مسیح دجال سے ڈرایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس بدبخت سے ڈرایا، لیکن میں تم سے اس کے بارے میں وہ بات کر رہا ہوں جو اپنی امت سے کسی نبی نہیں کی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔''

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتاؤں جو کسی اور نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی؟ فرمایا: دجال بھینگا ہوگا اور جب وہ آئے گا تو جنت اور دوزخ کی مثل ساتھ لائے گا۔ جسے وہ جنت کہے گا درحقیقت وہ دوزخ ہوگی اور میں تمہیں اس سے باخبر کرتا ہوں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خبردار کیا۔'' (یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔)

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک درخت لگاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک درخت لگایا اور سو سال تک انتظار فرمایا، پھر سو سال تک اس کی لکڑی کو درست فرمایا۔ بعض نے یہ مدت چالیس سال بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

کشتی کی لمبائی و چوڑائی:

محمد بن اسحاق حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس لکڑی سے کشتی بنائی گئی وہ ساکھ کے درخت کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ لکڑی صنوبر کے درخت کی تھی اور دوسرا قول تورات کی نص میں مذکور ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ کشتی کی لمبائی اسی گز رہو اور اس کے باہر تارکول لگا دی جائے اور اس کا اگلا حصہ نوکدار ہو، تاکہ وہ پانی کو آسانی سے چیر سکے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشتی نوح کی لمبائی تین سو گز تھی اور چوڑائی پچاس گز تھی، تورات میں بھی یہی لمبائی چوڑائی مذکور ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اس کی لمبائی ایک ہزار دو سو گز اور چوڑائی تین سو گز تھی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ لمبائی چھ سو گز اور چوڑائی تین سو تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی لمبائی دو ہزار گز اور چوڑائی سو گز تھی۔ لیکن اس بات پر تو تمام کا اتفاق ہے کہ اس کشتی کی بلندی تیس گز تھی اور اس میں تین منزلیں تھیں، ہر منزل دس گز پر مشتمل تھی، نچلی منزل چوپائیوں اور درندوں کیلئے تھی، درمیانی منزل میں انسان تھے اور اوپر کی منزل پرندوں کیلئے مختص تھی۔ کشتی کا دروازہ چوڑائی میں رکھا گیا تھا۔ اس دروازے پر ایک ڈھکن بھی تھا جسے بند کر دیا جاتا تا کہ اندر پانی داخل نہ ہو۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال رب انصرنی بما کذبون۔ فاوحینا الیه ان اصنع الفلك باعیننا ووحینا ﴿سورۂ مومنون﴾

جب حضرت نوحؑ نے نصرت ایزدی کی تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ہمارے حکم کے مطابق اور ہماری نگرانی میں ایک کشتی بناؤ ہم خود اس کے بنانے کی ترکیب بتائیں گے اور خود ہی اس کی نگرانی کریں گے تا کہ تمہیں اس کے بنانے کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے۔

فاذا جاء امرنا و فار التنور .... ظلموا انهم مغرقون ﴿سورۂ مومنون﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو پہلے ہی حکم دیدیا تھا کہ جب عذاب کا فیصلہ ہو جائے اور اس کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جائیں تو ہر جوڑے سے دو دو حیوان اور دوسری تمام ماکولات وغیرہ کے جوڑے کشتی میں سوار کر لینا تا کہ ان کی نسل باقی رہ سکے۔ اور اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لینے کا حکم تھا لیکن آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا جس کے متعلق خدائی فیصلہ ہو چکا ہے۔ یعنی جو کفر پر ڈٹا ہوا ہے اس کے متعلق دعا نہ کرنا کیونکہ اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ ایسے دشمن دین کو آپ کی دعا سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور اس پر عذاب مسلط ہو کر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو پہلے سے یہ حکم دیدیا تھا کہ قوم کے سرکشوں کے سلسلے میں مراجعت سے کام نہیں لینا ایسا نہ ہو کہ جب وہ عذاب شدید کی پکڑ میں آئیں جس کے وہ مستحق ہیں اور جس کا فیصلہ "فعال لما یرید" ذات نے کر دیا ہے تو آپ ان کیلئے دعا کرنے لگیں۔ اسلئے کہ یہ عذاب بلاوجہ نہیں، انکے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ اس پر پہلے بھی گفتگو ہو چکی ہے۔

آیت میں "التنور" سے مراد جمہور کے نزدیک زمین کی سطح ہے۔ یعنی زمین کے اطراف میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑیں گے اور ہم عذاب کے ان چشموں کو جاری کر دیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے التنور سے مراد ہندوستان میں ایک کنواں ہے۔ شعبی

کہتے ہیں کہ یہ کوفہ میں ایک چشمے کا نام ہے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ یہ ایک کنواں ہے جو الجزیرہ میں واقع ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ "التنور" سے مراد صبح کا روشن ہونا ہے اور "تنویر الفجر" یعنی فجر کی روشنی یعنی یہ عذاب صبح کی روشنی ظاہر ہوتے ہی شروع ہو جائے گا۔ پس جب صبح کی روشنی پھیلنے لگے تو ہر ایک جنس سے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کر لینا۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حتی اذا جاء امرنا و فار التنور قلنا احمل فیها من کل زوجین اثنین و اهلك الا من سبق علیه القول و من امن، و ما امن معه الا قلیل ﴿سورۂ ہود﴾

یہ حکم تھا کہ جب ان پر عذاب کا نازل ہو جائے تو کشتی میں تمام چیزوں کا جوڑا جوڑا سوار کر لیں۔ یہود و نصاریٰ کی کتاب میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ کو حکم دیا گیا کہ حلال جانوروں اور پرندوں سے دو دو جوڑے ساتھ لے لیں جبکہ حرام جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان سے ایک ایک جوڑا ایک نر اور دوسرا مادہ کشتی میں سوار کریں۔ بائبل کا یہ بیان قرآن کے مفہوم "اثنین" سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بشرطیکہ ہم اثنین کو مفعول بہ بنائیں اور اگر "اثنین" کو "زوجین" کی تاکید بنائیں اور مفعول بہ کو محذوف مانیں تو پھر بائبل کا بیان قرآن سے متفق نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم

دنیا میں بخار کی ابتداء:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے کشتی میں داخل ہونے والا پرندہ طوطا تھا اور حیوانات میں سب کے آخر میں سوار ہونے والا گدھا تھا اور شیطان گدھے کی دم پکڑے کشتی میں پہنچ گیا۔

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت نوحؑ نے ہر چیز کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار فرمائے تو آپ کے پیروکار ساتھیوں نے عرض کیا: حضور! ہم کیسے اطمینان سے بیٹھ پائیں گے یا فرمایا: چوپائے کیسے آرام سے بیٹھیں گے جبکہ ہمارے ساتھ شیر بھی ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے شیر کو بخار میں مبتلا کر دیا اور دنیا میں سب سے پہلے بخار شیر پر اترا تھا، پھر لوگوں نے چوہوں کی شکایت کی کہ وہ ہمارے کھانے پینے کی چیزوں اور سامان کو خراب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیر نے چھینک ماری تو اس میں سے بلی نکل پڑی، بلی کو دیکھ کر چوہے چھپ گئے۔ (یہ حدیث مرسل ہے۔) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اهلك الا من سبق علیه القول ﴿سورۂ ہود﴾

یعنی وہ لوگ جن کے بارے میں آپ کی دعا قبول فرما کر ان پر عذاب کا فیصلہ کر دیا ہے، جو کفر سے چمٹے ہوئے ہیں اور کسی نصیحت نے ان پر اثر نہیں کیا۔ ان کفار میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ''یام'' بھی تھا جو کفر کی وجہ سے غرق ہو گیا۔ اس کے متعلق تفصیلاً بات آئندہ صفحات میں ہو گی۔

''و من آمن'' یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کشتی میں اپنی امت کے ان لوگوں کو بھی سوار کر لیں جو ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وما امن معه الا قليل'' آپ ایک طویل عرصہ اپنی قوم میں قیام پذیر رہے اور رات دن طریقہ بدل بدل کر انہیں نصیحتیں کرتے رہے۔ انہیں بار بار نرمی سے سمجھایا، بارہا انہیں اللہ کے خوف سے ڈرایا، کبھی انہیں ترغیب دی اور کبھی آخرت کی دھمکی سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن پوری قوم میں سے صرف چند خوش نصیب ایمان کی دولت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ کشتی نوح میں کتنے مسلمان سوار تھے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

کشتی میں سواروں کی تعداد:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کشتی میں مردوں اور عورتوں کو ملا کر یہ تعداد اسی نفوس تھی، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تعداد بہتر ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد صرف دس تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ کشتی میں خاندان نبوت کے آٹھ افراد سوار ہوئے۔ ایک تو حضرت نوح علیہ السلام خود، تین آپ کے بیٹے، تین بیٹوں کی بیویاں اور ایک آپ کے بیٹے ''یام'' کی بیوی، کیونکہ ''یام'' اس جماعت سے الگ تھلگ ہو گیا تھا اور نجات کا راستہ چھوڑ کر ہلاکت کے راستے پر چل پڑا تھا۔ اس لیے وہ غرق ہو گیا لیکن اس قول کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے آیت کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ثابت ہوتی ہے، بلکہ یہ تو نص سے ثابت ہے کہ کشتی میں صرف اہل بیت نوح ہی سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے اہل ایمان بھی سوار ہوئے تھے جیسا کہ آیت کے اس حصے سے ثابت ہو رہا ہے فرمایا: ''و نجنی و من معی من المومنين'' ﴿سورۂ شعراء﴾ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہل ایمان کی تعداد ساٹھ تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی تھی جو آپ کی تمام اولاد کی واحد ماں تھی، آپ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں: ''حام، سام، یافث اور یام'' اہل کتاب نے یام کو کنعان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہی وہ بد بخت شخص ہے جس نے اپنے مخلص نجات دہندہ کی بات نہ مانی اور غرق ہو گیا۔ آپ کی بیوی ''عابر'' طوفان سے قبل فوت ہو چکی تھی۔ ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ وہ بھی کافرہ تھی اور باقی کافروں کی

طرح وہ بھی طوفان میں ڈوب کر مر گئی۔ ان نفوس کے علاوہ باقی لوگوں کی غرقابی کا فیصلہ ہو چکا تھا کیونکہ ان ظالموں نے کفر کی راہ کو چھوڑنا گوارا نہ کیا تھا۔ اہل کتاب کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی ''عابر'' کشتی میں سوار تھی۔ احتمال یہ ہے کہ اس کے بعد اس نے پھر کفر اختیار کر لیا تھا۔ یا اسے قیامت تک مہلت دیدی گئی، لیکن پہلا قول بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ غرق ہو گئی۔ کیونکہ اس آیت میں صراحت ہے کہ کافروں میں سے ایک شخص بھی نہ بچ پایا۔ ''لا تذر على الارض من الكافرين ديارا'' زمین پر کافروں کو بسنے والا نہ چھوڑ، اس کے مطابق وہ غرق ہو گئی۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاذا استويت انت و من معك على الفلك فقل الحمد لله الذى نجانى من القوم الظالمين۔ و قل رب انزلنى منزلا مباركا و انت خير المنزلين ﴿سورۂ مومنون﴾

ترجمہ: ''پھر جب ٹھیک بیٹھ لے کشتی پر تو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی اور عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے رب کی حمد و ستائش کیجئے کہ اس نے یہ کشتی تمہارے لیے مسخر کر دی ہے اور یہ تمہارے لیے ذریعہ نجات قرار پائی ہے اور اس لیے بھی اس کی تعریف ضروری ہے کہ اس ذات نے تمہارے اور کافروں کے درمیان کھلا فیصلہ کر دیا ہے اور جن لوگوں نے عرصہ دراز تک آپ کو ستایا، آپ کی تکذیب کرتے ہوئے اور مخالفت کو اپنا شیوہ بنائے رکھا، ان کی طرف سے آپ کی آنکھوں کو تسکین عطا کر دی۔

❁ جیسا کہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذى خلق الازواج .... و انا الى ربنا لمنقلبون ﴿سورۂ زخرف﴾

ترجمہ: ''اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم جم کر بیٹھو، ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو، اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ، ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

اسی طرح تمام کاموں سے پہلے دعا کا حکم دیا جاتا ہے کہ ہر کام خیر و برکت سے ہو اور انجام

بطریق احسن ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح آپ کو دعا تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

و قل رب ادخلنی مدخل صدق وا خرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا۔ ﴿سورۃ الاسراء﴾

ترجمہ: "اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اپنے امتیوں کو حکم دیا۔

ارکبوا فیها بسم الله مجرها و مرسها ان ربی لغفور رحیم ﴿سورۃ ہود﴾

یعنی کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہے۔ "ان ربی لغفور رحیم" یعنی جو دردناک عذاب مسلط کرنے والا ہے وہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم، مجرموں سے اس کے عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جن لوگوں پر کفر و سرکشی کی وجہ سے عذاب اترا ہے انہیں اس عذاب سے کوئی بھی بچانے والا نہیں، اس کی بخشش صرف اطاعت گزار اور نیک لوگوں کیلئے ہے۔

طوفان کی تباہ کاریاں:

و هی تجری بهم فی موج کا لجبال۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں۔"

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ایسی موسلا دھار بارش برسائی کہ نہ اس سے پہلے برسی ہوگی اور نہ بعد میں کبھی برسے گی، یوں لگتا تھا کہ کسی آسمانی کنوئیں کا سارا پانی زمین پر امنڈ چلا آیا ہے، پھر زمین کو بھی حکم دیدیا کہ وہ تمام چشموں کا پانی سطح زمین پر انڈیل دے اور سارا پانی خشکی کو سمندر میں تبدیل کردے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس ہولناکی کا نقشہ کھینچا ہے:

فدعا ربه انی مغلوب فا نتصر ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر و فجر نا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر و حملناه علی ذات الواح ودسر۔ ﴿سورۃ قمر﴾

ترجمہ: "آخر کار حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آگیا ہوں پس تو (اس سے) بدلہ لے، پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔ اور جاری کردیا ہم نے زمین سے چشموں کو، پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کیلئے جو پہلے مقرر ہو چکا

تھا اور ہم نے سوار کردیا نوح کو تختیوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔"

"دسر" سے مراد میخیں اور کیل ہیں "تجری باعیننا" سے مراد یہ ہے کہ یہ کشتی ہماری حفاظت، نگرانی اور ہماری حراست اور ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ "جزاء لمن کان کفر" ترجمہ: "(یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔"

علامہ ابن جریر اور کئی دیگر علماء نے کہا ہے کہ یہ طوفان قبطی تقویم کے مطابق اگست کی تیرہ تاریخ کو آیا۔

✿ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

انا لما طغی الماء حملنا کم فی الجاریة

ترجمہ: "جب پانی چڑھ آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کرلیا۔"

"جاریہ" سے مراد کشتی ہے۔

و لنجعلها لکم تذکرة و تعیها اذن و اعیة ﴿سورۃ الحاقہ﴾

ترجمہ: "تاکہ ہم بنادیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان"

مفسرین عظام نے فرمایا: طوفان کا پانی سب سے بڑے پہاڑ سے بھی پندرہ گز اوپر نکل گیا تھا۔ دنیا کا کوئی پہاڑ نظر نہیں آتا تھا۔ سب بلند و بالا پہاڑ پانی میں ڈوب گئے تھے۔ یہی نظریہ اہل کتاب کے ہاں مقبول ہے۔

بعض علمائے مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پانی پہاڑوں سے اسی گز بلند تھا اور پوری زمین اس کی لپیٹ میں تھی۔ پہاڑ، میدان، صحراء، خشکی و تری، چٹیل میدان اور شاداب وادیاں سب پر طوفان برپا تھا اور اس طوفان کی ہلاکت خیزیاں عام تھیں۔ روئے زمین پر کوئی جاندار نہ بچ سکا، اگر بچے تو صرف حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار مسلمان بچے باقی سب انسان، حیوان، چرند پرند، چشم زدن میں ہلاکت و بربادی کی نذر ہوگئے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طوفان سے پہلے پوری دنیا پر انسانوں کی کثرت تھی۔ دشت و جبل ہر جگہ انسان ہی انسان تھے، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا جس پر کوئی جابر حاکم اور سلطان نہ ہو، ہر طرف آبادی تھی اور انسان، انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا۔ (ان دونوں ارشادات کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہوگیا:

و نادی نوح ابنه و کان فی معزل .... فکان من المغرقین۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا۔ بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ۔ بیٹے نے کہا: (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچا لے گا مجھے پانی سے، آپ نے کہا: (بیٹا) آج کوئی بچانے والا نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے، اور (اسی اثنا میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج، پس ہو گیا ڈوبنے والوں سے۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کا نام "یام" (کنعان) بتایا جاتا ہے۔ دوسرے بچوں کے نام یوں ہیں: "سام، حام، یافث" اور بعض لوگ اس کا نام کنعان بتاتے ہیں۔ بہر حال نام جو بھی ہو اس پر تو نص آچکی ہے کہ وہ کافر تھا اور اس کا کردار صحیح نہیں تھا۔ اس نے اپنے والد محترم کے دین کی مخالفت کی تھی، اسلئے وہ بھی دوسرے کافروں کی طرح ہلاکت سے دوچار ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ صرف انہیں لوگوں نے نجات پائی جو دین میں ان کے پیرو ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند رہے۔

طوفان کا ختم ہونا:

و قیل یا ارض ابلعی ماء ك و یا سماء اقلعی و غیض الماء و قضی الا مر و استوت علی الجودی و قیل بعد اللقوم الظالمین۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور حکم فرمایا گیا اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پہاڑ پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگو۔"

جب اہل زمین کا صفایا ہو گیا اور کوئی مشرک زندہ نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ پانی کو اپنی تہوں میں جذب کر لے اور آسمان کو حکم دیا کہ موسلا دھار بارش کا سلسلہ ختم کر دے۔ "وغیض الماء" یعنی پانی کم ہو گیا "وقضی الامر" مطلب یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے علم سابق میں تھی یعنی طوفان کا اہل زمین پر مسلط ہونا وہ اپنے وقت آنے پر واقع ہو گئی۔ "وقیل بعد اللقوم الظالمین" یعنی زبان قدرت نے ان پر لعنت کی اور فرمایا کہ دور ہو جاؤ میری رحمت اور مغفرت سے۔

❁ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فکذ بوہ فا نجیناہ والذین معه فی الفلك و اغرقنا الذین کذبوا بایا تنا انهم کانوا قوما عمین۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: "پھر انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی

میں تھے اور ہم نے غرق کر دیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے۔"

فکذبوہ فنجیناہ و من معه فی الفلك و جعلنا هم خلا ئف و اغرقنا الذین کذبوا بایا تنا فانظر کیف کان عاقبه المنذرین۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا، پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا، ان کا جنہیں ڈرایا گیا تھا۔"

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و نصر ناہ من القوم الذین کذبوا با یا تنا انهم کانوا قوم سوء فاغرقنا هم اجمعین ﴿سورۂ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بے شک وہ بڑے نا ہنجار لوگ تھے۔ پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو۔"

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فا نجیناہ و من معه فی الفلك المشحون۔ ثم اغر قنا بعد الباقین۔ ان فی ذالك لایة وما کان اکثر هم مومنین۔ و ان ربك لهو العزیز الرحیم۔ ﴿سورۂ الشعراء﴾

ترجمہ: "پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو، یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

❁ ایک اور ارشاد خداوندی ہے:

فانجیناہ و اصحاب السفینة و جعلنها آیة للعا لمین۔ ﴿سورۂ عنکبوت﴾

ترجمہ: "پس ہم نے نجات دی دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان کیلئے۔"

❁ ایک مقام پر فرمان الٰہی یوں بھی ہے:

ثم اغرقنا الاخرین ﴿سورۂ الشعراء﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔"

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ترکنا ھا آیة فھل من مدکر۔ فکیف کان عذابی و نذر۔ و لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مذکر۔ ﴿سورۂ القمر﴾

ترجمہ: "اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا، سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔"

۞ اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا نارا .... فاجرا کفارا۔ ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: "اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا، پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار، اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا، اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے، تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔"

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا اور ایک لحہ کے بعد کوئی بھی کافر روئے زمین پر زندہ نہ بچا۔

امام ابوجعفر بن جریر اور امام ابومحمد بن ابی حاتم اپنی تفسیر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح علیہ السلام کے کسی فرد پر رحمت فرماتا تو بچے کی ماں پر فرماتا۔" حضور نبی کریم نے فرمایا: "حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے۔ ایک صری درخت کی حفاظت کرتے رہے، جب وہ درخت بڑا ہوا اور اس کی ٹہنیاں دور دراز تک پھیل گئیں تو انہوں نے اس درخت کو کاٹا اور کشتی بنانا شروع کر دی۔ لوگ وہاں سے گزرتے اور آپ کو کام کرتے دیکھ کر ٹھٹھا اور مذاق کرتے اور کہتے تو اس خشکی کیلئے کشتی بنا رہا ہے یہ چلے گی کیسے؟ آپ ان کے جواب میں بس اتنا فرماتے کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا چکے اور پانی ابلنے لگا اور طوفانی شکل اختیار کرنے لگا تو بچے کی ماں ڈر گئی کہ کہیں میرے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ وہ بچے کو لے کر گھر سے نکلی اور پہاڑ کی راہ لی، حتیٰ کہ تمام سفر طے کیا ہوگا کہ پانی وہاں تک پہنچ گیا۔ وہ وہاں

سے بھی بچے کو لیے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگی، جب پانی اس کی گردن تک آ گیا تو اس نے بچے کو ہاتھوں پر اٹھالیا لیکن دونوں ماں بیٹا غرق ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی کافر پر رحم کرتا تو بچے کی اس ماں پر رحم کرتا۔"

(یہ حدیث غریب ہے۔ اس مفہوم کی حدیث کعب الاحبار، مجاہد اور کئی دیگر مفسرین سے بھی روایت ہے۔ غالب گمان یہی ہے کہ یہ موقوف ہے اور کعب الاحبار جیسے مفسرین سے لی گئی ہے۔)

بہر حال مقصد یہ ہے کہ طوفان کے بعد روئے زمین پر کوئی کافر زندہ نہ رہا، سب فنا اور تباہ و برباد ہو گئے۔

عوج بن عنق کا واقعہ من گھڑت ہے:

مصنف کتاب امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے گمان کیا ہے کہ عوج بن عنق جسے ابن عناق بھی کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا جبکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے دور کا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا اور پرلے درجے کا متکبر، عناد پرست اور ترش رو تھا۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ ولد الزنا تھا، بلکہ اس کی ماں نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی اسے بن باپ کے زنا سے جنا تھا۔ اس کے قد کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ سمندر کی تہہ سے مچھلیاں پکڑتا تھا اور انہیں سورج پر بھون دیتا تھا، جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار تھے تو وہ مذاق کرتا اور کہتا تھا یہ کیا قصہ ہے؟ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز لمبا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق اور کئی من گھڑت باتیں تحریر کی گئی ہیں، اگر یہ من گھڑت قصہ اور دوسرے کئی عجیب و غریب جھوٹے واقعات، تفاسیر و تواریخ اور سوانح میں نہ لکھے جاتے تو ہمیں اس قسم کی فضول باتیں لکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی، کیونکہ بالکل بے ہودہ اور سطحی باتیں ہیں جس کا علم و تحقیق کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر یہ عقل و نقل کے بھی خلاف ہے، عقل کے تو اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو تو کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے جس کا باپ امت کا نبی اور اہل ایمان کا سردار ہو، اور عوج بن عنق یا عناق جیسے ظالم اور فاسق کو چھوڑ دے کہ وہ اللہ کے نبی کا مذاق اڑاتا پھرے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عورت کو اور اس کے معصوم بچے کو تو کفر کی وجہ سے ہلاک کر دے اور اس مردود، جبار، کافر، منکر خدا، شیطان صفت، متکبر انسان کو ڈھیل دے اور نقلاً بھی یہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرما دیا ہے:

ثم اغرقنا الاخرین ترجمہ: "پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔" ﴿سورۂ شعراء﴾

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام کافروں کیلئے دعا مانگی تھی۔

رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: ”اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔“

پھر یہ طویل قصہ جسے مفسرین نے بیان کیا ہے صحیحین میں منقول حدیث کے بھی خلاف ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کا قد ساٹھ گز لمبا تھا پھر آج تک انسانوں کا قد کم ہوتا آ رہا ہے۔“ یہ خبر اس ذات والا صفات نے دی ہے جو صادق و مصدوق معصوم نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جن کی زبان سے جو بات بھی نکلتی ہے وحی خداوندی ہوتی ہے وہ اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں۔

۞ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان ھو الا وحی یو حی ترجمہ: ”نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔“

اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ نسل انسانی شروع دن سے جسامت میں بدستور کم ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ ابن عنقا کا قصہ من گھڑت اور بے بنیاد قرار دیا جائے اور اس بات پر یقین رکھا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سب سے زیادہ قد آور تھے۔ ہم اللہ کے محبوب ﷺ کی حدیث پاک کو چھوڑ کر کافروں کی باتوں پر کیوں جائیں اور ان کتابوں پر کیوں اعتماد کریں جن میں تحریف ہو چکی ہے اور اصل کتابوں کی جگہ اپنی طرف سے کئی کتابیں لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ پھر کیا آپ کو یہ یقین بھی ہے کہ یہ لوگ اپنی اصل کتابوں سے صحیح نقل کرتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے سامنے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے علمی امانت داری کا ثبوت دیتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ پرلے درجے کے خائن اور جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لعینوں پر اور ان کے متبعین پر قیامت تک لعنت کرے، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ خبر اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے لی گئی ہے جو صرف نام کے اہل کتاب ہیں لیکن درحقیقت وہ زندیق ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کیلئے اللہ سے التجائیں اور دعائیں کیں اور پوچھا اور معلوم کرنا چاہا کہ جب اہل بیت کی نجات کا وعدہ ہو چکا ہے تو پھر اسے کیوں غرق کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ وہ آپ کے اہل بیت میں شامل نہیں۔ یعنی جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا ہے۔ اس کا شمار ان خوش نصیبوں میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا شمار ”الا من سبق علیہ القول منھم“ میں ہوگا۔ یعنی جن کے متعلق ہلاکت و بربادی کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اسی لیے

تقدیر نے اسے مخالفت دین کے راستے پر گامزن کر دیا ہے۔ سو وہ بھی کفر و طغیان اختیار کرنے والوں کے ساتھ غرق ہوگا۔

۞ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اھبط بسلام منا و برکات علیک و علی امم ممن معک و امم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”ارشاد ہوا: اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن و سلامتی کے ساتھ، ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہونگی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔“

جب پانی سطح زمین سے خشک ہو گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم ملا اور فرمایا گیا کہ اب آپ اور اہل سفینہ زمین پر قیام رکھیں۔ کشتی نوح جو کچھ عرصہ تک پانی پر تیرتی رہی تھی اب ایک پہاڑ پر رک چکی تھی، اس پہاڑ کا نام ”الجودی“ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ”ارض جزیرہ“ میں واقع ہے۔

”بسلام منا و برکات“ کا مطلب یہ ہے کہ امن و سلامتی کے ساتھ اتر جائیے۔ اب زمین پر آپ کیلئے اور ان لوگوں کیلئے برکتیں ہی برکتیں ہوں گی جو آپ کے بعد آپ کی نسل سے پیدا ہوں گے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ جتنے اہل ایمان تھے کسی کی نسل نہیں چلی، تمام انسانوں کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام کی وساطت سے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد گرامی بھی اس نظریے کی توثیق کرتا ہے اور فرمایا:

و جعلنا ذریتہ ھم الباقین ﴿سورۂ صافات﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔“

روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے ہی ہے جن کے نام ”سام، حام اور یافث“ بتائے جاتے ہیں۔

امام احمد، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سام عربوں کے باپ ہیں، حام حبشیوں کے باپ ہیں اور یافث رومیوں کے باپ ہیں۔“

امام ترمذی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی حدیث مرفوعاً روایت کی ہے۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: روم سے یہاں مراد

پہلے رومی ہیں، یعنی یونانی جو رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: ''سام، یافث اور حام'' ان تینوں سے آگے تین تین بچے پیدا ہوئے۔ عرب، فارس (ایران)، اور روم سام کے اولاد سے ہیں، ترک سلاوی، اور یاجوج و ماجوج کا تعلق یافث کی اولاد سے ہے جبکہ قبطی، سوڈانی اور بربری (یعنی تاتاری) حام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

حافظ ابوبکر بزار اپنی مسند میں حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے: ''سام، حام اور یافث''۔ سام سے عرب، ایران اور رومی پیدا ہوئے اور ان لوگوں میں بھلائی ہے۔ اور یافث سے یاجوج و ماجوج، ترک اور سلاوی کی نسل چلی اور ان میں کوئی بھلائی نہیں، جبکہ حام سے قبطی، بربری (یعنی تاتاری) اور سوڈانیوں کی نسل چلی۔'' پھر فرماتے ہیں کہ اس سند کے علاوہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ہمارے علم میں نہیں، لیکن اس کی سند میں بھی محمد بن سنان اپنے باپ سے اکیلے روایت کرتے ہیں اور پھر ان سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اکثر علماء اس احتمال کو لیتے ہیں کہ یہ حدیث ہے اور راوی نے اسے یحییٰ بن سعید سے مرسلاً روایت کیا ہے لیکن اس نے اسے حدیث قرار نہیں دیا بلکہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ اسے ابوعمر نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ حضرت سعید بن مسیب سے بہت محفوظ راوی شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہب بن منبہ سے بھی اسی قسم کی حدیث روایت کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

یزید بن سنان ابوفروۃ الرہاوی ضعیف راوی شمار ہوتا ہے۔ اس لیے قابل اعتماد نہیں ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے طوفان کے بعد پیدا ہوئے، طوفان سے قبل صرف کنعان پیدا ہو چکا تھا، وہ غرق ہوا اور عابر طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی۔ لیکن صحیح نظریہ یہ ہے کہ آپ کے تینوں بیٹے اور ان کی بیویاں اور ان کی ماں سب کشتی میں سوار تھے۔ یہ تورات شریف کی نص سے ثابت ہے۔

سیاہ فام کے سیاہ ہونے کی وجہ:

کہا جاتا ہے کہ حام کشتی میں اپنی اہلیہ کے پاس گئے (یعنی مباشرت کی) تو حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بددعا دی کہ خدا کرے تمہاری اولاد قبیح صورت پیدا ہو تو اس سے جب بچہ پیدا ہوا تو وہ سیاہ

رنگت کا تھا، جس کا نام کنعان رکھا گیا۔ یہی وہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ستر کھلا ہوا تھا تو اس نے ان کی شرم کو نہ ڈھانپا بلکہ دوسرے بھائی آئے اور انہوں نے آکر ان کے ستر کو ڈھانپا۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بددعا دی کہ تیرا نطفہ حقیر ہو اور تیری اولاد تیرے بھائیوں کی اولاد کی غلام رہے۔

حام بن نوح علیہ السلام کا زندہ ہونا اور کشتی کے حالات بتانا:

امام ابوجعفر بن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ کسی ایسے شخص کو زندہ فرما دیں، جس نے کشتی نوح کے احوال کو دیکھا ہو تو ہم اس سے گفتگو کریں۔ آپ انہیں لے کر چل پڑے اور مٹی کے ایک ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ اس ٹیلے سے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اپنے حواریوں سے مخاطب ہوئے: کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ حواریوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''قم باذن اللہ'' تو اچانک وہ سر مٹی جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور اس کے سر کے بال سب سفید ہو چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حام سے پوچھا کیا تم اسی طرح اس دنیا سے بوڑھے گئے تھے تو انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ میں جوانی کے عالم میں فوت ہوا تھا لیکن مجھے لگا شاید قیامت آگئی ہے اس خوف سے میرے سر کے بال فوراً سفید ہو گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں سفینہ نوح علیہ السلام کے متعلق کچھ بتائیں۔ حام نے فرمایا: اس کشتی کی لمبائی بارہ سو گز اور چوڑائی چھ سو گز تھی۔ کشتی میں تین منزلیں تھیں، ایک منزل میں چوپائے اور وحشی جانور تھے، ایک منزل میں انسان تھے اور ایک میں پرندے تھے۔ جب چوپاؤں کا گوبر زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ہاتھی کی دم کو ٹٹولیے، جب آپ نے اسے ٹٹولا تو اس سے سور اور سورنی نکلے، تو وہ دونوں گوبر پر جھپٹ پڑے اور اسے صاف کر گئے۔ پھر جب چوہے کشتی کو کاٹ کر سوراخ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ شیر کے دونوں آنکھوں کے درمیان ضرب لگائیے، آپ نے جب ضرب لگائی تو اس کے نتھنوں سے بلی اور بلا نکلے، وہ دونوں چوہوں پر پل پڑے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: حضرت نوح علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا کہ اب تمام کافر مر چکے ہیں؟ حام نے بتایا: حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا جو خبریں لاتا تھا، جب کسی لاش کو یا مردار کو دیکھا تو اس پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کیلئے بددعا کی کہ وہ انسانوں سے ڈرتا رہے، اسی لیے اب وہ مانوس نہیں ہوتا اور گھروں میں رہنے کا عادی نہیں ہے۔

حام نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا، وہ اپنی چونچ میں زیتون کے پتے اور پاؤں

کے ساتھ مٹی لے آیا۔ آپ سمجھ گئے کہ پوری دنیا غرق ہو گئی ہے۔ آپ نے ان چیزوں کو کبوتر کے گلے کا ہار بنا دیا اور اسے یہ دعا دی کہ وہ مانوس و مامون رہے۔ اسی لیے وہ گھروں میں رہتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حواریوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں انہیں ساتھ گھر نہ لے چلیں کہ وہ ہمارے ساتھ بیٹھیں اور ہم سے باتیں کریں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ شخص تمہارے ساتھ کیسے جا سکتا ہے جس کی آنکھوں میں روشنی ہی نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "قم باذن اللہ" (اللہ کے اذن سے واپس اسی حالت پہ چلا جا) کہا اور وہ مٹی بن گیا۔ (یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔)

کشتی کا بیت اللہ کا طواف کرنا:

علباء بن احمر حضرت عکرمہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسی مرد اور ان کے اہل و عیال تھے۔ وہ کشتی میں ایک سو پچاس دن سوار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا۔ وہ بیت اللہ شریف کے اردگرد چالیس دن تک پھرتی رہی، پھر اس کا رخ "جودی" پہاڑ کی طرف پھیر دیا، جودی پر کشتی ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوے کو بھیجا کہ وہ جا کر زمین کی خبر لائے وہ گیا اور ایک مردار پر بیٹھ گیا، اس طرح اس نے واپس آنے میں کافی دیر لگا دی۔ آپ علیہ السلام نے کبوتر کو بھیجا وہ گیا اور زیتون کے پتے لے آیا اور اپنے دونوں پاؤں بھی مٹی سے لت پت کر لیے۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ زمین سے پانی ختم ہو گیا ہے۔ آپ جودی پہاڑ پر اترے، وہاں ایک بستی کی بنیاد رکھی اور اس کا نام ثمانین (اسی) رکھا۔ ایک صبح کو جب بیدار ہوئے تو لوگ اسی زبانیں بول رہے تھے۔ ان میں سے ایک عربی بھی تھی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی باتیں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام تمام کی ترجمانی فرماتے تھے۔

کشتی یوم عاشوراء کو ٹھہر گئی:

حضرت قتادہ اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اہل اسلام رجب کی دسویں تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے اور ایک سو پچاس دن تک برابر سوار رہے، پھر جودی پہاڑ پر یہ کشتی تیس دن تک رکی رہی اور آخر محرم کی دسویں تاریخ کو یہ لوگ کشتی سے باہر آئے۔

ابن جریر نے مرفوعاً ایک حدیث روایت کی ہے جو اس بات کی موافقت کرتی ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محرم کی دسویں کو۔ پھر تمام لوگوں نے روزہ رکھا۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "حضور نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ

یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ یوم عاشورا کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا: یہ کیسا روزہ ہے؟" انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے بچایا تھا اور اس دن فرعون غرقاب ہوا تھا، اسی روز حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا کھڑی ہوئی تھی تو حضرت نوح علیہ السلام نے عاشورہ کا روزہ رکھا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی شکر کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا زیادہ حقدار ہوں، میں اس دن روزہ رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔" حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "جس شخص نے بن کھائے پیے صبح کی ہے وہ اپنا روزہ مکمل کرے اور جس نے گھر والی کے ساتھ مباشرت نہیں کی ہے وہ باقی ماندہ دن اسی طرح پورا کرے۔"

(اس حدیث کی شہادت صحیح کی ایک اور حدیث بھی ملتی ہے جس کو اور سند سے لیا گیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کا اس حدیث میں ذکر خیر اسے غریب بنا دیتا ہے۔) واللہ اعلم

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کشتی میں لوگوں کے پاس جو کچھ تھا سب انہوں نے کھا لیا۔ گندم کے دانے تھے، جو وہ ساتھ لے گئے تھے جب وہ کشتی سے اترے تو انہیں پیس کر کھا لیا اور نظر کو تیز کرنے کیلئے آنکھوں میں سرمہ لگایا کیونکہ وہ کافی عرصہ کشتی کی تاریکی میں رہ چکے تھے، اس لیے جب روشنی میں آئے تو انہیں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس قصے میں کچھ بھی صحیح نہیں ہیں، نہ تو ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ ان امور کی اقتدا صحیح ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان روکنا چاہا تو زمین پر ایک ہوا چلا دی جس سے مینہ برسنا بند ہو گیا اور زمین کے جاری چشمے رک گئے۔ پھر پانی آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوا۔ زمین اسے نگلنے لگی اور جذب کرنے لگی۔ پانی کچھ کم ہوا تو کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، کونسا مہینہ تھا، اہل کتاب (تورات کا) بیان یہ ہے کہ وہ مہینہ ساتواں (رجب) تھا اور اس کی دس راتیں گزر چکی تھیں۔ دسویں مہینے (شوال) کے پہلے دن پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں، جب چالیس دن گزر چکے تو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں رکھا گیا روشندان کھولا، پھر آپ نے ایک کوے کو بھیجا کہ دیکھے طوفان نے کیا تباہی مچائی ہے لیکن کوا کافی دیر گزرنے کے باوجود بھی واپس نہ آیا، حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کبوتر کو بھیجا، وہ باہر گیا لیکن زمین پر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ پائی، آخر واپس گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ہاتھ بڑھا کر اسے واپس کشتی میں سوار کر لیا، سات دن اور گزر گئے، آپ نے کبوتر کو پھر بھیج دیا لیکن اب کی بار وہ واپس نہ آیا اور انتظار رہا حتی کہ شام کے وقت جب وہ واپس آیا تو

اس کی چونچ میں زیتون کے پتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ زمین سے پانی کم ہو گیا ہے۔ آپ سات دن اور کشتی میں رہے پھر کبوتری کو اڑا دیا، پس وہ واپس نہ آیا۔ اب آپ سمجھ گئے کہ زمین سامنے آگئی ہے۔ طوفان سے لے کر کبوتر کو باہر بھیجنے تک پورے ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور دوسرے سال کا جب پہلا دن شروع ہوا تو زمین مکمل طور پر پانی سے صاف ہو گئی تھی اور خشکی ظاہر ہو چکی تھی۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے۔ اسے ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ دراصل یہ موجودہ تورات کا بیان ہے، جسے حرف بحرف ابن اسحاق نے نقل کر دیا ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب دوسرے سال کے دوسرے مہینے چھبیس راتیں بیت چکیں تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ملا:

يا نوح اهبط بسلام منا و بركات عليك و على امم من معك و امم سنمتعهم
ثم يمسهم منا عذاب اليم ﴿سورة ہود﴾

ترجمہ: "اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن و سلامتی کے ساتھ، ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔"

موجودہ تورات میں کچھ اس طرح مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے ہم کلام ہوا اور انہیں حکم دیا کہ کشتی سے باہر آیئے۔ آپ خود بھی اور آپ کی بیوی بچے اور ان کی گھر والیاں بھی نیز تمام وہ جاندار جو کشتی میں آپ کے ساتھ تھے اور وہ زمین پر پھیلیں اور بڑھیں، پس کشتی میں سوار سب انسان اور دوسرے جاندار باہر آگئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ذبح خانہ تعمیر کیا تا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کیلئے قربانی دیں پھر تمام حلال چوپاؤں اور حلال جانوروں میں سے ایک ایک لیا اور قربانی کی۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ عہد کیا کہ اب کبھی بھی زمین پر اتنا ہلاکت خیز طوفان نہیں آئے گا اور اس عہد کی علامت کیلئے قوس قزاح کو پیدا فرما دیا جو اب بھی ہمیں بادلوں میں نظر آتی ہے اور اللہ کے عہد کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کے مطابق اس کا نام امان کی کمان بھی ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کمان میں تانت (وتر) نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آئندہ کبھی بھی طوفان کا تیر قدرت کی کمان سے نہیں چلایا جائے گا۔

اہل فارس اور ہندوستان کے بعض جاہل لوگ وقوع طوفان کا انکار کرتے ہیں، لیکن انہیں

ملکوں کے بہت سارے لوگ اس کا اقرار بھی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ طوفان تھا تو سہی لیکن تھا صرف ارض بابل میں ہمارے علاقوں میں نہیں تھا اور جو انکار کرتے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم ان علاقوں میں کیومرث یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اب تک مسلسل آباد چلے آتے ہیں اگر کوئی ایسا وقوع رونما ہوا ہوتا تو یقیناً ہم سے مخفی نہ ہوتا۔ دراصل یہ تمام اقوال مجوسیوں کے ہیں جو آگ کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان کی پیروکار ہیں، جو ان کی کج فہمی اور کفر و جہالت کی انتہا کی دلیل ہے۔ وہ لوگ محسوسات کے پجاری ہیں اور زمین و آسمان کے پروردگار کی تکذیب ان کا شیوہ ہے، جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں اور کسی نہ کسی آسمانی دین کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں انہوں نے شروع دن سے انبیاء علیہم السلام سے اس واقعہ کا تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور تمام کا اتفاق بھی کیا ہے یہ کہ طوفان زمین کے کسی ایک خطہ کیلئے نہیں تھا بلکہ روئے زمین کیلئے عام تھا اور اس کی ہلاکت خیزی سے کوئی کافر خدا اور رسول کا منکر نہ بچ سکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے معاندین کی ہلاکت کیلئے بارگاہ الٰہی میں خود التجا کی تھی اور اللہ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے معصوم نبی کی لاج رکھتے ہوئے ان سب کی قسمت کا فیصلہ سنا دیا اور فرما دیا کہ جو بھی کفر کرے گا نہیں بچ پائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام شکر گزار پیغمبر تھے:

✿ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی مدح سرائی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

انه كان عبدا شكورا ﴿سورة الاسراء﴾

ترجمہ: "بے شک نوح ایک شکر گزار بندہ ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہر کام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے، جب کھانا تناول فرماتے، پانی پیتے یا لباس زیب تن کرتے تو شکر خداوندی بجا لاتے تھے۔

امام احمد، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس بندے سے ضرور راضی ہوگا جو کھانا کھائے تو اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے، کوئی شروب پیئے تو بھی اللہ تعالیٰ کا حمد و ثناء کرے۔" (اسے مسلم، ترمذی، نسائی نے ابو اسامہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔)

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ وہی ہو سکتا ہے جو قلبی، قولی اور عملی تمام اطاعت بجا لاتا ہو، کیونکہ شکر صرف زبان سے نہیں شکر ہر ہر عضو کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

افادتكم النعماء مني ثلاثة   يدي و لساني و الضمير المحجبا

ترجمہ: "میری طرف سے نعمتوں نے تجھے تین چیزوں کا فائدہ پہنچایا، میرے ہاتھ،

میری زبان اور میرے مخفی قلب۔" (یہ تینوں چیزیں تیری حمد وثناء میں مصروف ہیں۔)

ابن ماجہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھتے، صرف دو دن افطار فرماتے تھے۔ ایک عید الفطر کے دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کے دن"۔

طبرانی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت نوح علیہ السلام پورا سال روزے رکھتے۔ سوائے دو دن کے ایک فطر کے دن اور دوسرا اضحیٰ کے دن۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام آدھا سال روزے رکھتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینے میں تین روزے رکھتے۔ بعض اوقات آپ پورا پورا سال بھی روزے رکھتے اور کسی سال آپ ایک روزہ بھی نہ رکھتے۔"

وادی عسفان سے انبیاء کرام گزرنا ہوا:

حافظ ابو یعلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا اور جب آپ وادی عسفان میں تشریف لائے تو فرمایا: "اے ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ وادی عسفان ہے۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ وہ وادی ہے جس سے حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا گزر ہوا۔ وہ سرخ رنگ کے جوان اونٹوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کے چھلوں سے تیار کی گئی تھیں، اور ان کا لباس چادروں اور جبوں پر مشتمل تھا۔ ان کی چادریں دھاری دار تھیں جو انہوں نے اوڑھ رکھی تھیں۔

عظیم کلمات اور تکبر کیا ہے:

امام احمد نے عطاء بن یسار اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"ہم حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، ایک دیہاتی شخص حاضر خدمت ہوا۔ اس نے دھاری دھار ریشمی کڑھائی والا جبہ پہن رکھا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دیکھو! تمہارا یہ دوست ہر شہسوار ابن شہسوار کو ذلیل کر چکا ہے۔ یا فرمایا: ہر شہسوار ابن شہسوار کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اور چرواہے کے بیٹے کو عزت دینا چاہتا ہے۔"

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے دامن سے پکڑا اور فرمایا: "کیا میں تمہارے جسم پر بے وقوفوں کا لباس نہیں دیکھ رہا؟" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نبی حضرت نوح

علیہ السلام کی رحلت کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔ بیٹا! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، میں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے روکتا ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں: "لا الٰہ الا اللہ" (کے ذکر) کا بے شک سات آسمان اور سات طبقات ارضی ٹوٹ کر بکھر جائیں تو بھی یہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" انہیں پھر سے جوڑ سکتا ہے۔ دوسری چیز جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" کا ذکر کیا کرو۔ یہ وہ تسبیح ہے جو پوری مخلوق خدا کی زبان سے صبح و شام جاری وساری ہے۔ انہیں کلمات طیبات کے وسیلے سے مخلوق خدا کو رزق ملتا ہے اور میں تمہیں دو چیزوں سے منع کرتا ہوں: (۱) شرک، اور (۲) تکبر سے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! شرک کا مفہوم تو ہم سمجھتے ہیں لیکن تکبر کا مطلب کیا ہے؟ کیا تکبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے خوبصورت جوتے ہوں جس کے نیچے خوبصورت نعل لگے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تکبر یہ نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! خوبصورت جبہ پہننے کا نام تکبر ہے؟ آپ نے پھر نفی میں جواب دیا۔ صحابہ نے پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا تکبر یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے دوست ہوں اور وہ ان کی مجلس میں بیٹھے اور بات چیت کرے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تکبر اس چیز کو بھی نہیں کہتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر استفسار کرتے ہوئے عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ (ﷺ)! بہترین سواری جس پر سواری کی جاتی ہے تکبر تو نہیں کہلاتی کہیں؟ حضور نبی کریم ﷺ نے پھر نفی میں جواب دیا: صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود ارشاد فرمائیں تکبر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حق سے غفلت برتنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے، اگرچہ اسے صحاح ستہ میں روایت نہیں کیا گیا۔)

ابو القاسم طبرانی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "میں تمہیں دو خصلتوں کی نصیحت کرتا ہوں اور دو خصلتوں سے روکتا ہوں۔" پھر مذکورہ حدیث کی طرح پوری حدیث بیان فرمائی۔ اسے ابوبکر بزار ابراہیم بن سعید سے، وہ ابو معاویہ ضریر سے، وہ محمد بن اسحاق سے، وہ عمرو بن دینار سے، وہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، پھر راوی نے مذکورہ حدیث بیان کی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوں گے جیسا کہ احمد و طبرانی نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک:

اہل کتاب کا خیال ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو آپ کی عمر مبارک چھ سو سال تھی۔ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اتنا زیادہ فرمایا ہے کہ آپ طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، لیکن یہ قول غور و فکر کا محتاج ہے کیونکہ جب کوئی قول نص قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ خطائے محض شمار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید سے اتنا تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ آپ بعثت کے بعد اپنی قوم میں طوفان آنے تک ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ فرماتے رہے، پھر طوفان آیا اور ظالموں کو نیست و نابود کر دیا، لیکن طوفان کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے، کچھ معلوم نہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو غلطی سے محفوظ مان لیا جائے کہ جب آپ کی بعثت ہوئی تو عمر مبارک چار سو اسی سال تھی اور طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال تک رہے تو لازم آئے گا کہ آپ علیہ السلام کی کل عمر مبارک ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مبارک کہاں ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کی قبر انور کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ علامہ ابن جریر اور ازرقی عبدالرحمن بن سابط اور دوسرے تابعین سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر انور مسجد حرام میں واقع ہے۔ یہی قول زیادہ قوی اور صحیح ہے، لیکن بعض متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا مزار مبارک شہر بقاع میں اس جگہ واقع ہے جسے اب "کرک نوح" کہا جاتا ہے۔ اسی جگہ ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے اور اس کی اصل وجہ متاخرین کا یہی قول ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت سیدنا ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

"ہود بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام"

ہود بن عبداللہ بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام۔

حضرت ہود علیہ السلام کا تعلق عاد بن عوص بن سام بن نوح قبیلے سے تھا۔ یہ لوگ عرب تھے جو احقاف میں رہائش پذیر تھے۔ یہ علاقہ ریتیلے پہاڑوں کا ہے اور یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان پڑتا ہے۔ یہ سرزمین سمندر سے بہت قریب ہے جسے لوگ "الشحر" کہتے ہیں۔ جس وادی میں قوم ہود رہائش پذیر تھی، اس وادی کا نام "مغیث" بتایا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ مضبوط اونچے ستونوں والے گھروں میں رہائش پذیر تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الم تر كيف فعل ربك بعاد، ارم ذات العماد ﴿سورۃ الفجر﴾

ترجمہ: "کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔"

عاد ارم سے مراد عاد اولیٰ ہیں۔ عاد ثانیہ ان کے بعد آئے، جیسا کہ اپنی جگہ ان کا تذکرہ کیا جائے۔ یہاں عاد اولیٰ مراد ہیں جیسا کہ قرآن نے عاد ارم کہا ہے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ارم ذات العماد التي لم يخلق مثلها في البلاد۔ ﴿سورۃ الفجر﴾

ترجمہ: "عاد ارم جو اونچے ستونوں والے تھے، نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل دنیا کے ملکوں میں۔"

یہاں "مثلها" سے مراد مثل قبیلہ ہے۔ یعنی دنیا میں ایسی شان و شوکت کا کوئی اور قبیلہ پیدا ہی نہیں ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ھا" ضمیر کا مرجع العماد ہے۔ یعنی ان کے مکان اس قدر بلند و بالا تھے کہ اس قسم کے شاندار مکانات پہلے دنیا نے کبھی نہ دیکھے تھے، لیکن پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ہم

نے اپنی تفسیر میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ "ارم" ایک ایسے شہر کا نام ہے جو زمین پر چلتا پھرتا رہتا تھا کبھی تو یہ شہر شام کے علاقے میں جا بستا، کبھی یمن میں۔ کبھی حجاز میں اور کبھی کسی اور ملک میں تو انہوں نے چراگاہ کو بہت وسعت دیدی ہے ان لوگوں نے اپنے مویشیوں کی خاطر اتنے طویل سفر کیسے کیے حالانکہ گلہ بان قومیں اتنے لمبے سفر نہیں کرتیں اور پھر ان کے پاس ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر ان کے اس نظریے کو درست تسلیم کیا جائے۔

عرب قوم سے پیغمبر:

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث ہے کہ جس میں انبیاء و مرسلین کا تذکرہ ہے: "انبیاء میں سے چار کا تعلق عرب قوم سے ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، اور اے ابوذر! تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔"

عربی زبان میں کلام:

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے عربی زبان حضرت ہود علیہ السلام نے بولی تھی۔

وہب بن منبہ کا خیال ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کے والد نے سب سے پہلے عربی زبان بولی، کچھ لوگ کہتے ہیں سب سے پہلے عربی بولنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرت آدم علیہ السلام کا نام لیتے ہیں، پچھلی دونوں آراء میں کوئی تضاد نہیں۔ وہ ایک جیسی ہیں۔ (کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر عربی بولی تو بیٹا ہونے کے ناطے حضرت نوح علیہ السلام عربی بول سکتے ہیں اور اس کی نسبت کسی بھی طرف کی جا سکتی ہے۔) اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں، لیکن زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے عربی زبان میں کلام کیا۔ واللہ اعلم

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے جتنے بھی عرب ہیں انہیں العرب العاربہ (عرب کے اصل باشندے) کہا جاتا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو العرب المستعربہ غیر عرب قوم جو بعد میں عربوں میں ضم ہوگئی۔ العرب العاربہ میں کئی قبائل کے نام آتے ہیں مثلاً عاد، ثمود، جرہم، طسم، جدلیس، امیم، مدین، عملاق، جاسم، قحطان، بنو یقطن اور عبیل وغیرہ ہم۔ العربی المستعربہ کا تعلق حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فصیح و بلیغ عربی کلام کیا، انہوں نے یہ زبان قبیلہ جرہم سے سیکھی، جو حرم پاک میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے رہنے لگے تھے۔ جیسا کہ آئندہ

صفحات میں اس کا ذکر ان شاء اللہ تفصیلاً ہوگا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام میں فطرت نے غایت درجہ کی فصاحت و بلاغت کا جوہر ودیعت فرمایا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کمال کے فصیح و بلیغ تھے۔

قوم عاد کے بتوں کے نام:

قرآن پاک میں جس عاد کا ذکر ہے وہ عاد اولیٰ ہیں۔ انہوں نے ہی طوفان کے بعد سب سے پہلے بت پرستی اختیار کی تھی، یہ لوگ تین بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ صدا، صمود اور ھرا۔

حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی اصلاح و ہدایت کیلئے بھیجا جنہوں نے اس قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

قرآن میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ:

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والی عاد اخاھم ھودا۔ .... وما کانوا مؤمنین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہود!) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! نہیں مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں، رب العالمین کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانتدار ہو کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت میں تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے: (اے ہود!) کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں، ایک اللہ کی اور چھوڑیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا: واجب ہو گیا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب، کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارا باپ دادا (حالانکہ) نہیں اتاری اللہ نے ان کیلئے کوئی سند سو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں

پھر ہم نے نجات دیدی ہود (علیہ السلام) کو جو ان کے ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے۔"

سورۂ ہود میں قصہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

و الی عاد اخاھم ھودا ...... الا بعدا لعاد قوم ھود۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ نہیں ہو تم مگر افترا پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں ہے۔ میری اجرت مگر اس (ذات پاک) کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف وہ اتارے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھا دے گا تمہیں قوت میں تمہاری پہلی قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا: میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مہلت نہ دو۔ بے شک میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے۔ پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف اور جانشین بنا دے گا میرا رب کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بھی اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے انہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر جابر منکر حق کے حکم کی۔ اور ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ [illegible] ت و بربادی ہو عاد کیلئے جو ہود کی قوم تھی۔"

○ سورۂ مومنون میں قصہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثم انشانا من بعدھم ...... فبعدا للقوم الظالمین۔ ﴿سورۂ مومنون﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے پیدا فرما دی ان کے (غرق ہونے کے بعد) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) کہ عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا۔ کیا تم نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند، یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہی وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر) قبروں سے نکالا جائے گا، یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا اور یہی جینا اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پیغمبر نے کہا: میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے۔"

○ ایک اور مقام پر قصہ نوح کے بعد قصہ ہود کا بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذبت عاد المرسلین۔ ...... و ان ربک لھو العزیز الرحیم ﴿سورۂ شعراء﴾

ترجمہ: "جھٹلایا عاد نے (اپنے) رسولوں کو، جب فرمایا انہیں ان کے بھائی ہود نے کیا تم نہیں ڈرتے (خدا سے)۔ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت) کا کوئی صلہ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ اور اپنی رہائش کیلئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم اور بے دردی سے گرفت کرتے ہو۔ پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور ڈرو اس اللہ سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو۔ (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے اور باغات اور چشموں سے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن

کا عذاب نہ آ جائے۔ انہوں نے کہا: یکساں ہے ہمارے لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور۔ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے، اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

❁ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاما عاد فستکبروا فی الارض .... اخزی و ھم لا ینصرون۔ ﴿سورۂ حم السجدہ﴾

ترجمہ: "پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق، اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا شامت کے دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔"

❁ اور ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

و اذکر اخا عاد .... کذلک نجزی القوم المجرمین۔ ﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "(اے محبوب ﷺ!) ذکر سنایئے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا جب ڈرایا، اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ وہ (برافروختہ ہوکر) بولے (اے ہود) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو۔ لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا: کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں، لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے، تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران)

مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔"

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و فی عاد اذ ارسلنا علیھم الریح العقیم۔ ما تذر من شیء اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم ﴿سورۂ ذاریات﴾

ترجمہ: "اور (قصہ) عاد میں بھی نشان عبرت ہے ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔"

❁ اور ارشاد خداوندی ہے:

و انہ اھلک عادن الاولی۔ و ثمود فما ابقی۔ و قوم نوح من قبل انھم کانوا ھم اظلم و اطغی۔ و المؤتفکۃ اھوی۔ فغشھا ما غشی۔ فبای الاء ربک تتماری ﴿سورۃ النجم﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اول (قوم ہود) کو اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا، پس ان پر چھا گیا، پس تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا۔"

❁ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذبت عاد فکیف کان عذابی و نذر۔ .... فھل من مدکر۔ ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرا ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی، ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی۔ لوگوں کو گویا وہ ٹنڈ ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنیوالا۔"

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ۔ سخرھا علیھم سبع لیال و ثمنیۃ ایام حسوما فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ۔ فھل تری لھم من باقیۃ ﴿سورۃ الحاقۃ﴾

ترجمہ: "رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں، گویا وہ ٹنڈ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد۔"

❁ اور ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

الم تر کیف فعل ربک بعاد۔ .... ان ربک لبالمرصاد ﴿سورۃ الفجر﴾

ترجمہ: "کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ۔ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں۔ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے کاٹا چٹانوں کو وادی میں اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بیشک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں) کی تاک میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اور احسان عظیم سے ان مذکورہ آیات طیبات کے ضمن میں اپنی تفسیر میں ہم مذکورہ حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں سورۂ برات، سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ عنکبوت، سورۂ ص اور سورۂ ق میں قوم عاد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہم ان تمام آیات طیبات اور احادیث و تاریخ کے حوالے سے اس واقع کو بیان کریں گے۔ جیسا کہ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد شرک و بت پرستی میں سب سے پہلے مبتلا ہونے والی قوم یہی قوم عاد ہے۔ قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بسطۃ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت میں۔"

مقصد یہ ہے کہ قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دور کے لوگوں سے جسمانی لحاظ سے سخت اور بلند قد و قامت کا حامل بنا دیا اور انہیں دوسری قوموں کی نسبت شجاعت و بہادری کے اوصاف سے زیادہ نوازا۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثم انشأنا من بعدھم قرنا آخرین ﴿سورۃ مومنون﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے پیدا فرما دی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔"

یہاں دوسری جماعت سے مراد قوم عاد ہے۔ اور یہی توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ قوم عاد کا تذکرہ نہیں بلکہ قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ اس سورۂ کی چالیسویں آیت میں ذکر ہے کہ وہ لوگ چنگھاڑ سے ہلاک ہوئے اور یہ بات اظہر من الشمس

ہے کہ چنگھاڑ کے عذاب میں مبتلا ہونے والی قوم، قوم ثمود تھی نہ کہ قوم عاد۔

❁ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلناھم غثاء ﴿سورۃ مومنون﴾

ترجمہ: "تو آلیا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک کی طرح بنا دیا۔"

❁ قوم صالح (ثمود) چنگھاڑ سے جبکہ قوم عاد آندھی سے تباہ ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ۔ و اما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ ﴿سورۃ الحاقۃ﴾

ترجمہ: "پس ثمود، تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے، رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد اور بے حد تند تھی۔"

تو گویا سورۂ مومنون کی اکتیسویں آیت میں قوم عاد کا ذکر نہیں قوم ثمود کا ذکر ہے، لیکن ان کا یہ کہنا ان دونوں عذابوں کے جمع ہونے سے مانع نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ قوم سخت آندھی اور چنگھاڑ دونوں عذابوں سے ہلاک ہوئی ہو۔ جیسا کہ اہل مدین کے واقعہ میں اصحاب ایکہ کے قصہ میں عنقریب ہم بیان کریں گے۔ ان پر بیک وقت کئی عذاب مسلط ہوئے اور پھر اس میں تو کوئی اختلاف بھی نہیں کہ قوم عاد کا زمانہ قوم ثمود سے پہلے ہے۔

قوم عاد متکبر، ظالم اور بت پرست تھے:

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ کافر، عناد پرست، متکبر اور پرلے درجے کے ظالم تھے۔ ان لوگوں نے بتوں کی عبادت کو اپنا دین بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک شخص کو ان کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا، جو انہیں راہ حق کی دعوت دیتا تھا اور صرف ایک سچے خدا کی خلوص سے عبادت کرنے کی تلقین کرتا تھا لیکن ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کی تکذیب، تحقیر کی اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس کی پاداش میں اللہ نے انہیں اپنی قدرت کے سخت پنجے میں جکڑ کر واضح کر دیا کہ وہ غالب بھی ہے اور عالم امکان پر مکمل تصرف بھی رکھتا ہے۔ جب اللہ کے پیغمبر نے انہیں عبادت خداوندی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی انہیں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا، خطاؤں سے کنارہ کشی کی تعلیم دی اور اس کے صلے میں ان سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا وعدہ کیا جبکہ انہیں سرکشی کی صورت میں دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو قوم کہنے لگی جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال الملاء الذین کفروا من قومہ انا لنراک فی سفاھۃ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہود!) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو۔"

یعنی جس دین کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو یہ تو محض بے وقوفی پر مبنی ایک راہ حیات ہے۔ اصل دین تو ہمارا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر مددا اور رزق جیسی نعمتیں لوٹی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا خبر تو جھوٹ بول رہا ہو کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔

قوم کو تبلیغ حق:

قال یا قوم لیس بی سفاھۃ و لکنی رسول من رب العالمین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "ہود نے کہا: اے میری قوم! نہیں مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔"

اور دعوت و ارشاد کا منصب مبلغ میں عدم کذب کو مستلزم ہے۔ ایک سچے مبلغ اور پیغمبر کے پیغام میں کسی کمی بیشی کا سوچا بھی نہیں سکتا۔ تبلیغ حق کا تقاضا ہے کہ وہ پیغام ربانی کو ایسی فصیح و بلیغ اور جامع مانع عبارت میں پیش کرے کہ جس میں کوئی التباس، کوئی اختلاف اور کوئی اضطراب نہ ہو فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ ساتھ میری گفتگو میں قوم کی بہترین شفقت اور ہدایت کا سامان بھی موجود ہے۔ میں تم سے کچھ اجر، کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا، بلکہ میں تو نہایت اخلاص سے محض اللہ کیلئے مخلوق خدا کی رہنمائی کرتا ہوں اور انہیں عذاب سے بچانے کا طالب ہوں۔ میرا اجر تو میرے رب نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے۔ میں تو صرف اس ذات کے دروازے کا فقیر ہوں، جس کے ہاتھ میں دنیا و آخرت کے خزانے ہیں۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا قوم لا اسئلکم علیہ اجرا۔ ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ نہیں ہے میری اجرت مگر اس (ذات پاک) کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔"

یعنی کیا تم میں عقل و فکر کی قوتیں ودیعت نہیں کی گئیں جن کی روشنی میں تم تمیز کر سکو اور سمجھ سکو کہ میں تمہیں اسی حق کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کی صداقت کی گواہی تمہاری وہ فطرت دیتی ہے جس پر تمہاری تخلیق ہوئی ہے۔ یہی تو وہ دین حق ہے جس کی دعوت حضرت نوح علیہ السلام دیتے رہتے ہیں اور جب ان کی مخالفت کی گئی تو طوفان بلاخیز نے سرکشوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ آؤ اب میں اسی

دین کو لے کر تمہارے سامنے کھڑا تمہیں اس کی پیروی کی دعوت دے رہا ہوں۔ میں تم سے کسی معاوضے کا طلبگار نہیں۔ میری ساری کوشش اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہے جس کے ہاتھ میں نفع و نقصان ہے۔ اسی لیے تو اس قوم کے مومن نے اپنی قوم کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اتبعوا من لا یسالکم اجرا و ھم مھتدون۔ و مالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون۔ ﴿سورۃ یٰسین﴾

ترجمہ: "پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے۔"

✿ قوم عاد نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور اللہ کے محبوب پیغمبر سے کہنے لگے:

قالوا یا ھود ما جئتنا ببینۃ و ما نحن بتارکی آلھتنا عن قولک و ما نحن لک بمومنین۔ ان نقول الا اعتراک بعض آلھتنا بسوء ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "انہوں نے کہا: اے ہود! نہیں لے آیا تو کوئی دلیل ہمارے پاس اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے، اور نہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے، ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔"

ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی صداقت پر کوئی معجزہ نہیں دکھاتے، اور ہم محض یہ کہنے سے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں ایمان لانے کو تیار نہیں۔ کوئی دلیل کوئی خرق عادت برہان چاہیے، ہم تیرے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑ کر تیری بات کیسے مان لیں۔ اس لیے ہمیں تو یقین ہونے لگا ہے کہ تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ وجہ صاف ظاہر ہے تو نے ہمارے خداؤں کی خدائی کو چیلنج کیا اور ان کی الوہیت کا انکار کیا اسی لیے وہ تجھ پر ناراض ہو گئے اور اب تو کوئی بھی بات سوچ سمجھ کر نہیں کر پاتا۔ تیری یہ بے سروپا باتیں جنون اور بے وقوفی کا نتیجہ ہیں۔

قال انی اشھد اللہ و اشھدوا انی بریء مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "ہود نے کہا: میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، اس کے سوا۔ پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔"

آیت مبارکہ میں حضرت ہود علیہ السلام کی طرف سے کفار کو چیلنج ان کے خداؤں سے برأت کا اظہار تحقیر کا بیان ہے۔ گویا آپ انہیں فرما رہے ہیں کہ یہ مورتیاں نہ کوئی نفع دے سکتیں ہیں اور نہ نقصان۔ یہ محض بے جان جماد ہیں، ان کا حکم وہی ہے جو دوسری جمادات کا ہے اور ان کی کارکردگی بھی اتنی ہی ہے جتنی دوسرے جمادات کی۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ ان میں نفع و نقصان کی قدرت ہے تو میں ان کی خدائی کو چیلنج کرتا ہوں۔ میں ان کو ماننے سے اور شرک باللہ کے مکروہ فعل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں ان پر لعنت کر رہا ہوں اگر ان میں ذرا بھی قدرت ہے تو مجھے نقصان دے کر دکھائیں۔ ہاں میں تم کو بھی چیلنج کرتا ہوں، تم تمام مل جاؤ اور اپنی تمام توانائیاں اور حکمت کوششیں صرف کر ڈالو کہ مجھے نقصان سے دوچار کر دو لیکن نہ تو تم میری زندگی کا ایک لمحہ بڑھا سکتے ہو اور نہ پلک جھپکنے کی دیر اس میں کمی کر سکتے ہو۔ مجھے تمہاری دشمنی اور عداوت کی کوئی پرواہ نہیں۔ نہ میں تمہاری دشمنی کو کوئی وقعت دیتا ہوں اور نہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا گوارا کرتا ہوں۔

خدا پر توکل اور قوم کو چیلنج:

انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم، ما من دابۃ الا ھو اخذ بنا صیتھا ان ربی علی صراط مستقیم۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "بے شک میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔"

یعنی میں اپنے رب پر بھروسہ کرنے والا ہوں اور صرف اسی کی تائید و نصرت مجھے درکار ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کی جناب میں جس نے بھی پناہ لی ہے، جس نے بھی اس کے دامن رحمت میں چھپنے کی کوشش کی ہے اسی کریم نے اسے ضائع نہیں کیا۔ مجھے مخلوق کی کچھ پرواہ نہیں، میرا بھروسہ صرف اور صرف اسی ذات پر ہے اور میری عبادت بھی اسی کیلئے مخصوص ہے۔ یہ ایک دلیل ہی اس پر کافی ہے کہ ہود اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے اور ان کے مخالف جاہل اور گمراہ ہیں، کیونکہ وہ اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ آپ کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہ اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام جس پیغام کو لے کر آئے ہیں وہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور بت پرستی اور شرک محض جہالت و گمراہی ہے۔

✿ من و عن اسی طرح کی دلیل سے حضرت نوح علیہ السلام نے استدلال فرمایا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا قوم ان کان کبر علیکم مقامی .... ثم اقضوا الی ولا تنظرون۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا، سو تم بھی کوئی حتمی فیصلہ کر لو اپنے شریکوں سے مل کر پھر نہ ہو تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی۔ پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔"

✿ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا:

ولا اخاف ما تشرکون .... ان ربک حکیم علیم۔ ﴿سورۂ الانعام﴾

ترجمہ: "اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا رب کوئی تکلیف پہنچانا، گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔ تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے۔ اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کیلئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ہماری دلیلیں تھیں جو ہم نے دی تھیں ابراہیم کو اس قوم کے مقابلے میں، ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

قوم کا جواب:

بہرحال جب حضرت ہود علیہ السلام نے یہ منفرد دلیل قوم کے سامنے پیش کی تو قوم نے مصیبت بھرا جواب دیا اور کہا:

وقال الملا الذین کفروا من قومہ .... وعظاما انکم مخرجون۔ ﴿سورۂ المومنون﴾

ترجمہ: "اور بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوش حال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ یہ کھاتا ہے وہی جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں نکالا جائیگا۔"

کافر کسی بشر کی بعثت کو بعید از قیاس تصور کرتے تھے۔ یہ شبہ ہے جس کی بنا پر روز اول سے آج تک کئی لوگ رسالت و نبوت کا انکار کرتے آئے ہیں جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کافروں کے اس شبہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اکان للناس عجبا ان او حینا الی رجل منھم ان انذر الناس۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "کیا (یہ بات) لوگوں کیلئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جوانہی میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو۔"

✿ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و ما منع الناس ان یؤمنوا اذجاء ھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا۔ قل لو کان فی الارض ملآئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا ﴿سورۃ الاسراء﴾

ترجمہ: "اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر۔ فرمایئے اگر ہوتے زمین میں فرشتے جو اس پر چلتے سکونت اختیار کرتے تو ہم ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر۔"

✿ اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک شخص کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تا کہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب خداوندی سے)۔"

یعنی اس بات میں کوئی تعجب کا پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کیلئے کون بہتر رہے گا۔ (تو قوم نے جواب دیا جیسا کہ)

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ایعدکم انکم اذا متم و کنتم .... رب انصرنی بما کذبون۔ ﴿سورۂ مومنون﴾

ترجمہ: "کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں نکالا جائے گا۔ یہ بات عقل سے بعید ہے، بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا۔ اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ نہیں مگر ایک ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر پیغمبر نے کہا: میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔"

کافر لوگوں نے یوم قیامت کو بعید از قیاس خیال کیا۔ انہوں نے کہا: جب یہ جسم گل سڑ جائیں گے اور اپنا وجود کھو دیں گے تو محض مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ نہیں ہو سکیں گی۔ انہوں نے یہ بات کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو تم سے اخروی زندگی کی باتیں کرتا ہے یہ سب عقل و خرد کے منافی باتیں ہیں۔ "ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین۔" یعنی جب ایک نسل اپنا وقت پورا کر کے فنا کی گھاٹ اترے گی تو ان کی جگہ دوسری نسل لے لے گی اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ یہ اعتقاد دھریوں کا ہے، جس طرح کہ بعض زندیق کہتے ہیں مائیں بچے جنتی رہیں گی اور یہ زمین وقفے وقفے سے انہیں نگلتی جائے گی، دور یہ (اہل ہنود) مذہب کے لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے رحلت کر جاتے ہیں وہ ایک ہزار تریسٹھ سال بعد پھر سے دنیا میں واپس آ جاتے ہیں۔ مگر یہ سب جھوٹ، کفر، جہالت، گمراہی ہے۔ یہ سب اقوال باطل ہیں اور یہ تمام نظریات فاسد اور بلا دلیل و برہان ہیں۔ انہیں نظریات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فاجر و کافر لوگوں کی عقلیں بانجھ ہوتی ہیں اور ان کے کفر کے سبب ان سے فہم و فراست کا نور چھین جاتا ہے۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولتصغیٰ الیہ افئدۃ الذین لایؤمنون بالآخرۃ ولیرضوہ ولیقترفوا ماھم مقترفون ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور (چھوڑ دیجئے) تا کہ مائل ہو جائیں ان کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور تا کہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں۔"

✿ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں وعظ و نصیحت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش فرمائی۔

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون و تتخذون مصانع لعلکم تخلدون۔ ﴿سورۂ شعراء﴾

ترجمہ: "کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ اور اپنی رہائش کیلئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔"

قوم عاد چونکہ بلند و بالا جگہوں پر محلات اور یادگاریں تعمیر کرنے کی عادی تھی، اس لیے وہ اخروی زندگی کو بھول کر دنیوی زیب و زینت میں کھو کر رہ گئی تھی۔ قرآن مجید نے ان کی پر تکلف زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ﴿سورۃ الفجر﴾

یہاں عاد ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے جو عالی شان محلوں میں قیام رکھتے تھے۔ قرآن مجید میں ان

کی سج دھج کی تصویر کشی فرمائی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ارم سونے اور چاندی سے بنا ہوا ایک شہر تھا۔ جسے عاد جہاں چاہتے لے جا سکتے تھے۔ یہ کہانی غلط اور جھوٹ ہے۔ اس پر قائل کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ ایسا نظریہ رکھنے والوں نے غلطی اور خطا کی ہے۔

"تتخذون مصانع" سے مراد بعض علماء کے نزدیک محلات ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خیموں کی بلند و بالا چوبیں مراد ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ "مصانع" سے مراد پانی کے کنوئیں ہیں جن کی تعمیر میں عاد کے لوگ مہارت رکھتے تھے۔ "لعلکم تخلدون" یعنی تم امید کرتے ہو کہ تم ان گھروں میں عرصہ دراز تک قیام پذیر رہو گے۔

و اذا بطشتم بطشتم جبارین فاتقوا اللہ و اطیعون۔ واتقوا الذی امدکم بما تعلمون۔ امدکم بانعام و بنین و جنات و عیون۔ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بے درد بن کر گرفت کرتے ہو پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن سے جن کو تم جانتے ہو۔ (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے اور باغات اور چشموں سے، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔"

لے آ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتا ہے

❁ اس مخلصانہ نصیحت کے جواب میں قوم نے آپ کو بہت برا جواب دیا اور کہا:

اجئتنا لنعبد اللہ وحدہٗ و نذر ما کان یعبد آباؤنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "(اے ہود!) کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے، ہمارے باپ دادا، سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچے ہو۔"

یعنی آپ ہمیں ایک خدا کی عبادت کا طریقہ سکھانے آئے ہیں، ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت عرصے سے ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں، اگر تو سچا رسول ہے تو پھر دیر کس لیے۔ ہم تو تیری نبوت کا برملا انکار کر رہے ہیں، پھر لے آ عذاب اور بربادی جس کی تو ہمیں عرصے سے

دھمکیاں دے رہا ہے۔ پھر کہنے لگے:

سواء علینا اوعظت ام لم تکن من الواعظین۔ ان ھذا الا خلق الاولین و ما نحن بمعذبین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "یکساں ہے ہمارے لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں نصیحت کرنے والوں سے نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور۔ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔"

اگر "خلق" کو خا کی زبر کے ساتھ "خلق" پڑھیں، تو اس کا معنی پھر "اختلاق" (جھوٹ) ہوگا۔ مفہوم یہ ہوگا کہ جو کلام تو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے یہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے جسے تو نے قدیم کہانیوں سے ترتیب دے رکھا ہے، اکثر صحابہ اور تابعین نے اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے، اگر اسے خا اور لام کے زیر سے پڑھیں تو معنی ضابطہ حیات ہوگا۔ اس صورت میں آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس دین پر ہم قائم ہیں وہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین ہے، ہم اسے کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے، کچھ بھی ہو ہم نے اس دستور حیات کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ "وما نحن بمعذبین" کے الفاظ دونوں قراءتوں کی تائید کرتے ہیں۔

❁ حضرت ہود علیہ السلام نے کافروں کے جواب میں فرمایا:

قد وقع علیکم من ربکم رجس و غضب۔ اتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما نزل اللہ بھا من سلطن۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "واجب ہو گیا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (حالانکہ) نہیں اتاری اللہ نے ان کیلئے کوئی سند۔ سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔"

یعنی اپنی خرافات کی وجہ سے تم عذاب اور غضب خداوندی کے مستحق بن گئے ہو۔ کیا تم اللہ واحد کی وحدانیت کی عبادت اور اپنے ان بتوں کی عبادت کو یکساں سمجھنے لگے ہو جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے اور خود ہی انہیں الوہیت کے درجے پر فائز کر دیا ہے ان بے جان پتھروں کیلئے خدا کی اصطلاح تو تم نے اور تمہارے اسلاف نے استعمال کرنی شروع کر دی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو کوئی سند یا دلیل نہیں آئی، جبکہ تم نے قبول حق سے انکار کر دیا ہے اور باطل پر اصرار کو وطیرہ بنا لیا ہے تو اب تمہیں اس برائی سے روکوں یا نہ روکوں برابر ہے۔ کیونکہ تم نا سمجھ تو ہو نہیں کہ

تمہیں سمجھایا جائے۔ تم ہٹ دھرم اور متعصب ہو اور تعصب اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ بس اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو اور دیکھو کہ وہ عذاب کب آتا ہے جسے نہ ٹالا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی دعا:

پھر حضرت ہود علیہ السلام جب مسلسل کوشش کر کے عاجز آ گئے اور محسوس کر لیا کہ قوم عجز و انکسار کا پیکر بننے کے بجائے ہٹ دھرم ہو رہی ہے تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں فریاد کرتے ہوئے عرض کیا:

رب انصرنی بما کذبون۔ قال عما قلیل لیصبحن نادمین فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلنٰھم غثاء فبعدا للقوم الظالمین۔ ﴿سورۂ مومنون﴾

ترجمہ: "میرے رب اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے، تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے۔" جب اللہ تعالیٰ کے نبی کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے تو پھر بھی انہیں خیال نہ آیا اور چیلنج کرنے لگے:

اجئتنا لتافکنا عن آلھتنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔

ترجمہ: "(اے ہود!) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو۔ لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔"

قوم کی عذاب ہلاکت:

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

قال انما العلم عند اللہ .... تجزی القوم المجرمین۔ ﴿سورۂ الاحقاف﴾

ترجمہ: "ہود نے فرمایا: نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔"

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کے واقع کو کئی آیات میں بیان فرمایا ہے۔ کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً جیسا کہ پہلے کئی آیات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فانجیناہ والذین معہ برحمۃ منا وقطعنا دابر الذین کذبوا بآیاتنا وما کانوا مؤمنین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ان کے ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولما جاء امرنا نجینا ھودا .... الا بعدا لعاد قوم ھود۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے انہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر جابر منکر حق کے حکم کی اور ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہو عاد کیلئے جو ہود کی قوم تھی۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلناھم غثاء فبعدا للقوم الظالمین۔ ﴿سورۃ المومنون﴾

ترجمہ: "تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے۔"

فکذبوہ فاھلکناھم۔ ان فی ذالک لآیۃ وما کان اکثرھم مومنین۔ وان ربک لھو العزیز الرحیم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا، اس لیے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں بھی (عبرت) کی نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

رہی قوم عاد کی ہلاکت کی تفصیل تو قرآن پاک کی آیات کے ضمن میں مفسرین نے سیر حاصل

گفتگو کی ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

فلما رأوه عارضا مستقبل اودیتهم قالوا هذا عارض ممطرنا بل هو ما استعجلتم به ریح فیها عذاب الیم۔ (سورۃ الاحقاف)

ترجمہ: "پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے۔ (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت میں جس گھٹا کی بات ہو رہی ہے وہ عذاب کے ابتدائی آثار تھے۔ جب دیکھا کہ افق سے گھٹائیں اٹھ رہی ہیں تو سمجھے کہ یہ رحمت کے بادل ہیں حالانکہ وہ عذاب خداوندی تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بل هو ما استعجلتم به" یعنی یہ کالے بادل خدا کا وہ عذاب ہیں جس کی تمہیں جلدی تھی، کیونکہ کافر لوگ حضرت ہود علیہ السلام سے بارہا کہتے تھے: "فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین" کہ سچے ہو تو موعودہ عذاب لے کیوں نہیں آتے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں تفصیل سے مذکور ہے۔

قحط سالی کا عذاب:

محمد بن اسحاق اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں: "جب قوم عاد کے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار میں حد سے گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک انہیں قحط میں مبتلا کیے رکھا۔ قحط سالی نے ان کا جینا مشکل ہو گیا۔ اس زمانے میں جب لوگوں کو کوئی مشکل پیش آتی تو اللہ تعالیٰ سے اس مشکل سے نجات کیلئے درخواست کرتے تھے۔ وہ کعبۃ اللہ میں حاضر ہوتے اور اس کے وسیلے سے اپنے لیے آسانی کا سوال کرتے۔ یہ اس دور کے لوگوں کا عام طریقہ تھا۔ عمالقہ قبیلہ کے لوگ حرم پاک کے نزدیک قیام پذیر تھے۔ یہ لوگ عملیق بن لاوذ بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کی پشت سے تھے۔ ان دنوں جو شخص قبیلے کا سردار تھا اس کا نام معاویہ بن بکر تھا۔ اس سردار کی والدہ کا تعلق قوم عاد سے تھا۔ اس بوڑھی عورت کا نام جلہدہ تھا جو عاد کے ایک شخص خیبری کی بیٹی تھی۔ قوم عاد نے تقریباً ستر آدمیوں پر مشتمل ایک وفد حرم پاک کو بھیجا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے وسیلے سے بارش کی دعا کریں۔ وفد کا گزر معاویہ بن بکر سے ہوا جو مکہ مکرمہ کی جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ لوگ یہاں اترے اور ایک مہینے تک یہاں ٹھہرے رہے۔ جب معاویہ کے پاس ان کا قیام کچھ زیادہ طول پکڑ گیا اور اسے اپنے قبیلے کی محبت اور شفقت نے آلیا تو مارے شرم کے انہیں واپسی کا نہ کہہ سکے۔ معاویہ نے چند اشعار

لکھے جن میں انہیں واپسی کی تلقین کر دی۔ معاویہ نے یہ اشعار اپنی دو لونڈیوں کو دیئے کہ وہ انہیں وفد کے سامنے گائیں۔ وہ یہ تھے۔

الا یا قیل! ویحک قم فهینم — لعل الله یمنحنا غماما
فیسقی ارض عاد فان عادا — قد امسوا لا یبنون الکلاما
من العطش الشدید فلیس نرجو — به الشیخ الکبیر ولا الغلاما
و قد کانت نسائهم بخیر — فقد امست نسائهم ایامی
و ان الوحش یأتیهم جهارا — ولا یخشی لعادی سهاما
و انتم هاهنا فیما اشتهیتم — نهارکم ولیلکم تماما
فقبح و فدکم من وفد قوم — ولا لقوا التحیة و السلاما

ترجمہ: "سنو اے قیل! (ستر آدمیوں کا سردار) تجھ پر افسوس ہے اٹھ اور (کعبۃ اللہ کو) کو جا شاید کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بادل عطا کر دے۔ اور وہ بادل عاد کے سرزمین کو سیراب کر دے۔ عاد کی قوم اللہ کی وجہ سے آنکھ اٹھانے سے بھی قاصر ہے۔ سخت پیاس کی وجہ سے نہ تو ہمیں اب کسی بوڑھے کی زندگی کی امید ہے اور نہ بچے کی اگرچہ خاندان کی عورتیں بیمار نہیں ہیں لیکن پھر بھی بھوک و پیاس کی وجہ سے وہ حالت یاس کو پہنچی دکھائی دیتی ہیں۔ اور وحشی علی الاعلان ان کے پاس دوڑے آتے ہیں، اور اب درندوں کو ان کے تیروں کا کوئی خوف نہیں رہا۔ اور تم (اے وفد کے شرکاء) یہاں رات دن مکمل عیش میں گزر بسر کر رہے ہو۔ تم سے برا کسی قوم نے وفد نہیں بھیجا ہو گا، اور نہ کسی قوم نے اس وفد سے بڑھ کر کسی برے وفد کو خوش آمدید کہا ہو گا۔"

جب انہوں نے یہ شعر سنے تو اٹھے حرم پاک گئے اور اپنی قوم کیلئے دعا کی۔ ان کے دعا کرنے والے نے دعا کی یعنی قیل بن عنز نے اور اللہ تعالیٰ نے تین بادل ظاہر کیے۔ ایک کا رنگ سفید، دوسرے کا سرخ اور تیسرے کا رنگ سیاہ تھا، پھر آسمان سے کسی نے آواز دی ان میں سے اپنے لیے کسی ایک رنگ کے بادل کا انتخاب کر لے۔ یا اپنی قوم کیلئے (راوی کو شک ہے) قیل بن عنز نے کہا کہ میں کالے بادل کا انتخاب کرتا ہوں، کیونکہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے پھر منادی نے ندا دی: تو نے نہایت جلی ہوئی راکھ کا انتخاب کیا۔ عاد کی قوم کا کوئی فرد نہیں بچے گا سب فنا ہوں گے نہ باپ بچے گا نہ بیٹا۔ تو نے تمام کیلئے ہلاکت مانگ لی ہے۔ ہاں بنی لوذیہ اس قہر و غضب سے بچ جائیں گے۔ بنی لوذیہ کے لوگ بھی عاد کی نسل سے تھے اور مکہ مکرمہ کی جگہ مقیم تھے۔ یہ عذاب ان لوگوں پر عذاب نہ ہوا۔

امام محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ عاد کی قوم سے جتنے لوگ اس عذاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہے انھی کو عاد آخرہ کہا جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سیاہ بادل کو جسے قیل بن عنز نے پسند کیا تھا اور جس میں ہلاکت اور بربادی تھی قوم عاد کی طرف چلنے کا امر دیا، حتیٰ کہ وہ اس وادی میں جا نکلا جس میں عاد کی قوم قیام پذیر تھی اور جسے وادی مغیث کے نام سے جانا جاتا تھا، جب لوگوں نے اس کالی گھٹا کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: یہ بادل ہے اب ہماری وادی پر موسلا دھار بارش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے: "بل هو ما استعجلتم به ريح فيها عذاب اليم كل شىء بامر ربها۔" یعنی یہ وہ عذاب ہے جس کے آنے میں تمہیں جلدی تھی۔ یہ بادل نہیں کہ تمہاری وادی کو سیراب کرے بلکہ یہ تو تند و تیز جھکڑ ہے جس میں دردناک عذاب کا سامان موجود ہے۔ یہ گھٹا جسے تم ابر رحمت سمجھ کر خوش ہو رہے ہو تھوڑی ہی دیر میں ہر اس چیز کو نیست و نابود کر دے گی جس کی ہلاکت کے بارے میں امر خداوندی ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے جس نے اس عذاب کو دیکھا اور بادل کی بجائے اسے جھکڑ یقین کیا وہ ایک عورت تھی۔ اس عورت کا تعلق قوم عاد سے تھا اور اس کا نام "مہد" بتایا جاتا ہے۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ تو عذاب الٰہی ہے ابر رحمت نہیں ہے تو اس کی چیخ نکل گئی اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو لوگوں نے پوچھا مہد کیا ہوا؟ وہ بولی: میں نے ایک ہوا دیکھی ہے جس میں آگ ہی آگ ہے اور کچھ لوگ اسے ہماری طرف لے کر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تند و تیز جھکڑ کو سات راتیں اور آٹھ دن تک برابر مسلط رکھا اور عاد کی قوم کا کوئی آدمی بھی نہ بچا جو ہلاک نہ ہوا ہو۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ہود علیہ السلام الگ ہو گئے جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک باڑے میں تشریف فرما ہو گئے۔ وہ ہوا جو دوسروں کیلئے ہلاکت تھی، حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کیلئے رحمت و سامان فرحت و انبساط ثابت ہوئی، وہ اس ہوا سے بہت لطف اندوز ہوئے۔ اس سے ان کے جسموں پر خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اور روحوں میں تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن عاد کیلئے وہ یوں چلی کہ زمین و آسمان کے درمیان انہیں اٹھائے پھرتی رہی اور پھر انہیں پتھروں کی رخ پر پٹخ دیا۔ راوی نے یہ پوری روایت بیان کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ایک حدیث بیان کی ہے جو اس قصہ سے ہے۔

(حارث ابن حسان جسے ابن یزید بکری کہا جاتا ہے۔) کہتے ہیں کہ میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے جا رہا تھا۔ ربذہ

میں مجھے بنی تمیم کی ایک بوڑھی ملی جس کے پاس سواری نہیں تھی۔ بوڑھی مجھ سے کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! مجھے حضور نبی کریم ﷺ سے کام ہے کیا آپ مجھے وہاں پہنچا دیں گے؟ فرماتے ہیں میں نے اسے اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ منورہ لے آیا، جب میں شہر رسول ﷺ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد میں قدم رکھنے کی جگہ نہیں اور ایک سیاہ جھنڈا فضا میں پھڑ پھڑا رہا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گلے میں تلوار حمائل کیے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے مجھے بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ یا فرمایا کہ اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی، اجازت مل گئی۔ میں اندر گیا اور سلام عرض کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ اور ہم ان پر غالب رہے تھے۔ آج میرا گزر بنی تمیم کی ایک عورت سے ہوا جس کے پاس سواری نہیں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے سوار کر کے آپ تک پہنچا دوں۔ اب وہ بوڑھی باہر دروازے پر بیٹھی ہے اجازت کی منتظر ہے۔

آپ ﷺ نے اسے حاضر خدمت ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔ بوڑھی اندر آ گئی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی حد مقرر کرنا چاہتے ہیں تو ریگستان کو حد مقرر فرما دیں، کیونکہ یہ علاقہ ہمارا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت کو غصہ آ گیا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر یہ تو مضطرب و پریشان نہ رہے گا؟ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا: میری مثال تو وہ ہوئی کہ کسی نے کہا تھا "آپ نے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری" میں اسے سوار کر کے لایا ہوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ عورت میری دشمن ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی پناہ! کہ میں قوم عاد کے قاصد کی مانند ہو جاؤں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! قوم عاد کے قاصد کا کیا واقعہ ہے؟ اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ اس قصہ کے بارے مجھ سے کہیں زیادہ جانتے تھے لیکن آپ نے مجھ سے سننا پسند فرمایا۔ میں نے کہا کہ قوم عاد کو قحط نے آ لیا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک شخص کو جس کا نام قیل تھا۔ مکہ بھیجا کہ خانہ کعبہ میں جا کر دعا کرے اس کا گزر معاویہ بن بکر سے ہوا۔ قیل، معاویہ کے پاس ایک مہینہ تک قیام پذیر رہا۔ وہ اسے شراب پلاتا رہا اور معاویہ کی دو لونڈیاں جنہیں "جرادتان" کہا جاتا تھا۔ اسے موسیقی سے لطف اندوز کراتی رہیں، جب مہینہ گزر گیا تو وہ تہامہ کے پہاڑوں کی طرف نکلا اور دعا کی: الٰہی! تو

جانتا ہے کہ میں کسی مریض کا علاج کرانے نہیں آیا اور نہ ہی کسی قیدی کو فدیہ دے کر چھڑانے آیا ہوں۔ الٰہی! قوم عاد کو پہلے کی طرح بارشوں سے سیراب کر۔ اس کے پاس سے سیاہ بادل گزرے اور اس نے ان بادلوں سے ایک آواز سنی۔ انتخاب کر لے۔ قیل نے ایک بہت ہی سیاہ بادل کی طرف اشارہ کر دیا۔ ان بادلوں سے پھر آواز سنائی دی، خوب جلی ہوئی راکھ لے لے۔ عاد میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا میری انگوٹھی کے حلقے سے زیادہ نہیں بھیجی تھی، حتیٰ کہ سب اس ہوا سے فنا ہو گئے۔

ابو وائل نے کہا: یہ بالکل سچ ہے عرب میں جب بھی کسی عورت یا مرد کو بھیجتے تو کہتے عاد کے بھیجے ہوئے کی مانند نہ بن جانا۔ اسی طرح اسے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر وغیرہ اور دیگر کئی مفسرین نے اس قصہ کو اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ عاد آخرہ کی ہلاکت کے بارے میں ہو کیونکہ ابن اسحاق اور دوسرے کئی لوگوں کی روایتوں میں مکہ المکرمہ کا ذکر آیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مکہ المکرمہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پڑی ہے۔ جب انہوں نے اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی غیر ذی زرع میں ٹھہرایا تھا تو وہاں کسی شہر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہاں جرہم قبیلہ آ کر آباد ہوا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے ساتھ مستقل رہائش پذیر ہو گیا تھا جیسا کہ اپنے موقع پر اس واقعہ کو بیان کیا جائے گا اور عاد اولیٰ کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بھی پہلے دور سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض روایات میں معاویہ بن بکر اور اس کے شعروں کا تذکرہ ہے۔ ان شعروں کا اسلوب شعراء متاخرین سے ملتا ہے۔ ان میں متقدمین جیسی قدرت اور انداز مفقود نظر آتا ہے۔ احادیث پاک میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ عاد کی قوم ایک ایسے بادل سے ہلاک ہوئی جس میں شرارے اور آگ تھی، جبکہ عاد اولیٰ ٹھنڈی تند ہوا سے ہلاک ہوئے۔

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دیگر تابعین فرماتے ہیں کہ ہوا شدید تند و تیز ہونے کے ساتھ ساتھ سخت ٹھنڈی تھی۔

سخرها عليهم سبع ليال و ثمانية ايام حسوما ﴿سورۃ الحاقۃ﴾

ترجمہ: ''اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی۔''

یعنی مسلسل تند و تیز اور ٹھنڈی ہوا چلتی رہی اور ایک لمحے کیلئے بھی نہ رکی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جھکڑ بدھ کے دن شروع ہوا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس عذاب کی ابتدا بدھ کے دن ہوئی۔

فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاوية ﴿سورۃ الحاقۃ﴾

ترجمہ: ''تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں، گویا وہ ڈھے ہیں کھوکھلی کھجوروں کے۔''

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے لوگوں کو کھجور کے کھوکھلے درختوں سے تشبیہ دی ہے، جن کی شاخیں کاٹ کر انہیں ڈھے بنا دیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ہوا کی لپیٹ میں آتا تو ہوا اسے اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر اسے سر کے بل پٹخ دیتی جس سے اس کی گردن ٹوٹ جاتی اور سر تن سے جدا ہو جاتا اور دھڑ ٹنڈ منڈ درخت کی مانند بغیر سر کے رہ جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا ارسلنا عليهم ريحا صرصرا في يوم نحس مستمر ﴿سورۃ قمر﴾

ترجمہ: ''ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی دائمی نحوست کے دن۔''

یعنی یہ دن ان لوگوں کیلئے نحوست لایا اور ان پر برابر ہوا کی صورت میں مسلط رہا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گئے۔

تنزع الناس كانهم اعجاز نخل منقعر ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: ''وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ ڈھے ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔''

جو شخص اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بدھ کے دن کو ہمیشہ کیلئے منحوس خیال کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اس سے بدفال لینا قرآن مجید کی مخالفت اور بہت بڑی گمراہی ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہوتا ہے:

فارسلنا عليهم ريحا صرصرا في ايام نحسات ﴿سورۃ حم السجدہ﴾

ترجمہ: ''پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا منحوس دنوں میں۔''

اور اس بات میں کوئی ابہام نہیں کہ وہ عذاب برابر آٹھ دن تک مسلط رہا، اگر یہ دن اپنی ذات کے اعتبار سے منحوس ہوتے تو پھر پورے سات دن منحوس ہوتے اور ان تمام سے بدفال لیا جاتا لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام دن منحوس ہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ یہ آٹھ دن قوم عاد کیلئے منحوس ثابت ہوئے نہ کہ بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے بھی۔

۞ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وفي عاد اذ ارسلنا عليهم الريح العقيم ﴿سورۃ ذاریات﴾

ترجمہ: "اور قصہ عاد میں نشان عبرت ہے جب ہم ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی۔"

یعنی ایسی آندھی جس میں بھلائی نہ تھی۔ یہ ایسی تند و تیز ہوا تھی جس کے ساتھ نہ تو بادل تھے کہ مینہ برساتے اور نہ اس میں ٹھہراؤ تھا کہ نر کھجور کا مادہ، مادہ کھجور تک پہنچ جاتا اور درخت اچھے پھل لاتے، بلکہ یہ بانجھ ہوا تھی کہ جس میں عاد کیلئے کوئی بھلائی نہ تھی یہ سراسر ہلاکت تھی جس نے ان کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا۔

✿ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما تذر من شیء اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم ﴿سورۃ ذاریات﴾

ترجمہ: "نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔"

یعنی ہر چیز کو بوسیدہ اور بے کار کر کے رکھ دیتی کہ اس سے نفع کے سارے امکانات ختم ہو جاتے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باد صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور قوم عاد باد سموم سے ہلاک کی گئی۔"

✿ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و اذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف و قد خلت النذر من بین یدیہ و من خلفہ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "اور ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا، جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔"

تو اس میں عاد اولیٰ کا ذکر ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہیں نہ کہ عاد ثانیہ لیکن اس احتمال کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ عاد ثانیہ کے متعلق ہی ذکر ہو رہا ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے جسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتھم قالوا ھذا عارض ممطرنا ﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے۔"

جب عاد کی قوم نے دیکھا کہ گھٹا فضا میں پیدا ہو رہی ہے تو وہ اسے رحمت کا بادل سمجھ بیٹھے کہ

اس کچھ ہی دیر میں بارش ہو گی لیکن یہ تو سحاب رحمت نہیں بلکہ عذاب خداوندی تھا جو بادل کی صورت میں ان کی وادیوں کی طرف بڑھتے آ رہا تھا جسے وہ رحمت سمجھ رہے تھے وہ ہلاکت کا پیامبر تھا۔ جس سے وہ بھلائی کی توقعات وابستہ کر رہے تھے، وہ بہت بڑی مصیبت اور ہلاکت تھی۔ جب وہ خوشی سے بغلیں بجا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بل ھو ما استعجلتم بہ" یہ سحاب رحمت اور ابر کرم نہیں بلکہ اللہ کا عذاب ہے۔ پھر اس عذاب کی وضاحت فرمائی: "ریح فیھا عذاب الیم۔"

ممکن ہے اس عذاب سے وہ تند و تیز، مہلک ٹھنڈی ہوا مراد ہو جو سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی اور جس نے عاد کی قوم کے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا، بلکہ جب ان لوگوں نے پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی اور ٹھنڈک و برودت سے بچنے کی کوشش کی تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچ گئی۔ انہیں غاروں سے نکلنے پر مجبور کیا اور پھر انہیں فضا میں اچھال کر زمین پر یوں پٹخا کہ وہ نیست و نابود ہو گئے، جو اپنے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے تھے، انہیں وہیں موت کی نیند سلا کر اوپر سے بلند و بالا محلات کو مٹی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا اور وہ آنے والی قوموں کیلئے سامان عبرت بن گئے۔ وہ لوگ جو کل تک آنا "و لا غیری" کا نعرہ لگاتے تھے، وہ بانگ دہل کہا کرتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر بھی کوئی قوم طاقت و قوت کی مالک ہو گی۔ آج اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسی ہوا مسلط کر دی تھی جو واقعی ان سے کہیں طاقتور اور شدید تھی اور اس ہوا میں ہلاکت کے سوا خیر کا کوئی پہلو نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسا نہ کر ان پر شراروں اور آگ کی بارش کر دی ہو، جس طرح کہ کئی علماء کرام نے بیان کیا ہے۔ اہل مدین کے کافروں کے ساتھ بھی تو ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیک وقت دو متضاد ہلاکتوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ بہت ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلے بھی برس رہے تھے اور جیسا کہ سورۃ مومنون میں ذکر ہوا ہے، متضاد چیزوں سے مسلط کیا جانے والا عذاب سخت ترین عذاب خداوندی ہے۔ واللہ اعلم

ابن ابی حاتم، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے جو ہوا بھیجی جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ صرف انگوٹھی کے حلقے کے برابر کھولی گئی تھی۔ یہ ہوا جب دیہات کے لوگوں سے گزری تو انسانوں کو، ان کے جانوروں اور مال و متاع کو آسمان کے درمیان اٹھا لیا، جب شہر کے لوگوں نے جن کا تعلق قوم عاد سے تھا ہوا اور اس کے اندر جو کچھ تھا دیکھا تو "قالوا ھذا عارض ممطرنا" کہنے لگے یہ بادل ہے یہ ہم پر بارش برسائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو حکم دیا اور اس نے دیہاتیوں اور ان کے مویشیوں کو شہر کے لوگوں پر دے مارا۔

طبرانی نے اس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر بس انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا کھولی، پھر وہ چلا دیا دیہات سے شہر کی سمت، جب شہر والوں نے اس ہوا کو دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے، ہمیں سیراب کرے گا، وہ ہماری وادیوں کی طرف آ رہا ہے، حالانکہ اس ہوا میں دیہاتی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دیہاتوں کو شہریوں پر دے مارا حتیٰ کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔

طبرانی نے کہا ہے کہ اس ہوا نے وارد جہنم پر سرکشی کی اور وہ دروازوں کے درمیان سے ذرہ برابر نکل گئی۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ ایک اور قول بھی ہے کہ یہ ہوا بلا حساب نکلی تھی۔ بہر حال اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شبہ ہے۔ پھر مسلم ملائی پر اس حدیث میں اختلاف بھی ہے اور اس میں اضطراب کی نوعیت بھی پائی جاتی ہے۔ بہر حال آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے قوم عاد نے بادل دیکھا تھا، کیونکہ لفظ عارض کا لغت میں معنی بادل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس پر حارث بن حسان بکری کی حدیث بھی دلالت کر رہی ہے۔ بشرطیکہ ہم اس حدیث کو اس قصہ کی مفسر شمار کریں۔

تیز ہوا کو دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پریشان ہونا:

حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

اللھم انی اسألک خیرھا و خیر ما فیھا و خیر ما ارسلت بہ و اعوذبک من شرھا و شر ما فیھا و شر ما ارسلت بہ۔

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے اس میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور تو نے اس کے ساتھ جو چیز بھیجی ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور میری تیری پناہ مانگتا ہوں، اس کے شر سے اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے اور تو نے جو اس میں بھیجا ہے اس کے شر سے۔"

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آسمان چھپ جاتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہو جاتا، آپ کبھی گھر کے اندر جاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے، آپ کبھی آگے کو آتے اور کبھی پیچھے، اور جب بارش برستی تو آپ اس سے خوش ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی پریشانی کو سمجھ جاتی تھیں۔ اسی لیے ایک دن اس کے متعلق پوچھ لیا، آپ نے فرمایا:

اے عائشہ! کہیں یہ قوم عاد کی طرح نہ ہو کہ انہوں نے کہا تھا:

فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتھم قالوا ھذا عارض ممطرنا ﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے، ہم پر برسنے والا ہے۔"

(اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ابن جریج کی حدیث سے روایت کیا ہے۔)

امام احمد، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اس طرح کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے دانت مبارک نظر آتے ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض تبسم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بادل یا جھکڑ دیکھتے تو آپ کے چہرے انور سے (خوف) کے آثار نمودار ہونے لگتے۔ فرماتی ہیں کہ جب میں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ جب ابر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی مگر میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ مطلع ابر آلود دیکھتے ہیں تو رخ انور پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس بادل میں عذاب خداوندی نہ ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو ہوا سے ہلاک کر دیا گیا تھا، جب ان کی قوم نے اس عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہے، ہم پر برسے گا۔"

یہ حدیث دونوں واقعات میں تغایر کیلئے صریح حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس طرف پہلے اشارہ کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے سورۃ احقاف میں مذکور یہ قصہ "عاد ثانی" کا واقعہ شمار ہوگا اور اس کے علاوہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی قوم عاد کا ذکر ہے وہ "عاد اولیٰ" پر محمول ہوگا۔ واللہ اعلم

اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون بن معروف سے بھی اسے روایت فرمایا ہے اور امام بخاری اور ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن وہب کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے حج کے بارے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اس واقعہ کو حضرت نوح علیہ السلام کے حج کے بیان میں آپ پڑھ سکتے ہیں۔

مزار مقدس:

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت ہود علیہ السلام کا مزار پر انوار ملک یمن میں ہے، دیگر کئی لوگ اسے دمشق میں بتاتے ہیں۔ جامع مسجد دمشق کے احاطے میں قبلہ کی طرف ایک جگہ ہے جسکے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر انور ہے۔ واللہ اعلم

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف پیغمبر بن کر تشریف لائے جو ایک مشہور قبیلہ ہے اور اپنے دادا ثمود کی وجہ سے "ثمود" کہلاتا ہے۔ ثمود کے بھائی کا نام جدیس ہے۔ ثمود اور جدیس، عابر بن ارم کے بیٹے ہیں جو سام بن حضرت نوح علیہ السلام کا صاحبزادہ ہے قوم ثمود عرب عاربہ ہیں۔ یہ قبیلہ حجاز اور تبوک کے درمیان "الحجر" کے مقام پر سکونت پذیر رہا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جب مجاہدین اسلام تبوک جا رہے تھے تو اسی علاقے سے گزرے تھے۔ قوم ثمود، قوم عاد کے بعد واقع ہوئی ہے۔ یہ لوگ بھی قوم عاد کی طرح بت پرست تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کیلئے اپنا ایک بندہ خاص اور رسول بھیجا جن کا اسم گرامی حضرت صالح بن عبید ابن ماسخ بن عبید بن حادر بن ثمود بن عابر بن ارم بن حضرت نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی۔ انہیں بتایا کہ بتوں اور غیر خداؤں کی پرستش چھوڑ دو اور توحید کو گلے لگا لو اور بت پرستی کی لعنت سے چھٹکارہ حاصل کر لو۔ کچھ لوگوں نے تو آپ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے لیکن اکثر لوگ کفر کرتے رہے اور آپ سے بحث و مباحثہ اور قتل و قتال میں مصروف رہے، جب آپ علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں تو کافروں نے آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں، چند بدبختوں نے آپ کی اس اونٹنی کو بھی قتل کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت بنایا تھا، پس اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غالب و قادر مطلق ہستی نے انہیں سخت ترین سزا دی۔

قرآن میں تذکرہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

والی ثمود اخاھم صالحا .... فاصبحوا فی دارھم جثمین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح (علیہ السلام) کو بھیجا، آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا، بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو، اس کو

کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ کہا ان سرداروں نے جو تکبر کیا کرتے تھے، ان کی قوم سے ان لوگوں کو جنہیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس پر جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے والے ہیں۔ کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں، پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا: اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو پھر آ لیا انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و الی ثمود اخاھم صالحا .... الا بعدا لثمود ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ اس نے پیدا فرمایا: تمہیں زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں پس مغفرت طلب کرو، اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔ بے شک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانے والا ہے۔ انہوں نے کہا: اے صالح! تم تو ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں، اس سے پہلے تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا، اور بے شک ہم اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنے جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائے گا مجھے اللہ (کے عذاب سے) اگر میں اس کی نافرمانی کروں تم تو نہیں زیادہ کو تا چاہتے میرے لیے سوائے نقصان کے اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب بہت جلد۔

پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے فرمایا: لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک۔ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا صالح کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے انکے ساتھ اپنی رحمت سے نیز (بچا لیا) اس دن کی رسوائی سے۔ بے شک (اے محبوب) تیرا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے صبح کی انہوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے سنو! ثمود نے انکار کیا، اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کیلئے۔"

۞ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و لقد کذب اصحب الحجر المرسلین .... ما کانوا یکسبون۔ ﴿سورۃ حجر﴾

ترجمہ: "اور بے شک جھٹلایا اہل حجر نے رسولوں کو، اور ہم نے عطا کیں انہیں اپنی نشانیاں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اپنے وہ بے خوف و خطر) رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اٹھ رہے تھے، پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے۔"

۞ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذلک و اورثنها بنی اسرائیل ﴿سورۃ اسراء﴾

ترجمہ: "ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔"

کذبت ثمود المرسلین .... من الجبال بیوتا فرهین۔ ﴿سورۃ شعراء﴾

ترجمہ: "جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو، جب کہا: انہیں ان کے بھائی صالح نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے، میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے بڑے نرم و نازک ہیں اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر بنتے ہوئے۔"

۞ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

او یاخذهم فی تقلبهم .... فانه تجزون۔ ﴿سورۃ نحل﴾

ترجمہ: "یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں، پس نہیں وہ اللہ کو عاجز کرنے والے یا پکڑ لے انہیں جبکہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ پس بے شک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ فرمانے والا ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ان کے سائے دائیں سے اور بائیں سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں۔ اور اللہ کیلئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو خدا نہ بناؤ۔ وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا) پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازم ہے تو کیا اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو۔"

۞ رب کریم فرماتا ہے:

و انذرهم یوم الازفة اذ القلوب .... و ما تخفی الصدور۔ ﴿سورۃ مومن﴾

ترجمہ: "اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جبکہ دل گلے میں اٹک جائیں گے اور وہ دہشت سے بھرے ہوئے نہ ہوگا ظالموں کیلئے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔"

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذبت ثمود بالنذر۔ .... و لقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا، پھر وہ کہنے لگے: کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں۔ پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں، ایک اونٹنی ان کی آزمائش کیلئے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی کو پس اس نے وار کیا اور کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے بھیجی ان پر

ایک چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ ہے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔"

✿ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

کذبت ثمود بطغوٰھا۔ .... فسوّٰھا۔ ولا یخاف عقبٰھا ﴿سورۂ شمس﴾

ترجمہ: "جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت۔ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے، پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ عظیم کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا۔ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا۔"

اکثر مقامات پر قرآن مجید میں قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ اکٹھا ملتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ براءت، سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ ص، سورۂ ق، سورۂ نجم اور سورۂ فجر میں ان دونوں قوموں کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان دونوں قوموں کا حال اہل کتاب کو معلوم نہیں ہوا۔ اور ان کی آسمانی کتاب "تورات" میں بھی ان کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو قوم عاد و قوم ثمود کی داستان سے آگاہ فرمایا تھا۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقال موسیٰ ان تکفروا انتم .... جاءتھم رسلھم بالبینٰت۔ ﴿سورۂ ابراہیم﴾

ترجمہ: "فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے۔ کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں۔"

ظاہر ہے یہ پوری آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ لیکن قوم عاد و قوم ثمود کا تعلق چونکہ خطہ عرب سے تھا۔ اس لیے یہ لوگ اسے اچھی طرح یاد نہ رکھ سکے اور زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ ان واقعات کو بھلا بیٹھے ہو سکتا ہے یہ واقعات عہد موسوی میں مشہور و معروف ہوں لیکن بعد والے لوگوں نے انہیں بھلا دیا ہو۔ اس تمام قصہ پر ہم اپنی تفسیر میں تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں۔

یہاں قوم ثمود کی ہٹ دھرمی اور ہلاکت کا تذکرہ مقصود ہے۔ کیسے اللہ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی اطاعت کرنے والوں کو عذاب سے محفوظ رکھا اور کفر و سرکشی کرنے والوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ قوم ثمود عرب کے اصل باشندے تھے۔ ان کا دور قوم عاد کے بعد آتا ہے۔ لیکن ان ظالموں نے قوم عاد کی تباہی سے سبق نہ سیکھا اور مخالفت رسول کی راہ اختیار کر لی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

والیٰ ثمود اخاھم صٰلحا .... ولا تعثوا فی الارض مفسدین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمہارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ گھومو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو عاد کا خلیفہ اور نائب بنایا تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور اس راہ پر نہ چلیں جس راہ پر چل کر وہ عبرت کا نشان بنے ہیں بلکہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں جو کامیابی و کامرانی کی راہ ہے۔ ان لوگوں کو عاد کی قوم کے اس وسیع و عریض خطے کا مالک بنا دیا کہ اس میں اپنے رہنے کیلئے محلات تعمیر کریں۔

وتنحتون من الجبال بیوتا فارھین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر (سنگتراش) بنتے ہوئے۔"

"فارھین" کا مطلب ہے محلات کی تعمیر میں ماہر اور انہیں محکم اور پختہ کرنے کے فن سے پوری طرح واقف۔ انہیں حکم تھا کہ اللہ کی ان نعمتوں پر شکر کرو۔ نیک عمل بجا لاؤ اور صرف ایک خدا کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اسکے ساتھ ساتھ انہیں روک دیا گیا تھا کہ اللہ کے رسول کی مخالفت نہیں کرنی۔ ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں ہونی چاہیے اگر تم امر و نہی میں سرکشی کے مرتکب نہ ہوئے تو اس کا نتیجہ نہایت ہی اچھا ہوگا۔

✿ اسی لیے حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں وعظ کرتے ہوئے فرمایا:"

اتترکون فی ما ھھنا آمنین فی جنت و عیون وزروع و نخل طلعھا ھضیم۔ ﴿سورۂ الشعراء﴾

ترجمہ: ”کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس میں جس میں تم یہاں ہو امن سے ان باغات میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں۔“

یعنی یہ حسن و خوبی کی وادی یہ پھلوں اور پھولوں کی رونقیں ہمیشہ کیلئے تو نہیں کہ انہیں دل دے کر تمام حقیقتوں سے اعراض کرلیا جائے۔

و تنحتون من الجبال بیوتا فرھین فاتقوا اللہ و اطیعون ولا تطیعوا امر المسرفین۔ الذین یفسدون فی الارض و لا یصلحون ﴿سورۂ الشعراء﴾

ترجمہ: ”اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر بنتے ہوئے۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اتباع کرو، اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی۔ جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔“

✿ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا اور فرمایا:

یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ ھو انشاکم من الارض و استعمرکم فیھا ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ اس نے پیدا فرمایا تمہیں زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں مٹی سے وجود بخشا اور تمہیں زندگی سے متصف فرمایا پھر اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس زمین میں آباد فرمایا یعنی تمہیں زمین کی تمام نعمتوں سے بہرامند ہونے کی توفیق دیدی۔ یہ کھیتیاں، پھل سب تمہاری خاطر پیدا فرمائے۔ وہی خالق و رزاق ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی بندگی کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس لیے ”فاستغفروہ ثم توبوا الیہ“ پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔“

مقصود یہ ہے کہ شرک و بت پرستی کی جس گمراہی میں مبتلا ہو، اسکو ترک کردو اور صرف ایک خدا کی عبادت کا راستہ اختیار کرلو جو واقعی عبادت کے لائق ہے۔ اگر تم نے اپنا رویہ بدل لیا تو وہ تمہاری اس تبدیلی کو قبول فرمائے گا اور تمہارے پچھلے قصوروں سے درگزر فرمادے گا۔

ان ربی قریب مجیب ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”بے شک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانے والا ہے۔“

اس خیر اندیشی کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام کو بہت برا جواب ملا۔

قالوا یا صالح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”انہوں نے کہا: اے صالح! تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں، اس سے پہلے۔“

یعنی اس سے پہلے ہم امید رکھا کرتے تھے کہ تو ہم میں سے بہت عقل مند اور دور اندیش شخص ہے لیکن اس گفتگو کے بعد تو امید کا یہ چراغ بجھ گیا۔ تو ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اسکی خدائی میں شریک اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کی اطاعت و فرمانبرداری ترک کر کے تیرے پیچھے ہولیں۔

اتنھانا ان نعبد ما یعبد آباؤنا و اننا لفی شک مما تدعونا الیہ مریب ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا اور بے شک ہم اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کردینے والے شک میں مبتلا ہوگئے ہیں۔“

✿ حضرت صالح علیہ السلام نے بڑے پیار سے سمجھایا اور فرمایا:

یا قوم ارایتم ان کنت علی بینۃ من ربی و آتانی منہ رحمۃ فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ۔ فما تزیدوننی غیر تخسیر ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ”اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائے مجھے اللہ (کے عذاب سے) اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوا نقصان کے۔“

یہ آیت حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے ان کیلئے نرم گفتگو اور نرم مزاجی کے رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کا نبی بھولے بھٹکے لوگوں کو کس خوبصورت طریقے سے دعوت حق دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھے یہ تو بتاؤ اگر میرا کلام اور میری دعوت حق پر مبنی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے؟ ایسے میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ کل بارگاہ خداوندی میں مخالفت حق کا کیا عذر پیش کرو گے۔ تم کہتے ہو کہ میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت نہ دوں۔ ذرا یہ تو بتاؤ اگر میں بھی اس فریضے میں کوتاہی برتوں تو پھر مجھے عذاب خداوندی سے کون نجات دے گا۔ کیا تمہاری ہدایت

کی کوشش کرے گا۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں دعوت و ارشاد کا فریضہ ترک کر دوں۔ یہ فریضہ مجھ پر اللہ کی طرف سے لازم ہے، اگر میں کارِ خیر میں سستی کروں گا تو کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھے خدا کی پکڑ سے چھڑا لے گا۔ اور اس ذات کے خلاف میری مدد کر سکے گا۔ تو جب تک میرے جسم میں جان ہے تمہیں حق کی دعوت دیتا رہوں گا جب تک کہ اللہ کوئی فیصلہ صادر نہیں فرما دیتا۔

بدبخت لوگ آپ کی باتوں کو نہ سمجھ سکے اور آپ پر الزام تراشی کرنے لگے۔

انما انت من المسحرین ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "(اے صالحؑ!) تم تو ان لوگوں میں ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو۔"

"مسحرین مسحورین" (اسم مفعول) کے معنی میں ہے۔ مسحور کا معنی ہے جس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ یعنی اے صالحؑ! تو اچھا بھلا ہے، تو جو یہ توحید اور یکتائی کی باتیں کرتا ہے تیرا قصور نہیں۔ جادو کے اثر سے تجھے تو معلوم نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ علماء جمہور کا نظریہ یہی ہے کہ المسحرین اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ (حا پر زبر ہے) لیکن ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ المسحرین اسم فاعل (حا کے نیچے زیر ہے) کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگاتے تھے اور کہتے تھے تو کاہن ہے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بعد والی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور کا نظریہ ہی صحیح ہے۔

ما انت الا بشر مثلنا ترجمہ: "تمہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری طرح۔"

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے صداقت کیلئے معجزہ طلب کیا۔

فات بآیۃ ان کنت من الصادقین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم سچے ہو۔"

یعنی کوئی خرقِ عادت امر جس سے تمہاری نبوت کی تصدیق ہو سکے۔

ناقۃ اللہ:

✿ حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا:

ھذہ ناقۃ لھا شرب و لکم شرب یوم معلوم۔ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب یوم عظیم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آ لے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔"

✿ اللہ تعالیٰ حضرت صالح علیہ السلام کی گفتگو کے متعلق قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے:

قد جاء تکم بینۃ من ربکم ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے۔ پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک۔"

و آتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بھا ﴿سورۃ بنی اسرائیل﴾

یعنی "اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی، پس انہوں نے زیادتی کی اس پر"

چٹان سے اونٹنی کا نکلنا:

آئمہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایک دن ثمود کے لوگ ایک مجلس میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ انہیں نصیحت کی۔ آنے والے عذاب سے ڈرایا اور ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ کافروں نے آپ سے معجزہ طلب کیا اور کہا ہم ایمان لانے کیلئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ سامنے کی اس چٹان سے اونٹنی پیدا کر دیں۔ اور اونٹنی ہو بھی فلاں رنگ کی۔ بھاری بھی کم انہوں نے اونٹنی کا حلیہ، اس کی قد و قامت اور اس کے بہت سارے دوسرے اوصاف گنوائے۔ یعنی وہ حاملہ ہو لمبی ہو۔ اور اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہوں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں اور اس چٹان سے ٹھیک اسی طرح کی اونٹنی نکال دوں تو تم میرا کہنا مان لو گے اور میری رسالت اور پیغام کی تصدیق کر لو گے۔ سب نے کہا: ہاں ہم اس کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے اور ساری مخالفتیں ختم کر دیں گے۔ آپ نے ان سے پختہ عہد و میثاق لے لیا۔ اس کے بعد آپ مجلس سے اٹھے۔ عبادت گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ و عبادت بجا لائے۔ پھر دعا کی کہ رب ذوالجلال ان کے مطالبے کو پورا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو حکم دیا کہ ایک ایسی طویل حاملہ اونٹنی برآمد کرے جس قسم کی اونٹنی کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اس اونٹنی کو دیکھا تو اونٹنی کی صورت میں ایک عظیم معاملہ، حیران کن منظر، قدرت ظاہرہ، دلیل قاطع اور برہان ساطع کو دیکھ کر ان میں سے کئی تو ایمان لے آئے لیکن بہت سارے لوگ کفر و ضلالت اور عناد و سرکشی پر ڈٹے رہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فظلموا بها" کہ انہوں نے اس پر زیادتی کی اور معجزہ دیکھ لینے کے باوجود بھی حق کو قبول نہ کیا۔

اہل ایمان کے سردار کا اسم گرامی حضرت جندع بن عمرو بن محلاۃ بن لبید بن جواس بتایا جاتا ہے۔ جندع کا شمار پہلے سے ثمود کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ باقی لوگوں نے بھی اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی لیکن ذواب بن عمرو بن لبید، اور حباب نے انہیں روک لیا جو ان کے پروہت اور مذہبی لیڈر شمار ہوتے تھے اور رباب بن صمعر بن جلمس جو کہ بت پرست تھا اس نے لوگوں کو راہ حق سے روکنے کی بے حد کوشش کی۔ حضرت جندع نے اپنے چچازاد بھائی شہاب بن خلیفہ کو بلایا جو اشراف میں شمار ہوتا تھا۔ اسے اسلام کی حقانیت سمجھائی لیکن بدبختوں نے اسے منع کر دیا کہ جندع کی بات کو قبول نہیں کرنا۔ وہ ان کی باتوں میں آ گیا۔

✿ اس پر ایک مسلمان مہوش بن غنمہ بن ذمیل رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل اشعار کہے:

و كانت عصبة من آل عمرو — الى دين النبى دعوا شهابا
عزيز ثمود كلهم جميعا — فهم بان نجيب ولوا جابا
لا صبح صالح فينا عزيزا — وما عدلوا بصاحبهم ذؤابا
و لكن الغواة من آل حجر — تولوا بعد رشد هم ذبابا

ترجمہ: "آل عمرو کے ایک گروہ نے شہاب (بن خلیفہ) کو دین نبی کی طرف بلایا، جو پوری قوم ثمود کا سردار ہے اور اس نے اس دین کو قبول کرنے کا ارادہ کیا اور اگر وہ مان جاتا تو حضرت صالح علیہ السلام ہم میں غلبہ حاصل کر لیتے اور لوگ اپنے سردار ذواب کی وجہ سے منہ نہ موڑتے۔ لیکن آل حجر کے سرکشوں نے ہدایت کے بعد بدقسمتی سے پیٹھ پھیر لی۔"

اسی لیے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا: "هذه ناقة الله" یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ اونٹنی کی نسبت اللہ کی طرف شرف و عظمت بیان کرنے کیلئے ہے۔ جیسا بیت اللہ (اللہ کا گھر) اور عبد اللہ (اللہ کا بندہ) "لكم آية" یعنی یہ اونٹنی میرے پیغام کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔

فذروها تاكل فى ارض الله و لا تمسوها بسوء فيا خذكم عذاب قريب ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب بہت جلد۔"

اس وقت تو تمام کا اتفاق ہو گیا کہ یہ اونٹنی ان کے ہاں رہے۔ ان کے کھیتوں سے جہاں چاہے چرتی پھرے اور جس دن کو آئے سیر ہو کر واپس جائے۔ یہ اونٹنی جس دن پانی پر کنوئیں کا سارا پانی پی

جاتی لوگ اپنی ضرورت کو دوسرے دن پر اٹھا رکھتے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس دن وہ دودھ پی کر گزارا کرتے انہیں پینے کو پانی نہ ملتا۔ اسی لیے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا: "لها شرب و لكم شرب يوم معلوم" ترجمہ: "ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے۔"

یہ اونٹنی قوم ثمود کیلئے ایک امتحان تھی "انا مرسلوا الناقة فتنة لهم" یعنی یہ ایک امتحان اور آزمائش تھی۔ یہ دیکھنا مقصود تھا کہ کون اس معجزہ کی حقانیت پر ایمان لاتا ہے اور کون انکار کی روش اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو آنے والے حالات سے بھی باخبر ہے (لیکن کسی کو سزا و جزا بلاوجہ نہیں ملتی) فرمایا: "فارتقبهم" یعنی انتظار کیجئے کہ وہ کیا کرتے ہیں: "واصطبر" ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ عنقریب ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوگا۔

و نبئهم ان الماء قسمة بينهم كل شرب محتضر ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔"

اونٹنی کا قتل:

جب یہ سلسلہ طویل ہوا تو قوم کے لوگ اکٹھے ہوئے اور یہ طے پایا کہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں تا کہ وہ چین سے رہ سکیں اور ضرورت کا پانی انہیں میسر آ سکے۔ شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ بہت اچھے تم حق پر ہو۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس فتنے سے بچاؤ کی یہی ایک صورت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان فرماتا ہے:

فعقروا الناقة و عتوا عن امر ربهم و قالوا يا صالح ائتنا بما تعدنا ان كنت من المرسلين ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا: اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو۔"

جس شخص نے اونٹنی کو قتل کرنے کی حامی بھری، وہ ان کا ایک رئیس قدار بن سالف بن جندع تھا۔ اس کا رنگ گورا اور بال سرخ تھے۔ اور مشہور تھا کہ یہ حرامزادہ ہے چونکہ سالف کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے سالف کا بیٹا شمار ہوتا ہے۔ دراصل اس کا باپ ایک اور شخص تھا جسے لوگ صیبان کہتے تھے۔ اونٹنی کا قتل تمام لوگوں کی متفقہ رائے سے ہوا۔ اسی لیے اسے تمام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری اور دیگر علماء مفسرین کا کہنا ہے کہ ثمود کے قبیلے کی دو عورتوں کا اس میں خصوصی کردار ہے۔ ان میں سے ایک کا نام "صدوقہ" بتایا جاتا ہے جو محیا بن زہیر بن مختار کی بیٹی تھی۔ یہ عورت حسب نسب میں اعلیٰ اور نہایت شیریں مقال تھی۔ صدوقہ کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی تھی جو بعد میں حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور اسی وجہ سے میاں بیوی کی علیحدگی ہو گئی تھی۔ صدوقہ نے اپنے چچا زاد کو جس کا نام "مصرع" بن مہرج بن محیا تھا بلایا اور اسے کہا کہ اگر تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے تو میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دوں گی۔ دوسری عورت کا نام "عنیزہ" تھا جو غنیم بن مجلز کی بیٹی تھی۔ اور "ام غنم" کی کنیت سے مشہور تھی۔ یہ عورت بوڑھی تھی اور بتوں کی پجارن تھی۔ اس کی چار بیٹیاں تھیں۔ جن کا باپ سردار قبیلہ ذواب بن عمرو تھا۔ اس بوڑھی عورت نے قدار بن سالف کو کہا کہ اگر تو یہ معرکہ سر کرے تو تو میری جس بیٹی پر ہاتھ رکھے گا وہ تیری ہو گی۔ دونوں جوانوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کی حامی بھر لی اور اپنی قوم میں اس کام کیلئے کوشش کرنے لگے۔ اس کام میں انہوں نے سات اور نوجوانوں کو شریک کر لیا۔ اس طرح ان کی تعداد نو ہو گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

و کان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض و لا یصلحون ﴿سورۃ نمل﴾

ترجمہ: "اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقے میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے۔"

یہ لوگ پورے قبیلے میں دوڑے پھرے اور انہیں اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے فوائد سے آگاہ کیا۔ قبیلے کے دوسرے کافروں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور ان کی داد و تحسین کی۔ بدمعاشوں کا یہ گروہ گھات لگا کر بیٹھ گیا کہ دیکھیں کب وہ آتی ہے کہ حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالیں۔ اونٹنی جب گھاٹ پر پہنچی اور پانی پینے لگی تو "مصرع" نے تیر مارا اور دوسرے ساتھیوں کو بھی حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ قدار بن سالف نے پہل کی اور تلوار لے کر اس پر پل پڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی کا نوزائدہ بچہ بھاگا اور ایک بلند و بالا ناقابل عبور چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔

عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے اس شخص سے جس نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے سنا روایت کیا کہ اس بچے نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر انسانوں کی سی زبان میں پوچھا: اے میرے رب! میری ماں کہاں گئی؟ پھر اسی چٹان میں داخل ہو گیا اور نظر نہ آیا۔ کچھ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں ان بدبختوں نے اس نوزائدہ بچے کو بھی قتل کر دیا تھا۔

○ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر۔ فکیف کان عذابی و نذر ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور کونچیں کاٹ دیں۔ پھر کیسا تھا عذاب اور میرے ڈراوے۔"

○ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذ انبعث اشقاھا۔ فقال لھم رسول اللہ ناقۃ اللہ و سقیاھا ﴿سورۃ الشمس﴾

ترجمہ: "جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے بڑا بدبخت تو کہا اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے۔"

یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں خبردار فرمایا کہ اونٹنی کو ایذا نہ پہنچائیں اور اسے کسی صورت اپنی باری سے روکنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ اس کا انجام بہت برا ہو گا لیکن

فکذبوہ فعقروھا۔ فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوھا ولا یخاف عقبھا ﴿سورۃ الشمس﴾

ترجمہ: "پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے انجام کا۔"

دنیا کے دو بدبخت:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور اس شخص کا تذکرہ کیا جس نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں اور فرمایا: "اذ انبعث اشقاھا" کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک بدبخت نے اس جرم کی حامی بھر لی جو بہت بدمزاج، اور ابوزمعہ کی طرح اپنی قوم میں بااثر تھا۔"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تجھے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبختوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ حضرت علی المرتضیٰ نے عرض کی کیوں نہیں (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو آدمی (بدبخت ترین ہیں) ان میں سے ایک وہ پستہ قد ثمودی جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں اور دوسرا وہ شخص جو تجھ پر وار کرے گا اے علی! یعنی تیرے سر پر تلوار مارے گا حتیٰ کہ تیری یہ یعنی داڑھی مبارک خون سے تر ہو جائے گی۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت فرمایا ہے۔)

○ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فعقروا الناقة و عتوا عن امر ربهم و قالوا یا صالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا: اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو۔"

انہوں نے اپنی اس گفتگو میں کئی اعتبار سے کفر کیا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نہی کی مخالفت کا ارتکاب کیا اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو اللہ کی طرف سے معجزہ تھی۔

(۲) یہ کہ انہوں نے عذاب خداوندی میں جلدی کی اسی لیے وہ دو اعتبار سے اس عذاب کے مستحق ہوئے۔ ایک تو اسلئے کہ یہ عذاب دو چیزوں سے مشروط تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب قریب۔ ﴿سورۃ ہود﴾

سورۂ شعراء کی چھپن آیت میں اسے عذاب عظیم کہا گیا ہے اور سورۃ الاعراف کی تہترویں آیت میں عذاب الیم کے الفاظ ہیں۔ یہ تمام الفاظ حق ہیں۔ دوسری وجہ عذاب کا جلدی مطالبہ تھا اس لیے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے تھے۔

(۳) یہ کہ انہوں نے اللہ کے اس رسول کی تکذیب کی جس نے اپنی صداقت پر ایک قطعی دلیل باہم پہنچا دی تھی۔ وہ یقینی طور پر جانتے تھے کہ حضرت صالح علیہ السلام واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں لیکن ان کے کفر و عناد اور ضلالت و سرکشی نے انہیں پیغمبر حق کی مخالفت پر ابھارا اور حق سے دور کرتے ہوئے انہیں عذاب خداوندی کا مستحق بنا دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ:

○ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فعقروها فقال تمتعوا فی دارکم ثلاثة ایام۔

یعنی آج کے دن کے علاوہ تین دن تک عیش و طرب سے گزار لو اور اپنے گھروں میں رہ کر غفلت کی میٹھی نیند سوتے رہو پھر کفر و سرکشی سے باز نہ آنے کی صورت میں تم پر عذاب آئے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصیحت نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا اور کہنے لگے کہ دیر نہ کرو صالح کو بھی اونٹنی کے ساتھ خاک و خون میں ملا دو تا کہ سارے اندیشے جاتے

"قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنه و اهله" ترجمہ: "انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کریں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے۔"

پوری قوم نے مشورہ کیا اور یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوئی کہ ہم رات کے اندھیرے میں چھپ کر صالح اور اس کے گھر والوں پر حملہ کر کے انہیں موت کی گھاٹ اتار دیں گے اور سب مل کر اس کے خاندان کو اس کا خون بہا ادا کر دیں گے۔

ثم لنقولن لولیه ما شهدنا مهلك اهله و انا لصادقون۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "پھر ہم کہیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔"

○ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومکروا مکرا و مکرنا مکرا وهم لا یشعرون فانظر کیف کان عاقبة مکرهم انا دمرناهم و قومهم اجمعین۔ فتلك بیوتهم خاویة بما ظلموا۔ ان فی ذالك لآیة لقوم یعلمون۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ واقعی ان میں عبرت ہے اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔"

وانجینا الذین امنوا و کانوا یتقون۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بچا لیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے۔"

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کی تھی اور انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ لیکن قوم کے باقی لوگ محفوظ رہے۔ جب جمعرات کی صبح کو یہ لوگ بیدار ہوئے جو کہ مہلت کا پہلا دن تھا تو ان کے چہرے خوف کی وجہ سے زرد ہو گئے تھے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا تھا۔ جب دن گزر گیا اور رات ہوئی تو ثمودی ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ پہلا دن ختم ہو گیا ہے۔ مہلت کا آخری یعنی ہفتہ کا دن طلوع ہوا۔ سارے خوف کے ان لوگوں کے چہروں پر سیاہی پھیل گئی۔ جب رات ہو گئی تو کہنے لگے تیسرا دن بھی گزر گیا۔ تو اتوار کو صبح سویرے انہوں نے خوشبوئیں

لگ گئیں۔ تیاری کی اور عذاب کے انتظار میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیا عذاب اور ہلاکت کا نزول ہوتا ہے۔ انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ عذاب کس طرف سے آئے گا۔

جب سورج چمکنے لگا تو انہیں آسمان سے ایک چیخ نے آلیا۔ زمین زلزلے کے جھٹکوں سے لرز اٹھی۔ جسموں سے روحیں پرواز کرنے لگیں اور زندگی موت کے گھاٹ اترنے لگی۔ ساری چہل پہل ناپید ہو چلی گئی۔ ایک سناٹا چھا گیا اور غفلت کے پردے ہٹتے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سب کے سب کاغذ نیست و نابود گھٹنوں کے بل اوندھے ہو کر رہ گئے۔ کل تک جو کفر و عناد سے اکڑ اکڑ کر چلتے تھے آج مردہ جسم تھے جن میں نہ کوئی حرکت تھی نہ روح۔ لوگ کہتے ہیں کہ ثمود کی قوم کا ایک فرد بھی باقی نہ بچ سکا۔

کہتے ہیں کہ قوم ثمود کے نابکار لوگوں میں سے صرف ایک جوان دوشیزہ اس ہلاکت سے عبرت کے لیے بچ گئی جو اپاہج تھی۔ اور سب لوگوں سے زیادہ حضرت صالح علیہ السلام کی دشمن اور کافرہ تھی۔ جب اس نے عذاب خداوندی دیکھا تو اس کی ٹانگیں ٹھیک ہو گئیں اور وہ بہت تیزی سے دوڑنے لگی۔ وہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس پہنچی اور انہیں عذاب خداوندی اور ثمودیوں کی ہلاکت کی خبر دی شدت پیاس سے لوگوں سے پانی مانگا اور جب وہ پانی پی چکی تو فوراً واصل جہنم ہو گئی۔

۞ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "کان لم یغنوا فیھا۔" ترجمہ: "گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔"

الا ان ثمود کفروا ربھم الا بعدا لثمود۔ ﴿سورہ ھود﴾

ترجمہ: "سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لیے۔"

ان پر یہ پھٹکار زبان قدرت سے تھی۔

امام احمد، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب وادی حجر کے قریب سے گزرے تو فرمایا معجزات کا مطالبہ نہ کرنا۔ ایک معجزے کا مطالبہ قوم صالح نے کیا تھا۔ وہ معجزہ نما اونٹنی ایک تنگ راستے سے داخل ہوتی تھی اور دوسرے سے نکل آتی تھی انہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یہ اونٹنی کنویں سے رہنے والا ایک دن کا سارا پانی پی جاتی اور انہیں اس دن دودھ پینا پڑتا۔ تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اسی سبب سے انہیں ایک کڑک نے آلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کڑک کے ذریعے ان کی قوم کے تمام افراد کو ہلاک کر دیا۔ سوائے ایک شخص کے جو حرم پاک میں موجود تھا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون

تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا نام ابورغال تھا۔ جب وہ حرم پاک سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوا جس میں اس کی پوری قوم مبتلا ہوئی تھی۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس قسم کی کوئی بات صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

عبدالرزاق فرماتے کہ معمر نے کہا: کہ مجھ سے اسماعیل بن امیہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ ابورغال کی قبر سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے۔ جو قوم ثمود سے تعلق رکھتا تھا۔ (عذاب کے وقت) وہ حرم پاک میں تھا اسی وجہ سے وہ محفوظ رہا۔ جب وہ حرم پاک سے نکلا تو اس کو بھی اسی عذاب نے آلیا جو عذاب اس کی قوم کو پہنچا تھا۔ اسے یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ سونے کے ہار کو بھی دفن کر دیا گیا۔ آپ اسی جگہ اتر پڑے تو صحابہ کرام نے جلدی جلدی اپنی تلواروں سے اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا اور ہار کی تلاش میں لگ گئے۔ پس (تھوڑی دیر میں) سونے کا وہ ہار نکال لیا۔

عبدالرزاق کا کہنا ہے کہ معمر نے فرمایا ہے کہ امام زہری کہا کرتے تھے کہ ابورغال قبیلہ ثقیف کا سردار تھا۔ (اس سند کے لحاظ سے یہ حدیث مرسل ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم سے سنا جب آپ ﷺ کے ساتھ ہم طائف جا رہے تھے تو ہمارا گزر ایک قبر سے ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے وہ بنو ثقیف کا سردار تھا اور اس کا تعلق قوم ثمود سے تھا۔ حرم پاک کی وجہ سے اس سے عذاب ٹلا رہا۔ جب وہ حرم شریف کی حدود سے باہر نکلا تو اسے اس جگہ اسی عذاب نے آلیا جس عذاب نے اس کی قوم کو نیست و نابود کیا تھا۔ پس اس کو اسی جگہ دفن کر دیا گیا اور اس جگہ کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کا ایک ہار بھی دفن کر دیا گیا تھا۔ اگر تم اس جگہ کو کھودو تو وہ ہار تمہیں مل جائے گا۔ یہ سنتے ہی لوگ جگہ کھودنے میں لگ گئے اور گڑھا کھود کر ہار نکال لیا۔

اسی طرح اسے ابوداؤد نے بھی محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کیا ہے۔ ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ حدیث حسن عزیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے میں ابن ابی بجیر اکیلا ہے اور اس سے صرف ایک ہی حدیث روایت کی جاتی ہے اور اس سے اسماعیل بن امیہ کے علاوہ کسی نے روایت ہی نہیں کیا۔ ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا کلام ہے۔ (واللہ اعلم)

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں اگرچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان صحیح ہے۔ لیکن مذکور مرسل حدیث میں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا شاہد موجود ہے۔ واللہ اعلم

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فتولی عنھم و قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم و لکن لا تحبون الناصحین ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "تو (صالح نے) نے منہ پھیرا ان کی طرف اور کہا اے میری قوم! بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو۔"

تباہ شدہ قوم سے خطاب:

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے، جب ثمود ہلاک ہو گئے تو آپ نے انہیں مخاطب فرمایا پھر آپ علیہ السلام نے منہ پھیر لیا اور یہ کہتے ہوئے ان کی تباہ شدہ بستی سے دور تشریف لے گئے۔ "یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم" یعنی حتی المقدور میں نے تمہاری رہنمائی کی کوشش کی ہے اور اپنے قول سے، عمل سے اور اپنی نیت سے تمہاری رشد و ہدایت کا حریص رہا ہوں۔ "ولکن لا تحبون الناصحین" لیکن تمہاری طبیعتیں قبول حق کی طرف مائل ہی نہیں ہوئیں، اسی لیے تو تمہیں اس دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑا ہے جو ابدالآباد تک جاری رہے گا ایک لمحہ کیلئے بھی منقطع نہیں ہوگا۔ اب میرا کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اب میں تمہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ رشد و ہدایت کے فریضہ کی ادائیگی میرے ذمہ تھی اس لیے میں تبلیغ حق میں ساری کوشش صرف کر چکا لیکن ہوتا وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اسی طرح تین دن بعد بدر کے دن قتل ہونے والے ان کافروں کو خطاب فرمایا تھا جن کے لاشے ایک گڑھے میں ڈالے گئے تھے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے اور رات کے آخری حصے میں کوچ کا حکم دے چکے تھے تو جاتے ہوئے آپ ﷺ نے ان کافروں کو خطاب کر کے فرمایا تھا: "اے کنوئیں والو! کیا تم نے اپنے ساتھ اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟ میرے ساتھ تو میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے اسے حق پا لیا ہے۔" آپ نے ان مردہ لاشوں کو یہ بھی فرمایا تھا: "تم اپنے نبی کیلئے بہت برے لوگ ثابت ہوئے ہو، تم نے مجھے جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے شہر چھوڑنے پر مجبور کیا اور لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے

میرے ساتھ جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی، تم اپنے نبی کیلئے بہت برا گروہ ثابت ہوئے ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ایسے لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں ان کے لاشے گل سڑ گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام بعد ازاں حرم تشریف لے آئے اور پھر آپ نے یہاں سکونت اختیار کر لی اور زندگی کے آخری لمحات تک یہیں قیام پذیر رہے۔

امام احمد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب حج کیلئے تشریف لے گئے تو آپ کا گزر وادی عسفان سے ہوا۔ اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوبکر! یہ کونسی وادی ہے؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ وادی عسفان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس وادی سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام جوان اونٹوں پر سوار ہو کر گزرے تھے، ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھیں، ان دونوں نبیوں نے جبے پہنے ہوئے تھے اور دھاری دار چادریں اوڑھ رکھی تھیں، وہ تلبیہ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ شریف کے حج کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے۔"

(اس کی سند حسن ہے۔ اس کو ہم قصہ حضرت نوح علیہ السلام میں طبرانی کی روایت سے ذکر کر آئے ہیں۔ وہاں تین شخصیتوں حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا ذکر ہے۔)

تباہ شدہ قوم ثمود کی بستیوں سے نبی کریم ﷺ کی معیت میں صحابہ کا گزر:

امام احمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو تبوک میں اتارا تو انہیں مقام حجر پر اتارا جو ثمود کے گھروں کے بالکل قریب تھا۔ لوگوں نے انہیں کنوؤں سے پانی پیا جن سے ثمود پانی پیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس پانی سے آٹا گوندھا اور سالن پکایا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے صحابہ نے ہنڈیاں الٹ دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا۔ پھر آپ انہیں لے کر روانہ ہوئے حتی کہ اس کنوئیں پر جا ٹھہرے، جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، تو آپ نے صحابہ کرام کو اس جگہ جانے سے منع کر دیا جہاں وہ قوم آباد رہ چکی تھی جو عذاب الٰہی کا شکار ہوئی تھی، اور آپ نے فرمایا تھا: "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہیں بھی اسی عذاب سے دوچار نہ ہونا پڑے، جس سے ثمود ہلاک ہوئے تھے۔ اس لیے ان کے گھروں کے اندر مت جاؤ۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مقام حجر میں فرمایا تھا

"عذاب شدہ ان لوگوں کے گھروں کے قریب سے روتے ہوئے جاؤ، اگر رونا نہیں آتا تو مت جاؤ کہ کہیں تمہیں بھی ان جیسا عذاب نہ آ جائے۔" (بخاری اور مسلم نے اسے قدرے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔)

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جب ثمود کے گھروں سے گزرے تو سر مبارک جھکا ہوا تھا سواری کو تیز تیز چلا رہے تھے، اور لوگوں کو ان کے گھروں میں بغیر روئے جانے سے روک رہے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنالو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی انہی کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر لوگوں نے اہل حجر (ثمود) کے گھروں میں داخل ہونے کی جلدی کی۔ جب یہ بات حضور نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے لوگوں میں اعلان کروایا کہ نماز کیلئے جمع ہو جاؤ۔

حضرت عامر ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ اونٹ کی مہار پکڑے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے۔ تم اس قوم کے گھروں میں کیوں داخل ہو رہے ہو، جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے؟ ایک شخص نے بلند آواز سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان پر حیران ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ حیران کن باتوں سے آگاہ نہ کروں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور ارشاد فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص تمہیں بتائے گا کہ تم سے پہلے کیا ہو چکا ہے اور یہ بھی بتائے گا کہ تمہارے بعد کیا ہوگا۔ پس استقامت اختیار کرو اور رک جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اپنے سے کسی چیز کو دور نہیں کر سکے گا۔ قوم صالح کی عمریں طویل تھیں۔ یہ لوگ مٹی سے گھر بناتے تھے جو ایک شخص کی زندگی ختم ہونے سے پہلے بوسیدہ ہو جاتے تھے، اس لیے انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر مکانات بنانے شروع کر دیے۔

جب قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے چٹان سے ایک اونٹنی نکالی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تھا اور خبردار کیا تھا کہ کہیں اس اونٹنی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے اذیت اور نقصان دینے کے درپے نہ ہو جانا، اگر تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو تمہیں اللہ کا عذاب آ لے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ تھوڑی مدت بعد اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ

ڈالیں گے اور یہی برائی ان کی ہلاکت کا سبب بنے گی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس جرم کا ارتکاب ایک گورا چٹا شخص کرے گا۔ اسی لیے ثمود کی قوم نے اپنے علاقے میں دائیاں بھیجیں جو اس قسم کا بچہ دیکھتیں اسے قتل کر دیتیں، اسی طرح ایک طویل مدت تک سلسلہ چلتا رہا۔ ایک پشت گزر گئی اور ان کی جگہ دوسری پشت نے لے لی۔ ایک رئیس نے اپنے بیٹے کا پیغام نکاح اپنے جیسے ایک رئیس کی بیٹی کیلئے بھیجا، شادی ہو گئی۔ انہی سے وہ سفاک شخص پیدا ہوا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور اس کا نام قدار بن سالف تھا چونکہ اس کے آباؤ اجداد دونوں طرف سے رئیس تھے، اس لیے دائیاں انہیں قتل نہ کر سکیں اور وہ بچہ نہایت تیزی سے پروان چڑھنے لگا۔ وہ بچہ ایک ہفتے میں اتنا بڑا ہوتا تھا جتنا کہ عام بچہ مہینے میں بڑا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بڑا ہو کر اپنی قوم کا سردار اور قائد بن گیا۔ پس اس کے نفس نے اسے اس برائی پر آمادہ کیا اور اس کے ساتھ دیگر آٹھ نوجوان بھی شریک ہو گئے۔ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے والے کل نو آدمی تھے اور انہوں نے ہی حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بنایا تھا۔

جب اونٹنی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور یہ بات حضرت صالح علیہ السلام کو پہنچی تو آپ اس پر روتے ہوئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ لوگ آپ کے حضور معذرتیں کرنے لگے اور کہنے لگے:

یہ گناہ ہمارے جماعت سے سرزد نہیں ہوا بلکہ چند نا سمجھ لڑکوں سے یہ غلطی انجانے میں ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اس اونٹنی کا نومولود بچہ تلاش کرو تاکہ اس کے ذریعے اس جرم کی تلافی ہو جائے۔ وہ اس بچے کی تلاش میں گئے۔ بچہ انہیں دیکھتے ہی نزدیک کی پہاڑ پر چڑھ گیا، جب لوگ اس کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنے لگے تو پہاڑ اتنا بلند ہو گیا کہ چوٹی تک پرندہ بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بچہ زار و قطار رویا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہنے لگے۔ پھر وہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ بولا۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تمتعوا فی دارکم ثلاثة ذالك وعد غیر مکذوب"

اور آپ علیہ السلام نے ان انہیں مطلع فرما دیا کہ کل صبح چہروں پر زردی چھا جائے گی۔ دوسرے دن ان کے چہروں پر سرخی چھا گئی اور تیسرے دن ان کے چہرے سخت سیاہ نظر آنے لگے جب چوتھا دن آیا تو انہیں ایک شدید جادوگن کڑک نے آ لیا اور وہ منہ کے بل اوندھے گر کر تباہ ہو گئے۔ یہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے کا انجام۔ (الامان والحفیظ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم بن (۲۵۰) تارخ بن ناحور (۱۴۸) بن ساروغ (۲۳۰) بن راعو (۲۳۹) بن فالغ (۴۳۹) بن عابر (۴۶۴) بن شالح (۴۳۳) بن ارفخشد (۴۳۸) بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام (۶۰۰)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کی موجودہ تورات کی نص ہے میں نے ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کی عمریں بھی ہندی میں لکھ دی ہیں جیسا کہ اہل کتاب کے ہاں مرقوم ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پر ہم گذشتہ صفحات میں بات کر آئے ہیں۔ اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حافظ ابن عساکر اسحاق بن بشر (صاحب الکاہلی کتاب المبتدا) کے حوالے سے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام "امیلہ" تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کلبی کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "بونا" بنت کربتا بن کرثی تھا جو ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔

ابن عساکر حضرت عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت "ابوالضیفان" ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام پیدائش:

اہل کتاب لکھتے ہیں کہ جب تارخ کی عمر پچھتر سال ہوئی تو ان سے ابراہیم، ناحور، اور حاران پیدا ہوئے اور ہاران سے حضرت لوط علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے درمیانی بیٹے تھے۔ اور ہاران اپنے باپ کی زندگی میں اسی جگہ فوت ہو گئے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کا ملک بابل بتایا جاتا ہے۔ (اور ابن عساکر نے اسے ہشام بن عمار کے طریق سے روایت کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ابن عساکر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے ہیں۔ غوطة الدمشق کی بستی "برزة" کی طرف منسوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس مقام پر قیام پذیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور آپ علیہ السلام نے اس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔

اہل کتاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت "سارہ" کے ساتھ شادی کی اور ان کے بھائی "ناحور" نے اپنی بھتیجی "ملکا" بنت ہاران سے اور یہ کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھتیجے لوط بن ہاران کے ساتھ روانہ ہوئے اور کلدانیوں کی زمین سے نکل کر کے ارض کنعان آ گئے۔ وہ ملک کنعان میں حران نامی جگہ پر اترے۔ یہیں تارخ مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت ان کی عمر ڈھائی سو سال تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کلدانیوں کی زمین میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام ارض کنعان کی طرف عازم سفر ہوئے جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اور حران میں قیام پذیر ہوئے جو ان دنوں کلدانیوں کی سرزمین کہلاتی تھی۔

ستاروں کی پوجا:

اسی طرح جزیرہ اور شام کے علاقے بھی انہیں کے قلمرو میں آتے تھے۔ کلدانی سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دنوں دمشق کے تمام لوگوں کا دین بھی ستارہ پرستی تھا۔ وہ قطب شمالی کی طرف منہ کر کے قولاً اور فعلاً سات ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی لیے دمشق کی ہر ایک دروازے پر ان سات ستاروں کی عبادت کے لیے عرصے سے ہیکل بنے ہوئے تھے۔ اور دمشق کے سب لوگ ان ستاروں کے لیے عیدیں اور میلے منعقد کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل حران بھی ستاروں اور مورتیوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان دنوں پوری دنیا میں تقریباً بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اس لعنت سے محفوظ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں کا ازالہ فرمایا اور اس گمراہی کا بطلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دانائی عطا کر دی تھی۔ اور جب آپ علیہ السلام جوان ہو گئے تو انہیں رسالت کے منصب پر فائز کر کے اپنا خلیل ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یقیناً ہم نے عطا فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔" (یعنی وہ اس مقام و مرتبہ کے لائق تھے۔

قرآن میں تذکرہ:

✪ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و ابرهیم اذ قال لقومه اعبدو الله .... لمن الصلحین۔ ﴿سورۃ عنکبوت﴾

ترجمہ: "اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ۔ بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے۔ آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے۔ بیشک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔ تو ایمان لائے ان پر حضرت لوط اور ابراہیم نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان کا اجر اس دنیا میں۔ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔"

پھر اللہ آپ علیہ السلام کے باپ کے ساتھ گفتگو اور اپنی قوم کے ساتھ مناظرے کا بیان فرمایا ہے۔

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی۔ آپ کا باپ بھی بتوں کا پجاری تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ حق دار تو وہ تھا کہ اسے خلوص کے ساتھ نصیحت کی جائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و اذکر فی الکتاب ابرهیم .... و کلا جعلنا نبیا۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: "اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا۔ اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے۔ بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو ہم نے عطا فرمایا ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔ اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ اور مکالمہ کو بیان فرما رہا ہے۔ قرآنی آیات سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کتنے لطیف انداز اور خوبصورت اشاروں سے اپنے باپ کے ساتھ گفتگو کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسی مورتیوں کی عبادت عقل مندی نہیں جو نہ عبادت گزار کی دعا کو سنتی ہیں اور نہ اسے دیکھنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ ایسے بے جان پتھر بھلا اپنے پوجا کرنے والے کو کیا فائدہ دیں گے یا رزق اور مدد کے معاملے میں اس کی کیا مدد کریں گے۔ پھر آپ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے علم نافع اور ہدایت کا نور دیا ہے اگرچہ میں کم سن ہوں

یا ابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اهدک صراطا سویا۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: "اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا۔ اس لیے تو میری پیروی کر۔ میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔"

یہاں "صراطاً سویاً" سے مراد وہ راستہ ہے جو سیدھا بھی ہو اور واضح بھی۔ آسان بھی ہو اور

فطرت کے مطابق بھی۔ جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو جائے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو یہ تلقین کی اور حق کی راہ پر گامزن ہونے کی نصیحت کی تو وہ اکڑ گیا اور اس نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا۔ بلکہ وہ آپ علیہ السلام پر برافروختہ ہو کر دھمکیاں دینے لگا اور یہاں تک کہہ اٹھا کہ:

اراغب عن الھتی یا ابراھیم لئن لم تنته لا رجمنك۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے۔ اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ کو یہ دھمکی قولاً کی۔ اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ فعلاً یہ وعید اور تہدید عمل میں آئی:

"واھجرنی ملیا" ترجمہ: "اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔"

یعنی میں تجھے عاق کرتا ہوں اب تجھے اس شہر سے در بدر ہونا پڑے گا۔

✿ اس دھمکی کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

سلام علیك۔ ترجمہ: "سلام ہو تم پر۔"

یعنی میری طرف سے تمہیں کسی برے سلوک کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ میرے ہاتھ اور زبان سے تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ بلکہ تم میری طرف سے مامون و مطمئن ہو۔ پھر کمال خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ساستغفر لك ربی۔ انه کان بی حفیا۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔"

حضرت ابن عباس اور دیگر مفسرین رضی اللہ عنہم نے "حفیا" کا معنی "لطف کرنے والا" کیا ہے۔ یعنی میرے رب کا مجھ پر بے حد لطف و کرم ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت کی ہدایت اور اخلاص و للّٰہیت کی دولت سے نوازا ہے۔ آپ نے فرمایا: "و اعتزلکم وما تدعون من دون الله و ادعو ربی عسی الا اکون بدعاء ربی شقیا۔" ترجمہ: "اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ اس سے وعدہ کر چکے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے عفو و درگزر کی درخواست کروں گا۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ

اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے برأت کا اعلان کر دیا۔

✿ جیسا کہ قرآن مجید ارشاد ہوتا ہے:

وما کان استغفار ابراھیم لابیه الا عن موعدة و عدھا ایاہ۔ فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه۔ ان ابراھیم لاواہ حلیم۔ ﴿سورۃ التوبہ﴾

ترجمہ: "اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے۔ جب کہ اس کا چہرہ بری طرح غبار آلود ہو چکا ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے۔ میں تمہیں نہ کہتا تھا میری نافرمانی نہ کر؟ آزر کہے گا۔ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے۔ اے میرے رب؟ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا۔ بھلا اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہو گی کہ میرا باپ مجھ سے اتنا دور ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے کافروں کے لیے جنت حرام کر دی ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا۔ اے ابراہیم! آپ کے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ آپ فوراً دیکھیں گے تو (آزر) خون میں لت پت مرا پڑا ہو گا۔ پھر اس کے جوڑ جوڑ کو لے کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس حدیث کو قصہ ابراہیم میں صرف انہوں نے ہی روایت کیا ہے۔

(امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے سیاق میں غرابت پائی جاتی ہے۔ بزار نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے، انہوں نے عقبہ بن عبدالغافر سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس قصہ کو امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔)

✿ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

و اذقال ابراھیم لابیه آزر اتتخذ اصناما آلھة انی اراك و قومك فی ضلال مبین۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کیا تم بناتے ہو بتوں کو خدا۔ بے شک میں دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا۔

جمہور علمائے نسب جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کے باپ کا نام "تارخ" تھا۔ اہل کتاب بھی آپ کے باپ کا نام "تارخ" خائے معجمہ کے ساتھ بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آزر اس کا لقب ہے کیونکہ یہ آزر نامی بت کی پوجا کرتا تھا۔ اسی نسبت سے اسے بھی آزر کہا جاتا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا اور ہو سکتا ہے اس کے دو نام ہوں جو بطور علم استعمال ہوتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے ایک لقب ہو اور دوسرا نام ہو۔ بہر حال یہ احتمال صحیح ہے اور اسے بالکل رد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وکذلک نری ابراھیم ملکوت ...... ان ربک حکیم علیم۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں پھر جب چھا گئی ان پر رات (تو) دیکھا انہوں نے ایک ستارا بولا (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو پھر دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول کرو گے اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کیلئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں، ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک آپ کا رب

دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

ان آیات طیبات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بت پرستوں کے مناظرے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ روشن ستارے جو نظر آ رہے ہیں الوہیت کے حقدار نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی عبادت کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کمال تک پہنچایا ہے۔ اسی ذات نے انہیں وجود بخشا ہے۔ اب وہی ان کا مدبر ہے۔ اور اسی کے دست قدرت میں ان کی باگ ڈور ہے۔ کبھی یہ طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہو جاتے ہیں۔ ادھر یہ مطلع فلک پر نظر آتے ہیں تو ادھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں پروردگار عالم کی نظر سے تو کچھ غائب نہیں رہ سکتا۔ اور کوئی خفیف ترین (ذرہ) بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذات اقدس تو دائم، باقی لازوال ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے انہیں یہ بات سمجھائی کہ یہ ستارہ خدا نہیں بن سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ زہرہ کی عبادت کرتے تھے۔ پھر آپ چاند کی طرف متوجہ ہوئے جس کی روشنی اور چمک دمک زہرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر سورج کی طرف متوجہ ہوئے جو تمام اجرام فلکی سے روشنی، خوبصورتی اور حجم میں بڑا نظر آتا ہے۔ آپ نے انہیں متوجہ کر کے فرمایا کہ یہ سورج جس کی روشنی سے زمین کا ایک وسیع خطہ چمک اٹھتا ہے قادر مطلق خدا کے ہاتھ میں مسخر ہے۔ اسی ذات نے اس کا محور اور مرکز متعین کیا ہے جس پر یہ گردش کناں ہے۔ یہ اسی کی صنعت گری کا کمال اور اس کی کمال قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ خدا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن آیاتہ اللیل والنہار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن ان کنتم ایاہ تعبدون۔ ﴿سورۃ حم سجدہ﴾

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ سورج بھی ہے اور چاند بھی۔ مت سجدہ کرو سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو رب تعالیٰ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے بندے ہو۔"

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فلما رای الشمس بازغة" ترجمہ: "پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے۔"

"بازغة" کا معنی طالعۃ (طلوع ہوتے) بھی ہے۔

قال ھذا ربی ھذا اکبر۔ فلما افلت ...... الا ان یشاء ربی شیئا۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "تو بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم۔ آپ نے کہا: کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دیدی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن خداؤں کی پوجا کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں، وہ نہ تو کچھ فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ سنتے ہیں۔ اور ان میں سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھی گئی بلکہ یہ تو دوسرے ستاروں اور جمادات کی طرح حکم خداوندی کے پابند اور محتاج ہیں۔ یا وہ مورتیاں جنہیں تم خدا کہتے ہو تمہارے ہی ہاتھوں کی تراشیدہ اور مصنوعہ ہیں ان میں قدرت کے جلوے کیسے آ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی یہ نصیحت اہل حران کیلئے تھی جو ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کا بھی رد کرتی ہے جن کا یہ گمان ہے آپ نے یہ گفتگو اس وقت فرمائی جب آپ بچے تھے اور تہہ خانے سے نکلے تھے۔ جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ دراصل تہہ خانے والا واقعہ اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور خصوصاً ایسی صورت میں تو وہ بالکل ہی قابل اعتماد نہیں رہتا جب حق کے مخالف ہو۔ بہر حال اہل بابل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پوجا کے متعلق پجاریوں سے مناظرہ کیا۔ بت پرستی کی قباحتوں کو ظاہر فرمایا اور ان کی خدائی کا حکیمانہ اسلوب میں بطلان کیا۔

✿ جیسا کہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

وقال انما اتخذتم من دون الله اوثانا مودة بينكم في الحياة الدنيا ثم يوم القيامة يكفر بعضكم ببعض و يلعن بعضكم بعضا وماوٰكم النار و ما لكم من الناصرين

﴿سورۃ عنکبوت﴾

ترجمہ: "اور ابراہیم نے کہا: تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں، پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا، اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد اتينا ابرهيم رشده .... فجعلنهم الاخسرين۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے یاد کرو جب آپ نے کہا: اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا: بے شک مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا: (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور خدا کی قسم! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو (کچھ نہ کہا) تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔ (وہ بولے) کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بے شک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔ (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہو گی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں (لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ (سب یک زبان ہو کر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ (جب آپ کو آتشکدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لیے انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔"

✿ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرمایا:

واتل عليهم نبا ابراهيم۔ .... والحقني بالصلحين۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور آپ بیان فرمایئے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں

پکارتے ہو۔یا وہ تمہیں (کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔انہوں نے (لاجواب ہوکر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا کو روز جزا کو اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وان من شیعته لابرهیم۔ .... فجعلنهم الا سفلین۔ ﴿سورۃ صافات﴾

ترجمہ: ''اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف۔پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر دائیں ہاتھ سے۔(رنگ رلیاں منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں، لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔''

مذکورہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل ایمان کو آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کے سامنے بتوں کی پرستش سے انکار فرمایا۔ پجاریوں کے سامنے ان کی تحقیر فرمائی۔ پجاریوں کی موجودگی میں بتوں کی تنقیص شان کو ظاہر کیا۔ انہیں یہ بار بار سمجھایا کہ یہ حقیر سی مورتیاں ہاتھ کے تراشیدہ پتھر ہیں یہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔یہ اجرام فلکی اللہ کی قدرت کے شاہکار ہیں خود خدا نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔

✿ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

ماهذه التماثیل التی انتم لها عاکفون۔ ﴿سورۃ انبیاء﴾

یعنی جن مورتیوں کے معبدوں میں تم اعتکاف کرتے ہو اور ان کی عبادت بجا لاتے ہو وہ کیا ہیں؟

مشرکوں نے جواب دیا:

وجدنا آباء نالها عابدین۔ ﴿سورۃ انبیاء﴾

ترجمہ: ''پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔''

بت پرستی کے جواز پر ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔وہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بل بوتے پر مورتیوں کو پوج رہے تھے۔اور شرک باللہ کی لعنت میں گرفتار تھے۔

قال لقد کنتم انتم و آباء کم فی ضلال مبین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

یعنی ''آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم ہو اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔''

✿ جیسا کہ ایک اور آیت کریمہ میں بیان ہوا:

اذ قال لابیه و قومه ماذا تعبدون ائفکا آلهة دون الله تریدون۔ فما ظنکم برب العالمین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: ''جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔''

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! ذرا سوچو جب تم میری بارگاہ میں حاضر ہو گے تو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا جب کہ تم مجھے چھوڑ کر دوسروں کو پوج رہے ہو گے؟

✿ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا:

هل یسمعونکم اذ تدعون۔ او ینفعونکم او یضرون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔یا وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟''

قالوا وجدنا آباء نا کذالک یفعلون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔''

گویا انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ بت نہ تو پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور نہ اسے کچھ نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔ان کی بت پرستی کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی تقلید کر رہے

ہیں۔ اور ان کی مثل جو بھی بت پرست ہیں ان تمام کے پاس اس کی صرف ایک ہی دلیل ہے کہ ان کے جاہل اسلاف ایسا کرتے ہیں۔ اسی لیے آپ علیہ السلام نے ان سے کہا:

افرایتم ما کنتم تعبدون انتم و آباء کم الاقدمون۔ فانھم عدو لی الا رب العالمین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کو تم پرستش کیا کرتے ہو تم اور تمہارے گذشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔''

یہ ان کے معبودان باطلہ کی الوہیت کی تردید پر دلیل قاطع ہے۔ کیونکہ آپ نے ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا اور ان کی تحقیر کی اگر وہ کچھ نقصان دینے کی قدرت رکھتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نقصان دیتے ان میں ذرا برابر بھی کوئی اثر پیدا کرنے کی قوت ہوتی تو کچھ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انکار پر اثر مرتب ہوتا۔

قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''انہوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔''

وہ کہا کرتے تھے کہ اے ابراہیم جو کلام آپ ہمیں سناتے ہیں اور ہمارے خداؤں کی تنقیص شان میں جو آیتیں آپ پیش کرتے ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر آپ ہمارے آباؤ اجداد پر لعن طعن کرتے ہیں اور انہیں گمراہ بتاتے ہیں یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور آپ یہ سب باتیں سنجیدگی سے کرتے ہیں یا محض دل لگی کے لیے اور ہمیں تنگ کرنے کے لیے کرتے رہتے ہیں؟

قال بل ربکم رب السموت والارض الذی فطرھن وانا علی ذلکم من الشاھدین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (صداقت پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔''

یعنی جو کچھ میں کہتا ہوں یہ باتیں طنز و مزاح کے جذبے کی تسکین کے لیے نہیں کہ اس کی کوئی اصل نہ ہو بلکہ میری زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں نہایت سنجیدگی سے تمہیں بت پرستی کی لعنت سے آگاہ کر رہا ہوں اور پورے خلوص سے اس ذات اقدس کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارا اکیلا خدا ہے جو تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ جس نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے انہیں تخلیق فرمایا ہے۔ صرف اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اس بات پر تمہارے سامنے گواہی دے رہا ہوں۔

بتوں کی تباہی:

مگر ان نصیحتوں کو وہ نہ مانے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرے ہوئے۔''

آپ نے قسم اٹھائی کہ جب تم عید کے دن باہر جاؤ گے اور معبد کے رکھوالے شہر سے نکل جائیں گے تو میں ان بتوں سے نمٹ لوں گا۔ جن کی تم خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بات آپ نے اپنے دل میں کہی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دھمکی کو بعض لوگوں نے سن بھی لیا تھا۔ وہ ان بتوں کے نام پر ہر سال میلا منعقد کرتے تھے۔ اور پوری آبادی خوشی کے اس موقع پر شہر سے باہر چلی جاتی تھی۔ آپ علیہ السلام کے باپ نے آپ کو بھی اس میلے میں شرکت کرنے کا حکم دیا لیکن آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے۔

فنظر نظرۃ فی النجوم۔ فقال انی سقیم ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: ''سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف۔ پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔''

آپ نے بیماری کا بہانا بنایا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ان کی مورتیوں کی اہانت کی جائے دین حق کی سربلندی اور بت پرستی کے باطل عقیدے کی بیخ کنی کے لیے کوشش کی جائے۔ اور انہیں یہ بتایا جائے کہ یہ بت ہیں ہی اسی سلوک کے لائق کہ انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے اور ان کو پوری طرح ذلیل و خوار کیا جائے۔

جب وہ لوگ میلے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر میں ٹھہر گئے۔ تو

فراغ الی الھتھم ﴿سورۃ الصافات﴾ ''پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے۔''

راغ کا معنی چپکے سے جلدی جلدی کسی طرف جانا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے بت خانہ پہنچے۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں سینکڑوں بت نصب تھے اور ان کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھے تھے جو ان کی قربت حاصل کرنے کے لیے لائے گئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حقارت اور طنز کے لہجے میں فرمایا۔

الا تاکلون۔ مالکم لا تنطقون۔ فراغ علیھم ضربا بالیمین ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: ''کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری طاقت سے ضرب لگائی ان پر دائیں ہاتھ سے۔''

دائیں ہاتھ سے ضرب لگانے کی وجہ یہ تھی کہ داہنا ہاتھ زیادہ قوی، زیادہ سخت، زیادہ تیز اور بہت قہر آلود ہوتا ہے۔ آپ نے ان بتوں کو کلہاڑے کے ساتھ ریزہ ریزہ کرکے چھوڑا۔ جیسا قرآن مجید کا بیان ہے۔ "فجعلھم جذاذا" (سورۃ الانبیاء) "پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا"

"جذاذا" کا معنی ابن حسن ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کی ہیئت بگاڑ دی اور ان مورتیوں میں سے کسی ایک کو بھی معاف نہ فرمایا۔

الا کبیرا الھم لعلھم الیہ یرجعون ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔"

بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے کلہاڑا اس بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا بت اپنے ساتھ ان چھوٹے معبودوں کی عبادت میں شرکت کو برداشت نہیں کر سکا اور اسی لیے اس نے تمام کو توڑ ڈالا ہے۔

جب لوگ میلے سے لوٹے اور اپنے معبودوں کو اپنے آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے۔

من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظالمین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا۔ بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔"

اگر ان عقل کے اندھوں میں ذرا سی بھی غور و فکر کی صلاحیت ہوتی تو اس میں ان کے لیے کتنی بڑی دلیل تھی۔ ان کے معبودوں کا جو حشر ہو چکا تھا ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا۔ اگر وہ خدا ہوتے تو ضرور اس شخص کا ہاتھ پکڑتے جو انہیں تکلیف دینے کے درپے تھا۔ لیکن اپنی جہالت، کم عقلی اور ضلالت و گمراہی کی وجہ سے وہ کہنے لگے۔

من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظالمین؟

"کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا۔ بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔"

قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے۔ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے۔ اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔"

یعنی وہ لڑکا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ان کی بے عزتی کرتا رہتا ہے۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ اسی ظالم نے یہ بت توڑے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق "یذکرھم" کے الفاظ کا اشارہ ان کی طرف ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے کہے تھے۔

وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور بخدا میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔"

قالوا فاتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "کہنے لگے تو پھر لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو۔ شاید وہ اسکے متعلق کوئی شہادت دیں۔"

یعنی اس کو ایک بڑے اجتماع کے سامنے پیش کیا جائے اور جو اس پر بت شکنی کا الزام لگاتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے گواہی دیں کہ اس نے ان بتوں کے بارے یہ باتیں کی ہیں۔ لوگ ان کی باتوں کو اپنے کانوں سے سنیں تاکہ فیصلہ کیا جا سکے کہ اس جرم کی پاداش میں اسے کیا سزا دی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو چاہتے ہی یہ تھے کہ تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوں تاکہ تمام بت پرستوں کے سامنے بت پرستی کے بطلان پر دلیل قائم کر سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کو بھرے مجمع میں گفتگو کا چیلنج دیا تھا اور فرمایا تھا۔

موعدکم یوم الزینۃ وان یحشر الناس ضحی ﴿سورۃ طہٰ﴾

ترجمہ: "کہ تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں گے۔"

جب تمام لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر لایا گیا پھر بھرے مجمع میں آپ سے پوچھا گیا۔

ءانت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟"

قال بل فعلہ کبیرھم ھذا ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی"

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ مجھے اس بڑے نے اکسایا ہے کہ میں ان چھوٹوں کو ریزہ ریزہ کر دوں۔ آپ نے انہیں بتاتے ہوئے فرمایا:

فسئلوھم ان کانوا ینطقون ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہیں۔"

آپ چاہتے یہ تھے کہ وہ فوراً کہہ اٹھیں کہ وہ بولتے نہیں۔ اور اعتراف کر لیں کہ یہ بھی دوسرے جمادات کی طرح جمادات ہیں۔

فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اپنے دلوں میں غور کرنے لگے۔ پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ہو تم گار ہو۔"

یعنی وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم بڑے زیاں کار ہو۔ یعنی تم معبد کو چھوڑ کر چلے گئے اور کوئی محافظ کوئی نگہبان بھی مقرر نہ کیا۔

ثم نکسوا علی رؤسھم ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔"

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پہلی سی گمراہی اور فتنے کی طرف پلٹ گئے۔ اگر آیت کے اس حصے کا یہ معنی لیا جائے تو پھر انکم انتم الظالمون کا معنی یہ ہوگا کہ تم ان بتوں کو پوجا کر کے خود اپنا نقصان کرتے آئے ہو۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نکسوا علی رؤسھم کا مطلب یہ ہے ان لوگوں کو پھر وسوسوں نے آلیا اور وہ برائی کی طرف مائل ہو گئے یعنی انہوں نے سر جھکا لیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: لقد علمت ماھولاء ینطقون (سورۃ الانبیاء:۶۵) اے ابراہیم تو تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔ پھر تو کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو؟

✿ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم۔ اف لکم و لما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ افسوس ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟"

✿ اسی طرح سورۂ صافات میں ہے: "فاقبلوا الیہ یزفون۔" یعنی آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یزفون کا معنی یسرعون (دوڑ کا آئے) ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "اتعبدون ما تنحتون۔" یعنی "کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟"

یعنی تم ان بتوں کی عبادت پر کیسے مائل ہو جاتے ہو جنہیں تم خود لکڑی اور پتھر سے گھڑ کر بناتے ہو۔ ان کی پہلے کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی۔ تم کسی پتھر کو اور کسی لکڑی کو اٹھاتے ہو تیشے سے خود اسے گھڑتے ہو اور اپنی پسند کی شکل وصورت اسے دے کر اسی کو خدا بنا لیتے ہو۔

"واللہ خلقکم وما تعملون۔" یعنی "حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔" لفظ "ما" مصدریہ ہو یا موصولہ "الذی" کے معنی میں دونوں صورتوں میں کلام کا مقتضی یہ ہے کہ تم

اللہ کی مخلوق ہو اور وہ بت بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کا معبود کیسے بن سکتی ہے؟ جب یہ بھی مخلوق تم بھی مخلوق تو یہ الوہیت کا حق تم سے زیادہ تو نہیں رکھتے۔ جب تم معبود نہیں بن سکتے تو ان کو معبود ماننا بھی باطل ہے، کیونکہ عبادت تو صرف اس ذات کی کی جا سکتی ہے جو خالق اور اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں۔

قالوا ابنوا لہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم۔ فارادوا بہ کیدا فجعلنھم الاسفلین۔
﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "انہوں نے کہا، بناؤ اس کیلئے وسیع آتش کدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔"

جب وہ لاجواب ہو گئے اور بحث ومباحثہ میں مغلوب ہو گئے تو مناظرے سے منہ موڑ لیا اور قوت وطاقت کے استعمال کی ٹھان لی۔ اب اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ بت پرستی کے جواز پر کوئی دلیل تو دے نہ سکتے تھے۔ اللہ کے نبی نے بتوں کی بے بسی ظاہر کر دی تھی۔ اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ یہ عقیدہ بے بنیاد ہے لیکن اپنی سفاہت اور سرکشی کے نتیجے میں جس عقیدہ پر وہ شروع سے آ رہے تھے اس کی مدد کرنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں قوت کے استعمال کا پختہ ارادہ کر لیا، لیکن اللہ نے انہیں ذلیل وخوار کیا اور اس کے کلمے دین اور اس کی برہان کو فتح حاصل ہوئی۔

آگ میں جلانے کا مشورہ:

قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فعلین۔ قلنا ینار کونی بردا و سلما علی ابرھیم۔ و ارادوا بہ کیدا فجعلنھم الاخسرین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کیلئے۔ انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔"

اس فیصلے کے بعد مشرکین نے حتی الامکان مختلف جگہوں سے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت تک لکڑیاں اکٹھی ہوتی رہیں، حتی کہ ایک عورت جب بیمار ہوئی تو اس نے نذر مانی کہ اگر میں شفایاب ہو جاؤں گی تو ابراہیم کو جلانے کیلئے ایندھن اٹھا لاؤں گی۔ پھر ایک بہت بڑی جگہ تیار کی۔ اس میں سارا ایندھن جمع کر دیا گیا اور پھر ایندھن کو آگ لگا دی۔ آگ خوب روشن ہو گئی۔ خوفناک آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لکڑیاں سرخ انگاروں کی شکل اختیار کرنے اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اتنی

بلند آگ شاید پہلے کبھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق میں بٹھا دیا گیا۔

منجنیق تیار کرنے والا گستاخ:

یہ منجنیق "ہیزن" نامی ایک کرد نے خاص اسی مقصد کیلئے بنائی تھی۔ یہ سب سے پہلے منجنیق ہے جو دنیا میں بنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کاریگر کو زمین میں غرق کر دیا وہ قیامت تک یونہی دھنستا جائے گا۔ پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑ دیئے اور آگ میں پھینکنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ان نازک لمحات میں بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ کا ذکر جاری رہا اور آپ برابر پڑھتے رہے:

لا الہ الا انت سبحانک رب العالمین لک الحمد و لک الملک لا شریک لہ

ترجمہ: "تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور رب العالمین ہے تمام تعریف تیرے لیے ہے، بادشاہی صرف تجھے زیبا ہے تیرا کوئی ہمسر نہیں۔"

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ اور پاؤں سے باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ کے شعلوں میں پھینکا گیا تو آپ کی زبان سے معاً یہ الفاظ نکلے: "حسبنا اللہ و نعم الوکیل"

جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا تو آپ نے "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" کہا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا تھا جب آپ سے کہا گیا تھا:

ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ، نہ چھوا ان کو کسی برائی نے۔"

ابویعلیٰ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے اللہ! بے شک تو آسمان میں ایک ہے اور زمین پر میں ایک ہی تیری عبادت کرنے والا ہوں۔

فرشتے مدد کیلئے حاضر:

اسلاف بتاتے ہیں کہ ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا ہی میں تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے

پیشکش کی: اے ابراہیم! کیا کوئی حاجت ہے۔ فرمایا: مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب بارش کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: جب حکم ہوگا میں بارش برسا دوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب ان چیزوں سے زیادہ تیز ہے۔

آگ سلامتی والی بن گئی:

قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم ﴿سورۃ الانبیاء﴾

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان الفاظ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ "سلاما علی ابراھیم" نہ فرماتا تو آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی اذیت برداشت نہ کر سکتے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن زمین والے آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ کائنات کے اندر جتنی بھی آگ تھی سب ٹھنڈی ہو گئی۔ صرف وہ رسی جلی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے آپ نے اپنے چہرے کو پونچھا لیکن پسینہ تک نہیں تھا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سائے کا فرشتہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ آپ آگ کے میدان کے درمیان ایک شاداب باغ میں تشریف فرما تھے جس کے ارد گرد آگ کے شعلے تھے، لوگ دیکھ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شاداب باغ میں ہے لیکن نہ تو ان میں ہمت تھی کہ آگ کے ان شعلوں کو عبور کر کے آپ علیہ السلام تک پہنچے اور نہ آپ اس باغ و بہار سے باہر آنا چاہتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے جب اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا تو کیا ہی خوب کہا۔ "نعم الرب ربک یا ابراھیم" یعنی "اے ابراہیم! تیرا پروردگار ہی بہترین پروردگار ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کیلئے بھی آگ گل گلزار:

ابن عساکر، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے آپ

علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو آواز دی: اے میرے بیٹے! میں تیرے پاس آنا چاہتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ تیرے اردگرد آگ سے مجھے نجات دے۔ آپ نے فرمایا: ہاں (آیئے) وہ آپ کے پاس جا پہنچیں اور آگ کے شعلوں نے انہیں چھوا تک نہیں، جب وہ وہاں پہنچیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا، بوسے دیے اور پھر واپس آ گئیں۔

منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چالیس یا پچاس دن تک آگ کے شعلوں کے درمیان رہے اور آپ نے فرمایا: آگ کے ان دنوں اور راتوں سے زیادہ عیش کے دن اور عیش کی راتیں میں نے نہیں دیکھیں۔ میں چاہتا تھا کہ کاش میری پوری زندگی اسی طرح آگ میں گزر جائے۔

مشرکین نے تو کامیابی کا ارادہ کیا تھا لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انہوں نے تو بلندی کی تمنا کی تھی لیکن انہیں پستی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ تو غالب ہونا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وارادوا به كيدا فجعلنهم الاخسرين۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "انہوں نے ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔"

سورۃ الصافات میں "الاسفلین" کے الفاظ آتے ہیں کہ ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔ وہ اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذیت دینا چاہتے تھے آخر خود دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں آگ کا عذاب ان کا مقدر ہو گا، لیکن وہاں یہ آگ ٹھنڈی اور راحت بخش نہیں ہو گی، نہ وہ وہاں امن و امان اور سلامتی پائیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تعارف کراتے ہوئے پہلے سے فرما دیا ہے: "انها ساءت مستقرا و مقاما" ترجمہ: "بےشک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے۔"

چھپکلی مارنے کا حکم:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپکلیاں مارنے کا حکم دیا اور فرمایا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر (آگ جلانے کیلئے) پھونکیں مارتی تھیں۔

(امام مسلم نے ابن جریج کی حدیث سے یہی روایت فرمایا ہے۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے سفیان بن عیینہ کی حدیث سے اسے اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات عبد بن جبیر بن شیبہ کے حوالے سے اس حدیث کو سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں۔)

امام احمد، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "چھپکلیوں کو مارو، بے شک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ روشن کرنے کیلئے پھونکیں مارتی تھیں۔" حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چھپکلی کو مارا کرتی تھیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں تو دیکھا کہ ... وہاں نصب ہے۔ عورت نے پوچھا: یہ نیزہ کیسا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہم اس سے ... کو مارتے ہیں پھر آپ نے اس عورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو تمام حشرات الارض اور جانور آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگے، ... چھپکلی کے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ جلانے کیلئے پھونکیں مارنے لگی ان دونوں روایتوں کو ... امام احمد تنہا ہیں۔ امام احمد ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

... فاکہ بن مغیرہ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئی تو میں نے ان کے حجرۂ مبارکہ میں ایک نیزہ پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا: ام المومنین! آپ اس نیزہ کو کیا کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: "یہ ان چھپکلیوں کیلئے ہے۔ میں اس سے انہیں مارتی ہوں۔ ... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین پر کوئی ایسا جانور نہیں تھا جس نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش نہ کی ہو سوائے چھپکلی کے۔ اس نے ... ابراہیم علیہ السلام پر آگ جلانے کیلئے پھونکیں ماری تھیں۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس ... مارنے کا حکم فرمایا ہے۔"

(ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، انہوں نے یونس بن محمد سے، انہوں نے جریر ابن حازم سے ... الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدعی ربوبیت سے مناظرہ:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک ایسے شخص کے ساتھ مناظرے کا ذکر جو عظمت و کبریائی کی چادر اللہ سے چھیننا چاہتا تھا، جو اپنے رب ہونے کا مدعی تھا حالانکہ وہ دوسرے بندوں کی طرح ایک بے بس بندہ تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الم تر الى الذى حاج ابرهم .... لا يهدى القوم الظلمين۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے ... میں اس وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی، جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ ... رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق تو تو نکال لا اسے مغرب (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے

اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔"

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مناظرے کا ذکر فرما رہا ہے جو آپ نے ایک جابر، سرکش مدعی ربوبیت بادشاہ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی دلیل کو باطل فرما دیا تھا اور اس پہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ تو جاہل مطلق کم عقل اور پرلے درجے کا بے وقوف ہے۔ آپ نے اس سرکش کے منہ میں حجت ربانی کی لگام دی اور اس پر راہ مستقیم روشن اور ظاہر کر دی۔

نمرود کا نسب نامہ:

مفسرین کرام کے علاوہ علمائے نسب اور اخبار فرماتے ہیں کہ نمرود بابل کا بادشاہ تھا، بہت ظالم، سرکش اور کذاب تھا اور نام "نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح" تھا۔ حضرت مجاہد اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس کا نام نمرود بن فالخ بن عابر، بن صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔

دنیا کے چار بادشاہ:

حضرت مجاہد اور دیگر علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ نمرود دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک ہے۔ جن بادشاہوں نے اپنے اپنے وقت میں پوری دنیا پر بادشاہی کی ان کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے دو مسلمان ہیں اور دو کافر۔ حضرت ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیہ السلام مومن تھے اور نمرود اور بخت نصر کافر تھے۔

ان علمائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نمرود نے چار سو سال تک حکومت کی وہ بہت باغی، سرکش، جابر اور عناد پرست حکمران تھا۔ اسکی تمام کوششوں کا مرکز و محور دنیاوی عیش و عشرت تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی اسے دعوت دی تو جہالت گمراہی اور امیدوں کی طوالت نے اسے اللہ کے انکار پر ابھارا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنے لگا اور اس نے دعویٰ کیا کہ صرف میں ہی پروردگار ہوں۔ میرے سوا اور کوئی رب نہیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ربی الذی یحیی و یمیت قال انا احیی و امیت ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔" تو اس نے کہا: "میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔"

حضرت قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں اس کا مقصد یہ تھا کہ جب میرے پاس دو آدمیوں کو لایا جاتا ہے جن کے قتل کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے تو میں ایک کے قتل کا حکم صادر کر دیتا ہوں اور ایک کو بخشش دیتا ہوں۔ میں بھی یہ حکم صادر کر کے گویا ایک کو زندہ کرتا ہوں اور دوسرے کو موت دے دیتا ہوں۔ لیکن یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب نہیں بن سکتا تھا۔ اسے تو اس گفتگو سے دور کا واسطہ

بھی نہیں تھا جو دونوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ یہ دراصل اس مباحثے کے اصولوں سے فرار تھا اور محض ایک احمقانہ بات تھی۔ جو اس نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کیلئے کی تھی درحقیقت اس کی ساری گفتگو کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیوانات کی زندگی اور موت کے روزمرہ واقعات سے صانع کے وجود پر استدلال فرمایا تھا۔ یعنی موت و حیات کا یہ سلسلہ خود بخود تو نہیں چل رہا کیونکہ یہ تمام چیزیں قائم بالذات نہیں، اس لیے کسی ایسی ذات کا وجود ماننا ضروری ہے جس کے ارادے اور مشیت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے، ہم روز بروز کائنات میں ایک تبدیلی دیکھ رہے ہیں مثلاً کچھ نئی چیزیں معرض وجود میں آتی ہیں اور نہایت ہی نظم و ضبط کے ساتھ عرصہ عمل میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اجرام فلکی، ہوائیں، بادل بارش یہ تمام چیزیں ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتی رہتی ہیں اور ان کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ کیا یہ تمام چیزیں قائم بالذات ہیں ہرگز نہیں اور اب یہ قائم بالذات نہیں بلکہ کسی اور کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں تو گویا یہ خود بخود معرض وجود میں بھی نہیں آ گئیں۔ لامحالہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد ہے اور وہ ہے بھی بڑی قدرتوں اور طاقتوں کا مالک۔ خصوصاً موت اور زندگی کا چکر یہ ایسی دلیل ہے جو خدائے قادر مطلق کے وجود پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

"ربی الذی یحیی و یمیت" جاہل بادشاہ کا یہ کہنا "احیی و امیت" کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں، اگر ان معنوں میں تھا کہ وہ ان حوادث کا فاعل حقیقی ہے تو پھر اس نے تکبر اور عناد سے کام لیا اور اگر مراد وہی مفہوم ہے جسے حضرت قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم نے لیا ہے تو پھر گویا بادشاہ نے ایسی بات کہی ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو نہ مقدمہ کے مانع ہے اور نہ دلیل کے مد مقابل آ سکتی ہے۔ جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ بادشاہ مناظرے سے پہلو تہی کر رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے درباری اور دوسری کئی لوگوں پر حقیقت ظاہر نہیں ہو رہی تو آپ نے وجود باری تعالیٰ پر ایک دوسری دلیل پیش کی جس نے نمرود کے دعوے اور اس کی دلیل کو واضح طور پر باطل کر دیا۔

قال ابراهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب

ترجمہ: "ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے۔"

یعنی یہ سورج روزانہ ایک نظام کی پابندی کرتا ہے۔ مشرق سے طلوع ہوتا ہے جیسا کہ اس خالق، اس کے چلانے والے اور اس کے مالک کی مشیت اور ارادہ ہوتا ہے اور اس کا مالک اور چلانے

والا وہ ہے جو ہر چیز کا خالق ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ تو موت اور زندگی کا مالک ہے تو پھر اس سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا کیونکہ جو موت اور زندگی کا مالک ہے وہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کوئی اس کو روک سکتا ہے اور نہ مغلوب کر سکتا ہے، بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کی مشیت کی پابند ہے اگر تو بھی کامل قدرت و سطوت کا دعویدار ہے تو یہ مطالبہ پورا کر دکھا۔ اور اگر سورج کو مغرب سے طلوع نہ کر سکے تو یقیناً تو ایسا نہیں جیسا تو گمان رکھتا ہے اس بات سے تو خود واقف ہے اور دنیا کا ہر شخص جانتا ہے کہ تجھ میں یہ قدرت نہیں بلکہ عاجز اور ایک مکھی کی تخلیق سے بھی درماندہ ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ نے نمرود کی گمراہی، جہالت اور جھوٹے دعویٰ کو کھول کر بیان فرما دیا اور اس بات کو ظاہر کر دیا کہ اس کا مسلک باطل ہے اور وہ اپنی جاہل قوم کے سامنے فخر کرتا ہے اور انہیں دھوکہ دیتا ہے۔ اب نمرود کے پاس حضرت ابراہیم ؑ کی بات کا کوئی جواب نہ تھا، بلکہ فوراً اس نے ہوشیاری سے کام لیا اور جواب دینے کی بجائے خاموش ہو گیا، اسی لیے قرآن پاک میں مذکور ہے:

فبهت الذي كفر و الله لا يهدي القوم الظلمين۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "(یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔"

حضرت سدی ؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا جس دن آپ ؑ آگ سے باہر آئے تھے۔ اس سے پہلے نمرود کے ساتھ آپ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

ریت غلہ میں تبدیل:

حضرت زید بن اسلم ؓ سے روایت ہے کہ نمرود غلے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لوگ اس کے پاس آ رہے تھے کہ اپنے خاندان کیلئے غلہ لے جائیں۔ حضرت ابراہیم ؑ بھی ان لوگوں کے ساتھ وہاں گھر والوں کیلئے غلہ لینے تشریف لے گئے۔ آپ کا نمرود سے صرف اسی دن آمنا سامنا ہوا تھا۔ اور یہ مناظرہ بھی اسی دن وقوع پذیر ہوا تھا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم ؑ کو کھانا نہ دیا جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو دے رہا تھا بلکہ آپ باہر نکلے تو ہاتھ خالی تھے۔ جب آپ اپنے اہل خانہ کی طرف جانے لگے تو ریت کے ایک ٹیلے کی طرف گئے اور وہاں سے دو بوریاں ریت کی بھر لیں، سوچا جب میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچوں گا تو وہ سمجھیں گے کہ میں کچھ لے آیا ہوں۔ آپ گھر آئے سامان رکھا ٹیک لگائی اسی حالت میں نیند آئی اور سو گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اٹھیں اور دونوں بوریوں کو دیکھا۔ دونوں بورے بہترین غلے سے بھرے ہوئے تھے، انہوں نے کھانا تیار کیا، جب حضرت ابراہیم ؑ بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر والوں نے کھانا تیار کیا ہوا ہے۔ آپ ؑ

نے پوچھا: تو نے یہ کھانا کہاں سے لیا؟ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: جو آپ لے کر آئے ہیں، اسی سے نکال کر پکایا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی عطا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا ہے۔

مچھروں کی خدائی فوج:

حضرت زید بن اسلم ؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرکش بادشاہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ اسے ایمان باللہ کا حکم دے لیکن نمرود نے فرشتے کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ فرشتے نے اسے پھر اللہ کی طرف بلایا مگر اس نے پھر انکار کر دیا، فرشتے نے تیسری طرف دعوت دی لیکن وہ پھر بھی نہ مانا تب فرشتے نے کہا: تو اپنا لشکر جمع کر لے اور میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔ نمرود نے سورج کے طلوع ہوتے ہی اپنا لشکر اور جماعت کو اکٹھا کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک لشکر جرار بھیجا کہ سورج نظر ہی نہ آتا تھا اور اسے ان کافروں پر مسلط کر دیا۔ مچھروں کی اس فوج نے ان کے گوشت کاٹ کاٹ کھائے اور خون پی ڈالے۔ کل جو اپنی خدائی اور بزرگی کے دعویدار تھے آج ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آ رہے تھے۔ ایک مچھر اس مغرور بادشاہ کی ناک میں گھس گیا اور چار سو سال تک اسے اذیت سے دوچار کیے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن کو حقیر ترین مخلوق مچھر کے ذریعے عذاب دیا۔ ان چار سو سالوں میں لوہے کی سلاخوں کے ساتھ اس کے سر پر ٹھوکریں لگتی رہیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔

ہجرت خلیل ؑ:

فامن له لوط و قال اني مهاجر الى ربي انه هو العزيز الحكيم۔ ووهبنا له اسحق ويعقوب وجعلنا في ذريته النبوة والكتب واتينه اجره في الدنيا و انه في الاخرة لمن الصلحين۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

"تو ایمان لائے ان پر لوط اور ابراہیم (ؑ) نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی غالب بڑا دانا ہے اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق (جیسا بیٹا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جان نثاری) کا اجر اس دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔"

ونجينه و لوطا الى الارض التي .... و كانوا لنا عابدين ﴿سورۃ الانبیاء﴾

"اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا جسے) ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لیے) وہ

راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے جب اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت فرمائی تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ بانجھ تھیں اور ان کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن آزر بھی تھے۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد صالح عطا فرمائی اور نبوت و کتاب کا سلسلہ انہیں کی نسل کے ساتھ خاص کر دیا۔ آپ کے بعد جتنے بھی نبی تشریف لائے وہ آپ کی نسل سے تھے۔ اور آپ کے بعد آنے والی ہر کتاب آپ ہی کی اولاد میں سے کسی رسول پر نازل ہوئی۔ یہ اللہ کی طرف سے خصوصی رحمت اور عزت افزائی تھی۔ کیونکہ آپ نے اپنے ملک اور اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر ایک ایسے ملک کی طرف ہجرت فرمائی تھی جہاں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور لوگوں کو دعوت حق دے سکیں۔

وہ سرزمین مقدس جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی ارض شام ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

الی الارض التی بارکنا فیھا للعلمین۔ "اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔"

عوفی رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "بابرکت سرزمین" سے مراد مکہ ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین۔" "بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑا برکت والا اور ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے۔"

کعب الاحبار کہتے ہیں کہ ارض مبارک سے مراد "حران" ہے۔

جیسا کہ ہم اہل کتاب کے قول کو پہلے ذکر کر آئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ان کے بھائی ناحور حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ اور ان کے بھائی کی بیوی ملکا حران آ کر قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد "تارخ" کا یہیں انتقال ہوا۔

حضرت سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام شام کی طرف نکلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی "حران" کے بادشاہ کی بیٹی سارہ سے ملاقات ہوگئی جو اپنی قوم پر ان کے دین میں طعن کرتی تھی ... اس پاکیزہ خصلت خاتون سے اس شرط پر شادی

کی کہ ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کریں گے۔ (اسے ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔)

مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا حاران کی بیٹی ہیں جن کی طرف "حران" کی نسبت کی جاتی ہے۔ اور جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ حضرت سارہ آپ کے بھائی ہاران کی بیٹی ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن ہیں۔

سہیلی، قتیبی اور نقاش سے روایت ہے یہ بات قرین قیاس نہیں بلکہ بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ جن لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی بھتیجی سے شادی فرمائی وہ بتاتے ہیں اس دور میں بھائی کی بیٹی سے شادی مشروع تھی۔ لیکن اس قول کی صحت پر کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ بفرض محال اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ اس دور میں یہ شادی مشروع تھی جیسا کہ بعض علماء یہود سے منقول ہے تو پھر بھی انبیاء کی شان کرامت سے یہ بعید ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس کی وجہ سے ان کے اخلاق عالیہ پر کسی دور میں بھی انگشت نمائی کی جا سکے۔ پھر یہ بات مشہور بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے نکل کر اور شہر چھوڑ نکلے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

کچھ خلاف واقعہ باتیں:

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب آپ شام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میں یہ زمین تیرے بعد تیری نسل کو دوں گا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی۔ اور بیت المقدس کے مشرق کی طرف اپنا خیمہ کھڑا کیا۔ پھر آپ علیہ السلام ارض مقدس تشریف لائے مگر یہاں سے بھی چل پڑے کیونکہ یہاں قحط اور خشک سالی تھی اور کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ پھر آپ علیہ السلام ارض مصر کو تشریف لے گئے۔

مصر کا بادشاہ شیطان تھا اور اس کا معمول تھا کہ جب کسی مسافر کے ساتھ خوبصورت عورت دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کر دیتا، بیوی کا اگر کوئی رشتہ ہوتا تو پھر عورت کو چھوڑ دیتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اس کا علم تھا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہ سے فرمایا تھا کہ بادشاہ پوچھے تو کہنا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہوں۔ پھر پورا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح بادشاہ نے خواب میں اس حقیقت کو پایا کہ حضرت سارہ شادی شدہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں اور اس نے ہاجرہ کو ان کی خدمت کیلئے ساتھ کر دیا۔ آپ یہاں سے ارض مقدس یعنی بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ

میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بہت زیادہ ریوڑ، غلام اور مال اور متاع تھا۔

امام بخاری ؒ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ نے کبھی خلاف واقعہ بات نہیں فرمائی سوائے تین موقعوں پر۔ دو دفعہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر مثلاً ایک بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ اور دوسرے بت توڑنے کے بعد کہا کہ اس بڑے کی یہ سب کارستانی ہے تیسری خلاف واقعہ بات آپ کو اس وقت کرنا پڑی جب آپ مصر تشریف لے گئے اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھیں۔ جب بادشاہ مصر کو بتایا گیا کہ ایک مسافر آیا ہے۔ جس کے ساتھ خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر پوچھا کہ یہ کون ہے آپ نے جواب میں فرمایا یہ میری (اسلامی) بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے سارہ روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں بادشاہ نے آپ کے بارے مجھ سے پوچھا ہے تو میں نے اسے بتادیا ہے کہ تو میری (دینی) بہن ہے بس آپ بھی میری تکذیب نہ کریں۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر حضرت سارہ کو اپنے محل میں منگوالیا اور جب آپ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اس نے دست درازی کی کوشش کی اس کا ہاتھ فوراً شل ہوگیا۔ کہنے لگا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، آپ نے دعا کی اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ بادشاہ نے پھر دست درازی کی کوشش کی پھر پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ ہاتھ شل ہوگیا۔ اس نے حضرت سارہ سے پھر سے درخواست کی کہ اللہ سے میرے لیے دعا فرمائیں میں اب حرکت نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا فرمائی اس کا ہاتھ آزاد ہوگیا۔ اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا۔ بلاشبہ تو میرے پاس انسان نہیں جن لے کر آیا ہے۔ بادشاہ نے ان کی خدمت کے لیے ہاجرہ کو ساتھ کر دیا اور انہیں واپس حضرت ابراہیم ؑ کے پاس بھیج دیا جب آپ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اشارے سے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر و فریب کو اسی کی طرف لوٹا دیا فرمایا کہ اللہ نے فاجر کے مکر و فریب کو اس کی طرف لوٹا دیا اور اس نے ہاجرہ مجھے خدمت کے لیے بھی دی ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا اے لوگو! یہی ہاجرہ تمہاری ماں ہیں۔

حضرت محمد بن سیرین ؒ، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم ؑ نے سوائے تین کے کبھی کوئی بات خلاف واقعہ نہیں کی۔ یہ تینوں باتیں محض اللہ کی خاطر تھیں۔ ایک تو آپ نے بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ دوسرا آپ نے فرمایا تھا کہ یہ (توڑ پھوڑ) بڑے نے کی ہوگی۔ اور تیسرا جب آپ حضرت سارا رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیے ایک جابر بادشاہ کے علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ آپ ؑ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے کہ

وہ جابر بادشاہ آیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ دنیا کی حسین ترین عورت ہے۔ بادشاہ نے آپ کو بلا بھیجا اور حضرت سارہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم ؑ نے بتایا کہ وہ میری بہن ہیں۔ جب آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئے تو فرمایا کہ بادشاہ نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا ہے اور میں نے اسے بتایا ہے کہ آپ میری بہن ہیں۔ آج آپ کے اور میرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں لہٰذا آپ میری (دینی) بہن ہیں۔ آپ بادشاہ کے پاس میری تکذیب نہ کریں۔ بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر چلا گیا۔ جب اس نے دست درازی کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ کہنے لگا آپ اللہ سے میرے لیے دعا کریں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں دوں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے دعا کی۔ ہاتھ صحیح ہوگیا۔ اس نے پھر دست درازی کی لیکن اس مرتبہ پہلے کی طرح ہاتھ پھر شل ہوگیا۔ بادشاہ نے درخواست کی۔ آپ میرے حق میں دعا کریں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں دوں گا۔ آپ نے دعا کی۔ ہاتھ چھوٹ گیا یہ حادثہ تین دفعہ ہوا۔ بادشاہ نے قریب ہی کھڑے اپنے خادم کو آواز دی اور کہا۔ تو میرے پاس انسان نہیں جن لے کر آیا ہے بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو محل سے رخصت کیا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس واپس پہنچیں۔ آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہیں حضرت سارہ کی واپسی کا احساس ہوا تو مڑے اور پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کی سازش کے لیے کافی رہا اور اس نے مجھے ہاجرہ خدمت کے لیے دے دی ہے۔ ﴿بخاری، مسلم﴾

امام احمد، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم ؑ نے صرف تین دفعہ خلاف واقعہ بات کی۔ (۱) ایک اس وقت جب بت پرستوں نے انہیں اپنے خداؤں (کے میلے) کی طرف دعوت دی تو فرمایا کہ میری طبیعت ناساز ہے (۲) جب آپ نے فرمایا کہ "بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) کی کارستانی ہے (۳) اور جب آپ ؑ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ میری بہن ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم ؑ ایک بستی میں تشریف لے گئے جس میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ یا ایک جابر حاکم رہتا تھا۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ ابراہیم نامی ایک شخص رات کو بستی میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے جو تمام عورتوں سے زیادہ حسین ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بادشاہ نے۔ یا اس جابر حکمران نے آدمی بھیج کر پوچھا تیرے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا "میری بہن ہے بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس بھیج دے۔ آپ ؑ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور فرمایا۔ میری بات کو مت جھٹلانا۔ میں اسے بتا آیا ہوں کہ آپ میری بہن

ہیں۔ کیونکہ آج روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں۔" جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بادشاہ کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے آپ کا ارادہ کیا۔ آپ نے فوراً وضو کیا نماز پڑھی اور اللہ کے حضور التجا کرنے لگیں: اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لا چکی ہوں اور میں نے اپنی ستر کی حفاظت کی ہے سوائے اپنے خاوند کے تو اس کافر کو مجھ پر قدرت نہ دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پس وہ (غیبی پنجے میں) کس دیا گیا حتیٰ کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

ابوزناد، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی: اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسے میں نے قتل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ (اس دعا کے ساتھ ہی) اسے چھوڑ دیا گیا۔

فرماتے ہیں کہ وہ دست درازی کی خاطر پھر اٹھا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر نماز پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ مولیٰ کریم! اگر تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر ایمان لائی اور تیرے رسول کی رسالت کی تصدیق کرتی ہوں اور میں نے سوائے اپنے خاوند کے اپنی ستر کی حفاظت کی ہے تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرما۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ شخص کس دیا گیا حتیٰ کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ ابوزناد فرماتے ہیں کہ ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر دعا کی۔ الٰہی! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اسے میں نے قتل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیا گیا۔

راوی کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ پھر چوتھی دفعہ ایسے ہی ہوا تو جابر بادشاہ نے کہا تم میری طرف جن بھیجا ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس لے جاؤ۔ اور اسے (خدمت کے لیے) دے دو۔ آپ فرماتے ہیں: کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کرنے لگیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور مجھے خدمت کے لیے ایک لڑکی عطا فرمائی ہے۔ ﴿بخاری﴾

ابن ابی حاتم، حضرت ابوسعید ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کے متعلق ارشاد فرمایا۔ کہ ان تین کلمات کے علاوہ دین میں کوئی خلاف واقعہ بات علال نہیں ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ (۱) ایک تو آپ نے فرمایا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ (۲) آپ نے فرمایا تھا کہ یہ توڑ پھوڑ اس بڑے بت نے کی ہے اور (۳) آپ نے بادشاہ سے جب اس نے حضرت سارہ کا ارادہ فرمایا تھا تو کہا تھا کہ یہ میری بہن ہے۔

حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ "یہ میری بہن ہے" کو اس معنی پر محمول کریں گے کہ یہ دینی اعتبار سے میری بہن ہے۔ اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ "زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں"

تو آپ کا مطلب یہ تھا کہ روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی جوڑا مومن نہیں ہے۔ اور اسے اس معنی پر محمول کرنا اس لیے ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے اور حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ اور حدیث پاک میں مہیم کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے الخبر یعنی کیا ہوا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اللہ نے کافروں کی سازش کو ناکام کر دیا۔ اور ایک روایت میں کافر کی بجائے فاجر کا لفظ آیا ہے۔ کافر اور فاجر سے مراد بادشاہ ہے۔ جس نے واپسی پر خدمت کے لیے ایک لڑکی بھی ہبہ کر دی تھی۔ جس وقت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی میرے اہل خانہ کی حفاظت فرمانا۔ اور جن لوگوں نے ان کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا ہے انہیں قدرت نہ دینا کہ وہ انہیں اذیت دے سکیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بھی بارگاہ خداوندی میں یہی التجا کی: جب اللہ کے دشمن بادشاہ نے دست درازی کا ارادہ کیا تو آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی حفاظت کی التجا کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" یعنی "اور مدد لو صبر اور نماز سے۔" اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمایا اور اپنے بندے، رسول حبیب اور خلیل علیہ السلام کی عزت کو داغدار ہونے سے بچا لیا۔

بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ تین عورتوں کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ حضرت سارہ، حضرت ام موسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہن السلام۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ تینوں برگزیدہ شخصیات نبی نہیں بلکہ صدیقیت کے مرتبے پر فائز ہیں۔ (رضی اللّٰہ عنہن وارضاھن)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب فرماتے ہیں بعض آثار میں مجھے یہ بات بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حائل پردے ہٹا دیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی کو برابر دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ سے جدا ہوئیں اس وقت سے لے کر واپس آنے تک کوئی لمحہ بھی ایسا نہ گزرا کہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کو نہ دیکھا ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ کہ کیسے وہ بادشاہ کے پاس پہنچیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کی حفاظت فرمائی۔ یہ سب اس لیے تھا تاکہ اللہ کے مخلص بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل پریشان نہ ہو اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ نیز انہیں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی کمال عصمت پر اور زیادہ یقین آ جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اس کی وجہ حضرت سارہ کی دینداری اور قرابت داری کے علاوہ حسین و جمیل بھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حواء کے بعد اس

دور تک کوئی عورت ایسی پیدا نہیں ہوئی تھی جو ان سے حسن میں بڑھ کر ہو۔ رضی اللہ عنہن

بعض مورخین کہتے ہیں فرعون، مصر ضحاک بادشاہ کا بھائی تھا جو ظلم وستم میں تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ وہ اپنے بھائی ضحاک کی طرف سے مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ بعض تاریخ دان اس کا نام سنان بن علوان بن عوبج بن عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح بتاتے ہیں ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جس بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بیوی بنانے کا ارادہ کیا تھا اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن مایلون بن سباء تھا۔ اور وہ مصر پر حکمران تھا۔ اسے امام سہیلی نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے بیت المقدس کو واپس تشریف لائے۔ اسی مقدس سرزمین سے کچھ عرصہ قبل آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔ آج جب وہ واپس آئے تھے تو ان کے پاس مال ومتاع اور خدمت کیلئے غلام اور خادم تھے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ اس سرزمین مقدس میں تشریف لائیں۔ آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اپنے حصے کا بہت سا مال ومتاع لے کر غور کے علاقے میں تشریف لے گئے جو غور زغر کے نام سے مشہور تھا۔ آپ سدوم نامی شہر میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شہر ان دنوں تمام شہروں کی ماں قرار دیا جاتا تھا۔ سدوم کے لوگ بہت شریر، کافر اور فاجر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی فرمائی اور حکم دیا کہ اے خلیل ذرا نظر اٹھاؤ اور شمال و جنوب اور مشرق ومغرب کو دیکھو۔ آپ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ کو خداوند قدوس کی طرف سے بشارت دی گئی کہ اے ابراہیم علیہ السلام یہ ساری زمین تیری اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ اور میں تیری اولاد کو اتنا بڑھا دوں گا کہ ریت کے ذروں کے برابر کے ہو جائیں گے۔ اس بشارت کا مصداق امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی ہے۔ بلکہ یہ بشارت نہ تو مکمل ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے جب تک امت محمدیہ کو اس کا مصداق نہ مانا جائے گا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے اس کے مشرق ومغرب کا مشاہدہ کیا۔ میری امت کی حکومت زمین کے اس خطے تک پہنچے گی جس حصے تک زمین سمیٹی گئی ہے۔

مورخ کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام پر کسی جابر قوم نے حملہ کیا انہیں قید کر کے ساتھ لے گئے اور آپ کے مال مویشی سب ہانک کر ساتھ لے لیے جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچی تو آپ تین سو اٹھارہ آدمیوں کا مختصر سا لشکر لے کر گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو قید سے چھڑا کر ان کے مال مویشی بھی دشمنوں سے واپس لیے اور دشمنان خدا اور رسول کو بے دریغ قتل فرمایا۔ وہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور آپ نے شمالی دمشق تک ان کا پیچھا کیا۔ اور برزہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ میرا خیال ہے۔ برزہ کو اسی لیے مقام

ابراہیم کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لشکر یہیں ٹھہرا تھا۔ واللہ اعلم

آپ علیہ السلام فتح ونصرت کا جھنڈا لہراتے ہوئے جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کا بادشاہ آپ کی تعظیم کیلئے نکلا۔ اور نہایت عزت وتکریم سے پیش آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آخر دم اسی ملک میں قیام پذیر رہے۔ (اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ پر)

حضرت اسمٰعیل کی ولادت:

اہل کتاب کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی۔ انہیں بیت المقدس میں رہتے ہوئے بیس سال گزر چکے تھے لیکن اب تک اولاد نہیں تھی۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ اے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نہیں نوازا۔ آپ میری خادمہ ہاجرہ کے پاس جائیں اور اسے اپنے حرم میں داخل فرمائیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کے بطن سے اولاد دے۔ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خادمہ ہاجرہ ہبہ کر دی آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر لیا اور وہ اللہ کے فضل وکرم سے حاملہ ہو گئیں لیکن جونہی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو لوگوں نے اس رحمت خداوندی کے اس انداز کو دیکھا تو کہنے لگے ایک باندی اپنے آقا سے بلند وبالا اور اعلیٰ ہو گئی۔ تقاضائے بشریت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو رشک پیدا ہوا اور غیرت آئی۔ اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں جواب دیا سارہ جیسے تیری مرضی ہو تو ویسا ہی کر۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ڈر گئیں اور وہاں سے بھاگ گئیں۔ آخر وہ ایک کنویں کے پاس ٹھہر گئیں۔ وہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا۔

ڈریے نہیں اللہ تعالیٰ تیرے بطن کے اندر موجود بچے کو ذریعہ خیر بنائے گا فرشتے نے انہیں واپس ہو جانے کو کہا اور بشارت دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ قوی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام شہروں کا مالک بنے گا۔ اس پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ بشارت آپ کے بیٹے سیدنا محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے آپ ﷺ کی وجہ سے آج عربوں کو عزت نصیب ہے اور وہ مشرق ومغرب کے تمام ملکوں کے حکمران ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے طفیل اس امت کو علم نافع اور عمل صالح سے نوازا ہے۔ کہ ایسا علم اور عمل کسی اور امت کو نصیب نہیں ہو سکا۔ اور توحید کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت اور کمال شرف وکرامت حاصل ہے اور آپ ﷺ کی رسالت

کی برکت اور پیغام کا کمال ہے اور روئے زمین کے تمام انسانوں کے لیے آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے آج عربوں کو وہ اقتدار حاصل ہے کہ اس سے قبل کسی کو یہ توقیر اور سیادت نصیب نہیں ہوئی۔ جب حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ستاسی سال تھی یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ سارہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کا نام اسحاق ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بشارت کو سن کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسماعیل علیہ السلام کے بارے آپ کی دعا قبول کر لی اور میں نے اس کو برکت دی اور میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور اس کی اولاد کو بہت زیادہ بڑھاؤں گا۔ حضرت اسماعیل کی اولاد سے بارہ بادشاہ ہوں گے اور میں اسے ایک عظیم قوم کا سردار بناؤں گا۔ یہ بشارت بھی اسی امت عظیمہ سے متعلق ہے۔

بارہ بادشاہوں سے مراد بارہ خلفاء راشدین ہیں جن کی بشارت حدیث پاک میں بھی دی گئی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بارہ امیر ہوں گے" پھر آپ نے کوئی بات فرمائی لیکن میں نہ سمجھ سکا۔ تو میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ "تمام خلفاء کا تعلق قریشی خاندان سے ہوگا۔" (اس حدیث کو صحیحین میں شیخین نے روایت فرمایا ہے۔)

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ "یہ معاملہ قائم رہے گا۔" ایک روایت میں ہے۔ کہ یہ معاملہ غالب رہے گا" حتیٰ کہ بارہ خلفاء گزر جائیں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔"

ان بارہ خلفا کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ بارہ خلفاء یکے بعد دیگرے ہوں گے۔ بلکہ صرف ان کا پایا جانا ضروری ہے۔

بارہ خلفاء سے مراد بارہ امام نہیں ہیں جیسا کہ رافضی گمان کرتے ہیں۔ جن میں اول الخلفاء حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام، امام منتظر ہیں جو سرداب سامرہ میں روپوش ہیں۔ اور جن کا اسم گرامی محمد بن حسن عسکری گمان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

کے بارے میں انہیں کوئی زیادہ فائدہ نہیں دیتا کیونکہ انہوں نے قتال ترک فرما دیا اور حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر کے فتنہ و فساد کی آگ کو بجھا دیا اور مسلمانوں کے درمیان عرصے سے ہونے والی خونریزی کا قلع قمع فرما دیا۔ باقی تمام تو رعایا میں سے ہیں اور کبھی کسی کو حکومت نہیں ملی۔ بارھویں امام جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے۔ کہ وہ سرداب سامرہ میں ظہور پذیر ہوں گے۔ یہ محض دماغ کی ہوس، اور افتراء کی باتیں ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نہ جن کی بنیاد ہے اور نہ اساس۔

حضرت حاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مکہ آباد ہونا:

جب حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا رشک کرنے لگیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان ماں بیٹا کو میری آنکھوں سے اوجھل کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاجرہ اور اسماعیل کو لے کر روانہ ہوئے اور اس بے آب و گیاہ وادی میں انہیں ٹھہرایا گیا جہاں اب مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہے۔

کہتے ہیں کہ ان دنوں حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے۔ جب آپ اس وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر واپس ہوئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ان کا دامن تھام لیا اور بولی ابراہیم! ہمیں پریشانی کی حالت میں اکیلے و تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے۔ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بار بار یہی کہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا تو پوچھا: اے ابراہیم کیا یہ رب تعالیٰ کا حکم ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اور خاموش ہو گئے حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر یہ میرے رب کا حکم ہے تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کریگا۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "النوادر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ہاجرہ کے جسم کے تین اعضاء کاٹے گی۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہاجرہ اپنے کانوں کو چھدوائے اور ختنہ کروائے اس طرح وہ اپنی قسم سے بری ہوگی۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا سب سے پہلے انہوں نے ہی کان چھدوائے اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اپنا دامن لمبا کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عورتیں جو آزار بند بناتی ہیں اسے انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا۔ کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی آزار بند

بنایا تا کہ اپنا جسم حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے چھپائیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے آئے اور (ان دونوں) حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ دودھ پلا رہی تھیں یہاں تک کہ آپ نے انہیں بیت اللہ شریف کے پاس زمزم کے قریب مسجد کی بلند جگہ بٹھا دیا۔ ان دنوں مکہ میں کوئی شخص بھی نہیں تھا اور نہ وہاں کہیں پانی کا نام ونشان تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ماں بیٹا کو وہاں چھوڑ دیا ان کے پاس صرف ایک تھیلہ تھا جس میں کھجوریں تھی اور ایک مشک تھی جس میں پانی تھا آپ علیہ السلام نے یہ سامان رکھ دیا اور واپس چلے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ (ہاجرہ) ان کے پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں۔ اے ابراہیم! اس وادی میں آپ ہمیں چھوڑ کر کہا جانے لگے جس میں نہ تو کوئی انسان ہے اور نہ کوئی ضرورت کی چیز؟ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بار بار پوچھا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا آخر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہاں: حضرت ہاجرہ بولی: ٹھیک ہے پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اور پھر واپس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آگئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ ثنیہ کے پاس پہنچے جہاں سے وہ (دونوں) آپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے آپ قبلہ رو ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ ﴿سورۃ ابراہیم﴾

ترجمہ: "اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب ایسا اس لیے تا کہ وہ قائم کریں نماز۔ پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔"

حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں آپ نے پیاس محسوس کی اور آپ کا بچہ بھی پیاس سے بلک اٹھا چنانچہ وہ بچے کی طرف دیکھتی رہیں کہ (مارے پیاس کے) وہ تڑپ رہا ہے۔ لیکن وہ اس حالت کو زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتی تھیں اس لیے وہاں سے چل پڑیں۔ قریب ہی صفا کی پہاڑی نظر آئی اس پر کھڑی ہو گئیں اور وادی کی طرف منہ کر کے نظر دوڑائی کہ کوئی ہو تو نظر آ جائے۔ لیکن کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ آپ صفا سے اتریں حتیٰ کہ بطن وادی تک پہنچ گئیں۔ دامن اٹھا کر پھر دوڑ پڑیں جیسا کہ مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے اور نشیب کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مروہ پہاڑ پر چڑھ گئیں۔ وہاں کھڑے ہو کر اور ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی ہے تو نظر آئے لیکن وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح آپ نے (صفا اور

مروہ کے درمیان) سات چکر لگائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی لیے لوگ ان دونوں (صفا اور مروہ) پہاڑوں کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ (ساتویں بار) وہ مروہ پر پہنچیں۔ تو انہوں نے ایک آواز سنی اور اپنے دل میں کہا ٹھہرو۔ پھر انہوں نے اچھی طرح کان لگائے تو پھر بھی یہی آواز سنی۔ جب آپ نے فرمایا: (اے شخص) تو نے (اپنی آواز تو) سنا دی۔ کاش تیرے پاس فریاد رسی کو کچھ ہو۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ مقام زمزم پر ایک فرشتہ ہے۔ اس نے اپنی ایڑی سے زمین پر ٹھوکر ماری یا اپنے پر سے ضرب لگائی۔ تو پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مٹی سے پانی کے ارد گرد حوض سا بنانے لگیں اور چلو بھر بھر کر پانی سے مشک بھرنے لگیں۔ مگر چلو بھرنے کے بعد (چشمہ) جوش مارنے لگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں" یا یہ فرمایا: "کہ وہ پانی کا چلو نہ بھرتیں" "تو زمزم ایک بڑا چشمہ بن جاتا فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی پیا۔ اور بچے کو اپنا دودھ پلایا تب آپ سے فرشتے نے مخاطب ہو کر کہا ہلاکت کا خوف نہ کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے (نئے سرے سے) یہ بچہ اور اس کا والد گرامی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔

کعبۃ اللہ ایک ٹیلے کی مانند سطح زمین سے قدرے بلند جگہ تھی۔ سیلاب آتے اور وہ اسے دائیں بائیں سے کاٹ کر لے جاتے۔ اسی طرح حضرت ہاجرہ یہاں قیام پذیر رہیں حتیٰ کہ بنو جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں سے گزر ہوا۔ یا (یہ فرمایا) کہ جرہم کے کچھ لوگ کداء کے راستے سے واپس آتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ قافلہ والے وادی کے نشیب میں اترے تو انہوں نے ایک پرندہ کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے ضرور یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہو گا۔ حالانکہ ہم بھی تو اسی وادی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کہیں پانی کا نام ونشان نہیں ہے۔ انہوں نے ایک یا دو آدمی بھیجے۔ وہ (تلاش کرتے کرتے) پانی پر جا پہنچے اور واپس آ کر دوسرے لوگوں کو (پانی کی موجودگی کی) اطلاع دی۔ تمام لوگ اسی طرف چل دیئے۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پانی کے قریب تشریف فرما تھیں۔ ان لوگوں نے یہاں فروکش ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اجازت ہے لیکن تمہارا پانی پر کوئی حق نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کیلئے یہ لوگ غنیمت ثابت ہوئے۔ کیونکہ آپ انسانوں کو چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ مقیم ہو گئے اور انہوں نے اپنے اہل وعیال کو بھی وہیں بلوا لیا۔

بنو جرہم کے لوگ وہاں مقیم رہے یہاں تک کہ کچھ لوگ گھر والے ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

جوان ہو گئے اور ان سے عربی زبان سیکھی اور فصاحت و بلاغت میں ان پر بازی لے گیا یہاں تک کہ انہیں حیران کر دیا۔ اب جان پہچان ہو گئی تو انہوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی کر دی۔
حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ماجدہ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہو چکی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بیٹے کو ملنا چاہتے تھے۔ بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ نے ان کی بیوی اپنی بہو سے حضرت اسماعیلؑ کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے رزق تلاش کرنے گئے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس بہو سے حضرت اسماعیلؑ کی بسر اوقات اور حالت کے متعلق پوچھا۔ لڑکی نے کہا کہ ہم بہت بری حالت میں ہیں یعنی بہت مشکل سے گزارا کر رہے ہیں اور ہماری مالی حالت اچھی نہیں ہے الغرض انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے شکایت کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کر لے۔ جب حضرت اسماعیلؑ واپس تشریف لائے تو روحانی طور پر نبوت کی خوشبو محسوس کی اور پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا۔ بیوی نے بتایا کہ ہاں اس شکل و صورت کے ایک بزرگ تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا میں نے انہیں آپ کے متعلق بتایا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری گزر بسر کیسی ہے۔ تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم بڑی مشکل اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ نے پوچھا۔ کیا ان بزرگوں نے آپ کو کوئی وصیت بھی فرمائی بیوی نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: کہ میں آپ سے ان کا سلام کہوں۔ نیز آپ کو ان کا یہ پیغام بھی دوں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا: وہ میرے والد محترم تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے سے الگ کر کے میکے بھیج دوں۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی اور اسی خاندان کی ایک عورت سے شادی کر لی۔

حضرت ابراہیمؑ ایک عرصے تک تشریف نہ لائے۔ ایک دن پھر آنا ہوا لیکن اس بار بھی حضرت اسماعیلؑ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ رزق کی تلاش میں تشریف لے گئے ہیں۔ آپؑ نے پرسش احوال اور گزر بسر کے بارے میں پوچھا حضرت اسماعیلؑ کی بیوی نے بتایا کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اس نے اللہ کی حمد و ثنا کی حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا تمہاری خوراک کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ گوشت آپؑ نے پوچھا تمہارا مشروب کیا ہے؟ اس نے کہا پانی۔
حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی۔ "اے اللہ انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ صرف گوشت اور پانی پر مکہ کے سوا کہیں کوئی شخص گزارا نہیں کر

سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس کے مزاج کے موافق نہیں ہو سکتیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بہو سے فرمایا: جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھو۔ اب حضرت اسماعیلؑ تشریف لائے تو پوچھا: کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمارے گھر ایک بہت خوبصورت بزرگ تشریف لائے تھے اس نے حضرت ابراہیمؑ کی بہت تعریف کی اور بتایا کہ اس بزرگ نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے انہیں بتایا۔ انہوں نے مجھ سے ہماری گزر بسر کے بارے میں بھی پوچھا: میں نے انہیں عرض کی کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا: کیا انہوں نے آپ کو کوئی وصیت بھی فرمائی؟ کہنے لگیں۔ ہاں: وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھو، حضرت اسماعیلؑ نے بتایا: وہ میرے والد گرامی تھے۔ اور آپ دروازے کی چوکھٹ ہیں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اپنے پاس رکھوں۔

تعمیر کعبہ:

حضرت ابراہیمؑ کچھ عرصہ بعد پھر تشریف لائے۔ حضرت اسماعیلؑ زمزم کے چشمے کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ جب حضرت اسماعیلؑ نے دیکھا کھڑے ہو گئے دونوں باپ بیٹا نے ایک دوسرے کے ساتھ وہی انداز محبت و شفقت اختیار کیا جو انداز باپ بیٹے کی ملاقات کے دوران باہمی طرفین سے ہوتا ہے (حضرت ابراہیمؑ نے پیار کیا اور حضرت اسماعیلؑ تعظیم و تکریم بجا لائے) حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے عرض کی: (ابا جان!) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس امر کا حکم دیا ہے اسے کر گزریے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: کیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیلؑ نے عرض کی: ہاں میں آپ کی مدد کروں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بتایا: اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ اس کے اردگرد۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دونوں باپ بیٹا نے کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار چنتے تھے۔ جب دیوار اونچی ہو گئی تو حضرت اسماعیلؑ ایک پتھر لے آئے اور اسے نیچے رکھ دیا (تاکہ آپؑ اس پر کھڑے ہو کر کام کریں) حضرت ابراہیمؑ اس پتھر پر کھڑے دیوار بنانے لگے۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار چنتے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے جاتے تھے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سنتا ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر میں لگے رہے حتیٰ کہ کعبۃ اللہ کے چاروں طرف پھر گئے۔ دونوں کی زبان پر یہی کلمات تھے۔ ''ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔''

ختنہ کرنے کا حکم:

اہل تورات کے نزدیک یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل اور جتنے ان کے پاس غلام ہیں ان کا ختنہ کریں اور ان کا بھی جو آپ کے ساتھ آزاد مرد ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے ان تمام کا ختنہ کیا اس وقت آپ کی عمر مبارک ننانوے سال تھی۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی۔ یہ اہل بیت کی طرف حکم خداوندی کو بجالانے کی ایک صورت تھی۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ختنے کا حکم وجوب کے لیے تھا۔ اسی لیے علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے واجب ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا واقعہ بخاری کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اسی سال ہوئی تو آپ کا کلہاڑے سے ختنہ کیا گیا۔''

بعض روایات میں ہے کہ ''کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ختنہ ہوا تو آپ کی عمر اسی سال ہو چکی تھی۔ آپ کا ختنہ کلہاڑے سے ہوا۔''

حدیث پاک میں لفظ قدوم آیا ہے۔ اس کا معنی ایک آلہ (کلہاڑہ) بھی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ ایک جگہ کا نام ہے۔

یہ الفاظ اسی (۸۰) سے زائد کی نفی نہیں کرتے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ختنہ کیا گیا تو آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اور اس کے بعد آپ اسی سال زندہ رہے۔'' اس حدیث پاک کو عنقریب ہم وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ذبیح یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ آپ کتنی دفعہ ملاقات کے لیے مکہ تشریف لائے۔ صرف یہ ثابت ہے کہ آپ تین مرتبہ مکہ تشریف لائے سب سے پہلے حضرت ہاجرہ کی وفات کے بعد جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی

ہوئی۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے انہیں بچپنے میں چھوڑا ہو اور پھر شادی تک ان کی خبر گیری تک نہ کی ہو۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے تو زمین لپیٹ دی جاتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آپ تشریف لاتے تو ایک براق پر سوار ہوتے اور تھوڑی ہی دیر میں یہ طویل سفر طے ہو جاتا۔ آپ نے کیسے ملاقات نہ کی ہوگی جب کہ انہیں آپ کی ضرورت اور سخت حاجت تھی۔

اس حدیث کے بعض جملے اسرائیلیات سے ماخوذ لگتے ہیں اور بعض جملوں پر شبہ ہوتا ہے کہ مرفوعات میں سے ہیں۔ لیکن قصہ ذبح کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ سورۂ صافات کی تفسیر میں ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

ذبح ہونے کا واقعہ:

وقال انی ذاهب الی ربی سیهدین .... و ظالم لنفسه مبین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: ''اور آپ نے کہا میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ (دعا مانگی) میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بیشک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کو وطن چھوڑا تو اپنے رب سے نیک فرزند کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے انہیں ایک نیک بچے کی خوشخبری دی۔ جن کا اسم گرامی حضرت ''اسماعیل'' علیہ السلام رکھا گیا۔ کیونکہ آپ پہلے بچے ہیں جو ستاسی سال کی عمر میں آپ کو عطا کیے گئے۔ اور اس چیز میں کسی ملت کا بھی اختلاف نہیں۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلوٹھے ہونے کا حق

حاصل کیا۔ "فلما بلغ معه السعی" کا مطلب ہے کہ جب وہ جوان ہوئے اور زندگی کے معاملات نمٹانے لگے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معاملات نمٹاتے تھے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ "فلما بلغ معه السعی" کا مطلب یہ ہے کہ اسماعیل جب بڑے ہو گئے تو سفر کرنے لگے اور ہر کام میں اپنے والد گرامی کا ہاتھ بٹانے لگے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھدار ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث مرفوع کے الفاظ ہیں کہ "انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں" عبید بن عمیر بھی یہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیں جو انہیں بڑھاپے میں عطا ہوا تھا۔ جب کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچنے والے تھے۔ اور اس سے پہلے بھی وہ اسی بچے کے متعلق ایک آزمائش پوری کر چکے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنے بچے اور ان کی والدہ کو اکیلا کسمپرسی کی حالت میں ایک ایسی جگہ اور ایسی وادی میں چھوڑ آؤ جہاں نہ کوئی پرسان حال ہو اور نہ کوئی یار و مددگار، نہ سبزہ ہو اور نہ کوئی جاندار۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کو خوش دلی سے پورا کیا تھا اور ان ماں بیٹا کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین اور توکل کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انہیں وہاں سے رزق با ہم پہنچایا تھا جہاں سے ان کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اب انہیں اس آزمائش کے بعد ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ اب انہوں نے اس بچے کو ذبح کرنا تھا جسے کچھ عرصہ پہلے اپنے سے جدا کیا تھا۔ جو پہلوٹھا تھا اور اکلوتا بھی تھا اور اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر خم کر دیا اور فوراً بچے کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ کسی دیر کے روادار نہیں ہوئے۔ فوراً اپنے بچے کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ تاکہ وہ بخوشی اور آسانی سے اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جائے اور اس پر سختی نہ کرنا پڑے اور زبردستی ذبح کا عمل سرانجام نہ دینا پڑے فرمایا: "یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری۔" یعنی "اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے؟"

نیک خصلت بچے نے اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دل کی بات کو سمجھنے میں کوئی دیر نہ کی اور فوراً عرض کی: "یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔" یعنی "اے میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جواب میں کمال راستبازی۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے والد محترم کی

فرمانبرداری کا کمال جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فلما اسلما وتله للجبین "اسلما" کا معنی سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ "وتله للجبین" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل لٹایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے گدی کی طرف سے ذبح کرنے کا ارادہ اس لیے کیا تا کہ ذبح کرتے وقت وہ اپنے نور نظر کا چہرہ نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد سعید بن جبیر، قتادہ اور ضحاک رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پہلو کے بل لٹایا جیسا کہ ذبح کے وقت جانوروں کو لٹایا جاتا ہے اور ان کی پیشانی مبارک زمین سے لگی رہی اس لیے "وتله للجبین" کے الفاظ آئے ہیں "واسلما" یعنی لٹانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تسمیہ کے الفاظ (بسم اللہ) پڑھے اور تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ اور بچے نے کلمہ شہادت پڑھا (اشهد ان لا الہ الا اللہ و اشهد ان.........) اور موت کے لیے تیار ہو گیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حلق پر چھری چلائی لیکن چھری حلق تک نہ پہنچ سکی۔ (واللہ اعلم)

تب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے آواز آئی: "ان یا ابراهیم، قد صدقت الرؤیا" یعنی "اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔"

یعنی تیرے امتحان اور تیری اطاعت کو جانچنے کا مقصد پورا ہوا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ تو کس طرح اپنے پروردگار کے حکم کو بجا لاتا ہے اور اپنے لیے قربانی کیلئے پیش کرتا ہے۔ میرے بندے جس طرح تو نے آگ میں کود کر میری فرمانبرداری کا ثبوت دیا، آج اسماعیل جیسے بچے کے حلق پر چھری رکھ کر تو نے ثابت کر دیا کہ تو واقعی ہمارا خلیل ہے، تو نے مہمانوں کیلئے صرف مال ہی خرچ نہیں کیا بلکہ ہمارے ہر حکم پر تو نے لبیک کہا لیکن بچہ ذبح کر دینا "ان هذا لهو البلاء المبین" یہ ظاہر اور واضح امتحان ہے۔ اور "وفدیناه بذبح عظیم" کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بچے کی قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے اپنی خوشنودی کا اہم ذریعہ بنا دیا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ذبح عظیم سے مراد ایک مینڈھا ہے جو سفید رنگ کا بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا اور بڑے سینگوں والا تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "ثبیر" نامی پہاڑ پر دیکھا کہ اس کے سینگ ببول کے درخت میں اٹکے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد کہ ایک مینڈھا ہے جو چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں میں چرتا رہا حتی کہ ثبیر پہاڑ پر تھا اور وہ اس میں سے نمودار ہوا۔ اس پر سرخ رنگ کی اون تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر "ثبیر" سے ایک سیاہ آنکھوں اور بڑے سینگوں والا مینڈھا اترا جو ممیا رہا تھا۔ آپ نے اسے ذبح فرمایا۔ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت ہابیل نے قربانی کی تھی اور ان کی یہ قربانی اللہ نے منظور کر لی تھی۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے منیٰ میں ذبح فرمایا۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم پر ذبح ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ کوئی پہاڑی بکرا تھا۔ حضرت حسن سے روایت ہے کہ وہ پہاڑی ہرن تھا اور اس کا نام جریر تھا، لیکن ان بزرگوں کی طرف ان اقوال کی نسبت شاید صحیح نہیں ہو گی۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ تمام آثار اسرائیلیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس واقعہ کے متعلق جو کچھ قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ ایک امتحان تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک بڑی قربانی عطا فرما دی اور حدیث شریف میں اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ مجھے بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا جو ہمارے عام گھروں میں پیدا ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کو حضور نبی کریم ﷺ نے کیوں بلایا تھا؟ تو آپ فرمانے لگے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "میں جب بیت اللہ شریف داخل ہوا تو میں نے وہاں مینڈھے کے سینگ دیکھے ہیں۔ میں آپ کو حکم دینا بھول گیا کہ آپ انہیں کہیں چھپا دیں۔ پس آپ انہیں چھپا دیں، کیونکہ بیت اللہ شریف کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کر دے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں سینگ بیت اللہ شریف میں لٹکے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی تو وہ بھی جل گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبۃ اللہ شریف کے پرنالے پر لٹکتے رہے حتیٰ کہ وہ بالکل خشک ہو گئے۔ اور یہ دلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے پر کفایت کرتی ہے کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام مقیم رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یہ

بات کسی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ بچپن میں حضرت اسحاق علیہ السلام بھی مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں۔ واللہ اعلم

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا قرآن سے ثابت ہے بلکہ اس پر تو قرآن پاک میں نص موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بچے کی قربانی کی تھی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ اس قصہ کو بیان کرنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

و بشرناہ باسحاق نبیا من الصالحین ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحاق کی (کہ) وہ نبی ہو گا (زمرہ) صالحین میں سے۔"

جس شخص نے "واؤ" کو حالیہ بنایا اس نے خواہ مخواہ تکلف برتا ہے۔ اس قربانی کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اسرائیلی روایات سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کتاب (تورات) میں تحریف ہو چکی ہے اور اس مقام پر تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جان بوجھ کر تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تو ان کی کتاب سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی تھی اور عربی نسخے میں "اپنے پہلوٹے بیٹے اسحاق" کے الفاظ ہیں، لیکن لفظ اسحاق کا اضافہ محض افترا، جھوٹ اور علمی خیانت ہے، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام نہ تو اکلوتے ہیں اور نہ ہی پہلوٹے، بلکہ اکلوتے اور پہلوٹے کا اطلاق صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ہو سکتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریف کیوں کی گئی اور اس قربانی کا مصداق حضرت اسحاق علیہ السلام کو کیوں ٹھہرایا گیا۔ تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے عربوں سے جو حسد ہے وہ انہیں ایسی علمی خیانتوں کا مرتکب کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ابو العرب ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے جد امجد ہونے کے ساتھ ساتھ حجاز مقدس کے باسی ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں جن کا نام اسرائیل تھا اور جو یہودیوں کے جد اعلیٰ اس منصب عظیم کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے درحقیقت اسلام کی روز افزوں ترقی اور عربوں کے جاہ و جلال سے پریشانی ہے۔ اسی لیے اقرار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز دیتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر۔ حضرت کعب احبار کی بیان کردہ کتب سابقہ کی داستانوں کو حدیث سمجھ کر ہمارے کئی آئمہ کرام بھی اس عظیم قربانی کا مصداق حضرت اسحاق علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں نبی آخر الزماں ﷺ کی کوئی حدیث بھی نہیں ہے جس سے صحیح تعین ہو سکے۔ لہٰذا بغیر کسی حدیث کے محض اسرائیلی روایات

کی بنیاد پر ایک ایسی چیز کو چھوڑنا جو قرآن سے مفہوم ہوتی ہو بلکہ منطوق ہو اس سے بھی بڑھ کر یہ کہنا چاہیے کہ منصوص ہو قرین عقل ممکن نہیں، کیونکہ قرآن مجید کی آیات پر ذرا سا تامل ثابت کر دیتا ہے کہ ذبیح سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

حضرت محمد بن کعب القرظی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے کیا ہی خوب استدلال فرمایا ہے۔ کہتے ہیں آیت "فبشرناها باسحاق و من وراء اسحاق يعقوب" میں حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی جا رہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی جا رہی ہو کہ آپ کے ہاں اسحاق پیدا ہوں گے اور ان کی صلب سے آپ کے پوتے یعقوب پیدا ہوں گے اور ادھر چند سال بعد حکم دیا جا رہا ہو کہ اب اس بیٹے کو ذبح کر ڈال۔ یقیناً آپ خواب دیکھ کر قطعاً یہ نہ سمجھتے کہ اس بچے کے ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے بلکہ آپ علیہ السلام اس کی کوئی اور تعبیر کرتے اور ضرور سوچتے کہ اسحاق کی نسل کے بڑھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، اب اس کی قربانی کا حکم تو نہیں دیا جا سکتا، لہٰذا اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم دینا پہلی بشارت کے متناقض ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس استدلال پر اعتراض کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "فبشرناها باسحاق" جملہ تامہ ہے، اور "ومن وراء اسحاق يعقوب" دوسرا جملہ ہے جو بشارت کے تحت آتا ہی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ عربی قواعد کی رو سے جب مجرور کا مجرور پر عطف ہوتا ہے تو حرف جر کا اضافہ ضروری ہوتا ہے۔ عربی میں یوں کہنا صحیح نہیں کہ "مررت بزيد و من بعده عمرو" صحیح جملہ یوں ہوگا: "مررت بزيد و من بعده بعمرو۔" لہٰذا "ومن وراء اسحق يعقوب" کو معطوف مان کر ایک حکم جاری کرنا درست نہیں بلکہ یہ فعل مقدر سے منصوب ہے۔ یعنی "ووهبنا له اسحق و يعقوب" اور جو کچھ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے وہ بھی قابل نظر و تشکیک ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں: "فلما بلغ معه السعي" کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے ہی نہیں بلکہ وہ تو بچپن سے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں قیام رکھتے تھے۔ پھر ان کے متعلق یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جب والد کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو انہیں ذبح کیلئے پیش کیا گیا۔ لیکن اس استدلال میں کمزوری ہے کیونکہ روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملاقات کیلئے کئی بار مکہ تشریف لے جاتے رہے ہیں اور یہ سفر ایک براق پر معجزانہ کرتے رہے ہیں۔ واللہ اعلم

جن اسلاف نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ہی ذبیح تسلیم کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: "حضرت کعب الاحبار، حضرت ابن عمر، حضرت عباس، حضرت علی حضرت ابن مسعود، حضرت عکرمہ،

حضرت سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، شعبی، مقاتل، عبید بن عمیر، ابی میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن شقیق، مسروق، زہری، قاسم، ابن ابی بردہ، مکحول، عثمان بن حاضر، سدی، حسن، قتادہ، ابی الہذیل، ابن سابط۔

علامہ ابن جریر کا بھی یہی نظریہ ہے اس پر تعجب ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ملتی ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس اور دیگر اسلاف سے جو صحیح قول روایت کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ذبیح صرف حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ مثلاً مجاہد، سعید، یوسف بن مہران، عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے کئی دیگر محدثین۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، لیکن یہود گمان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں دراصل وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

عبداللہ ابن امام احمد اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت ابی حاتم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، ابی طفیل، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابی جعفر بن علی، ابو صالح رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ بغوی نے ربیع بن انس، کلبی اور ابو عمرو بن العلاء سے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا ابن الذبیحین" (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) کے الفاظ سے خطاب کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سن کر تبسم فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہم کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں کہ ذبیح سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

محمد بن اسحاق، حضرت محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے "فبشرناها" سے استدلال کرتے ہوئے اپنا موقف ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اس مسئلے میں بہت غور و خوض کیا ہے۔ میرا نظریہ بھی یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی یہ بات اس وقت ہوئی جب آپ شام میں قیام پذیر تھے اور خلافت کے منصب پر فائز تھے۔ پھر آپ نے ایک شخص کی طرف آدمی کو بھیجا جو شام میں قیام پذیر تھا اور یہودیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوا تھا۔ وہ شخص بہت مخلص اور کامل تھا اور اس کی علمی وجاہت بتائی گئی تھی کہ وہ یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا؟ تو اس عالم نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم دیا اور یہودیوں کو اس حقیقت کا اچھی طرح علم بھی ہے لیکن عربوں سے حسد کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرتے، چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ابو العرب ہیں، اس لیے وہ حسد کرتے ہیں اور اس شرف وکرامت کو ان کی طرف منسوب کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس فضیلت کی نسبت حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف کر دیتے ہیں کیونکہ وہ ان کے جد امجد ہیں۔

ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیلاً گفتگو ہم نے اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں کی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و بشرناه با سحاق نبيا من الصالحين و باركنا عليه و على اسحاق و من ذريتهما محسن و ظالم لنفسه مبين۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کی اس پر اور اسحٰق پر ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔"

یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت دی گئی جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی کافر، فاسق و فاجر قوم کو تباہ کرنے کی خاطر مدائن جا رہے تھے اور کچھ وقت کیلئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہر گئے۔ آگے تفصیلاً واقعہ بیان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و لقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى ...... انه حميد مجيد۔ (سورۂ ہود)

ترجمہ: "اور بے شک آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے کہا (اے خلیل) آپ پر سلام ہو، آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا، پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا: ڈریے نہیں، ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف، اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے

خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ سارہ نے کہا: وائے حیرانی کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بے شک یہ تو عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و نبئهم عن ضيف ابراهيم ...... من رحمة ربه الا الضالون۔ ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: "اور بتائیے انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو، آپ نے کہا: (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا: مت ڈریے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا: کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوشخبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

هل اتاك حديث ضيف ابراهيم ...... هو الحكيم العليم۔ ﴿سورۂ ذاریات﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی، جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو (دل ہی میں کہا) بالکل انجان لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے، لا کر ان کے قریب رکھ دیا۔ فرمایا: کھاتے کیوں نہیں؟ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے ڈریئے نہیں۔ اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بچے کی۔ پس آئی آپ کی بیوی چلاتی ہوئی اور (فرط حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا ایسا تیرے رب نے فرمایا بے شک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے وہ تین تھے۔ (۱) جبرئیل علیہ السلام، (۲) میکائیل علیہ السلام اور (۳) اسرافیل علیہ السلام۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور آپ نے انہیں مہمان سمجھا اور ان کی خاطر مدارت کرنے لگے۔ اپنے مویشیوں سے ایک موٹا تازہ

جوان بچھڑا بھون کر اسے بھونا۔ اسے مہمانوں کیلئے دسترخوان پر چن دیا لیکن جب آپؑ نے معلوم ہوا کہ وہ تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے تو آپ ڈر گئے۔ قرآن کے الفاظ میں آپ کے خوف کو بیان کرتے ہوئے "واوجس منھم خیفۃ" کہا گیا، لیکن جب فرشتوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ "لاتخف" ڈریئے نہیں، اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں اور "انا ارسلنا الی قوم لوط" ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی ہم اللہ کے حکم سے ان کی سرکش قوم کو نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں، کیونکہ آپ کو اللہ کیلئے کافروں سے دشمنی تھی۔ آپ مہمانوں کے سر پر کھڑی ان کی ضیافت میں مصروف تھیں۔ جیسا کہ اہل عرب اور دوسری کئی قوموں میں رواج ہے تو ایسے میں فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔

❁ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فبشرنھا باسحق و من وراء اسحق یعقوب" یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ کو یہ خوشخبری سنائی تو "فاقبلت امراتہ فی صرۃ" یعنی آپ کی بیوی چلاتی ہوئی آئی۔ "فصکت وجھھا" اور (فرط حیرت سے) اپنے چہرے پر طمانچہ دے مارا جیسا کہ عورتیں عموماً تعجب کے وقت کرتی ہیں اور کہنے لگیں: "یا ویلتی ءالد و انا عجوز و ھذا بعلی شیخا۔" یعنی "وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔" یعنی مجھ جیسی ایک بوڑھی اور بانجھ عورت کے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کا خاوند بھی بوڑھا ہو۔ اس بشارت کو سن کر آپ حیران ششدر رہ گئیں اور اپنی حالت پر غور و فکر کرنے لگیں، ایسی کیفیت میں فرمانے لگیں:

ان ھذا لشیء عجیب قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ و برکتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "بے شک تو یہ عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم پر۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر۔ اے ابراہیم کے گھرانے والو بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔"

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام حیران بھی تھے اور اس بشارت کو سن کر خوش بھی تھے، حضرت سارہ کی حیرانگی دور کرنے اور انہیں یقین دلانے کیلئے فرشتوں سے کہنے لگے:

ابشرتمونی علی ان مسنی الکبر فبم تبشرون۔ قالوا بشرنک بالحق فلا تکن من القانطین۔

ترجمہ: "کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے۔ یہ کیسی خوش خبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوش خبری دی بس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔"

فرشتوں نے اس خوشخبری کے ساتھ خبر کو مؤکد کر دیا اور مزید کسی شک کی گنجائش نہ چھوڑی، بچے کی پیدائش کے متعلق بتاتے ہوئے فرشتوں نے یہ بھی کہا: "بغلام علیم" ترجمہ: "(مژدہ) ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔"

اس خوشخبری کے مصداق یقینی طور پر حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ "غلام علیم" کے الفاظ آپ کے مقام اور آپ میں موجود صبر و تحمل کے عین مطابق ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں صادق الوعد اور صابر بھی فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت میں اس خوشخبری کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فبشرنھا باسحق و من وراء اسحق یعقوب۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔"

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے محمد بن کعب القرظی نے ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور کہا ہے کہ اس ذبح عظیم کی نسبت حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں حضرت اسحاق علیہ السلام اور پھر ان کی صلب سے ان کے ایک بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی ہے۔ یعقوب عقب سے مشتق ہے جس کا معنی پیچھے آنے والا ہے۔

اہل کتاب کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ "جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان کیلئے بچھڑا بھونا۔" اور اس کے ساتھ نمک سے تین بیالے گندم کی روٹی، گھی اور دودھ بھی لا کر پیش کیا۔ فرشتوں نے کھانا کھایا۔" لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر تو یہی آتا تھا کہ فرشتے کھانا کھا رہے ہیں لیکن دراصل کھانا ہوا میں خود بخود غائب ہوتا جا رہا تھا۔ ان آبائی روایات میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: اب تیری بیوی سارا کو سارا کے نام سے نہیں بلایا جائے گا بلکہ اب اس کا نام "سارہ" ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت فرمائے گا اور تجھے اس کے بطن سے بیٹا عطا کرے گا۔ وہ بڑا بابرکت ہوگا اور اس سے کئی قومیں اور قوموں کے سردار پیدا ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بشارت سن کر منہ کے بل

یعنی سجدہ میں گر گئے پھر سجدے سے اٹھ کر ہنسے اور دل میں کہنے لگے: کیا سو سال بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا؟ کیا سارہ ماں بنے گی حالانکہ اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: کاش اسماعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا: ضرور تیری بیوی سارہ کے بطن سے تیرا ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسحاق رکھے گا جو اگلے سال اسی وقت پیدا ہوگا اور میں اس سے اور اس کی اولاد سے ابدالآباد تک اپنا عہد باندھوں گا۔ میں نے اسماعیل کے بارے میں بھی تیری دعا سن لی۔ میں اسے بھی برکت دوں گا اور اس کی عظمت کو بلند کروں گا میں اس کی نسل کو بہت بڑھاؤں گا۔ اس کی نسل سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔" اس بشارت کے متعلق ہم پہلے بات کر چکے ہیں۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فبشرنا ها باسحاق و من وراء اسحاق يعقوب۔"

ترجمہ: ہم نے اسے اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔

آیت مذکورہ اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت سارہ اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور پھر ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت باسعادت حضرت سارہ کی زندگی میں ہوگی۔ آپ انہیں دیکھیں گی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں گی۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت کو بشارت کا حصہ نہ بنائیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر بے فائدہ لگتا ہے۔ نص میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کرنا اور ان کی اولاد میں سے باقی کسی کو نص میں شامل نہ کرنے میں کوئی نہ کوئی مقصد تو ہونا چاہیے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر کی تعیین بھی کر دی گئی تو گویا بتا دیا گیا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد تمہارا پوتا حضرت یعقوب بھی ہوگا اور تم میاں بیوی ان کو دیکھ کر خوش ہو گے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو گے۔

✿ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ووهبنا له اسحاق و يعقوب كلا هدينا۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحاق اور یعقوب۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما اعتزلهم وما يعبدون من دون الله و هبنا له اسحاق و يعقوب۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: "پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔"

اور انشاء اللہ یہ بات ظاہر اور قوی ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوت ﷺ میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سب سے پہلے کس مسجد کی بنیاد پڑی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے عرض کی: پھر کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی: ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "چالیس سال" میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر کونسی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کر لو۔ پوری زمین مسجد ہے۔"

اہل کتاب کی آبائی روایت کے مطابق مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی۔ یہی مسجد ایلیا ہے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو شرف عطا فرمایا۔ یہی توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس طرح حضرت یعقوب یعنی حضرت اسرائیل علیہ السلام کی مسجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مسجد حرام سے چالیس سال کے بعد تعمیر ہوتی ہے۔ مسجد اقصیٰ ہو یا مسجد حرام دونوں کی تعمیر حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے بعد ہوئی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

واذ قال ابرهيم رب اجعل هذا البلد ------- يوم يقوم الحساب۔ ﴿سورۃ ابراہیم﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا اے میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری

اولاد کو بھی اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔"

بیت المقدس کی تعمیر کی نسبت حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو آپ نے بارگاہ خداوندی سے تین حاجات پوری کرنے کا سوال کیا۔ جس کا ذکر عنقریب حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آئے گا۔

تو یہ نسبت تعمیر ثانی کے سلسلے میں ہے کیونکہ دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا فرق ہے۔

اور ابن حبان کے سوا کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ کسی شخص نے اس بات میں ابن حبان کی موافقت نہیں کی اور نہ کسی اور شخص نے ان سے پہلے یہ قول کیا ہے۔

تعمیر کعبہ کا ذکر:

✿ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

واذ بوانا لابرھیم مکان البیت .... من کل فج عمیق۔ ﴿سورۃ الحج﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکا وھدی للعلمین۔ فیہ ایت بینت مقام ابرھیم ومن دخلہ کان امنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "بے شک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا بابرکت والا سب جہانوں کے لیے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی اور جو شخص انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذ ابتلی ابرھیم ربہ .... انک انت العزیز الحکیم۔ ﴿سورۃ البقرۃ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجا لایا اللہ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کی: میری اولاد سے بھی؟ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز اور ہم نے تاکید کر دی ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب! بنا دے اس شہر کو امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اللہ نے فرمایا: (ان میں سے) جس نے کفر کیا اسے بھی فائدہ اٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتا دے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے، رسول، خلیل، باطل دین سے جدا ہونے والوں کے امام و پیشوا اور انبیاء کرام کے والد گرامی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر فرما رہا ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی سعادت انہیں کے حصے میں آئی۔ بیت اللہ شریف جسے تمام لوگوں کے لیے پہلی عبادت گاہ بنایا گیا۔ جسے کائنات ارضی کے عابدوں کے لیے معبد و امن قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خود بتا دیا کہ میرا گھر کہاں تعمیر کرنا ہے۔ "بوا" کا معنی رہنمائی کرنا اور بتانا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دیا تھا کہ بیت اللہ کہاں تعمیر کرنا ہے۔

کعبۃ اللہ بیت المعمور کے عین نیچے واقع ہے۔ یوں سمجھئے اگر بیت المعمور نیچے گرے تو سیدھا بیت اللہ شریف پر آئے گا۔ اسی طرح ہر آسمان پر جو عبادت خانہ ہے وہ بیت اللہ کی سیدھ میں واقع ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگان دین کا کہنا ہے کہ ہر آسمان پر ایک گھر ہے جس میں اہل آسمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لیے بیت اللہ شریف کو خصوصی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آسمان کے ملائکہ کی طرح اہل زمین کے لیے بھی ایک گھر تعمیر کرو جس میں وہ میری عبادت کیا کریں۔ اس حکم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی جگہ بھی بتا دی جو زمین و آسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی مختص اور مقرر ہو چکی تھی۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے معظم و محترم قرار دے دیا ہے اور وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حکم سے حرمت والا رہے گا۔"

کسی حدیث میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہیں کہ یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی کسی کے ہاتھوں تعمیر ہوا ہے۔ جو لوگ "مکان البیت" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھی اور اس سے پہلے بھی یہ گھر تعمیر ہوا ہے کوئی یقینی اور قطعی بات محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ جگہ تقدیراً مقرر ہو چکی تھی۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اس کے معظم ہونے کا علم دے دیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اسی جگہ اپنا خیمہ نصب کیا تھا اور فرشتوں نے آپ کی جناب میں عرض کی تھی کہ ہم اس سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں اور سفینۂ نوح نے چالیس دن تک اس کا طواف کیا تھا۔ یہ اور اس قسم کی کئی دوسری روایات اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم نے ایک بات مقرر کر لی ہے کہ ان روایات کی نہ تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب اور نہ ہی انہیں کسی مسئلے کے ثبوت کیلئے دلیل قرار دیا جائے، ہاں اگر قرآن یا حدیث نبوی ان کی تردید کرے پھر یقینی طور پر یہ مردود ہیں۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین۔ (سورۂ آل عمران)

یعنی "سب سے پہلے جس گھر کو تمام آدمیت کیلئے برکت و ہدایت کا مرکز قرار دیا گیا وہ مکہ میں واقع بیت اللہ شریف ہے۔"

بعض لوگ کہتے ہیں: "اول بیت" سے مراد "اول محل" (سب سے پہلی جگہ) "فیہ آیات بینات" یعنی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر ہے جو کہ بعد میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء کرام کے والد ماجد اور آپ کی نسل سے ہونے والے تمام پرہیزگاروں کے امام ہیں جو آپ کو اپنا مقتدا مانتے ہیں اور آپ کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔

مقام ابراہیم علیہ السلام:

"مقام ابراھیم" (سورۂ آل عمران) یعنی وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر مکمل فرمائی، کیونکہ بیت اللہ شریف کی دیوار آپ کی قامت سے بلند ہو گئی تھی تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ مشہور پتھر اٹھالانے کو فرمایا تھا تا کہ اس پر کھڑے ہو کر کام کریں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس پتھر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک یہ دیوار کعبہ سے متصل رہا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اسے دیوار سے قدرے جدا کر کے نصب کر دیا تا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے لوگوں کی وجہ سے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو اور بعد میں بھی لوگوں نے اسے اسی جگہ قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصی بصیرت عطا فرمائی۔ اسی لیے آپ کی بہت ساری باتیں وحی کے موافق قرار پائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: "کاش ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناتے۔"

✿ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ﴿سورۂ البقرہ﴾

ترجمہ: "بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر پر ثبت تھے اوائل اسلام میں یہ نقوش پا نظر بھی آتے تھے۔ حضرت ابو طالب اپنے مشہور و معروف قصیدہ لامیہ میں ان نقوش پا کا ذکر خیر اس طرح کرتے ہیں۔

و ثور و من ارسیٰ ثبیرا مکانہ — وراق بسرقی فی حراء و نازل
و بالبیت حق البیت من بطن مکۃ — و باللہ ان اللہ لیس بغافل
و بالحجر المسود اذ یمسحونہ — اذا کتفوہ بالضحی و الاصائل
و موطی ابراھیم فی الصخر رطبۃ — علی قدمیۃ حافیا غیر ناعل

ترجمہ: "مجھے قسم ہے ثور پہاڑ کی اور اس ذات کی جس نے ثبیر پہاڑ کو اس کی جگہ بلند کیا ہے اور مجھے قسم اس ذات کی جو تشریف لے جاتا اور پھر واپس آتا کہ کوہ حراء پر چڑھیں۔ اور میں بیت اللہ شریف کی قسم اٹھاتا ہوں، جو حقیقی طور پر مکہ کی وادی میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ کی قسم! اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ اور میں قسم اٹھاتا ہوں حجر اسود کی جسے لوگ صبح و شام چومتے ہیں اور اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر پر اب بھی تر و تازہ ہیں، باوجود اس کے کہ آپ کے پاؤں ننگے تھے اور آپ نے جوتے نہیں پہنے ہوئے تھے۔"

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان پتھر پر ثبت ہیں اور نشان قدم سے پتہ چلتا ہے کہ آپ برہنہ تھے۔"

❁ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل" یعنی بیت اللہ شریف کی بنیاد بلند کرتے ہوئے "ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے نہایت اخلاص اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اس عظیم اطاعت اور مخلصانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں منظور کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سمیع اور علیم ہے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم۔ ﴿سورۃ البقرۃ﴾

ترجمہ: "اے ہمارے رب! بنادے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں، روئے زمین کی سب سے افضل جگہ پر سب سے اعلیٰ و ارفع مقام کی حامل عبادت گاہ تعمیر فرمائی اور ساتھ ساتھ اس خطہ پاک کے باسیوں کیلئے پھلوں کے رزق کی دعا بھی فرمائی، حالانکہ اس وادی غیر ذی زرع میں پانی کی قلت تھی اور درختوں، کھیتوں اور پھلوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اور یہ دعا بھی کہ یہ گھر ان کیلئے امن و سلامتی اور حرمت و تقدس کا مرکز بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمام تعریفوں کے لائق ہے اپنے بندے کی التجا کو سن لیا۔ ان کی دعا پر "میں حاضر ہوں میرے بندے" فرماتے ہوئے ان کے دامن مراد کو بھر دیا اور ارشاد فرمایا:

اولم یروا انا جعلنا حرما آمنا و یتخطف الناس من حولھم۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنادیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔"

❁ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

او لم نمکن لھم حرما آمنا یجبی الیہ ثمرات کل شیء رزقا من لدنا ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "کیا ہم نے نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل، یہ رزق ہے ہماری طرف سے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: الٰہی! ان ہی میں سے ایک عظیم رسول ان کی ہدایت کیلئے مبعوث فرما، جو میری نسل سے ہو۔ یہاں کے باسیوں کی زبان میں فصیح و بلیغ کلام فرمائے اور انہیں نصیحت آموز باتوں سے راہ راست پر گامزن کرے، تاکہ ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ باطنی اور اخروی نعمتیں بھی انہیں میسر آجائیں۔ وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی تیری نعمتوں کے مستحق ٹھہریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور بنی اسماعیل میں ایک نہایت ہی عظیم الشان رسول کی بعثت ہوئی جن پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کردیا، اور جو ایک ایسا اکمل و اتم دین لے کر تشریف لائے جو ایسی صورت میں کسی نبی و رسول کو عطا نہیں ہوا۔ جن کی دعوت عربی، عجمی ہر انسان کیلئے عام ہے۔ ہر قوم و نسل ہر زبان و کلام کے انسان کو شامل ہے۔ اقطار عالم، امصار جہاں اور اعصار زمان میں قیامت تک کوئی شخص ان کی دعوت سے مستثنیٰ نہیں۔ تمام انبیاء کرام میں سے یہ شرف صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ کیونکہ آپ کی ذات اقدس میں بھی کمال ہے اور آپ کی دعوت میں بھی تکمیل و تعمیم ہے، نیز اس خطہ پاک کے لوگوں میں یہ جذبہ بھی ہے کہ اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں اور ان کی لغت میں وہ وسعت بھی ہے کہ پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کریں، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر جو شفقت ہے، آپ کے لطف و رحمت کی جو بے کرانیاں ہیں۔ آپ کے خاندان، آپ کے والدین اور آپ کے مصدر و مورد کو جو کمال حاصل ہے وہ بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ان کی دعوت عام ہو اور ان کی رحمت شامل کائنات ہو۔

اہل زمین کیلئے تعمیر کعبہ کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مستحق ٹھہرایا کہ ان کا منصب، ان کا ٹھکانہ اور ان کی جگہ آسمانوں کے بلند مقامات میں ہو اور وہ بیت اللہ کے نزدیک اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں وہ بیت المعمور جو اہل آسمان کا کعبہ ہے جس میں بے پناہ

برکتیں ہیں اور جس میں عبادت کا ثواب دوسری جگہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور عبادت خداوندی سے مستفیض ہوتے ہیں، پھر ایک گروہ جب چلا جاتا ہے تو قیامت تک پھر اس کی باری نہیں آئے گی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے بنائے کعبہ کے متعلق اخبار و آثار کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے، اگر کسی کو تفصیل ضرورت ہو تو وہ تفسیر (تفسیر ابن کثیر) کا مطالعہ کرے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ گھر کہاں تعمیر ہوگا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس کا نام خجوج تھا اور اس کے دو پر تھے اور سانپ کی طرح سر تھا۔ اس نے وہ جگہ جھاڑ دے کر صاف کر دی جہاں بیت اللہ شریف کی بنیادیں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کی پیروی کی اور کدال لے کر بنیادیں کھودنے لگے اور کعبہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذ بوانا لابراهيم مكان البيت۔ ﴿سورۃ الحج﴾

ترجمہ: ''اور یاد جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کیلئے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ۔''

حجر اسود:

جب کعبہ شریف کی بنیادیں بلند ہو گئیں اور رکن تک پہنچ گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہنے لگے: بیٹا! میرے لیے کوئی اچھا سا پتھر لے آؤ تاکہ میں اسے یہاں نصب کر دوں۔ آپ نے عرض کیا: ابا جان! میں بہت تھک گیا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کچھ بھی ہو جائے پتھر لے آؤ۔ اسی اثنا میں حضرت جبریل علیہ السلام ہندوستان سے حجر اسود لے آئے جو کہ اس وقت شتر مرغ کے پروں کی طرح سفید یاقوت تھا، اس پتھر کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر زمین پر آئے تھے یہ لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے آئے تو حجر اسود کو رکن کے قریب دیکھ کر پوچھا ابا جان! یہ پتھر کون لایا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لایا ہے جو آپ سے زیادہ چست ہے۔ تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے: "ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔" یعنی: ''اے ہمارے رب! تو قبول فرما ہماری طرف سے، بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا۔''

ذوالقرنین کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا:

ابن ابی حبان نے ذکر کیا کہ کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب کعبہ شریف تعمیر فرما رہے تھے تو روئے زمین کے بادشاہ حضرت ذوالقرنین کا گزر ہوا اور انہیں بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف پایا تو پوچھا کہ آپ کو اس گھر بنانے کا حکم کس نے دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ذوالقرنین کہنے لگا: اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ پانچ مینڈھوں نے جو وہاں موجود تھے شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے۔ ذوالقرنین یہ سن کر ایمان لایا اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرنے لگا۔

ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف بھی کیا۔

کعبۃ اللہ شریف کی عمارت مدتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر رہی، پھر جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو شمال کی طرف سے اس میں کمی کر دی اور آج تک کعبۃ اللہ شریف قریش کی بنیادوں پر موجود ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آپ دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اسے ابراہیمی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیوں نہیں فرما دیتے؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں یہ کام ضرور کرتا۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''اگر تیری قوم کی جہالت کا دور قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کرتا۔'' یا فرمایا ''کہ تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبۃ اللہ شریف کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور اسکا دروازہ زمین کے برابر بنا دیتا، اور حجر (حطیم) کو کعبہ عمارت میں داخل کر دیتا۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں کعبۃ اللہ کو حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے خطوط پر تعمیر فرمایا تھا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو ان کی خالہ تھیں انہوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے خیالات سے آگاہ فرمایا تھا، جب حجاج نے ۷۳ ہجری میں چڑھائی کر کے آپ کو شہید کیا تو اس نے عبدالملک بن مروان کو جو اس وقت مسند اقتدار پر متمکن تھا ایک خط لکھا ان کا خیال تھا کہ شاید ابن زبیر نے اپنی شہرت کیلئے تعمیر کعبہ میں رد و بدل کیا ہے۔ اس کے حکم سے حطیم کو کعبہ کی دیوار سے باہر نکال دیا گیا، پھر اس جگہ ایک دیوار (الگ) تعمیر کر دی گئی اور کعبہ کے اندر پتھر

لگا دیے گئے۔ اسی طرح مشرقی دروازہ بلند ہو گیا اور مغربی دروازہ بالکل بند کر دیا گیا جیسا کہ آج کل کعبہ دیکھنے میں آتا ہے، لیکن جب امویوں کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر ایسا کیا تھا تو بہت نادم ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے اور اس میں ردوبدل نہ کرتے۔

جب مہدی بن منصور کا دور خلافت آیا تو اس نے حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا کہ اسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مطابق تعمیر کر دیا جائے تو آپ نے فرمایا: رہنے دو۔ مجھے خدشہ ہے کہ بادشاہ اسے کھلونا بنا لیں گے کہ جو بھی بادشاہ بنے گا وہ اپنی مرضی سے کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر کرے گا۔ اس لیے آج تک کعبہ کی عمارت پرانی بنیادوں پر قائم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذا بتلی ابرھیم ربہ بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال و من ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین۔ ﴿سورۃ بقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو انکے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجا لایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کیا: میری اولاد سے بھی؟ فرمایا: نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں کو۔"

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس عظیم حکم خداوندی کو عملی جامہ پہنا چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا، لوگ آپ کی اقتدا کرنے لگے اور آپ سے رہنمائی پانے لگے۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: الٰہی! اس امامت کو میرے بیٹے سے جاری و ساری فرما دے اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ میرے نسب میں باقی رہے اور قیامت تک آنے والے لوگ میری اولاد سے تیری طرف رہنمائی پاتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کی تمناؤں کو پورا کر دیا۔ امامت اب اسی گھر کو حاصل ہے بعد کے تمام انبیاء و رسل آپ کی ہی اولاد سے ہوئے، لیکن آپ نے ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا اور صرف ان لوگوں کی امامت و سیاست کی دعا فرمائی جو عالم باعمل ہوں۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وو ھبنا لہ اسحاق و یعقوب و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ و الکتاب و اتینہ اجرہ فی الدنیا و انہ فی الاخرۃ لمن الصالحین۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق اور یعقوب اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب، اور ہم نے دیا ان کو ان کا اجر دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں ہوں گے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ووھبنا لہ اسحاق و یعقوب، ـــــــــ الی صراط مستقیم۔ ﴿سورۃ انعام﴾

ترجمہ: "اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور انکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے اور (ہدایت دی) اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا، ان (سب) کو ہدایت دی (سب) کو راہ راست کی۔"

"ومن ذریتہ" میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی آپ کی ذریت میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ "نقل" پر بھی اکثر کا حکم لگایا جاتا ہے اور غالباً حضرت لوط علیہ السلام کی وجہ سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "ہ" کا مرجع نوح ہے۔ جیسا کہ انکے قصہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ارسلنا نوحا و ابرھیم و جعلنا فی ذریتھما النبوۃ و الکتاب۔ ﴿سورۃ الحدید﴾

ترجمہ: "اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس نبی پر بھی کتاب اتری، وہ آپ ہی کی اولاد اور نسل سے تھا۔ یہ عزت و توقیر کی وہ خلعت ہے جو اور کسی کے جسم پر نہیں تھی اور وہ بلند مرتبہ ہے جس پر کوئی فخر نہیں کرسکتا۔ یہ خلعت زیبا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے ہے اور یہ وجہ فخر صرف ان کی اولاد کیلئے مخصوص ہے، کیونکہ آپ ہی کی صلب سے وہ عظیم المرتبت بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن پاک سے اور سیدنا اسحاق علیہ السلام سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جنہیں اسرائیل (عبداللہ) کہا جاتا ہے، انہی کی طرف بنی اسرائیل کے تمام قبائل منسوب کیے جاتے ہیں، انہی میں عرصہ دراز تک سلسلہ نبوت و رسالت قائم رہا اور وہ اتنے کثرت سے بڑھے کہ ان کی تعداد

ستاروں سے تجاوز کر گئی۔ جتنے انبیاء کرام تشریف لاتے رہے، وہ اسی مقدس قوم سے تھے، حتیٰ کہ سلسلہ نبوت بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جن کا تعلق حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے خانوادے سے تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عرب کے مختلف قبائل پیدا ہوئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے سوائے خاتم الرسل۔ مولائے کل، فخر بنی آدم فی الدنیا و الاخرہ، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی کی ثم مدنی صلوات اللہ وسلام علیہ کے علاوہ اور کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ اس مقدس شاخ اور بلند مرتبہ نسل سے سوائے جوہر یکتا، درمکنون، واسطہ عقد فاخرہ سید و مفخر بنی آدم جن کے خوان جود و کرم سے سبھی کھاتے ہیں، جن کی شفاعت کی سبھی آس لگائے بیٹھے ہیں کے اور کوئی نہیں ہوا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "میں ایسے مرتبے پر فائز ہوں گا کہ پوری مخلوق خدا میری خدمت میں حاضر ہوگی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔"

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والد مکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ آپ کا کلام مبارک دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ہیں، اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے تو کہا کرتے تھے: "تمہارے والد اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کو انہی کلمات سے دم فرمایا کرتے تھے: اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان و ھامۃ و من کل عین لامۃ۔" یعنی "میں اللہ کے کامل کلمات کیساتھ ہر شیطان اور وسوسے ڈالنے والے سے اور ہر بری نگاہ سے پناہ مانگتا ہوں۔"

پرندوں کا واقعہ

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی و لکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ثم ادعھن یاتینک سعیا و اعلم ان اللہ عزیز حکیم۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو فرمایا (اے ابراہیم) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے۔ عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا انہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔"

مفسرین کرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کی کئی وجوہات ذکر کی ہیں۔ ان کو ہم بڑی شرح و بسط سے اپنی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور اس سے متعلقہ کسی چیز کو ترک نہیں کیا، بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست کو منظور فرمالیا اور حکم دیا چار پرندے پکڑو۔ پرندوں کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بہرحال پرندے کوئی بھی ہوں مقصد تو حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان پرندوں کو خلط ملط کر دو، پھر ان بوٹیوں اور پرندوں کو تقسیم کرو اور سامنے کے ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ رکھتے جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق بوٹیاں مختلف پہاڑوں پر پھیلا دیں، پھر حکم ہوا کہ حکم خداوندی کے ساتھ انہیں بلاؤ، جب آپ علیہ السلام نے آواز دی تو بوٹیاں آپس میں ملنے لگیں۔ پر اڑ اڑ کر اپنے اپنے حصے سے جڑنے لگے، حتیٰ کہ پرندوں کا جسم پہلے کی طرح بالکل ٹھیک اور مجتمع ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ذات والا صفات کی قدرتوں کا مشاہدہ کرتے رہے اور امر کن کے نتائج کو دل و دماغ اور سر کی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ پرندے دوڑ کر آپ علیہ السلام کے پاس آگئے، تاکہ قدرت کی وسعتیں ان پر ظاہر اور واضح ہو جائیں اور وہ سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ پرندے واقعی امر خداوندی سے زندہ ہو گئے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھنا، آپ علیہ السلام نے جب آواز دی تو پرندوں کے جسم مجتمع ہو کر آپ کے پاس آنے لگے اور سر جسموں سے جڑتے گئے جیسا کہ پہلے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ انہیں قدرتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونا چاہیے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا اھل الکتاب لم تحاجون .... واللہ ولی المومنین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے سنتے ہو تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے

ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب) کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں جنہیں ہے تمہیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی شریک کرنے والوں میں سے تھے بیشک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔"

اللہ تعالیٰ اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کے دعویٰ کا رد فرما رہا ہے کیونکہ ہر گروہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب کے پیرو تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہاری ملت اور تمہارے طریقے سے بری ہیں، پھر ان کی جہالت اور کم عقلی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وما انزلت التورٰۃ و الانجیل الا من بعدہ" ترجمہ: "وہ تمہارے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ تورات اور انجیل کا نزول ان کے بعد ہوا ہے۔" اسی لیے فرمایا: "افلا تعقلون۔" ترجمہ "کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے" حتیٰ کہ فرمایا:

ما کان ابرھیم یھودیا ولا نصرانیا و لکن کان حنیفا مسلما و ما کان من المشرکین۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔"

بیان فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین حنیف پر تھے۔ جس دین کی تعلیمات کا لب لباب اخلاص وللہیت اور باطل سے روگردانی کر کے حق کو اختیار کر لینا اور حقیقی دین یہودیت نصرانیت اور شرک کے مخالف ہے۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

و من یرغب عن ملۃ ابرھیم الا من .... عما کانوا یعملون۔ ﴿سورۂ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بے شک وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم) گردن جھکا دو عرض کی: میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بچو! بے شک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے تمہارے

لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب کو موت جبکہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد انہوں نے عرض کیا: ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، انہیں فائدہ دے گا جو (نیک عمل) انہوں نے کمایا اور انہیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وہ کیا کرتے تھے اور (یہودی) کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ۔ (تب) ہدایت پالو گے۔ آپ فرمایئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور وہ اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے۔ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔ آپ فرمایئے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک، اور ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی فرمایئے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ وہ ایک امت تھی جو گزر چکی اسے ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو تم نے کمایا، اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اس سے جو وہ کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو نصرانی یا یہودی ہونے سے منزہ و مبرا قرار دیا فرمایا وہ نہ نصرانی تھے، نہ یہودی وہ تو یکسو ہو کر اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنے والے تھے۔ ان کا دامن ایمان و عمل شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ان اولی الناس بابرھیم للذین اتبعوہ" "وہ لوگ جنہوں نے آپ کے زمانہ نبوت میں آپ کی تعلیمات کی پیروی کی اور آپ

کی ملت میں شامل ہوئے اور وہ جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے طریقے اور دین کا دامن پکڑے رکھا "وھذا النبی" یعنی محمد ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی دین حنیف کی انہی تعلیمات کے ساتھ مبعوث فرمایا جن کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے صرف انہیں اصولوں کا امت مسلمہ کو پابند بنایا بلکہ اس دین کو مکمل شکل دے کر پوری دنیا کیلئے ضابطہ حیات بنا دیا اور اپنے محبوب کو وہ کچھ عطا فرمایا جو آپ سے پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں فرمایا۔

✿ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم ——— و انا اول المسلمین۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے آپ فرمایئے۔ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کیلئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ——— و ما کان من المشرکین۔ ﴿سورۃ النحل﴾

ترجمہ: "بے شک ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بے شک ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے، اور مشرکوں سے نہ تھے، وہ شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب بیت اللہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر نہ گئے جب تک کہ آپ کے حکم سے وہ مٹا نہ دی گئیں۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے ہاتھوں میں پانسے اٹھائے کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ مشرکین کو ہلاک کرے، خدا کی قسم! انہوں نے پانسوں کے ذریعے کبھی کوئی بات دریافت نہیں کی تھی۔"

بخاری کے بعض الفاظ اس طرح ہیں "اللہ انہیں ہلاک کرے۔ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی پانسوں سے بات معلوم نہیں کی۔"

آیت مذکورہ میں لفظ "امۃ" سے مراد ایسا طریقہ ہے جو رہنما بن سکے وہ بھلائی کا داعی اور ہادی ہو اور جس کی اقتدا کی جا سکتی ہو "قانتا للہ" یعنی دونوں باپ بیٹا اپنے تمام کاموں میں اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے "حنیفا" یعنی دل کی گہرائیوں سے اطاعت کرنے والا "ولم یکن من المشرکین شاکرا لا نعمہ" یعنی اپنے تمام جوارح دل، زبان اور اپنے اعمال سے اپنے رب کا شکر بجا لانے والے تھے۔ "اجتباہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لیے چن لیا، انہیں اپنی رسالت کیلئے منتخب فرما لیا۔ اور اپنے خلیل ہونے کیلئے اختیار کر لیا اور دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں انہیں عطا فرما دیں۔

و من احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ و ھو محسن و اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا و اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔ ﴿سورۃ نساء﴾

ترجمہ: "اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو اپنا چہرہ اللہ کیلئے اور وہ احسان کرنے والا ہو، اور پیروی کی ملت ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو، اور بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل۔"

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی ترغیب دے رہا ہے کیونکہ آپ دین قویم اور صراط مستقیم پر تھے، آپ علیہ السلام نے اپنے رب کے تمام احکامات کی پیروی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "و ابراھیم الذی وفی" اور ابراہیم ——— جو پوری طرح احکام بجا لائے۔" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنا لیا۔ "خلت" کا مطلب انتہائی درجے کی محبت ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے:

قد تخللت مسلك الروح منی ——— و بذا سمی الخلیل خلیلا

ترجمہ: "تو میری روح کی پہنائیوں میں اتر گیا ہے اور اسی انتہائی محبت و پختگی کی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ بھی مقام خلت پر فائز تھے۔ جیسا صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت جندب البجلی، حضرت عبداللہ بن عمرو، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں بھی یہی ارشاد فرمایا: "لوگو! اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا لیکن تمہارا یہ دوست اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔"

حضرت سعید بن جبیر اور عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن گئے تو صبح کی نماز میں آپ نے "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" آیت تلاوت فرمائی تو یمن کے ایک شخص نے کہا: "ابراہیم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔"

میں اللہ کا حبیب: (فرمان نبوی ﷺ)

ابن مردویہ، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک دفعہ صحابہ کرام حضور نبی کریم ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ دوران گفتگو ایک نے کہا: تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ایک شخص کو خلیل بنالیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ دوسرے نے کہا: کتنے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست گفتگو کی۔ ایک اور بولے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ ایک فرمانے لگے: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام اصطفیٰ عطا کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں۔ تمہیں تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں وہ واقعی خلیل اللہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ وہ واقعی کلیم اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ ہاں وہ واقعی کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مقام اصطفیٰ عطا کیا۔ ہاں وہ واقعی اس مقام کے حامل ہیں۔ سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں، اور میں فخر نہیں کر رہا، سنو میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں، اور میں فخر نہیں کر رہا، میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لیے اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دے گا، اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا۔ میرے ساتھ ایماندار غریب لوگ ہوں گے، میں ہی قیامت کے روز پہلے اور پچھلے تمام لوگوں سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور مجھے کوئی فخر نہیں یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے تو غریب لیکن اس کے دوسرے شواہد موجود ہیں۔ (واللہ اعلم)

حاکم اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کیا تمہیں تعجب ہے کہ خلعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے ہے۔ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ہے اور دیدار خداوندی حضور نبی کریم ﷺ کیلئے ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو ان کے دل میں اس قدر خشیت

پیدا فرمادی کہ ان کے دل کی دھڑکن کی آواز دور سے سنائی دیتی تھی، جس طرح کہ پرندہ ہوا میں پر پھڑ پھڑا رہا ہو۔

خدا کے خلیل:

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی میزبانی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کسی کی تلاش میں نکلے کہ کوئی ملے تو اس کی ضیافت کریں، بہت پھرے لیکن کوئی نہ ملا، واپس گھر آگئے۔ دیکھتے ہیں کہ گھر میں ایک شخص کھڑا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں اللہ کے بندے! میری اجازت کے بغیر آپ میرے گھر میں کیسے آگئے؟ اس شخص نے جواب دیا: میں گھر میں گھر کے مالک کی اجازت سے آیا ہوں؟ آپ علیہ السلام نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے بتایا: میں موت کا فرشتہ ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اسے خوشخبری دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: وہ خوش نصیب کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر آپ مجھے اس کا پتہ بتادیں تو وہ کتنی ہی دور ہوا میں اسے لے آؤں گا اور ہمیشہ اسے اپنے پڑوس میں رکھوں گا حتیٰ کہ میرے اور اس کے درمیان موت ہی جدائی ڈالے گی۔ فرشتے نے کہا: (ابراہیم) وہ بندے آپ خود ہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں؟ فرشتے نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے پوچھا مجھے میرے رب نے کس وجہ سے اپنا خلیل بنایا ہے؟ فرشتے نے عرض کیا: وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو عطا کرتے ہیں لیکن ان سے لیتے کچھ نہیں۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح و ستائش فرمائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا ذکر خیر قرآن میں پینتیس (۳۵) مقامات پر آیا ہے۔ پندرہ مقامات صرف سورۂ بقرہ میں ہے۔ آپ علیہ السلام ان پانچ اولی العزم رسولوں میں سے ایک ہیں جن کے اسماء گرامی خصوصیت سے سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ کی دو آیتوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم و منک و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منھم میثاقا غلیظا۔ ﴿سورۃ الاحزاب﴾

ترجمہ: "اور (اے محبوب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔"

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا و الذی او حینا الیک وما و صینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسٰی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (سورۃ الشوریٰ)

ترجمہ: ''اس نے مقرر فرمایا تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''

پھر حضرت ابراہیم ؑ اولی العزم رسولوں میں سے بعد از محمد ﷺ افضل ترین رسول ہیں۔
آپ ؑ وہ بلند مرتبہ ہستی ہیں جنہیں سید المرسلین ﷺ نے ساتویں آسمان میں بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا اور بیت المعمور فرشتوں کا قبلہ ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ (اور کثرت تعداد کی وجہ سے) پھر کبھی واپس نہیں آسکتے۔

شریک بن ابی نمیر ؒ حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ چھٹے آسمان میں تشریف فرما ہیں اور حضرت موسیٰ ؑ ساتویں آسمان میں ہیں۔ اس حدیث میں شریک پر تنقید ہوئی ہے لہٰذا پہلی حدیث کا بیان ہی صحیح ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ ساتویں آسمان میں تشریف فرما ہیں۔ وہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔'' (اسے روایت کرنے میں احمد اکیلے ہیں۔)

پھر جس حدیث سے حضرت ابراہیم ؑ پر حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت ظاہر ہوئی، اس میں یہ الفاظ ہیں ''اور میری تیسری دعا اس دن اٹھائی گئی ہے جس دن پوری مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم ؑ بھی میری طرف رجوع کریں گے۔'' (امام مسلم نے اسے حضرت ابی بن کعب ؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔)

یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا کہ لوگ شفاعت کی خاطر حضرت آدم ؑ کے پاس آئیں گے پھر حضرت نوح ؑ، پھر حضرت ابراہیم ؑ، پھر حضرت موسیٰ ؑ، پھر حضرت عیسیٰ ؑ کی خدمت میں حاضر ہوں گے لیکن تمام لوگ شفاعت سے انکار کر دیں گے، حتیٰ کہ مخلوق خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوگی۔ آپ فرمائیں گے: ہاں میں اسی لیے ہوں، میں اسی لیے ہوں۔ آگے راوی نے پوری حدیث بیان کی ہے۔

سب سے معزز کون ہے:

امام بخاری ؒ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں سب سے عزت والا کون ہے؟ فرمایا: ''سب سے معزز سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم یہ نہیں پوچھ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے معزز اللہ کی نبی یوسف ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔'' صحابہ نے پھر عرض کیا: ہم اس چیز کے بارے میں نہیں پوچھ رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم عربوں کے اصل کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ کہنے لگے: ہاں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی آکر بہتر ثابت ہوئے، جب انہوں نے دین کا علم حاصل کر لیا۔''

(اسی طرح بخاری، مسلم، نسائی نے بھی اس کو کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔)

امام احمد حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ؑ ہیں۔''

امام بخاری ؒ حضرت ابن عمر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ؑ ہیں۔''

امام بخاری ؒ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگ برہنہ جسم غیر مختون اٹھائے جائیں گے، سب سے پہلے جس شخص کو کپڑے پہنائے جائیں گے وہ حضرت ابراہیم ؑ ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ''کما بدانا اول خلق نعیدہ'' (سورۃ الانبیاء)

(بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عباس ؓ سے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔)

اسی معینہ فضیلت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ کو صاحب مقام محمود کی نسبت بھی زیادہ فضیلت کا حامل یقین کر لیا جائے، جن پر اگلے پچھلے تمام انسان رشک کریں گے۔

حضرت امام احمد ؒ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا: اے مخلوق خدا سے بہتر! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خیر البریۃ'' حضرت ابراہیم ؑ ہیں۔ (امام مسلم نے اسے ثوری، عبداللہ بن ادریس، علی بن مسہر، محمد بن فضیل کے حوالے سے روایت فرمایا ہے۔)

حضور نبی کریم ﷺ کا اپنے لیے خیر الخلائق کی نفی کرنا عاجزی و انکساری کی وجہ سے تھا، کیونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کے جدامجد ہیں، جیسا کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: "مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو۔" اسی طرح فرمایا: "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ قیامت کے دن تمام لوگوں پر غشی ہو جائے گی۔ سب سے پہلے ہوش میں میں آؤں گا، تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا یہ ہوش مندی کوہ طور کی بے ہوشی کا بدلہ ہے۔"

یہ تمام احادیث حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ تواتر سے ثابت ہے کہ آپ قیامت کے روز سید ولد آدم ہوں گے، اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث "اور میری تیسری دعا کو اس روز کیلئے انتظار رکھا گیا ہے، جس روز تمام مخلوق میری طرف آئے گی حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری خدمت میں حاضر ہوں گے۔" چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کے بعد تمام انبیاء اور اولی العزم رسولوں سے افضل ہیں، اس لیے نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تشہد میں درود پڑھیں،

صحیحین میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ کے حضور سلام کیسے پیش کیا جائے لیکن یہ فرمائیں کہ آپ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہا کرو:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

ترجمہ: "اے اللہ رحمت فرما محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل پر جیسی تو نے رحمت فرمائی ابراہیم پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر اور برکت فرما محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل پر جس طرح تو نے برکت فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم کی علیہ السلام کی آل پر بے شک تو تمام تعریفوں کا مستحق اور تمام بزرگیوں کے لائق ہے۔"

❁ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و ابراھیم الذی وفی یعنی "اور ابراہیم جو کہ پورے احکام بجا لایا۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام احکامات میں جن کے بجالانے کا آپ کو حکم دیا گیا اور ایمان کے خصائل اور اس کی تمام صورتوں میں

ان کو آپ بجالاتے رہے آپ وفادار تھے۔ کسی بڑے معاملے کی ادائیگی اور دیکھ بھال کسی چھوٹے معاملے کی اصلاح سے آپ کو مشغول نہیں کر سکتی ہے۔ کیسے ہی بڑے مصالح کا انتظام و انصرام کیوں نہ کرنا ہوتا آپ چھوٹے چھوٹے معاملات سے پھر بھی پہلو تہی نہ کرتے، جس طرح آپ علیہ السلام بڑے امور و احکام کو خلوص سے بجالاتے اسی طرح چھوٹی چھوٹی نیکیوں اور دینی مصلحتوں کی طرف بھی پوری توجہ مبذول فرماتے۔

طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت و اذا بتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن ﴿سورۃ البقرہ﴾ کی تفسیر روایت کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کا طہارت کے ساتھ امتحان لیا، طہارت کی پانچ چیزیں سر سے تعلق رکھتی ہیں، اور پانچ باقی جسم سے، جو چیزیں سر سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں: "(۱) مونچھوں کا کٹوانا، (۲) کلی کرنا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک صاف کرنا، (۵) مانگ نکالنا" اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں: "(۱) ناخن تراشنا، (۲) زیر ناف بال لینا، (۳) ختنہ کرنا، (۴) بغلوں کے بال صاف کرنا اور (۵) پیشاب اور پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد پانی سے صفائی کرنا۔" (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فطرت پانچ چیزوں سے موسوم ہے: (۱) ختنہ کرنا، (۲) موئے زیر ناف صاف کرنا، (۳) مونچھیں کٹوانا، (۴) ناخن تراشنا اور (۵) بغلوں کے بال صاف کرنا۔

صحیح مسلم اور کتب سنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دس چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) مونچھوں کا کٹوانا، (۲) داڑھی کا بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) پانی سے ناک صاف کرنا، (۵) ناخن تراشنا، (۶) انگلیوں کا خلال کرنا، (۷) بغل کے بال صاف کرنا، (۹) موئے زیر ناف صاف کرنا، اور (۱۰) استنجا کرنا۔"

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خلوص کا جذبہ اور بڑی عبادت میں کمال شوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جسم کی اصلاح اور پاکیزگی سے غافل نہ کرتا بلکہ عبادت خداوندی اور کمال محبت خداوندی کے باوجود آپ ہر ہر عضو کو اس کا حق عطا کرتے۔ زیبائش کا اہتمام فرماتے۔ صفائی کا خاص خیال رکھتے، بال بڑھ جاتے تو کٹوا لیتے، اسی طرح جسم کی دوسری ضروریات پوری کرتے اور میل کچیل سے جسم کو صاف رکھتے تھے، انہیں تمام چیزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف کرتے

ہوئے فرمایا: "و ابراھیم الذی وفی"

جنت کا عظیم محل:

حافظ ابوبکر بزار، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جنت میں ایک محل ہے، مجھے لگتا ہے کہ وہ موتیوں کا بنا ہوگا، جس میں نہ کوئی دراڑ ہے اور نہ کوئی پھٹن، اس محل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کے رہنے کیلئے تیار فرمایا ہے۔"

انبیاء کرام کی زیارت:

امام احمد حضرت ابوزبیر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کرائی گئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ ؑ بلند قامت ہیں گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہیں میں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور میں نے حضرت ابراہیم ؑ کو دیکھا تو وہ دحیہ کلبی کے بالکل ہم شکل دکھائی دیتے تھے۔"

(اس حدیث کو ان الفاظ میں اور اس سند کے ساتھ روایت کرنے میں حضرت امام احمد اکیلے ہیں۔)

امام احمد، حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے حضرت عیسیٰ ؑ، حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت ابراہیم ؑ کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ ؑ کا رنگ سرخ تھا، بال گھنگھریالے تھے اور سینہ چوڑا تھا، جبکہ حضرت موسیٰ ؑ گندم گوں اور جسیم تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اور حضرت ابراہیم ؑ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے صاحب (اپنی طرف اشارہ فرمایا) کو دیکھ لو۔"

امام بخاری، حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کے سامنے دجال کا ذکر کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر، ک۔ف۔ر لکھا ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ میں حضرت ابن عباس ؓ کی بات نہ سن سکا کہ آپ نے اس بارے کیا فرمایا، لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رہے حضرت ابراہیم ؑ تو بس اپنے صاحب کو دیکھ لو (اپنی طرف اشارہ فرمایا) حضرت موسیٰ ؑ (کا حلیہ مبارک) تو آپ سرخ رنگ، گھنگھریالے بالوں والے تھے، اور ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے، جس کی نکیل کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی، گویا میں انہیں اب بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں۔

(اسے بخاری نے بھی اور مسلم نے محمد بن المثنیٰ عن ابی عدی، عن عبداللہ بن عون سے اسی

الفاظ میں بیان کیا ہے۔)

ابن جریر ؒ نے اپنی تاریخ میں تذکرہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کی پیدائش نمرود بن کنعان کے زمانے میں ہوئی، جس کا نام الضحاک بتایا جاتا ہے، جو بہت مشہور و معروف بادشاہ ہو گزرا ہے، اس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک ہزار سال تک حکومت کی، یہ بہت ظالم اور پرلے درجے کا خونخوار تھا۔ بعض اسلاف کا کہنا ہے کہ اس بادشاہ کا تعلق بنی راسب سے تھا، جن کی طرف پہلے حضرت نوح ؑ مبعوث ہوئے تھے۔ اور ان دنوں نمرود پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ علماء تاریخ بیان کرتے ہیں کہ ایک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی کے آگے چاند اور سورج کی روشنی بھی ماند ہوگئی، لوگ ڈر گئے، نمرود خود بھی خوف سے کانپ اٹھا، اس نے فوراً کاہن اور منجم جمع کر لیے اور ان سے ستارے کے بارے پوچھا، کاہنوں اور ستارہ شناسوں نے بتایا کہ آپ کی رعایا میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں آپ کا ملک زوال پذیر ہو جائے گا۔ بادشاہ نے حکم جاری کر دیا کہ کوئی میاں بیوی اکٹھے نہیں ہوں گے اور آج سے جو بچہ پیدا ہوگا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم ؑ کی پیدائش انہی دنوں میں ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فاجر اور ظالم کے ہاتھوں سے بچا لیا اور خود قدرت نے ان کی حفاظت فرمائی، آپ بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے، اللہ تعالیٰ نے آپ ؑ کو بہت اچھی طرح پروان چڑھایا۔

حضرت ابراہیم ؑ کی جائے ولادت:

حضرت ابراہیم ؑ کی جائے ولادت کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ "سوس" میں پیدا ہوئے، بعض "سواد" اور بعض "بابل" کا نام لیتے ہیں۔ "سواد" کوثیٰ کے ایک طرف واقع ایک جگہ کا نام ہے پہلے ہم حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کردہ ایک اثر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ دمشق کے مشرق میں واقع ایک شہر برزہ میں پیدا ہوئے، جب نمرود ہلاک ہو گیا تو آپ نے حران کی طرف ہجرت کی پھر وہاں سے شام کی طرف گئے اور ایلیا کے شہر میں قیام پذیر ہوئے، اسی شہر میں آپ کے ہاں حضرت اسماعیل ؑ اور حضرت اسحاق ؑ کی ولادت ہوئی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات آپ سے قبل حبرون شہر میں ہوئی۔ علاقہ کنعان میں واقع ہے۔ اس وقت ان کی عمر مبارک ایک سو ستائیس سال تھی۔ جیسا کہ اہل کتاب بیان کرتے ہیں۔ آپ کی وفات پر حضرت ابراہیم ؑ بہت غمگین ہوئے اور آپ کے غم میں عرصہ تک روتے رہے۔ بنی "حیث" کے ایک شخص سے ایک "مغارہ" آپ ؑ نے چار سو

مثقال میں خریدا اور حضرت سارہ کو اسی میں دفن کیا۔

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق ؑ کی منگنی بتوئیل بن ناحور بن تارخ کی بیٹی "رفقا" سے کی۔ اور اس مقصد کیلئے آپ نے ایک غلام کو بھیجا جو "رفقا" کو اور اس کی دایہ اور اس کی لونڈیوں کو اونٹوں پر سوار کر کے لے آیا، پھر حضرت ابراہیم ؑ نے "قطورا" سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے آپ کے بیٹے زمران، یقشان، مادان، مدین، شیاق شوح پیدا ہوئے۔ اہل کتاب کے بیان کے مطابق یہ تمام بڑ کے قطورا سے ہی پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم ؑ کی وفات:

ابن عساکر نے کئی اسلاف سے حضرت ابراہیم ؑ کے پاس ملک الموت کی آمد کے واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ یہ واقعہ ان بزرگوں نے اہل کتاب کی خبروں سے روایت کیا ہے۔ ان میں کتنی صداقت ہے وہ تو اللہ جانتا ہے۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات اچانک ہوئی، اسی طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ؑ کی وفات بھی اچانک ہوئی تھی، لیکن اہل کتاب اور دیگر کئی علمائے کرام کا بیان کردہ واقعہ اس سے مختلف ہے۔

اہل کتاب کے بیان کردہ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ بیمار ہوئے اور ایک سو سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ ایک سو پچانویں سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور حبرون میں واقعہ بنی حیث کے کھیت کے مذکورہ مغارہ میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دفن ہوئے۔ ان کی تجہیز و تکفین حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق ؑ نے کی۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر دو سو سال تھی، جیسا کہ کلبی نے ذکر کیا ہے۔

ابو حاتم ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم ؑ نے بسولے سے ختنہ کیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ اور اس کے بعد آپ اسی سال زندہ رہے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم ؑ جب ایک سو بیس سال کے تھے تو آپ کا ختنہ ہوا، اور اس کے بعد آپ ؑ اسی سال بقید حیات ظاہری رہے اور آپ کا ختنہ بسولے سے ہوا۔"

(حافظ ابن عساکر نے اسی حدیث کو یحییٰ بن سعید کے طریقہ سے، انہوں نے ابن عجلان سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے اور آپ نے نبی کریم ﷺ

سے روایت فرمایا۔ پھر ابن حبان نے عبدالرزاق سے روایت کیا کہ "القدوم" (بسولہ نہیں) بلکہ ایک بستی کا نام ہے۔ (یعنی آپ کا ختنہ القدوم نامی بستی میں ہوا۔) میں (امام ابن کثیر ؒ) کہتا ہوں کہ صحیح الفاظ "انه اختتن و قد اتت عليه ثمانون سنة" اور دوسری روایت میں ہے: "وهو ابن ثمانين سنة" میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ بعد کی عمر یہی بتائی ہے۔) واللہ اعلم

حضرت ابراہیم ؑ کی اولیت:

وکیع اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ؑ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار کا استعمال فرمایا، سب سے پہلے مانگ نکالی، سب سے پہلے موئے زیر ناف لیے، بسولے سے ختنہ کیا، اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، اور اس کے بعد اسی سال زندہ رہے، سب سے پہلے آپ نے مہمان نوازی کی اور سب سے پہلے آپ ہی پر بڑھاپا طاری ہوا، اسی طرح اسے موقوفاً روایت کیا گیا ہے اور وہ مرفوع کے مشابہ ہے لیکن ابن حبان کے بیان سے مختلف ہے۔

حضرت امام مالک ؒ یحییٰ بن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مہمان نوازی کا شرف حاصل کیا۔ سب سے پہلے آپ کا ختنہ ہوا، تمام لوگوں سے پہلے آپ نے مونچھیں کتروائیں، سب سے پہلے آپ نے بڑھاپا دیکھا، اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: "اے اللہ! یہ کیا ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ وقار ہے۔" عرض کیا: "اے اللہ! میرے وقار میں اور اضافہ فرما۔" ان دونوں کے علاوہ بعض لوگوں نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں: "سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کتروائیں، سب سے پہلے آپ نے موئے زیر ناف لیے، سب سے پہلے آپ نے شلوار استعمال کی۔"

مزار مقدس:

حضرت ابراہیم ؑ، آپ کے بیٹے حضرت اسحاق ؑ اور آپ کے پوتے حضرت یعقوب ؑ کے مزارات اس چار دیواری میں ہیں جسے حضرت سلیمان ابن داؤد ؑ نے حبرون شہر میں تعمیر فرمایا تھا، حبرون وہ معروف شہر ہے جو آج الخلیل کے نام سے مشہور ہے اور حبرون کی چار دیواری میں آپ کا مدفون ہونا تواتر کے ساتھ نقل ہم تک پہنچی ہے اور اس میں کسی کو شک ہے اور نہ اختلاف، لیکن چار دیواری میں ہے کہاں اس کا تعین مشکل ہے، کیونکہ کسی صحیح

حدیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ بس ضروری ہے کہ اس خطہ پاک کی رعایت کی جائے اور اس کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح بزرگان دین اور انبیاء کی قبروں کا احترام لازم ہے، اس جگہ کی تعظیم وتوقیر بہت ضروری ہے۔ اس لیے اس کے آس پاس کسی قسم کی غلاظت نہیں ہونی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا آپ کے کسی بیٹے کی قبر انور نیچے ہو اور ہم غلطی سے اس جگہ پر کوئی غلاظت ڈال کر گناہ کے مرتکب ہوں۔

ابن عساکر ایک سند کے ذریعے جو وہب بن منبہ تک پہنچی ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے روضہ پر ایک کتبہ ہے، جس پر یہ اشعار کندہ ہیں:

الٰھی جھولا املہ   یموت من جاء اجلہ

و من دنا من حتفہ   لم تغن عنہ حیلہ

و کیف یبقی آخرا   من مات عنہ اولہ

و المرء لا یصحبہ   فی القبر الا عملہ

ترجمہ: "جس کی توقعات نے اسے جاہلوں کی نظر کر دیا جب اس کی اجل آئی تو وہ مر جائے گا اور جو اپنی موت کے قریب ہوا کوئی حیلہ اسے موت سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ بعد میں آنے والا کیسے باقی و زندہ رہ سکتا ہے جبکہ پہلے والا شخص آغوش موت میں جا چکا ہے۔ قبر میں اعمال کے سوا کوئی چیز انسان کے ساتھ نہیں ہوگی۔"

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد:

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن پاک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آپ کی چچازاد بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، پھر آپ نے حضرت قطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی فرمائی اور ان کے بطن سے آپ کے چھ بچے مدین، زمران، سرخ، یقشان، نشق، چھٹے کا نام معلوم نہیں پیدا ہوئے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حجون بنت امین سے شادی فرمائی جن سے آپ کے پانچ بچے پیدا ہوئے، جنکے نام یہ ہیں: کیسان، سورج، امیم، لوطان اور نافس۔ یہ تفصیل علامہ ابوالقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التعریف والاعلام" تحریر فرمائی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

حیات حضرت ابراہیم علیہ السلام میں واقع ہونے والے امور عظیمہ میں سے ایک واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ اور ان کی قوم پر نازل ہونے والا عذاب بھی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن تارخ کے بیٹے تھے جسے آزر بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام، ہاران اور ناحور بھائی ہیں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات پر ہم ذکر کر آئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کے والد ہاران ہی شہر حران کی بنیاد رکھنے والے ہیں، لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اہل کتاب کی روایات سے موافقت نہیں رکھتا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجازت اور حکم سے سرزمین "غور زغر" کے ایک شہر سدوم میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ سدوم اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ جس کے مضافات میں کئی دوسری بستیاں، چراگاہیں اور چھوٹے چھوٹے شہر بسے ہوئے تھے۔ سدوم کے لوگ علاقہ بھر میں فاجر و فاسق اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور دین کے منکر تھے، نہ تو ان کے اجتماعی طور طریقے اچھے تھے اور نہ انفرادی کردار بہتر تھے، وہ لوگوں کو لوٹتے، سرعام فساد کرتے لیکن کوئی انہیں روکنے والا نہ ہوتا۔ انہوں نے ایک ایسی برائی کی بنیاد ڈالی، جو بنی آدم میں اس سے پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ وہ مردوں سے بدفعلی کرتے اور عورتوں کے قریب بھی نہ جاتے جن سے نکاح کرنے کا اللہ تعالیٰ نے صالحین کو حکم فرمایا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور انہیں گناہوں اور فحش کاموں سے روکا، انہیں بتایا کہ یہ قباحتیں اور برائیاں انسان کو زیب نہیں دیتیں، لیکن ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہی ہوا، کسی نے آپ کی بات نہ سنی، وہ فسق و فجور اور کفر کی راہوں پر گامزن رہے۔ جب سرکشی حد سے بڑھ گئی اور حجت تمام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسا عذاب مسلط کیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس عذاب نے ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دی اور وہ دنیا کیلئے عبرت کا نشان بن کر رہ گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔

قرآن میں ذکر:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما .... عاقبة المجرمين۔ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: "اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا: اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو، اور نہ تھا کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنتے ہیں، پس ہم نے نجات دے دی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہو گئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرتناک) انجام ہوا مجرموں کا۔"

✿ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و لقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى .... من الظالمين ببعيد۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور بے شک آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا: تم بھی پر سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا، پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے فرشتوں نے کہا: ڈریئے نہیں، ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ سارہ نے کہا: وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بے شک یہ تو عجیب و غریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب دور ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خوف اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے میں۔ بے شک ابراہیم بڑے بردبار، رحمدل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو رہنے دیجئے۔ بے شک آگیا تیرے رب کا حکم، اور ان پر آکر رہے گا عذاب جو پھیرا نہیں جا سکتا اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور بڑے پریشان ہوئے ان کی وجہ سے، اور بولے آج کا

دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے اور مہمانوں کی خبر سنتے ہی آئے، ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ ڈرتے ہوئے اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے برے کام، لوط نے کہا: اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لیے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوانہ کرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں، کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوط نے کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔ فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ لوگ ہم کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پھر آپ لے کر نکل جائیے، اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کے ساتھ نہ لے جائیے۔ بے شک وہی (عذاب) اسے بھی پہنچے گا جو ان کو پہنچا، ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح قریب؟ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کی بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے جو نشان زدہ تھے، آپ کے رب کی جانب سے اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور۔"

✿ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و نبئهم عن ضيف ابراهيم۔ .... ان في ذالك لآية للمؤمنين۔ ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: "اور بتائیے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ، جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا: (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا: مت ڈریئے، ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں، ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا، آپ نے کہا: تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، پس یہ کیسی خوشخبری ہے۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے فرمایا: کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔ آپ نے کہا: اے فرستادو! کس اہم کام کیلئے تم آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔ مگر لوط کے گھرانے والے ہم ان سب کو بچالیں گے۔ بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا: (ہم اجنبی نہیں)

بلکہ ہم لے آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بے شک سچ کہہ رہے ہیں۔ تو چلے جایئے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی حصہ میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلیے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی اور چلے جایئے جہاں (جانے کا) تمہیں حکم دیا گیا ہے اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا، اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انہیں) کہا (ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں ان کے بارے میں تو مجھے رسوا نہ کرو، اور ڈرو اللہ کے غضب سے اور مجھے رسوانہ کرو، وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا: یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو)۔ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم! یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں اور بہکے بہکے پھر رہے ہیں، پس آ لیا ان کو ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا، پس ہم نے ان کی بستی کو زیروزبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر کھنگر کے پتھر بے شک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کیلئے اور بے شک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کیلئے۔"

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كذبت قوم لوط ن المرسلين۔۔۔۔۔ وان ربك لهو العزيز الرحيم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو، جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو، اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ، میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم بدفعلی کیلئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے اور چھوڑ دیتے ہو، جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں، بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ کہنے لگے اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس سے جو وہ کرتے ہیں، سو ہم نے نجات دیدی ان کو اور ان کے سب اہل کو، سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش، پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا

(اور وہ باز نہ آئے) بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بے شک (اے محبوب) آپ کا رب ہی عزیز و رحیم ہے۔"

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ۔۔۔۔ فساء مطر المنذرين۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو لوط کو جب آپ نے اپنی قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو، کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کیلئے بیویوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو، پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں، سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے۔ ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہو گی۔"

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولوطا اذ قال لقومه انكم ۔۔۔۔۔ في الارض مفسدين۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں، کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو، تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا: اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔ آپ نے عرض کیا: میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں، اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر، انہوں نے بتایا: ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو۔ بے شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا: اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا: ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں، ہم ضرور بچا لیں گے، اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور فرشتوں نے کہا: نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر، ہم نجات دینے والے ہیں، تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے، اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح

آثار ان لوگوں (کی عبرت) کیلئے جو عقلمند ہیں۔ اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو۔"

✿ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

و ان لوطا لمن المرسلین۔ اذ نجینه و اهله اجمعین۔ الا عجوزا فی الغبرین۔ ثم دمرنا الاخرین۔ وانکم لتمرون علیهم مصبحین۔ وباللیل افلا تعقلون۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔ جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔"

سورۃ ذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ اور انہیں بچے کی بشارت دینے کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال فما خطبکم ایها المرسلون۔ قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین۔ لنرسل علیهم حجارة من طین۔ مسومة عند ربك للمسرفین۔ فاخرجنا من کان فیها من المؤمنین۔ فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین۔ وترکنا فیها ایة للذین یخافون العذاب الالیم۔ ﴿سورۃ الذاریات﴾

ترجمہ: "آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے، تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کیلئے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری بستی) میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی ان لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذبت قوم لوط بالنذر۔ .... فهل من مدکر۔ ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے، ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔ یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو

اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ، پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب ہوا۔ لو اب چکھو میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔"

ہم ان آیات طیبات کے ضمن میں ان واقعات کو تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا ہے۔ قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے ساتھ ان آیات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں صرف آیات اور آثار کی روشنی میں جو کچھ ان کے بارے میں وارد ہوا ہے اور ان پر جو عذاب نازل ہوا ہے اس بارے بیان کریں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا اور انہیں گناہوں اور فحاشی سے روکا جس کا ذکر ہو چکا ہے تو وہ نہ مانے اور ان میں ایک شخص بھی آپ پر ایمان نہ لایا۔ اور ایک ظالم بھی اپنی روش کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوا، بلکہ جس قدر حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں بڑھتی گئیں، اسی قدر ان کی سرکشی، گمراہی اور زیادتیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب وہ تنگ آ گئے اور حق بات سننے کو گوارا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کو ملک بدر کر دینے کی سوچنے لگے۔ ان بے عقلوں نے اپنی مجلس میں جو خطاب کیا وہ یہ تھا:

اخرجوا آل لوط من قریتکم، انهم اناس یتطهرون۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے، یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔"

انہوں نے مدح وستائش کے انداز میں مذمت کرتے ہوئے اللہ کے نبی کو ملک سے نکال دینے کی قرارداد پاس کی۔ اس گفتگو کی وجہ صرف اور صرف ان کی اسلام دشمنی اور کفر پسندی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کو کفر وشرک اور برائی کی آلائشوں سے پاک رکھا، ہاں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی اقتداء سے محروم رہی، اللہ تعالیٰ نے آل لوط کو بہترین طریقے سے اس شہر سے نکالا اور کافروں کو ان گھروں میں لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ان پر سخت لو چلی جو سمندر کی موجوں کی طرح منہ زور اور بدبودار تھی جو در حقیقت لو نہیں تھی بلکہ بھڑکتی آگ کے شعلے اور شدید ترین گرمی تھی جس میں پانی نمکین کھاری تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گستاخی کہ اسے شہر سے نکال دو، اس وقت ہوئی جب آپ نے انہیں بدمعاشی اور بڑے گناہ سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی۔ یہ ایسی برائی تھی جس کا ارتکاب بنی آدم سے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اس جواب کی وجہ سے وہ دنیا والوں کیلئے سامان عبرت ومثال بن گئے۔

قوم میں برائیاں:

لواطت اور دوسری برائیوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں یہ برائی بھی تھی کہ وہ ڈاکہ ڈال کر راہ گیروں سے مال لوٹ لیتے تھے، اپنے دوستوں سے خیانت کرتے اور پھر اپنی مجلسوں میں اور بیٹھکوں میں ان واقعات پر فخر کرتے اور ایک دوسرے کو اپنی بدمعاشیوں اور ظلم و زیادتی کے واقعات مزے لے لے کر سناتے۔ وہ ان مجلسوں میں سرعام ایسی ایسی باتیں کرتے جنہیں سن کر شیطان بھی شرما جائے اور طرح طرح کی برائیاں کر کے اہل مجلس سے داد وصول کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ ان مجلسوں میں ایک دوسرے کے گوز مارنے (یعنی آواز سے ہوا خارج کرنا) میں ذرا بھی شرم محسوس نہ کرتے، بار ہا ایسا بھی ہوتا کہ بھری محفل میں کسی جوان کو لٹا کر بدفعلی شروع کر دیتے اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی، اگر کوئی نصیحت کی بات کرتا بھی تو اسے مذاق میں اڑا دیا جاتا، نہ انہیں گزشتہ گناہوں پر ندامت تھی اور نہ مستقبل میں اس روش کو ترک کر دینے کا خیال تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سخت سزا دی، وہ حضرت لوط علیہ السلام کو کہا کرتے تھے:

ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔"

ان بدبختوں نے اللہ کے نبی سے مطالبہ کیا کہ وہ عذاب الیم لے آئیں اور جس ہلاکت کی باتیں کرتے ہیں اسے کر گزریں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کیلئے بددعا فرمائی اور رب العالمین سے التجاء کی کہ مفسد قوم کے مقابلے میں اس کی مدد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت بھڑک اٹھی۔ اس کی صفت غضب میں جوش آ گیا، دعا قبول فرمائی۔ التجاء کو منظور کر لیا۔ اپنے بزرگ ترین فرشتوں کو بھیجا اور اپنے عظیم المرتبت ملائکہ کو اس قوم کو ہلاکت کا حکم دیدیا۔ ان فرشتوں کا گزر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم کتنے اور کتنے اہم کام کیلئے جا رہے ہیں۔

قال فما خطبکم ایھا المرسلون۔ قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین۔ لنرسل علیھم حجارۃ من طین۔ مسومۃ عند ربک للمسرفین۔ ﴿سورۃ الذاریات﴾

ترجمہ: "آپ نے پوچھا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے، تاکہ برسائیں ہم ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہوئے ہیں۔ آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کیلئے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولما جاءت رسلنا ابرھیم بالبشری قالوا انا مھلکوا اھل ھذہ القریۃ ان اھلھا کانوا ظلمین۔ قال ان فیھا لوطا قالوا نحن اعلم بمن فیھا لننجینہ و اھلہ الا امراتہ کانت من الغبرین۔ ﴿سورۃ عنکبوت﴾

ترجمہ: "اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر، انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو۔ بے شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے آپ نے کہا: اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا: ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں، ہم ضرور بچا لیں گے، اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما ذھب عن ابرھیم الروع و جاءتہ البشری یجادلنا فی قوم لوط۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "پھر جب دور ہو گیا ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے میں۔"

کیونکہ آپ ان کی اجابت اور انابت کے خواہاں تھے آپ چاہتے تھے کہ وہ سر تسلیم خم کر کے دین حنیف کو قبول کر لیں اور جس راستے پر سرپٹ دوڑ رہے ہیں اسے چھوڑ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔"

عذاب سے قبل فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب۔ یا ابراھیم اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک و انھم اتیھم عذاب غیر مردود۔ ﴿سورۃ ہود﴾

"بے شک ابراہیم بڑے بردبار، رحمدل ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔"

اے ابراہیم! اس قصے کو جانے دیجئے اور کسی اور سلسلے میں گفتگو فرمایئے۔ ان کی ہلاکت کا قطعی فیصلہ سنایا جا چکا ہے۔ اب ان کی ہلاکت و بربادی اور ان پر عذاب الیم کا نزول واجب ہو چکا ہے۔ "انہ قد جاء امر ربک" ترجمہ: "یہ حکم اس ذات نے دیا ہے جس کا حکم ٹل نہیں سکتا اور نہ اس کے عذاب کو روکا جا سکتا ہے اور نہ اس کے حکم سے کسی کو مجال سرتابی ہے۔" "و انھم اتیھم عذاب غیر

معدود۔" یعنی "ان پر وہ عذاب آکر رہے گا جس کو پھیرا نہیں جا سکتا۔"

سعید بن جبیر، سدی، قتادہ اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے فرمانے لگے: کیا تم اس گاؤں کو تباہ و برباد کر دو گے جس میں تین سو مومن ہوں؟ عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: جس میں چالیس ہوں؟ کہنے لگے: نہیں۔ آپ نے فرمایا: جس میں دس مومن ہوں کیا وہ گاؤں تباہ ہو گا؟ فرشتوں نے عرض کیا: نہیں وہ بھی تباہ نہیں ہو گا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جس گاؤں میں صرف ایک مومن ہو، اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ فرشتوں نے عرض کیا: جس گاؤں میں صرف ایک مومن ہو اور وہ بھی تباہ نہیں ہو گا۔

قال ان فیھا لوطا قالوا نحن اعلم بمن فیھا۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "آپ نے کہا: اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا: ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔"

اہل کتاب کے ہاں واقعہ یوں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! کیا تو ان کو ہلاک کر دے گا حالانکہ اس میں پچاس نیک لوگ ہیں۔" پھر یونہی یہ سلسلہ دس تک ذکر ہوتا چلا آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر ان میں دس نیک لوگ بھی ہوئے تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔"

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں:

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لما جاءت رسلنا لوطا سیء بھم و ضاق بھم ذرعا و قال ھذا یوم عصیب ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور بڑے پریشان ہوئے ان کی وجہ سے اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔"

مفسرین عظام فرماتے ہیں جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہوئے۔ یہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے، تو آگے بڑھے یہاں تک کہ سدوم کی سرزمین پر پہنچے۔ اب وہ خوبصورت جوانوں کی صورت میں تھے۔ اس سے قوم لوط کا امتحان اور اتمام حجت مقصود تھا۔

ان تینوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے عرض کیا: ہمیں رات رہنے کی جگہ دی جائے، کیونکہ جب وہ سدوم پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو یہ اندیشہ ستانے لگا کہ ابھی میں تین

مہمانوں کا تو یہ بے چارے کسی اور کے ہاں ٹھہرنے پر مجبور ہوں گے۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام انہیں انسان سمجھ رہے تھے۔ "و سیء بھم و ضاق بھم ذرعا و قال ھذا یوم عصیب۔" "آپ بہت پریشان تھے، رہ رہ کر دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ اگر یہ کسی اور کے ہاتھ لگ گئے تو ظالم ان کی بے عزتی کر دیں گے اور اگر میں انہیں ساتھ لے کر چلتا ہوں تو اکیلا ان کی حفاظت نہیں کر سکوں گا، کروں تو کیا کروں، بہت پریشان ہوئے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہم "عصیب" کا معنی "سخت مصیبت والا" کرتے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت لوط علیہ السلام کو رات کے وقت ان کے دفاع کا خیال آیا تو آپ کانپ گئے۔ اور آپ غمگین ہوئے کہ کہیں یہ لوگ ان کے بھی درپے آزار نہ ہو جائیں، جس طرح وہ دوسرے مسافروں سے زیادتی کرتے ہیں۔ اہل سدوم نے حضرت لوط علیہ السلام پر یہ شرط عائد کر رکھی تھی کہ آپ کسی شخص کو مہمان کے طور پر نہیں ٹھہرا سکتے۔ لیکن آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ رات ہو چکی ہے اور اب تو یہ کہیں اور جا بھی نہیں سکتے اور ان کی میزبانی میرا فرض ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے تو فرشتے آئے اور میزبانی کی استدعا کرنے لگے۔ آپ شرم کے مارے انکار نہ کر سکے اور انہیں لے کر چل پڑے لیکن آپ اشاروں میں بار بار انہیں سمجھانے لگے کہ وہ اس گاؤں میں نہ ٹھہریں بلکہ کسی اور بستی میں تشریف لے جائیں۔ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا: خدا کی قسم! دوستو! میں نے روئے زمین پر اس بستی کے لوگوں سے زیادہ خبیث لوگ کہیں نہیں دیکھے، پھر چند قدم چلے تو آپ نے اسی بات کو پھر دہرایا، پھر کھڑے ہوئے اور یہی فرمایا: آپ نے چار مرتبہ انہیں اشاروں کنایوں میں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ واپس ہو جائیں لیکن وہ واپس نہ ہوئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ اس وقت تک انہیں برباد نہ کریں جب تک ان کا نبی ان کے خلاف گواہی نہیں دیتا۔"

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے گاؤں تشریف لے گئے، جب وہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ان کی ملاقات حضرت لوط علیہ السلام کی ایک بیٹی سے ہوئی، جو پانی بھر رہی تھی۔ آپ علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام "ریثا" اور چھوٹی کا نام "ذغرتا" تھا۔ فرشتے لڑکی سے کہنے لگے: اے لڑکی! کیا ہمیں رہنے کیلئے کوئی ٹھکانہ مل سکتا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا: ہاں۔ تمہیں شب باشی کیلئے جگہ مل سکتی ہے۔ ادھر ہی ٹھہرنا اور میری واپسی تک گاؤں میں داخل نہ ہونا۔ دراصل بچی اپنی قوم سے ڈرتی تھی کہ کہیں وہ ان کی بے عزتی نہ کر ڈالیں،

وہ اپنے والد گرامی کے پاس آئی اور کہنے لگی: ابا جان! شہر کے دروازے پر کچھ نوجوان آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان جیسے حسین و جمیل لوگ کسی قوم میں نہیں دیکھے۔ کہیں سدوم کے لوگ انہیں پکڑ نہ لیں اور ان کی بے عزتی نہ کر ڈالیں۔ آپ کی قوم نے آپ کو منع کر رکھا تھا کہ آپ کسی آدمی کو مہمان نہیں بنا سکتے جو بھی آئے گا وہ ہمارا مہمان ہوگا۔ آپ ان تینوں نوجوانوں کو لے آئے اور سوائے گھر والوں کے کسی کو خبر نہ ہوگی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی (جو کافرہ تھی) نکلی اور اپنی قوم کو بتا دیا کہ ہمارے گھر مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں، جو اتنے خوبصورت ہیں کہ ایسے حسین پہلے میری نظر سے نہیں گزرے۔ لوگ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے۔ "و من قبل کانوا یعملون السیئات" یعنی "اس کے ساتھ ساتھ ان میں اور بھی بہت سارے گناہ کبیرہ موجود تھے جو پہلے سے کیا کرتے تھے۔" "قال یا قوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم" یعنی "لوط نے کہا: اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لیے۔"

آپ ان کی رہنمائی فرماتے ہیں کہ وہ عورتوں سے نکاح کر کے اپنی شہوت کی پیاس کو جائز طریقے سے بجھائیں۔ آپ نے "میری بیٹیاں" فرمایا کیونکہ شرعاً امت کی تمام بیٹیاں آپ کی بیٹیاں ہی شمار ہوتی تھیں، کیونکہ نبی اپنی امت کا والد ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں بھی ہے نیز قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے: "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم" ترجمہ: "نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہے، اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

بعض صحابہ کرام اور اسلاف کے قول میں یہ بات بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ مومنین کے باپ ہیں، یہ بعینہٖ اس طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اتاتون الذکران من العلمین۔ و تذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عدون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "کیا تم بدفعلی کیلئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں، بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔"

مجاہد، سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق کا یہی نظریہ ہے کہ اور یہی صحیح ہے۔ دوسرا قول غلط ہے کیونکہ وہ کتاب سے ماخوذ ہے اور اہل کتاب اکثر تاریخی غلطیاں کر چکے ہیں جیسا کہ اسی قصہ میں وہ فرشتوں کی تعداد دو بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کے ساتھ کھانا نہ کھایا۔ اس قصہ کو بیان کرنے میں اہل کتاب نے بہت غلطیاں کی ہیں۔

فاتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید۔ ﴿سورۃ ہود﴾

اس آیت کریمہ میں غیر مناسب فعل سے انہیں روکا جا رہا ہے اور ان کے خلاف شہادت دی جا رہی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص بھی پرہیزگار اور نیک صالح نہیں۔ بلکہ تمام بے وقوف، فاجر، فاسق اور انتہائی درجے کے کافر اور فتنی ہیں۔ ملائکہ پوچھنے سے پہلے یہ تو حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔ آپ کی قوم پر خدائے تمید و مجید کی لعنت ہو، اپنے نبی کو جواب دینے لگی اور اسی چیز کی خواہش کرنے لگی جس سے آپ منع فرما رہے تھے۔

قوم کی بے غیرتی کی انتہاء:

لقد علمت ما لنا فی بنتک من حق و انک لتعلم ما نرید۔ ﴿سورۃ ہود﴾

بدبخت کہنے لگے: لوط! آپ جانتے ہیں کہ ہم عورتوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ آپ ہمارا مقصد اور مدعا تو جانتے ہی ہیں، وہ اپنے پیغمبر کے سامنے فحش کلام کرنے لگے اور اللہ بزرگ و برتر جو سخت عذاب دے سکتا ہے کی پکڑ سے نہ ڈرے۔ اسی لیے حضرت لوط علیہ السلام فرمانے لگے:

"لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید" ﴿سورۃ ہود﴾

اے کاش! میرے پاس ان کے مقابلے کی قوت ہوتی، میرا کوئی سہارا ہوتا۔ خاندان کے چند افراد ان کے خلاف میری امداد کرتے تو میں اس بکواس پر انہیں وہ سزا دیتا جس کے یہ مستحق ہیں۔

امام زہری، حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت زیادہ شک کا حق رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ آپ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لینے لگے تھے، اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں ضرور بلانے والی کی بات مان لیتا۔ (یعنی فوراً قید سے نکل کر اس کے ساتھ چل پڑتا۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو حضرت لوط علیہ السلام پر کہ آپ مضبوط سہارے کی پناہ حاصل کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی۔ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی مبعوث فرمایا وہ اپنی قوم میں صاحب ثروت نبی بن کر آیا۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و جاء اھل المدینۃ یستبشرون۔ قال ان ھؤلاء ضیفی فلا تفضحون۔ و اتقوا اللہ

ولا تخزون۔ قالوا اولم ننھک عن العلمین قال ھؤلاء بنتی ان کنتم فاعلین۔ ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: "اتنے میں آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انہیں) کہا (ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں ان کے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو، وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملے میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو۔)"

آپ نے انہیں سمجھایا کہ عورتوں سے نکاح کرو اور اس برے راستے کو چھوڑ دو لیکن آپ کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ وہ نہ رکے اور ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی، بلکہ جس قدر آپ نے انہیں روکا اسی قدر وہ بڑھتے چلے آئے اور مہمانوں کو بے عزت کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ وہ خواہش کے منہ زور گھوڑے کے ہاتھوں مجبور مہمانوں کی حصول میں کوشاں تھے لیکن تقدیر کے لکھے سے بالکل غافل۔ نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ آنے والی صبح کی روشنی میں چھپی ہلاکت سے بے خبر حضرت لوط علیہ السلام کو اذیت دینے میں کوشاں تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھا کر فرماتا ہے:

لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون۔ ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: "(اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم! یہ (اپنی طاقت کے نشے میں) بدمست ہیں (اور بہکے بہکے پھر رہے ہیں۔)"

✿ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد انذرھم بطشتنا فتماروا بالنذر۔ و لقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا عذابی و نذر۔ ولقد صبحھم بکرۃ عذاب مستقر۔ ﴿سورۃ القمر﴾

ترجمہ: "اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ، پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔"

مفسرین کرام کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو گھر میں داخل ہونے سے روکتے رہے اور کوشش کرتے رہے۔ دروازہ بند تھا۔ کفار اس کو کھولنا چاہتے تھے اور اس میں داخل ہو کر مہمانوں کو بے عزت کرنے کی کوشش میں تھے۔ آپ دروازے کے پیچھے سے انہیں نصیحت فرماتے رہے اور

اس برائی سے روکتے رہے۔ آپ ان کی جتنی منت سماجت کر سکتے تھے کرتے رہے لیکن ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی، جب امید کے سب چراغ گل ہوتے دکھائی دینے لگے اور حالات نے نازک صورت اختیار کر لی تو آپ نے فرمایا:

لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی تو میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔" تو میں تم پر ضرور عذاب نازل کرتا۔ ملائکہ کہنے لگے: "یلوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک" یعنی "اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔"

آنکھوں کی روشنی ختم:

روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام باہر تشریف لائے اور انہوں نے اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں حتیٰ کہ ان کی نظر بالکل ختم ہو گئی نہ تو انہیں کوئی مکان نظر آتا نہ کنواں اور نہ راستے کے نشانات، وہ دیواروں کو ٹٹول ٹٹول کر گھر پہنچے۔ بدبخت اب بھی اللہ کے رسول کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ ٹھیک ہے کل آپ سے نمٹ لیں گے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا عذابی و نذر و لقد صبحھم بکرۃ عذاب مستقر

ترجمہ: "اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔"

حضرت لوط علیہ السلام کا شہر چھوڑ کر جانا:

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتے مخاطب ہوئے کہ رات کے آخری پہر اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے۔ "ولا یلتفت منکم احد" "اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی نہ دیکھے، جب تم اس قوم پر نازل عذاب کی آواز سنو تو پیچھے مت دیکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ گھر والوں کے پیچھے چلنا جس طرح کہ چرواہا بھیڑوں کے پیچھے چلتا ہے۔ "الا امراتک" مگر اپنی بیوی کو ساتھ لے جائیے۔ یہ معنی اس صورت میں ہوگا جب اس کو منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھیں گے اور "فاسر باھلک" کا مستثنیٰ بنائیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ

اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جاتا۔ یہاں ایک اور احتمال بھی ہے کہ "الا یلتفت منکم احد" مستثنیٰ منہ ہو اس صورت میں مفہوم یہ بنے گا کہ آپ کی بیوی پیچھے مڑ کر دیکھے گی اور وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوگی۔ دوسری صورت میں "اسر اہلك" (پیش کے ساتھ) ہوگا لفظی اعتبار سے تو دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے لیکن معنی میں پہلی ترکیب زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام "والہہ" تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام "والغہ" تھا۔ فرشتے ان باغیوں، سرکشوں، ملعونوں اور برائی میں اپنی مثال آپ لوگوں کی ہلاکت کی بشارت دیتے ہوئے کہنے لگے: "ان موعدھم الصبح الیس الصبح بقریب"

ترجمہ: "ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں صبح (بالکل) قریب؟"

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکلے دو بیٹیوں کے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ واللہ اعلم

جب حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی بیٹیاں شہر چھوڑ کر دور نکل گئے اور سورج طلوع ہوا، اور ابھی سورج کی ٹکیہ مطلع پر نمودار ہی ہوئی تھی کہ خدائی فیصلہ آگیا جسے لوٹایا نہیں جا سکتا تھا اور اس عذاب شدید کے آثار نظر آنے لگے، جس سے بچنا ممکن نہیں تھا۔

اہل کتاب کی روایت کے مطابق فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے عرض کیا: آپ قریب کے اس پہاڑ پر چڑھ جائیں، لیکن انہیں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا مشکل نظر آیا۔ اس لیے آپ نے فرشتوں سے کہا: وہاں سے قریب کے اس شہر میں جانے دیں۔ فرشتے کہنے لگے: ٹھیک ہے۔ ہم آپ کا انتظار کریں گے حتیٰ کہ آپ شہر پہنچ کر وہاں قیام پذیر ہو جائیں، ہم آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے عذاب نازل نہیں کریں گے۔ آپ "صوعر" نامی بستی میں تشریف لے گئے جسے لوگ غور و غر کہتے ہیں، جب سورج چمکنا شروع ہوا تو عذاب کا نزول ہونے لگا۔

زمین کو الٹ دیا گیا اور پتھروں کی بارش:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل منضود مسومۃ عند ربك وما ھی من الظالمین ببعید۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کی بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے اور

انہیں (لوط کی) بستی (کے) ظالموں سے کچھ دور۔"

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر کے ایک کنارے سے ان بستیوں کو بنیادوں سے اکھیڑا جو تعداد میں سات تھیں اور جن میں کئی قبیلے آباد تھے۔ بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ ان میں چار سو آدمی بستے تھے۔ ایک قول ہے کہ ان بستیوں کے مکینوں کی تعداد چار ہزار تھی، ان میں جو حیوانات تھے اور مضافات کے کھیت، کھلیان اور میدان سب کو یکبارگی اٹھا لیا گیا اور آسمان تک بلند کیا گیا۔ حتیٰ کہ فرشتوں نے ان کی مرغوں کی اذانیں سنیں اور کتوں کا بھونکنا سنائی دینے لگا، پھر بستیوں کو کافروں پر الٹ دیا گیا۔ اوپر کی زمین نیچے ہو گئی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جن لوگوں پر زمین کو الٹایا گیا وہ ان کے شرفاء شمار ہوتے تھے۔ "و امطرنا علیھا حجارۃ من سجیل" "سجیل" فارسی زبان کا لفظ ہے جسے اب عربی میں عام استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا معنی سخت ٹھوس اور مضبوط ہے۔ "منضود" مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے۔ مقصد یہ ہے یہ پتھراؤ مسلسل تھا۔ پتھر یکے بعد دیگرے موسلا دھار بارش کی صورت میں برس رہے تھے۔ "مسومۃ" یعنی نشان زدہ، ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر آ کر اس نے گرنا تھا اور اس کو نیست و نابود کرنا تھا۔ جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

مسومۃ عند ربك للمسرفین۔ ﴿سورۃ الذاریات﴾

ترجمہ: "جن پر نشان لگے ہوئے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کیلئے۔"

✿ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

و امطرنا علیھم مطرا فساء مطر المنذرین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے برسائی ان پر پتھروں کی بارش پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے۔)"

✿ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و المؤتفکۃ اھوی۔ فغشاھا ما غشی فبای آلاء ربك تتماری۔ ﴿سورۃ النجم﴾

ترجمہ: "اور (لوط کی) الٹی ہوئی بستی کو بھی پٹخ دیا، پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔ پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا۔"

یعنی اس بستی کو الٹ کر دے مارا جس سے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ اور پھر اس پر پکے ہوئے نشان زدہ پتھروں کی بارش شروع ہوگئی۔ ہر پتھر پر اس منکر خدا کا نام لکھا ہوا تھا جس

سے اس نے ہلاک ہونا تھا، جو وہاں حاضر تھا ان پر بھی پتھر گرے اور وہ ہلاک ہوئے اور جو مسافر تھے یا شہر سے دور بھاگ جانے کی غرض سے بستی سے باہر تھے، یا کسی اور وجہ سے الگ ہو گئے تھے سب کے نام ایک ایک پتھر تحریر تھا جو گرا اور جہاں وہ تھے انہیں نیست و نابود کر چھوڑا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی عذاب سے ہلاک

کہا جاتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بستی میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند اور بیٹیوں کے ساتھ نکلی لیکن جب قوم کی چیخ و پکار اور بستی کے الٹنے کی آواز سنی تو پیچھے مڑ کر اپنی قوم کو دیکھنے لگی اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس کے منہ سے "واقوماہ" ہائے میری قوم کے الفاظ نکلے۔ اس وجہ سے اس پر بھی ایک پتھر گرا اور وہ بھی ہلاک ہو کر اپنی قوم کے ساتھ مل گئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھی بلکہ کافرہ تھی اور جو کوئی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آتا اس کی اطلاع قوم کو جا دیتی تھی۔

✿ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ ﴿سورۃ التحریم﴾

ترجمہ: "بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے خیانت کی پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلے میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے، اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔" یعنی ان دونوں عورتوں نے اپنے شوہروں کی دین میں خیانت کی اور دینی معاملات میں ان کی پیروی کی سعادت حاصل نہ کر سکیں۔ اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں حاشا وکلا کہ وہ فاحشہ تھیں۔

کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کیلئے کبھی ایسی بیوی مقدر نہیں فرماتا جو فاحشہ ہو، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ آئمہ سلف نے فرمایا ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کوئی اخلاقی برائی نہیں کی، جس شخص نے خیانت کا معنی زنا لیا ہے اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واقعہ افک کے بارے میں ارشاد فرمایا جبکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے اہل افک نے کہا جو کہا اور جو ان کی شان میں گستاخی کی اس پر زجر و توبیخ فرمائی۔ انہیں جھنجھوڑا، نصیحت کی اور احتیاط برتنے کی تلقین کی:

اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون .... بہتان عظیم۔ ﴿سورۃ النور﴾

ترجمہ: "(جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم تو نہ تھا، نیز تم خیال کرتے کہ یہ بات معمولی ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اپنے نبی کو ایسی عورت سے شادی کرائے جو اچھے اخلاق کی مالک نہ ہو۔

لوطی کی شرعی سزا:

وما ھی من الظالمین ببعید یعنی "اور وہ پتھر ان ظالموں سے دور نہیں۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قوم لوط کا طریقہ اختیار کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان سے یہ عذاب کچھ دور نہیں ہے۔ اسی لیے بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کی سزا رجم ہے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ حضرت امام شافعی، حضرت احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا تو قطعی فیصلہ یہی ہے۔

یہ علماء دلیل میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اہل السنن کی عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ عن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی سند سے روایت کردہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جس شخص کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔"

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کو بلند پہاڑ پر کھڑا کر کے دھکا دے دیا جائے اور اوپر سے پتھروں کی بارش کر کے ختم کر دیا جائے۔ جیسا کہ قوم لوط کی قوم کو سزا ملی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "وما ھی من الظالمین ببعید" یعنی اور وہ پتھر ظالموں سے کچھ دور نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس بستی میں اتنی گرمی پیدا فرما دی ہے کہ نہ تو اس علاقے کے پانی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ارد گرد کی دیکھی زمینوں سے کوئی فصل اگائی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ لوگ بہت گنہگار اور کمینے تھے۔ اس لیے یہ قوم آنے والوں کیلئے عبرت، نشانی نصیحت اور اللہ کی قدرت پر نشانی بن گئی ہے۔ آج بھی یہ علاقہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ جو اس

کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں، اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں، اپنے مالک کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو صفحۂ ہستی سے بہت بری طرح مٹا دیا جاتا ہے اور جو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں ان پر خصوصی رحمت کی جاتی ہے اور ہلاکت خیزی سے انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے، وہ خوش قسمت اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آ جاتے ہیں۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان فی ذالک لآیۃ۔ وما کان اکثرھم مومنین۔ وان ربک لھو العزیز الرحیم۔
﴿سورۂ شعراء﴾

ترجمہ: "بے شک اس میں نشانی ہے، اور ان سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے، اور بیشک آپ کے رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاخذتھم الصیحۃ مشرقین۔ فجعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل۔ ان فی ذالک لآیات للمتوسمین و انھا لبسبیل مقیم۔ ان فی ذالک لآیۃ للمؤمنین۔ ﴿سورۂ الحجر﴾

ترجمہ: "پس آ لیا ان کو ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا، پس ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا، اور ہم نے برسائے ان پر کنکر کے پتھر، بے شک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں۔ غور و فکر کرنے والوں کیلئے، اور بے شک یہ بستی ایک آباد راستے پر واقع ہے۔ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کیلئے۔"

مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی فراست اور غور و خوض کی نظر سے انہیں دیکھے گا اور سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ آخر کس وجہ سے یہ شہر اور ان میں بسنے والے نیست و نابود ہو گئے اور آج صرف ان کے کھنڈر اور اجاڑ و ویران بستیاں موجود ہیں، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ غلط کاری نے انہیں نیست و نابود کر دیا اور ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

(جیسا کہ ترمذی کی ایک مرفوع حدیث سے ظاہر ہے۔) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اتقو فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ" یعنی "مومن کی فراست سے ڈرو، بے شک وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی "ان فی ذالک لآیات للمتوسمین۔"

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: "وانھا لبسبیل مقیم" ترجمہ: "کھلا راستہ جس پر آج تک قافلے رواں دواں ہیں۔"

✿ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

و انکم لتمرون علیھم مصبحین۔ و باللیل افلا تعقلون۔ ﴿سورۂ الصافات﴾

ترجمہ: "اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت، کیا تم نہیں سمجھتے۔"

✿ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد ترکنا منھا آیۃ بینۃ لقوم یعقلون۔ ﴿سورۂ عنکبوت﴾

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کیلئے جو عقل مند ہیں۔"

✿ اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین۔ فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین۔ و ترکنا فیھا آیۃ للذین یخافون العذاب الالیم۔ ﴿سورۂ الذاریات﴾

ترجمہ: "ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو، پس نہ پایا ہم نے اس (ساری بستی) میں بجز ایک مسلم گھر کے، اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی ان لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

یعنی ہم نے اسے عبرت و نصیحت کا سامان بنا دیا، ان لوگوں کیلئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور خلوت میں بھی اپنے رب کا خوف انہیں برائی سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ یہ سوچ کر کانپ جاتے ہیں کہ کل انہیں بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہے۔ وہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہیں کرتے۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے دامن بچا کر چلتے ہیں اور گناہوں کو ترک کر دیتے ہیں جب وہ ان نشانات کو دیکھتے ہیں تو خوف کے مارے کانپ جاتے ہیں کہ کہیں انہیں بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب نہ آ لے، کیونکہ جو ان کا طریقہ اپناتا ہے وہ انہی میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ پوری طرح ان میں سے نہیں ہوتا لیکن معمولی سی مشابہت بھی ہلاکت و بربادی کیلئے کافی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" یعنی جس نے جس قوم سے مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔" اس سوچ کی وجہ سے ان کا دامن اس گناہ سے آلودہ نہیں ہونے پاتا۔

☆ کسی شاعر نے کہا ہے:

فان لم تکونوا قوم لوط بعینهم

فما قوم لوط منکم ببعید

ترجمہ: ''اگرچہ آپ بعینہ قوم لوط تو نہیں ہیں مگر قوم لوط تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔''

ایک عقلمند، صاحب فکر، سمجھدار اور اپنے رب سے ڈرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن احکام کو بجالانے کی تعلیم دی ہے، انہیں قبول کرتا ہے۔ وہ خواہشات کا غلام نہیں ہوتا بلکہ شریعت مطہرہ کی پابندی کرتا ہے۔ وہ صرف اپنی منکوحہ بیوی یا اپنی لونڈیوں سے اپنی جنسی ضرورت پوری کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے حلال کر دیا ہے۔ وہ شیطان مردود کی پیروی نہیں کرتا، تاکہ کہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں نہ آجائے اور ان لوگوں میں شمار نہ ہونے لگے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما هي من الظالمین ببعید ترجمہ: ''اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام

سورۂ اعراف اللہ تعالیٰ قوم لوط کے بعد قوم مدین کے قصہ کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن میں تذکرہ:

والی مدین اخاهم شعیبا ...... فکیف آسی علی قوم کافرین۔ (پ ۹ سورۃ الاعراف)

ترجمہ: ''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ بے شک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ اور اگر گروہ تمہیں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان کی قوم سے یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹنا ہوگا ہماری ملت میں شعیب نے کہا اگرچہ ہم اس کو ناپسند بھی کرتے ہوں پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لیے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے رب فیصلہ فرمادے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے پھر پکڑ

لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے۔ تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچا دیے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر۔

✿ سورۂ ہود میں حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرمان خداوندی ہے:

والی مدین اخاهم شعیبا .... کما بعدت ثمود۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: ''اور اہل مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں، میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دینے سے وہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔ قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں۔ (از راہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو۔ آپ نے کہا میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرے بس میں ہے اور نہیں میرا دعویٰ مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ہرگز نہ کمائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار

کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اس کو اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور اب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنی گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لیے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود۔''

وان کان اصحاب الایکۃ لظالمین فانتقمنا منھم و انھما لبامام مبین۔ ﴿سورۃ الحجر﴾

ترجمہ: ''اور بیشک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔''

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کذب اصحاب الایکۃ المرسلین۔ .... ان ربک لھو العزیز الرحیم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔ جب فرمایا: انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا کیا تمہیں اور پہلی مخلوق کو۔ انہوں نے کہا تم تو ان میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری طرح اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) تو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم سچوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ واقعی یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بیشک اس میں بھی نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ

ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

اہل مدین کا تعارف:

اہل مدین عرب قوم تھے جو اطراف شام میں ارض معان کے قریب ایک بستی "مدین" میں رہائش پذیر تھے۔ یہ علاقہ حجاز مقدس سے ملتا ہے اور بحیرہ قوم لوط کے بالکل قریب پڑتا ہے۔

اہل مدین کا عرصہ بھی قوم لوط کے بالکل قریب کا ہے۔ دراصل مدین کی وجہ تسمیہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہے۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام ابن میکیل بن یشجن ان کی ہدایت کے لیے تشریف لائے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سریانی میں حضرت شعیب علیہ السلام کا اسم گرامی "یترون" ہے لیکن اس میں تامل ہے۔

شجرہ نسب:

حضرت شعیب علیہ السلام کے سلسلہ نسب میں بھی اختلاف ہے بعض نساب کہتے ہیں۔ شعیب بن یشخر بن لاوی بن یعقوب۔ بعض کے نزدیک شعیب بن نویب بن عیفا بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض کے نزدیک، شعیب بن صیفور بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے اقوال ہیں۔

ابن عساکر نے کہا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک حضرت شعیب علیہ السلام کی دادی اور بعض کے نزدیک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں ہیں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت فرمائی اور انہیں کی معیت میں دمشق تشریف لے گئے۔

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ملغم اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ ان دونوں جوانوں نے آپ کے معیت میں شام کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ملغم کی شادی حضرت لوط علیہ السلام کی دونوں بچیوں سے فرمائی۔ اسے ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علامہ ابن عبدالبر "الاستیعاب" میں حضرت سلمہ بن سعد العنزی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کرتے

ہیں کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور بتایا کہ میں عنزہ قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عنزہ کیا ہی اچھا قبیلہ ہے جس کے ساتھ زیادتی ہو یہ ان کی مدد کرتے ہیں یہ قبیلہ حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سسرال ہے۔"

اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر ہیں۔ اور آپ کا تعلق عرب عاربہ سے ہے جسے عنزہ کہتے ہیں اس سے عنزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان مراد نہیں ہے کیونکہ یہ تو بہت بعد میں ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار انبیاء کا تعلق عرب قوم سے ہے: حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور تیرے نبی اے ابوذر۔"

خطیب الانبیاء:

بعض سلف صالحین حضرت شعیب علیہ السلام کو "خطیب الانبیاء" کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ یعنی آپ علیہ السلام نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔ اور جب اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے اور ایمان برسالت کی تلقین کرتے تو عبارت نہایت ہی بلند اور معنی خیز ہوتی۔

ابن اسحاق، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: "آپ علیہ السلام خطیب الانبیاء تھے۔"

قوم کی خرابیاں:

اہل مدین کافر تھے۔ اور ڈاکہ زنی ان کا روز کا معمول تھا۔ وہ راہ گیروں کو خوف زدہ رکھتے۔ "ایکہ" (درخت) کی عبادت کرتے جو ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے آس پاس گھنا جنگل تھا۔ یہ لوگ معاملات میں تمام لوگوں سے برے تھے۔ ناپ تول میں کمی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ وہ کسی صورت بھی ڈنڈی مارنے سے نہیں چوکتے تھے۔ جب دیتے تو کم دیتے لیتے تو زیادہ ہتھیانے کی کوشش کرتے۔ لوگوں کو ناقص چیزیں دیتے لیکن رقم عمدہ مال کی لے لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انہیں میں سے اپنا رسول بھیجا جن کا اسم گرامی حضرت شعیب علیہ السلام تھا۔ آپ نے انہیں عبادت خداوندی کی طرف بلایا۔ اور انہیں بتایا کہ معبود صرف ایک ہی ہے اور اس کی الوہیت اور قدرتوں میں کوئی شریک نہیں۔ آپ نے انہیں تلقین فرمائی کہ بدمعاملگی اور گناہ کی روش کو چھوڑ دو۔ لوگوں کو لوٹنا اور انہیں مختلف طریقوں سے مالی پریشانیوں میں

مبتلا کرنا چھوڑ دو۔ آپ کے وعظ و تلقین سے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے لیکن اکثر کافر ہی رہے۔ حتیٰ کہ اللہ نے کفر و عصیاں کی پاداش میں انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور وہ ولی حمید ہے۔

❁ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

والی مدین اخاھم شعیبا۔ قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔ قد جاء تکم بینۃ من ربکم۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ بیشک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔" "بینۃ" کا معنی دلالت، اور واضح حجت ہے۔

یعنی میرے پاس اپنے پیغام کی حقانیت کے لیے برہان قاطع ہے۔ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔ لیکن ان کی تفصیل ہمارے پاس موجود نہیں۔ صرف یہی لفظ نشان دہی کرتا ہے کہ آپ کو معجزات بھی عطا کیے گئے تھے۔

قوم کو تبلیغ

❁ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔"

آپ نے انہیں حکم دیا کہ عدل و انصاف سے کام لو اور منع فرمایا کہ ظلم و زیادتی کے طریقے چھوڑ دو۔ آپ نے انہیں دھمکی دی اور تنبیہ فرمائی کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔

ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین۔ ولا تقعدوا بکل صراط۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور مت بیٹھا کرو راستوں پر۔" یہ لوگ راہ گیروں سے چنگی لیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدین کے لوگ بہت ظالم تھے۔ راہ پر بیٹھ کر لوگوں کو لوٹا کرتے تھے۔ یعنی ان سے ٹیکس اور چنگی لیتے تھے۔ چنگی کی ابتداء انہیں سے ہوئی۔ "و تصدون عن سبیل اللہ من آمن بہ و تبغونھا عوجا۔" یعنی "کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے

ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔"

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں حسی اور دنیوی ڈاکہ زنی سے بھی روکا اور معنوی اور دینی ڈاکہ زنی سے بھی احتراز کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا:

و اذکروا اذ کنتم قلیلا فکثرکم وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے۔ پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا۔"

انہیں یاددہانی کرائی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت فرمائی ہے۔ تم بہت کم تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا۔ لہٰذا تمہیں اس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اگر تم نے صراط مستقیم کی پیروی نہ کی اور جو رہنمائی کی گئی ہے اس کی مخالفت کی تو تمہیں بھی پہلی قوموں کی طرح نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

❁ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا:

ولا تنقصوا المکیال و المیزان۔ انی اراکم بخیر و انی اخاف علیکم عذاب یوم محیط۔ ﴿سورۃ ھود﴾

ترجمہ: "اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں، میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں اور کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔"

یعنی جس سواری پر تم سوار ہو اس سے اتر آؤ، اگر تم اسی راستے پر چلتے رہے تو مجھے خوف ہے کہ تمہارے مال سے اللہ تعالیٰ برکت اٹھا لے گا اور تمہیں فقر و افلاس میں مبتلا کر دے گا۔ اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور جسے دنیوی اور اخروی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گیا اور آخرت میں بھی خالی ہاتھ رہ جائے گا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں کم تولنے کی لعنت سے منع فرمایا کہ یہ چیز انسان کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے ہم جنس لوگوں سے دھوکا کرے۔ آپ نے انہیں خبردار فرمایا کہ باز نہ آئے تو اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہیں اس دنیا میں میسر ہیں اور آخرت میں بھی عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پھر آپ حکم کے لہجے میں ان سے مخاطب ہوئے اور ضد اور ہٹ دھرمی پر انہیں جھڑکتے ہوئے فرمایا:

و یا قوم اوفوا المکیال و المیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین وما انا علیکم بحفیظ

﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے، جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیے سے وہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔"

حضرت حسن بصری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: "بقیۃ اللہ خیر لکم" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق لوگوں سے ہتھیائے گئے مال سے بہتر ہے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ناپ تول پورا کرنے کے بعد جو تمہیں نفع میں بچے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں سے لیتے ہو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے اور یہی قصہ بیان کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مشابہت رکھتا ہے:

قل لا یستوی الخبیث و الطیب و لو اعجبک کثرۃ الخبیث۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت۔"

یعنی حلال اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو وہ حرام سے بہتر ہے جو مقدار میں بہت زیادہ ہو، کیونکہ حلال میں اللہ تعالیٰ کی برکت ہوتی ہے اور حرام جتنا بھی زیادہ ہو وہ مٹ جانے والی چیز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات" ترجمہ: "مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سود کتنا زیادہ کیوں نہ ہو اس کا انجام ہمیشہ کمی ہی ہوتا ہے۔" (اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو اختیار ہے، یہاں تک کہ جدا نہ ہو جائیں، اگر دونوں سچے ہیں اور مال کے بارے میں سچی بات بتا چکے ہیں تو دونوں کے کاروبار میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولا ہے اور مال کے عیب چھپاتے رہے ہیں تو کاروبار برکت سے محروم رہ جائے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ حلال نفع میں برکت ہوتی ہے اگرچہ وہ تھوڑا ہو اور حرام کمائی زیادہ ہو تو بھی

نفع بخش ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تلقین فرمائی: "بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین۔" اور "وما انا علیکم بحفیظ" کا معنی یہ ہے کہ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے بجا لاؤ۔ نیکی کا کام کرتے وقت تمہارے پیش نظر ثواب کی امید ہونی چاہیے۔ ریاکاری اور محض دوسروں کی خاطر پرہیزگار بننے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

قوم کا جواب:

قالوا یا شعیب اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالنا مانشاء۔ انک لانت الحلیم الرشید۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "قوم نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جنہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں (ازراہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو۔"

انہوں نے ازراہ تمسخر اور حقارت کے لہجے میں کہا کیا یہ نماز جو تم پڑھتے ہو یہ تمہیں حکم دیتی ہے کہ تم ہمیں ایک (درخت) کی عبادت سے روکتے ہو اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب اور معبودوں کو ترک کرنے کی تلقین کرتے ہو؟ کیا ہم اپنی مرضی کے مطابق باہم معاملات انجام نہ دیں، تمہارے کہنے سے کیا کاروباری تجربات کو کام میں لانا چھوڑ دیں اگرچہ ہمیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے؟ "انک لانت الحلیم الرشید" کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، میمون بن مہران، ابن جریج، زید بن اسلم، ابن جریر فرماتے ہیں کہ قوم شعیب نے یہ الفاظ استہزاء کہے۔

✿ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

قال یا قوم ارأیتم ان کنت علی بینۃ من ربی ورزقنی منہ رزقا حسنا۔ وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی اور میں بھی نہیں چاہتا کہ (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے اور نہیں ہے میرا اراوہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

آپ ان سے گفتگو کرنے میں نہایت نرمی برتتے رہے ہیں اور بہت واضح اشاروں سے انہیں

دعوت حق دے رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: اے حق کی تکذیب کرنے والو! ذرا یہ تو بتاؤ "ان کنت علی بینه من ربی" ترجمہ: "اگر میرے پاس دلیل ہو اور میں ثابت کر سکوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" "ورزقنی منه رزقا حسنا" اور اس نے مجھے اپنی جناب سے عمدہ رزق یعنی نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے اور پھر بھی تم مجھے جھٹلا دیتے ہو اور تم نے نبوت کی معرفت سے آنکھیں بند کر لی ہیں تو بتاؤ میں تمہارا کیا کروں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ایسا ہی فرمایا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

"وما ارید ان اخالفکم الی ما انهاکم عنه" کا مطلب یہ ہے کہ میں کبھی بھی تمہیں ایسے کام کا حکم نہیں دوں گا جسے میں خود نہ کروں۔ میں تمہیں جو حکم دوں گا سب سے پہلے اس پر خود عمل کر کے دکھاؤں گا اور جب تمہیں کسی چیز سے روکوں گا تو پہلے خود اس سے رک کر دکھاؤں گا اور یہ نہایت عظیم اور پسندیدہ خصلت ہے اور اس کے برعکس قول و فعل میں تضاد بہت بری اور مذموم عادت ہے۔ جیسا کہ آخری دور میں علماء بنی اسرائیل اور ان کے جاہل خطباء قول و فعل کے تضاد میں مبتلا ہو گئے تھے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔" (ہم نے اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔) ہم نے وہاں ایک حدیث بھی پیش کی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

بے عمل واعظین کا انجام:

صحیح بخاری میں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی آنتریاں اس کے پیٹ سے نکل کر لٹکنے لگیں گی۔ وہ ان کے اردگرد گھومنا شروع کر دے گا جس طرح گدھا چکی کے اردگرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے اردگرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے۔ اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں بھلائی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے منع نہ کرتا تھا؟ وہ کہے گا: ہاں میں تمہیں بھلائی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا اور تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

یہ وہ خصلت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مخالفین فاجر اور بدبخت لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن شریف لوگوں اور عقل مند علماء جو غائبانہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں ان کا حال وہی ہے

✿ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں:

و ما ارید ان اخالفکم الی ما انهاکم عنه ان ارید الا الاصلاح ما استطعت ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "میں تمہیں جو بھی حکم دیتا ہوں اس میں صرف تمہاری اصلاح مقصود ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری کوشش اور محنت سے تمہارے گفتار اور کردار میں تبدیلی آ جائے۔"

حضرت شعیب علیہ السلام ترغیب سے ترہیب کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں:

و یا قوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم هود او قوم صالح وما قوم لوط منکم ببعید۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور اے میری قوم! ہرگز نہ کمائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔"

یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت اور میرے پیغام سے عداوت تمہیں ہمیشہ کی گمراہی، جہالت اور مخالفت پر ابھارے اور اس کی پاداش میں تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے جو تم جیسے سرکشوں اور کافروں پر نازل ہو چکا ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام کی قوموں کے مکذبین اور مخالفین پر۔

اور آیت "وما قوم لوط منکم ببعید" کے متعلق کہا گیا ہے کہ قوم لوط کا زمانہ تم سے زیادہ دور نہیں۔ ان سرکشوں اور کافروں پر جو عذاب نازل ہوا، تم اس سے واقف ہو۔ دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ ان کی بستیاں اور مکان تم سے دور نہیں۔ ایک تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ تمہارے کرتوت اور تمہاری بداعمالیاں ان سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ تم بھی رہزن ہو۔ لوگوں سے زبردستی مال چھین لیتے ہو اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے دولت چھپانے کی فکر میں رہتے ہو۔ ان تمام اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے۔ قوم لوط وقت، جگہ اور صفات تینوں لحاظ سے ان سے کچھ دور اور مختلف نہ تھی۔

✿ حضرت شعیب علیہ السلام نے ترغیب و ترہیب کے ملے جلے لہجے میں فرمایا:

و استغفروا ربکم ثم توبوا الیه ان ربی رحیم ودود۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے، پھر رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔"

یعنی تم جس لعنت میں مبتلا ہو اسے ترک کر دو اور رحیم اور پیار کرنے والے اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ وہ اتنا مہربان ہے کہ جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اسے اپنی رحمت میں لے لیتا

ہے وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے" "ودود" کا معنی حبیب ہے۔ توبہ کے بعد بھی وہ اپنے بندوں سے پیار فرماتا ہے اور بڑے گناہوں کرنے کے باوجود بھی ان سے منہ نہیں موڑتا۔

قالوا یا شعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول و انا لنراک فینا ضعیفا ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔"

حضرت سفیان ثوری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نظر کمزور تھی۔ اسی لیے انہوں نے کہا: تو ہم میں کمزور ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا محبت الٰہی میں رونا:

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام محبت خداوندی میں اتنے روئے کہ بینائی جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر سے قوت بینائی عطا فرمادی اور فرمایا: اے شعیب! کیا تم جہنم کے خوف سے روتے ہو؟ یا جنت کے شوق میں آہ وفغاں کرتے ہو؟ آپ نے عرض کیا: نہ میں جہنم کے خوف سے روتا ہوں اور نہ جنت کی محبت میں آہ وزاری کرتا ہو، بلکہ میں تو تیری محبت میں آنسو بہاتا ہوں، جب میں دیدار سے شادکام ہولوں گا تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: "اے شعیب میری ملاقات تمہیں مبارک ہو، اسی لیے میں نے تیری خدمت پر اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو مامور کیا ہے۔"

(اسے واحدی نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن اسے خطیب بغدادی نے ضعیف قرار دیا ہے۔)

کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا:

و لولا رھطک لرجمناک و ما انت علینا بعزیز۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور اگر تمہارے کنبے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔"

ان کے انتہائی کفر کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حق سے کس قدر دشمنی رکھتے تھے۔ کہنے لگے "ما نفقہ کثیرا مما تقول" ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے یعنی آپ کی باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ہم انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں، کیونکہ ہم انہیں پسند نہیں کرتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ہمیں ایسی بے تکی باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ کہتے رہے جو

جی میں آتا ہے ہم کسی صورت ماننے کے نہیں۔

کفار قریش نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا تھا۔

و قالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ و فی آذاننا وقر و من بیننا و بینک حجاب فاعمل اننا عاملون۔ ﴿سورۂ فصلت﴾

ترجمہ: "اور (ہٹ دھرمیوں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں، اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔"

کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا: "و انا لنراک فینا ضعیفا" اور بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے "ضعیفا" کا معنی مجبور اور لاچار "ولولا رھطک" اگر تمہارے کنبے کا لحاظ نہ ہوتا رھط کا معنی قبیلہ، خاندان جو مشکل وقت میں انسان کا ساتھ دیتا ہے۔ "لرجمناک وما انت علینا بعزیز۔" ترجمہ: "تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔" "قال یقوم ارھطی اعز علیکم من اللہ" ترجمہ: "آپ نے فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ سے۔"

یعنی تم میرے قبیلے سے خائف ہو، اور تمہیں میرے کنبے کا تو بہت لحاظ ہے اور اس وجہ سے تم میرے ساتھ رعایت برت رہے ہو لیکن کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی خوف نہیں؟ تمہیں میرا کچھ لحاظ نہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ کیا میرا کنبہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ہے۔ "و اتخذتموہ وراء کم ظھریا" اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت یعنی اللہ سے تم نے مکمل روگردانی کر لی ہے۔

"ان ربی بما تعملون محیط" ترجمہ: "بے شک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو، احاطہ کیے ہوئے ہے۔" یعنی تم جو کچھ کر رہے ہو ان سے میرا رب واقف ہے تمہارے ہر ہر عمل کو وہ پوری طرح محیط ہے۔ قیامت کے دن تمہیں کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہوگا۔

و یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل سوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ومن ھو کاذب وارتقبوا انی معکم رقیب۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں، تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا، اور کون جھوٹا ہے، اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔"

یہ امر سخت تہدید اور بہت سخت وعید تھی۔ یعنی تم اپنے طور طریقوں اور اپنے راستوں پر چلتے جاؤ۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جنت ابدی کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور کون بدنصیب ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ "من یاتیہ عذاب یخزیہ" یعنی آخرت میں "و من ھو کاذب" اور کون جھوٹا ہے۔ یعنی قیامت کے دن پتہ چل جائے گا کہ جھوٹا کون تھا۔ کیا میں تمہیں جھوٹی خبریں دیتا تھا۔ ناحق ڈراتا تھا اور مفروضہ جنت کی بشارتیں دیتا تھا یا تم حق کو جھٹلاتے رہے تھے۔ سب حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی "وارتقبوا انی معکم رقیب" (سورۃ ہود) "اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔"

یہ اس طرح ہی ہے کہ ارشاد فرمایا:

و ان کان طائفة منکم آمنوا بالذی ارسلت بہ و طائفة لم یومنوا فاصبروا حتی یحکم اللہ بیننا و ھو خیر الحاکمین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔"

قال الملاُ الذین استکبروا ــــــــ و انت خیر الفاتحین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے یا تو ہم نکال کر دیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ شعیب نے کہا: اگرچہ ہم اس کو ناپسند بھی کرتے ہوں؟ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دیدی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لیے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا۔ گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔"

کافر سردار تو اپنے تئیں چاہتے تھے کہ ایمان والوں کو پھر سے اپنی برادری (کفر) میں لوٹا لیں، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام خم ٹھونک کر قوم کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے "او لو کنا کارھین" یعنی یہ ایماندار لوگ اپنی مرضی سے تو لوٹیں گے نہیں۔ اگر یہ تمہاری طرف لوٹے بھی تو

مجبور ہو کر اور ناپسندیدگی کی حالت میں لوٹیں گے، کیونکہ جب ایمان دل کی اتاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو اس نقش کو کوئی مٹا نہیں سکتا، اور پھر کوئی انسان کو ایمان کے راستے سے لوٹا نہیں سکتا۔ کسی فاتح کی دل کی سلطنت تک رسائی ہی نہیں۔ اسی لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجانا اللہ منھا۔ و ما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا۔ وسع ربنا کل شیء علما علی اللہ توکلنا

یعنی ہمیں اللہ کافی ہے وہی ہمیں تم سے محفوظ رکھے گا، ہمارے تمام معاملات میں وہی ہمارا ملجا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے مقابلے میں فتح کی دعا کی اور جس عذاب کے وہ مستحق تھے اس کے آنے میں جلدی کی التجا کی۔ عرض کیا:

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین۔

ترجمہ: "اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے اور ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔"

آیت کریمہ میں فاتحین، حاکمین کے معنی میں ہے۔ آپ نے ان کیلئے بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعا کو رد نہیں فرماتا، جب اس کے ہاتھ کافروں، منکروں اور اللہ و رسول کی مخالفت پر کمربستہ لوگوں کے خلاف اٹھ جاتے ہیں تو اللہ ان کو ضرور تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاتھ اٹھتے دیکھ کر بھی ان کی قسمت نہ جاگی اور وہ کفر و گمراہی کی نیند میں پڑے سوتے رہے اور لوگوں کو دین حنیف کی نعمت سے محروم کرنے کیلئے کہتے رہے۔

و قال الملاُ الذین کفروا من قومہ لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا لخاسرون۔

ترجمہ: "اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگے شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔"

زلزلہ اور دیگر مختلف عذاب:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاخذتھم الرجفة فاصبحوا فی دارھم جاثمین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پھر پکڑ لیا انہیں زلزلے نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔"

سورۃ اعراف میں مذکور ہے کہ انہیں زلزلے نے آ لیا۔ یعنی زمین کانپ اٹھی اور اس قدر زور

کے جھٹکے آئے کہ ان کی روحیں ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ اور اس بستی کے جانور، جماد بن کر رہ گئے۔ سب زندگیاں ختم ہو گئیں اور منہ کے بل گر گئیں۔ نہ کسی میں زندگی کی رمق تھی نہ کہیں حواس باقی تھے اور نہ کوئی حرکت نظر آتی تھی۔ سب جاندار فنا کی نیند سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم شعیب پر طرح طرح کے عذاب اور ہلاکتیں نازل کیں۔ انہیں بیک وقت کئی بلاؤں اور مصیبتوں سے دوچار کر دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید زلزلے کے عذاب میں مبتلا فرما دیا جس نے ان سے حرکتیں چھین لیں۔ ایک لرزہ خیز چیخ برپا کی جس نے سب آوازوں کو خاموش کر دیا۔ ایک بادل مطلع مدین پر نمودار ہوا جس نے اس کے اطراف و جوانب میں آگ کے شعلے برسا دیئے۔ لیکن مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے سیاق و سباق کے مطابق عذاب کا تذکرہ فرمایا، چونکہ سورۃ الاعراف کے قصے میں کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کے پیروکاروں کو للکارا اور دھمکی دی کہ ہم تمہیں بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں واپس ہمارے مذہب میں آنا ہو گا تو اسی مناسبت سے فرمایا: "فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین۔"

ارجاف کے مقابلے میں رجفۃ کا ذکر کیا، اور ڈرانے دھمکانے کے مقابلے میں خوف و ہراس کی شدت کا تذکرہ فرمایا۔ یہ اس سیاق کے عین مطابق تھا اور یہاں یہی الفاظ اور مفہوم زیادہ موزوں تھا۔ لیکن سورۃ ہود میں ذکر ہے کہ قوم شعیب کو ایک چیخ نے آلیا۔ اور ایسی دل دہلا دینے والی چیخ نے انہیں منہ کے بل گرا کر ان سے زندگی چھین لی، کیونکہ وہاں استہزاء، تنقیص اور مذاق کا ذکر ہے وہاں آیات یہ ہیں:

اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباء نا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء۔ انک لانت الحلیم الرشید۔

اس لیے یہاں مناسب تھا کہ چیخ کا تذکرہ کیا جاتا جس نے اس استہزاء اور بدگوئی پر ان کا منہ بند کر دیا۔ ضروری تھا کہ اللہ کے رسول جو اللہ کا پیغام بے کم و کاست پہنچانے والے تھے اور نہایت فصیح و بلیغ انداز گفتگو میں انہیں نصیحت کرنے والے تھے ان کے حضور میں ٹھٹھا و مذاق کرنے والوں کو ایک چیخ کے ذریعے مہر بلب کر دیا جاتا۔ یہاں چونکہ بدگوئی کا تذکرہ ہے، اس لیے ایسے عذاب کا ذکر کرنا مناسب تھا جس نے ان کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ سو ان آیات میں زلزلے کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ چیخ و چنگھاڑ کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ شعراء میں بادل کے عذاب کا ذکر ہے، چونکہ وہ عذاب کے متمنی تھے اور خود ہی اس کا مطالبہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے

انما انت من المسحرین۔ وما انت الا بشر مثلنا و ان نظنک لمن الکاذبین۔ فاسقط

علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین قال ربی اعلم بما تعملون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "انہوں نے کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو، اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند۔ اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں سے ہو۔ آپ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔"

فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلۃ انہ کان عذاب یوم عظیم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والی دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔"

حضرت قتادہ اور دیگر مفسرین عظام نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب الایکہ کوئی دوسری قوم ہے۔ انہیں اہل مدین میں شامل نہ کیا جائے یہ قول ضعیف ہے۔ حضرت قتادہ وغیرہ کو دو وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایک تو اس آیت کی وجہ سے جو مندرجہ ذیل ہے:

کذب اصحاب الایکۃ المرسلین اذ قال لھم شعیب۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔"

جب فرمایا: انہیں حضرت شعیب علیہ السلام نے یہاں "اخوھم" (ان کے بھائی) ذکر نہیں ہوا۔ جیسا کہ "والی مدین اخاھم شعیبا" (سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ العنکبوت) میں حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ کے لیے چھتری والے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ اصحاب مدین کے لیے زلزلہ اور چیخ کا ذکر ہے۔ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ "کذب اصحاب الایکۃ المرسلین" میں حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہیں ایکہ کی عبادت کرنے والوں کے وصف سے متصف کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کے نبی کو ان کا بھائی کہنا مناسب نہیں تھا۔ اگرچہ آپ ان کی قوم سے تھے لیکن بت پرستی سے بیزار تھے۔ لیکن جب اہل مدین کا تذکرہ ہوا تو چونکہ قبیلے کا تذکرہ ہو رہا تھا اس لیے آپ کو بھائی کہنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ یہ بھی آپ کی قوم کے ایک فرد ہیں غیر نہیں۔ دوسرا ان کا چھتری والے دن سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالنا کہ اصحاب الایکہ الگ قوم ہے اور اصحاب مدین الگ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر اسی کو بنیاد بنا کر اصحاب الایکہ کو الگ قوم یقین کر لیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جن کو چیخ کے عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ الگ ہیں اور جن پر زلزلہ آیا وہ الگ قوم ہیں لیکن اس

تکسیر سے کوئی اتفاق نہیں کرے گا۔

اس لیے مناسب یہی ہے کہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ایک ہی قوم تھی جسے کبھی اہل مدین کہہ کر قبیلہ کی طرف منسوب کیا گیا اور کبھی اصحاب الایکہ کہہ کر ان کا مذہبی تعارف کرایا گیا۔ ان پر بیک وقت مختلف عذاب آئے۔ ہر جگہ سیاق و سباق کے مطابق مناسب عذاب کا تذکرہ کیا گیا۔ رہی وہ حدیث جسے ابن عساکر نے حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ ”قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔“

یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن پر کلام ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی گفتگو ہے جو انہوں نے یرموک کے دن بنی اسرائیل کے علاقہ سے ملنے والی ان کتابوں سے لیے جنہیں وہ بوریوں بھر کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایکہ کی مذمت کرتے ہوئے وہی حالات بیان فرمائے ہیں جو اہل مدین کے بیان فرمائے ہیں یعنی ناپ تول میں کمی کرنا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی قوم کو دو الگ ناموں سے موسوم کیا گیا ہے اور انہیں بیک وقت بہت سے عذابوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اور ہر جگہ وہی عذاب ذکر کیا گیا جو موقع و محل سے مناسبت رکھتا تھا۔

فاخذهم عذاب يوم الظلة۔ انه كان عذاب يوم عظيم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ”تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔“

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ پہلے تو انہیں سخت گرمی کا سامنا کرنا پڑا۔ سات دن تک اللہ تعالیٰ نے اس علاقے میں حبس پیدا کیے رکھا گرمی اس قیامت کی پڑنے لگی کہ پانی اور سایے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ لوگ گھروں میں اپنے چھپروں میں داخل ہوتے لیکن ہر جگہ ایک حشر سا برپا تھا۔ آخر گھر چھوڑ کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ شہر سے باہر انہیں ایک بدلی نظر آئی۔ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے اور ایک بھی باہر نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے شعلے اور شرارے برسانے شروع کر دیے زمین زلزلے کے جھٹکوں سے لرز اٹھی۔ آسمان سے ایک چیخ بلند ہوئی جس نے جسموں سے روحوں کو چھین لیا اور لاشیں خراب کر کے رکھ دیں۔

فاصبحوا في دارهم جاثمين الذين كذبوا شعيبا كان لم يغنوا فيها الذين كذبوا شعيبا كانوا هم الخاسرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ”تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے۔ ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان کے صحابہ کرام کو اس عذاب سے محفوظ و مامون رکھا۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اور وہ اصدق القائلین ہے۔

ولما جاء امرنا نجينا شعيبا والذين آمنوا معه برحمة منا و اخذت الذين ظلموا الصيحة فاصبحوا في ديارهم جاثمين۔ كان لم يغنوا فيها الا بعدا لمدين كما بعدت ثمود۔ ﴿سورۃ ھود﴾

ترجمہ: ”اور جب آپہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بستے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لیے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود۔“

و قال الملا الذين كفروا من قومه لئن اتبعتم شعيبا انكم اذا لخاسرون فاخذتهم الرجفة فاصبحوا في دارهم جاثمين الذين كذبوا شعيبا كان لم يغنوا فيها الذين كذبوا شعيبا كانوا هم الخاسرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ”اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں نے) جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے۔ ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے۔“

چونکہ کافر کہا کرتے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بات مانو گے تو نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے اس لیے یہاں مقابلۃً کہا جا رہا ہے کہ جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وہ نقصان اٹھانے والے ہوئے۔

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ذکر فرماتا ہے کہ انہوں نے ان کافروں کو ملامت کرتے ہوئے۔ جھڑکتے ہوئے اور تحقیر کرتے ہوئے اپنی طرف بلایا۔ فرمایا:

فتولى عنهم و قال يا قوم لقد ابلغتكم رسالات ربي و نصحت لكم فكيف آسى على قوم كافرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ”تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا دیے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر۔“

یعنی اہل مدین کے کافروں کی ہلاکت کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کی برباد شدہ بستی سے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا ”یا قوم لقد ابلغتکم رسالات ربی و نصحت لکم“ یعنی میں نے اپنا فرض منصبی پورا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم بے کم و کاست پہنچا دیا اور میں نے تمہاری ہدایت کے لیے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی۔

میں تمہیں بار بار نصیحتیں کرتا رہا لیکن میری نصیحتوں نے تمہیں کچھ نفع نہیں دیا۔ کیونکہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر تو اللہ لا سکتا ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میں نے اپنا فرض ادا کرنا تھا سو کر دیا۔ تم نے مجھے جھٹلایا۔ اس لیے تم حضرت خداوندی سے محروم رہے مجھے تمہاری ہلاکت پر کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ تم نے میری نصیحت پر کان نہیں دھرے اور رسوائی کے دن سے خائف نہیں ہوئے۔ اس لیے فرمایا فکیف اسیٰ۔ میں کیونکر غم کروں ”علی قوم کافرین“ ایک ایسی قوم پر جنہوں نے حق سے آنکھیں بند کر لیں۔ بار بار بلانے پر بھی حق کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور پھر ہٹ دھرمی کی پاداش میں ان پر وہ عذاب نازل ہوا جسے نہ تو لوٹایا جا سکتا تھا، نہ روکا جا سکتا تھا اور نہ جس سے کسی کو مفر تھا۔

مزار مقدس:

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ اور حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے اصحاب کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔ ان نفوس قدسیہ کے مزارات کعبۃ اللہ کے مغربی جانب دار الندوہ اور دار بنی سہم کے گھروں کے درمیان میں ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اولاد کا تذکرہ:

اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آئے۔ آپ کو کن مصائب و آلام سے کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کتنی

رحمتیں فرمائیں تمام حالات تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔

آپ کے زمانہ میں واقع ہونے والا مشہور واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہ و بربادی ہے جسے ہم نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ان کے قصہ کے بعد ہم نے اہل مدین کا تذکرہ کیا جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات قرآن مجید میں اکثر اکٹھے ذکر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بعد اہل مدین کا تذکرہ فرمایا۔ جنہیں اصحاب ایکہ بھی کہتے ہیں ہم نے بھی قرآن مجید کی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متصل بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔

اب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد و امجاد کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں نبوت و رسالت اور کتاب کی دولت سے نوازا۔ آپ کے بعد جو بھی نبی تشریف لایا وہ آپ ہی کی اولاد سے تھا۔

حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کئی ایک صاحبزادے تھے۔ لیکن ان میں دو بہت مشہور ہیں۔ جو عظیم الشان نبی اور رسول تھے۔ پھر ان دونوں میں زیادہ جلیل القدر اور صاحب مرتبہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام ہیں جو حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ہیں جو نہایت جلیل القدر اور عظیم المرتبت عورت تھیں۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں تو وہ اسرائیلی روایات پر اعتماد کر رہے ہیں حالانکہ تورات و انجیل کی تحریف کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف ذبح عظیم کی نسبت قرآن مجید کی مخالفت کے مترادف ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اور دوسری روایت میں اکلوتے بیٹے کی قربانی کا۔

اور قرآن مجید کی نص اور تورات کی نصوص سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک چھیاسی سال ہو چکی تو ان کے ہاں جو سب سے پہلا بیٹا پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور آپ سے پہلے آپ کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لیے لامحالہ اکلوتے اور پہلوٹھے کا اطلاق حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ہوتا ہے نہ کہ سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام پر۔ لہٰذا صورۃً بھی اور معنیً بھی اکلوتے اور اور پہلوٹھے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

صورۃً تو یوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرہ سال تک والدین کے اکلوتے بیٹے رہے۔ اور سوائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب سے کوئی اور بیٹا نہ ہوا۔ اور آپ معنیً بھی والد وحید ہیں۔ یہی تو وہ سعادت مند فرزند ہیں جنہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دودھ پیتے بیٹے کو۔ آپ نے اپنے آپ سے جدا فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی غیر ذی ذرع میں اکیلا و تنہا صغرسنی کی حالت میں چھوڑا تو کون ان کا نگہبان تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر اور اپنی معصوم فطرت بیوی کو کس کے حوالے کیا پھر کس ذات نے پتھروں کا کلیجہ شق کر کے انہیں پانی عطا فرمایا کس نے ان کی غمخواری کے لیے بنو جرہم کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کیا؟ وہ اللہ تھا جس نے بے آب و گیاہ وادی میں رحمت و برکتوں کے دریا موجزن کر

دیے۔ وہ اللہ تعالیٰ تھا جس نے ایمان و یقین کا چشمہ قیامت کے لیے مکہ کی وادی میں جاری فرما دیا۔ یہ سب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا۔ ہدایت کا ابدی چشمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وساطت سے جاری ہوا۔ اس لیے آپ صورۃً بھی والد وحید ہیں اور معناً بھی مولود یکتا و بے مثال اور پہلوٹھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف فرمائی کہیں آپ کو حلیم کہا تو کہیں صابر، کہیں صادق الوعد فرمایا، تو کہیں محافظ صلاۃ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیا تا کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر خیر کئی آیات میں کیا گیا ہے۔

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فبشرناه بغلام حلیم۔ فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری۔ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔

ترجمہ: ''پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔''

آپ نے اپنے والد محترم کی پکار پر لبیک کہا۔ اور وعدہ کیا کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ آپ نے پھر وفا کی حد کر دی اور صبر کا ایک عظیم باب رقم کر دیا۔

- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و اذکر فی الکتاب اسماعیل انه کان صادق الوعد و کان رسولا نبیا۔ و کان یامر اهله بالصلاة والزکوة و کان عند ربه مرضیا۔ (سورۃ مریم)

ترجمہ: ''اور ذکر کیجیے کتاب میں اسماعیل کو۔ بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔''

- ایک اور جگہ آپ کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

و اذکر عبادنا ابراهیم و اسحاق و یعقوب اولی الایدی والابصار انا اخلصناهم بخالصة ذکری الدار۔ و انهم عندنا لمن المصطفین الاخیار و اذکر

اسماعیل و الیسع و ذالکفل و کل من الاخیار۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: ''اور یاد فرمائیے ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمائیے اسماعیل یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔''

و اسماعیل و ادریس و ذالکفل کل من الصابرین و ادخلنا هم فی رحمتنا انهم من الصالحین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔''

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا اوحینا الیك كما اوحینا الی نوح و النبین من بعده و اوحینا الی ابراهیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و الاسباط۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف۔''

✿ اور فرمان خداوندی ہے:

قولوآ امنا باللّٰه ومآ انزل الینا ومآ انزل الی ابرهیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ''کہہ دو ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف۔''

✿ اور اس طرح کی آیت اس سورت میں ایک اور جگہ بھی ہیں۔ ارشاد فرمایا:

ام تقولون ان ابرهیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط کانوا هودا او نصری قل ءانتم اعلم ام اللّٰه۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ''کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی۔ فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو اللہ سے؟''

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کی اور آپ کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا۔ ہر اس عیب و نقص سے آپ علیہ السلام کی براءت فرمائی جو جاہل آپ کی طرف منسوب کرتے آئے تھے۔ اور حکم دیا کہ میرے بندوں پر نازل شدہ کلام پر ایمان لاؤ۔

گھوڑے پر سواری:

علماء نسب اور مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی وہ پہلے شخص ہیں جو گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس سے قبل گھوڑے وحشیوں کی طرح جنگلوں بیابانوں میں کھلے پھرتے تھے۔ آپ نے انہیں مانوس کیا اور ان پر سواری کی۔ سعید بن یحییٰ اموی مغازی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے پالو اور ان کی نسل بڑھاؤ کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہیں۔''

یہ خالص عربی گھوڑے وحشی تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کی عطا کردہ طاقت سے انہیں بلایا تو یہ دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عربی میں سب سے پہلے کلام کرنے والے:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرمایا۔ آپ نے یہ زبان عرب کے خالص باشندوں سے سیکھی تھی جو مکہ میں آپ کے نزدیک اترے تھے اور قبیلہ جرہم، عمالیق اور اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے قدیم عربوں میں سے تھے۔

محمد بن علی حسین رضی اللہ عنہم سے روایت ہے وہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے جو شخص فصیح عربی زبان میں گویا ہوئے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔'' (یونس نے یہ حدیث سن کر کہا کہ اے ابو سیار تم سچ کہتے ہو۔ ابوجری نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔)

اس سے قبل ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آپ نے ایک عمالقی عورت سے شادی فرمائی لیکن پھر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے پر علیحدہ کر دیا۔ سعید بن یحییٰ اموی کہتے ہیں کہ یہ عورت عمارہ بنت سعد بن اکیل عمالقی تھی۔ پھر آپ علیہ السلام نے ایک دوسری خاتون سے شادی فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشورے سے پھر آخری دم تک انہیں اپنے پاس رکھا۔ یہ خاتون السیدہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی ہیں۔ بعض نساب یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آپ علیہ السلام کی تیسری بیوی ہیں۔ اسی خاتون کے بطن مبارک سے آپ کے بارہ بیٹے ہوئے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اولاد کے نام:

محمد بن اسحاق نے ان تمام کے نام ذکر کیے ہیں جو یہ ہیں: نابت، قیذ ر، اذبل، میثی، مسمع، ماش، دوما، ارر، یطور، نبش، طیما، قیذ ما، اہل کتاب نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں بارہ کی آپ کو بشارت دی گئی تھی لیکن یہ تاویل جھوٹی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام مکۃ المکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں رسول مبعوث ہوئے تھے۔ جرہم، عمالیق اور یمن کے لوگ آپ علیہ السلام کے مخاطب تھے۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو وصیت فرمائی اور اپنی بیٹی "نسمہ" کی شادی اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق سے فرما دی۔ جن سے رومی پیدا ہوئے جنہیں بنو الاصفر بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ "عیص" گورے چٹے تھے اس لیے اسی نسبت سے رومیوں کو بنو الاصفر کہا جاتا ہے۔ ان کے بطن سے یونان پیدا ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اشبان بھی عیص کی اولاد سے ہیں۔

وصال اور مزار مقدس:

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے پہلو میں حطیم میں مدفون ہیں۔ وفات کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو تجتر سال تھی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں گرمی کی بارگاہ خداوندی میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں آپ کے مدفن اور جنت کے درمیان ایک دروازہ کھول دوں گا جس سے آپ کو جنت کی ہوائیں قیامت تک آتی رہیں گی۔ حجاز مقدس کے تمام عرب آپ علیہ السلام کے دو بیٹوں نابت اور قیذار کی نسل سے منسوب ہوتے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک سو سال اور حضرت سارہ کی عمر مبارک نوے سال ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کی اس عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

❁ ارشاد خداوندی ہے:

وبشرناه باسحاق نبيا من الصالحين وبارکنا عليه وعلى اسحاق ومن ذريتهما محسن و ظالم لنفسه مبين۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحاق کی (کہ) وہ نبی ہو گا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہو گا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہو گا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ "کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔" آپ کے شرف نسبی کو واضح کرتی ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی "رفقا" بنت بتوائیل سے ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بقید حیات ظاہری تھے۔ شادی کے وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ حضرت "رفقا" بانجھ تھیں۔ آپ نے اللہ سے دعا کی۔ ان کو حمل ہوا اور مدت پوری ہونے پر دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام "عیصو" رکھا گیا جسے عرب "العیص" کہتے ہیں جو رومیوں کے باپ ہیں اور دوسرے جو عیصو کی ایڑھی پکڑے ہوئے تولد ہوئے ان کا اسم گرامی یعقوب رکھا گیا۔ یعقوب کو اسرائیل کہا جاتا ہے جن کی طرف بنی اسرائیل منسوب ہیں۔

اہل کتاب کے نزدیک اسحاق علیہ السلام "عیصو" کو یعقوب سے زیادہ چاہتے تھے کیونکہ عیصو پہلوٹھے تھے اور ان کی ماں "رفقا" کہ چھوٹے بیٹے یعقوب علیہ السلام کو زیادہ چاہتی تھیں۔ کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔

جب حضرت اسحاق علیہ السلام عمر رسیدہ ہو گئے اور آپ کی بصارت کمزور ہو گئی تو ایک دن آپ نے اپنے بیٹے عیصو سے کھانے کی فرمائش کی اور انہیں حکم دیا کہ شکار کو جاؤ اور شکار کا جانور پکا کر مجھے کھلاؤ تاکہ میں تمہارے لیے برکت کی دعا کروں۔ عیصو شکاری تھے۔ سو وہ شکار کرنے چل پڑے۔

"رفقا" نے اپنے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے ریوڑ سے دو اچھے بکرے ذبح کرو اور انہیں بھون کر اپنے والد گرامی کو پیش کرو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جلدی جلدی بکرے بھونے۔ اپنے بھائی عیصو کے کپڑے زیب تن کیے اور اپنے ہاتھوں اور گردن پر بکروں کی جلد پہن لی۔ کیونکہ عیصو کے جسم پر بڑے بڑے بال تھے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے جسم پر بال زیادہ نہیں تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے گوشت پیش کیا اور حاضر خدمت ہوا تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتایا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور چوما اور کہنے لگا: آواز تو یعقوب کی ہے لیکن کپڑے اور جسم عیصو کا لگتا ہے۔ جب کھانا کھا چکے تو دعا کرنے لگے کہ تو اپنے بھائیوں میں بلند قدر و منزلت کا حامل ہو۔ ہمارے بھائیوں اور اس کے بعد تمام قبیلوں پر آپ کا نام بلند ہو۔ اولاد اور مال میں کثرت سے نوازا جائے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد سے جدا ہوئے تو پیچھے سے ان کا بھائی عیصو آ گیا۔ اس کے پاس بھی کھانا تیار تھا۔ شکار کا گوشت حاضر خدمت کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے پوچھا۔ بیٹے یہ کیا ہے؟ عیصو نے عرض کی یہ کھانا ہے جس کا آپ نے حکم دیا تھا۔ کہا آپ ایک ساعت پہلے نہیں آئے کیا کھانا نہیں لیا اور تیرے لیے دعا نہیں کر دی؟ عیصو نے عرض کی نہیں۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔ عیصو سمجھ گیا کہ یعقوب علیہ السلام نے ہوشیاری دکھائی ہے۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر بہت ناراض ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ عیصو نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو قتل کی دھمکی بھی دی۔ لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام نے عیصو کے کہنے پر اس کیلئے بھی برکت کی دعا سے نوازا۔ اور فرمایا کہ آپ کی اولاد بھی زمین پر کثرت سے پھیلے گی۔ اور انہیں رزق اور پھل فراوانی سے میسر آئیں گے۔ جب ان کی ماں نے سنا کہ عیصو نے یعقوب کو دھمکی دی ہے تو انہوں نے یعقوب کو حکم دیا کہ تم میرے بھائی "لابان" کی طرف چلے جاؤ جو کہ ارض حران میں قیام پذیر ہیں۔ اور جب تک عیصو کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا وہیں رہو۔ انہیں اپنی والدہ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہاں جا کر لابان کی بیٹی سے شادی کر لینا۔ رفقا نے اپنے خاوند حضرت اسحاق علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی اسے یہی مشورہ دو اور اسے حکم دو کہ وہ حران میں چلا جائے حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی یعقوب کو یہی مشورہ دیا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اسی دن شام کو روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ رات ہو گئی۔ ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ خواب میں ایک سیڑھی دیکھتے ہیں جو زمین سے آسمان تک بلند ہے۔ ملائکہ اس سیڑھی کے ذریعے آسمان سے اتر رہے ہیں اور واپس چڑھ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام سے گفتگو فرما رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے "میں تجھے بابرکت بناؤں گا اور تیری اولاد کو بڑھاؤں گا۔ اور یہ زمین میں تجھے اور تیرے بعد تیری نسل کو دوں گا۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام بیدار ہوئے تو جو دیکھا تھا اس سے بہت خوش تھے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر میں خیر خوشی سے اپنے گھر واپس آ گیا تو اس مقام پر اللہ عزوجل کے لیے عبادت گاہ تعمیر کروں گا۔ اور میری ملکیت میں جو کچھ ہو گا اس کا دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے کروں گا۔"

پھر آپ نے اس پتھر پر تیل ملا اور اس پر نشان لگایا تاکہ پہچان ہو سکے۔ آپ نے اس جگہ کا نام بیت ایل (خانہ خدا) رکھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بعد میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر فرمایا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خالو کے ہاں حران پہنچ گئے لابان کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام "لیا" اور چھوٹی "راحیل" تھی۔ "راحیل" اپنی بڑی بہن سے زیادہ خوبصورت حسین و جمیل تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل کا رشتہ طلب کیا۔ لابان نے اس شرط پر رشتہ منظور کر لیا کہ یعقوب سات سال تک ان کا ریوڑ چرائیں گے۔ جب سات سال کی مدت گزر گئی۔ آپ کا نکاح ہو گیا۔ رات کو لابان نے اپنی بڑی بیٹی "لیا" کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں بھیج دی۔ لیا زیادہ حسین نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور اس کی شکل و صورت میں کوئی کشش نہیں تھی۔ شب زفاف گزر گئی۔ صبح حضرت یعقوب علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ راحیل کی جگہ لیا ان کے خلوت میں ہیں۔ وہ اپنے خالو سے کہنے لگے۔ آپ نے میرے ساتھ ناانصافی کی۔ میں نے تو راحیل کے لیے پیغام نکاح دیا تھا۔ لابان نے کہا کہ ہمارے رواج کے مطابق چھوٹی بہن کا نکاح بڑی سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اگر تو اسکی بہن سے محبت کرتا ہے تو تجھے سات سال اور بکریاں چرانا ہوگی۔ میں تجھے راحیل بھی بیاہ دوں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سات سال اور ریوڑ چرایا اور "لیا" کی دوسری بہن راحیل سے شادی کر لی۔ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا اس شریعت میں جائز تھا۔ اسے تورات کے ذریعے منسوخ کیا گیا۔ اور نسخ پر یہی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ لابان نے اپنی ہر دو بیٹیوں کو ایک لونڈی بھی عطا فرمائی۔ جو لونڈی "لیا" کو ملی اس کا نام "زلفی" تھا اور "راحیل" کی لونڈی کا نام "بلہی" تھا۔

اللہ تعالیٰ نے "لیا" کی کمزوری پر نظر رحمت فرمائی اور انہیں اولاد سے نوازا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے روبیل پیدا ہوا۔ پھر شمعون، پھر لاوی، پھر یہوداتو۔ "راحیل" کو یہ دیکھ کر رشک ہونے لگا کیونکہ ابھی تک وہ حاملہ نہیں ہوئیں تھیں۔ انہوں نے اپنی لونڈی "بلہی" حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بلہی کے پاس گئے۔ وہ حاملہ ہوئیں ان کے بطن سے بچہ پیدا ہوا جس کا نام "نیفتالی" رکھا گیا۔ "لیا" نے بھی اپنی لونڈی "زلفی" حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کی۔ ان کے بطن سے جاد اور اشیر دو پیدا ہوئے۔ "لیا" پھر حاملہ ہوئیں اور ان سے پانچواں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام "زابلون" رکھا۔ وہ پھر امید سے ہوئیں اور اس بار ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام "دینا" رکھا گیا۔ اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام سے نو بچے پیدا ہوئے۔

"راحیل" نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے اپنے لیے ایک بچے کی التجا کی۔ اللہ نے ان کی دعا کو سن لیا اور قبول فرمایا۔ آپ امید سے ہوئیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر ایک عظیم المرتبت۔ شریف، حسین و جمیل اور نہایت ہی صاحب جمال و کمال بچہ تولد ہوا جس کا نام راحیل نے نام "یوسف" رکھا۔

یہ سب بھائی ارض حران میں قیام پذیر تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نکاح کے بعد چھ سال تک اپنے ماموں کی بکریاں چراتے رہے۔ اس طرح حران میں آپ کی مدت قیام بیس سال ہو گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک دن اپنے ماموں لابان سے واپسی کی اجازت طلب کی۔ خالو نے انہیں کہا۔ آپ کی وجہ سے میرے مال میں بڑی برکت ہوئی ہے۔ میرے مال میں آپ جو چاہیں لے سکتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا بھیڑوں میں سے جتنی چتکبری، ابلق اور بھوری پیدا ہوں گی وہ آپ مجھے دے دیں۔ اسی طرح بکریوں میں سے داغیوں، ابلقوں اور بھوریوں کو میرے حوالے کر دینا جو اس سال پیدا ہوں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان بھیڑ، بکریوں کو الگ کر لیا جو مذکورہ رنگوں کی تھیں۔ تا کہ وہ اس رنگ کے بچے نہ جنیں۔ اور انہیں تین دن کی مسافت پر الگ لے گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے سفیدہ اور بادام اور اخروٹ کی سبز چھڑیاں لے کر انہیں چھیلا۔ لیکن اس طرح ان پر خطوط سے بن جائیں۔ اور انہیں گھاٹ پر نصب کر دیا جہاں بھیڑ بکریاں پانی پینے آتی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ بھیڑ بکریاں ان چھڑیوں کو دیکھ کر ڈریں اور ان کے پیٹوں میں بچے حرکت کریں اور اس طرح بچوں کے رنگ ان چھڑیوں کے مطابق ہو جائیں دراصل یہ خارق العادۃ واقعہ

تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ پر صادر ہو رہا تھا۔ مال مویشی بڑھ گئے۔ لونڈی غلاموں کی کثرت ہو گئی۔ لابان یہ سب کچھ دیکھ کر جل بھن گیا۔ اس کے بچوں کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا گویا وہ آپ پر ناراض ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے والد گرامی اور اپنے آبائی ملک واپس چلے جائیں۔ ساتھ ہی وعدہ فرما دیا۔ کہ نصرت ربانی ان کے شامل حال ہو گی۔ آپ نے اپنے گھر والوں کو آگاہ کیا۔ سب نے اطاعت کی۔ آپ اپنے اہل و عیال اور مال مویشی لے کر چل دیے۔ راحیل نے اپنے والد کے بتوں کو بھی چرا لیا۔ جب وہ ان کے علاقے سے گزر گئے اور اپنے علاقے کی حدود میں داخل ہو گئے تو لابان اور اس کی قوم نے انہیں آ لیا۔ جب لابان اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا آمنا سامنا ہوا تو لابان نے انہیں جھڑکا کہ بغیر اطلاع دیئے تم کیوں نکل کھڑے ہوئے۔ اور مجھے اطلاع کیوں نہیں دی تا کہ میں تمہیں خوشی و مسرت، مزامیر اور طبلوں سے الوداع کرتا اور اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو عزت سے رخصت کرتا اور پھر پوچھا تم میرے بت کیوں ساتھ لے آئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ راحیل بت چرا کر لے آئی ہے۔ آپ نے انکار کر دیا کہ وہ بت چرا کر نہیں لائے۔ لابان اپنی بیٹیوں اور ان کی لونڈیوں کے خیموں میں داخل ہوا تا کہ ان کو تلاش کرے۔ راحیل نے اونٹ کی "پالان" کے نیچے انہیں رکھ دیا تھا اور اس پر بیٹھ گئی تھی۔ جب لابان بت تلاش کرتے کرتے راحیل کے کمرے میں آیا تو وہ اس کے لیے کھڑی نہ ہوئی اور کہنے لگی معذرت خواہ ہوں میں اٹھ نہیں سکتی کیونکہ میں اس حالت میں ہوں جو عورتوں کی ہوا کرتی ہے۔ لابان تلاش اور کوشش کے باوجود بھی بت تلاش نہ کر سکا۔

آخر دونوں یعنی لابان اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان جلعاد نامی ٹیلے پر ایک معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ یعقوب اس کی بیٹیوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے اوپر اور شادی نہیں کرے گا۔ اور اس ٹیلے سے نہ تو یعقوب آگے آئے گا اور نہ لابان (یعنی دونوں کے درمیان یہ سرحد ہو گی) دونوں نے کھانا تیار کیا۔ پوری قوم نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور دونوں نے ایک دوسرے کو الوداع کیا اور واپس اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جب ارض "ساعیر" کے قریب پہنچے تو فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے مژدہ سنایا کہ آپ اپنی منزل پر پہنچنے والے ہیں۔ آپ نے اپنے بھائی عیصو کی طرف قاصد بھیجا اور خدمت میں بہت پیار و محبت اور عاجزی و انکساری کا اظہار کیا۔ قاصد واپس آ گیا اور

اطلاع دی کہ عصیو چار سو یا دو سو کے ساتھ آپ کی ملاقات کیلئے آرہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں عصیو لڑائی کے لیے نہ آرہا ہو۔ آپ نے نماز ادا کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی و انکساری سے دعا کی۔ اور عرض کی الٰہی تو نے مجھ سے اپنی معیت کا وعدہ کیا ہے۔ اپنے وعدے کو پورا فرما۔ اور مجھے میرے بھائی عصیو کے شر سے محفوظ رکھ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لیے تحائف تیار کر لیے۔ جن میں دو سو بکریاں، بیس بکرے، دو سو بھیڑیں، بیس مینڈھے تیس اونٹنیاں، چالیس گائیں، بیس بیل، بیس گدھیاں، دس گدھے شامل تھے۔ اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان مویشیوں کو الگ الگ ہانکیں اور ہر صنف کے درمیان چند قدموں کا فاصلہ رہے۔ اور جب ان سے عصیو کی ملاقات ہو اور وہ پہلے سے پوچھے کہ تو کس کا غلام ہے؟ اور مویشی کس کے ہیں۔ تو کہہ دینا کہ یہ تیرے غلام یعقوب کے غلام اور مویشی ہیں۔ اس نے یہ سب میرے آقا عصیو کے لیے ہدیہ بھیجے ہیں۔ اس کے بعد والا بھی یہی جواب دے اور پھر اس کے بعد ہر شخص سے اسے یہی جواب ملنا چاہیے۔ اور ہر شخص عصیو کو بتائے کہ یعقوب آخر میں آرہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں اور لونڈیوں اور گیارہ بچوں کو ساتھ لے کر قافلے سے دو رات کی مسافت پر پیچھے چل رہے تھے۔ یہ قافلہ رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ کر بیٹھ جاتا۔

جب دوسری رات ختم ہوئی اور صبح کا وقت ہوا تو آپ پر آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ ظاہر ہوا آپ اس کے پاس گئے اور اس سے کشتی کرنے لگے۔ اور غالب آنے کے لیے کوشش کرنا شروع کر دی۔ آخر حضرت یعقوب علیہ السلام اس شخص پر غالب آ گئے۔ لیکن اس لمحے فرشتہ نے آپ کی ران کی نس کو چھوا جو سکڑ گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام لنگڑے ہوئے۔ جب صبح کی روشنی پھیلنے لگی تو فرشتے نے کہا کہ آج سے تیرا نام حضرت یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ اور آپ ہیں کون؟ لیکن فرشتہ غائب ہو گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ فرشتہ تھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ لنگڑے چل رہے تھے۔ اس لیے بنی اسرائیل عرق النساء (ایک رگ جو ران سے پاؤں تک جاتی ہے) نہیں کھاتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کے بھائی عصیو آرہے تھے۔ چار سو آدمی بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل و عیال سے آگے بڑھ گئے۔ جب اپنے بھائی عصیو کو دیکھا تو سات مرتبہ سجدہ تعظیمی بجا لائے۔ اس دور میں سلام و دعا کا یہی طریقہ تھا۔ اور سجدہ تعظیمی ان کے ہاں مشروع تھا۔ جیسا کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ تحیہ کیا تھا۔ اور حضرت

یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائیوں اور والد نے سجدہ کیا تھا جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

جب عصیو نے اپنے بھائی کو دیکھا تو انہیں گلے لگا لیا۔ چوما اور خوب رویا۔ پھر نظریں اٹھا کر عورتوں اور بچوں کو دیکھا اور پوچھا یہ سب کون ہیں؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ کریم نے یہ تیرے غلام یعقوب کو عطا فرمائے ہیں۔ (یعنی میرے بچے، بیویاں اور لونڈیاں ہیں) دونوں لونڈیاں اور ان کے بچے استقبال کو آئے اور عصیو کی تعظیم کے لیے سجدہ کیا۔ "لیا" اور اس کے بیٹوں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر راحیل اور ان کے بیٹے یوسف بھی حاضر ہوئے اور سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ آپ تحفے قبول کریں۔ عصیو اپنے بھائی کی محبت دیکھ کر بہت رویا اور انہیں بار بار بوسہ دیتا رہا۔ واپسی پر عصیو قافلے کو چھوڑ کر واپس پلٹ آیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام بھی کچھ دیر بعد اپنے بال بچوں اور مال و متاع کو لیے "ساعیر" کے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا گذر "ساحور" سے ہوا تو آپ نے وہاں گھر بنایا اور اپنے مویشیوں کے لیے چھپر بنائے۔ پھر وہاں سے یروشلم میں واقع شخیم کی بستی میں تشریف لائے لیکن اس بستی کے باہر ہی ڈیرے ڈال دیے۔ اس جگہ آپ نے شخیم بن جمور سے سو اونٹوں کے بدلے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اپنا خیمہ گاڑھ دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس جگہ ایک مذبح بنایا اور اس کا نام "ایل" رکھا "ایل" حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدا ہے۔ "ایل" نے آپ کو یہاں تک گھر بنانے کا حکم دیا تاکہ یہاں وہ اس ذات کی عبادت کر سکے۔ اسی عمارت کا نام آج بیت المقدس ہے۔ جس کی تعمیر نو کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تکمیل ہوا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی اتری تھی اور آپ نے علامت کے طور پر سر کے نیچے رکھے ہوئے پتھر کو تیل لگا کر اس کو نذر کر دیا تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔

یہاں اہل کتاب "دینا" بنت یعقوب کا قصہ بیان کرتے ہیں جو "لیا" کی بیٹی تھیں کس طرح شخیم بن جمور نے اس کے ساتھ زیادتی کی پھر وہ ان کے گھر میں داخل ہوا اس کے والد اور بھائیوں سے "دینا" کا رشتہ مانگا لیکن انہوں نے اس شرط پر رشتہ دینے کی حامی بھر لی کہ تمام لوگ ختنہ کرائیں پھر ہی رشتے ہوں گے کیونکہ غیر مختون لوگوں سے وہ رشتے نہیں کرتے تھے وہ لوگ بھی مان گئے اور اپنے تمام مردوں کے ختنے کر لیے۔ جب تیسرا دن ہوا اور شخیم بن جمور کے قبیلہ والے زخموں سے بے حال تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان تمام کو موت کے گھاٹ اتار کر "دینا" کی بے حرمتی کا بدلہ لے لیا۔ اس جنگ میں شخیم اور اس کا باپ بھی قتل ہو گئے۔ چونکہ یہ

لوگ کافر تھے اور بتوں کو خدا مانتے تھے اس لیے ان کا تمام مال ومتاع حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کے ہاتھ آیا اور مال غنیمت قرار پایا۔

"راحیل" دوبارہ امید سے ہوئیں اور ان کے ہاں بنیامین پیدا ہوئے۔ لیکن زچگی میں انہیں بے حد تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد وہ فوت ہو گئیں۔ حضرت یعقوبؑ نے انہیں "افرات" میں دفن فرمایا جو آج تک "قبر راحیل" کے نام سے مشہور چلی آتی ہے حضرت یعقوبؑ کے کل بارہ بیٹے تھے۔ روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، ایسا کر اور زابلون "لیا" سے تھے۔ یوسف اور بنیامین "راحیل" سے اور دان نفتالی "راحیل" کی لونڈی سے جبکہ جاد، اشیر "لیا" کی لونڈی سے پیدا ہوئے۔

حضرت اسحاقؑ کا وصال اور مزار:

حضرت یعقوبؑ اپنے والد گرامی حضرت اسحاقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر حبرون میں ان کے ہاں رہے۔ یہ کنعان کا وہ معروف شہر ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ رہا کرتے تھے۔ پھر حضرت اسحاقؑ بیمار ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ انہیں حضرت یعقوبؑ اور عیصو دونوں نے مل کر دفن کیا۔ ان کی قبر انور بھی اسی مغارہ میں ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی تدفین کے لیے خرید ا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت سیدنا یعقوبؑ کی زندگی مبارک میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور امور عجیبہ میں ایک حضرت یوسفؑ کا قصہ ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا یوسفؑ کی شان اور آپ کی سیرت کے بارے قرآن کریم میں پوری ایک سورۃ نازل فرمائی ہے۔ تا کہ آپ کی سیرت میں جو حکمتیں، مواعظ، آداب اور حکمت و دانائی کی باتیں ہیں ان پر غور و فکر کیا جا سکے۔

✿ سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الر۔ تلك آيات الكتاب المبين۔ انا انزلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون۔ نحن نقص عليك احسن القصص بما اوحينا اليك هذا القرآن وان كنت من قبله لمن الغافلين۔

ترجمہ: "یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ بیشک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تا کہ تم (اسے) خوب سمجھ سکو۔ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔"

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عظیم کی مدح وستائش بیان فرما رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول کریم ﷺ پر فصیح و بلیغ، واضح اور جلی الفاظ میں نازل فرمائی ہے جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو عاقل اور ذکی ہو۔ یہ کتاب منزل من اللہ تمام کتابوں سے زیادہ شرافت کی حامل ہے۔ اسے اشرف الملائک، اشرف الخلق پر اشرف الزمان والمکان میں فصیح ترین لغت واضح ترین بیان میں لے کر تشریف لائے۔ گزری خبروں کا بیان ہو یا آنے والے حالات کا تذکرہ قرآن مجید دونوں کو نہایت ہی حسین پیرائے، واضح اور ظاہر اسلوب میں بیان کرتا ہے۔ جن چیزوں میں لوگ اختلاف کرتے آئے ہیں قرآن ان مسائل کو اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے کہ کوئی التباس باقی نہیں رہ جاتا۔ باطل کی بیخ کنی، جھوٹ کی پردہ دری اور شکوک وشبہات کا قلع قمع کرنے میں قرآن سے بڑھ کر اور کوئی کتاب نہیں، اگر قرآن مجید کے اوامر ونواہی کو دیکھا جائے تو قرآن تمام شریعتوں سے زیادہ حق،

بر عدالت اور واضح المناہج قرار پاتا ہے۔ اس کا ہر حکم بالکل ظاہر و واضح ہے۔ اس کا ہر فیصلہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کرتا ہے۔

✿ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و تمت کلمة ربك صدقا و عدلا ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے۔"

یعنی واقعات میں سچائی اور اوامر و نواہی میں عدل کے اعتبار سے تیرے رب کی بات مکمل ہو گئی۔ اسی لیے فرمان خداوندی ہے:

نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا الیك هذا القرآن و ان کنت من قبله لمن الغافلین۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، اگرچہ آپ اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔"

یعنی جو کچھ اس میں آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ اس سے پوری طرح واقف نہ تھے۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و کذالك اوحینا الیك روحا من امرنا ما ــــ تصیر الامور ﴿سورۃ الشوریٰ﴾

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب! ہم نے بنادیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بے شک آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ خوب سن لو سب کاموں کا انجام اللہ کی طرف ہی ہے۔"

کذالك نقص علیك من انباء ما قد سبق و قد آتیناك من لدنا ذکرا من اعرض عنه فانه یحمل یوم القیامة وزرا۔ خالدین فیها و ساء لهم یوم القیامة حملا ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی جناب سے ایک پند نامہ، جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ، یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کیلئے روز قیامت یہ بوجھ۔"

یعنی جو قرآن مجید سے منہ موڑے گا اور کسی اور کتاب کی اتباع کرے گا تو وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ ترمذی میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے قرآن کو چھوڑ کر کسی اور کتاب سے ہدایت حاصل کرنا چاہی اسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔"

قرآن روشن کتاب ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک کتاب لے کر جو انہوں نے کسی اہل کتاب سے لی تھی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ناراض ہو گئے اور فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! کیا تم اس کی تعلیمات سے بھٹک جانا چاہتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس وہ کلام لایا ہوں جو اس سے زیادہ روشن اور پرنور ہے۔ تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں سچی بات بتائیں اور تم تکذیب کر بیٹھو اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اطاعت کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔" (اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

اس حدیث کو امام احمد نے ایک اور سند سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں الفاظ بھی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے پھر تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ تم امتوں میں میرا ہی حصہ ہو اور میں نبیوں میں تمہارا حصہ ہوں۔"

اس حدیث کے مختلف طرق اور الفاظ سورۂ یوسف کی تفسیر کی ابتداء میں وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن لوگوں سے خطاب فرمایا اور اپنے خطبہ میں کہا: "اے لوگو! بے شک مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے اور خاتم الانبیاء بنایا گیا ہوں اور میرے لیے بہت ہی اختصار کیا گیا ہے۔ میں اللہ کے دین کی باتیں روشن اور تاباں لایا ہوں۔ خبردار کہیں بھٹک نہ جانا۔ یہ بہکے ہوئے لوگ (یہودی اور نصرانی) کہیں تمہیں بھی گمراہ نہ کر دیں۔ پھر آپ کے حکم سے اس کتاب کا ایک ایک حرف مٹا دیا گیا۔

قرآن میں تذکرہ:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذ قال یوسف لابیہ .... ان ربک علیکم حکیم۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: ”جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو، میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب اور سکھاوے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحاق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔“

اس سے پہلے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ہم نے گزشتہ صفحات میں ان کے نام بھی لکھ دیے ہیں۔ انہیں بارہ بیٹوں کی طرف بنی اسرائیل کے تمام قبیلے منسوب ہیں۔ ان تمام بیٹوں میں سب سے جلیل القدر اور عظیم المرتبت حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

دیگر اہل حضرات اس طرف گئے ہیں کہ سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں کوئی اور نبی نہیں ہوا اور نہ کسی اور کی طرف وحی کی گئی ہے ان کے حالات زندگی بھی اس کے متقاضی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا۔ ہاں ایک آیت کریمہ سے ان کی نبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل آمنا باللہ و ما انزل الینا وما انزل علی ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: ”آپ فرماتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر۔“

گمان کیا جاتا ہے کہ اسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں۔ لیکن یہ استدلال قوی نہیں ہے، کیونکہ اسباط سے مراد بنی اسرائیل کے قبیلے ہیں اور ان پر نازل ہونے والی وحی سے مراد ان کی نسل سے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی ہے۔ اور

اس نظریہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نص میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا ذکر ہے۔ آپ کے بھائیوں میں سے کسی بھی شخصیت کا اس ضمن میں ذکر نہیں کیا گیا، اگر ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ بھی کوئی نبی یا رسول ہوتا تو ان کا بھی اسی خصوصیت سے تذکرہ کیا جاتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلا نظریہ صحیح ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی نبی ہیں۔

جسے ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ امام احمد کی روایت کردہ ایک حدیث میں بھی یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔“ (اسے اس سند کے ساتھ روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں۔ ہم اس حدیث کے مختلف طرق قصہ ابراہیم علیہ السلام میں ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔)

عظیم خواب:

مفسرین کرام اور کئی دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی چھوٹے تھے بالغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے یہ اشارہ تھا باقی بھائیوں کی طرف۔ اور چاند سورج اور ان سے مراد تھے آپ کے والدین سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام یہ خواب دیکھ کر پریشان ہو گئے، جب بیدار ہوئے تو اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بات کی، آپ سمجھ گئے کہ یوسف دنیا و آخرت میں بلند و بالا مقام و مرتبہ پر فائز ہوگا اور اسے اس قدر عظیم منصب عطا ہوگا کہ بھائی اور والدین ان کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ انہوں نے حکم دیا کہ بیٹا! خبردار! یہ خواب اور کسی سے نہیں کہنا۔ بھائیوں میں سے کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہونے پائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حسد و کینہ میں آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور آپ کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنے لگیں۔

اس سے مذکورہ نظریے کی تائید بھی ہوتی ہے کہ گیارہ میں سے اور کوئی بھی معصوم نہیں تھا۔ اسی لیے بعض آثار میں آیا ہے: ”اگر اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتے ہو تو انہیں چھپاؤ کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔“

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ واقعہ والد اور بھائیوں کو بتا دیا اور کسی سے بھی نہ چھپایا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی تعبیر بھی ان کی موجودگی میں دی اور انہیں کتمان راز کا حکم نہیں دیا، اسی لیے وہ آپ سے حسد کرنے لگے اور آخر ان کے خلاف سازش کر بیٹھے۔

"و كذالك يجتبيك ربك" ترجمہ: "اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب۔" یعنی جس طرح تیرے رب نے تجھے یہ عظیم خواب دکھایا ہے جب تو اسے بھائیوں سے چھپائے گا تو "يجتبيك ربك" ترجمہ: "چن لے گا تجھے تیرا رب" یعنی اپنے لطف و کرم کیلئے۔ "و يعلمك من تاويل الاحاديث" ترجمہ: "اور سکھادے گا تجھے باتوں کا انجام" یعنی کلام کا مفہوم اور ایسے خوابوں کی تعبیر جس تک دوسرے لوگوں کی رسائی نہیں ہوگی۔ "و يتم نعمته عليك" ترجمہ: "اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر" یعنی تیری طرف وحی فرمائے گا۔ "و على آل يعقوب" ترجمہ: "اور یعقوب کے گھرانے پر۔" یعنی تیرے طفیل ان پر بھی اللہ کا رحم و کرم ہوگا اور دینی و دنیاوی بھلائیاں حاصل ہوں گی۔ "كما اتمها على ابويك من قبل ابراهيم و اسحاق" جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحاق (علیہم السلام) پر" یعنی ان کی طرف تجھ پر بھی انعام و اکرام ہوگا اور جس طرح ان کو نبوت سے نوازا گیا آپ کو بھی نبوت سے نوازا جائے گا، جس طرح تجھے حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا باپ، حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا دادا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا پردادا عطا کیا، اسی طرح تجھ پر اپنی اور نعمتیں بھی نچھاور کرے گا۔ "ان ربك عليم حكيم" ترجمہ: "یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔"

۞ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الله اعلم حيث يجعل رسالته ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو۔"

اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی جو اللہ کے نبی کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔"

گیارہ ستاروں کے نام:

علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے بستانہ الیہودی کہا جاتا تھا۔ اور کہا: اے محمد! (ﷺ) مجھے ان ستاروں کے نام بتایئے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام نے سجدہ کرتے دیکھا تھا؟ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام ان ستاروں کے نام لے کر حاضر ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسی یہودی

کی طرف ایک شخص بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر میں تمہیں ان ستاروں کے نام بتادوں تو کیا تو مسلمان ہو جائے گا؟ یہودی نے کہا: ہاں۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ ستارے "جریان، طارق، ذیال، ذوالکتفان، قابس، وثاب، عمودان، فیلق، مصبح، ضروح، ذوالفرع، ضیاء اور نور" ہیں۔ یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! یہی نام ہیں ان ستاروں کے۔

ابویعلی سے روایت ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے بات کی تو انہوں نے فرمایا: "یہ یقینی امر ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے پختہ ارادہ فرمالیا ہے۔ سورج سے مراد آپ کے والد گرامی اور چاند سے مراد آپ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

لقد كان في يوسف و اخوته ...... ان كنتم فاعلين۔ ﴿سورۃ یوسف﴾

ترجمہ: "بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں (کے قصہ) میں کئی نشانیاں ہیں، دریافت کرنے والوں کیلئے، جب بھائیوں نے (آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے حالانکہ ہم ایک (مضبوط) جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارے والد (ایسا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں۔ قتل کر ڈالو یوسف کو یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں (یوں) تنہا ہو جائے گا۔ تمہاری طرف تمہارے باپ کا رخ۔ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کرکے) نیک قوم (بن کر) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں اٹھالیں گے اسے کوئی راہ چلتے مسافر، اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے۔"

اس قصہ میں جو آیات، حکمتیں پند و نصائح اور رہنمائی کا جو سامان ہے اس سے امت مصطفیٰ کو اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے، پھر حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے ماں باپ کی طرف سے حقیقی بھائی بنیامین سے ان کے حسد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ برادران حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ سے شکایت تھی کہ وہ جتنی توجہ یوسف اور بنیامین پر مبذول کرتے ہیں اتنی محبت ان بھائیوں پر روا نہیں رکھتے، حالانکہ تعداد میں یہ زیادہ ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان بھائیوں کو چاہتے جو ان کی تقویت کا باعث بن سکتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ہم یوسف اور بنیامین کی نسبت والد گرامی کی محبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ "ان ابانا لفي ضلال مبين۔" ترجمہ: "ان دو بھائیوں کو ہم پر ترجیح دینے میں وہ حق بجانب نہیں ہیں۔"

پھر وہ باہم مشورہ کرتے ہیں کہ یوسف کو قتل کر دیا جائے یا اسے اس زمین سے کہیں دور جا کر چھوڑ دیا جائے جہاں سے وہ واپس نہ آ سکے تا کہ والد کی تمام محبت اور شفقت ان ہی کیلئے ہو کر رہ

جائے اور اس میں کوئی اور حصہ دار نہ بن جائے۔ قتل چونکہ گناہ کبیرہ ہے اور انہیں احساس تھا کہ یہ کام اچھا نہیں، اس لیے کہنے لگے کہ اس جرم شنیع کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لیں گے۔ جب قتل یوسف پر تمام ہم خیال اور متفق ہو گئے تو "قال قائل منهم" ایک کہنے والے نے کہا: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ شمعون تھا۔ سدی کا قول ہے کہ یہودا تھے، قتادہ اور محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ وہ روبیل تھا۔

بھائیوں کا حسد:

لا تقتلوا یوسف و القوہ فی غیابة الجب یلتقطه بعض السیارة ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں اٹھا لیں گے اسے کوئی راہ چلتے مسافر۔"

یعنی کنوئیں سے قریب سے گزرنے والے راہ گیر "کنتم فاعلین" یعنی اگر تم نے ہر حالت میں کچھ کرنا ہی ہے تو پھر قتل نہ کرو، میرے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسے کسی کنوئیں میں ڈال دو تا کہ کوئی کارواں اسے نکال کر کہیں دور لے جائے۔ تمام نے اس رائے کو قبول کر لیا اور

قالوا یا اباتا مالك لا تامنا علی یوسف ...... انا اذا لخسرون ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "انہوں نے (آ کر) کہا اے ہمارے باپ! کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار ہی نہیں کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ آپ بھیجئے اسے ہمارے ساتھ کل تا کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور (کوئی فکر نہ کیجئے) ہم اس کے نگہبان ہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک مجھے غم زدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر ہو۔ کہنے لگے: اگر کھا جائے اسے بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، بے شک ہم تو بڑے زیاں کار ہوئے۔"

باپ سے تو انہوں نے یہ کہا کہ آپ ہم پر اعتبار کریں اور بھائی یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجیں تا کہ وہ ہمارے ساتھ مویشی چرائے، کھیلے کودے اور خوش ہو لیکن دل میں مکر و فریب تھا جس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا: اے میرے بیٹو! میں تو اسے ایک پل بھی اپنے سے الگ نہیں کر سکتا، اور مجھے اندیشہ بھی ہے کہ تم کھیل کود میں مشغول ہو جاؤ گے بھیڑیا آئے گا اور اس معصوم بچے کو لقمہ تر بنا لے گا، اور تم اپنے بچنے اور کھیل کود میں معروف ہونے کی وجہ سے یوسف کو اس سے نہیں بچا سکو گے۔ وہ بیک زبان کہنے لگے: ابا جان! یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے بھائی سے غافل ہو جائیں اور جتھہ ہونے کے باوجود بھیڑیے سے اس کی حفاظت نہ کر سکیں، اگر ہم

ایسا کرنے میں ناکام رہے تو پھر ہم ہلاک ہوئے اور خائب و خاسر ٹھہرے۔

اہل کتاب کے ہاں یہ واقعہ یوں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے پیچھے خود بھیجا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام راستہ سے بھٹک گیا حتیٰ کہ ایک شخص نے اس کی رہنمائی کی اور وہ بصد مشکل بھائیوں تک پہنچا لیکن یہ بیان بالکل غلط اور ناقص ترجمہ کا نتیجہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام تو اسے ان کے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں تھے، وہ انہیں اکیلے کیسے بھیج سکتے تھے۔

بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا:

فلما ذهبوا به و اجمعوا ...... والله المستعان علی ما تصفون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "پھر جب (بڑے اصرار سے) اسے لے گئے اور سب نے یہی طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں، اور (عین اس وقت) ہم نے اس کی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں) تم ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر اور وہ (تیرے رتبہ عالی کو) نہیں سمجھتے، اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری کرتے ہوئے (آ کر) کہا یا ابا جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس) کھا گیا اس کو بھیڑیا اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں، اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر۔ آپ نے فرمایا: (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمہارے نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔"

وہ اپنے والد گرامی سے بار بار مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ آپ یوسف کو بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ جونہی والد کی آنکھوں سے اوجھل ہوئے ان کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو برا بھلا کہنے لگے، اپنے معصوم بھائی کی بے عزتی کرنے لگے اور قولاً فعلاً اس کی اہانت کی ٹھان لی۔ آخر اسے کنوئیں کی تہہ میں ڈالنے کو تیار ہو گئے۔ یعنی جہاں دن کے اجالے میں بھی تاریکی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ کنوئیں کے درمیان میں ایک پتھر رکھا جاتا ہے جو دیوار سے قدرے باہر نکلا ہوتا ہے۔ جب کنوئیں کا پانی کم ہو جاتا ہے تو اس پر کھڑے ہو کر ڈول بھرا جاتا ہے اور کنوئیں کے منہ پر کھڑا ایک دوسرا شخص اس بھرے ہوئے ڈول کو کھینچتا ہے، جو شخص اس پتھر پر کھڑے ہو کر پانی کھینچتا ہے عربی میں اسے "ماتح" کہتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ یوسف کو کسی گہرے کنوئیں کے وسط میں لگے اس پتھر پر پھینک دیا جائے تا کہ وہ قتل بھی نہ ہو اور راہ گیروں کے ذریعے یہاں سے دور کسی ملک میں چلا جائے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا، تو اللہ تعالیٰ نے

وحی فرمائی: "اے میرے محبوب بندے! تمہیں اس مشکل سے ضرور چھٹکارا اور رہائی ملے گی، جس مصیبت میں آپ گرفتار ہیں، تھوڑی دیر میں اللہ تعالیٰ تمہیں نکال لے گا اور آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔ وہ آپ کے دروازے پر محتاج بن کر آئیں گے، وہ آپ سے ڈر رہے ہوں گے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوگی کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ "وھم لا یشعرون" کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آج معلوم بھی نہیں اور ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ آپ کو وحی سے سرفراز فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "وھم لا یشعرون" کا مطلب یہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ آپ انہیں ان حالات سے آگاہ کر رہے ہوں گے، انہیں ان کی تم شعاریاں ایک ایک کر کے گنوا رہے ہوں گے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ آپ خود حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ (اسے ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

والد کی خدمت میں خون آلود قمیص کے ساتھ:

جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر واپس ہوئے تو آپ کی قمیص کو خون آلود کر دیا اور عشاء کے وقت روتے پیٹتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے "وجاء وا اباھم عشاء یبکون" کا مطلب ہے "یبکون علی اخیھم" وہ اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر رو رہے تھے۔ اسی لیے بعض اسلاف فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی آہ و بکا سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہی جو مظلوم نظر آ رہا ہے خود ظالم ہو، اور اپنے ظلم کو چھپانے کیلئے مگر مچھ کے آنسو بہا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے برادران یوسف کی آہ و بکا کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ رات کے وقت روتے ہوئے اپنے والد گرامی کے پاس آئے۔ یعنی رات کی تاریکی میں تاکہ رات کی تاریکی ان کی غداری کو ڈھانپ دے نہ کہ ان کے عذر پر پردہ ڈالے۔

قالوا یا ابانا انا ذھبنا نستبق و ترکنا یوسف عند متاعنا ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "(آ کر) کہا یا والد جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس۔"

سامان سے مراد کپڑے ہیں "فاکلہ الذئب" (ہائے افسوس) "کھا گیا اس کو بھیڑیا" یعنی جب ہم دوڑ لگانے چلے گئے اور یوسف اکیلے رہ گئے تو ہماری غیر موجودگی میں بھیڑیے نے یوسف کو کھا لیا۔ "و ما انت بمؤمن لنا و لو کنا صادقین۔" ترجمہ: "اور آپ نہیں مانیں گے ہماری

بات اگرچہ ہم سچے ہیں۔"

یعنی یوسف کو بھیڑیا کھا جانے کی خبر میں اگرچہ ہم سچے ہیں اور اس میں ہم ذرا بھی جھوٹ نہیں کہہ رہے لیکن آپ ہماری تصدیق نہیں فرمائیں گے، اگرچہ ہم بے قصور ہیں اور ہمیں قصوروار ٹھہرا بھی کیسے سکتے ہیں؟ آپ کو خدشہ تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا جائے گا اور ہم نے ضمانت دی تھی کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے کیونکہ ہم بہت سارے ہیں لیکن ہم اپنا وعدہ وفا نہیں کر سکے۔ اس لیے اگر آپ ہماری اس حالت میں تصدیق نہیں فرمائیں گے تو ہم آپ کو معذور سمجھیں گے۔

"وجاء و اعلی قمیصہ بدم کذب" ترجمہ: "اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر۔" کذب کا معنی جھوٹا اور بناوٹی ہے، کیونکہ انہوں نے ایک نوزائیدہ بھیڑ کے بچے کو ذبح کیا اور اس کے خون سے یوسف کی قمیص رنگین کر دی، تاکہ والد کو باور کرا سکیں کہ یوسف کو واقعی بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔ لیکن جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے وہ کرتے کو پھاڑنا بھول گئے۔ جھوٹ کیلئے آفت نسیان ہے۔ جب ان پر شک اور ارتیاب کی علامتیں ظاہر ہو گئیں تو باپ کے سامنے ان کا پول کھل گیا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو پہلے سے جانتے تھے کہ وہ یوسف کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور باپ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہونے کی وجہ سے اس سے حسد کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس عمر میں وہ اس قدر جلال و رعب رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت سے سرفراز فرمانا چاہتا تھا تو وہ یوسف کو دھوکہ دینے کے متعلق سوچنے لگے، کیونکہ وہ نہ تو نبوت کا نور حاصل کر سکتے تھے اور نہ باپ سے یوسف جیسا پیار لے سکتے تھے، اس لیے حسد میں آ کر سازش کرنے لگے کہ کسی طرح یوسف کو والد گرامی سے الگ کیا جائے۔ بہرحال وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر روتے ہوئے آئے اور اپنے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کرنے لگے اور ایک دوسرے کو سچا ثابت کرنے کیلئے جھوٹی کہانی گھڑ لی۔

- اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا:

قال بل سولت لکم انفسکم امرا۔ فصبر جمیل۔ واللہ المستعان علی ما تصفون

ترجمہ: "آپ نے فرمایا: (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمہارے نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔"

اہل کتاب کا نظریہ ہے کہ روبیل نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے کا مشورہ دیا تھا

اور اس کا مقصد یہ تھا کہ میں یوسف کو ان کی عدم موجودگی میں خاموشی سے کنوئیں سے نکال کر والد گرامی کے سپرد کر دوں گا۔ پس وہ اس کے ساتھ سازش کرنے کا موقع تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ ایک قافلہ وہاں سے گزرا، انہوں نے یوسف کو اس کے ہاتھ بیچ دیا، دن کے آخری پہر جب روبیل کنوئیں پر آیا تا کہ یوسف کو نکالے تو کیا دیکھتا ہے کہ یوسف کنوئیں میں نہیں۔ وہ چیخا چلایا اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے، ان تمام نے مل کر ایک بکرا ذبح کیا اور یوسف کا پیراہن خون آلود کیا، جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر ملی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس نے گریبان چاک کر دیا اور ٹاٹ اپنی کمر پر باندھ لیا اور کئی دنوں تک اپنے بیٹے پر ماتم کرتا رہا اور اصل یہ اہل کتاب کی تعبیر اور نقل کی غلطیاں ہیں جو اکثر ترجمہ میں کر جاتے ہیں۔

و جاءت سیارۃ فارسلوا واردھم ------ و کذلک نجزی المحسنین۔ (سورۃ یوسف)

ترجمہ: "اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا تو اہل قافلہ نے (پانی لانے کیلئے) اپنا آب کش بھیجا، اس نے لٹکایا اپنا ڈول، وہ پکارا اٹھا خوشخبری ہو! یہ بچہ ہے اور انہوں نے چھپا دیا اسے متاع (گراں بہا) سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے اور انہوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیر سی قیمت پر چند درہموں کے عوض۔ اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے اپنی بیوی کو عزت و اکرام سے اسے ٹھہراؤ شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنا لیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تا کہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں نبوت اور علم اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ قصہ یوسف کو بیان کر رہا ہے، جب ان کے بھائیوں نے انہیں کنوئیں کی تاریک تہہ میں پھینک دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مشکل کشائی کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک قافلہ آیا۔ اہل کتاب کے بیان کے مطابق وہ تاجر تھے اور شام سے مصر کو جا رہے تھے اور ان کے اونٹوں پر جو مال تجارت لدا ہوا تھا، اس میں نکعت، بلسان اور دھونا بھی تھا۔ انہوں نے چند آدمیوں کو پانی لینے کیلئے کنوئیں پر بھیجا، جب ایک شخص نے ڈول لٹکایا تو یوسف اس سے چمٹ گئے۔ جب اس آدمی کی یوسف پر نظر پڑی تو وہ حیران ہوا اور "قال یا بشری" کہنے لگے "مژدہ بادا ھذا غلام و اسروہ بضاعۃ" یعنی وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ بچہ ہمارا زر خرید غلام ہے۔

"واللہ علیم بما یعملون" یعنی برادران یوسف کی سازش سے وہ واقف ہے وہ علیم و خبیر خدا جانتا ہے کہ ان کے بھائیوں کے دلوں میں کیا چھپا ہے اور کنوئیں سے نکالنے والے کیا سوچ رہے ہیں۔
لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی حالت کو تبدیل نہیں فرماتا بلکہ انہیں قافلہ والوں کے ہاتھ بکنے دیتا ہے، کیونکہ اس میں بہت بڑی حکمت، تدبیر خداوندی اور اہل مصر کیلئے اس کی رحمت کا راز پوشیدہ تھا۔ اس سرنہاں کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام ایک غلام، اسیر کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوگا، پھر مملکت کی باگ ڈور سنبھالے گا اور اللہ انہیں یوسف کے ہاتھ سے دنیا اور آخرت کی وہ نعمتیں عطا کرے گا جو نہ کسی بیان میں آسکتیں ہیں اور نہ وہم و گمان میں۔

کھوٹے سکوں میں فروخت:

جب برادران یوسف کو معلوم ہوا کہ یوسف تو قافلہ والوں کے ہاتھ لگ گیا ہے، تو ان کے پاس گئے اور کہنے لگے یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ قافلہ والوں نے بہت کم قیمت پر انہیں خرید لیا، ثمن بخس کا معنی ہے بہت ہی تھوڑی رقم، اس کا دوسرا معنی کھوٹے سکے بھی کیا گیا ہے۔ "دراھم معدودۃ و کانوا فیہ من الزاھدین۔" ترجمہ: "چند درہموں کے عوض اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔"

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، نوف البکالی، سدی، حضرت قتادہ اور عطیہ عوفی رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ بھائیوں نے یوسف کو بیس درہموں کے عوض بیچ ڈالا، اور وہ دو اپنے حصے کے درہم ہر ایک نے لے لیے۔ مجاہد کا قول ہے کہ چالیس درہم قیمت مقرر ہوئی۔ (واللہ اعلم)

عزیز مصر کا خریدنا:

"و قال الذی اشتراہ من مصر لامرأتہ اکرمی مثواہ" ترجمہ: "اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا، اہل مصر سے اپنی بیوی کو عزت و اکرام سے اسے ٹھہراؤ" یعنی اس معصوم بچے سے حسن سلوک سے پیش آنا اور اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا "عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا" شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنا لیں ہم اسے اپنا فرزند۔"

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ خاص یوسف کو نوازنا چاہتا تھا۔ چونکہ دنیوی اور اخروی بھلائیاں اس درشہوار کا مقدر ہو چکی تھیں، اس لیے عزیز مصر کے دل میں یوسف کیلئے پدرانہ جذبے پیدا ہو گئے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے والے عزیز مصر تھے جسے بادشاہ کے دربار میں ایک وزیر کی حیثیت حاصل تھی۔ اور تمام خزانوں کا وہ اکیلا منتظم تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں: کہ اس کا اصل نام اطفیر بن روحیب ہے۔ ان دنوں مصر پر ریان بن ولید عمالقی کی حکومت تھی۔ ابن اسحاق کے بقول عزیز کی بیوی کا نام "راعیل" بنت رماییل تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا نام "زلیخا" تھا۔ ظاہر ہے اس کا اصل نام راعیل ہوگا اور زلیخا لقب کرتی ہوگی۔ ثعلبی ابن ہشام رفاعی سے روایت کرتے ہوئے عزیز کی بیوی کا نام فکابت بنت ینوس بتاتے ہیں۔

محمد ابن اسحاق، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچا اور رقم وصول کی اس کا نام مالک بن زعر بن نویت بن مدیان بن ابراہیم علیہ السلام تھا۔ (واللہ اعلم)

صاحب فراست حضرات:

ابن اسحاق ابی عبیدہ سے اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تین آدمیوں نے تمام لوگوں سے زیادہ فراست کا ثبوت بہم پہنچایا۔ ایک عزیز مصر نے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا "اسے عزت و اکرام سے ٹھہراؤ" دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام کی بچی نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے باپ سے عرض کی: "اے میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو دیانتدار بھی ہو۔" اور تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انہوں نے اپنے بعد حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المومنین منتخب فرمادیا۔"

کہا جاتا ہے کہ عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس دینار میں خریدا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک پلڑے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بیٹھایا گیا اور دوسرے پلڑے میں عنبر، ریشم اور چاندی رکھی گئی اور یوسف کو ان قیمتی چیزوں سے تول کر خریدا گیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دیکھ بھال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: "وکذالک مکنا لیوسف فی الارض" "ترجمہ: "اور یوں ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں۔"

یعنی جس طرح ہم نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کی وساطت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حسن سلوک اور رحم و کرم کا برتاؤ کیا اسی طرح سرزمین مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے امن کا

گہوارہ بنادیا۔ "ولنعلمه من تاویل الاحادیث" "ترجمہ: "اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر" یعنی انہیں سمجھنے اور ان کی تعبیر دینے کا علم۔

"واللہ غالب علی امرہ" "ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر۔"

یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اس کے لیے اسباب مہیا فرمادیتا ہے اور اس کے لیے وہ راستے بھی ہموار کردیتا ہے جو لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: "و لکن اکثر الناس لا یعلمون" "ترجمہ: "لیکن اکثر لوگ اس (حقیقت) کو نہیں جانتے۔"

ولما بلغ اشدہ اتینہ حکما و علما۔ و کذالک نجزی المحسنین۔

ترجمہ: "اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں نبوت اور علم۔ اور یونہی نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعات عنفوان شباب کی عمر کو پہنچنے سے پہلے پیش آئے اور اس سے مراد چالیس سال کی عمر ہے۔ اور اسی عمر میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی فرماتا ہے۔

شدت بلوغت کی عمر کے بارے اہل علم کا اختلاف ہے۔ حضرت مالک، ربیع، زید بن اسلم اور شعبی علیہم الرحمۃ کہتے ہیں کہ وہ بلوغت کی عمر ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی عمر کو بلوغ الاشد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ بیس سال۔ عکرمہ کے نزدیک پچیس سال۔ سدی کے قول کے مطابق تیس سال۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ تینتیس ۳۳ سال حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چالیس سال سورۃ احقاف کی آیت کریمہ بھی اس آخری قول کی تائید کرتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

حتی اذا بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ۔ ﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا:

و راودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ .... انک کنت من الخطئین۔ (یوسف ۲۳-۲۹)

"اور بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے۔ اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کردیے اور (بصد ناز) کہنے لگی بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔ اس

نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے۔ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لیے گئے ہیں۔ اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔ جھٹ بول اٹھی کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔ اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی قصورواروں میں سے ہے۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو بیان فرما رہا ہے کہ عزیز کی بیوی نے کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی اور کس طرح زلیخا نے یوسف سے ایک ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو ان کے حال اور مقام کے لائق نہیں تھی۔ وہ عورت بے حد حسین تھی اور بے تحاشا مال و دولت کی مالک تھی۔ اس کے پاس منصب بھی تھا اور شباب بھی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام اور اپنے اوپر دروازے بند کر دیے تھے۔ خوب ہار سنگھار کیا تھا۔ خوبصورت ترین کپڑے زیب تن کیے۔ نفیس ترین زیور پہنے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سب سے بڑے عہدہ دار عزیز مصر کی بیوی تھی۔

ابن اسحاق کے مطابق وہ مصر کے بادشاہ ریان بن ولید کی بہن بھی تھی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام بھی صاحب حسن و جمال تھے اور ساتھ ساتھ عنفوان شباب پر تھے اور اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے۔ انبیاء کرام کی پشت سے ایک عظیم انسان۔ اس لیے اللہ کریم نے انہیں اس برائی سے بچالیا۔ اور عورتوں کے مکروفریب سے محفوظ رکھا۔

متقیوں کے سردار:

حضرت یوسف علیہ السلام سات متقیوں کے سردار ہیں۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ذکر کیا گیا

ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اس دن بھی اللہ کا سایہ میسر ہوگا جس دن اس کے سایے کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو خلوت میں ذکر خداوندی کرے اور اس کی آنکھیں بھیگ جائیں۔ (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لگا ہو۔ جب وہ مسجد سے باہر جائے تو واپس آجائے اللہ کی محبت پر جدا ہوں۔ (۴) وہ آدمی جو اللہ کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہوں۔ وہ اللہ کی محبت پر اکٹھے ہوں اور اللہ کی محبت پر جدا ہوں۔ (۵) وہ آدمی جو صدقہ کرے تو چھپا کر کرے حتیٰ کہ دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ (۶) وہ جوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پروان چڑھا ہو۔ (۷) وہ آدمی جسے منصب و جمال کی مالک خاتون برائی کی دعوت دے اور وہ جواب میں کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

مقصود یہ ہے کہ عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف بلایا اور بہت بڑے گناہ کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا۔ "معاذ اللہ ربی" "خدا کی پناہ! یوں نہیں ہو سکتا وہ تیرا خاوند میرا محسن ہے"۔ یعنی اس گھر کا مالک تیرا سرتاج میرا آقا ہے۔ اور میں یہ کیسے کر سکتا ہوں "احسن مثوای" "اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے" اور مجھ پر انعام و اکرام کی بارش کی ہے۔ "انه لا یفلح الظالمون" "بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے" "ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه" "اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل" ہم اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اس ضمن میں پیش کیے جانے والے اکثر اقوال کا تعلق اسرائیلیات سے ہے اس لیے ان سے اعراض بہتر ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا بہر حال ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کو داغدار نہ ہونے دیا اور خود ان کی حفاظت فرمائی۔ اس عورت نے ہزار کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن پر حرف نہ آنے دیا۔ قدرت کے ہاتھوں نے خود اس عورت کے دام فریب کو تار تار کیا اور اس کے مکروفریب کو نیست و نابود کر دیا۔ اس لیے اللہ رب العزت فرماتا ہے:

كذالك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين

"یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لیے گئے ہیں۔"

واستبقا الباب "اور وہ دونوں دوڑ پڑے دروازے کے طرف" یعنی حضرت یوسف علیہ السلام تو

اس عورت سے دامن چھڑانے کیلئے دروازے کی طرف بھاگے تاکہ نکل بھاگیں اور برائی سے بچ جائیں۔ مگر عورت پیچھا کرتی ہوئی حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑ پڑی۔ والفیا "ان دونوں نے کھڑا پایا" الفی کا معنی وجد (پانا) ہے سیدھا "اس کے خاوند کو" سید خاوند کے معنی میں ہے۔ لدالباب "دروازے کے پاس" فوراً عزیز کی بیوی بولنے لگی اور کہا یوسف گناہ گار ہے۔

قالت ماجزاء من اراد باهلك سوء الا ان يسجن او عذاب اليم

"تہمت بول اٹھی کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔

گناہ گار تو وہ خود تھی لیکن جب اپنے خاوند کو دروازے پر کھڑے پایا تو حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگا دی اور اپنی برات ظاہر کرنے لگی کہنے لگی میں تو بالکل بے گناہ ہوں اصل قصور یوسف کا ہے۔ اس تہمت بلکہ بہتان صریح کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "هي راودتني عن نفسي" "اس نے بہلانے چاہا ہے مجھے کہ مطلب براری کرے" اور چونکہ معاملہ نازک تھا اس لیے آپ نے حقیقت کو کھول کر بیان کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

دودھ پیتے بچے کی گواہی:

وشهد شاهد من اهلها۔ "اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گواہی دینے والا پنگھوڑے میں جھولتا ایک بچہ تھا۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ہلال بن یساف، حضرت حسن البصری، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ علامہ ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بھی روایت کی گئی ہے اور باقی لوگوں نے ان کی موافقت کی ہے۔" ایک قول یہ بھی ہے کہ قطفیر جو اس عورت کا خاوند تھا اس کے قریب ایک اور شخص بھی کھڑا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس عورت کا قریبی رشتہ دار تھا۔ جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ وہ کوئی آدمی تھا زلیخا کا رشتہ دار نہیں تھا وہ حضرت ابن عباس، حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت سدی، محمد بن اسحاق اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہم ہیں۔ بہر حال کوئی بھی ہو اس نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ان كان قميصه قد من قبل فصدقت وهو من الكاذبين۔ "اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے" یعنی اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوگی تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے دست درازی کی ہے اور عورت نے مدافعت کی ہے جس کے نتیجے میں آگے سے یوسف کی قمیص پھٹ گئی ہے۔ وان كان قميصه قد من دبر فكذبت وهو الصادقين۔ "اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہے۔" یعنی اس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے ہاتھ چھوڑا کر بھاگے ہوں گے اور اس نے پیچھا کرتے ہوئے اس کی قمیص پکڑ لی ہے۔ جس کے نتیجے میں قمیص پیچھے سے پھٹ گئی ہے۔ جب دیکھا گیا تو قمیص واقعی پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما راى قميصه قد من دبر قال انه من كيدكن۔ ان كيدكن عظيم۔

"جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔"

یعنی یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں تم عورتوں کا مکر و فریب ہے۔ تو نے خود یوسف کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی ہے پھر اس معصوم پر بہتان لگا رہی ہے۔

پھر زلیخا کے خاوند نے اس سے صرف نظر کر لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے گویا ہوا۔ یوسف! اعرض عن هذا "اے یوسف! (پاکباز) اس بات کو جانے دو" یعنی اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ کیونکہ ایسے معاملات پر پردہ ڈالنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ پھر اپنی عورت کو حکم دیا کہ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع کر۔ کیونکہ جب ایک گناہ گار بندہ اس کی جناب میں توبہ و استغفار کرتا ہے تو وہ کریم توبہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے۔

اہل مصر اگرچہ بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ جو ذات گناہ معاف کرتی ہے یا گناہوں پر مواخذہ کرتی ہے وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اسی لیے زلیخا کے خاوند عزیز مصر نے اسے استغفار کا حکم دیا۔ اور بعض وجہ کی بناء پر اسے معذور خیال کیا۔ کیونکہ زلیخا نے وہ حسن بے پردہ دیکھا تھا جس کی تاب لانا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ صرف وہی اس حسن بے مثال کے نظاروں کا مقابلہ کر سکتا تھا جس کو رب تعالیٰ نے عفت بخشی ہو۔ اور جو سلیم الفطرت ہونے کے ساتھ ساتھ ہر لغزش سے پاک ہو۔ اسی لیے عزیز مصر نے اپنی بیوی کو صرف اتنا کہا" (اے عورت!) اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ بیشک تو ہی قصور واروں میں سے ہے۔"

شہر کی عورتوں کا زلیخا کو طعنہ:

وقال نسوة في المدينة امرات العزيز ———— انه هو السميع العليم۔ (یوسف: ۳۰-۳۴)

ترجمہ: ”اور کہنے لگیں عورتیں شہر میں کہ عزیز کی بیوی بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تاکہ اس سے مطلب برآری کرے۔ اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ اس کی محبت ہم دیکھ رہی ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ پس جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انہیں بلا بھیجا اور تیار کیں ان کے لیے مسندیں اور (جب وہ آ گئیں تو) دے دی ہر ایک کو ان میں ایک ایک چھری اور یوسف کو کہا (ذرا) نکل (تو) آ ذرا ان کے سامنے۔ پس جب (یوسف آئے اور) انہوں نے اس کو دیکھا تو اس عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں اور وارفتگی کے عالم میں کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں کو اور کہا انہیں سبحان اللہ! یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ زلیخا بولی یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا اور اگر وہ نہ بجا لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔ پس قبول فرمالی اس کی دعا اس کے رب نے اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو۔ بیشک وہ (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا اور ان کے (حالات) خوب جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان آیات طیبات میں مصری عورتوں کی طرف سے زلیخا پر طعن و تشنیع اور برے بھلے کو بیان فرما رہا ہے۔ مصری امراء کی بیویاں اور سرداروں کی نوجوان دوشیزائیں عزیز کی بیوی کو طعنے دینے لگیں اور اپنی مجلسوں میں اس کے عشق کے تذکرے کرنے لگیں۔ زلیخا بھی کتنی نادان ہے، کتنی بے وقوف عورت ہے کہ ایک نوجوان کو بلانے کی کوشش کرنے لگی ہے۔ وہ ایک غلام کو دل دے بیٹھی ہے حالانکہ وہ کسی صورت اس کے مساوی نہیں ہے۔ وہ غلام ہے اور یہ ملک کے سب سے بڑے رئیس کی بیوی۔ وہ کسی طرح اس سے میل نہیں کھاتا۔ کتنی بے ہودہ حرکت کی ہے زلیخا کو شرم نہیں آئی اپنے زر خرید غلام پر فریفتہ ہوئی پھرتی ہے۔ ”انا لنرھا فی ضلال مبین“ ترجمہ: ”ہم دیکھ رہی ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔“ ”ضلال“ کا معنی ہے کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کی اصل جگہ نہ بنتی ہو۔“

”فلما سمعت بمکرھن“ ترجمہ: ”پس جب زلیخا نے سنا عورتوں کی مکارانہ باتوں کو۔“ یعنی ان کے طعنوں کو اور برا بھلا کہنے کو سنا اور جو وہ اشارہ کر رہی تھی کہ زلیخا بے وقوف ہے کہ اپنے

غلام سے محبت کرنے لگی ہے اور اس سے اظہار عشق بھی کر بیٹھی ہے۔ وہ تو زلیخا کی مذمت کر رہی تھیں لیکن زلیخا درحقیقت معذور تھی۔ اس لیے اس نے اپنی معذوری ان پر آشکار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور انہیں بتانا چاہا کہ یوسف کوئی ایسا ویسا نوجوان نہیں۔ کہ اس کی طرف سے صرف نظر کیا جائے جیسا کہ گھروں میں کام کرنے والے عام غلام۔ زلیخا نے انہیں اپنے گھر بلا بھیجا اور اپنے محل میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا تاکہ مصر کا سارا حسن یہاں اکٹھا ہو اور میری مجبوری اپنی آنکھوں سے دیکھ لے عورتیں آ گئیں۔ کمرے میں ایسے پھل رکھ دیے گئے جو چھری سے کاٹ کر کھائے جاتے تھے۔ پھلوں کے ساتھ ساتھ ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی گئی۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوب بنا سنوار کر تیار کر رکھا تھا۔ ادھر خوبصورت کپڑے زیب تن تھے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن خداداد ضیاء بار تھا۔ زلیخا نے اشارہ کیا کہ ذرا انہیں اپنا مکھڑا دکھائیے۔ تاکہ ملامت کی زبانیں گنگ ہو جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ عورتیں کیا دیکھتی ہیں کہ چودھویں کے چاند سے کہیں زیادہ حسین چہرہ ان کے سامنے بے نقاب ہے۔

”فلما راینہ اکبرنہ“ ترجمہ: ”پس جب (یوسف آئے اور) انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں۔“

”اکبرنہ“ کا معنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن انہیں توقعات سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل محسوس ہوا اور وہ مبہوت و ششدر ہو کر رہ گئیں۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اتنا حسین کوئی بنی آدم میں بھی ہوگا۔ اور آپ کے حسن دل آرا سے اس قدر خود رفتہ ہوئیں کہ پھل کاٹنے کاٹتے ہاتھ کاٹتی چلی گئیں مگر زخم کا درد محسوس تک نہ ہوا۔ وقلن حاش للہ ماھذا بشرا۔ ان ھذا الا ملک کریم۔
ترجمہ: ”اور کہا انہیں۔ سبحان اللہ! یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔“

حسن یوسف:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں شب معراج حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کو حسن کا ایک وافر حصہ دیا گیا ہے۔

امام بیہقی اور دیگر آئمہ کرام کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن حضرت آدم علیہ السلام کا نصف حصہ عطا ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ حضرت آدم علیہ السلام بشری حسن کی آخری انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے۔ اسی لیے جنتی حضرت آدم علیہ السلام کی طوالت اور حسن لیے ہوئے جنت میں داخل

ہوں گے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے حسن کا نصف عطا ہوا تھا۔ جیسا کہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کے بعد اتنی حسین عورت دنیا پر پیدا نہیں ہوئی۔ سب سے زیادہ مشابہت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو تھی جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی مانند چمکتا تھا۔ اس لیے آپ کا معمول تھا کہ کوئی عورت کسی ضرورت کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی تو آپ اپنا چہرہ چھپالیا کرتے تھے۔ اور دیگر اسلاف کہتے ہیں کہ آپ لوگوں سے چھپنے کے لیے برقعہ پہنے رکھتے تھے۔

اس لیے جب حضرت یوسف علیہ السلام عورتوں کے سامنے تشریف لائے تو وہ زلیخا کو معذور سمجھنے لگیں۔ اور اس قدر خود رفتہ ہوئیں کہ چھریوں سے ہاتھ زخمی کر لیے۔ حسن یوسف کے رعب و جلال اور دہشت اور دبدبے نے ان سے بولنے کی قوت بھی سلب کر لی اور وہ صرف اتنا کہہ سکیں کہ یہ انسان نہیں کوئی پاکیزہ فرشتہ ہے۔

قالت فذلکن الذی لمتنی فیہ "زلیخا بولی یہ ہے وہ جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں" پھر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کی تعریف کی اور کہا: ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم "بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا رہا" "استعصم" کا معنی اعتصی (بچنا) ہے۔ ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونن من الصاغرین "اور اگر وہ بجا نہ لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔" دوسری عورتوں نے بھی آپ کو اپنی مالکن کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کی لیکن آپ نے سخت انکار فرمایا اور اس برائی سے دامن بچائے رکھا کیونکہ آپ انبیاء کرام کی پشت سے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں اور خواب کی تعبیر:

ان مشکل اور صبر آزما حالات میں آپ نے رب العالمین سے دعا کی:

رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین۔

"اے میرے پروردگار! قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔"

یعنی اگر تو نے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا تو میں اپنے نفس کے مقابلے میں عاجز اور کمزور ہوں۔ میں از خود نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ ہاں جو اللہ کو منظور ہو۔ میں کمزور ہوں ہاں جس کی مجھے تو قوت عطا کر دے اور مجھے محفوظ رکھے خود میری حفاظت فرمائے۔ اور اپنی قوت اور طاقت سے خود مجھے خطاب بچائے رکھے۔

فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن .... فیہ تستفتین۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

"پس قبول فرمالی اس کی دعا اس کے رب نے اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکرو فریب کو۔ بیشک سننے والا اور ان کے (حالات) خوب جاننے والا ہے۔ پھر مناسب معلوم ہوا انہیں اس کے باوجود کہ وہ (یوسف پاکبازی کی) ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان ان میں سے ایک نے (آکر) کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر کچھ روٹیاں، پرندے کھا رہے ہیں اس سے۔ آپ بتایئے ہمیں اس کی تعبیر۔ بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکو کاروں سے۔ آپ نے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتادوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس آئے۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا جو نہیں ایمان لاتا اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں تو پیرو بن گیا اپنے باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کا۔ نہیں روا ہمارے لیے کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ادا نہیں لاتے۔ اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے تم نہیں پوجتے اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اس کے یہی دین قیم ہے۔ لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اے قید خانے کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ (اٹل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب عزیز اور اس کی بیوی نے دیکھا کہ یوسف اگرچہ بے گناہ ہے لیکن لوگ اس کی وجہ سے ان پر زبان طعن دراز کر رہے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ اس کو قید کر دیا جائے تاکہ یہ قصہ ایک نیا رنگ اختیار کر جائے اور بجائے زلیخا کے لوگ یوسف کو گناہ گار سمجھنے لگیں کہ ایک غلام نے زلیخا پر دست درازی کی ہے اور اس جرم کی پاداش میں اسے کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام کو عملاً قید میں بند کر دیا گیا۔

درحقیقت تقدیر کا یہی فیصلہ تھا۔ مصر کی معاشرت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن عصمت و عفت کو بچانے کے لیے جیل کی کوٹھڑی بہت مناسب تھی۔ وہ قید کی سلاخوں کے پیچھے مصر کی گندی اور حیا سوز معاشرت سے دور ہو گئے اور عورتوں کے اختلاط سے دامن بچا رہا۔

اس آیت کریمہ سے بعض صوفیا کرام نے ایک لطیف نکتہ مستنبط فرمایا ہے جسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ گناہ کا موقعہ نہ ملنا بھی عصمت میں شمار ہوتا ہے۔

ودخل معہ السجن فتیان۔ "اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانے میں دو نوجوان"

ان میں سے ایک تو بادشاہ کا ساقی تھا اور اس کا نام "بنوا" تھا۔ اور دوسرا باورچی تھا یعنی جو بادشاہ کے لیے کھانا تیار کرتا تھا۔ ترک لوگ نان بائی کیلئے لفظ "چاشنگیر" استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نام "مجلث" تھا بادشاہ نے کسی مسئلے میں انہیں مجرم جانا تھا اور قید کا حکم سنا دیا تھا۔ جب یہ دونوں حضرت یوسف علیہ السلام سے قید خانہ میں ملے تو ان کی سیرت چال چلن۔ تقویٰ و پرہیزگاری۔ عاجزی و انکساری گفتار و کردار عبادت و ریاضت اور مخلوق خدا سے اچھا حسن سلوک دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ ہر ایک نے ایک خواب دیکھا جو اس سے مناسبت رکھتا تھا۔

اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ خواب ایک رات میں دیکھے تھے۔ ساقی دیکھتا ہے کہ گویا انگور کی تین بیلیں ہیں۔ جن پر خوشے نکل آتے ہیں اور وہ پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ ان خوشوں کو توڑتا ہے اور بادشاہ کے پیالے میں انگور کا رس نچوڑتا ہے اور پھر اسے پینے کو پیش کرتا ہے۔ نان بائی بولا۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر روٹی کے تین برتن ہیں۔ پرندے آتے ہیں اور اوپر والی ٹوکری سے کھانا کھا کر اڑ جاتے ہیں۔ ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں اپنا اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر پوچھی اور کہنے لگے "انا نراک من المحسنین" "یعنی" بے شک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکو کاروں سے" حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں بتا دیا کہ میں خواب کی تعبیر کا علم رکھتا ہوں اور اس کے معاملے سے باخبر ہوں۔

قال لایاتیکما طعام ترزقانہ الا نباتکما بتاویلہ قبل ان یاتیکما۔

"آپ نے اسے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتا دوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس آئے۔"

کہتے ہیں کہ آپ کی گفتگو کا مطلب یہ تھا کہ تم جب بھی کوئی خواب دیکھو گے تو اس کے وقوع سے پہلے میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ اور وقت بتا دے گا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا بعینہ وہی وقوع پذیر ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ تھا کہ کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ وہ میٹھا ہے یا کڑوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (سورۃ آل عمران)

"اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔"

آپ نے انہیں یہ بھی بتایا یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ کیونکہ میں اس پر ایمان لا چکا ہوں اسے خدائے یکتا تسلیم کرتا ہوں اور میں اپنے کریم آباؤ اجداد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی پیروی پر کمربستہ ہوں۔

ماکان لنا ان نشرک باللہ من شیء ذالک من فضل اللہ علینا

"نہیں روا ہمارے لیے کہ شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر۔"

یعنی اللہ کا یہ ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی۔ "وعلی الناس" "اور لوگوں پر۔" کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انہیں اللہ کی طرف بلائیں، ان کی رہنمائی کریں اور انہیں توحید کی راہ پر گامزن کریں جو انسان کی فطرت میں مرکوز اور جبلت میں ودیعت شدہ ہے۔ "ولکن اکثر الناس لایشکرون" "لیکن بہت لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی۔ غیر خدا کی پرستش کی مذمت فرمائی اور بتوں کی حقیقت کچھ نہیں یہ محض بے جان مورتیاں ہیں جنہیں انسان خود تراشتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

یاصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ .... الخ

"اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتلاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ تم نہیں پوجتے اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور

تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے۔"

یعنی دنیا میں حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے جو اپنی مخلوق میں تصرف فرما رہا ہے اور جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے چھوڑ دیتا ہے۔ امر الا تعبدوا الا ایاہ "اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اس کے۔" یعنی عبادت کا مستحق صرف وہی ذات ہو سکتی ہے جو ذات و صفات میں یکتا ہو اور کوئی اس کا شریک نہ ہو۔ ذالک الدین القیم "یہی دین قیم ہے" یعنی سیدھا دین اور صراط مستقیم توحید کے سوا اور کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ ولکن اکثر الناس لایعلمون "لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے" یعنی یہ دین اگرچہ واضح اور ظاہر ہے لیکن پھر بھی وہ اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو اس حالت میں دعوت الی اللہ دینا غایت کمال کی علامت ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ وہ اس قدر آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر تھے کہ آپ جو بات کرتے وہ ضرور قبول کر لیتے۔ وہ ہمہ تن گوش تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کیا تعبیر دیتے ہیں۔ اس لیے آپ نے مناسب سمجھا کہ ان دونوں کو ایسی چیز کی طرف بلائیں جو ان کی مطلوبہ اور مسئولہ چیز سے بہتر ہو۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنا فرض ادا کر چکے اور جس حقیقت کی طرف آپ کی رہنمائی ہوئی تھی اس حقیقت کی طرف ان دونوں کی رہنمائی فرما چکے تو فرمایا۔ یا صاحبی السجن اما احد کما فیسقی ربہ خمرا۔ "اے قید خانے کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب" علمائے تعبیر کہتے ہیں کہ یہ تعبیر بادشاہ کے ساقی کے خواب کی تھی۔ "واما الاخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ" "لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے" کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کا نان بائی تھا۔ قضی الامر الذی فیہ تستفتیان "(اٹل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔" یعنی یہ تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور ہر حالت میں بتائے گئے یہ واقعات رونما ہوں گے۔ اسی لیے حدیث پاک میں ہے کہ خواب کی جب تک تعبیر نہ دی جائے وہ پرندہ کے پاؤں پر ہوتا ہے (یعنی اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا) اور جب تعبیر دے دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود، حضرت مجاہد، حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ دونوں قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا۔ آپ علیہ السلام

نے فرمایا "اٹل فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔"

وقال للذی ظن انہ ناج منھما اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطن ذکر ربہ فلبث فی السجن بضع سنین۔ ﴿سورۃ یوسف﴾

"اور کہا اسے جس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ وہ نجات پا جائے گا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ اپنے آقا کے پاس کرنا لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانے میں کئی سال۔"

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر دے رہا ہے کہ انہوں نے نجات پانے والے یعنی ساقی کو فرمایا کہ جب تم رہائی پاؤ اور اپنے پہلے منصب پر فائز ہو کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچو تو میرا اس سے ذکر کرنا یعنی بادشاہ کو بتانا کہ ایک بے قصور شخص قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ اس نے بادشاہ کی سلطنت میں کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب کے حصول میں کوشش کرنا جائز ہے۔ اور سعی و محنت توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

لیکن فانساہ الشیطان ذکر ربہ اسے شیطان نے بھلا دیا اور وہ بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام پر روا رکھے جانے والے ظلم کا ذکر نہ کر سکا۔ حضرت مجاہد، محمد بن اسحاق اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کی یہ تفسیر صحیح ہے۔ اور اہل کتاب کے ہاں تو اس بارے میں نص ملتی ہے۔

فلبث۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام ٹھہرے رہے۔ "فی السجن بضع سنین" "قید خانے میں کئی سال لفظ "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک کے افراد پر ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک سات تک۔ بعض کے نزدیک پانچ تک اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ دس سے کم کسی بھی فرد پر "بضع" کا اطلاق صحیح ہے بشرطیکہ وہ عدد جمع کے تحت آ سکتا ہو۔ یہ رائے ثعلبی کی ہے۔ یہ لفظ مذکر ہے اور اس کی مؤنث "بضعۃ" استعمال ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ "بضع نسوۃ و بضعۃ رجال" (کیونکہ تین سے نو تک کے افراد کے لیے تمیز خلاف قیاس استعمال ہوتا ہے)

علامہ فراء رحمہ اللہ دس سے کم پر "بضع" کے اطلاق کو صحیح قرار نہیں دیتے وہ فرماتے ہیں کہ دس سے کم کے افراد کے لیے "نیف" کا لفظ آتا ہے۔

فلبث فی السجن بضع سنین ﴿سورۃ روم﴾ کی آیات سے امام فراء رحمہ اللہ کے قول کا رد لازم آتا ہے۔

علامہ فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں بضعۃ عشر اور بضعۃ و عشرون۔ نو تک کہنا صحیح ہے لیکن

بضع وماۃ اور بضع و الف کہنا صحیح نہیں ہے جو ہری انہیں سے زائد پر بضعۃ کے لفظ کے استعمال کو صحیح قرار نہیں دیتے صحیح بخاری میں حدیث ہے الایمان بضع وستون شعبۃ ایمان کے ساٹھ اور کچھ شعبے ہیں" میں "بضع و ستون" کے الفاظ آئے ہیں۔

و اعلاھا قول لا الہ الا اللہ و ادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق۔

ترجمہ: "اور ان میں سے سب سے بلند لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے کم درجہ راستے سے ضرر رساں چیز کا ہٹانا ہے۔"

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "فانساہ الشیطان ذکر ربہ" میں ضمیر کا مرجع حضرت یوسف علیہ السلام ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اگرچہ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک عرصہ تک جیل میں ٹھہرے رہنے کے سبب کو بیان کرنے کے ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر حضرت یوسف علیہ السلام "اذکرنی عند ربک" نہ کہتے تو اتنا عرصہ جیل میں نہ رہتے جتنا عرصہ وہ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے کہا تھا "لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید" آپ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو بھی پیغمبر مبعوث کیا گیا وہ اپنی قوم میں ثروت اور صاحب وقار بنا کر بھیجا گیا۔" (اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث منکر ہے۔ اس میں محمد بن عمرو بن علقمہ کئی چیزیں بیان کرنے میں متفرد ہے۔)

بادشاہ کا حیران کن خواب:

وقال الملک انی اری سبع بقرت .... وفیہ یعصرون۔ (سورۃ یوسف)

"اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں کیا) دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انہیں سات دبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے ہو۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں۔ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا۔ ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف کی یاد آئی ایک عرصہ بعد میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجیے۔ اے یوسف! اے صدیق! بتائیے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں

اور سات خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک۔ تاکہ میں (آپ کا جواب لے کر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف شاید وہ (آپ کے علم و فضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور۔ تو جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لیے نکال لو) جسے تم کھالو۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا اس کے لیے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لیے اور اس سال وہ (پھلوں) کا رس نکالیں گے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کے اسباب:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تمام امور جن کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام کو عزت و احترام سے قید سے رہا کیا گیا ذکر ہو رہے ہیں۔ کیونکہ مصر کے بادشاہ ریان بن ولید بن ثروان ابن اراشہ بن قاران بن عمرو بن عملاق بن لاوذ بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا تھا۔

اہل کتاب کا کہنا ہے۔ بادشاہ مصر کیا دیکھتا ہے کہ وہ نہر کے کنارے کھڑا ہے۔ نہر میں سے سات موٹی گائیں نکلتی ہیں اور قریب کے ایک باغ میں چرنے لگتی ہیں۔ پھر سات پتلی گائیں اسی نہر میں سے نکلتی ہیں اور ان کے ساتھ چرنے لگتی ہیں تھوڑی دیر بعد کمزور اور پتلی گائیں موٹی گائیوں پر پل پڑتی ہیں اور انہیں کھا جاتی ہیں۔ بادشاہ خوفزدہ ہو کر اٹھا اور پھر سو گیا۔ اس نے پھر خواب دیکھا کہ سات سبز خوشے ایک ٹہنی پر ظاہر ہوئے پھر سات اور خشک خوشے ظاہر ہوئے۔ خشک خوشے ظاہر ہوئے۔ خشک خوشوں نے سبز و شاداب خوشوں کو کھا لیا۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ بادشاہ نے وزراء اور علماء سے خواب کی تعبیر پوچھی لیکن کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ بڑے بڑے دانشمند بھی یہ کہتے تھے۔ کہ یہ خواب پریشان کن ہیں۔ جن کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ان کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ہم ان کی کوئی تعبیر دے بھی نہیں سکتے۔ اسی لیے کہنے لگے۔ وما نحن بتاویل الاحلام بعلمین۔

"اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں"

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید میں رہائی پانے والے کو یاد آگیا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے مجھے کہا تھا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا لیکن میں تو بالکل بھولا رہا ہوں۔ یہ سب تقدیر کی کرشمہ سازی تھی اور سارے واقعات حکمت خداوندی کے تحت خود بخود ترتیب پا رہے تھے۔ جب ساقی نے بادشاہ کا خواب سنا اور دیکھا کہ کوئی بھی تعبیر دینے میں کامیاب نہیں ہوا تو اس کو حضرت یوسف علیہ السلام

یاد آ گئے اور بھولی ہوئی نصیحت یاد آ گئی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقال الذی نجا منھما وادکر۔ "اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد آئی" "وادکر تذکرہ" (یاد آنا) کے معنی ہیں۔ بعد امۃ "ایک عرصہ بعد" یعنی چند سال بعد۔ بعض لوگوں نے اسے "وَادَّكَرَ بَعْدَ اَمَةٍ" بھی پڑھا ہے ایسی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ساقی کو بھول جانے کے بعد اچانک حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد آئی۔ یہ اعراب حضرت ابن عباس، حضرت عکرمہ اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ مجاہد نے اسے (بَعْدَ اَمْہٍ) میم ساکن کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ "امہ (فتح میم) اور امہ (سکون میم) دونوں صورتوں میں معنی بھولنا ہوگا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے "امہ الرجل یامہ امھا" جب کوئی شخص بھول جاتا ہے۔

✿ شاعر کہتا ہے

امھت وکنت لا انسی حدیثا　　　　کذاک الدھر یوری بالعقول

ترجمہ: "میں بھول گیا حالانکہ میں کوئی بات بھی نہیں بھولتا تھا۔ اسی طرح وقت عقلوں کو عیب دار بنا دیتا ہے۔"

ساقی نے بادشاہ سے اور لوگوں سے کہا۔ انا انبئکم بتاویلہ فارسلون "میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر مجھے (قید خانے تک) جانے دیجئے۔"

یعنی مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجئے میں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں۔ اسے اجازت مل گئی وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

یوسف ایھا الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف وسبع سنبلت خضر واخر یبست لعلی ارجع الی الناس لعلھم یعلمون۔

"اے یوسف! اے صدیق! بتائیے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں۔ کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں اور سات خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک تاکہ میں (آپ کا جواب لے کر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف شاید وہ (آپ کے علم و فضل کو) جان لیں۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ ساقی نے بادشاہ کی خدمت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر خیر کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کو رہا کر کے دربار میں حاضری کا موقعہ دیا جائے۔ حضرت یوسف

علیہ السلام باہر آئے۔ بادشاہ نے خواب سنایا اور تعبیر مانگی۔ آپ نے اس کی خواب کی تعبیر دی" لیکن یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ نہ کہ وہ من گھڑت کہانی ہے جو ان جاہل اور بیل کی عقل رکھنے والے عیسائیوں اور یہودیوں نے گھڑی ہے۔

خواب کی تعبیر:

بہرحال قرآن مجید کے بیان کردہ واقعہ کے مطابق ساقی بادشاہ سے اجازت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانے پہنچا اور بادشاہ کا خواب سنایا اور تعبیر پوچھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بغیر کسی تاخیر اور شرط کے خواب کی تعبیر دیدی۔ نہ تو اس پر یہ مطالبہ کیا کہ مجھے رہائی دی جائے پھر تعبیر دوں گا اور نہ کوئی اور شرط عائد کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے مطابق فوراً تعبیر بتا دی۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سات سالوں میں خوب فصلیں اگیں گی اور غلے کی کثرت ہو گی لیکن پھر سات سال قحط سالی کا دور دورہ ہوگا اور فصل کا کہیں نام و نشان نہیں ہوگا۔ ثم یاتی من بعد ذلک عام فیہ یغاث الناس "پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں لوگوں کیلئے بارش ہوگی" اور اس سال ہر طرف شادابی اور خوشحالی ہوگی۔ وفیہ یعصرون۔ "اور اس سال لوگ انگور، زیتون، تل اور دوسرے کئی پھلوں کا رس نکالیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ انہیں قحط سالی کے مقابلے کی تدبیر بھی سمجھائی کہ کس طرح وہ ان سات سالوں میں مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں خوشحالی کے سالوں میں انہوں نے کیا کرنا ہے اور قحط سالوں میں انہیں کونسی پالیسی اپنانا ہوگی۔ آپ نے ہر چیز تفصیل سے سمجھا دی۔ آپ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ پہلے سات سالوں میں پورا غلہ ذخیرہ کرنا ہے حتیٰ کہ کھانے کی ضرورت کے علاوہ ایک دانہ بھی ادھر ادھر نہیں ہونے دینا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب قحط سالی ہو تو ہر شخص نے کم سے کم غلہ استعمال کرنا ہے اور کھیتوں میں بیج بھی کم ڈالنا ہے کیونکہ دوسرے سات سالوں میں فصلیں بہت کم اگیں گی۔ یہ انتظام و انصرام اور منصوبہ بندی حضرت یوسف علیہ السلام کے کمال علم اور کمال فہم و فراست کی آئینہ دار ہے۔

وقال الملک ائتونی ....ان ربی غفور رحیم۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "بادشاہ نے کہا (فوراً) لے آؤ انہیں میرے پاس۔ پس جب ان کے پاس قاصد آیا (تو) آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ بیشک میرا پروردگار تو ان کے مکر و فریب سے

خوب آگاہ ہے بادشاہ نے پوچھا کیا معاملہ ہوا تمہارا جب تم نے یوسف کو بلایا اپنی مطلب براری کے لیے (بیک زبان) بولیں حاشاللہ! انہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی۔ عزیز کی بیوی کہنے لگی اب تو آشکار ہو گیا حق۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب براری کے لیے بخدا وہ سچا ہے۔ (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لیے کہا تھا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے۔"

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علمی فکری رسائی اور فہم و فراست کی بلندی کا اندازہ ہوا تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دربار میں حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ دراصل بادشاہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس قدر بلند فکر اور صائب الرائے شخص ہے کون۔ جب بادشاہ کا قاصد رہائی کا پیغام لے کر قید خانے پہنچا تو آپ نے مناسب سمجھا کہ رہائی سے پہلے ہر شخص کو میرے حبس بے جا اور مجھ پر روا رکھے جانے والے ظلم و ستم سے آگاہ ہونا چاہیے۔ مصر کا ہر فرد اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے کہ مجھ پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ سراسر بہتان تھا اور میرا دامن کسی گناہ سے آلودہ نہیں ہوا۔ اس لیے آپ قاصد سے مخاطب ہوئے اور فرمایا "ارجع الی ربك" آیت کریمہ میں رب سے مراد بادشاہ ہے۔ فاسئله مابال النسوة التی قطعن ایدیهن۔ ان ربی بکیدهن علیم۔ "اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ بے شک میرا پروردگار تو ان کے مکر (و فریب) سے خوب آگاہ ہے۔"

بعض اہل علم نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ میرا آقا عزیز مصر میری بے گناہی سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس سے ذرا پوچھیے کہ وہ مصر کی ان عورتوں سے صورت حال دریافت کرے کہ کس طرح زلیخا کی انگیخت کے باوجود میں نے اپنا دامن گناہ آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ان تمام نے مل کر کیسے کیسے جتن کیے کہ میں اس راہ پر چل دوں جو کسی بھی صورت عقل مندی اور شرافت کے حامل شخص کو زیب نہیں دیتی۔ بادشاہ نے جب ان عورتوں سے صورت حال دریافت کی تو سب نے اعتراف کیا اور کہا کہ یوسف بے گناہ اور معصوم ہے۔ انہوں نے بیانگ دہل کہا "حاشالله ما علمنا علیه من سوء" "حاشاللہ انہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی۔"

قالت امرات العزیز الئن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقین

عزیز کی بیوی کہنے لگی اب تو آشکار ہو گیا حق۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب براری کے لیے۔ بخدا وہ تو سچا ہے۔" یعنی یوسف جو کچھ کہہ رہا ہے۔ وہ بالکل بری ہے۔ واقعی میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی وہ اتنے عرصے تک جس بے جا میں ظلم و ستم سہتا رہا ہے۔ یہ سب کہانی جھوٹی اور من گھڑت تھی۔ گناہ گار یوسف نہیں میں خود تھی۔

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذلك لیعلم انی لم اخنه بالغیب وان الله لایهدی کید الخائنین۔

یعنی "یہ میں نے اس لیے کہا تھا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو۔"

کہتے ہیں کہ یہ گفتگو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ پورا کلام زلیخا کا ہے۔ گویا اس نے کہا کہ یوسف سچا ہے اور میں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا ہے۔ تا کہ میرا خاوند جان لے کہ حقیقت میں میرا دامن پاک ہے۔ اگرچہ میں نے ہزار کوشش کی لیکن پھر بھی یوسف کی پاکبازی کی وجہ سے زنا سے محفوظ رہی۔

آئمہ متاخرین کی دوسرے قول کی تائید کی تصریحات میں ملتی ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے پہلے قول کا ذکر فرمایا ہے۔

وما ابرئ نفسی۔ ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی۔ ان ربی غفور رحیم

ترجمہ: "اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرمادے، یقیناً میرا اللہ غفور و رحیم ہے۔"

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے، مگر بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی زلیخا کی گفتگو کا حصہ ہے۔ ان تمام آیات کو زلیخا کی گفتگو پر محمول کرنا زیادہ مناسب اور اقویٰ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تمام مصر کے خزانوں کے مالک و مختار:

و قال الملك ائتونی به استخلصه ...... و کانوا یتقون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس میں چن لوں گا اسے اپنی ذات کیلئے، پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہو گیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں

بڑے محترم (اور) اور قابل اعتماد (درباری) ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے مقرر کر دے، زمین کے خزانوں پر بے شک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ یوں ہم نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں، تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے۔ ہم سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا۔ اور آخرت کا اجر یقیناً بہتر ہے ان کیلئے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بلندی کردار جب بادشاہ پر ظاہر ہو گئی اور اس جھوٹ کا پول کھل گیا جو لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، تو اس نے کہا: "ائتونی به استخلصه لنفسی" "لے آؤ اسے میرے پاس، میں چن لوں گا اسے اپنی ذات کیلئے۔" یعنی میں اسے اپنا خاص، وزیر اور اپنے مقربین میں سے، ایک مقرب بنا لوں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام دربار میں لائے گئے۔ بادشاہ نے بالمشافہ آپ سے گفتگو کی۔ آپ کی حکمت بھری باتیں سنیں اور فضل وکمال اور صدق وامانت کا گرویدہ ہو کر کہنے لگا: "انك اليوم لدينا مكين امين" "آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابل اعتماد (درباری) ہیں۔" مکین کا معنی بڑی قدر ومنزلت والا اور امین کا معنی قابل اعتماد ہے۔ قال اجعلنى على خزائن الارض انى حفيظ عليم ترجمہ: "آپ نے فرمایا: مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر، بے شک میں (انکی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل) کا ماہر ہوں۔"

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس عظیم منصب کا مطالبہ اس لیے فرمایا کہ خوشحالی کے سات سال کہیں بغیر کسی مناسب منصوبہ بندی کے نہ گزر جائیں، اور آنے والے سات سالوں میں۔ ملک کو معاشی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ دراصل آپ علیہ السلام مخلوق خدا کی خدمت کر کے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے طالب تھے۔ آپ ان کی مشکلات میں احتیاطی تدابیر اور ان کیلئے وسائل فراہم کرنے کی جدوجہد میں تھے۔ بادشاہ مان گیا اور کہہ دیا کہ آج سے خزانوں کی حفاظت آپ کے سپرد ہے۔ لفظ "حفیظ" کا معنی یہ ہے کہ ان خزانوں میں آپ جیسے چاہیں تصرف کریں اور علیم کا مطلب ہے کہ نظم وضبط میں آپ کی مہارت سے انکار نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ معاشی مسائل کو کیسے نمٹانا ہے۔ اس میں اس شخص کیلئے طلب منصب کی دلیل بھی ہے جو امانت دار ہو اور سمجھتا ہو کہ میں اس منصب کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہوں۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بڑی عزت وتکریم کی اور ارض

مصر پر ان کو بادشاہ مقرر کر دیا، اور کہا میں نے سارے ملک مصر پر تجھے مقرر کیا۔ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی انگوٹھی پہنائی۔ باریک کتان کا لباس پہنایا اور سونے کا ہار ان کے گلے میں ڈالا، نیز اسے اپنی دوسری سواری پر سوار کیا۔ تب اس کے آگے آگے منادی کرائی گئی۔ آپ بادشاہ ہیں۔ آپ ہی کے ہاتھ میں مصر کی عنان حکومت ہے۔ میں صرف کرسی میں تم سے بڑا ہوں۔

شادی مبارک

اہل کتاب کہتے ہیں اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر تیس سال تھی بادشاہ نے عظیم الشان عورت سے ان کی شادی کروائی۔ ثعلبی لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے قطفیر کو اپنے منصب سے الگ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ منصب تفویض کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب زلیخا کا خاوند فوت ہو گیا تو بادشاہ نے زلیخا کی شادی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دی۔ عجب اتفاق کہ زلیخا کنواری تھی، کیونکہ عزیز مصر عورتوں کے پاس نہیں جاتا تھا (یعنی نامرد تھا)۔ زلیخا کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے افرائیم اور منشا پیدا ہوئے۔ پورا مصر حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتماد کرتا تھا۔ آپ نے بڑے عدل وانصاف سے حکومت کی۔ لوگ آپ کے دل وجان سے گرویدہ ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو آپ کی عمر تیس سال تھی۔ بادشاہ نے ستر زبانوں میں آپ سے بات چیت کی۔ آپ نے ہر ایک زبان میں بادشاہ کو جواب دیا۔ اس کم سنی میں اس کمال پر بادشاہ حیران رہ گیا۔ (واللہ اعلم)

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و كذالك مكنا ليوسف فى الارض۔ يتبوء منها حيث يشاء۔ نصيب برحمتنا من نشاء ولا نضيع اجر المحسنين۔

ترجمہ: "یوں ہم نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں، تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے، ہم سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا۔"

یعنی قید، تنگی اور حبس بے جا کے بعد ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ہر لحاظ سے آزادی بخش دی۔ اب وہ جہاں چاہے گھومے۔ جہاں چاہے تشریف لے جائے۔ مصر کا بچہ بچہ آپ کی عزت وتکریم بجا لائے گا اور بڑے بڑے عہدیدار بھی ان کی تعظیم وتکریم پر رشک کریں گے۔ دراصل یہ جزاء اور صلہ ہے جو ہر اس شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو ایمان وایقان کی بلند چوٹی پر پہنچ جاتا ہے، اور

آخرت میں ایسے وفا پیشہ اور احسان سرشت لوگوں کیلئے ثواب جمیل اور اجر عظیم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولا جر الاخرۃ خیر للذین آمنوا و کانوا یتقون۔ ترجمہ: "اور آخرت کا اجر (اس سے) یقیناً بہتر ہے ان کیلئے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔"

بادشاہ مصر کا اسلام لانا:

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مصر کے بادشاہ ولید بن ریان نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گیا تھا۔ (واللہ اعلم)

وراء مفیق الخوف متسع الامن و اول مفروح بہ غایۃ الحزن
فلا تیاس، فاللہ ملک یوسف خزائنہ بعد الخلاص من السجن

ترجمہ: "خوف کی تنگ گھاٹی سے آگے امن کی وسعتیں اور آسانیاں ہیں، جو لوگ پہلے فرحت و انبساط میں زندگی گزارتے ہیں، انہیں انتہائی حزن و ملال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مایوس نہ ہونا، اللہ تعالیٰ نے قید سے رہائی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خزانوں کا مالک بنایا تھا۔"

بھائی شاہی دربار میں:

و جاء اخوۃ یوسف فد خلوا علیہ .... لعلھم یرجعون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "اور (ایک روز) ان کے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا، لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ سو جب مہیا کر دیا ان کیلئے ان (کی رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لیے میرے پاس نہیں ہوگا اور تم میرے قریب نہ آ سکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے، اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو، ان کا سامان (جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا) ان کی خورجیوں میں تا کہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آ جائیں۔"

اللہ تعالیٰ برادران یوسف کا تذکرہ فرما رہا ہے، جب قحط سالی شروع ہوئی اور تمام ملک اور دنیا کے لوگ خشک سالی کا شکار ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے کیلئے مصر آئے۔ ان

دنوں مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کا حکم چلتا تھا۔ دنیاوی لحاظ سے بھی آپ حاکم تھے اور دینی اعتبار سے بھی آپ امام و مقتداء تھے، جب آپ کے بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ نہ پہچان سکے، کیونکہ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوسف کو اس قدر قدر و منزلت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ نہ سمجھ سکے کہ وزیر مصر خود ان کا بچھڑا ہوا بھائی یوسف ہے۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ برادران یوسف جب حاضر ہوئے تو سجدہ ریز ہوئے اور آپ کو پہچان بھی گئے لیکن آپ چاہتے تھے کہ یہ نہ پہچاننے پائیں، اس لیے آپ نے ان پر سختی کی اور فرمایا: تم جاسوس ہو اور اس لیے آئے ہو کہ ہمارے ملک کی خبریں لے جاؤ، مگر انہوں نے عرض کی: خدا کی پناہ! ہم تو غلہ لینے حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری قوم بڑی مشکل میں ہے اور سب لوگ بھوکے مر رہے ہیں ہمارا تعلق کنعان سے ہے اور ہم سب ایک ہی والد کی اولاد ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بارہ بھائی ہیں۔ ہم میں سے ایک طویل مدت سے گم ہیں اور ایک کو ہم والد گرامی کی خدمت کیلئے کنعان چھوڑ آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ اہل کتاب کی روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تین دن تک قید میں رکھا اور پھر انہیں چھوڑ دیا، کہ اپنے گیارھویں بھائی کو لائیں، اس وقت تک شمعون قید میں رہے گا، جب تک وہ بھائی آنہیں جاتا لیکن یہ روایات محل نظر ہیں۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولما جھزھم بجھازھم ترجمہ: "سو جب مہیا کر دیا ان کیلئے ان کا سامان" یعنی جب آپ نے ذخیرہ شدہ خوراک جو ان کا حصہ بنتی تھی دے دیا تو فرمایا: ائتونی باخ لکم من ابیکم ترجمہ: "تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو۔"

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام باتوں باتوں میں ان سے تمام حالات پوچھ چکے تھے کہ وہ کتنے بھائی ہیں؟ اور انہوں نے بتایا تھا کہ ہم بارہ ہیں، ایک عرصے سے گم ہیں اور اس کا حقیقی بھائی والد گرامی کی خدمت کیلئے گھر پر ہے، آپ بنیامین سے ملنا چاہتے تھے اس لیے فرمایا: اسے اگلی مرتبہ میرے پاس لے آئیں۔ الا ترون انی اوفی الکیل وانا خیر المنزلین۔ ترجمہ: "کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں۔" آپ نے انہیں ترغیب دی تا کہ وہ بنیامین کو ساتھ لائیں، پھر ترہیب کے لہجے میں فرمایا:

فان لم تاتونی بہ فلا کیل عندی ولا تقربون۔

ترجمہ: "اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لیے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے۔"

دوسرے لفظوں میں حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں دھمکی دی کہ اگر تم بنیامین کو ساتھ نہ لائے تو تمہیں شاہی مہمان نوازی کا یہ شرف حاصل نہ ہوگا، بلکہ شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔ آپ نے کوشش فرمائی کہ یہ لوگ ہر قیمت پر بنیامین کو ساتھ لے آئیں تاکہ میں اپنے بھائی کو مل کر جذبہ شوق و دل کی تشنگی کو ٹھنڈا کر سکوں۔ "قالوا سنراود عنه اباه"

ترجمہ: "وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے۔"

یعنی ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ آنے کو تیار ہو جائے اور آپ سے ملاقات کرے۔ "وانا لفاعلون" ترجمہ: "اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔" یعنی ہم ضرور اسے لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ چپکے ان کی رقم جو وہ غلے کے عوض دے چکے ہیں ان کے بوروں میں رکھ دو اور انہیں محسوس تک نہ ہونے پائے۔ لعلهم يعرفونها اذا انقلبوا الى اهلهم لعلهم يرجعون۔ ترجمہ: "تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس، شاید وہ لوٹ کر آ جائیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ نے ان کی رقم چپکے سے اس لیے لوٹا دی کہ تاکہ اپنے ملک میں جا کر جب وہ رقم دیکھیں گے تو اسے واپس لوٹانے کیلئے دوبارہ آئیں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنے خاندان کی معاشی حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ آپ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس اور رقم نہ ہو اور وہ غلہ خریدنے دوبارہ نہ آ سکیں۔ آپ نے انہیں دوبارہ مصر آنے کیلئے رقم واپس کر دی۔ ایک اور نظریہ بھی اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے رقم اس لیے واپس کر دی تاکہ کل جب بات کھل جائے تو وہ یہ نہ کہیں کہ یوسف نے ہم سے بھی غلے کی رقم وصول کی تھی۔

مفسرین کرام نے ان کی رقم کے بارے اختلاف کیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف اقوال ہیں جو انشاء اللہ عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ بہر حال اہل کتاب کے نزدیک وہ چاندی سے بھری ہوئی تھیلیاں تھیں، یا اس قسم کے کچھ سکے تھے۔ (واللہ اعلم)

برادران یوسف بنیامین کے ہمراہ مصر میں:

فلما رجعوا الى ابيهم ------ ولكن اكثر الناس لا يعلمون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے باپ!

(بزرگوار) روک دیا گیا ہے ہم سے غلہ سو (ازراہ نوازش) بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو تاکہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے۔ آپ نے (جواباً فرمایا) کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے۔ اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا مال انہیں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ کہنے لگے: اے ہمارے پدر! (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں یہ (دیکھئے) ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (اگر بنیامین ساتھ گیا تو) (ہم رسد لائیں گے اپنے اہل خانہ کیلئے اور رکھوالی کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے ایک اونٹ کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے۔ آپ نے کہا: میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ کرو تم میرے ساتھ جو وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے۔ پس جب وہ لے آئے آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ، تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے۔ اور آپ نے کہا: اے میرے بچو! (شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کیلئے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو۔ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا انہیں ان کے باپ نے وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر (یہ احتیاطی تدبیر) ایک خیال تھا نفس یعقوب میں جسے انہوں نے پورا کیا اور بے شک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا تھا انہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان آیات طیبات میں برادران یوسف کی واپسی اور اپنے والد گرامی سے گفتگو کو ذکر کر رہا ہے، جب اونٹوں سے سامان اتارا گیا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے مصر کے سرسری حالات بیان کیے اور کہا: ابا جان! "منع منا الكيل" "اس سال کے بعد ہمیں غلہ نہیں مل سکے گا صرف ایک صورت میں ہمیں غلہ مل سکتا ہے کہ آپ بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیجیں۔

ولما فتحوا متاعهم وجدوا بضاعتهم ردت اليهم، قالوا يا ابانا ما نبغى

ترجمہ: "اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا مال ان کو واپس لوٹا دیا گیا ہے (ترغیب دینے کیلئے) کہنے لگے: اے ہمارے پدر! (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں۔"

ہمارا مال ہمیں لوٹا دیا گیا ہے اور ہمیں کیا چاہیے "و نمیر اهلنا" اور (اگر بنیامین ساتھ گیا تو) تو ہم ضرورت کی چیزیں لائیں گے اور ان کیلئے وہ سامان لائیں گے جو ان کی اصلاح کا موجب ہوگا۔ "ونحفظ اخانا و نزداد" اور رکھوالی کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے۔ یعنی بنیامین کے باعث "کیل بعیر" ایک اونٹ کا بوجھ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ذلک کیل یسیر" یہ غلہ بہت تھوڑا ہے۔

یعنی دوسرے بیٹے کے چلے جانے کے مقابلے میں اس غلے کو کوئی اہمیت نہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ایک پل کیلئے بھی دور نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ آپ ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی آگ کو ٹھنڈا کرتے، اور انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قائم مقام محسوس کرتے۔ اسی لیے آپ فرمانے لگے:

لن ارسله معکم حتی تؤتون موثقا من اللہ لتاتننی به الا ان یحاط بکم

ترجمہ: "میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ کرو تم میرے ساتھ وہ وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم اگر تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے۔" یعنی تم تمام اسے لانے سے بے بس اور مغلوب ہو جاؤ اور اپنی تمام کوششیں صرف کر کے بھی اسے نہ لا سکو، ایسی صورت میں تم سے کوئی مواخذہ اور ناراضگی نہیں ہوگی۔ فلما آتوه موثقهم قال اللہ علی ما نقول وکیل۔ ترجمہ: "پس وہ جب لے آئے آپ کے پاس پختہ وعدہ تو آپ نے فرمایا: جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے پختہ وعدہ لے لیا اور ان سے قسم لے کر بنیامین کو بھیج دیا آپ نے اپنے بچے کی حفاظت میں پوری احتیاط برتی لیکن انسان جتنی بھی احتیاط کرے تقدیر پر غالب نہیں آ سکتا۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھرانے کو غلے کی اشد ضرورت نہ ہوتی تو وہ کسی صورت میں بنیامین کو ان کے ساتھ مصر نہ بھیجتے لیکن تقدیر کے بھی اپنے احکام ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مقدر فرما دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اختیار فرماتا ہے۔ وہ حکیم و علیم ذات ہے جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کے جانے کی اجازت دے دی اور دوسرے بیٹوں کو حکم دیا کہ شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ڈر تھا کہ کہیں ان کے بیٹوں کو نظر بد نہ لگ جائے، کیونکہ وہ بہت حسین و جمیل اور مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ تھے۔ یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت

مجاہد، محمد بن کعب، حضرت قتادہ، سدی اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہم کا ہے۔

امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ برادران یوسف شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ یوسف اگر مصر میں ہوں تو انہیں مل جائیں، لیکن پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: و ما اغنی عنکم من اللہ من شیء۔ ترجمہ: "اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔"

✿ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولما دخلوا من حیث امرهم ابوهم ما کان یغنی عنهم من اللہ من شیء الا حاجة فی نفس یعقوب قضها و انه لذو علم لما علمنه ولکن اکثر الناس لا یعلمون

ترجمہ: "اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا انہیں ان کے باپ نے وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر (یہ احتیاطی تدبیر) ایک خیال تھا نفس یعقوب میں جسے انہوں نے پورا کیا اور بے شک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا تھا انہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو عزیز کی خدمت میں تحفے دے کر بھیجا جن میں روغن بلسان، شہد، صنوبر، وحتا، پستہ اور بادام جیسی قیمتی چیزیں تھیں اور حکم دیا کہ نقدی جو کسی طرح واپس آ گئی وہ بھی ساتھ لے جاؤ اور غلہ خریدنے کیلئے کچھ اور مال بھی ساتھ رکھ لو۔ بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام کے گیارہ بیٹے کنعان سے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

بنیامین اپنے پاس رکھنے کی تدبیر:

ولما دخلوا علی یوسف اوی الیه اخاه .... الا اذا لظلمون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (پھر) اسے فرمایا: میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو (ان حرکتوں پر) جو یہ کیا کرتے تھے پھر جب فراہم کر دیا انہیں ان کا سامان (خوراک) تو رکھ دیا (اپنا پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک پکارنے والے نے اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو۔ (حیرت زدہ ہو کر) وہ بولے درآں حالیکہ وہ ان کی طرف متوجہ تھے کونسی چیز تم نے گم کی ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو اسے ڈھونڈ لائے گا اسے (بطور انعام) بار شتر (غلہ) دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ کہنے لگے "خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اس لیے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں اور نہ

ہی ہم چوری پیشہ ہیں۔" خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ، انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے۔ اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی۔ یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاش سے لے۔ آخر کار نکال لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خورجی سے یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کیلئے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کو چاہتے ہیں اور ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بے شک چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے۔ پس چھپا لیا اس بات کو یوسف نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر (جی میں) کہا تم بہت بری جگہ ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے (اس کی جدائی برداشت نہ کر سکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے۔ بے شک ہم تجھے نیکوکاروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے کہا: خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، ورنہ ہم ظالم ہوں گے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کس طرح بنیامین اپنے بھائی یوسف سے ملے اور انہوں نے بتا دیا کہ میں تمہارا بچھڑا ہوا بھائی یوسف ہوں۔ لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا، پھر اپنے بھائی کو تسلی دی کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس پر رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک تدبیر کی اور اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرانے میں کامیاب ہو گئے۔ باقی سب کو کنعان جانا پڑا۔ ہوا یوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو حکم دیدیا کہ بادشاہ کا پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا جائے۔ بادشاہ اس پیالے میں پانی پیتا تھا اور اسی پیالے سے لوگوں کو غلہ ماپ کر دیتا تھا، پھر اپنے بھائیوں کو یہ باور کرا دیا کہ انہوں نے بادشاہ کا پیالہ چوری کر لیا ہے۔ اعلان کروا دیا کہ جو اس پیالے کا پتہ دے گا ایک اونٹ کا غلہ مفت دیا جائے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تہمت لگانے والے غلام پر ناراض ہونے لگے اور ترش روئی سے کہنے لگے: تاللہ لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض وما کنا سارقین۔ ترجمہ: "خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اس لیے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں، زمین اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں۔" یعنی تم جانتے ہو کہ ہم نے چوری نہیں کی خواہ مخواہ ہم پر چوری کا الزام لگا رہے ہو۔

قالوا فما جزاءہ ان کنتم کاذبین۔ قالو جزاءہ من وجد فی رحلہ فھو جزاءہ

کذالک نجزی الظالمین۔

ترجمہ: "خدا (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے۔ اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔"

اسی شریعت کے وہ پابند تھے کہ چور کو مالک کے حوالے کر دیا جاتا اور وہ ہمیشہ غلام بن کر رہتا۔ اسی لیے برادران یوسف نے کہا: "کذالک نجزی الظالمین۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فبداء باو عیتھم قبل وعاء اخیہ ثم استخرجھا من وعاء اخیہ

ترجمہ: "پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی۔ یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے۔ آخر کار نکال لیا وہ پیالہ ان کے بھائی کی خورجی سے۔"

بنیامین کے سامان کی تلاشی پہلے اس لیے نہ لی تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ یہ سب ملی بھگت کا نتیجہ ہے اور اس چال کا کسی کو اندازہ نہ ہو سکے پھر فرمایا: کذالک کدنا لیوسف ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک۔ ترجمہ: "یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کیلئے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون میں۔"

یعنی اگر برادران یوسف خود اس شرط کو منظور نہ کر لیتے کہ چور آپ کے حوالے کیا جائے گا تو مصری قانون کے مطابق آپ بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ الا ان یشاء اللہ نرفع درجات من نشاء۔ ترجمہ: "مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔"

درجات سے مراد علمی درجات ہیں۔ و فوق کل ذی علم علیم۔ ترجمہ: "ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے ہاں ٹھہرانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ آپ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپ ان سے رائے میں زیادہ مصائب میں زیادہ قوی تھے۔ اس سلسلے میں آپ علیہ السلام نے جو کچھ بھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا، اور اس تدبیر کے پیچھے میں کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں، مثلاً آپ کے والد گرامی کی تشریف آوری، بھائیوں کی حاضری اور ان سب کا مصر مقیم ہونا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ کا پیالہ بنیامین کے سامان سے نکلا ہے تو کہنے لگے ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل۔ ترجمہ: "اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بے شک

چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے۔" یعنی حضرت یوسف ؑ نے بھی چوری کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ بچپن میں حضرت یوسف ؑ نے اپنے نانا لابان کے بت چرائے تھے اور انہیں توڑ ڈالا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت یوسف ؑ کی ایک پھوپھی تھیں جو آپ سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ حضرت یعقوب ؑ حضرت یوسف ؑ کو لے جانا چاہتے تھے لیکن ان کی پھوپھی بضد تھیں کہ وہ ان کی پرورش میں رہے لیکن حضرت یعقوب ؑ کسی صورت ماننے کو تیار نہ تھے۔ آخر اس نے حضرت اسحاق ؑ کا کمر بند حضرت یوسف ؑ کے کپڑے میں چھپا دیا اور شور مچایا کہ میری چوری ہو گئی ہے۔ تمام کی تلاشی لی گئی لیکن کسی کے پاس یہ کمر بند نہ نکلا۔ آخر انہوں نے حضرت یوسف ؑ کے کپڑے دیکھے اور تلاشی لی جو ابھی معصوم تھے اور بول بھی نہیں سکتے تھے۔ کمر بند ان کے کپڑوں سے برآمد ہوا اور ابراہیمی شریعت کے مطابق حضرت یوسف ؑ اپنی پھوپھی کے سپرد کر دیے گئے۔ آج بھائی اسی چوری کا طعنہ دے رہے تھے۔ اس سلسلے میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ آپ گھر سے کھانا چوری کر لیتے تھے اور فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آج انہیں اسی چوری کا الزام دیا جا رہا تھا۔ "فاسرها یوسف فی نفسه" پس چھپا لیا اس بات کو حضرت یوسف ؑ نے اپنے دل میں "و لم یبدها لهم" اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ کونسی بات حضرت یوسف ؑ نے چھپائی۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ انتم شر مکانا و الله اعلم بما تصفون۔

ترجمہ: "تم بہت بری جگہ ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔"

آپ نے یہ بات دل میں کہی اور کھل کر ان کو جواب نہ دیا، کیونکہ حضرت یوسف ؑ بہت حلیم اور کریم تھے۔ آپ نے ان کے الزام سے درگزر فرماتے ہوئے دل میں یہ بات کی کہ تم برے لوگ ہو۔ اللہ تعالیٰ میری بے گناہی کو جانتا ہے۔

بھائی حضرت یوسف ؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی نرمی اور عاجزی کے لہجے میں کہا

یا ایها العزیز ان له ابا شیخا کبیرا فخذ احدنا مکانه انا نراك من المحسنین۔

قال معاذ الله ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عنده انا اذا لظالمون۔

ترجمہ: "وہ کہنے لگے: اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے۔ بے شک ہم تجھے نیکوکاروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے کہا: خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، ورنہ ہم ظالم ہوں گے۔"

یعنی اگر ہم مجرم کو چھوڑ دیں اور بے گناہ کو پکڑ لیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا ہم ایسا نہیں کر سکتے

یہ حرکت مناسب نہیں ہے۔ ہمیں تو مجرم چاہیے جسکے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہوا ہے۔ اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت یوسف ؑ نے بھائیوں کو بتا دیا تھا کہ میں یوسف ہوں۔ لیکن یہ غلط بیانی اور کم عقلی ہے۔ وہ لوگ اپنی کتابوں کو بھی سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا .... الا القوم الکافرون۔ ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر چکے ہو۔ (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لیے، اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں یہ) عرض کر دو اے ہمارے محترم باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم رہے اور (پوچھئے) اس قافلے سے جس میں ہم آئے اور یقیناً یہ سچ عرض کر رہے ہیں آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے یہ بات (میرے لیے) اب صبر ہی زیبا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو بے شک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے کہا اور کہا ہائے افسوس! افسوس کی جدائی پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے۔ بیٹوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت یا آپ ہلاک نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا خدا کی بارگاہ میں۔ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے۔ بے شک مایوس نہیں ہوتے رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ۔"

قرآن مجید خبر دے رہا ہے کہ جب وہ بنیامین کو واپس لے جانے سے مایوس ہو گئے تو ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے۔ بڑے بھائی روبیل نے کہا: الم تعلموا ان ابا کم قد اخذ علیکم موثقا من الله۔ ترجمہ: "کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ

کیا گیا تھا اللہ کے نام سے۔" کہ تم بنیامین کو ہر صورت میں واپس لاؤ گے ہاں مگر جب سب مغلوب کردیئے جاؤ، تم نے ان سے کیا گیا وعدہ توڑ ڈالا۔ تم نے بنیامین کے سلسلے میں بھی زیادتی کی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں اپنے باپ سے زیادتی کی تھی میں اب کس منہ سے ان کا سامنا کروں گا"فلن ابرح الارض "ترجمہ: "سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو" یعنی میں مصر میں ہی مقیم رہوں گا "حتی یاذن لی ابی "ترجمہ: "جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے باپ" کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں او یحکم اللہ لی "یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالی میرے لیے" اور مجھے طاقت دے کہ میں بنیامین کو والد گرامی کی خدمت میں لے جاؤں و ھو خیر الحاکمین" اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔" ارجعوا الی ابیکم فقولوا یا ابانا ان ابنک سرق۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں یہ) عرض کرو اے ہمارے محترم باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) یعنی والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دو جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وما شھدنا الا بما علمنا و ما کنا للغیب حافظین۔ و سئل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا۔ یعنی "اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم رہے اور (پوچھئے) اس قافلے سے جس میں ہم آئے۔"

یعنی یہ خبر کہ بنیامین نے چوری کی اور گرفتار کیے گئے ایک ایسا واقعہ ہے جو پورے مصر میں معروف و مشہور ہو چکا ہے۔ جس قافلے میں ہم کنعان پہنچے وہ بھی اس واقعہ سے واقف ہے کیونکہ وہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ و انا لصدقون۔ قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل۔ ترجمہ: "اور یقیناً ہم سچ عرض کر رہے ہیں۔ آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے یہ بات (میرے لیے) اب صبر ہی زیبا ہے۔"

یعنی واقعہ یوں نہیں جیسا کہ تم بیان کر رہے ہو۔ بنیامین نے چوری نہیں کی۔ وہ ایسی گندی اور اچھوتی حرکت نہیں کر سکتا۔ چوری چکاری اس کی عادت اور طبیعت کے منافی ہے۔ بلکہ یہ تمہاری اپنی سوچ کا شاخسانہ ہے۔ ایسے حالات میں صبر کرنا ہی بہتر ہے۔

ابن اسحاق اور دیگر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ بنیامین کے حق میں ان کی کوتاہی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کا نتیجہ تھی۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں مورد الزام

ٹھہرایا۔ یہ معاملہ اسی طرح سمجھئے جس طرح صالحین فرماتے ہیں برائی کا بدلہ ہمیشہ برائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید فرمایا: عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا۔ ترجمہ: "قریب ہے کہ اللہ تعالی لے آئے گا میرے پاس ان سب کو۔"

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین اور روبیل کو "انہ ھو العلیم بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔" میرے حال کے بارے میں اور جانتا ہے کہ میں اپنے محبوب بیٹوں کی جدائی کے صدمے برداشت کر رہا ہوں۔ "الحکیم بڑا دانا ہے۔" جو فیصلہ وہ کرتا ہے یا جو کام وہ سرانجام دیتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا دانا ہے وہ جانتا ہے کہ نتائج کے اعتبار سے کونسا کام بہتر رہے گا۔ "و تولی عنھم اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے۔" یعنی اسے بیٹوں کی طرف "و قال یا اسفی علی یوسف اور کہا ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر۔" آپ نے نئے غم کے ساتھ پرانے غم کو بھی یاد فرمایا اور دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم تازہ ہو گیا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

نقل فؤادک حیث شئت من الھوی　　ما الحب الا للحبیب الاول
لقد لامنی عند القبور علی البکاء　　رفیقی لتذراف الدموع السوافک
فقال اتبکی کل قبر رأیتہ　　لقبر ثوی بین اللوی فالدکادک
فقلت لہ ان الاسی یبعث الاسی　　فدعنی فھذا کلہ قبر مالک

ترجمہ: "اپنے دل کو محبت میں جہاں جی میں آئے پھرا تا رہے محبت پہلے محبوب کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکے گی۔ قبروں کے نزدیک کھڑا اشک بہاتے آنسو بہانے پر میرے ہم سفر نے مجھے ملامت کیا اور کہا کیا وجہ ہے کہ تو جہاں بھی کوئی قبر دیکھتا ہے تو اس قبر کی یاد میں رو دیتا ہے جو لالی اور دکادک کے درمیان واقع ہے۔ میں نے اپنے رفیق سفر سے کہا: مجھے چھوڑ دو، غم غم کو تازہ کر دیتا ہے۔ مجھے یہ سب قبریں مالک کی قبریں نظر آتی ہیں۔"

اللہ تعالی فرماتا ہے: و ابیضت عینہ من الحزن۔ ترجمہ: "اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث۔" رو رو کر "فھو کظیم۔ اور وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے۔" یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کا درد، ان کی محبت اور شوق لقا اور اضطراب کو اپنے سینے میں چھپا رکھا تھا۔ جب آپ کے بیٹوں نے درد فراق اور زخم جدائی کی ٹیسوں کا اندازہ کیا تو "قالوا" رحمت و رأفت اور اپنے والد گرامی پر ترس کے پیش نظر کہنے لگے: تاللہ تفتؤ تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین۔ ترجمہ: "خدا کی قسم! آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں یوسف کا، کہیں

بگڑ نہ جائے آپ کی صحت یا آپ ہلاک نہ ہو جائیں۔" یعنی آپ کچھ اپنی صحت کا بھی خیال رکھیں۔ ہر وقت حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے روتے رہنا اور اس کے درد فراق کی آگ تاپتے رہنا اچھا نہیں۔ کہیں آپ جان سے ہاتھ دھو نہ بیٹھیں۔ قال انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ و اعلم من اللہ ما لا تعلمون۔ ترجمہ: "آپ نے فرمایا: میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا خدا کی بارگاہ میں، اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔" یعنی میرا شکوہ تم سے نہیں اور نہ کسی انسان سے۔ انسان سے شکوہ کرنے کا فائدہ؟ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا غم سنا رہا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ عنقریب وہ مجھے میرے غم و الم سے نجات دے گا۔ میرے لیے آسانی کی کوئی راہ پیدا فرمائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ یوسف کے خواب کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی۔ ضرور ایک دن میں اور تم سارے اسکے حضور سجدہ کریں گے کیونکہ اس نے جو بچپن میں خواب دیکھا تھا وہ کسی صورت جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرمایا: و اعلم من اللہ ما لا تعلمون۔ ترجمہ: "اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔"

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یوسف کی تلاش پر ابھارا اور ترغیب دی کہ وہ یوسف اور انکے بھائی بنیامین کیلئے کوشش کریں۔ اور فرمایا:

یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف و اخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔

ترجمہ: "اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے۔ بے شک مایوس نہیں ہوتے رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ۔"

یعنی تنگی کے بعد فراخی سے مایوسی اچھی نہیں، کیونکہ رحمت خداوندی اور اس کی عطا کردہ فراخیوں اور مشکلات کے بعد آسانیوں سے صرف وہ لوگ مایوس ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرتوں کا انکار کرنے والے ہوں۔ ایک مومن صادق کو مایوسی زیب نہیں دیتی۔

دوبارہ خدمت میں اور التجا:

فلما دخلوا علیہ قالوا یا ایھا العزیز ------- و اتونی باھلکم اجمعین۔ ﴿سورۃ یوسف﴾

ترجمہ: "پھر جب وہ گئے (یوسف علیہ السلام) کے پاس تو انہوں نے عرض کیا: اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیری پونجی پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور (اس کے علاوہ) ہم پر خیرات بھی کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات

کرنے والوں کو۔ آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔ (سراپا حیرت بن کر) کہنے لگے کیا (سچ مچ) آپ ہی یوسف ہیں۔ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا: خدا کی قسم! بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بے شک ہم ہی خطا کار تھے آپ نے فرمایا: نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔ معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے لے جاؤ میرا یہ پیراہن بھی ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور (جا کر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل و عیال کو۔"

برادران یوسف کی واپسی اور آپ کی خدمت میں ان کے حاضری کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ نیز غلے میں ان کی دلچسپی اور بنیامین کی بازیافت واپسی کے متعلق ان کی التجا کا بیان ہو رہا ہے۔

فلما دخلوا علیہ قالوا یا ایھا العزیز مسنا و اھلنا الضر و جئنا ببضاعۃ مزجۃ

ترجمہ: "پھر جب وہ گئے (یوسف علیہ السلام) کے پاس تو انہوں نے عرض کیا: اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت۔ اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیری پونجی۔"

یعنی یہ ایسی پونجی ہے کہ ہم سے صرف اسی صورت میں قبول کی جا سکتی ہے کہ در گزر سے کام لیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس کھوٹے سکے تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ سکے تھے تو صحیح لیکن تھوڑے تھے۔ بعض کے نزدیک ان کے پاس رقم نہیں بلکہ مختلف اجناس تھیں جو کھانے میں استعمال نہیں ہو سکتی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس سے مراد پرانی بوریاں اور رسیاں ہیں۔ فاوف لنا الکیل و تصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین۔ ترجمہ: "پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور ہم پر خیرات بھی کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔" مراد یہ ہے کہ اس حقیری پونجی کو قبول فرما کر ہمیں غلہ عطا کر دیں۔ یہ رائے سدی کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہمارا بھائی ہمیں لوٹا دیں۔ یہ رائے ابن جریج کی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صدقہ لینا حرام کر دیا گیا ہے اور انہوں نے اسی آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ اس کے راوی علامہ ابن جریر ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خاندان کی بدحالی کو دیکھا اور اندازہ ہوا کہ اب تو ان کے پاس ان کھوٹے سکوں اور حقیری پونجی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو دل بھر آیا اور ان سے نہایت نرمی

اور شفقت سے پیش آئے۔ جبیں مبارک پر کوئی شکن نہیں ڈالی۔ انہیں بتا دیا کہ گھبراؤ نہیں تمہارے تنگی اور بدحالی کے دن ختم ہونے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ماضی کا تذکرہ چھیڑ دیا اور فرمایا:

قال هل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیه اذ انتم جاهلون۔

ترجمہ: ''آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔''

''قالوا آء۔ حیران و ششدر۔'' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یوسف کو دیکھنے لگے، انہیں کیا خبر کہ ان کے سامنے۔ یوسف گم گشتہ عزیز مصر کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ ءانك لانت یوسف قال انا یوسف و هذا اخی۔ ترجمہ: ''کہنے لگے کیا آپ ہی یوسف ہیں۔ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔''

میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ یعنی تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں وہی یوسف ہوں جس سے تم نے کیا جو کیا۔ جو تم نے ظلم ڈھائے ان کا تذکرہ جانے دو، وقت گزر گیا اسے دہرانے سے کیا حاصل۔ ''و هذا اخی۔'' اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے وہ بنیامین سے تو واقف تھے۔ آپ نے تاکید اور تنبیہا یہ جملہ ارشاد فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ہم دونوں بھائیوں کے متعلق ان کے دل میں بے پناہ حسد ہے۔ اور انہوں نے ہمارے خلاف سازشیں کی ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

قد من الله علینا　　　ترجمہ: ''بڑا کرم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔''

یعنی ہم پر اس کا بڑا لطف و کرم ہے۔ اس ذات نے ہمیں پناہ دی ہے اور ہمیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب کی اطاعت میں عمر گزاری ہے اور تمہاری تکلیفوں پر صبر کرتے رہے ہیں۔ اس لطف و کرم کی وجہ والد گرامی کی اطاعت اور ان سے نیک سلوک ہے۔ ہم نے اللہ کے محبوب رسول والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ٹوٹ کر محبت کی ہے اور انہوں نے ہمیں نظر شفقت و محبت سے دیکھا ہے۔ انه من یتق و یصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین۔ ترجمہ: ''یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

قالوا تالله لقد اثرك الله علینا۔ ترجمہ: ''بھائیوں نے کہا: خدا کی قسم! بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو ہمیں عطا نہیں ہوا۔

و ان کنا لخطئین　　　ترجمہ: ''اور بے شک ہم ہی خطا کار تھے''

یعنی ہم نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس میں ہم نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ لو اب ہم آپ کے سامنے حاضر ہیں۔

قال لا تثریب علیکم الیوم۔ ترجمہ: ''آپ نے فرمایا: نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔''
یعنی میں آج کے بعد جو کچھ تم نے کیا اس پر تمہیں سرزنش نہیں کروں گا، پھر اپنے بھائیوں پر مزید کرم فرماتے ہوئے کہا: یغفر الله لکم و هو ارحم الرحمین۔ ترجمہ: ''معاف فرمادے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔''

بعض علماء کے نزدیک ''قال لا تثریب علیکم'' پر وقف ہے۔ ایسی صورت میں الیوم کا تعلق بعد والے جملے سے ہوگا اور آیت یوں ہوگی: ''الیوم یغفر الله لکم'' لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ پہلی صورت ہی صحیح ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ جسے آپ نے پہنا ہوا تھا اور والد گرامی کی آنکھوں پر رکھو۔ یقیناً اس سے ان کی بصارت باذن اللہ واپس آجائے گی۔ درحقیقت یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ ہے جو آپ کی نبوت کے دلائل میں سے اور بڑے معجزات میں سے ایک ہے۔ آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ خاندان کے تمام افراد دیار مصر کو بلا لیے جائیں تاکہ مدتوں کے بچھڑے ایک دوسرے سے ملاقات کر کے خوش ہوں اور سب خوشی خوشی ایک ساتھ رہیں۔

مجھے میرے یوسف کی خوشبو آرہی ہے اور پیراہن کی برکات:

ولما فصلت العیر قال ابوهم .... ربی الله هو الغفور الرحیم۔ (سورۂ یوسف)

ترجمہ: ''اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بے وقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا: خدا کی قسم! آپ ابھی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں پس جب آ پہنچا خوشخبری سنانے والا اور اس نے ڈالا وہ (کرتا) آپ کے چہرے پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے، آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ (کے بتانے) سے جو تم نہیں جانتے بیٹوں نے عرض کیا: اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لیے گناہوں کی۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے بے شک وہی غفور و رحیم ہے۔''

امام عبدالرزاق سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی الہذیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن

عباس ؓ سے سنا فرماتے تھے کہ "ولما فصلت العیر۔ جب قافلہ (مصر سے) نکلا۔" تو حضرت یعقوب ؑ نے فرمایا: انی لاجد ریح یوسف لو لا ان تفندون۔ ترجمہ: "میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بے وقوف خیال نہ کرو۔"

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب ؑ نے تین دن کی مسافت سے حضرت یوسف ؑ کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ (ثوری اور شعبہ وغیرہ نے ابی سنان سے یونہی روایت کیا ہے۔)

حضرت حسن بصری اور ابن جریج کی فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب ؑ اور حضرت یوسف ؑ کے پیراہن کے درمیان اسی فرلانگ کی مسافت تھی۔ اور باپ بیٹے کو بچھڑے ہوئے اسی (۸۰) سال ہو چکے تھے۔

"لو لا ان تفندون" کا مطلب ہے کہ آپ کہیں گے کہ میں بڑھاپے میں ایسی بات کہہ رہا ہوں۔ لفظ فند کا معنی ہے بڑھاپے اور بزرگی کے وقت عقل میں آنے والی کمزوری جس کی وجہ سے ایک دانا شخص بھی بچوں جیسی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ "تفندون" کا معنی ہے "بے وقوف خیال کرنا"۔ حضرت مجاہد کا ایک دوسرا قول اور حضرت حسن کا قول ہے کہ اس سے مراد بڑھاپا آتا ہے۔ قالوا تا اللہ انک لفی ضلالک القدیم۔ ترجمہ: "گھر والوں نے کہا: خدا کی قسم! (باباجی) آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔"

حضرت قتادہ اور حضرت سدی کہتے ہیں کہ گھر والوں نے یہ کلمات درشت لہجے میں کہے۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما ان جاء البشیر القاہ علی وجہہ فارتد بصیرا ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "پس جب آپہنچا خوشخبری سنانے والا اور اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ کے چہرے پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔"

یعنی حضرت یوسف ؑ کے پیراہن کے چہرے پر ڈالنے کی دیر تھی حضرت یعقوب ؑ کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئی حالانکہ آپ فراق یوسف میں روتے روتے بالکل نابینا ہو چکے تھے۔ آپ ؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی مجھے تو علم تھا کہ ایک دن یوسف مجھ سے آن ملے گا۔ میری آنکھیں اس کی دید سے ٹھنڈی ہوں، اور اللہ تعالیٰ ان میں اور ان کی ذات سے مجھے وہ کچھ دکھائے گا کہ میں خوش ہو جاؤں گا۔

❁ اسی لیے برادران یوسف نے کہا:

یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین۔

ترجمہ: "اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لیے گناہوں کی۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔"

مطلب یہ ہے کہ سخت ندامت محسوس کرنے لگے اور اپنے والد سے عرض کرنے لگے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کہ ہم نے گناہ کیا اور ہم نے آپ سے اور اپنے بھائی سے زیادتی کی۔ یوسف کو کنوئیں میں ڈالنے سے پہلے، ان کے دل میں توبہ کا ارادہ تو تھا ہی اس لیے اللہ سے جونہی معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ حضرت یعقوب ؑ نے بھی انہیں سینے سے لگا لیا اور ان سے درگزر کرتے ہوئے فرمایا: سوف استغفر لکم ربی انہ ھو الغفور الرحیم۔ ترجمہ: "عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے بے شک وہی غفور و رحیم ہے۔"

حضرت ابن مسعود، ابراہیم تیمی، عمرو بن قیس، ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ان کیلئے دعا کو سحری کے وقت تک مؤخر کیا۔

سحری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے:

علامہ ابن جریر سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے سنا کوئی شخص کہہ رہا تھا: "اے اللہ! تو نے مجھے بلایا تو میں نے تیرا حکم مانا۔ تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے اطاعت کی۔ (الٰہی!) سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے۔" راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے آواز کو غور سے سنا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے گھر سے آرہی ہے۔ حضرت عمر ؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اس دعا کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بچوں کیلئے دعا کو سحر تک مؤخر کرتے ہوئے فرمایا: "سوف استغفر لکم ربی" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "والمستغفرین بالاسحار" (سورۂ آل عمران) ترجمہ: "اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت۔"

صحیحین میں روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا پر تشریف فرما ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی ہے سوالی کہ میں اسے عطا کروں؟ کوئی ہے گناہ کی معافی مانگنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یعقوب ؑ نے جمعۃ المبارک کی رات تک اپنے بیٹوں

کیلئے دعا کو موخر فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق "سوف استغفر لکم ربی" کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ آپ نے جمعہ کی رات تک دعا کو موخر کیا، اور یہ میرے بھائی حضرت یعقوب ؑ کا اپنے بیٹوں سے ارشاد ہے۔ اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب ہے اور اسکا مرفوع ہونا محل نظر ہے غالب گمان یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس ؓ پر موقوف ہے۔

حضرت یعقوب ؑ مصر میں:

فلما دخلوا علی یوسف آوی الیه ابویه ــــــ الحقنی بالصالحین ﴿سورۂ یوسف﴾

ترجمہ: "پھر جب وہ سب یوسف کے سامنے ہوئے آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو اور (انہیں) کہا داخل ہو جاؤ مصر میں، اگر اللہ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے اور تو آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور وہ گر پڑے، آپ کیلئے سجدہ کرتے ہوئے اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا: اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو (پہلے عرصہ ہوا) میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا ہے، اور اس نے بڑا اکرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے قید خانہ سے اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ نا چاقی ڈال دی تھی، شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان بے شک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کیلئے چاہتا ہے۔ یقیناً وہی سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اے میرے اللہ! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔ اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے درآں حالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔"

جدائی کی مدت:

عرصے سے بچھڑے دو محبت کرنے والے دلوں کی ملاقات کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام اسی سال تک ایک دوسرے سے جدا رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جدائی کی یہ مدت اسی سال نہیں بلکہ تراسی سال پر محیط تھی۔ یہ دونوں روایتیں حضرت حسن سے مروی ہیں۔ ایک قول پینتیس سال کا ملتا ہے۔ آخری قول قتادہ کا ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ علماء ذکر فرماتے ہیں کہ آپ اٹھارہ سال تک حضرت یوسف ؑ کے فراق میں روتے رہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے نزدیک یہ مدت چالیس سال ہے۔

واقعہ کے سیاق و سباق پر اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو صحیح مدت کا اندازہ ہو جاتا ہے، جب زلیخا نے آپ کو ورغلانے کی کوشش کی تو آپ سترہ سال کے نوجوان تھے۔ جیسا کہ کئی علماء نے بیان فرمایا ہے لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ رہے۔ اسی وجہ سے آپ کو قید میں چند سال گزارنا پڑے اور جیل میں گزرے عرصے کے متعلق قرآن مجید نے "بضع" کا لفظ ذکر کیا ہے جو حضرت عکرمہ وغیرہ کے نزدیک سات کیلئے بولا جاتا ہے۔ گویا آپ سات سال قید میں رہے۔ جب آپ رہا ہوئے تو خوشحالی کے سات سال شروع ہو چکے تھے، پھر جب قحط شروع ہوا تو لوگ مصر آنا شروع ہو گئے اور پہلے سال برادران یوسف اکیلے غلہ لینے آئے۔ دوسرے سال وہ آئے تو بنیامین ساتھ تھے۔ تیسرے سال حضرت یوسف ؑ نے اپنا تعارف کروا دیا۔ اور انہیں اہل خانہ کو لے آنے کا حکم دیا اور اس طرح وہ سب لوگ تشریف لے آئے (اس طرح ملاقات کے وقت حضرت یوسف ؑ کی عمر مبارک پینتیس سے چھتیس سال بنتی ہے۔)

فلما دخلوا علی یوسف آوی الیه ابویه

ترجمہ: "پھر جب وہ سب یوسف کے سامنے ہوئے آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو" آپ ؑ نے خصوصیت سے اپنے والدین سے ملاقات فرمائی اور ان کی کمال عزت و تکریم کی۔ اپنے بھائیوں سے بھی حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں اپنے پاس ٹھہرایا۔

و قال ادخلوا مصر ان شاء الله آمنین۔

ترجمہ: "اور (انہیں) کہا داخل ہو جاؤ مصر میں، اگر اللہ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے۔"

علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اسلوب مقدم و موخر کا ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی کہ فرمایا: داخل ہو جاؤ اور اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ابن جریر نے اس توجیہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں۔ حضرت یوسف ؑ کی ملاقات پہلے ہو اور وہ مصر میں داخل بعد میں ہوں، اس لیے عبارت میں تاخیر و تقدیم کا اسلوب ہی صحیح توجیہ ہے۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضرت یوسف ؑ انہیں شہر سے باہر ملے اور انہیں خیموں میں اپنے پاس ٹھہرایا، پھر جب انہیں لے کر مصر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: "ادخلوا مصر ان شاء الله آمنین۔" سدی فرماتے ہیں اس تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر "ادخلوا" (داخل ہو جاؤ) "اسکنوا" (ٹھہر جاؤ) کے معنی میں ہو تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ مصر کے شہر میں قیام فرمائیے "ان شاء الله آمنین" اگر اللہ نے چاہا تو یہ شہر تمہارے لیے مناسب اور خوشگوار قیام گاہ ثابت ہوگا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا شاہانہ استقبال:

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب ارض جاشر پہنچے یعنی بلبیس کے نزدیک تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کی ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یہودا کو یہ خوشخبری سنانے کیلئے پہلے بھیج دیا تھا کہ آپ کے مدت سے بچھڑے ہوئے والد گرامی تشریف لا رہے ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جاشر کی سرزمین مصر کے بادشاہ نے آپ کے خاندان کو ہبہ کر دی تھی۔ سو یہ خاندان اسی سرزمین میں قیام پذیر ہوا اور اپنے اونٹوں اور مویشیوں کے ساتھ اسی علاقے میں رہا۔ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل (عبداللہ) تھا کی تشریف آوری کی اطلاع دی گئی تو آپ ان کے استقبال کیلئے شہر سے باہر تشریف لائے۔ بادشاہ مصر اپنے لاؤ لشکر سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان کے استقبال کو باہر آیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خشم و خدم بھی تھے۔ ان لوگوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور انکے خاندان کی کمال عزت و تکریم کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادشاہ کو دعا دی اور اس طرح اللہ کے نبی کی تشریف آوری کی برکت سے قحط کے بقیہ سال خوشحالی میں بدل گئے۔

مصر میں داخل ہونیوالے خاندان یعقوب علیہ السلام کی تعداد:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں اور پوتوں اور خاندان کے دوسرے افراد کی تعداد تریسٹھ تھی۔ عبداللہ بن شداد کی روایت کے مطابق خاندان یعقوب کے افراد کی تعداد تراسی تھی۔ ابو اسحاق سروق سے روایت کرتے ہیں کہ خاندان کے افراد جو مصر تشریف لائے تین سو نوے تھے۔ مفسرین کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں نکلے تو وہ چھ لاکھ سے زائد جنگجو افراد پر مشتمل تھے۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ اہل کتاب کی نص میں خاندان یعقوب کے افراد کی تعداد ستر تھی تورات مقدس میں ان لوگوں کے نام بھی مرقوم ہیں۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ورفع ابویہ علی العرش۔ ترجمہ: "اور (جب شاہی دربار میں پہنچے) تو آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر۔"

کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ جیسا کہ علماء تورات بھی کہتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اگرچہ راحیل انتقال فرما چکی تھیں لیکن اس موقع پر اللہ نے انہیں زندہ فرما

دیا تھا۔ بعض اہل تفسیر کی رائے یہ ہے آپ علیہ السلام کی خالہ "لیا" کو ماں کہا گیا ہے، کیونکہ خالہ بھی ماں کی طرح ہوتی ہے۔ علامہ ابن جریر اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو زندہ تسلیم کیا جائے۔ اہل کتاب کی روایت جو قرآن پاک کے ظاہری الفاظ کی مخالفت کر رہی ہو، اسے بنیاد بنا کر ظاہری الفاظ کو چھوڑ دینا اور کوئی دوسرا معنی لینا صحیح نہیں ہے۔ اور یہی نظریہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کریمین کو زرنگار تخت پر بٹھایا اور خود بھی ان کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔

سجدہ تعظیمی:

و خروا لہ سجدا ترجمہ: "اور وہ گر پڑے آپ کیلئے سجدہ کرتے ہوئے"

یعنی آپ کے والدین اور گیارہ بھائیوں نے آپ کو تعظیماً و تکریماً سجدہ کیا۔ کیونکہ سجدہ تعظیمی پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہر ملت نے اس کی اجازت کو باقی رکھا۔ ہماری شریعت نے سجدہ تعظیمی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ و قال یا ابت ھذا تاویل رؤیای من قبل۔ ترجمہ: "(یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا: اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو (پہلے عرصہ ہوا) میں نے دیکھا تھا۔" یعنی وہ خواب جس کا تذکرہ میں نے آپ کی خدمت میں کیا تھا، میں نے دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اسے چھپائے رکھو اور آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا جو وعدہ فرمایا تھا۔ قد جعلھا ربی حقا و قد احسن بی اذ اخرجنی من السجن۔ ترجمہ: "میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا ہے، اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے قید خانہ سے۔" یعنی غم اور پریشانی کے بعد اس نے مجھے مصر کے ملک کی فرمانروائی اور حاکمیت عطا فرمائی ہے۔ میں جہاں چاہوں جیسا چاہوں حکم دے سکتا ہوں اور کوئی ایسا نہیں جو میرے حکم سے روگردانی کر سکے۔ "وجاء بکم من البدو" "اور لے آیا تمہیں صحراء سے۔" بدو کا معنی صحراء ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان عرب کے صحراء میں رہا کرتا تھا، جہاں خانہ بدوش لوگ اپنے مویشیوں سمیت رہتے تھے۔ من بعد ان نزغ الشیطن بینی و بین اخوتی۔ ترجمہ: "اس کے بعد کہ نا اتفاقی ڈال دی تھی، شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان۔" جو نزاع کیا تھی۔ اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان ربی لطیف لما یشاء۔ ترجمہ: "بے شک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے، جس کیلئے

چاہتا ہے۔" یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور اس کیلئے ایسی آسانیاں اور سہولتیں مہیا فرما دیتا ہے جن کا حصول انسانی پہنچ سے باہر ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی لطیف صنعت گری اور عظیم قدرت کے ذریعے اسے مقدر اور آسان کر دیتا ہے۔ "انه هو العليم" یقیناً وہی سب کچھ جاننے والا۔ "الحكيم" اپنی مخلوق۔ کیلئے قوانین بنانے اور اندازہ کرنے میں بڑا دانا ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یوسف ؑ نے اہل مصر کے ہاتھ غلہ فروخت کیا۔ آپ ؑ نے غلے کے بدلے ان سے سونا، چاندی، مال، مویشی، گھر کا سامان اور جو کچھ ان کے گھر میں تھا سب کچھ لے لیا، حتی کہ انہوں نے غلے کے بدلے اپنے آپ کو بادشاہی کی غلامی میں دیدیا۔ پھر حضرت یوسف ؑ نے انہیں آزاد کر دیا اور شرط عائد کر دی کہ آپ ان زمینوں کو آباد کریں اور اپنی کھیتی اور پھلوں کا پانچواں حصہ بادشاہ کے خزانے میں جمع کرائیں، پھر اس کے بعد اہل مصر کا یہ طریقہ کار قرار پایا۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت یوسف ؑ قحط سالی میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے تاکہ فاقہ کشی کی سختیوں کو بھول نہ جائیں۔ آپ پورے دن میں ایک دفعہ دوپہر کو کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی لیے ملوک مصر نے آپ کی اقتداء کی۔

میں (امام ابن کثیر ؒ) کہتا ہوں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب ؓ نے قحط سالی میں پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا حتی کہ قحط ختم ہوا، اور خوشحالی عود کر آئی۔ حضرت امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضرت عمر ؓ کی خدمت میں عرض کیا: اب تو قحط نہیں رہا، اب آپ آزاد ہیں، (جی بھر کر کھائیں پئیں)

کیا موت کی تمنا کرنا جائز ہے؟

جب حضرت یوسف ؑ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں عام ہو چکی ہیں اور پورا خاندان ایک جگہ جمع ہو گیا ہے تو آپ ؑ نے دل میں سوچا یہ دنیا ہمیشہ رہنے کیلئے نہیں، یہاں جو کچھ ہے فانی ہے، زمین پر مخلوق کا جو فرد ہے آخر ختم ہونے والا ہے اور جو وجود پاتا ہے عدم کی نیند سوتا ہے۔ ہر کمال کو زوال ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ اس کے احسانات اور نوازشات کا اعتراف کیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! مجھے اس دنیا سے اپنے حریم قدس میں بلا لے۔ یعنی اسلام پر میری زندگی کے سانس پورے ہوں اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔ جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے: "اے اللہ! مجھے اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت عطا کر۔" یعنی جب ہم

مریں تو اسلام کی دولت سے دامن پر ہو، اور ہو سکتا ہے آپ نے موت کی دعا وقت نزاع میں کی ہو۔

جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی رحلت کی گھڑیوں میں دعا کی تھی کہ مولا کریم! میری روح کو ملاء اعلیٰ اور نبیوں رسولوں میں نیک رفیقوں کے ساتھ ملا دے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں: اللهم في الرفيق الأعلى۔ ترجمہ: "اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔"

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا تھا۔ پھر اس دنیا سے کوچ فرمایا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دعا کا مقصد یہ ہے کہ الٰہی! بدن کی سلامتی کے ساتھ اسلام پر موت دے۔ کیونکہ ان کی شریعتوں اور ملتوں میں یہ دعا جائز اور مباح تھی۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے۔ آپ ؓ نے فرمایا: حضرت یوسف ؑ سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں فرمائی۔ لیکن ہماری شریعت میں موت کی دعا سے روک دیا گیا ہے۔ ہاں جب دین کے تباہ ہونے کا خدشہ ہو تو موت کیلئے دعا کی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ حضرت معاذ ؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے فتنے کے وقت دعا فرمائی تھی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت فرمایا ہے۔ آپ نے دعا کی تھی: "جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو ہمیں فتنے میں مبتلا کیے بغیر اپنے پاس بلا لینا۔" اور دوسری حدیث میں ہے: "اے ابن آدم! تیرے لیے موت فتنے سے بہتر ہے۔" حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

يا ليتني مت قبل هذا و كنت نسيا منسيا۔

ترجمہ: "کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔"

جب حالات بگڑ گئے کئی فتنوں نے سر اٹھایا جنگ وجدل نے زور پکڑا۔ اور قتل و قتال کا سلسلہ دراز ہو گیا تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے بھی موت کی تمنا فرمائی تھی، اسی طرح صحیح بخاری کے مرتب حضرت امام بخاری ؒ نے مصائب و آلام اور حالات کی نزاکت کے وقت موت کی تمنا کی تھی۔ لیکن حالات اگر صحیح ہوں تو موت کی تمنا صحیح نہیں ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیحین میں حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی شخص کو اگر کوئی تکلیف پہنچے تو وہ موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیک ہے تو ہو سکتا ہے اس کی نیکیاں زیادہ ہوں اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ برائی سے باز آ جائے بلکہ اسے کہنا چاہیے، اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے باعث خیر و برکت ہے مجھے زندہ رکھنا اور جب موت میرے حق میں بہتر ہو تو مجھے اٹھا لینا۔"

آیت میں تکلیف سے مراد جسمانی تکلیف ہے۔ دینی نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کا سوال کیا تو اس وقت فرمایا جب نزع کی حالت طاری تھی یا اس وقت جب حالات نازک صورت اختیار کرتے جاتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات اور مزار:

ابن اسحاق نے اہل کتاب سے روایت کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس مصر میں سالہا سال رہے، پھر آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے رحلت کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ مجھے میرے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے جسم پر خوشبوئیں ملیں، انہیں ملک شام لے گئے اور مشہور مغارہ میں والد گرامی حضرت اسحاق اور جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔

اہل کتاب لکھتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آئے تو ان کی عمر ایک سو تیس سال تھی، آپ سترہ سال مصر میں مقیم رہے اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کی کل عمر ایک سو چالیس سال تھی۔

یہ تورات کی نص ہے جو صراحتاً غلط ہے۔ یا تو کتابت کی غلطی ہے۔ یا انہوں نے ترجمے میں غلطی کی ہے یا پھر کسر کو گراتے وقت غلطی کا ارتکاب کیا ہے، لیکن اکثر مقامات پر وہ ایسا نہیں کرتے، تو یہاں یہ طریقہ کیسے استعمال کر سکتے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی۔ قالو نعبد الھک والہ آبائک ابراھیم واسماعیل و اسحاق الھا واحدا و نحن لہ مسلمون۔ ﴿سورۃ بقرۃ﴾

ترجمہ: "بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی، یعقوب کو موت جبکہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد انہوں نے عرض کیا، ہم عبادت کریں گے، آپ کے خدا کی اور آپ بزرگوں حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے خدا کی جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں گے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اخلاص کی وصیت فرمائی اور یہی وہ دین ہے جسے لے کر انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے۔ اہل کتاب ایک عجیب قصہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو فرداً فرداً وصیت فرمائی اور انہیں ان کے آنے والے حالات سے باخبر کیا۔ وہ کہتے

ہیں کہ آپ علیہ السلام نے یہوذا کو بشارت دی کہ تیسری نسل سے ایک عظیم نبی پیدا ہو گا جس کی تمام قبیلے اطاعت کریں گے۔ یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔

اہل کتاب کی روایت کے مطابق جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اہل مصر نے ستر دنوں تک گریہ کناں رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے طبیبوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے جسم اطہر میں خوشبوئیں بھریں۔ چالیس روز تک خوشبوئیں بھری جاتی رہیں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اجازت لی کہ وہ اپنے والد مکرم کو اپنے اہل خانہ کے پہلو میں دفن کرنے کیلئے کنعان جائیں۔ بادشاہ نے آپ کو اجازت دیدی۔ آپ کے ساتھ مصر کے امراء و زعماء بھی گئے اور جب وہ "حبرون" پہنچے تو اسی مغارہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو دفن کیا گیا اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدفین کے بعد ان کی قبر انور پر سات دن تک تعزیت ہوتی رہی۔ پھر یہ لوگ واپس مصر کو آئے اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت پر تعزیت کی اور بہت روئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور انہیں عزت سے نوازا۔ وہ تمام لوگ بعد میں بھی مصر کی زمین میں قیام پذیر رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جب تم مصر سے نکلو تو مجھے بھی ساتھ لے جانا اور میرے آباؤ اجداد کے پہلو میں مجھے دفن کر دینا۔ سو آپ کی لاش کو حنوط کیا گیا اور ایک تابوت میں رکھ کر مصر میں دفن کر دیا گیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو آپ کے جسم کو بھی ساتھ لے لیا اور جا کر اسے اسی مغارہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے نزدیک دفن کیا۔ تفصیلی تذکرہ بعد میں آئے گا۔ وفات کے بعد تورات کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ایک سو دس سال تھی۔

واللہ تورات کی نصوص میں تفصیل سے مذکور ہے۔ جیسا کہ میں نے دیکھا ہے اور علامہ ابن جریر نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ مبارک بن فضالہ حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کی عمر سترہ سال تھی۔ آپ اسی سال تک والد گرامی کو نہ دیکھ سکے۔ ملاقات کے بعد آپ تیئس سال زندہ رہے اور ایک سو بیس سال کی عمر کو وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی یہوذا کو وصیت فرمائی۔ (صلوات اللہ علیہ و سلامہ)

حضرت ایوب علیہ السلام

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا تعلق اہل روم سے تھا۔

آپکا شجرہ نسب یہ ہے۔ ایوب بن موص بن رازح بن العیص بن اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہ السلام

ایک اور مورخ کا کہنا ہے کہ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے۔ ایوب بن موص بن رعویل بن العیص بن اسحاق بن یعقوب۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد ماجد ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے تھے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور آگ گلزار ہو گئی تھی۔

لیکن پہلا قول مشہور ہے کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جیسا ہم نے ومن ذریته داود و سلیمان وایوب و یوسف و موسی و هارون (سورۃ الانعام) کی آیت سے ثابت کیا ہے کہ ضمیر (ذریته) کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام۔

حضرت ایوب علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کی بعثت کے بارے قرآن کریم نصوص اتری ہیں۔

قرآن میں تذکرہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا او حينا اليك كما اوحينا الى نوح والنبين من بعده و او حينا الى ابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب والاسباط وعيسى وايوب ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: ”بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اوران نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اوران کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب......“

صحیح یہ ہے کہ آپ العیص بن حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ”لیا“ بنت حضرت یعقوب علیہ السلام اور ایک قول کے مطابق ”رحمۃ“ بنت افرائیم اور ایک قول کے مطابق ”لیا“ بنت منشا بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ یہی زیادہ مشہور ہے اس لیے

ہم نے آپ کا تذکرہ اس جگہ مناسب خیال کیا ہے۔

آپ کے بعد انشاء اللہ انبیائے بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہوگا، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور توکل ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وايوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر وانت ارحم الراحمين۔ فاستجبنا له فكشفنا ما به من ضر و اتيناه اهله ومثلهم معهم رحمة من لدنا و ذكرى للعابدين۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ”اور یاد فرمایئے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کے اہل وعیال اور ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے۔ اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا، بڑا خوبیوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔“

ابن عساکر نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، عرفی بن سویلخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب پھر حضرت یونس بن متی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے پھر حضرت ایوب بن زراح بن آموص بن لیفرز بن العیص بن اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ ترتیب محل نظر ہے۔ کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے

بیوی کا خدمت کرنا:

علمائے تفسیر و تاریخ وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہایت مالدار شخص تھے۔ آپ کے پاس ہر قسم کا مال و متاع تھا۔ کیا مال مویشی، کیا غلام اور کیا وسیع و عریض کھیت، ارض حوران میں بثنیہ کا علاقہ سب آپ کی ملکیت تھا۔ ابن عساکر کے بیان کے مطابق یہ سارا علاقہ بلاشرکت غیر آپ کی ملکیت میں

تھا۔ اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ اللہ نے آپ کو بہت سے بیٹے بیٹیاں دے رکھے تھے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ساری دولت لٹ گئی۔ خاندان فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ اور جسم اقدس بھی بلاؤں اور تکلیفوں کی آماجگاہ بن گیا۔ دل اور زبان کے علاوہ کوئی عضو بیماری اور تکلیف سے محفوظ نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل اور زبان کو اس لیے محفوظ و مامون رکھا تا کہ وہ ذکر کرتے رہیں۔ اس تکلیف کے باوجود بھی آپ صابر و شاکر رہے۔ رات دن لحظہ لحظہ اپنے رب کی یاد میں بسر کیا۔ اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔ بیماری طول پکڑ گئی۔ ہم نشین الگ ہو گئے۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے اور بات یہاں تک پہنچی کہ آپ کو شہر سے اٹھا کر گندگی کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ سب ساتھ چھوڑ گئے۔ کوئی مہربان پوچھنے نہ آیا۔ صرف آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ آپ کے ساتھ رہیں۔

اس خوش قسمت خاتون نے دوستی کو نبھایا اور ان کی شفقتوں اور گزرے احسانات کی پوری پوری پاسداری کی۔ وہ آپ کی بیماری میں آپ کی مسلسل دیکھ بھال کرتی رہیں۔ اور ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوئیں۔ وہ آپ کو قضائے حاجت کے لیے لے جاتیں اور آپ کی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتیں۔ حتیٰ کہ اس بچاری کی حالت بھی ناگفتہ ہو گئی۔ ایک چھوٹی کوڑی بھی ہاتھ میں نہ رہی لیکن لوگوں کے گھروں میں اجرت پر کام کر کے اپنے خاوند کے طعام اور دواء کا بندوبست کرتی رہیں۔ مال چھن گیا۔ اولاد داغ جدائی دے گئی حضرت ایوب علیہ السلام بیماری میں لاچار ہو گئے۔ حشم خدم سب ساتھ چھوڑ گئے۔ انہوں نے منہ موڑ لیا اور سعادت نعمت اور صابرو شاکر و اللہ کی بندی نے اپنے خاوند اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ ان کی زبان سے ایک ہی لفظ سنائی دیتا رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب و آلام انبیاء کو اٹھانے پڑے پھر صالحین کو پھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کو" اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی سے اس کے دین کے مطابق امتحان لیا جاتا ہے۔ اگر اس کے دین میں پختگی ہو تو اس مصیبت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے

حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام پر مصائب و آلام کی بارش ہوئی لیکن جوں جوں تکلیفیں بڑھتی گئیں ان کے صبر و استقامت اور حمد و شکر خداوندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آپ صبر و استقامت کی مثال بن گئے اور لوگ ان کی مصیبتوں کو بطور مثال کے یاد کرنے لگے۔

حضرت وہب منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء بنی اسرائیل سے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے میں ایک

طویل واقعہ روایت کیا ہے کہ کیسے آپ کا مال و متاع چھن گیا۔ بچے فوت ہوئے اور جسم بیماریوں میں مبتلا ہوا۔ لیکن ان واقعات کی صحت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب

مصائب و آلام کی مدت:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جو چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ آپ کتنی مدت چیچک کی بیماری میں مبتلا رہے۔ علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

وھب ابن منبہ کہتے ہیں کہ آپ تین سال تک بیمار رہے نہ ایک دن کم اور نہ ایک دن زیادہ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام سات سال اور کچھ ماہ بیمار رہے اور آپ کو بنی اسرائیل کے گندگی کے ایک ڈھیر پر ڈال دیا گیا تھا جس سے کیڑے مکوڑے آپ کے جسم مبارک پر آتے جاتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو اللہ نے صحت و تندرستی عطا فرما دی اور پہلے سے زیادہ نعمتیں عطا ہوئیں۔

حمید کہتے ہیں آپ علیہ السلام چیچک کی بیماری میں اٹھارہ سال تک مبتلا رہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ راوئے ہے کہ آپ کے جسم کا سارا گوشت گل سڑ گیا۔ اور صرف ہڈیاں اور پٹھے محفوظ رہے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آپ کیلئے راکھ لے آتیں اور ان کے نیچے بچھا دیتیں۔ جب عرصہ زیادہ ہو گیا تو زوجہ محترمہ نے عرض کی۔ میرے سرتاج ایوب! اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ ضرور آپ کو شفاء عطا فرما دے گا۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔ میں نے صحت و تندرستی میں ستر سال کا طویل عرصہ گزارا۔ تو کیا میں اللہ کے لیے ستر سال تک اس مصیبت پر صبر نہیں کر سکتا؟ آپ رو پڑیں۔

آپ کی زوجہ محترمہ لوگوں کے ہاں دن بھر مزدوری کرتی تھیں اور جو اجرت ملتی اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے کھانے پینے کا سامان اور دوائی خریدتی تھیں۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ کوئی بھی آپ سے کام کرانا پسند نہیں کرتا تھا۔ لوگ سوچتے تھے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی اور اس کے پاس رہتی اور خدمت کرتی ہے کہیں اس کی وجہ سے یہ بیماری ان کو بھی نہ لگ جائے۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ کہیں کام مل جائے لیکن کوئی بھی آپ کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آپ تشریف لے گئیں اور اپنی ایک مینڈھی ایک امیر زادی کو فروخت کر دی۔ اس امیر زادی نے اس کے بدلے آپ کو بہت سا لذیذ کھانا دیا۔ آپ لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا؟ انہوں نے عرض کی: میں نے اس کے بدلے لوگوں کی خدمت کی۔ حضرت ایوب علیہ السلام بہت حیران ہوئے۔ اگلے دن پھر کسی کے ہاں کام نہ مل سکا۔ آپ نے اپنی دوسری مینڈھی بھی فروخت کر دی۔ اور کھانا لے کر حضرت [illegible]

میں حاضر ہوئیں۔ آپ بہت حیران ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! میں کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک آپ یہ نہیں بتا دیتیں کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے دوپٹہ ہٹایا تو بال منڈے ہوئے تھے۔ حضرت ایوب ؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ مولا کریم!

انی مسنی الضر وانت ارحم الرحمین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ”مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔“

بھائیوں کا بیمار پرسی کرنا:

ابن ابی حاتم، عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ایوب ؑ کے دو بھائی تھے۔ وہ ایک دن آپ کو ملنے آئے۔ لیکن بدبو کی وجہ سے قریب نہ آسکے۔ دور کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ایک نے کہا: اگر ایوب میں کچھ بھی بھلائی ہوتی تو وہ اس قدر مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ حضرت ایوب ؑ ان کی باتیں سن کر اس قدر روئے کہ پہلے کسی رنج سے یوں نہ روئے تھے۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولا! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی رات سیری کی حالت میں نہیں گزاری جبکہ میرے علم میں کوئی بھوکا سویا ہو۔ تو میری تصدیق فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تصدیق فرمائی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر آپ ؑ نے عرض کی۔ میرے پروردگار! اگر تو جانتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس دو قمیصیں ہوں اور میں نے کسی کو ایک قمیص کو تیری راہ میں نہ دیدی ہو۔ تو میری تصدیق کردے۔ آسمان سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی جبکہ دونوں بھائی تصدیق کی آواز اپنے کانوں سے سن رہے تھے۔

پھر آپ ؑ نے عرض کیا کہ اے میرے خدا! تیری عزت کی قسم اور سر سجدہ میں رکھ دیا۔ سجدے میں پھر عرض کناں ہوئے مجھے تیری عزت و جلال کی قسم! اس وقت تک سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میری تکلیف کو دور نہیں فرما دے گا۔

آپ سجدے میں رہے حتی کہ ساری تکلیف جاتی رہی۔

ابن ابی حاتم، حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ایوب ؑ اٹھارہ سال بیمار رہے۔ اپنے اور غیر سب نے انہیں چھوڑ دیا۔ صرف دو آدمی آپ کے ساتھ لگے رہے۔ یہ دونوں آپ کے بھائی تھے اور نہایت محبت کرتے تھے۔ وہ صبح و شام آپ کو ملنے آتے۔ ایک دوسرے نے کہا: جانتے ہو ایوب نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے کہ دنیا میں کسی اور نے نہیں کیا ہوگا۔ دوسرے نے کہا اس سے کون سا گناہ سرزد ہو گیا ہے؟ پہلے نے کہا:

اٹھارہ سال گزر چکے ہیں لیکن اس کے رب نے اس پر نظر رحمت نہیں فرمائی کہ یہ ٹھیک ہو جاتا۔ جب صبح دونوں حضرت ایوب ؑ کے پاس آئے تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اس کا ذکر حضرت ایوب ؑ سے کر دیا۔ حضرت ایوب ؑ نے فرمایا: یہ معلوم تو کیا کہہ رہا ہے؟ ہاں اللہ عزوجل جانتا ہے کہ جب میں دو آدمیوں کو جھگڑتے دیکھتا اور سنتا کہ وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں تو میں گھر جاتا اور ان دونوں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کہ کہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام بلاوجہ نہ لیا ہو۔

چشمہ شفا جاری اور بیماری ختم:

حضرت ایوب ؑ رفع حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تقضائے حاجت کے بعد آپ کی بیوی محترمہ آپ کا ہاتھ تھام لیتیں۔ اور آپ واپس آجاتے۔ ایک دن انہیں دیر ہو گئی۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: ارکض برجلک۔ هذا مغتسل بارد و شراب۔ یعنی ”حکم ہوا اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے۔“

آپ دیر سے پہنچیں تو تلاش کرنے لگیں۔ ایوب ؑ ان کی طرف تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت و تندرستی عطا فرما دی تھی۔ اور اب وہ پہلے سے بھی کہیں حسین و جمیل لگ رہے تھے۔ جب بیوی نے آپ کو دیکھا تو نہ پہچان سکیں۔ اور کہنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے۔ کیا آپ نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو یہاں بیماری کی حالت میں تشریف فرما رہا کرتے تھے۔ بخدا! میں نے آج تک کسی آدمی کو آپ سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ صحت مند ہوا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں ایوب ہی ہوں۔

سونے چاندی کی بارش:

فرماتے ہیں کہ آپ کے دو کھلیان تھے۔ ایک کھلیان گندم کے لیے اور دوسرا جو کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کے دو ٹکڑے بھیجے جب بادل کا ایک ٹکڑا گندم کے کھلیان کے اوپر گیا تو وہ سونے سے بھر گیا حتی کہ سونا اس کے کناروں سے باہر گرنے لگا اور دوسرا ٹکڑا جو کے کھلیان میں پڑ گیا جس سے وہ چاندی سے لبالب بھر گیا۔ اور چاندی اس سے باہر گرنے لگی۔“

﴿ابن جریر﴾

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب ؑ کو جنتی حلہ پہنایا اور آپ قدرے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئے آپ کی زوجہ محترمہ تشریف لائیں لیکن آپ کو پہچان نہ سکیں کہنے لگیں اے اللہ کے بندے! وہ بیمار شخص کہاں گیا جو یہاں رہا کرتا تھے۔ کہیں

اسے کتے کھا گئے یا بھیڑیے اٹھا لے گئے؟ کچھ دیر وہ آپ سے باتیں کرتی رہیں۔ آپ نے فرمایا: تیرا بھلا ہو میں ایوب ہی تو ہوں! کہنے لگیں: اے بندہ خدا کیا آپ مجھ سے مذاق کرنے لگے؟ آپ نے فرمایا خدا تیرا بھلا کرے میں ایوب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا جسم دوبارہ دے دیا ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھویا ہوا مال واولاد واپس دے دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اور بھی مال اولاد سے نوازا۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی میں نے تمہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد دوبارہ عطا کر دی اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور بھی نعمتیں عطا فرما دیں۔ اس پانی سے غسل فرمائیے۔ اس میں تیرے لیے شفاء ہے۔ اپنے ساتھیوں کو اپنا قرب بخشیے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ کیونکہ انہوں نے تیرے حق میں میری نافرمانی کی ہے۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت فرمایا ہے)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب رب العلمین نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت بخشی تو آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش برسائی۔ آپ انہیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں باندھنے لگے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے کہا گیا ایوب! کیا سیر نہیں ہوئے؟ عرض کی: پروردگار! تیری رحمت سے سیر کون ہو سکتا ہے؟

امام احمد، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیوں کا لشکر بھیجا گیا آپ انہیں پکڑ کر کپڑے میں اکٹھا کرنے لگے: آپ سے کہا گیا: اے ایوب: کیا جو کچھ ہم نے دیا کافی نہیں ہے؟ آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیری رحمت سے مستغنی کون ہو سکتا ہے (یہ حدیث موقوف ہے۔ ایک اور سند کے ذریعے اسے حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے۔)

ہمام بن منبہ، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے اسی اثناء میں آپ پر سونے کی ٹڈیوں کا ایک گروہ آ گرا۔ آپ انہیں مٹھی بھر بھر کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ آپ کے پروردگار نے آواز دی: اے ایوب! جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کیا میں نے تمہیں اس سے غنی نہیں کر دیا؟ آپ نے عرض کی: کیوں نہیں میرے رب! لیکن تیری برکتوں سے میں بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔

"ارکض برجلک" کا مطلب ہے اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھوکر لگاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اس

حکم کی تعمیل کی زمین پر پاؤں مارنے کی دیر تھی ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اور حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کیجیے اور اسے پیجئے۔ آپ نے پانی پیا اور غسل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم سے ساری تکلیف، ساری بیماری دور فرما دی۔ ظاہری بیماریاں بھی دور ہو گئیں اور باطنی کلفتوں کا بھی ازالہ ہو گیا۔ نہ صرف آپ ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے باطنی نعمتوں سے بھی نوازا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ پر سونے کی بارش ہوئی جس سے جسم کے پھوڑے بھی درست ہو گئے اور فقر و افلاس جو امتحان تھا وہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے پورا خاندان پھر سے عطا کر دیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

واتینٰہ اھلہ ومثلھم معھم ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھر والے، نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کیلئے۔"

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے فوت شدہ بیٹوں اور بیٹیوں کو زندہ فرما دیا جبکہ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد فوت شدہ بچوں کے بدلے نیک و صالح بیٹے بیٹیاں عطا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ مال و دولت عطا کر دیا اور آخرت میں ان تمام کو جنت الفردوس میں اکٹھا فرما کر ان پر اپنا کرم تمام کرے گا۔

"رحمۃ من عندنا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی تکلیف کو اپنی رحمت سے دور فرما دیا اور احسان، رافت اور رحمت کرتے ہوئے ان کی بیماری دور کر دی اور انہیں شفاء عطا فرما دی۔ "وذکری للعابدین" کا معنی یہ ہے کہ یہ واقعہ ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوں، یا جن کا مال و دولت جاتا رہا ہو یا جن کے بچے فوت ہو گئے ہوں۔ ہر مصیبت زدہ شخص کیلئے اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی کا بہترین نمونہ موجود ہے، کیونکہ جو تکالیف حضرت ایوب علیہ السلام کو پہنچیں وہ سب تکلیفوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ لیکن آپ نے صبر کیا اور لحہ لحہ یاد خدا میں بسر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی تمام تکالیف دور فرما دیں اور انہیں بلند مقام پر فائز کر دیا۔ جن لوگوں نے لفظ رحمت سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا اسم گرامی مراد لیا ہے، وہ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں۔ یہ کسی صورت صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت ضحاک ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شباب بھی لوٹا دیا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ توانائیاں اور حسن صورت عطا کر دیا

حتیٰ کہ آپ کے ہاں چھبیس بچے پیدا ہوئے۔ تکلیف دور ہونے کے بعد آپ ستر سال تک ملک روم میں دین ابراہیمی کی اشاعت کرتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے دین کو بدل ڈالا۔

وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث انا وجد ناه صابرا۔ نعم العبدانه اواب
﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: ''اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا، بڑا خوبیوں والا بندہ، ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے اور رسول حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے قسم میں رخصت ہے، کیونکہ آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے ماروں گا، کہا جاتا ہے کہ قسم اٹھانے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی دونوں مینڈھیاں کاٹ کر بیچ دی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو شیطان طبیب حاذق کی صورت میں ملا اور حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے دواء تجویز کی۔ آپ نہ سمجھ سکیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں وہ نسخہ عرض کیا۔ آپ شیطان کی چالبازی کو پا گئے اور قسم اٹھائی کہ اس خطا کی سزا کے طور پر اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت و عافیت عطا کی تو ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ آپ قسم نہ توڑیں اور اپنی بیوی کو ایک مٹھا تنکوں کا ماریں "حنث" سے مراد کسی چیز کا گچھا وغیرہ ہے جیسا کہ کھجور کی شاخ پر بہت سارے بچے ہوتے ہیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور قسم پوری کی۔ اسی لیے رخصت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی علت کے طور پر فرمایا:

انا و جد نا ہ صابرا۔ نعم العبد۔ انه اواب ''بے شک ہم نے اسے (ایوب ؑ) کو صابر پایا، اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا۔''

اکثر فقہاء کرام قسموں اور نذروں کے باب میں اس رخصت کو بہت زیادہ کام میں لائے ہیں۔ کئی لوگوں نے تو اس میں ضرورت سے زیادہ وسعت نظری کا ثبوت دیا ہے حتیٰ کہ قسموں سے چھٹکارے کیلئے حیلے کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان لوگوں نے اس آیت کریمہ کو بنیاد بنایا ہے اور ایسے ایسے عجیب و غریب مسائل کا استنباط کیا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

علامہ ابن جریر اور دیگر علماء تاریخ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عمر مبارک ترانوے سال ہوئی تو آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ایک قول میں اس سے زیادہ عمر بتائی جاتی ہے۔

مجاہد سے روایت ہے جس کا مفہوم یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اغنیاء کے سامنے بطور دلیل پیش کریگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کے سامنے اور حضرت ایوب علیہ السلام کو

مصیبت زدوں کے سامنے۔ (اسے ابن عساکر نے اسی معنی کے تحت روایت کیا ہے۔)

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے ''حومل'' کو مرتے وقت وصیت فرمائی۔ آپ کی وفات کے بعد ''حومل'' نے اشاعت دین کا کام سنبھالا اور اس کام میں ان کے بھائی ''بشر'' بن ایوب نے انکی مدد کی۔ انہی کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ قرآن میں ذوالکفل کے نام سے مشہور ہیں۔ واللہ اعلم

آپ کے بیٹے ''حومل'' علیہ السلام بعض علماء کے نزدیک نبی ہیں اور ان کی کل عمر پچھتر سال ہے، چونکہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ذوالکفل حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں، اس لیے ہم یہاں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

علماء مورخین و مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

✿ سورۃ انبیاء میں قصہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و اسماعیل و ادریس و ذالکفل۔ کل من الصابرین۔ و ادخلنا هم فی رحمتنا انهم من الصالحین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔"

✿ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذکر عبدنا ابراهیم و اسحاق و یعقوب اولی الایدی والابصار۔ انا اخلصنا هم بخالصة ذکری الدار۔ و انهم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔ و اذکر اسماعیل و الیسع و ذالکفل۔ و کل من الاخیار۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: "اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا۔ انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمایئے اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔"

قرآن پاک میں آپ کا ذکر خیر عظیم المرتبت انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام بھی جلیل القدر نبی تھے اور یہ زیادہ مشہور ہے۔ لیکن کچھ علماء کا خیال ہے کہ آپ نبی نہیں بلکہ ایک صالح بندے اور عادل و منصف حاکم ہیں۔ علامہ ابن جریر نے اس سلسلے میں توقف فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

علامہ ابن جریر اور ابو نجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نبی نہیں بلکہ متقی اور پرہیزگار شخص تھے چونکہ آپ اپنی قوم کے یتیم بچوں کی پرورش اور کفالت کرتے تھے، اس لیے آپ ذوالکفل کہا جانے لگا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نہایت عادل اور منصف مزاج تھے اور ہر شخص کو اس کا

حق دلانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے اسی نام نے شہرت اختیار کر لی۔

علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم، داؤد بن ابی ہند کے حوالے سے حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدنا یسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے۔ تو آپ نے تمنا کی کہ کاش کوئی ایسا شخص ہوتا جو میری زندگی میں لوگوں پر میرے خلیفہ کی حیثیت سے حکومت کرتا تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ آپ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور کہا جو شخص میری تین شرطوں کو قبول کرے گا، میں اسی کو اپنا خلیفہ منتخب کروں گا۔ وہ تین شرطیں یہ ہیں (۱) وہ دن بھر روزہ رکھے گا، (۲) رات قیام میں گزارے گا اور (۳) کبھی غصے نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جسے لوگ زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے اور کہا: میں ان تینوں شرطوں کو پورا کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تم دن کو روزہ رکھو گے اور ساری رات قیام میں گزارو گے اور کبھی غصہ نہیں کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں میں ایسا ہی کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس روز اس فیصلے کو موخر کر دیا اور دوسرے دن پھر یہی فرمایا۔ لوگ خاموش ہو گئے اور وہی شخص پھر اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا حضور میں ان شرائط کو پورا کروں گا۔ آپ علیہ السلام نے اسے اپنا نائب مقرر کر دیا۔

شیطان کی مکاری

حضرت یسع علیہ السلام جب حضرت ذوالکفل علیہ السلام کو اپنا خلیفہ منتخب کر چکے تو ابلیس نے اپنے کارندوں کو کہا تم نے فلاں شخص کو بہکانا ہے، لیکن ہزار کوششوں کے باوجود بندہ خدا راہ راست سے نہ ہٹا۔ شیطان تھک ہار گئے، بڑے شیطان نے کہا: میں خود اسے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

وہ ایک بوڑھے فقیر کی شکل میں حاضر ہوا۔ آپ قیلولہ کرنے کیلئے لیٹے ہی تھے جیسا کہ معمول تھا رات بھر قیام فرماتے تھے اور دوپہر کے وقت قیلولہ کرتے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ نے پوچھا کون ہو؟ آواز دی: میں ایک مظلوم شخص ہوں۔ آپ اٹھے دروازہ کھولا، شیطان نے ایک لمبی کہانی شروع کر دی۔ میرے اور فلاں قوم کے درمیان جھگڑا ہو گیا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور بہت زیادتی کی ہے۔ وہ قصے کو طول دینے لگا حتی کہ قیلولے کا وقت ختم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جب شام ہو تو آنا میں تجھے تیرا حق دلواؤں گا۔ بوڑھا چلا گیا۔ شام کو مجلس منعقد ہوئی۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آپ نے خود بھی اسے ادھر ادھر تلاش کیا لیکن بے سود۔ دوسرا دن ہوا۔ آپ لوگوں کے فیصلے سناتے جاتے تھے اور ادھر ادھر بھی دیکھتے جاتے تھے کہ کہیں بوڑھا مظلوم نظر آئے تو اسے اس کا حق دلوایا جائے لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آپ قیلولے کیلئے لیٹے ہی تھے کہ

دروازے پر دستک ہوئی، آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا: ایک مظلوم بوڑھا اور دادرسی چاہتا ہے۔ آپ نے دروازہ کھول دیا۔ اور فرمایا: میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ جب میں فیصلے کرنے بیٹھوں تو آنا۔ بوڑھا کہنے لگا: حضور! وہ بہت بڑے لوگ ہیں، جب انہیں پتہ چلا کہ آپ فیصلہ فرمانے والے ہیں تو مجھ سے کہنے لگے: ہم تمہارا حق تمہیں دے دیں گے اور جب آپ نے عدالت برخاست کر دی تو پھر انکار کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اب جاؤ، شام کو آنا تیرا فیصلہ ہو جائے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ دوسرے دن بھی قیلولہ نہ فرما سکے۔ شام ہو گئی، آپ اس کے انتظار میں بیٹھے رہے، لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آپ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ آپ نے تیسرے دن اپنے اہل میں سے کسی کو حکم دیا کہ کسی کو دروازے کے قریب نہ آنے دینا تا کہ میں تھوڑی دیر کیلئے آرام کر سکوں، کیونکہ مجھے بہت نیند آئی ہوئی ہے۔ اسی وقت ابلیس بوڑھے مظلوم کی شکل میں آ گیا۔ دروازے پر موجود آدمی نے کہا: پیچھے ہٹیے، شیطان کہنے لگا: میں گزشتہ رات بھی حاضر ہوا تھا اور اپنا معاملہ پیش کیا تھا۔ دربان نے کہا: کچھ بھی ہو، آپ ان سے اس وقت نہیں مل سکتے۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی کو ادھر نہیں آنے دینا، جب شیطان عاجز آ گیا اور دروازے سے داخل نہ ہو سکا تو روشندان پر نظر پڑی۔ اس میں سے گھس کر اندر چلا گیا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی، آپ جاگ گئے۔ دربان سے فرمایا: اے دوست! میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی نہ آنے پائے؟ اس نے کہا: حضور! دروازے سے تو کوئی نہیں آیا، ذرا دیکھئے یہ کس راستے سے اندر آ گیا ہے۔ آپ اٹھے، دیکھا تو دروازہ اسی طرح بند تھا جس طرح آپ نے بند کیا تھا۔ وہ بوڑھا کمرے کے اندر موجود تھا۔ آپ نے اسے پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ یہ مردود شیطان ہے۔ آپ نے فرمایا: خدا کا دشمن شیطان؟ کہنے لگا تو نے میری ہر چال ناکام بنا دی ہے۔ میں نے یہ سب اس لیے کیا کہ تجھے غصہ آ جائے لیکن تو غصے میں نہیں آیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذوالکفل کہا کیونکہ آپ کے ذمے جو ڈیوٹی لگائی گئی تھی اس کی آپ نے پوری پوری پاسداری کی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی اسی سیاق و سباق کی حدیث روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے فرما رہے تھے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ ان کے دور میں ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھا جو روزانہ سو رکعت نفل ادا کرتا تھا، جب اس کی وفات ہو گئی تو حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے اس سنت کی پاسداری کی اور روزانہ سو رکعت نماز نفل ادا کرتے رہے، اس لیے آپ کا نام ذوالکفل مشہور ہوا۔ (اسے ابن جریر نے عبدالرزاق کے طریقے سے، انہوں نے معمر سے، انہوں نے قتادہ سے روایت کیا۔ آپ نے

فرمایا: ابوموسیٰ اشعری نے ایسا ہی فرمایا لیکن اس کی سند منقطع ہے۔)

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی اگر میں نے اسے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ، حتیٰ کہ آپ نے سات مرتبہ کہا۔ نہ سنا ہوتا تو اسے کبھی ذکر نہ کرتا، لیکن میں نے سات مرتبہ سے بھی زیادہ اسے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "الکفل بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا جس نے کوئی گناہ نہیں چھوڑا جسے نہ کیا ہو۔ ایک دن وہ ایک عورت کے پاس آیا اور اسے ساٹھ دینار دے کر زنا کیلئے آمادہ کیا، جب وہ زنا کیلئے عورت کے بالکل قریب بیٹھ گیا جیسا کہ جماع کے وقت بالکل قریب بیٹھا جاتا ہے تو عورت کانپ اٹھی اور رونے لگی۔ اس نے پوچھا تو روتی کس لیے ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ وہ کہنے لگی نہیں۔ لیکن میں نے زندگی میں کبھی ایسی حرکت نہیں کی، مجھے اس گناہ پر غربت اور افلاس نے مجبور کیا ہے۔ اس شخص نے کہا: اچھا تو اس قدر خوفزدہ ہے حالانکہ تو نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: جا چلی جا اور یہ دینار بھی لے جا تیرے ہیں۔ خدا کی قسم! آئندہ کفل کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ وہ اسی رات فوت ہو گیا، صبح اس کے دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "اللہ تعالیٰ نے الکفل کی مغفرت فرما دی۔"

امام ترمذی نے اعمش کی حدیث سے انہی الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے اور اسے حسن فرمایا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اسے بعض دوسرے اہل علم نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر اسے موقوف کیا ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کی سند بھی محل نظر ہے، کیونکہ ابوحاتم کہتے ہیں، سعد نے میری معلومات کے مطابق اس کے علاوہ اور کوئی حدیث روایت نہیں کی، لیکن ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن عبداللہ رازی کے علاوہ اور کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ (واللہ اعلم)

اگر اسے محفوظ مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ قصہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ میں الکفل اضافت کے بغیر ہے۔ ذوالکفل نہیں۔ یہ وہ شخص نہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، کیونکہ وہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام ہیں کفل نہیں۔ (واللہ اعلم)

نزول تورات سے قبل تباہ و برباد ہونیوالی امتوں کا تذکرہ

نزول تورات سے پہلے ہی تمام امتیں ہلاک ہو گئی تھیں۔ مندرجہ ذیل قرآن پاک کی آیت اس دلیل کی تائید کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد اتینا موسی الکتاب من بعد ما اھلکنا القرون الاولی۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں فرمایا۔ سوائے ایک بستی والوں کے جو مسخ کر کے بندر بنا دیئے گئے تھے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و لقد آتینا موسی الکتاب من بعد ما اھلکنا القرون الاولی ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو۔"

(بزار نے اپنی ایک روایت میں اسے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن لگتا ایسا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ (واللہ اعلم)

بہر حال اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض امتیں من حیث المجموع تباہ ہو گئیں۔ انکا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے دور سے ہے۔ (ان امتوں میں ایک "اصحاب الرس" ہیں، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔)

اصحاب الرس

☸ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و عادا و ثمود و اصحاب الرس و قرونا بین ذلک کثیرا۔ و کلا ضربنا له الامثال و کلا تبرنا تتبیرا۔ ﴿سورۃ الفرقان﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو، عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں، حق سمجھانے کیلئے ہم نے بیان کیں، ہر ایک کیلئے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔"

کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس و ثمود و عاد و فرعون و اخوان لوط و اصحاب الایکة و قوم تبع کل کذب الرسل فحق وعید۔ ﴿سورۃ ق﴾

ترجمہ: "جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے، اور عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے۔ ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو۔ پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ"

یہ مضمون اور اس سے ماقبل کا مضمون ان اقوام کی ہلاکت، تدمیر اور تتبیر پر دلالت کرتا ہے۔ تدمیر اور تتبیر کا معنی ہلاکت ہے۔ یعنی ان کا ایک ایک فرد کفر کی وجہ سے ہلاک، برباد اور نیست و نابود ہو گیا۔ اس سے علامہ ابن جریر کے اس نظریے کا بھی بطلان ہوتا ہے کہ اصحاب الرس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورۃ بروج میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق اور علماء کی ایک جماعت کے نظریے کے مطابق وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں، مگر یہ بات بھی محل نظر ہے۔ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "اصحاب الرس کا تعلق بھی ثمود کی بستیوں میں سے ایک بستی سے ہے۔"

ابن عساکر اپنی تاریخ میں دمشق کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ ابی القاسم عبداللہ بن عبداللہ بن جرداد وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اصحاب الرس "حضور" (گاؤں کا نام) میں قیام پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے ایک نبی مبعوث فرمایا جن کا اسم گرامی حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا۔ ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اور قتل کر دیا۔ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن

حضرت نوح علیہ السلام اور اس کا بیٹا اصحاب سے ہو گئے۔ اور وہ احقاف میں جا اترے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کو نیست و نابود کر دیا۔ عاد کے بقیہ لوگ پورے یمن میں پھیل گئے اور پھر یہاں سے دوسرے علاقوں میں مقیم ہونا شروع ہوئے اور دور دراز تک پھیل گئے۔ حتیٰ کہ جیرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام دمشق آیا، ایک شہر کی بنیاد رکھی، اور اسے جیرون کا نام دیا۔ اسی کو قرآن نے "ارم ذات العماد" کہا ہے۔ جتنے پتھر کے ستون دمشق میں ہیں شاید اور کہیں نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت کیلئے حضرت ہود علیہ السلام بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن الخلود بن عاد کو مبعوث فرمایا۔ آپ احقاف میں قوم عاد یعنی عاد کی اولاد کو تبلیغ کرتے رہے لیکن انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ (یہ واقعہ تقاضا کرتا ہے کہ اصحاب الرس قوم عاد سے زمانہ دراز پہلے گزرے ہوں۔ واللہ اعلم)

ابن ابی حاتم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الرس، آذربائیجان" میں ایک کنواں ہے۔

امام ثوری، ابوبکر سے اور وہ حضرت عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ "الرس" ایک کنواں جس میں ایک نبی دفن ہیں۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ عکرمہ نے کہا: اصحاب الرس سے مراد فلج کے علاقہ کے لوگ ہیں جنہیں اصحاب یاسین بھی کہا گیا ہے۔ حضرت قتادہ کے نزدیک فلج یمامہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔

امام ابن کثیر (مصنف کتاب) فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عکرمہ کے گمان کے مطابق اصحاب الرس سے مراد اصحاب "یاسین" ہیں تو پھر وہ بھی پوری قوم کا تباہی کا شکار ہوئی ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

ان كانت الا صيحة واحدة فاذا هم خامدون۔ ترجمہ: "یہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔"

ان کا واقعہ اصحاب الرس کے بعد عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ اور اگر اصحاب الرس ان کے علاوہ کوئی اور ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پوری قوم نیست و نابود ہوئی۔ ہر صورت میں علامہ ابن جریر کے نظریے کا رد لازم آتا ہے۔

ابوبکر محمد بن الحسن نقاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اصحاب الرس کے علاقے میں ایک کنواں تھا۔ جس کے پانی سے وہ گھریلو ضروریات کے علاوہ کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔ پانی اس قدر وافر

مقدار میں تھا کہ پورا علاقہ سیراب ہوتا۔ وہاں ایک عادل اور اچھی سیرت کا حامل بادشاہ بھی تھا، جب وہ بادشاہ فوت ہو گیا تو علاقہ کے لوگ بہت روئے۔ کچھ دنوں بعد شیطان بادشاہ کی شکل میں نمودار ہوا اور کہنے لگا: میں مرا نہیں ہوں بلکہ کچھ دن اس لیے غائب رہا ہوں تاکہ دیکھوں کہ تم کیا کرتے ہو۔ لوگ بہت خوش ہوئے اس نے حکم دیا اپنے اور میرے درمیان ایک پردہ اور آڑ بنا دو۔ کہنے لگا: میں کبھی نہیں مروں گا، اکثر لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور فتنے میں مبتلا ہو کر اس کی عبادت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے ایک نبی مبعوث فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نبی نے انہیں خبردار کیا کہ فریب سے نکلو، حجاب کے پیچھے سے گفتگو کرنے والا شیطان مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے انہیں منع کیا کہ اللہ کے اس دشمن کی عبادت مت کرو۔ عبادت کے لائق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

پیغمبر کو قتل کرنے کا انجام:

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو اصحاب الرس کی جانب نبی بنا کر بھیجا، نیند کی حالت میں ان پر وحی کی جاتی تھی، جب آپ نے قوم کو تبلیغ حق کی۔ لوگوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ سب آپ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے اور آخر ایک دن اپنے نجات دہندہ کو موت کی گھاٹ اتار کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ کنوئیں کا پانی خشک ہو گیا، پوری قوم شدت پیاس سے مرنے لگی، درخت سوکھ گئے۔ پھل گر پڑے، گھر ویران ہو گئے۔ انس کی جگہ وحشت نے لے لی، اجتماعیت تفرقے میں تبدیل ہو گئی۔ سب ایک ایک کر کے ہلاک ہو گئے۔ اب ان کے گھروں میں الوؤں اور وحشیوں نے ڈیرے ڈال دیئے، کچھ دنوں پہلے جہاں زندگی اپنی خوشیوں میں مست رقصاں تھی، وہاں بھوتوں کا شور، شیروں کی غراہٹیں اور درندوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

چودہ سال نیند میں سونے والا سیاہ فام غلام (عجیب و غریب حکایت)

علامہ ابن جریر، ابن اسحاق اور محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوگا وہ ایک کالا غلام ہے، اسے یہ سعادت اس لیے نصیب ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی میں ایک نبی مبعوث فرمایا۔ اس سیاہ فام غلام کے علاوہ کوئی بھی اللہ کے نبی پر ایمان نہ لایا بلکہ سب ان کے دشمن بن گئے۔ بستی والوں نے اپنے ہادی کیلئے ایک کنواں کھودا اور انہیں اس کنوئیں میں ڈال کر ایک بھاری پتھر کے ذریعے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ آپ نے فرمایا وہ سیاہ فام غلام اس کنوئیں پر آتا، اس بھاری پتھر کو اٹھاتا،

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پتھر ہٹ جاتا اور غلام کھانا پینا کنوئیں میں لٹکا دیتا اور پتھر پھر سے کنوئیں کے منہ پر اسی طرح رکھ دیا جس طرح پہلے پڑا ہوتا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنی مدت اللہ کو منظور تھا، ایسا ہی ہوتا رہا۔ ایک دن سیاہ فام غلام معمول کے مطابق لکڑیاں لینے گیا، جب وہ لکڑیاں جمع کر کے گٹھا باندھ چکا اور گٹھا اٹھا کر واپس آنا چاہا تو اسے نیند آ گئی اور وہ وہیں پہلو کے بل لیٹ کر سو گیا۔ اللہ نے سات سال تک اس پر نیند کو مسلط کیے رکھا، پھر وہ اٹھا، انگڑائی لی۔ دوسرے پہلو کو پھرا، اور پھر لیٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مزید سات سال اس پر نیند طاری کر دی، پھر وہ اٹھا۔ لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا اور چل دیا۔ اسے گمان تک نہ تھا کہ وہ اتنا عرصہ سویا رہا ہے۔ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ دن کا تھوڑا سا حصہ سویا رہا ہے۔ بستی میں جا کر لکڑیاں بیچیں، حسب سابق کھانے پینے کا سامان خریدا، اور کنوئیں کی طرف چل دیا، جہاں اللہ کا نبی بند تھا، اس نے بہت کوشش کی لیکن نہیں پتہ نہ چلا۔ دراصل ان کی قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ انہوں نے انہیں نکال لیا تھا اور انہیں اللہ کا نبی مان کی تصدیق کر دی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ نبی اپنے اس سیاہ فام غلام کے متعلق ان سے پوچھا کرتا تھا کہ اسے کیا ہوا، لوگ لاعلمی کا اظہار کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اس دنیا سے چل دیئے۔ وہ سیاہ فام غلام ان کی وفات کے بعد نیند سے جاگا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ سیاہ فام غلام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔“ (یہ حدیث مرسل ہے اور ایسے اہم مسئلہ میں محل نظر ہے۔ شاید تفصیلی واقعہ محمد بن کعب قرظی کا اپنا کلام ہے۔)

علامہ ابن جریر نے خود بھی اس کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے اصحاب الرس پر جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصحاب الرس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ سب ہلاک ہو گئے تھے جبکہ یہ لوگ ہلاک نہیں ہوئے بلکہ انہیں فوراً احساس ہوا اور وہ اپنے نبی پر ایمان لے آئے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے ہوں کہ ان کی عقل ٹھکانے لگ گئی ہو اور اپنے آباؤ اجداد کے بعد وہ لوگ ایمان لے آئے ہوں۔ واللہ اعلم

اصحاب الرس سے اصحاب الاخدود مراد لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصحاب الاخدود کو ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ انہیں دھمکی دی گئی تھی کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو انہیں آخرت میں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جبکہ اصحاب الرس کی ہلاکت کو صراحتاً بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اصحاب یٰسین کا تذکرہ

✿ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ .... فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ۔ ﴿سورۃ یٰسین﴾

ترجمہ: ”اور بیان فرمایئے ان کے (سمجھانے کے) لیے مثال گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں (ہمارے) رسول جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا، پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے (انہیں) کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے بستی والوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند۔ اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز۔ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے (کہ پیغام حق) کھول کر پہنچا دیں“ وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں۔ ”اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ رسولوں نے فرمایا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو۔ (حیرت ہے) اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو۔ دریں اثنا آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے کیا (میرے لیے جائز ہے کہ) میں بنا لوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر۔ پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا مجھے باعزت لوگوں میں اور نہ اتارا ہم نے اس قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی مگر ایک گرج

پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔"

اکثر علمائے متقدمین و متاخرین کے ہاں مشہور ہے کہ اس بستی سے مراد "انطاکیہ" ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو حضرت ابن عباس، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح حضرت بریدہ بن حصیب، حضرت عکرمہ، قتادہ اور امام زہری وغیرہ سے بھی روایت ہے کہ اس بستی سے مراد "انطاکیہ" ہے۔

ایک بستی میں تین پیغمبر:

حضرت ابن عباس، کعب اور وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک انطاکیہ کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس تھا۔ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک میں تین رسول بھیجے تھے جن کا نام صادق، مصدوق اور شلوم تھے لیکن بادشاہ نے ان رسولوں کو جھٹلایا، کفر کیا۔

ظاہر بات یہی ہے یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ حضرت قتادہ کا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ علامہ ابن جریر کی بھی یہی رائے ہے اور حضرت وہب سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے دونوں رسولوں کے نام شمعون اور یوحنا تھا۔ اور تیسرے کا نام بولس اور قریہ سے مراد انطاکیہ ہے۔ لیکن یہ قول بہت ضعیف ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مختلف علاقوں میں تبلیغ کیلئے روانہ کیا تو سب سے پہلے انطاکیہ کے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی۔ اس لیے انطاکیہ کا شمار ان شہروں میں ہوتا ہے، جہاں نصاریٰ کے بطریق بیٹھتے ہیں۔ یہ چار شہر انطاکیہ، القدس، اسکندریہ اور رومیہ بہت مقدس اور مشہور ہیں، ان کے بعد قسطنطنیہ کا نمبر آتا ہے۔ ان شہروں پر کوئی تباہی نہیں آئی جبکہ قرآن مجید میں جس بستی کا ذکر ہے۔ اس کے باشندے کفر کی پاداش میں نیست و نابود کر دیئے گئے۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل کا واقعہ کو بیان کر کے قرآن پاک ان کی ہلاکت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خامدون۔ ترجمہ: "یہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔"

اگر یوں تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مذکور ان تین رسولوں کو کسی دور میں انطاکیہ مبعوث کیا ہو اور اہل انطاکیہ نے ان فرستادوں کو جھٹلایا جس کی پاداش میں پوری بستی کو نیست و نابود کر دیا گیا ہو، پھر یہ شہر دوبارہ آباد ہوا ہو، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواری تبلیغ کی خاطر بھیجے ہوں اور انہوں نے آ کر ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام دیا ہو اور انہوں نے اسے قبول کر لیا ہو۔

یہ نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے کوئی مانع موجود نہیں۔ (واللہ اعلم) لیکن یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جو قصہ بیان ہو رہا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا ہے بہت کمزور ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور سیاق کلام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ فرستادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و اضرب لھم مثلا۔ اصحاب القریۃ ترجمہ: "اے (میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی قوم کے سامنے مثال پیش کریں۔ اس شہر کے رہنے والوں کی۔" اذ جاء ھا المرسلون۔ اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث ترجمہ: "اور بیان فرمایئے ان کے (سمجھانے کے) لیے مثال گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں (ہمارے) رسول جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا، پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے۔" یعنی پیغام پہنچانے میں تقویت اور مدد کیلئے ان کی طرف تیسرا رسول بھی بھیج دیا۔ فقالوا انا الیکم مرسلون۔ ترجمہ: "تو ان تینوں نے (انہیں) کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔" لیکن انہوں نے اللہ کے ان فرستادوں کی تردید کر دی اور کہنے لگے کہ تم اللہ کے رسول کیسے ہو سکتے ہو، تم تو ہماری طرح بشر ہو، جیسا کہ کافر امتیں اپنے رسولوں کو کہتی آئی ہیں۔ وہ لوگ انسان کا رسول ہونا بعید از قیاس سمجھتے تھے۔ ان تین رسولوں نے جواب دیا کہ اللہ جانتا ہے ہم تمہاری رہنمائی کیلئے آئے ہیں۔ اگر تم نے تکذیب کی تو پھر عذاب دور نہیں، تمہیں اس جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ ترجمہ: "اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے (کہ پیغام حق) کھول کر پہنچا دیں۔" یعنی ہم صرف اللہ کا پیغام دینے آئے ہیں وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔

قالوا انا تطیرنا بکم ترجمہ: "وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں۔" یعنی تمہارا پیغام بہت منحوس ہے۔ لئن لم تنتھوا لنرجمنکم ترجمہ: "اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور سنگسار کر دیں گے۔"

کہا جاتا ہے کہ یہ گستاخی انہوں نے قولاً کی۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ وہ فعلاً بھی وہ گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ لیکن آیت کے آنے والے الفاظ پہلے قول کی تائید کرتے ہیں۔

و لیمسنکم منا عذاب الیم۔ ترجمہ: "اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔" انہوں نے اللہ کے رسولوں کو قتل اور اہانت کی دھمکی دی۔

قالوا طائرکم معکم   ترجمہ: ''رسولوں نے فرمایا تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو۔''
یعنی تمہاری طرف لوٹائی گئی ہے۔

ائن ذکرتم   ترجمہ: اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔''
یعنی اس لیے کہ ہم تمہیں ہدایت کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدھی راہ پر آ جاؤ لیکن تم ہو کہ قتل اور اہانت کی دھمکیاں دے رہے ہو۔

بل انتم قوم مسرفون۔ ترجمہ: ''بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو۔''
یعنی حق قبول نہیں کرتے اور نہ راستبازی کا تمہیں خیال آتا ہے۔

ایک نیک شخص کا نصیحت کرنا اور اس کا قتل:

☼ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجاء من اقصا المدینہ رجل یسعی

ترجمہ: ''دریں اثنا آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔''
یعنی رسولوں کی مدد اور ان پر ایمان لانے کے اظہار کی خاطر

قال یقوم اتبعوا المرسلین۔ اتبعوا من لا یسئلکم اجرا و هم مهتدون۔

ترجمہ: ''اس نے کہا اے میری قوم اپیروی کرو رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔''
یعنی تمہیں خالص حق کی طرف بلاتے ہیں اور کسی اجرت اور صلہ کی خواہش نہیں رکھتے۔ پھر اس شخص نے خود بھی انہیں خدائے وحدہ شریک کی عبادت کی دعوت دی اور ماسویٰ کی عبادت سے روکا جو نہ دنیا میں کچھ نفع و نقصان دے سکتے ہیں اور نہ آخرت میں کسی مشکل سے بچانے کی سکت رکھتے ہیں۔

انی اذا لفی ضلال مبین۔

ترجمہ: ''(اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔''
یعنی اگر اللہ کی عبادت ترک کر دوں اور غیر خدا کے سامنے سجدے کرنے لگوں۔ پھر اس پاکباز شخص نے اللہ کے رسولوں کی خدمت میں بعد ادب و احترام عرض کی۔

''انی امنت بربکم فاسمعون''

ترجمہ: ''میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر۔ پس کان کھول کر میرا اعلان سن لو۔''
اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس مومن صادق نے رسولوں کی خدمت میں عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میری بات پر توجہ فرمائیں اور اپنے رب کے حضور میری ایمان کی گواہی دینا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب کافروں سے تھا۔ گویا اللہ کے اس پاک باز بندے نے کافروں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا کان کھول کر سن لو۔ میں اللہ کے ان رسولوں پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کا برملا اظہار کر رہا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان کے ساتھ کافر بپھر گئے اور اللہ کے اس بندے کو شہید کر دیا، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ شہید کیسے کیا گیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پتھر مار مار کر انہیں شہید کیا گیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ دانتوں سے انہیں کاٹ کھایا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یکبارگی حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

ابن اسحاق، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کافروں نے اس پاکباز انسان کو پاؤں تلے روند ڈالا اور انہیں قتل کر کے دم لیا۔

حضرت سفیان ثوری، ابی مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ اس مرد مجاہد کا اسم گرامی ''حبیب بن مری'' تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پیشے کے اعتبار سے یہ بڑھئی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ درزی تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ موچی تھا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وہ دھوبی تھا۔ بہر حال ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (اور جب انہیں معلوم ہوا کہ لوگ نبیوں کو تکلیف دے رہے ہیں تو ان کی مدد کیلئے دوڑتا ہوا آیا اور انہیں سمجھایا لیکن شہید کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص حبیب نجار تھے، انہیں جذام کی بیماری تھی۔ بہت صدقہ دیا کرتے تھے۔ جب وہ ایمان لائے تو قوم نے انہیں شہید کر دیا۔ اسی لیے اللہ فرماتا ہے:

قیل ادخل الجنة   ترجمہ: ''حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا۔''
یعنی جب ان کی قوم نے انہیں اظہار ایمان پر شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا: اے میرے جانثار بندے! جا جنت میں داخل ہو جا۔ جب راہ خدا میں شہادت کا مزہ چکھا اور جنت کی بہاروں اور خوشیوں کو دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے۔ یالیت قومی یعلمون۔ بما غفر لی ربی و جعلنی من المکرمین۔ ترجمہ: ''کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا مجھے باعزت لوگوں میں۔'' یعنی کاش وہ اس حقیقت کو مان لیتے جس کو ماننے سے مجھے یہ ابدی نعمتیں عطا ہوئی ہیں تو انہیں بھی اللہ کی رحمت سے حصہ مل جاتا۔

موت کے بعد کلام کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حبیب نجار نے اپنی زندگی میں انہیں نصیحت

کرتے ہوئے فرمایا: ”اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی۔“ اور موت کے بعد فرمایا: ”کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے پروردگار نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔“ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ مومن جب بھی کسی سے ملتا تو نصیحت کرتا اور کبھی بھی بری بات زبان پر نہ لاتا، جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نوازشات کو دیکھا تو کہا: یالیت قومی یعلمون۔ بما غفر لی ربی و جعلنی من المکرمین۔ اس نے تمنا کی کہ کاش اللہ کی طرف سے جو عزت افزائیاں میں دیکھ رہا ہوں اور جن بہاروں کا مستحق میں ٹھہرایا جا رہا ہوں میری قوم بھی ایمان لا کر ان نعمتوں سے مستفیض ہوتی۔

قوم نیست و نابود ہو گئی:

✿ حضرت قتادہ کا قول ہے خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ناحق قتل کے بعد اس قوم پر عتاب اور ناراضگی کا کوڑا یوں برسایا کہ جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے:

ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خامدون۔

ترجمہ: ”نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے۔“

✿ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جند من السمآء و ما کنا منزلین۔

ترجمہ: ”اور نہ اتارا ہم نے اس قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔“

یعنی انہیں نیست و نابود کرنے کیلئے ہمیں کسی آسمانی لشکر کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ ہمارا انتقام تو پلک جھپکنے کی دیر میں پورا ہو گیا۔

اسی مفہوم کو ابن اسحاق نے اپنے بعض اصحاب کے حوالے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی لشکر نہ اتارا۔ یعنی کسی اور کو ان کی ہدایت کیلئے مبعوث نہ فرمایا۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ پہلی تفسیر ہی قوی ہے۔ اسی لیے فرمایا: ”ما کنا منزلین“ یعنی جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کر دی اور ہمارے دوست کو قتل کر دیا تو ہمیں ان سے انتقام لینے کیلئے کسی آسمانی لشکر کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خامدون۔ ترجمہ: ”صرف ایک کڑک کے ذریعے انہیں جلا کر بجھے

ہوئے کوئلے بنا دیا گیا۔“

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے شہر کے دروازے کے دونوں پٹ لے لیے پھر ایک کڑک کے ذریعے انہیں بجھے ہوئے کوئلے بنا کر رکھ دیا۔ خامدون کا مطلب یہ ہے کہ ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں، جسموں میں حرکت نہ رہی اور کسی آنکھ میں قوت بصارت نہ رہی۔ (یعنی سب ہلاک ہو گئے۔)

یہ تمام حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ جس بستی کا قصہ قرآن پاک بیان کر رہا ہے وہ انطاکیہ نہیں ہے کیونکہ یہ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہو گئے جبکہ انطاکیہ والوں نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی اتباع سب سے پہلے کی۔ اسی لیے مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے والوں میں انطاکیہ کا شہر سرفہرست ہے۔

رہی وہ حدیث جسے طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سبقت لے جانے والے تین ہیں۔“ (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے میں حضرت یوشع بن نون، (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صاحب یٰسین اور (۳) محمد ﷺ پر ایمان لانے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے۔ (یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں حسین نامی راوی متروک ہے کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے اور اگر وہ روایت میں اکیلا ہو تو حدیث کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔)

حضرت یونس علیہ السلام

قرآن میں تذکرہ:

فلو لا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس۔ لما امنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و متعنھم الی حین۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس (علیہ السلام) کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا۔"

وذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمت فاستجبنا لہ و نجینہ من الغم و کذلک ننجی المومنین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔ پھر اس نے پکارا اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصورواروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔"

ارشاد خداوندی ہے:

وان یونس لمن المرسلین۔ .... فامنوا فمتعنھم الی حین۔ ﴿سورۃ صافات﴾

ترجمہ: "اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔ پس نگل لیا انہیں مچھلی نے در آنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔ پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے اور ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔"

فاصبر لحکم ربک .... فجعلہ من الصالحین۔ ﴿سورۃ قلم﴾

ترجمہ: "پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا۔ اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں حالانکہ اس کی مذمت کی جاتی۔ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے۔"

مفسرین عظام بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل "نینویٰ" کی رہنمائی کے لیے بھیجا جو ارض موصل میں ایک شہر ہے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی اور اپنے کفر و عناد میں بڑھتے چلے گئے۔ جب عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود بھی ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو انہیں چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور تین دن کے بعد نزول عذاب کی دھمکی دے گئے۔

توبہ کرنے پر اللہ کی رحمت میں جوش:

حضرت ابن مسعود، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ وغیرہ کئی علماء متقدمین اور متاخرین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چل دیے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب نینویٰ عذاب سے نہیں بچ پائے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ اور انابت کا خیال ڈال دیا۔ وہ بہت نادم ہوئے کہ ہم نے اپنے نبی کے حضور کیوں گستاخی کی۔ پس انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے جانوروں کے بچوں کو ان سے الگ کیا۔ پھر بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری کرنے لگے۔ بہت روئے۔ گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ عاجزی و انکساری کا اظہار کیا۔ مرد، عورتیں، بچے، بچیاں، مائیں سب آہ وبکا کرنے لگے۔ جانور اور ان کے بڑے، بکرے رینگنے اور ممیانے لگے۔ اونٹنیاں اور ان کے بچے بلبلائے، گائے اور بچھڑے رونے لگے۔ بھیڑیں اور ان کے بچے الگ الگ کھڑے باتیں کرنے لگے۔ ایک ہولناک منظر برپا تھا۔ کیا انسان، کیا حیوان سب آہ وبکا کرتے دکھائی دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ اللہ نے اپنی قوت وطاقت رافت و رحمت کے ذریعے ان سے عذاب ٹال دیا کیونکہ اب وہ ایمان لا چکے تھے۔ وہ عذاب جو ان کے سروں پر بہر یک رات کے ٹکڑے کی مانند لٹکا ہوا تھا ہٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلو لا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا (سورہ یونس: ۹۸)

"یعنی کیا آپ نے گزرے وقتوں میں کوئی ایسی بستی پائی جس کے باسیوں نے پوری طرح

اللہ پر ایمان لایا ہو کلام سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا واقع نہیں ہوا۔

✿ بلکہ یوں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون۔ "اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الا قوم یونس لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و متعنھم الی حین۔ (سورہ یونس)

"بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دینوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک"

مفسرین اس ضمن میں اختلاف کرتے ہیں کہ کیا ان کا یہ ایمان آخرت میں نفع بخش ہوگا یا نہیں۔ کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں دینوی عذاب سے محفوظ کر لیا آخرت کے عذاب سے محفوظ فرمائے گا یا نہیں؟ دونوں قسم کے اقوال ملتے ہیں۔

سیاق کلام تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایمان انہیں اخروی زندگی میں نفع دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کما آمنوا (جب وہ ایمان لے آئے) دوسری جگہ فرمایا:

وارسلنا الی مائۃ الف او یزیدون۔ فآمنوا فمتعناھم الی حین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

"اور ہم نے بھیجا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔"

اور ایک وقت تک لطف اندوز ہونا اخروی عذاب کے دور ہونے میں دوسرے کو شامل کرنے کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

بستی کی آبادی کی تعداد:

بستی کی کل آبادی کتنی تھی۔ لاکھ کا ہندسہ تو یقینی ہے لیکن زیادتی میں اختلاف ہے۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کردہ تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت "وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون" کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "یزیدون" کا

مطلب ہے بیس ہزار سے زائد۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نینویٰ کے باسیوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔

آپ ہی سے ایک دوسرا قول مروی ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار سے کچھ زائد تھی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار تھی۔ پھر اس بارے بھی علماء کی مختلف آراء ہیں کہ آیا مچھلی سے پہلے آپ ان لوگوں کی طرف مبعوث ہو چکے تھے۔ یا بعد میں؟ یا ایک امت تھے دو امتیں؟ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں جن کی تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر اور اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے ناراض ہو کر چلے گئے تو سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی ڈولنے لگ گئی کیونکہ موجیں بہت تیز اٹھ رہی تھیں اور کشتی پر بوجھ زیادہ تھا۔ قریب تھا کہ مسافر ڈوب جاتے جیسا کہ مفسرین نے تفصیل بیان فرمائی ہے۔ کشتی میں سوار تمام مسافروں نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر باہم مشورہ کیا طے پایا کہ قرعہ اندازی کریں اور قرعہ جس کے نام نکلے اسے کشتی سے باہر سمندر میں پھینک دیں تاکہ کشتی کا بوجھ کم ہو اور تمام لوگ ڈوبنے سے بچ جائیں۔ قرعہ اندازی کی گئی۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ لیکن سواریوں کو جرأت نہ ہوئی کہ اللہ کے ایک نیک بندے کو اپنے سے جدا کریں۔ دوسری دفعہ قرعہ ڈالا گیا۔ اس مرتبہ پھر حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ آپ کپڑے اتارنے لگے لیکن سواریوں نے آپ کو روک لیا کہ ہم آپ کو سمندر میں نہیں ڈال سکتے ایک دفعہ پھر قرعہ اندازی ہوئی لیکن خدا کی قدرت دیکھیے پھر حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ دراصل ایک امر عظیم کے پیش نظر حضرت یونس علیہ السلام نے کشتی سے چھلانگ لگانا تھی۔

مچھلی کے پیٹ میں:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وان یونس لمن المرسلین اذ ابق الی الفلک المشحون فساھم فکان من المدحضین فالتقمہ الحوت و ھو ملیم۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور بیشک یونس بھی رسولوں میں سے ہیں۔ جب بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لیے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔ پس نگل لیا انہیں مچھلی نے حالانکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔"

کیونکہ جب آپ کے نام قرعہ نکلا تو آپ سمندر میں کود گئے۔ اللہ تعالیٰ نے احمر کی ایک مچھلی کو حکم دیا۔ اس نے فوراً کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مچھلی نے آپ کے گوشت کو کھایا تک ہی نہیں اور

نہ ہڈی کو توڑا کیونکہ آپ اس کی خوراک نہیں تھے۔ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو لے کر تمام سمندروں میں ایک عرصے تک پھرتی رہی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مچھلی کو اس سے بھی بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔

علماء فرماتے ہیں جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گئے تو سمجھے کہ مر چکے ہیں۔ اپنے اعضاء کو حرکت دی تو جسم حرکت کرنے لگا۔ آپ کو یقین آ گیا کہ ابھی زندہ ہوں۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوئے اور عرض کی۔ پروردگار میں نے ایک ایسی جگہ کو تیری عبادت کے لیے بنایا ہے کہ کبھی کسی نے ایسی جگہ تجھے سجدہ نہ کیا ہوگا۔

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت:

حضرت یونس علیہ السلام کتنی مدت مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ مختلف آراء اور نظریات ملتے ہیں۔

حضرت مجاہد، حضرت شعبی سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مچھلی نے آپ کو چاشت کے وقت نگلا اور عشاء کے وقت اگل دیا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ مدت سات دن پر محیط تھی۔

امیہ بن ابی صلت کا شعر بھی ان کے قول کی تائید کرتا ہے۔

وانت بفضل منك نجيت يونسا   وقد بات في اضعاف حوت لياليا

ترجمہ: اور تو نے اپنے رب فضل سے حضرت یونس علیہ السلام کو نجات بخشی جبکہ انہیں مچھلی کے پیٹ میں کئی راتیں بیت چکی تھیں۔

سعید بن ابی الحسن اور ابو مالک فرماتے ہیں کہ آپ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ لیکن حقیقت حال اللہ جانتا ہے کہ آپ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں لیے گہرے سمندروں میں پھرتی رہی اور گہری منہ زور موجوں کو چیرتے پھری آپ نے مچھلی کے پیٹ میں سنا کہ سمندری مخلوق بھی اللہ رحمٰن کی تسبیح میں رطب اللسان ہے۔ سمندر کی تہہ میں کنکریاں دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے خدا کی حمد و ثناء میں مصروف ہیں۔ ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ، اس ذات کی سبوحیت کے نغمے الاپ رہا ہے سات آسمانوں اور زمین کے سات طبقوں کا پروردگار ہے۔ وہاں بھی اس انوکھی کائنات میں بھی اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام نے بزبان قال یا بزبان حال کہا جو کہا۔ جیسا کہ رب ذوالعزت والجلال جو خلوت و جلوت کے ہر معاملے سے واقف ہے۔ آلام، مصائب کو دور کرنے والا ہے۔ خفیف سے خفیف تر آواز کو سننے والا ہے

عالم الغیب والشہادہ ہے۔ وہ جو بڑی سے بڑی دعاؤں کا سننے والا ہے اس نے اپنی کتاب مبین میں، رسول امین پر منزل بھیجنے میں فرمایا۔ اور وہ سب لوگوں سے سچا رب العالمین اور سب رسولوں کا معبود ہے۔ "وذالنون اذ ذھب" (اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا) یعنی اپنے گھر والوں کی طرف

مغاضبا فظن ان لن نقدر عليه فنادى في الظلمت ان لا اله الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين۔ فاستجبنا له و نجيناه من الغم و كذالك ننجي المومنين۔ ﴿سورہ انبیاء﴾

ترجمہ "غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔ پھر اس نے پکارا اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصوروار سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم و اندھیرا سے اور یونہی نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔"

فظن ان لن نقدر عليه" کا ایک معنی تو ہی ہے جو ترجمہ میں آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کا دوسرا معنی علماء نے یہ لیا ہے کہ نقدر تقدیر سے ماخوذ ہے اور یہی مشہور لغت ہے۔ قدر یقدر (علامہ ابن کثیر نے نقدر کو نقدر پڑھا تھا۔) جیسا کہ شاعر نے کہا:

فلا عائد ذالك الزمان الذي مضى   تباركت، ما تقدر يكن فلك الامر

گزرے ہوئے زمانے کو کوئی لوٹا نہیں سکتا (میرے مولا!) تو بابرکت ذات ہے۔ تو جو مقرر کر دیتا ہے ہو جاتا ہے۔ سب کچھ تیرے ہاتھ ہے۔ فنادى في الظلمات۔

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمرو بن میمون، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد ابن کعب، حضرت حسن، حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کی تاریکی اور رات کی سیاہی ہے۔

سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسے ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔ اس طرح سمندر کے اندھیرے کے ساتھ دونوں مچھلیوں کا اندھیرا بھی مل گیا۔ (اس لیے ظلمات کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔)

فلو لا انه كان من المسبحين۔ للبث في بطنه الى يوم يبعثون۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ "پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔"

اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تسبیح نہ کرتے، اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی و انکساری کا اظہار نہ کرتے تو بہ اور رجوع اللہ

کر کے معافی نہ مانگتے تو قیامت کو مچھلی کے پیٹ سے اٹھتے یہی معنی حضرت سعید بن جبیر ؒ سے روایت کردہ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے حضرت یونس ؑ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار نہ ہوتے اور کثرت سے اللہ کی عبادت اور ذکر آپ کا معمول نہ ہوتا تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ سے باہر نہ آسکتے۔ یہ قول ضحاک بن قیس، حضرت ابن عباس، ابوالعالیہ، وہب بن منبہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی، عطاء بن سائب، حسن بصری، قتادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور اسی کو علامہ ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔

ابن عباس ؓ سے امام احمد اور اہل سنن کی روایت کردہ حدیث بھی اس مفہوم کی شاہد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اے بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں انہیں یاد کر لے ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ تجھے اپنی حفظ و امان میں رکھے گا۔ ان کلمات کو یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ کو تو ہر جگہ مددگار پائے گا۔ تو اللہ کو فراخی میں پہچان اللہ تعالیٰ تجھے شدت میں پہچانے گا۔"

سمندر میں اللہ کی تسبیح:

علامہ ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن رافع ؓ سے (جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس ؑ کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو مچھلی کو وحی فرمائی کہ یونس کو پکڑ لے لیکن نہ تو اسے خراش آئے اور نہ ہی اس کی ہڈی ٹوٹے۔ مچھلی جب انہیں لے کر سمندر کی تہہ میں اتری تو آپ ؑ نے ایک آواز سنی۔ دل میں سوچا یہ کیسی آواز ہے؟ مچھلی کے پیٹ میں آپ کو وحی فرمائی گئی کہ یہ سمندری مخلوق کی تسبیح کی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس ؑ نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی پاکی بیان کی۔ فرشتوں نے آپ کی تسبیح سنی تو عرض کرنے لگے۔ پروردگار! ایک کمزور سی آواز کسی اجنبی زمین سے سنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا! یہ میرا بندہ یونس ہے۔ اس نے میری حکم کی عدولی کی۔ میں نے اسے مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اب وہ سمندر میں ہے۔ فرشتوں نے عرض کی: پاکباز بندہ، جس کی طرف سے تیرے حضور روزانہ صبح و شام عمل صالح چڑھتے رہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت فرشتوں نے حضرت یونس ؑ کی سفارش کی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا۔ اس نے آپ کو ساحل پر اگل دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وھو سقیم

اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ فرمایا "حضرت یونس ؑ پر جب یہ حقیقت کھلی کہ وہ ان کلمات سے دعا کریں جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے آپ نے عرض کی: اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو (ہر نقص سے) پاک ہے۔ بیشک میں ہی حد سے تجاوز کرنے والوں سے ہوں۔" یہ دعا عرش کے نیچے پہنچی۔ ملائکہ نے عرض کی: پروردگار! ایک جانی پہچانی کمزور سی آواز اجنبی دنیا سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ کہنے لگے۔ نہیں خدایا! وہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے۔ عرض کرنے لگے۔ تیرا بندہ یونس جس کے مقبول عمل اور منظور دعائیں ہر وقت تیری بارگاہ میں آتی رہتی تھیں؟ عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! جو نیک کام وہ خوشی اور آسانی کے لمحات میں کرتا رہا ہے۔ ان کی وجہ سے تو اس پر رحم نہیں فرمائے گا کہ تو اسے مصیبت سے نجات دے؟ فرمایا۔ کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا۔ اس نے حضرت یونس ؑ کو کھلے میدان میں پھینک دیا۔

(اسے ابن جریر نے یونس سے انہوں نے ابن وہب سے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

ابن ابی حاتم، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مچھلی نے حضرت یونس ؑ کو کھلے میدان میں ڈال دیا۔ اس پر یقطینہ بوٹی اگ آئی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا اے ابوہریرہ! یقطینہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کدو کی بیل۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس ؑ کے لیے ایک جنگلی بکری تیار کی جو زمین کے کیڑے مکوڑے یا نرم گھاس (راوی کو شک ہے کہ آپ نے ھشاش فرمایا یا خشاش فرمایا) کھاتی تھی وہ آپ سے مانوس ہو گئی وہ روزانہ صبح و شام آپ کو دودھ پلاتی رہی آخر آپ کے جسم پر بال اگ آئے۔

امیہ بن ابی صلت کا اس واقعہ سے متعلق ایک شعر بھی ہے۔

فانبت یقطینا علیہ برحمۃ   من اللہ لو لا اللہ اصبح ضاویا

ترجمہ "اللہ نے اپنی رحمت سے حضرت یونس ؑ پر کدو کی بیل اگا دی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو آپ ضعیف و کمزور ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فنبذنہ۔ اس کا معنی ہے ہم نے اسے پھینک دیا۔ بالعراء ایسی ویران جگہ پر جس میں نہ کوئی درخت تھا نہ سبزہ۔ بلکہ وہ بالکل چٹیل میدان تھی۔ وھو سقیم۔ حضرت یونس ؑ کی حالت یہ تھی کہ ان کا جسم بہت کمزور ہو چکا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا جسم ایک نومولود پرندے کی مانند تھا۔ جس پر ابھی بال نہ آئے ہوں۔

حضرت ابن عباس، سدی اور ابن زید کے بقول جب مچھلی نے آپ کو چٹیل میدان میں اگلا تو آپ بالکل نومولود بچے کی مانند کمزور و ناتواں تھے۔ آپ کے جسم پر کوئی بال نہ تھا اور جسم بہت نرم و نازک تھا و انبتنا علیہ شجرۃ من یقطین۔ اور ہم نے اس پر یقطین کا درخت اگا دیا۔

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت وھب بن منبہ، حلال بن یساف، حضرت عبداللہ بن طاؤس، حضرت سدی، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک، عطاء خراسانی اور کئی دیگر مفسرین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یقطین سے مراد کدو ہے۔

کدو کے فوائد:

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ کدو کی بیل اگانے میں کئی حکمتیں تھیں۔ ایک تو اس کے پتے بہت نرم، زیادہ اور بہت سایہ دار ہوتے ہیں دوسرے کبھی مچھر اس کے قریب نہیں آتے، تیسرے اس کا پھل شروع سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ اسے کچا کھایا جا سکتا ہے اور سالن بنا کر بھی۔ اسے چھلکے اور بیج سمیت بھی کھایا جاتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ یہ انسانی صحت کے لیے بہت نفع بخش ہے اور دماغ اور دوسرے اعضاء وغیرہ کو بہت تقویت دیتا ہے۔

ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک جنگلی بکری آپ کو دودھ بھی پلاتی رہی۔ وہ ادھر ادھر گھاس کھا کر آتی اور صبح و شام آ کر آپ کو دودھ پلا کر واپس چلی جاتی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و احسان کے کرشمے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم۔ یعنی ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا اور انہیں کرب و بلا پریشانی اور مشکل سے نجات دی۔ و کذالک ننجی المؤمنین۔ یعنی ہم سے جو بھی التجا کرتا ہے اور جو بھی ہماری پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے ہم اسے نجات دیتے ہیں اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتے ہیں۔

علامہ ابن جریر حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کے ذریعے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے اور جب اس نام کے ذریعے سے اس کی بارگاہ میں سوال کیا جائے تو ضرور پورا ہوتا ہے۔ وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی دعا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ دعا حضرت یونس علیہ السلام کے لیے خاص ہے یا سب مسلمانوں کیلئے ہے؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ حضرت یونس

علیہ السلام کیلئے خاص تھی اور اب تمام مومنوں کیلئے بھی ہے جب کوئی ان کے ساتھ دعا کیا کرے آپ نے اللہ کا ارشاد گرامی نہیں سنا۔

فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ فاستجبنا لہ و نجیناہ من الغم و کذالک ننجی المؤمنین۔

"پس اس نے پکارا اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کو پکار کر قبول فرمایا اور نجات بخشی انہیں غم (اندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔"

حضرت امام احمد، حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ وہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے نظر بھر کر دیکھا لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المومنین کیا اسلام میں کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ کیا ہوا؟ میں نے عرض کی۔ ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔ بس میں تھوڑی دیر پہلے مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے مجھے نظر بھر کر دیکھا بھی لیکن سلام کا جواب نہیں دیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلا بھیجا پوچھا۔ تمہیں اپنے بھائی کے سلام کے جواب میں کس چیز نے روکا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے قسم اٹھائی میں نے بھی قسم اٹھائی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد آ گیا اور فرمایا: ہاں واقعی ایسا ہوا ہو گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپ تھوڑی دیر پہلے میرے پاس سے گزرے ہیں۔ میں اپنے دل میں ایک کلمہ کے متعلق سوچ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ خدا کی قسم وہ کلمہ جب مجھے یاد آیا تو میری آنکھوں کے سامنے پردہ کھینچ گیا اور دل پر حجاب سا آ گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس کلمے کی بابت میں آپ کو بتاتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دعا کا ذکر فرمایا پھر ایک اعرابی آ گیا اور آپ اس سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ اٹھ کر چلے گئے۔ میں پیچھے ہو لیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے گھر میں تشریف لے جائیں گے تو میں نے زمین پر زور سے پاؤں مارے۔ آپ ﷺ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا کون ہے؟ ابو اسحاق ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا

ٹھہرے۔ میں نے عرض کی۔ نہیں خدا کی قسم! میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ نے پہلے دعا کا ذکر فرمایا پھر یہ اعرابی آ گیا اور آپ مصروف ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں..... مچھلی والے کی دعا۔ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ "لا الہ الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين" ان کلمات کے ساتھ جب بھی کسی مسلمان نے اپنے رب سے کسی چیز کے بارے دعا کی ہے اللہ نے اس کی دعا کو ضرور قبول فرمایا ہے۔ (اسے ترمذی اور نسائی نے ابراہیم بن محمد بن سعد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔)

فضائل ومناقب:

✿ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وان یونس لمن المرسلین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: "اور بیشک یونس پیغمبروں سے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء اور سورۃ انعام میں دوسرے کئی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حضرت یونس علیہ السلام کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

امام احمد، حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔"

امام بخاری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ اور آپ ﷺ نے ان کی نسبت ان کے والد متی کی طرف کی۔"

(اسے امام احمد، مسلم، ابوداؤد نے حضرت شعبہ کے حوالے سے اسی سند کیساتھ روایت کیا ہے۔)

امام احمد نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔"

حافظ ابو القاسم طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں بندہ خدا حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔"

امام بخاری، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔"

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قصے میں روایت کی کہ ایک مسلمان نے ایک یہودی کو تھپڑ مارا جس نے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالموں سے چن لیا

ہے۔ امام بخاری اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں "میں نہیں کہتا کہ کوئی حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔" یہ قول دونوں اقوال سے ایک قول کو معنوی طور پر تقویت دیتا ہے۔ "کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں" یعنی کسی انسان کو یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل قرار دے۔" دوسرا قول یہ ہے۔ کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل قرار دے۔"

حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مبارک عاجزی و انکساری اور تواضع کے اظہار سے تعلق رکھتا ہے۔ (لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں انبیاء کرام کے مقام کی انتہا ہوتی ہے۔ وہاں مقام مصطفیٰ ﷺ کی ابتدا ہوتی ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

نسب نامہ:

حضرت موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عاذر بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام

قرآن میں تذکرہ:

واذکر فی الکتاب موسیٰ۔ انہ کان مخلصا و کان رسولا نبیا ونادیناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیا ووھبنالہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "اور ذکر فرمایئے کتاب میں موسیٰ کا۔ بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے۔ اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے۔ اور ہم نے بخشا انہیں خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھے۔"

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر فرماتا ہے۔ کہیں تو آپ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً مذکور ہے اور کہیں اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان تمام آیات کے ضمن میں اپنی تفسیر میں ہم نے تفصیلاً تذکرہ کیا ہے۔ یہاں قرآن و سنت اور اسرائیلی روایات کی روشنی میں ہم اس قصہ کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

طسم تلک آیت الکتب المبین۔ نتلوا علیک من نباموسی و فرعون بالحق لقوم یومنون۔ ان فرعون علافی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم انہ کان من المفسدین۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔ ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامن وجنودھما منھم ماکانوا یحذرون۔ ﴿سورۂ القصص﴾

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک

ٹھیک ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں بیشک فرعون متکبر (و سرکش) بن گیا سرزمین میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیا انہیں (فرعون کے تخت و تاج کا) وارث۔ اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے وہی خطرہ جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض۔ "اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں۔" ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین "اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیا انہیں (فرعون کے تخت و تاج کا) وارث" ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامن وجنودھما منھم ماکانوا یحذرون۔ "اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے وہی خطرہ جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"

اللہ تعالیٰ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلخیص بیان فرماتا ہے پھر اس کے بعد اسے تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا صحیح صحیح واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیں۔ بالحق کا مطلب ہے اتنی سچائی کے ساتھ گویا آپ نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔

ان فرعون علافی الارض وجعل اھلھا شیعا "بیشک فرعون متکبر (و سرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ۔" یعنی وہ جابر بن گیا۔ سرکشی پر اتر آیا۔ طاغوت کی روش اختیار کر لی اور اللہ کی نافرمانی کو اپنا دستور عمل بنا لیا۔ اس نے دنیوی زندگی کو اختیار کر لیا۔ اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی اطاعت سے منہ موڑ لیا اور اپنی رعیت کو کئی گروہوں فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیا (معاشرے کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا) اس باغی نے اپنی رعیت میں ایک گروہ کو ذلیل و خوار سمجھ لیا۔ یعنی بنی اسرائیل کی قوم جو اللہ کے نبی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہم السلام کی نسل سے ہیں اور اپنے وقت کے لوگوں میں سے دنیا پر سب سے بہتر قوم گنے جاتے ہیں انہیں وہ حقیر سمجھتا ہے۔ یہ ظالم، باغی کافر اور فاجر بادشاہ ان پر مسلط ہو گیا انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ملت و حرفت کے شکنجے میں جکڑ دیا جو اس دور کا ذلیل ترین اور کمینہ شخص

شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ظلم وستم کا جذبہ اس سے بھی سرد نہیں ہوا اور ظالم حکمران:

یذبح ابناء ھم و یستحی نساء ھم انه کان من المفسدین۔ "ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔ بیشک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔"

اس فعل شنیع پر جو چیز اسے ابھارتی وہ بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کا وہ کلام تھا جس کو وہ دہراتے رہتے تھا اور ایک دوسرے کو سکھاتے رہتے تھے۔ جس میں ایک ایسے بچے کی بشارت کا ذکر بھی تھا جو انہیں ملک مصر سے نجات دے گا اور غلامی کی زندگی سے انہیں خلاصی بخشے گا۔

یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر تشریف لائے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال پر بادشاہ مصر فریفتہ ہوا اور انہیں حرم میں لینے کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر انہیں بچایا تو اس وقت انہیں یہ بھی بشارت دی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تیرے خاندان سے پیدا ہونے والا بچہ اس ظلم کا خاتمہ کرے گا۔ یہ بشارت نسل در نسل منتقل ہوتی آئی۔ بنی اسرائیل میں غلامی کے دنوں میں بھی اسی کی شہرت باقی رہی۔ مصر کے قبطی بھی اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ کرتے ایک دن بادشاہ مصر تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ شاید کسی قصہ گو نے اس کا تذکرہ کیا یا اس کے بعض امراء و اعیان مملکت نے۔ بس اسی دن سے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی بچہ پیدا ہو قتل کر دیا جائے تاکہ یہ بشارت پوری نہ ہو سکے۔ مگر ہزار احتیاط بھی تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔

فرعون کا خوفناک عذاب:

علامہ سدی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ فرعون نے خواب دیکھا۔ گویا ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے مصر کی جانب بڑھتی چلی آ رہی ہے جس سے مصر کے تمام شہر اور قبطی نسل کے تمام لوگ جل جاتے ہیں لیکن یہ آگ بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ فرعون نیند سے بیدار ہوا تو خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ فوراً اپنے تمام کاہنوں، جادوگروں اور معبروں کو اکٹھا کیا۔ اور خواب کی تعبیر مانگی۔ کاہنوں نے کہا بنی اسرائیل کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پر اہل مصر ہلاک ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اسی دن حکم دے دیا کہ انکے پیدا ہونیوالے بچوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں کو زندہ رکھا جائے۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض "اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان

لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں"

لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین "اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیا انہیں (فرعون کے تخت و تاج کا) وارث"

وارث سے مراد مصر اور اس کے قلمرو میں آنے والے علاقوں کی ولایت اور فرماں روائی ہے۔

ونمکن لهم فی الارض ونری فرعون وهامن وجنودهما منهم ما کانوا یحذرون۔

"اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے وہی خطرہ جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے۔" یعنی ہم کمزور کو قوی، مقہور کو غالب اور ذلت و رسوائی کی زندگی پر مجبور لوگوں کو عزت والا بنا دیں۔ یہ سب کچھ بنی اسرائیل کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربها التی بارکنا فیها وتمت کلمة ربك الحسنی علی بنی اسرائیل بما صبروا ﴿سورۃ الاعراف﴾

"اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنا دیا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا"

فاخرجناهم من جنات وعیون و کنوز ومقام کریم۔ کذلك واورثناها بنی اسرائیل۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

"سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار مکانات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کے وارث بنا دیا۔

مقصد یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے دن سے ہی مار دینے کی سر توڑ کوشش کی تھی کہ جاسوس اور دایہ پھرتی اور دیکھتیں کہ بنی اسرائیل کے ہاں کوئی بچہ تو پیدا ہونے والا نہیں۔ بس جونہی کسی بچے کی ولادت ہوتی فوراً اس معصوم کو ذبح کر دیا جاتا۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے صادر کیا تھا کہ ان کی شوکت اور طاقت نہ بڑھنے پائے۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر وہ بڑھ گئے تو ہو سکتا ہے مقابلہ کریں اور مصریوں پر غالب آ کر انہیں محکوم بنائیں یا انتقاماً ان کا صفایا کر دیں۔ لیکن ان کا یہ کہنا محل نظر ہے۔ بلکہ اسے بالکل من گھڑت اور باطل خیال کرنا زیادہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ بچوں کو قتل کا یہ

دوسرا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد صادر ہوا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

فلما جاء هم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذين آمنوا معه واستحيوا نساء هم ﴿سورۃ مومنون﴾

"پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا کہ قتل کر ڈالوں ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو"۔

اسی لیے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔

اوذينا من قبل ان تاتينا ومن بعد ما جئتنا ﴿سورۃ الاعراف﴾

"ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس"

صحیح نظریہ یہی ہے کہ فرعون نے بچوں کے قتل کرنے کا پہلا حکم اس لیے دیا کہ موسیٰ پیدا ہوتے ہی قتل ہو جائے۔

فرعون تو بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل عام کر رہا تھا لیکن تقدیر مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ اے جابر بادشاہ۔ اے اپنے لشکر اور قوت کے نشے میں مست فرمانروا۔ اے جس کے سامنے پورا مصر سجدہ کرنے کو تیار نظر آتا ہے سن لے۔ اس عظیم ذات نے فیصلہ صادر کر دیا ہے جس پر نہ کوئی غلبہ پا سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو روک سکتا ہے وہ جس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں کوئی ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ جس مولود سے بچنے کے لیے تو ہزاروں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگین کر رہا ہے وہ تیرے ہی گھر میں تیرے بستر پر تیرے ہاتھوں پروان چڑھے گا۔ تو اسے اپنے ہاتھوں سے کھلائے گا پلائے گا اور اپنے گھر میں لاڈ پیار سے اس کی پرورش کرے گا۔ تو اسے اپنا بیٹا بنا کر رکھے گا۔ خود اس کی تربیت کرے گا اور اس پر فدا ہوتا پھرے گا۔ لیکن اے جابر دشمن خدا تو اس راز سے ایک پل کے لیے بھی باخبر نہیں ہوگا۔ پھر تیری دنیاوی بادشاہت اسی پروردہ کے ہاتھوں ختم ہوگی۔ اور اسی بچے کی تکذیب اور اس کے دین حق کی مخالفت کی وجہ سے تو آخرت میں ذلیل و خوار اور ابدی عذاب کا مستحق بنے گا۔ اس دن تیری آنکھیں کھلیں گی اور تجھے پتہ چلے گا اور تو اور کائنات کی ہر چیز گواہ ہوگی کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتا۔ وہ قوی اور زبردست ہے۔ وہ بڑے مرتبے اور بلند شان کا مالک ہے۔ کائنات کا ایک ایک فرد اس کے اشارے سے اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف عمل ہے۔ اس کی مشیت کے سامنے ہر چیز بے بس اور مجبور ہے

کثیر مفسرین کرام نے ذکر فرمایا ہے کہ قبطیوں نے فرعون کے دربار میں آ کر شکایت کی کہ بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کی وجہ ان کی تعداد بہت کم ہو رہی ہے اور ڈر ہے کہ بڑے بوڑھے بھی ایک دن گزر جائیں گے اور اس طرح مفت کے مزدور ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ دراصل قبطیوں کو یہ اندیشہ ستا رہا تھا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی مکمل ہو گئی تو پھر یہ سارے کام ہمیں کرنے پڑیں گے۔ بہر حال فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچوں کو قتل کیا جائے اور ایک سال انہیں چھوڑ دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت:

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام معافی کے سال پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے سال۔ آپ کی والدہ کو جب حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو بہت پریشان ہوئیں۔ پہلے دن سے حمل کو چھپاتی رہیں۔ اور قدرت خداوندی سے انہیں دیکھ کر کسی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوا تو انہیں الہام ہوا کہ صندوق بنا کر اسے رسی سے باندھ لو اور جب خطرہ لاحق ہو تو بچے کو اس صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ آپ کا گھر نیل کے بالکل کنارے پر تھا اس لیے آپ بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب کسی ظالم سے خوف ہوتا سوائے صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیتی۔ اور کنارے پر رسی کا سرا پکڑ کر بیٹھ جاتیں اور جب بچوں کے قاتل واپس چلے جاتے تو آپ بچے کو نکال لیتیں۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واوحينا الى ام موسى ان ارضعيه .... ولدا وهم لا يشعرون۔ ﴿سورۃ القصص﴾

"اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہو پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔ پس (دریا سے) نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث رنج و الم ہے بیشک فرعون ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے۔ اور کہا فرعون کی بیوی نے یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرنا۔ شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنا لیں۔ اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے۔"

یہاں وحی سے مراد الہام اور دل میں کسی خیال کا ڈال دینا ہے۔ جیسا کہ کلام مجید کی ایک اور آیت سے ثابت ہے۔

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ثم کلی من کل الثمرت فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها ﴿سورۃ النحل﴾

''اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنایا کر پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں) میں اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں پھر چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے رس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے۔''

جس طرح سورۂ نحل کی ان آیات طیبات میں وحی سے مراد وحی نبوت نہیں اسی طرح سورۂ قصص کی مذکورہ آیات میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو انبیاء کی طرح وحی نہیں کی گئی بلکہ ایک بات ان کے دل میں ڈال دی گئی۔ لیکن علامہ ابن حزم اور کئی دوسرے علماء نے وحی سے مراد وحی نبوت لی ہے۔ مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل السنت و جماعت کے عقائد سے متعلق بیان کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام:

امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ''ایارخا'' ہے۔ کچھ لوگ ان کا نام ''ایاذخت'' بھی بتاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رہنمائی کی گئی اور ان کے دل اور شعور میں یہ بات ڈال دی گئی کہ حزن و ملال اور خوف کی کوئی بات نہیں اگر چند لمحوں کے لیے تیرا بچہ تجھ سے بچھڑ بھی گیا تو اللہ تعالیٰ اسے تیرے پاس لوٹا دے گا۔ اور وہ نبی مرسل ہوگا۔ دنیا و آخرت میں اس کی شہرت اور عزت ہوگی۔

بہتا ہوا صندوق فرعون کے محل میں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اللہ کے حکم کے مطابق عرصے تک چلتی رہی۔ قدرت خداوندی کہ ایک دن بچے کو صندوق میں ڈال کر نیل میں بہا دیا لیکن معمولی سی غفلت سے رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے گھر کے قریب سے گزرا۔

فالتقطه آل فرعون ''پس (دریا) سے نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے'' لیکون لهم عدوا وحزنا ''تا کہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم ہو''۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ لام عاقبت کا ہے (اسی کے مطابق اردو ترجمہ ہے) یقیناً اگر اسے فالتقطہ کے متعلق کیا جائے تو عاقبت کا ہی ہوگا۔ اور اگر اسے مضمون کلام کے متعلق کیا جائے تو پھر لام تعلیل کیا جائے تو عاقبت کا ہی

ہوگا۔ اور معنی یہ بنے گا کہ آل فرعون کو پابند بنا دیا گیا کہ وہ اس کو نکال لیں تا کہ وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم ہو۔ (واللہ اعلم) آنے والی آیت دوسرے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

ان فرعون و هامن ''بیشک فرعون اور ہامان''۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا اور بنی اسرائیل دشمنی اور اللہ کی نافرمانی میں فرعون سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ وجنودهما ''اور ان کے لشکری'' یعنی فرعون اور ہامان کی اتباع کرنے والے لوگ کانوا خاطئین ''خطا کار تھے'' یعنی ان کا عمل حق کی مخالفت پر مبنی تھا اس لیے وہ سزا اور حسرت و ندامت کے مستحق ٹھہرے۔ مفسرین فرماتے ہیں لونڈیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بند صندوق کو دریا سے نکال لیا اور اس وقت تک کسی کو کھولنے کی جسارت نہ ہوئی جب تک فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے سامنے اس صندوق کو رکھ نہ دیا گیا ہو۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب بیان کرتے ہوئے مفسرین کرام لکھتے ہیں آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید۔ ولید وہ شخص ہے جو عہد یوسفی میں مصر کا بادشاہ تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت آسیہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاندان اور بنی اسرائیل سے تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آسیہ کے رشتے میں آپ علیہ السلام کی پھوپھی تھیں یہ رائے امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ (واللہ اعلم)

عنقریب حضرت مریم کے قصے میں حضرت آسیہ کی مدح و ستائش پر احادیث بیان ہوں گی۔ ان دونوں خوش بخت عورتوں کو قیامت کے روز حضور ﷺ کی ازواج ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اور وہ جنت میں حضور ﷺ کی رفاقت کی سعادت سے بہرہ مند ہوں گی۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے صندوق کھولا اور پردہ ہٹا کر دیکھا تو حضرت آسیہ اس چمکتے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ نور نبوت ضوفشاں تھا اور جلالت موسوی سے آنکھیں خیرہ ہوا جاتی تھیں۔ نظر پڑتے ہی حضرت آسیہ تو دل سے فریفتہ ہو گئیں۔ فرعون آیا اور پوچھنے لگا یہ کیا ہے؟ اسے جب اس بچے کی بابت بتایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے فوراً ذبح کر دیا جائے۔ حضرت آسیہ نے بچے کی جان بخشی کی التجا کی اور کہا میرے لیے اس بچے کی جان کو بخش دیں اور اسے قتل نہ کریں۔ فرعون کے سوئے ہوئے جذبے کو ابھارنے کے لیے کہنے لگیں۔ قرة عين لي ولك ترجمہ: ''یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔''

فرعون کہنے لگا تیری آنکھوں کے لیے تو ٹھنڈک ہو سکتا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ مصیبت زبان کی وجہ سے نازل ہوتی ہے۔ حضرت آسیہ نے کہا ''عسى ان ينفعنا'' ترجمہ: ''شاید

یہ ہمیں نفع دے" آسیہ کو تو وہ نفع اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا جس کی وہ امید لگائے ہوئے تھی۔ دنیا میں اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان پر ایمان لانے کی وجہ سے جنت الفردوس کی بہاریں نصیب ہوں گی۔ حضرت آسیہ کہنے لگیں فرعون! اس معصوم بچے کے قتل سے کیا فائدہ؟ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔"او نتخذہ ولدا" ترجمہ: "یا اسے ہم اپنا فرزند بنا لیں" شاید اسی وجہ سے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" وھم لا یشعرون" ترجمہ: "اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے" یعنی ان کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی بچے کے ذریعے نیست و نابود کرے گا۔ اور فرعون اور اس کی بادشاہت کا خاتمہ اس کے ہاتھ پر مقدر ہو چکا ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بیٹی "دریتہ" نے دریا سے نکالا نہ کہ ان کی بیوی نے۔ لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو غلط قرار دینے کی کوشش ہے۔

ماں کی بیقراری:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اصبح فؤاد ام موسی فرغا .... ولکن اکثرھم لا یعلمون۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے، پس وہ دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔"

حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابو عبیدہ، حضرت حسن حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک وغیرہ رضی اللہ عنہم مفسرین فرماتے ہیں: کہ "و اصبح فؤاد ام موسیٰ فارغا" کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بے قراری اور گھبراہٹ کی وجہ سے سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کچھ یاد نہ رہا" ان کادت لتبدی بہ" "قریب تھا کہ وہ اس

راز کو افشاء کر دیں اور علی الاعلان بچے کے بارے پوچھنے لگیں۔ "لولا ان ربطنا علی قلبھا" اگر ہم نے اسے صبر کی توفیق نہ دے دی ہوتی اور اس کا دل مضبوط نہ کیا ہوتا۔ "لتکون من المؤمنین و قالت لاختہ" تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے۔ اور وہ اس کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ "قصیہ" اس کے پیچھے پیچھے ہو لے اور معلوم کرتا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا" فبصرت بہ عن جنب" مجاہد فرماتے ہیں "عن جنب" کا معنی ہے "عن بعد" یعنی وہ بچی دور سے اسے دیکھتی رہی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن صندوق کو اس طرح دیکھتی رہی گویا وہ اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ اسی لیے فرمایا: "وھم لا یشعرون" کہ وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں قیام پذیر ہوئے تو حشم و خدم نے کوشش کی کہ بچہ کسی عورت کا دودھ پینے لگے لیکن اس نے کسی کا دودھ نہ لیا اور نہ کوئی اور خوراک کھائی وہ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ ہر ممکن کوشش کی کہ بچہ کچھ کھائے پیے لیکن بے سود۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و حرمنا علیہ المراضع من قبل۔ ترجمہ: "اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔"

بہت ساری عورتیں اور دائیاں آپ کو لے کر بازار میں آ گئیں۔ کہ ہو سکتا ہے کسی عورت کا دودھ بچے کو موافق آ جائے۔ بازار میں لوگوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ سب دیکھ رہے تھے کہ فرعون کا حشمی دیکھو کسی عورت کا دودھ لیتا ہے اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی نظر پڑ گئی یہ تو موسیٰ ہے اور انہیں دودھ پلانے کی سر توڑ کوشش ہو رہی ہے۔ بچی آگے بڑھی اور یہ اظہار نہ کیا کہ میں اسے جانتی ہوں بلکہ لاعلمی کے انداز میں بولی۔ ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم وھم لہ ناصحون۔ ترجمہ: "کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جب بچی نے یہ بات کہی تو فرعون کے خادم کہنے لگے۔ کیا وجہ ہے کہ تو نصیحت کر رہی ہے اور بچے کی خیر خواہی پر انہیں ابھار رہی ہے؟ بچی نے کہا چونکہ میں بادشاہ کی خوشی اور اس کے بھلے کی خواہشمند ہوں اس لیے یہ کہہ رہی ہوں۔ لوگوں نے بچی کو چھوڑ دیا اور اسے ساتھ لیے گھر چلے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں نے گود لیا۔ جونہی دودھ دینا شروع کیا فوراً آپ نے دودھ پینا شروع کر دیا اور پستان چوسنے لگے۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور

خوشخبری دینے کے لیے حضرت آسیہ کے پاس بھاگے بھاگے گئے۔ حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں رہیں۔ میرے ساتھ اسی محل میں آپ کا پورا خیال رکھوں گی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا میں خاوند اور بچوں کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ انہیں میری ضرورت ہے۔ ہاں آپ بچہ میرے سپرد کر دیں۔ میں اسے ساتھ لے جاتی ہوں۔ حضرت آسیہ مان گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گھر واپس آ گئے۔ حضرت آسیہ نے ان کی بڑی خاطر مدارت کی۔ اور انہیں اجرت میں کپڑے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرا سامان دیا۔ آپ اپنے بچے کو سینے سے لگائے۔ واپس تشریف لائیں۔ اور ماں بیٹے کی جدائی وصال میں بدل گئی۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فرددناہ الی امہ کی تقر عینھا و لا تحزن و لتعلم ان وعداللہ حق۔

ترجمہ: ”تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تا کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔“ یعنی وہ وعدہ جو اسے لوٹانے اور رسالت عطا کرنے کے بارے کیا ہے وہ سچا ہے۔ سو بچے کا فرعون کے محل سے لوٹ کر والدہ کی گود میں آنا اسی بات کی دلیل ہے کہ اس کی دیکھ بھال قدرت خود کر رہی ہے اور وہ اسے نبوت و رسالت سے بھی ضرور سرفراز فرمائے گی۔

ولکن اکثرھم لا یعلمون۔ ترجمہ: ”لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“

جب ذات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو خصوصیت سے اپنے اس احسان کا بھی تذکرہ فرمایا:

ولقد مننا علیک مرۃ اخری ...... علیک محبۃ منی۔ ﴿سورۂ طہٰ﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں۔ پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑ لیگا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ) میں نے پر تو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تا کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اسی لیے جس کی اس معصوم بچے پر نظر پڑتی وہ اس کا دیوانہ ہو جاتا۔“ ولتصنع علی عینی ”اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے“

حضرت قتادہ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ

اے موسیٰ کلیم! تو ناز و نعم میں پرورش پائے اور تجھے کھانے کو بہترین کھانے میسر آئیں۔ اور میرے سامنے تو خوبصورت لباس زیب تن کیے پھرے۔ اور یہ سب میرے لطف و کرم اور حفاظت کی وجہ سے ممکن ہوا۔ میں نے یہ سب احسانات اس لیے تجھ پر فرمائے کہ تو میرا محبوب رسول اور بندہ ہے۔ اور میں نے تیری خاطر ایسے امور کو مقدر ٹھہرایا جن کو اور کسی کا یارہ ہی نہ تھا۔

اذ تمشی اختک فتقول ھل ادلکم علی من یکفلہ فرجعناک الی امک کی تقر عینھا و لا تحزن و قتلت نفسا فنجیناک من الغم و فتنک فتونا۔

ترجمہ: ”یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تا کہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔ اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو۔ پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم و اندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیسے جانچا گیا؟ اس کی تفصیل انشاءاللہ اپنی جگہ ذکر ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام عنفوان شباب میں:

ولما بلغ اشدہ واستوی اتیناہ ...... اکون ظھیرا للمجرمین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: ”وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلے میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔ پس بخش دے مجھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے۔ بیشک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے اب میں ہرگز مجرموں کو مددگار نہیں بناؤں گا۔“

بچپن کے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔ جس طرح بچپنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے محل سے والدہ کی گود میں لوٹا کر اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ پر بڑا فضل و احسان فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی کرم نوازی فرمائی اسی طرح جب آپ جوان ہوئے تو بھی قدم قدم پر لطف خداوندی آپ کے شامل حال رہا۔“ ولما بلغ اشدہ

واستوی" کا مطلب یہ ہے کہ آپ علق اور خلق میں مضبوط ہو گئے یعنی جسمانی نشوونما مکمل ہو گئی اور ذہنی صلاحیتیں بھی عروج کی حد کو چھونے لگیں۔

اکثر مفسرین نے اسے سے چالیس سال کی عمر مراد لی ہے۔ تو ایسے میں "اٰتیناہ حکما و علما" ترجمہ: "ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا" یعنی نبوت و رسالت جس کی خوشخبری دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کہا تھا۔ انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین۔ ترجمہ: "یقیناً ہم لوٹائیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔" اب وہ وجہ بیان کی جارہی ہے کہ آپ کس لیے مصر سے نکلے، ارض مدین گئے وہاں کچھ عرصہ رہے اور جب مدت مقرر پوری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف عطا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام و اکرام کی بارش فرما دی تفصیلاً تذکرہ بعد میں آئے گا۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ودخل المدینة علی حین غفلة من اھلھا

"ترجمہ: "وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے۔"

حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ یہ وقت نصف النہار کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کے مطابق مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ فوجد فیھا رجلین یقتتلان ترجمہ: "پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے۔" یعنی جھگڑتے ہوئے اور باہم دست و گریبان

"ھذا من شیعتہ" ترجمہ: "یہ ایک ان کی جماعت سے تھا۔" یعنی اسرائیلی تھا۔

وھذا من شیعتہ و ھذا من عدوہ ترجمہ: "اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے"

یعنی قبطی تھا۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کی ہے۔

فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ ترجمہ: "پس مدد کے لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلے میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا۔" کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ سارے لوگ آپ سے ڈرتے تھے کیونکہ آپ کو فرعون نے بیٹا بنایا ہوا تھا اور آپ کی پرورش اس کے محل میں ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل اب قبطیوں کو دو ٹوک جواب دینے لگے تھے اور ان کے سر فخر سے بلند ہو گئے تھے کیونکہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا شرف حاصل تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ننھیال یعنی رضاعی ننھیال شمار

ہوتے تھے، جب اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کے خلاف مدد کی درخواست کی تو آپ نے بڑھ کر اسے سینہ میں گھونسا مارا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وکزہ" کا معنی مکا مارنا ہے اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ڈنڈا تھا۔ آپ نے قبطی کو یہی ڈنڈا دے مارا۔

فقضی علیہ ترجمہ: "اور اس کا کام تمام کر دیا۔" یعنی وہ اسی ضرب سے اسی جگہ مر گیا۔

یہ قبطی کافر تھا اور اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتا تھا۔ دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تو اسے ظلم سے روکنے اور ڈرانے دھمکانے کیلئے مکا مارا لیکن وہ اس ایک ہی ضرب سے مر گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا:

ھذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین۔ قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله انه ھو الغفور الرحیم۔

ترجمہ: "یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے۔ بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔ پس بخش دے مجھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے۔ بیشک وہی غفور رحیم ہے۔" قال رب بما انعمت علی ترجمہ: "عرض کرنے لگے، میرے رب مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے۔" یعنی عزت و توقیر سے نوازا۔

فلن اکون ظھیرا للمجرمین۔ ترجمہ: "اب میں ہرگز مجرموں کو مددگار نہیں بناؤں گا۔"

فاصبح فی المدینة خائفا یترقب .... من القوم الظالمین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کیلئے پکارتا ہے موسیٰ نے اسے فرمایا: بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔ پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر جو ان دونوں کا دشمن تھا وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے، جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اسکے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو اور آیا ایک شخص شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا اس نے (آ کر) بتایا اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں۔ آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں، اس لیے نکل جائیے۔ (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے عرض کیا: میرے اللہ! بچالے مجھے ظلم و ستم کرنے والوں سے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حضرت موسیٰؑ نے خوف کی حالت میں صبح کی۔ یعنی آپ کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کی شرارت کا اندیشہ ستا رہا تھا کہ کہیں انہیں معلوم نہ ہو جائے کہ قبطی کو قتل میں نے کیا ہے، کیونکہ جس قبطی کو آپ نے قتل کیا تھا، اس کا قتل ایک معمہ بنا ہوا تھا آپ سوچ رہے تھے کہ کہیں فرعون کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو جائے کہ میں بھی اسرائیلی ہوں اور قبطی کو قتل کرنے والا میں ہوں تو وہ سزا دے گا۔ آپ اسی صبح شہر میں کہیں چلے جا رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ "خائفا یترقب" خوف کے مارے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے آپ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی جس نے کل آپ کو مدد کیلئے پکارا تھا پھر چیخ رہا ہے۔ "یستصرخہ" کا مطلب ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا بلند آواز سے نام لے کر مدمقابل کے خلاف مدد کی درخواست کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سمجھ گئے کہ یہ شخص شرارتی اور جھگڑالو ہے۔ آپ نے اسے سخت سست کہا اور ملامت کی۔ آپ نے فرمایا: انک لغوی مبین۔ ترجمہ: "بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔"

پھر حضرت موسیٰؑ اس قبطی کی طرف پکڑنے کی خاطر چلے جو حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی دشمن قوم قبط سے تعلق رکھتا تھے۔ دراصل حضرت موسیٰؑ قبطی کو پکڑ کر الگ کرنا چاہتے تھے جو اسرائیلی سے گتھم گتھا تھا، مگر آپ جونہی نزدیک گئے اور دونوں کو الگ کرنے کا ارادہ کیا تو

قال یا موسیٰ اتزید ان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس ان ترید الا ان تکون جبارا فی الارض وما ترید ان تکون من المصلحین۔

ترجمہ: "وہ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے، جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اسکے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔"

بعض مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو قبطی کی نہیں بلکہ اسرائیلی جو گزشتہ رات ہونے والے قتل کا چشم دید گواہ تھا۔ دراصل جب اس نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو سمجھا کہ شاید آپ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ آپ کے سخت الفاظ نے اس کے شک کو یقین میں بدل دیا، وہ مارے خوف کے کانپ اٹھا اور قتل کا راز فاش کر بیٹھا۔ قبطی دوڑا دوڑا اپنی قوم کے پاس پہنچا اور سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔

یہ توجیہ کئی علماء نے ذکر کی ہے۔ لیکن ایک احتمال اور بھی ہے کہ یہ گفتگو قبطی کی ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ جو اسرائیلیوں کے خیر خواہ ہیں آ رہے ہیں اور اس کے مدمقابل کی مدد

کریں گے اور اسے ماریں گے تو اس نے خواہ مخواہ ایک اندازے اور شک کی بنا پر کہہ دیا کہ کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، جس طرح کل ایک قبطی کو قتل کر دیا ہے یا ہو سکتا ہے قبطی نے اسرائیلی کی پکار سے اندازہ کر لیا ہو کہ یہی شخص قبطی کا قاتل ہے۔

بہر حال فرعون کو اطلاع دی گئی کہ کل جو قبطی قتل ہوا ہے اس کا قاتل موسیٰ ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو پکڑنے کیلئے آدمی بھیج دیئے۔ لیکن آپ کا ایک مخلص پیروکار دوڑتا ہوا کسی قریب ترین راستے سے آپ کے پاس پہنچ گیا اور آپ کو آگاہ کر دیا کہ فرعون کے آدمی آپ کو پکڑنا چاہتے ہیں نکل چلئے۔ قرآن پاک میں ہے: وجاء رجل من اقصی المدینہ ترجمہ: "اور آیا ایک شخص شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا" کیونکہ اسے آپ سے محبت تھی اور خیر خواہی چاہتا تھا۔ کہنے لگا: یا موسیٰ ان الملا یاتمرون بک لیقتلوک فاخرج ترجمہ: "اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں آپ کو قتل کر ڈالیں۔ اس لیے نکل جایئے۔" یعنی اس شہر سے "انی لک من الناصحین" "بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں، اور جو کچھ عرض کر رہا ہوں خیر خواہی کے جذبے سے کر رہا ہوں۔"

ان دیکھی منزل کی طرف رواں دواں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فخرج منھا خائفا یترقب ترجمہ: "پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (یعنی اپنی گرفتاری کا انتظار کرتے ہوئے) یعنی جب آپ شہر سے نکلے تو کوئی خاص منزل پیش نظر نہ تھی پس جس طرف منہ تھا چل دیئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے:

ولما توجہ تلقاء مدین .... لما انزلت الی من خیر فقیر۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی طرف (تو دل میں) کہنے لگے: امید ہے میرا اللہ میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا: ہم نہیں پلا سکتیں، جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں تو آپ نے پانی پلا دیا ان کے (ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آئے اور عرض کرنے لگے: میرے اللہ واقعی اس میں خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ میرا بندہ و رسول اور کلیم مصر سے گرفتاری کے خوف سے نکل کھڑا ہوا۔ "یترقب" کا معنی "یلتفت" (پیچھے مڑ کر دیکھنا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں) ہے۔ آپ ایک ان دیکھی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ نہ منزل کا تعین تھا اور نہ راستے کی واقفیت۔ کیونکہ آپ اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر نہیں گئے تھے۔

ولما توجه تلقاء مدين ترجمہ: "اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی طرف۔" یعنی اس راستے پر اتفاقاً چل نکلے جو مدین کو جاتا تھا۔ قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل۔ ترجمہ: "کہنے لگے امید ہے میرا اللہ میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔" یعنی امید ہے یہ راستہ مجھے منزل مقصود تک لے جائے گا اور ہوا بھی ایسے ہی، اس راستے پر چلتے ہوئے آپ واقعی اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ لیکن کیا مقصد تھا؟

ولما ورد ماء مدين ترجمہ: "اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے۔"

مدین کے قریب ایک کنواں تھا جس سے اہل مدین پانی لیتے تھے۔ یہ وہی شہر تھا جہاں اللہ تعالیٰ کے اصحاب ایکہ یعنی قوم شعیب علیہ السلام کو تباہ کیا تھا ان کی ہلاکت کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہو چکا ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کی تصریحات ملتی ہیں۔ جب آپ کنوئیں پر پہنچے۔ وجد عليه امة من الناس يسقون ووجد من دونهم امراتين تذودان ترجمہ: "تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک کثیر مجمع ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس مجمع سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔"

وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بھیڑ بکریاں دوسرے ریوڑ میں مل جائیں۔ اہل کتاب کے بقول وہ سات بہنیں تھیں، لیکن تورات کی کسی آیت کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اگر اس آیت کو تحریف سے محفوظ تسلیم کیا جائے تو تب بھی مطلب یہی ہوگا کہ تھیں تو وہ سات لیکن یہاں پانی پلانے صرف دو آئی تھیں، اگر یہ آیت محفوظ نہیں تو پھر ظاہر ہے وہ تھیں ہی کل دو بہنیں۔ قال ما خطبكما۔ قالتا لا نسقي حتى يصدر الرعاء وابونا شيخ كبير ترجمہ: "آپ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا: ہم نہیں پلا سکتیں، جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔" یعنی ہم ناتواں اس بھیڑ میں پانی پلا بھی نہیں سکتی اور دوسرے غیر مردوں کے اختلاط سے بچنے کی خاطر ہم الگ تھلگ کھڑی ہو جاتی ہیں اور جب وہ پانی پلا کر چلے جاتے تو ہم پانی پلاتی

ہیں، چونکہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اس لیے ہمیں خود یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ "فسقى لهما" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ چرواہے پانی پلا کر کنوئیں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔ یہ بچیاں ان کے ریوڑ سے جو پانی بچ جاتا، وہ اپنے ریوڑ کو پلاتیں۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ناتوانی دیکھی تو جذبہ رحمت سے جوش مارا۔ اگرچہ آپ تھکے ماندے تھے لیکن اکیلے اس بھاری پتھر کو کنوئیں کے منہ سے ہٹا کر ایک طرف کیا اور ان دونوں بہنوں کے ریوڑ کو اور ان دونوں کو بھی پانی پلایا، پھر اس پتھر کو اٹھا کر کنوئیں کے منہ پر رکھ دیا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر دس نوجوان آدمی بڑی مشکل سے اٹھاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک ڈول کھینچا اور ان دونوں (کے ریوڑ) کیلئے کافی ہو گیا۔ پھر آپ سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ قریب ہی ببول کا درخت تھا جس کے سایہ میں آپ بیٹھ گئے۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سبزہ لہلہاتا دیکھا تو عرض کیا: رب اني لما انزلت الي من خير فقير۔ ترجمہ: "اے میرے رب! میں اس کھانے کا جو تو میرے لیے اتارے محتاج ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین تک سفر کے دوران سبزہ اور درخت کے پتوں کے سوا کچھ نہ کھایا تھا۔ زیادہ چلنے کی وجہ سے آپ کے دونوں تلوے بھی گھس گئے تھے اور آپ برہنہ پا تھے، ایک سایہ میں بیٹھ گئے۔ اس وقت مخلوق خدا میں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے تھے۔ بھوک کی شدت سے آپ کا شکم مبارک سکڑ گیا تھا اور سبزوں کی ہریالی پیٹ کے اندر سے دکھائی دے رہی تھی کھجور کے ایک ٹکڑے تک کے آپ محتاج تھے۔

فجاءته احداهما تمشي .... والله على ما نقول وكيل۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیاء سے چلتی ہوئی (اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔ پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے۔ ان دو میں ایک خاتون نے کہا: میرے (محترم) باپ! اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں

وہ ہے جو طاقتور بھی ہو دیانتدار بھی ہو۔ آپ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک انہیں اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔ پھر اگر تم پورے کر دو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں) موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے جو قول و قرار ہم سے کیا ہے اس پر نگہبان ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سن کر دونوں بہنیں اپنے باپ کے پاس جا پہنچیں۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ وہ آج اتنی جلدی کیسے واپس آ گئیں۔ دونوں بہنوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے بتایا کہ کس طرح انہوں نے ہمارے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ والد نے اپنی ایک بیٹی کو بھیجا کہ فوراً جا کر اس مسافر کو بلا لائے۔ فجاءته احداهما تمشي على استحياء یعنی" کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیا سے چلتی ہوئی۔" (جس طرح کہ آزاد عورتیں عزت و وقار سے چلتی ہیں۔) قالت ان ابي يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا ترجمہ: "(اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تا کہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔" بچی نے صراحتاً اس لیے بتا دیا کہ کہیں مسافر شک میں مبتلا نہ ہو جائے کہ یہ مجھے کیوں بلاتی ہے۔ بچی کی گفتگو میں کمال وحیاداری اور سنجیدگی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہو لیے۔ فلما جاءه و قص عليه القصص ترجمہ: "پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا۔" یعنی وہ مصر میں ایک آدمی کو غلطی سے قتل کر بیٹھے اور فرعون ان کی جان کا دشمن انہیں پکڑنا چاہتا تھا تو وہ بھاگ نکلے اور اتفاقاً مدین پہنچ گئے تو "قال" انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا یعنی بوڑھے نے۔ لا تخف نجوت من القوم الظالمين۔ ترجمہ: "ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے۔" یعنی فرعون اب آپ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ مدین اس کی بادشاہی سے باہر ہے۔

بوڑھا کون تھا؟ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم میں مشہور ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ جن لوگوں نے قطعیت سے آپ کا نام لیا ہے، انہوں نے ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جن میں صراحت سے آپ کا نام لیا گیا ہے لیکن سند محل نظر ہے۔

مفسرین کا ایک گروہ کا خیال ہے کہ تباہی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے کافی عمر پائی۔ حتیٰ کہ آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اپنی ایک بیٹی بھی موسیٰ علیہ السلام کو بیاہ دی۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات روایت کی ہے کہ بوڑھے کا نام شعیب تھا اور وہ اس کنوئیں کا مالک تھا لیکن یہ حضرت شعیب نبی نہیں جو مدین میں مبعوث ہوئے تھے۔

ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ یہ بوڑھا حضرت شعیب علیہ السلام کے بھائی کا بیٹا تھا۔ بعض کے نزدیک وہ آپ کا چچازاد بھائی تھا۔ ایک قول کے مطابق اس کا تعلق حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھا اور وہ مومن تھا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ "یثرون" نامی کوئی شخص تھا۔ یہ رائے اہل کتاب کی ہے۔ ان کے نزدیک یثرون مدین کا کاہن اعظم تھا اور علم و مرتبہ میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق اور دیگر مفسرین رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صاحب مدین کے الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ یعنی وہ مدین کا سردار اعظم تھا۔

جب اس بوڑھے بزرگ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آؤ بھگت کی۔ اور بڑی محبت سے پیش آیا تو آپ نے سارے حالات سے مہربان شخصیت کو مطلع کر دیا۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ اب آپ فرعون کی دسترس سے نکل آئے۔ وہ ظالم آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ایسے میں بزرگ کی بیٹی نے اپنے والد گرامی سے عرض کیا: "يا ابت استاجره" میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجیے۔ یعنی بکریاں چرانے کی خاطر۔ پھر اس بچی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف کی کہ یہ شخص بڑا طاقتور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیانتدار بھی ہے۔

حضرت عمر، حضرت ابن عباس، قاضی شریح، ابو مالک، قتادہ، محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہم اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں جب بچی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف کی اور بتایا کہ ابا جان! یہ شخص بڑا طاقتور اور بہت امانتدار ہے تو انہوں نے پوچھا آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ تو بچی نے بتایا کہ انہوں نے وہ بڑا پتھر جو کنوئیں کے منہ پر رکھا جاتا ہے اور جسے اٹھانے کیلئے دس جوان چاہئیں اکیلے اٹھا لیا ہے، اور جب میں انہیں بلانے گئی اور ان کے آگے آگے گھر کی طرف آ رہی تھی تو انہوں نے کہا میرے پیچھے چلیں اور جب دائیں یا بائیں مڑنا ہو تو کنکر پھینک کر مجھے مطلع کر دیں تا کہ میں راستہ جان لوں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس شخص میں جواں مردی کے ساتھ ساتھ دیانتداری بھی ہے۔

لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند تین شخص ثابت ہوئے ہیں (۱) عزیز مصر کہ جب اس نے اپنی عورت سے کہا: اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔ (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے والی بچی جس

نے والد سے کہا اے میرے محترم باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور ہو اور دیانتدار بھی۔ اور (۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا:

قال انی ارید ان انکحك احدی ابنتی ھتین علی ان تاجرنی ثمنی حجج فان اتممت عشرا فمن عندك وما ارید ان اشق علیك ستجدنی ان شاء اللہ من الصلحین۔

ترجمہ: "آپ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک انہیں اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔ پھر اگر تم پورے کر کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ اصول وضع کیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو دو میں سے ایک چیز بیچے اور تعیین نہ کرے کہ کونسی دوں گا۔ بس یہ کہے کہ ان میں سے ایک چیز اتنے روپے کی تمہیں دیتا ہوں، تو بیع متحقق ہو جائے گی اور ایسا کرنا صحیح ہے۔ مثلاً کہا: ان دو غلاموں میں سے ایک، ان دو کپڑوں میں سے ایک وغیرہ وذالک، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوڑھے شخص نے بغیر تعیین کے فرمایا تھا۔ احدی ابنتی ھتین ترجمہ: "ایک ان اپنی دو بچیوں سے۔" لیکن یہ اصول محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ آیت مراوضہ (ترغیب اور تجویز) پر دلالت کرتی ہے نہ کہ عقدہ نکاح پر۔ (واللہ اعلم)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیروی کرنے والے لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی کو صرف کھانے اور لباس پر مزدور رکھنا صحیح ہے۔ جیسا کہ لوگ عموماً کرتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت جو "باب استجار الاجیر علی طعام بطنہ" میں ہے۔ وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جسے علی بن رباح نے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن منذر کو کہتے سنا کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تھے کہ آپ نے سورۂ طسم پڑھی حتیٰ کہ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر پہنچے تو فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو آٹھ سال، یا دس سال اس شرط پر مزدور رکھا کہ نکاح کریں گے اور دو وقت کا کھانا کھائیں گے۔"

لیکن یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسلمہ بن علی خشنی دمشقی بلاطی آئمہ کے نزدیک ضعیف شمار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے علی بن رباح لخمی سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن منذر سلمی حضور نبی کریم

ﷺ کے صحابہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اجیر بنائے رکھا صرف پیٹ کے کھانے اور شرمگاہ کی عفت کے بدلے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذلك بینی وبینك ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

ترجمہ: "یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ ان دو معیادوں سے جو معیاد میں گزار دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور اللہ نے جو قول و قرار ہم سے کیا ہے اس پر نگہبان ہے۔"

یعنی یہ گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سسر محترم سے کی۔ کہ ٹھیک ہے جیسے آپ فرماتے ہیں میں ان دو مدتوں میں جو بھی پوری کروں گا مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جو بات ہم ایک دوسرے سے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سن رہا ہے اور دیکھ بھی رہا ہے اور قدرت خود میری اور آپ کی وکیل ہے۔ لیکن یہ کہنے کے باوجود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مدت زیادہ تھی وہ پوری کی۔ یعنی پورے دس سال۔

امام بخاری، سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا مجھ سے "حیرہ" کے ایک یہودی نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کونسی مدت پوری کی؟ میں نے کہا: میں کچھ نہیں جانتا جب تک کہ یہ بات عرب کے سب سے بڑے عالم کی خدمت میں پیش ہو کر پوچھ نہیں لیتا، میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے پوچھا: آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ اور بہتر مدت پوری کی۔۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا: اس پر عمل بھی کیا۔

علامہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کونسی مدت پوری کی؟ انہوں نے فرمایا: کہ جو ان میں اتم اور اکمل تھی۔"

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: انہوں نے اسرافیل علیہ السلام سے پوچھا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس سلسلے میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی مدت پوری کی جو ان میں سے تکمیل کے بہت قریب اور زیادہ تھی۔"

علامہ ابن جریر نے محمد بن کعب کے طریقے سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کو پوچھا گیا کہ کونسی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو ان میں سے زیادہ اور مکمل تھی۔"

حضرت عبداللہ بن صامت اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی؟ تو آپ نے فرمایا: جوان میں سے زیادہ مکمل اور نیکی کے زیادہ قریب تھی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ "دونوں میں سے کس عورت کے ساتھ آپ نے نکاح کیا تو کہنا کہ ان میں سے چھوٹی کے ساتھ۔"

عتبہ بن ندر سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور پیٹ کے کھانے کے بدلے اپنے آپ کو اجرت پر دیدیا۔" جب مدت پوری ہو گئی عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کونسی مدت؟ فرمایا: جوان سے نیکی کے زیادہ قریب اور مکمل تھی۔"

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا: اپنے والد گرامی سے کہو کہ وہ تمہیں اپنی بکریاں دے دیں جو ہمارا ذریعہ معاش بنیں۔ اس سال بکریوں اور بھیڑوں نے اپنے رنگ سے ہٹ کر جتنے بچے دیے وہ حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی کو دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان کی تمام بھیڑیں اور بکریاں سیاہ رنگ کی بہت خوبصورت تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چھڑی ایک چھوٹے سے حوض میں رکھ دی۔ پھر ریوڑ کو لائے اور اسی حوض سے پانی پلایا، جب کوئی بھیڑ یا بکری پانی پی کر ہٹتی حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے چھڑی مارتے جاتے، حتیٰ کہ تمام بھیڑ بکریوں کو مارتے گئے۔ ساتھ یہ بھی فرماتے: "یہ جڑواں جننے والی اور دودھ والی ہوگی، ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام نے اپنے رنگ سے ہٹ کر بچے جنے نہ تو ان میں کوئی وسیع دھاروالی تھی، نہ بڑے تھنوں والی کہ جس کے تھن چلتے ہوئے زمین پر لٹکتے ہوں۔ نہ پھٹے ہوئے تھنوں والی، نہ بہت چھوٹے تھنوں والی، نہ کوئی ایسی تھی جس کے تھن بہت چھوٹے ہوں اور دودھ دوہتے ہوئے ہاتھ میں نہ آتے ہوں۔" حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے شام کو فتح کیا تو ان بھیڑ بکریوں کی نسل وہاں دیکھو گے اور وہ سیاہی اور سفید رنگ کے درمیان رنگ والی ہوں گی۔

علامہ ابن جریر، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دوست کو بتایا کہ جو مدت ہمارے درمیان طے ہوئی تھی وہ گزر گئی ہے تو ان کے دوست (بوڑھے بزرگ) نے فرمایا: جو بکری اپنی رنگ سے ہٹ کر بچہ جنے گی اس کا بچہ تیرا ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور پانی پر رسیاں ڈال دیں، جب بکریوں نے رسیاں دیکھیں تو وہ دوڑ گئیں اور گھومنے پھرنے لگیں، سوائے ایک کے تمام بکریوں نے چتکبرے بچے جنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال کے تمام بچے اپنے ساتھ لے گئے۔" اس سے

پہلے ہم ایک اسرائیلی روایت حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق بھی نقل کر چکے ہیں۔ جب آپ اپنے خالو "لابان" سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے بھی چتکبرے بچے انہیں دینے کا ارادہ کیا۔ آپ علیہ السلام نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ ابھی آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق پڑھ رہے ہیں۔ (واللہ اعلم یہ قصہ کہاں تک صحیح ہے۔)

کوہ طور پر آگ کے شعلے:

فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ ...... انھم کانوا قوما فسقین۔ (سورۃ القصص)

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور پر ایک طرف آگ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے وہاں آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا کوئی چنگاری تا کہ تم اسے تاپ سکو جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارے سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔ اور (فرمایا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو۔ اب جونہی دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی) اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔ یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو۔ ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لیے تو یہ دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف لے جانے کے لیے بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں سے کو اکمل اور اتم مدت تھی پوری کی فلما قضی موسی لاجل کے الفاظ سے بھی یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ نے دس سال اور دس دن کا عرصہ مکمل کیا۔

وسار باھلہ یعنی اپنے سسرال سے رخصت ہوئے اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ اپنے گھر والوں کی ملاقات کے لیے بہت اشتیاق رکھتے تھے۔ اس لیے آپ نے خفیہ طریقے سے مصر میں ان سے ملاقات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جب آپ مدین سے چلے تو زوجہ محترمہ کے علاوہ دو بچے بھی ساتھ تھے اور مدین کے قیام کے دوران آپ کو معاش کے لیے جو بکریاں ملی تھیں۔ وہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ جس رات آپ نے سفر شروع کیا وہ بہت تاریک اور ٹھنڈی رات تھی۔ آپ راستہ سے بھٹک گئے اور مشہور راستے تک پہنچنے کے لیے کامیاب نہ ہو سکے۔ بہت

کوشش کی کہ کہیں راستے کا سراغ ملے لیکن ناکام رہے۔ رات کی تاریکی اور شدت اختیار کر گئی اور سردی نے زور پکڑ لیا۔ اسی اثناء میں طور کے ایک طرف دور ایک جگہ آگ بھڑکتی نظر آئی۔ یہ پہاڑ آپ کے دائیں مغرب میں تھا۔ قال لاهله امكثوا انى آنست نارا۔ "آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔" لگتا ہے کہ یہ آگ صرف آپ کو نظر آرہی تھی۔ اور آپ کے گھر والوں سے پوشیدہ تھی۔ کیونکہ یہ آگ نہیں خدائی نور تھا جسے صرف آپ دیکھ رہے تھے۔ یقیناً عام آدمی اس نور کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لعلى آتيكم من منها بخبر۔ "شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر۔ کیونکہ آپ راستے سے دور ویرانے میں چل رہے تھے اس لیے کہا کہ شاید کہیں سے مصر کے راستے کے نشان نظر آ جائیں۔ او جذوة من النار لعلكم تصطلون۔ "یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو۔"

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر ویرانے میں نکل آئے تھے۔ اور رات تاریک اور نہایت خنک تھی۔ اس بات کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔

وهل اتاك حديث موسى اذ رآى نارا فقال لاهله امكثوا انى آنست نارا لعلى آتيكم منها بقبس او اجد على النار هدى۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

"اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ کے قصے کی جب (مدین) سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا تم (ذرا یہاں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آپ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا۔"

وقال موسى لاهله انى انست نارا لعلى ساتيكم منها بخبر او آتيكم بشهاب قبس لعلكم تصطلون۔ ﴿سورۂ نمل﴾

"جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کر۔ تاکہ تم اسے تاپو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ایک خبر لے آئے لیکن کیسی خبر؟ آپ نے راستہ پا لیا لیکن کونسا راستہ؟ آپ نے نور سے ایک چنگاری لی لیکن کیسا نور؟

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما اتاها نودى من شاطئ الواد الايمن فى البقعة المباركة من الشجرة ان

يموسى انى انا الله رب العالمين۔

"پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارے سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہوں۔"

فلما جاءها نودى ان بورك من فى النار و من حولها و سبحان الله رب العالمين۔ ﴿سورۃ النمل﴾

"پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے" یعنی اللہ پاک ہے جو چاہتا کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے حکم فرماتا ہے يموسى انه انا الله العزيز الحكيم "اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا۔"

فلما اتاها نودى يموسى۔ ------- واتبع هوه فتردى۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

"پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں پس تو اتار دے اپنے جوتے بے شک تو طوی مقدس وادی میں ہے اور میں پسند کر لیا ہے۔ تجھے (رسالت کے لیے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لیے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی۔"

متقدمین اور متاخرین میں اکثر مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آگ کا ارادہ فرمایا جو ان کو نظر آئی تھی اور چلتے چلتے آگ کے پاس پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کانٹے دار سبز و شاداب جھاڑی آگ کی لپیٹ میں ہے۔ آگ اپنے پورے جوبن پر بھڑک رہی ہے لیکن درخت کی شادابی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ حیران و پریشان تھے وہیں ٹھہر گئے۔ یہ درخت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مغرب میں دائیں ہاتھ پر تھا۔ جیسا کہ کلام مجید سے ظاہر ہے۔

وماكنت بجانب الغربى اذ قضينا الى موسى الامر وماكنت من الشاهدين۔ ﴿سورۃ القصص﴾

"اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف

(رسالت کا) علم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس بابرکت وادی میں کھڑے تھے اس کا نام "طویٰ" ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منہ قبلہ کی طرف تھا اور یہ درخت مغرب کی سمت آپ کے دائیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے طویٰ کی مقدس وادی میں گفتگو کی اور حکم دیا اس خطہ پاک کے احترام میں تعظیم و توقیر بجالاتے ہوئے اپنے پاؤں سے جوتے اتار دو اور خصوصاً اس مبارک رات میں جب آپ کا رب آپ سے ہم کلام ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور کی تیزی کی وجہ سے اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ روشنی اس قدر تیز تھی کہ آپ کو اپنی بصارت کے ضائع ہونے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے خطاب فرمایا اور کہا: انی انا اللہ رب العالمین۔ "بلاشبہ میں ہوں اللہ جو رب العالمین ہے" انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری۔ "یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا بس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لیے۔ یعنی میں رب العالمین ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت اور نماز کا مستحق صرف میں ہوں۔ میرے سوا نہ کسی کی عبادت ہو سکتی ہے اور نہ کسی کے لیے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ اے میرے محبوب بندے یہ دنیا جائے قرار نہیں ہے۔ ہمیشہ کا گھر تو قیامت کے بعد ہوگا۔ اور قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ان کو برپا کرنے کا سبب یہ ہے کہ: لتجزی کل نفس بما تسعی۔ "تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیک اعمال کی ترغیب فرمائی اور انہیں ایسے بدبخت لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا جو رب العالمین پر ایمان نہیں لاتے اور زندگی خواہش نفسانی کی پیروی میں گزار دیتے ہیں۔ پھر مخاطب ہوئے اور اپنے محبوب بندے کو تسلی دیتے ہوئے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں ہر شے پر قادر ہوں۔ میں کسی چیز کے بارے جب "ہو جا" کہتا ہوں تو وہ چیز معرض وجود میں آجاتی ہے۔

عصا موسوی خوفناک اژدھا میں تبدیل:

وما تلک بیمینک یموسی۔ "یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰ!"

یعنی کیا یہ وہی تیرا ڈنڈا نہیں جس کی حقیقت سے تو بہت اچھی طرح واقف ہے۔

قال ھی عصای اتوکؤا علیھا و اھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری۔

ترجمہ: "عرض کیا: (میرے رب!) یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کیلئے اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔"

یعنی کیوں نہیں۔ میرے رب! یہ میرا ڈنڈا ہے جس کو میں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں اور اس کی حقیقت سے واقف ہوں کہ یہ محض ایک لکڑی ہے۔

قال القھا یموسی فالقاھا فاذا ھی حیۃ تسعی

ترجمہ: "حکم ہوا ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ۔ تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا۔ پس اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔"

یہ ایک عظیم معجزہ تھا اور اس حقیقت پر ایک قطعی دلیل تھی کہ جو ذات اپنے محبوب بندے سے ہم کلام ہے وہ قادر مطلق ہے۔ وہ جب ہو جا کہتا ہے تو بڑی سے بڑی چیز بھی وجود میں آجاتی ہے۔ وہ مختار کل ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! جب مصر کے لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میں کیا کروں گا۔ مجھے کوئی معجزہ عطا فرما جو میری تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا: میرا عصا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے زمین پر پھینک دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کو دم سے پکڑ لو جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ہاتھ میں لیا تو وہ پھر سے ان کے ہاتھ میں عصا تھا۔

✿ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

و ان الق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب۔

ترجمہ: "اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو، اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو۔ آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔"

یعنی وہ عصا ایک مہیب اژدھا بن کر لہرانے لگا۔ اس کی ضخامت اتنی بڑی تھی اور دانت اس قدر لمبے تھے کہ انسان دیکھے تو کانپ اٹھے۔ پھر اس میں جان کی سی تیزی تھی جو سانپوں کی ایک تیز ترین قسم ہے جنہیں جان بھی کہتے ہیں اور جنان بھی۔ اگرچہ یہ قسم بہت چھوٹی جسامت رکھتی ہے لیکن ہوتی بلا کی تیز ہے۔ لیکن یہ سانپ تیز ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑی جسامت رکھتا تھا۔ جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے تیزی سے لہراتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور اس سے بچنے کیلئے بھاگ جانا چاہا۔ "ولم یعقب" ترجمہ: "اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔" ایسے میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہتے ہوئے آپ کو مخاطب فرمایا: یا موسی اقبل ولا تخف انک من الامنین۔ ترجمہ: "اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم (ہر خطرے سے) محفوظ ہو۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسے پکڑ لو۔ قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی ترجمہ: "حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپ سے بہت خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے جب اسے پکڑنے کا حکم ملا تو آپ نے اپنا ہاتھ چغے کی آستین میں لپیٹ کر سانپ کے منہ میں رکھ لیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے سانپ کی دم سے پکڑ لیا۔ بہرحال جب آپ نے اسے پکڑا تو وہ سانپ سے پھر ڈنڈا بن گیا، جس طرح پہلے وہ دو شاخوں والا ڈنڈا تھا۔ سچ ہے وہ قدیر و عظیم ذات جو مشرق و مغرب کی مالک ہے ہر نقص اور عجز سے پاک ہے۔

چمکتا ہاتھ:

پھر حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیا، پھر حکم ہوا کہ اب اسے باہر نکالو۔ آپ نے حکم خداوندی کی پیروی کی اور ہاتھ گریبان سے باہر نکالا، نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہاتھ چاند کی مانند چمک رہا ہے اور کوئی تکلیف بھی نہیں۔ نہ کہیں برص ہے اور نہ کوئی اور داغ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء و اضمم الیک جناحک من الرھب۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے۔ اور رکھ لے اپنے سینے پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کیلئے۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تجھے زندگی کے کسی موڑ پر خوف لاحق ہو تو اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھ لینا سارا خوف دور ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دل کو سکون و قرار کی دولت نصیب ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے لیکن اہل ایمان کو ایمان کی بدولت اور انبیاء کی اقتداء کی وجہ سے ابھی یہ چیز فائدہ دے گی۔ (یعنی خوف کے وقت جو شخص اپنا ہاتھ سینے پر رکھے گا تو اس کے دل کو سکون نصیب ہوگا۔)

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و ادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع ایات الی فرعون و قومہ انھم کانوا قوما فاسقین۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور ذرا ڈالو ہاتھ اپنے گریبان میں، وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان معجزات سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں۔"

یعنی عصا اور ید بیضاء یہ دو معجزے ہیں جو آپ کی صداقت کی کھلی دلیل ہیں۔ انہی دو معجزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فذانک برھانان من ربک الی فرعون و ملاہ۔ انھم کانوا قوما فاسقین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں (کی طرف لے جانے) کیلئے بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔"

ان دو معجزوں کے علاوہ سات اور معجزے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ ان نو معجزوں کو سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد اتینا موسی تسع ایت بینت فسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال لہ فرعون انی لا ظنک یموسی مسحورا۔ ﴿سورۃ بنی اسرائیل﴾

ترجمہ: "اور ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے آپ کو کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔"

و لقد اخذنا ال فرعون بالسنین .... کانو قوما مجرمین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور بیشک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) تو کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے، موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے سن لو ان کی بدفالی تو (مکافات عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس سے ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس

سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے۔ پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔"

یہ نو معجزے ان دس احکامات کے علاوہ ہیں۔ ان نو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے اور وہ دس احکامات شریعت سے متعلق ہے۔ میں نے یہ وضاحت اس لیے مناسب سمجھی کیونکہ بعض لوگوں نے غلطی سے ان کو احکامات عشرہ میں شمار کیا ہے۔ ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیات میں ان کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے۔

فرعون کے پاس جاؤ:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ تو

قال رب انی قتلت منهم نفسا .... من اتبعکما الغلبون۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں وہ مجھے جھٹلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو۔ تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ (اور شوکت) کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے باعث۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار غالب آئیں گے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے، رسول اور کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمن خدا فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا جس کے خوف اور ظلم سے وہ مصر سے بھاگے تھے جبکہ ایک قبطی کے قتل کی وجہ سے سارا مصر آپ کے خلاف غم و غصے کا اظہار کر رہا تھا ایسے میں آپ علیہ السلام نے اپنے اللہ کے حکم کے جواب میں: "آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں وہ مجھے جھٹلائیں۔" یعنی اسے میرا معاون، مددگار اور وزیر بنا دے کہ تبلیغ دین میں میری مدد کرے اور انہیں تیرا پیغام پہنچانے میں میرے ساتھ تعاون کرے، کیونکہ وہ مجھ سے گفتگو میں زیادہ فصیح و بات پہنچانے میں زیادہ بلیغ ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کے جواب میں فرماتا ہے:

سنشد عضدك باخيك و نجعل لكما سلطانا۔ فلا يصلون اليكما

ترجمہ: "ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو۔ تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے۔"

یعنی تم دونوں بھائیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ تم ہمارے معجزات لے کر ان کا سامنا کرو گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم ان آیات کی برکت کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

انتما و من اتبعکما الغلبون ترجمہ: "تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے۔"

اذهب الى فرعون انه طغى قال رب اشرح لى صدرى و يسرلى امرى و احلل عقدة من لسانى يفقهوا قولى۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی: اے میرے اللہ! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لیے میرا (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔"

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، کیونکہ آپ نے بچپن میں انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر پیار کر رہا تھا۔ آپ بہت چھوٹے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن کی اس عمر میں بھی دشمن خدا کو داڑھی سے پکڑ کر کھینچا۔ فرعون کو شک پڑ گیا کہ کہیں یہی تو وہ بچہ نہیں جو میری سلطنت کا خاتمہ کرے گا۔ اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا تڑپ اٹھیں اور کہنے لگیں: فرعون! معصوم بچہ ہے۔ اس کی حرکت پر نہ جائیے۔ ذرا اس کا امتحان لے لیجئے۔ یہ تو انگارے اور پھل میں تمیز بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسے کیا خبر کہ آپ کتنے بڑے آدمی ہیں جس کی وہ گستاخی کر رہا ہے۔ فرعون نے پھل اور انگارے ایک ہی پلیٹ میں رکھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بڑھا کر انگارہ منہ میں رکھ لیا جس سے آپ علیہ السلام کی زبان جل گئی اور قدرت خداوندی سے آپ فرعون کے ظلم سے بچ گئے۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی: اے اللہ! میری زبان کی اتنی گرہ کھول دے کہ یہ لوگ آسانی سے میری بات سمجھ سکیں۔ آپ نے اس گرہ کے مکمل طور پر کھولنے کی دعا نہیں مانگی تھی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حسب ضرورت اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں، اسی لیے آپ کی زبان میں آخر دم تک کچھ لکنت رہی۔

اسی لیے فرعون لعین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی بھی اور کہا تھا:

ولا یکاد یبین — ترجمہ: "اور بات بھی صاف نہیں کرسکتا۔" ﴿سورۃ زخرف﴾

یعنی اپنا مدعا پوری طرح بیان کرنے پر قادر نہیں جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ کھول کر بیان نہیں کر سکتا۔ دل کی بات زبان پر لانے میں اسے مشکل پیش آتی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

و اجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی۔ اشدد به ازری و اشرکه فی امری کی نسبحك كثيرا و نذكرك كثيرا۔ انك كنت بنا بصيرا۔ قال قد اوتيت سؤلك يا موسیٰ۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرما دے اس سے میری کمر اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں، تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بے شک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے۔ جواب ملا کہ آپ کی درخواست منظور کر لی گئی۔"

یعنی اے میرے کلیم آپ نے جو کچھ مانگا ہم نے عطا فرما دیا۔ ہم نے آپ کے سارے مطالبے پورے کر دیے۔ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عنداللہ مقام و مرتبہ کو واضح کرتی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال بھی کیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف وحی کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی اس درخواست کو بھی منظور فرما لیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی وحی سے نوازا۔ یہ بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و كان عند الله وجيها ﴿سورۃ الاحزاب﴾

ترجمہ: "اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی شان والے تھے۔"

ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبيا۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا۔"

بھائی پر ایمان لانے والا پیغمبر:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کی سعادت کیلئے تشریف لے جا رہی تھیں کہ قافلہ میں سے ایک شخص نے لوگوں سے یہ پوچھا کہ وہ کون ہے جو اپنے بھائی پر ایمان لایا؟ تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کجاوے کے ساتھ چلنے والے آدمی کو بتلایا کہ وہ حضرت موسیٰ بن

عمران علیہ السلام تھے جب انہوں نے اپنے بھائی کے حق میں سفارش کی تو اللہ نے ان پر وحی فرمائی۔

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ووهبنا له من رحمتنا اخاه هارون نبيا۔ ترجمہ: اور اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون عطا کیا۔ (غیب کی خبریں بتانے والا نبی)

فرعون کے دربار میں:

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ نادی ربك موسی ——— و انت من الكافرين۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو اور فرمایا کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس۔ یعنی قوم فرعون کے پاس کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کیا: میرے اللہ! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے نہیں چلتی میری زبان، سو وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم بھیجے ہوئے ہیں رب العلمین کے۔ (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال۔ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں آ گئے اور اسے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کر اور بنی اسرائیل کے قیدیوں کو اپنے قبضے سے آزاد کر دے جنہیں تو عرصہ دراز سے انہیں اپنے سطوت و جبروت کے شکنجے میں کس کر اذیتیں دے رہا ہے یہ روا نہیں۔ انہیں آزادی دے کہ وہ اپنے رب کی آزادانہ عبادت کریں اور صرف اسی کے حضور سجدہ بندگی بجا لائیں۔ اس سے اپنے دکھوں کا مداوا چاہیں اور دل جمعی سے اپنے طریقوں کے مطابق اللہ کی عبادت کریں۔ فرعون جو اپنے آپ کو دنیا میں سب سے بڑا سمجھتا تھا۔ اس نے تکبر سے گردن اور اونچی کر لی۔ اللہ کے محبوب بندوں کی نافرمانی اور سرکشی پر اتر آیا۔

فرعون کا احسان جتلانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حقارت سے دیکھا اور تکبر سے کہنا لگا: الم نربك فينا وليدا و لبثت

فینا من عمرک سنین ترجمہ: "کیا تجھے ہم نے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال۔" یعنی فرعون نے احسان جتاتے ہوئے کہا کہ کیا تو وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں پالا ہے۔ ایک عرصے تک ہم تجھ پر احسان کرتے رہے ہیں اور تو ہماری نعمتوں پر پلتا رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جس فرعون کے زمانے میں مصر سے بھاگے تھے اب تک وہ زندہ تھا اور آپ اسی کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن اہل کتاب اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرعون اسی وقت مرا جب آپ ابھی مدین میں قیام پذیر تھے اور اب ایک دوسرا شخص اس کی جگہ فرعون بنا تھا۔

و فعلت فعلتک التی فعلت و انت من الکافرین۔ ترجمہ: "اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جسکا تو نے ارتکاب کیا اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔" یعنی تو نے ایک قبطی کو قتل کر ڈالا، ہم سے بھاگ نکلا اور ہماری نعمتوں کی ناشکری کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین مناظرہ:

قال فعلتها اذا و انا من الضالین۔

ترجمہ: "آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جبکہ میں ناواقف تھا" وحی اور کلام خداوندی کے مجھ پر اترنے سے قبل مجھ سے یہ خطا ہوئی۔

ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکما و جعلنی من المرسلین۔

یعنی "تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے علم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے۔"

✿ فرعون کے احسانات جتانے کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

و تلک نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل۔

ترجمہ: "اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے، حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو۔"

تجھے اپنی نعمتیں یاد ہیں اور مجھ پر احسان جتلا رہا ہے حالانکہ یہ بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد کی شب و روز کی محنت اور زندگی بھر تیری غلامی اور تیری خدمت میں رات دن مشغول رہنے کی برابری کر سکتی ہے۔

قال فرعون و مارب العلمین ــــ و ما بینهما ان کنتم تعقلون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا: وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔ فرعون بولا: بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے۔ آپ نے (معاً) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہونے والے مناظرہ اور مقابلے کو بیان فرما رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے حقیقت کے کیا کیا دلائل پیش کیے۔ کبھی عقلی معنوی دلیلیں پیش کیں اور کبھی نقلی حسی دلائل سے اسے زیر فرمایا کیونکہ فرعون بدبخت اس حقیقت کا منکر تھا کہ کائنات کا بنانے والا کوئی اور ہے اور صرف وہی عبادت کا تنہا مستحق ہے اس کا دعویٰ تھا:

فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلی ﴿سورۃ النازعات﴾

ترجمہ: "پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا، اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔"

و قال فرعون یا ایها الملأ ما علمت لکم من الٰه غیری۔ ﴿سورۃ القصص﴾

"فرعون نے کہا اے اہل دربار میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔"

مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی خدائی کا انکار کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ ایک بندہ ہے جس کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ وہ ہے جو خالق ہے۔ ہر چیز کو وجود بخشنے والا، ہر چیز کو صورت دینے والا ہے۔ معبود حق ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما و علوا۔ فانظر کیف کان عاقبة المفسدین ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا، ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (ہولناک) انجام ہو فساد برپا کرنے والوں کا۔"

اسی لیے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور اللہ سے انجان بنتے ہوئے کہا: و ما رب العالمین ترجمہ: "کیا حقیقت ہے رب العالمین کی۔" چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا تھا ہم اللہ کے فرستادہ ہیں، اس لیے اس نے کہا: رب العالمین کون

ہے۔ گویا وہ ان سے کہہ رہا ہو کہ میں تو کسی رب العالمین کو نہیں جانتا۔ کون ہے جس کو تم رب العالمین کہہ رہے ہو؟ اور جس کے فرستادہ ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا: رب السموت والارض وما بینھما ان کنتم موقنین۔ ترجمہ: "آپ نے فرمایا رب العالمین تو وہ ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنیوالے۔"

یعنی ان آسمانوں اور اس زمین کا جو تمہیں نظر آ رہے ہیں اور ان میں جو بے شمار مخلوق ہے بادل، بارش، نباتات، حیوانات سب کے متعلق اگر تمہیں یقین ہے کہ خود بخود معرض وجود میں نہیں آئے بلکہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد، خالق اور پیدا کرنے والا ہے تو وہی اللہ جس کے بغیر کوئی معبود نہیں رب العالمین ہے۔ "قال" کہا فرعون نے "لمن حولہ" اپنے اردگرد بیٹھنے والوں یعنی امراء، وزراء اور درباریوں سے حقارت اور استہزاء کے لہجے میں بولا کیا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سنتے ہو۔

قال ربکم و رب آباءکم الاولین۔ ترجمہ: "آپ نے فرمایا: وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔"

قال میں مستتر ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا: رب العالمین وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے جو پہلے تھے یعنی تمہارے آباؤ اجداد ان کو پیدا کیا۔ دنیا میں پہلے جتنے بھی انسان پیدا ہو کر فوت ہوئے، ہر ایک اس حقیقت سے واقف تھا کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوئے نہ ان کے ماں باپ خود بخود پیدا ہوئے۔ تخلیق کا یہ سلسلہ کوئی حادثہ نہیں کہ اچانک رونما ہو گیا بلکہ ہر چیز کو اس ذات نے وجود بخشا۔ ہر ایک کو تخلیق کیا گیا اور جس نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا وہی رب العالمین ہے۔ یہ دونوں مقام قرآن پاک کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ ﴿سورۃ فصلت﴾

ترجمہ: "ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔"

لیکن اس حکمت بھری گفتگو کے باوجود بھی فرعون کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اپنی گمراہی سے باز نہ آیا، بلکہ کفر و طغیان اور عناد میں سرگرم عمل رہا۔

قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون۔ قال رب المشرق و المغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "فرعون بولا بے شک تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے۔ آپ نے

(علیہ السلام) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔"

یعنی ان دو روشن ستاروں کو اپنے اپنے راستے پر گامزن کرنے والا جو آسمان پر قندیلوں کی مانند چمک رہے ہیں اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں تاریکی اور روشنی کا پیدا کرنے والا۔ زمین اور آسمانوں کا رب، اولین اور آخرین کا پروردگار۔ مہر و ماہ کو وجود عطا کرنے والا۔ تمام ستاروں اور تمام گرم ثوابت کا خالق۔ رات کو تاریکی اور دن کو روشنی مہیا کرنے والا رب العالمین ہے جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے قبضے میں ہے۔ وہ ہر فرد مخلوق کا مسخر ہے۔ سب اسی کے حکم سے فضا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے ایک مقررہ نظام کے تحت رواں دواں ہیں اور گھوم رہے ہیں۔ وہ ذات بہت بلند ہے جو ان کی خالق مالک اور مخلوق میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیے اور شکوک و شبہات کا قلع قمع فرما دیا اور اس کے پاس سوائے عناد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہ بچ رہا تو اس نے اپنی طاقت اور سطوت کے استعمال کا ارادہ کیا اور اپنی بادشاہی اور قوت کے ذریعے خدائی طاقت کو مغلوب کرنے کا سوچا۔

قال لئن اتخذت الھا غیری لاجعلنک من المسجونین۔ قال اولو جئتک بشیء مبین۔ قال فات بہ ان کنت من الصادقین۔ فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین۔ و نزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنظرین۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا (یاد رکھو) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ فرمایا: اگرچہ میں لے آؤں، تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا: پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کیلئے۔"

یہ وہی دو معجزے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پناہی فرمائی۔ یہ دو معجزے ایک عصا تھا اور دوسرا ید بیضاء۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس معجزے کا اظہار کیا جس سے عقلیں دنگ اور آنکھیں حیرانی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جب آپ نے عصا پھینکا تو ایک لمحے میں وہ صاف اژدھا بن گیا، جو شکل و صورت اور ضخامت میں اس قدر ہولناک تھا اور اس سے ایسا خوفناک منظر سامنے آیا کہ کہا جاتا ہے فرعون کی عقل ختم ہو گئی اور مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ ایک دن میں چالیس مرتبہ قضائے حاجت کیلئے جاتا۔

کہتے ہیں کہ وہ پہلے چالیس دن میں ایک مرتبہ پاخانہ کرتا تھا لیکن اژدھا دیکھ کر مارے خوف کے اس کا اس قدر برا حال ہوا کہ معمول بالکل الٹ گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دوسرا معجزہ بھی دکھایا۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کیا، پھر اسے نکالا تو وہ چاند کی مانند چمک رہا تھا اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا اور پھر جب دوبارہ ہاتھ گریبان میں ڈالا اور نکالا تو اصل رنگت لوٹ آئی۔ لیکن ان کھلے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی وہ راہ راست پر نہ آیا۔ پہلے کی طرح کفر و ضلالت کے راستے پر گامزن رہا بلکہ کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کا ارادہ کیا۔ اپنے پورے ملک سے بڑے بڑے جادوگر بلا لیے، جو اس کی رعایا کہلواتے تھے اور اس کی دولت اور بادشاہی میں رہائش پذیر تھے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنی جگہ پر آئے گی۔

❁ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و صطنعتك لنفسی۔ .... اننی معکما اسمع و اری۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”اور میں نے مخصوص کرلیا ہے تمہیں اپنی ذات کیلئے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور سستی نہ کرنا میری یاد میں۔ آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔ دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا، ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں، میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔“

جس رات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ انہیں نبوت سے نوازا اور شرف ہم کلامی بخشا، اسی رات کی گفتگو ان آیات میں بیان کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے محبوب رسول! جب تم فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے تو بھی میں تمہیں دیکھ رہا تھا تم میری نگہبانی اور حفاظت میں تھے اور میرا لطف و کرم تم پر سایہ فگن تھا، پھر میں نے تمہیں اپنی مشیت، تقدیر اور اپنی تدبیر سے مصر سے نکالا اور تم مدین میں ایک عرصہ قیام پذیر رہے۔ ثم جئت علی قدر ترجمہ: ”پھر تم آ گئے ایک مقررہ وعدے پر“ یعنی میرے مقررہ وعدے پر۔ اور آپ کی آمد میری تقدیر اور مشیت کے تحت تھی۔ و صطنعتك لنفسی۔ ترجمہ: ”اور میں نے مخصوص کرلیا ہے تمہیں اپنی ذات کیلئے۔“ یعنی اپنی رسالت اور شرف ہم کلامی بخشنے کیلئے میں نے تمہیں اپنے لیے چن لیا۔

اذھب انت و اخوك بآیاتی ولا تنیا فی ذکری۔

ترجمہ: ”اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لیکر اور سستی نہ کرنا میری یاد میں۔“ یعنی جب فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ اور دربار میں پہنچو تو میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، کیونکہ فرعون کے ساتھ گفتگو اور بحث و تمحیص میں میرا ذکر تمہارے لیے مددگار ثابت ہوگا۔ میری یاد کی شمع اگر دل میں روشن ہوگی تو تم ایک سرکش کو نصیحت کرنے اور اس پر حجت قائم کرنے میں ایک غیبی مدد محسوس کرو گے۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میرا جو بھی بندہ میرا ذکر کرتا ہے وہ اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔“

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا یھا الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔
﴿سورۂ انفال﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

❁ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے پھر فرمایا:

اذھبا الی فرعون انه طغی۔ فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ فرعون کفر کرے گا، سرکشی اور عناد نہیں چھوڑے گا اور کلام حق کو حقارت سے ٹھکرا دے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر کرم، رافت و رحمت دیکھئے کہ اپنے دو جلیل القدر نبیوں کو حکم دے رہا ہے کہ اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرنا شاید وہ سمجھ جائے اور سرکشی ترک کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی فرمایا گیا:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن
﴿سورۂ النحل﴾

ترجمہ: ”(اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (و مناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ ہو)۔“

❁ ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم
﴿سورۂ عنکبوت﴾

ترجمہ: ”اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو، اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے۔“

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”فقولا قولا لینا“ کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں جا کر اس کے سامنے اس حقیقت کو واضح کر دو کہ تیرا اور ہمارا ایک رب ہے۔ قیامت کے روز تمہیں اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اب تیری مرضی جنت کی راہ اختیار کرے یا جہنم کی۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے اس سے جا کر کہنا عفو و درگزر میرے نزدیک سزا اور عقوبت کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اے وہ جو اپنے دشمنوں سے اس قدر محبت رکھتا ہے تو اپنے دوستوں اور ماننے والوں پر کس قدر مہربان ہوگا۔

قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا، ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے ایسا اس لیے کہا کیونکہ فرعون بہت جابر، سرکش، شیطان اور بدتمیز شخص تھا۔ مصر کے طول و عرض کا وہ بلاشرکت غیرے بادشاہ تھا۔ اسی کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ اور ایک بڑا لشکر اس کے اشارے کا منتظر رہتا تھا۔ یہ دونوں بھائی بتقاضاء بشری اس کی سطوت و جبروت سے خوف کھانے لگے تھے کہ کہیں وہ انہیں دیکھتے ہی ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنا ڈالے۔ اللہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: لا تخافا اننی معکما اسمع واری۔ ترجمہ: ”ارشاد ہوا ڈرو نہیں، میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔“

☼ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے: انا معکم مستمعون۔ ترجمہ: ”ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (ہر بات) سننے والے ہیں۔“

فاتیا فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئنک بآیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدی۔ انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب و تولی۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”پس (بے خوف و خطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم

لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بے شک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ میں نے انہیں پیغام توحید پہنچانے کیلئے فرعون مصر کے پاس بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ جا کر فرعون کو بتائیں کہ ظلم کی انتہا ہو چکی، اب بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور ظلم کی یہ داستان ہمیشہ پر ختم کر دے۔ قد جئنک بآیۃ من ربک سے مراد بڑی دلیل ہے جو اللہ نے آپ کو عصا اور ”ید بیضا“ کی صورت میں عطا فرمائی۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔ کے الفاظ کے ساتھ بلیغ و عظیم فائدہ کو ہدایت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ پھر اسے دھمکی دی اور تکذیب کے خوفناک انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا: انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب و تولی۔ کہ جو حق کو اپنے دل سے جھٹلائے گا اور اپنے اعمال سے اس سے منہ موڑے گا اس کیلئے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔

اللہ کے دو رسول فرعون کے دروازے پر:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین عظام وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس آئے تو اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ملے۔ وہ دونوں رات کو کھانا کھا رہے تھے۔ شلغم کا سالن پکا تھا۔ آپ نے ان دونوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر فرمایا: ہارون! اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم فرعون کو اللہ کی عبادت کا حکم پہنچائیں، اٹھو میرے ساتھ چلو۔ دونوں اٹھ کر چل پڑے اور فرعون کے محل پر پہنچے لیکن دروازہ بند تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربانوں اور دروازے پر متعین پہرہ داروں سے کہا جا کر فرعون کو بتاؤ کہ اللہ کا رسول دروازے پر کھڑا ہے۔ دربان آپ کا مذاق اڑانے لگے اور ہنسنے لگے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ فرعون نے بہت دیر بعد انہیں ملاقات کی اجازت دی۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو دو سال بعد ملاقات کی اجازت ملی۔ کیونکہ کوئی شخص بھی ان کیلئے اجازت مانگنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ (واللہ اعلم)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محل کے دروازے پر آئے تو اپنے ڈنڈے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرعون بے قرار اور بے چین ہو گیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو اندر بلا لیا۔ دونوں فرعون کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اسے اللہ کا پیغام پہنچایا جیسا اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا کہ ہارون لاوی یعنی جو لاوی بن یعقوب کی نسل سے ہے شہر سے نکلے گا اور تجھے ملے گا۔ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور جو معجزات میں نے تمہیں دیے ہیں ان کا اظہار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس کے دل کو سخت کروں گا تو وہ بنی اسرائیل کو نہیں جانے دے گا۔ اور میں ارض مصر میں عجیب و غریب کام کروں گا اور کئی معجزے ظاہر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون ؑ کو وحی فرمائی کہ مصر سے نکل اور حوریب کے جنگل میں اپنے بھائی سے ملاقات کر، جب دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ ؑ نے حکم خداوندی سے اپنے بھائی کو آگاہ کیا۔ جب دونوں مصر میں آئے تو بنی اسرائیل کے بزرگوں کو جمع کیا اور فرعون کے پاس گئے، جب انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچایا تو فرعون نے کہا: میں کسی اللہ کو نہیں جانتا۔ اور نہ میں بنی اسرائیل کو آزادی دوں گا۔

﴿خروج﴾

☼ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرعون کے بارے فرماتا ہے:

قال فمن ربکما یموسی۔ .... نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ ﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "فرعون نے پوچھا: موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی۔ اس نے کہا: (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا؟ فرمایا: ان کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے۔ وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیے تمہارے فائدے کیلئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (طرح زمین سے) جوڑے گوناں گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بے شک اس میں (ہماری قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کیلئے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔"

خدا کی ذات سے انکار:

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون نے صانع کے اثبات کا انکار کر دیا اور کہا:

فمن ربکما یموسی۔ قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی۔

ترجمہ: "فرعون نے پوچھا: موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے

عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی۔"

یعنی ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کیلئے مخصوص اعمال، رزق اور مدت قیام مقرر فرمائی۔ اور ان تمام چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ پھر ہر فرد مخلوق کو اس کے مقررہ کام، رزق اور دائرہ عمل کی طرف رہنمائی فرمائی۔ چونکہ اس کا علم مکمل ہے اس لیے ہر چیز اس کی قدرت اور مقررہ انتظام کے تحت سرگرم عمل ہے اور نظام کائنات مشیت ایزدی کے مطابق اپنے پروگرام کی مکمل مطابقت کر رہا ہے۔ کہیں کوئی بدنظمی اور کہیں بھی رخنہ نہیں ہے۔

جیسا کہ اس مفہوم کی ایک دوسری آیت میں کہا گیا ہے۔

سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی و الذی قدر فھدی۔ ﴿سورۃ الاعلیٰ﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا۔ پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے راہ دکھائی۔"

یعنی ایک اندازہ مقرر فرما کر تمام مخلوق کی اس اندازے کی طرف رہنمائی کی۔

قال فما بال القرون الاولی۔ ترجمہ: "اس نے کہا: (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا؟" یہ بات فرعون نے حضرت موسیٰ ؑ سے پوچھی۔ کہنے لگا: جب آپ کا رب خالق ہے مقدر ہے ہادی ہے اور تمام مخلوق کو ایک مقررہ نظام کے تحت چلانے والا ہے اور وہ اتنی بڑی شان کا مالک ہے کہ تمہارے خیال میں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو پہلے لوگوں نے اسے چھوڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کی؟ کیوں انہوں نے کواکب اور اس کے مد مقابل دوسرے معبودوں کو پوجا؟ کیا وجہ ہے کہ پہلی قوموں میں سے کسی کو اس نظام حیات تک رسائی نہ ہو سکی جس کی بات تو کرتا ہے۔

قال علمھا عند ربی فی کتاب لا یضل ربی و لا ینسی۔

ترجمہ: "فرمایا: ان کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے۔"

یعنی اگر پہلی قوموں نے کسی غیر کی عبادت کی تو یہ چیز تیرے لیے دلیل تو نہیں، اور نہ ان کی بت پرستی میرے کلام کے خلاف حجت تسلیم ہو سکتی ہے، اگر انہوں نے بتوں کی پرستش کی تو وہ بھی تیرے طرح جاہل تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا اب چھوٹا بڑا ان کے نامہ اعمال میں درج ہو چکا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں ان اعمال کی پوری پوری سزا دے گا اور کسی پر ذرا برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

کیونکہ انسان کے تمام اعمال ایک کتاب میں درج ہیں، نہ ان میں سے کوئی چیز بھلائی جا سکتی ہے اور نہ علم خداوندی سے باہر ہو سکتی ہے۔

عظمت الوہیت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اشیاء کی تخلیق کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کی نشانیوں کو گننا شروع کیا۔ فرمایا: میرا رب وہ ہے جس نے زمین کو بچھونا، آسمان کو محفوظ چھت اور انسانوں، حیوانوں اور دوسری مخلوق کی خوراک کیلئے بادلوں کو مسخر کر کے جہاں جہاں ضرورت تھی خوب بارش برسائی۔ جس طرح فرمایا: کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذالک لایات لاولی النھی۔ یعنی "خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بے شک اس میں (ہماری قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کیلئے۔" یعنی وہ لوگ جو عقل مند ہیں صحیح سوچ اور پختہ فکر کے مالک ہیں جن کی فطرت خارجی عوامل سے مسخ نہیں ہوئی بلکہ اچھی سیرت کے مالک ہیں اور روشن خیالات کو طبعاً پسند کرتے ہیں، ان لوگوں کیلئے کائنات میں معرفت خداوندی کا بہت سارا سامان موجود ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ...... و انتم تعلمون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کیلئے۔ پس نہ ٹھہراؤ اللہ کیلئے مدمقابل اور تم جانتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے بارش کے ساتھ زمین کو زندہ فرمانے اور اسے انواع و اقسام کے پھل اور سبزیوں سے مزین کر دینے کو بیان کرنے کے بعد معاد کا ذکر فرمایا:

منھا خلقنکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخری۔

ترجمہ: "اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔"

ھا ضمیر کا مرجع زمین ہے۔ ایک اور جگہ معاد کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: کما بدا کم تعودون۔ ترجمہ: "جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمہیں ویسے ہی تم لوٹو گے۔"

و ھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ و ھو اھون علیہ و لہ المثل الاعلی فی السموت والارض و ھو العزیز الحکیم۔ ﴿سورۃ روم﴾

ترجمہ: "اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے۔ اور اسی کیلئے برتر شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب حکم والا ہے۔"

فرعون کا چیلنج منظور:

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و لقد اریناہ آیاتنا کلھا ...... فجمع کیدہ ثم اتی۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا کہنے لگا: موسیٰ! کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے سو ہم بھی لائیں گے، تیرے مقابلے میں جادو ویسا ہی پس اب مقرر کرو، ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھر سے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا: تمہارا چیلنج منظور ہے جشن کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔"

فرعون کی بدبختی، جہالت اور کج فہمی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس ظالم نے اللہ کے برگزیدہ رسولوں کی زبان اقدس سے آیت الٰہی کو سنا لیکن کلام مقدس کی تکذیب کر دی اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کو اپنی عظمت شان کے منافی خیال کر بیٹھا۔ بدبختی نے اس کی آنکھوں کے سامنے دبیز پردے لٹکا دیے۔ ید بیضا اور عصا جیسے ظاہر و باہر معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا اور کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔ ہم سحر (جادو) میں اس کا مقابلہ کریں گے اور اس پر بازی لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج کر دیا کہ وقت اور جگہ مقرر کرو۔ ہمارے جادوگر تمہارے شعبدوں کا جواب دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو یہی چاہتے تھے کہ مصر کے تمام لوگ اکٹھے ہوں تاکہ میں ان کے سامنے اللہ کی آیات بینات اور براہین ساطعہ کا اظہار کر سکوں۔ آپ علیہ السلام نے فرعون کا چیلنج قبول کرتے ہوئے فرمایا: موعدکم یوم الزینۃ ترجمہ: "(تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں۔"

مصریوں کی ایک عید کا دن قریب تھا۔ اس دن تمام لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوتے اور خوشیاں

مناتے تھے۔ یہی دن مقابلے کیلئے مقرر ہوا۔ آپ نے فرمایا: و ان یحشر الناس ضحی ترجمہ: ’’اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔‘‘ یعنی دن شروع ہوتے ہی جب سورج کی روشنی ہر طرف پھیل چکی ہوتا کہ حق کسی سے پوشیدہ نہ رہے۔ سب لوگ اسے ظاہر و باہر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ آپ علیہ السلام نے رات کا وقت منتخب نہ کیا، بلکہ دن کا وقت اور وہ بھی نہایت روشن وقت مقرر کیا کیونکہ آپ کے پیغام میں کہیں کوئی اشتباہ اور جھوٹ نہیں تھا بلکہ آپ کا پیغام حق اور سچ تھا۔ آپ کو کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور کلمہ حق کو ضرور بلند کرے گا اور قبطی ذلت و رسوائی کا سامنا کریں گے۔

جادوگروں سے مقابلہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فتولی فرعون فجمع کیدہ ثم اتی۔ ———— و قد افلح الیوم من استعلی۔ ﴿سورۂ طہٰ﴾

ترجمہ: ’’پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔ فرمایا: ان فرعونیوں کو موسیٰ نے کم بختو! نہ بہتان باندھو، اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے، اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ پس وہ جھگڑنے لگے، اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے بے شک یہ جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب و ثقافت کے مثالی طریقوں کو۔ پس یکجا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے۔ اور کامیاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرعون کے بارے بتا رہا ہے کہ وہ چلا گیا اور اپنے ملک سے سارے جادوگر بلا بھیجے۔ ان دنوں مصر جادوگری کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ وہاں بڑے بڑے ماہر جادوگر تھے جو اپنے فن میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ فرعون نے مصر کے کونے کونے سے جادوگروں کو بلا بھیجا۔ عید کا دن تھا اور اس دن فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان فیصلہ ہونا تھا، اس لیے پورا مصر یہاں امنڈ آیا۔

کہتے ہیں کہ میدان میں اسی ہزار آدمی اس مقابلے کو دیکھنے آئے تھے۔ یہ قول محمد بن کعب کا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ستر ہزار آدمی اکٹھے ہوئے۔ یہ قول قاسم بن ابی بردہ کا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔ ابی امامہ سے روایت ہے کہ یہ انیس ہزار افراد

تھے۔ محمد بن اسحاق پندرہ ہزار اور کعب الاحبار بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد چالیس ہزار تھی، جن کی حیثیت فرعون کے غلاموں کی سی تھی۔ فرعون نے ان غلاموں کو جادو سیکھنے کیلئے بھیجا تھا، اس لیے انہوں نے کہا:

و ما اکرھتنا علیہ من السحر ترجمہ: ’’اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔‘‘ خود فرعون، امراء حکومت کے کارندے اور شہر کے لوگ سب کے سب حاضر ہوئے، کیونکہ فرعون نے منادی کرا دی تھی کہ مصر کے سارے لوگ اس میدان میں اکٹھے ہوں گے۔ لوگ آئے تو کہہ رہے تھے: لعلنا نتبع السحرۃ ان کانوا ھم الغالبین۔ ترجمہ: ’’شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلہ میں) غالب آ جائیں۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کی طرف بڑھے انہیں نصیحت کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے معجزوں اور دلائل حق کے مقابلے میں باطل شعبدہ بازی پر جھڑکا اور فرمایا:

و یلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب و قد خاب من افتری فتنازعوا امرھم بینھم

ترجمہ: ’’فرمایا: ان فرعونیوں کو موسیٰ نے کم بختو! نہ بہتان باندھو، اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے، اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ پس وہ جھگڑنے لگے، اس کام کے متعلق آپس میں۔‘‘

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ گفتگو اللہ کے پاک نبی کی ہے جادوگر کی نہیں۔ کسی نے کہا نہیں موسیٰ نبی نہیں، ہماری طرح کا ماہر جادوگر ہے۔ واللہ اعلم

جادوگر چھپ چھپ کر ایک دوسرے سے مشورے کرتے رہے کہ اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

قالوا ان ھذان لساحران یریدان ان یخرجاکم من ارضکم بسحرھما

ترجمہ: ’’وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں نکال دیں تمہیں ملک سے اپنے جادو کے زور سے۔‘‘

یعنی موسیٰ اور ان کا بھائی ہارون دونوں بہت ماہر، فن سحر کی باریکیوں سے واقف اور کامل دسترس کے حامل جادوگر ہیں۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ ہو جائیں وہ بادشاہ

ما جئتم بہ السحر۔ ان اللہ سیبطلہ۔ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین و یحق اللہ بکلمتہ ولو کرہ المجرمون۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "یہ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دے گا اسے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ ناپسند ہی کریں (اے) مجرم۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

او حینا الی موسی ان الق عصاک ...... رب موسی و ھرون۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالیے اپنا عصا تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل و خوار ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا پھینکا تو وہ ٹانگوں والا سانپ بن گیا جیسا کہ کئی علمائے متقدمین نے فرمایا ہے۔ اس سانپ کی گردن بہت بڑی بڑی تھی۔ شکل نہایت خوفناک اور ڈروادنی تھی۔ جونہی لوگوں کی نظر پڑی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے اور دور جا کر تماشا دیکھنے لگے۔ ہر شخص کانپ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اتنا مہیب سانپ کہاں سے آ گیا۔ یہ اژدھا آگے بڑھا اور ایک ایک کر کے جادوگروں کے جھوٹے اور بناوٹی سانپوں کو نگلنے لگا۔ لوگ یہ کھلا معجزہ دور کھڑے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ جادوگروں نے جب اس بلائے ناگہانی کو دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک چھوٹی سی لاٹھی اتنا بڑا اژدھا بن جائے گی۔ فن جادوگری میں ایسا کمال ممکن نہ تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ جادو نہیں۔ یہ فن کی کرشمہ سازی اور شعبدہ بازی نہیں۔ یہ جھوٹ فریب، حیلہ اور مکر نہیں، حق ہے اور خدائی قوت کی ایک جھلک۔ اللہ نے ان کے دلوں سے غفلت کے پردے ہٹا دیے۔ اور ان کے دل کی سختی کو دور کرتے ہوئے فطرت سلیمہ اور ضمیر کو نئی زندگی دے دی اور مسخ شدہ طبیعت اللہ کے اذن سے اجلی اور صاف ہو گئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے اور اس کے حضور پیشانیاں سجدے میں رکھ دیں بلا خوف و خطر علی الاعلان کہنے لگے: آمنا برب موسی و ھارون۔ ترجمہ: "(اے لوگو سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔"

انہوں نے سب اندیشوں سے بے نیاز ہو کر۔ فرعون کی سختیوں اور مصیبتوں کو حقیر جانتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا برملا اظہار کر دیا۔ فرعون آپے سے باہر ہو گیا اور انہیں قتل کی دھمکی دی لیکن وہ حق کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے۔

جادوگروں کا ایمان لانا اور فرعون کو قتل کی دھمکی:

فالقی السحرۃ سجدا قالوا آمنا ...... من تزکی۔ ﴿سورۂ طٰہ﴾

ترجمہ: "پس گرا دیے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (برملا) کہہ دیا (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر فرعون کو یارائے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی۔ وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر۔ اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔ انہوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہمارے خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بے شک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لیے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہو گا اور جو شخص حاضر ہو گا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ وہ ہیں جن کے لیے بلند درجات ہیں۔ یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے پاک رکھا۔)"

حضرت سعید بن جبیر، عکرمہ، قاسم بن ابی بردہ، اوزاعی رضی اللہ عنہم وغیرہم فرماتے ہیں کہ جب جادوگروں نے بارگاہ خداوندی میں سجدہ کیا تو انہیں جنت میں اپنا ٹھکانا اور محل نظر آئے جو اللہ نے ان کے لیے تیار فرما رکھے تھے۔ اور ان کی خاطر انہیں خوب سجایا گیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے فرعون کی تہدید و وعید اور اس کے مظالم کی کوئی پروا نہ کی۔

جب فرعون نے دیکھا کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے معجزے کی تعریف کر رہے ہیں اور ان کی صداقت کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو وہ ڈر گیا کہ کہیں حکومت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اگرچہ وہ حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا ہے وہ حق کا ترجمان ہے جادو یا شعبدہ بازی نہیں ہے لیکن اسی مجمع میں لوگوں کو مخاطب کیا اور انہیں دھوکہ دینے کی خاطر کہنے لگا: امنتم له قبل ان اذن لکم۔ ترجمہ: ''فرعون بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی۔''

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کا ایک دوسرا ترجمہ کرتے ہیں) یعنی اے جادوگرو میری رعایا کے سامنے تم نے جو موسیٰ پر ایمان لانے کا یہ خطرناک کام کیا ہے اس میں میرے ساتھ مشورہ کیا ہے؟ تم نے میری اجازت کے بغیر اتنا بڑا اقدام اٹھالیا۔ پھر انہیں دھمکی دی۔ گرجا اور گرجا اور جھوٹ بولتے ہوئے الزام دینے لگا: انه لکبیر کم الذی علمکم السحر۔ ترجمہ: ''وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن)۔''

سورۃ اعراف کے الفاظ یہ ہیں:

ان هذا لمکر مکرتموه فی المدینة لتخرجوا منها اهلها فسوف تعلمون۔

ترجمہ: ''بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں۔ تا کہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو۔ ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

دراصل یہ بہتان تھا ہر عقلمند سمجھ رہا تھا کہ فرعون مکر کر رہا ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے اور بے تکی باتوں پر اتر آیا ہے۔ بلکہ اتنا کھلا بہتان تو معصوم بچے بھی سمجھ جاتے ہیں۔ اس کے درباری اور مصر کے دوسرے لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا شاید اس نے تو انہیں اس سے پہلے دیکھا بھی نہ ہو پھر یہ ان کا بڑا استاد کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر ان جادوگروں نے تو یہ مقابلہ منعقد نہیں کروایا۔ یہ تو فرعون کے حکم سے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا ہے اور دور دراز سے چن چن کر ماہر جادوگر اسی کے حکم سے آئے ہیں۔ اس نے نہ کوئی شہر چھوڑا ہے نہ قریہ نہ مصر کے گلی کوچے چھوڑے ہیں نہ اطراف و جوانب کی بستیاں چھوڑیں اور نہ خانہ بدوش قبائل جہاں کہیں سے کسی ماہر جادوگر کا پتہ چلا اسے یہاں دعوت دی ہے۔ پھر یہ کیوں کہتا ہے کہ ان سب کا استاد موسیٰ ہے اور انہوں نے یہ اجتماع فرعون کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے کروایا ہے۔ سب لوگ جانتے تھے کہ حقیقت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثم بعثنا من بعدهم موسی ۔۔۔۔۔۔ و توفنا مسلمین۔ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: ''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا۔ سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگار عالم کا واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدہا بن گیا اور نکالا اپنا ہاتھ گریبان سے تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے تا کہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر جادوگر کو اور آ گئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہیے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں فرعون نے کہا بیشک اور (اس کے علاوہ) تم خاصان بارگاہ سے ہو جاؤ گے۔ جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا۔ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل و خوار ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا۔ بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تا کہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو۔ ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے) کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو۔ وہ بولے (پرواہ نہیں) ہم تو اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں اور تو ناپسند کرتا ہے ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے

رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔"

✿ سورۂ یونس میں فرمان خداوندی ہے:

ثم بعثنا من بعده رسلا الى قومهم .... ولو كره المجرمون۔

ترجمہ: "پھر ہم نے بھیجے حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد اور رسول ان کی قوموں کی طرف پس وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ جھٹلا چکے تھے پہلے یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ تو فرعونیوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پھر جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا (سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر۔ کہنے لگے کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس تاکہ ہٹا دو ہمیں اس (دین) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لیے بڑائی سرزمین (مصر) میں اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے۔ اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر جب جادوگر آ گئے تو کہا انہیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالو (میدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب ڈال دیا انہوں نے تو موسیٰ نے فرمایا: یہ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دے گا اسے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو۔ اور اللہ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ برا مانیں مجرم"

✿ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قال اولو جئتك بشيء مبين۔ .... ان كنا اول المؤمنين۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "فرمایا: اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدہا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے۔ (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے۔ تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونے کونے سے)

تمام ماہر جادوگر۔ الغرض جمع کر لیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔ اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا: پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا۔ پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے۔ انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العٰلمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے۔ ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں۔"

مقصود یہ ہے کہ فرعون نے کذب و افتراء سے کام لیا اور یہ کہتے ہوئے کفر کی انتہاء کر دی کہ:

الله لكبيركم الذى علمكم السحر۔

ترجمہ: "وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو کا (فن)۔"

فرعون ظالم نے اللہ کے محبوب بندے پر بہتان لگایا اور ایک ایسی بے بنیاد بات کی جسے معمولی عقل و فکر کے لوگ بھی سمجھ سکتے تھے کہ یہ محض بہتان ہے اس نے کہا:

ان هذا لمكر مكرتموه فى المدينة لتخرجوا منها اهلها فسوف تعلمون۔

﴿الاعراف﴾

ترجمہ: "بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو۔ ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

اور ساتھ یہ دھمکی دی:

لا قطعن ایدیکم و ارجلکم من خلاف۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾ ترجمہ: ”میں (پہلے) کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں سے“

یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا اس کے برعکس بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں ”ثم لا صلبنکم اجمعین۔ “ ترجمہ: ”پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو“ یعنی تمہارا مثلہ کر دوں گا اور تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا تا کہ رعیت میں کسی کو یہ جرأت نہ ہو اسی لیے کہا:

ولا صلبنکم فی جزوع النخل۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾ ترجمہ: ”اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر“ کیونکہ کھجور بہت بلند درخت ہے اس لیے اس نے یہ الفاظ کہے:

ولتعلمن اینا اشد عذابا و ابقی۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔“

قالوا لن نؤثرک علی ما جاء نا من البینت والذی فطرنا۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”انہوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں۔“

یعنی ان آیات بینات اور قطعی دلیلوں کو چھوڑ کر ہم تیری اطاعت ہرگز قبول نہیں کریں گے ”والذی فطرنا“ میں یا تو واؤ عطف کے لیے ہے یا قسم کے لیے (اردو ترجمہ واؤ قسمیہ کا کیا گیا ہے۔ اگر اسے عطف کی واؤ مانا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا ہم تجھے روشن دلیلوں اور اس طبیعت پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی ہے۔) ”فاقض ما انت قاض“ ترجمہ: ”پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے (ہمیں ذرا پرواہ نہیں)“ یعنی تو جو کر سکتا ہے کر گزر

انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا۔ ترجمہ: ”تو اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔“ اور جب ہم آخرت کے گھر کو چل دیں گے تو اس کے بعد صرف اس کے حکم کے پابند ہوں گے جس کے حضور ہم نے اپنی گردنیں جھکا کر اسے برحق خدا مان لیا ہے اور اس کے رسولوں کی اتباع کر رہے ہیں۔

انا آمنا بربنا لیغفرلنا خطینا وما اکرھتنا علیہ من السحر۔ واللہ خیر و ابقی۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ”یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہمارے خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔“

یعنی اللہ پر ایمان کا ثواب تیرے قرب کے وعدوں اور ترغیب سے بہتر ہے۔ اور آخرت کی زندگی اس دار فانی کی نسبت باقی رہنے والی ہے ایک دوسری آیت کے الفاظ یہ ہیں:

قالوا لاضیر انا الی ربنا منقلبون۔ انا نطمع ان یغفر لنا ربنا خطایانا۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ”انہوں نے جواب دیا ہمیں اس کی ذرا پرواہ نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں۔“

یعنی اس سے پہلے جو ہم سے جرم سرزد ہوئے اور ہم جن حرام کاریوں کا ارتکاب کرتے رہے امید ہے اللہ تعالیٰ وہ ہمیں بخش دے گا۔

ان کنا اول المؤمنین۔ ترجمہ: ”کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں۔“

یعنی قبطی قوم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہم پہلے لوگ ہیں۔

۞ ان پاکباز بندوں نے فرعون سے یہ بھی کہا:

وما تنقم منا الا آمنا بآیات ربنا لما جاء تنا۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ”اور تو ناپسند کرتا ہے ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس“

یعنی اس کے سوا ہمارا اور کوئی جرم نہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کے پیغام پر ایمان لائے ہیں اور اس کے نازل کردہ کلام کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔

ربنا افرغ علینا صبرا۔ ترجمہ: ”اے ہمارے رب انڈیل دے ہم پر صبر“

یعنی اس دشمن دین و ایمان جبار بادشاہ کی طرف سے جس ابتلاء اور آزمائش کا ہمیں سامنا ہے اس پر ہمیں ثابت قدمی عطا فرما دے اور اس سخت گیر حاکم اور شیطان صفت انسان کی سختیاں ہمارے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

وتوفنا مسلمین۔ ترجمہ: ”اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔“

وہ نیک بخت فرعون سے مخاطب ہوئے اسے نصیحت کی اور خدا قادر و عظیم کے عذاب سے اسے ڈراتے ہوئے فرمایا:

انہ من یات ربہ مجرما فان لہ جھنم لا یموت فیھا ولا یحیی۔ ترجمہ: ”بیشک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لیے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور

نہ وہ زندہ ہوگا۔"

اے فرعون سوچ کہیں تو بھی دائمی عذاب کا مستحق نہ قرار پا جائے۔ لیکن وہ نہ مانا اور ابدی عذاب کا مستحق قرار پایا۔ کہنے لگے: ومن یاته مؤمنا قد عمل الصالحات فاولئك لهم الدرجت العلی۔ ترجمہ: "اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ وہ (سعادت مند) ہیں جن کے لیے بلند درجات ہیں۔"

جنات عدن تجری من تحتها الانهار خالدین فیها و ذالك جزآء من تزکی۔

ترجمہ: "یعنی دابہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا"

اے فرعون تجھے تو ایسے خوش بختوں کی صف میں شامل ہونا چاہیے۔ لیکن فرعون اور ایمان کے درمیان تقدیر کے فیصلے حائل ہو گئے جنہیں نہ تو مغلوب کیا جا سکتا تھا اور نہ ٹالا جا سکتا تھا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ فرعون لعین جہنم رسید ہو دائمی عذاب اس کا مقدر ہو اس کے سر پر جہنم کا کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے اور اسے سرزنش کے لہجے میں کہا جائے کہ اے لعین کم بخت، کمینے اور قبیح شخص

ذق انك انت العزیز الكریم۔ ﴿سورۃ الدخان﴾ یعنی "تو چکھ تو بڑے معزز و مکرم ہو"

اس سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون لعین نے انہیں پھانسی پر لٹکا کر اذیتیں دیکر شہید کر دیا ہوگا۔ (رضی اللہ عنہم)

حضرت عبداللہ بن عباس، عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: کہ وہ صبح جادوگر تھے لیکن دن کے آخری حصے میں نیک شہداء بن گئے۔

✿ یہ آیت کریمہ بھی اس نظریے کی تائید کرتی ہے۔

ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین۔

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں مسلمان اٹھا۔"

جب یہ عظیم واقعہ رونما ہوا یعنی قبطی کھلے میدان میں مغلوب و مقہور ہوئے اور جادوگر جو ان کی مدد کو آئے تھے مسلمان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کی پیروی کرنے لگے تو پھر بھی ان ظالم قبطیوں کی آنکھیں نہ کھلی بلکہ ان کے کفر و عناد اور حق سے روگردانی میں اضافہ ہوا۔

✿ اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وقال الملا من قوم فرعون .... كيف تعملون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور کہا قوم فرعون کے سرداروں نے (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو۔ اس نے (برافروختہ ہو کر) کہا (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو۔ اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے (مخصوص) ہے قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اسکے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

قال سنقتل ابناء هم و نستحی نساء هم۔

ترجمہ: "(اس نے برافروختہ ہو کر) کہا (ہرگز نہیں) بلکہ ہم تہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو۔"

وانا فوقهم قاهرون۔ ترجمہ: "اور ہم بیشک ان پر غالب ہیں۔"

قال موسی لقومه استعینوا بالله و اصبروا۔

ترجمہ: "فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ تعالیٰ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔"

ان الارض یورثها من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین۔ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے (مخصوص) ہے۔"

"قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس"

"آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

اللہ قوم فرعون کے سرداروں کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے۔ انہیں لوگوں کی بات کو فرعون وزن دیتا

تھا کیونکہ وہ سراپا اطاعت تھے اور ظلم میں فرعون کا ساتھ دیتے تھے۔ فرعون کو ابھارنے لگے کہ موسیٰ کو ڈھیل دی جائیں اور اس کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا جائے۔ جگہ جگہ اس کی مخالف ہو۔ اس کا جینا دوبھر کر دیا جائے ورنہ ہماری سیادت خطرے میں ہے۔

قال الملاء اتذر موسیٰ و قومه لیفسدوا فی الارض و یذرك و آلهتك۔

ترجمہ: اور کہا قوم فرعون کے سرداروں نے (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تا کہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو"

ان بدبختوں کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعوت دینا بت پرستی سے روکنا اور صرف خدائے یکتا کی عبادت کا پیغام دینا فتنہ و فساد ہے۔ اور قبطیوں کا جو عقیدہ اور نظریہ ہے وہی صحیح ہے۔ بعض لوگوں نے اسے "الاهتك" بھی پڑھا ہے یعنی تیری عبادت۔ اور اس میں دونوں احتمال صحیح ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ چھوڑے رہے تیرے دین کو۔ دوسری قرأت اسی معنیٰ کو تقویت دیتی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ چھوڑے رہے تیری عبادت کو۔ کیونکہ فرعون کا گمان تھا کہ وہ معبود ہے۔ لعنہ اللہ

قال سنقتل ابناء هم و نستحی نساء هم۔

ترجمہ: "(اس نے برافروختہ ہو کر) کہا (ہرگز نہیں) بلکہ ہم تہہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو"

و انا فوقهم قاهرون۔ ترجمہ: "اور ہم بیشک ان پر غالب ہیں۔"

قال موسیٰ لقومه استعینوا بالله و اصبروا۔ ترجمہ: "فرمایا: موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ تعالیٰ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔" یعنی جب تمہیں فرعونی اذیت اور تکلیف دیں تو اپنے رب سے مدد کے لیے درخواست کرو اور ان کی سختیوں کے وقت ہمت اور حوصلے سے کام لو۔

ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے (مخصوص) ہے۔"

یعنی تم متقی بن جاؤ تو تمہارا انجام بہت اچھا ہوگا جیسا کہ ایک آیت کریمہ میں بیان فرمایا:

وقال موسی یا قوم ان کنتم آمنتم بالله فعلیه توکلوا ان کنتم مسلمین فقالوا علی الله

توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین و نجنا برحمتك من القوم الکافرین۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم و ستم) سے۔"

قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس"

یعنی آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی ہمارے بچوں کا قتل عام ہوا اور اب پھر اسی ظلم و ستم کا سلسلہ جاری ہو رہا ہے۔

قال عسیٰ ربکم ان یهلك عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

✿ اللہ تعالیٰ سورۃ مومن میں فرماتا ہے:

و لقد ارسلنا موسی بآیاتنا و سلطان مبین الی فرعون و هامان و قارون فقالوا ساحر کذاب۔ ترجمہ: "اور بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔"

فرعون بادشاہ تھا۔ ہامان اس کا وزیر اور قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اسرائیل کا ایک امیر کبیر شخص تھا لیکن وہ بھی فرعون اور دوسرے قبطیوں کے دین پر۔ اس کے پاس بے انتہاء مال تھا جیسا کہ بعد میں تفصیل سے بیان ہوگا۔

فلما جاء هم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین آمنوا معه و استحیوا نساء هم و ما کید الکافرین الا فی ضلال۔ ﴿سورۃ مومن﴾

ترجمہ: "پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا

کہ قتل کر ڈالوں ان لوگوں کے بچوں کو جوان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر رائیگاں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بچوں کا قتل بنی اسرائیل کی اہانت، تذلیل اور ان کی تعداد کو کم کرنے کی غرض سے تھا تا کہ ان میں مقابلے کی طاقت پیدا نہ ہو اور قبطیوں کے خلاف برسرپیکار نہ ہوں۔ کیونکہ قبطیوں کو ہمیشہ یہی ڈر کا لگا رہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بڑھ گئی تو وہ غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکیں گے۔ لیکن ان کے سارے فریب رائیگاں گئے اور تقدیر کے فیصلے ٹل نہ سکے۔

وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظہر فی الارض الفساد۔ ﴿سورۃ المومن﴾

ترجمہ: "اور فرعون نے (جھنجلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کیلئے) مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں"

اسی لیے لوگ مذاقاً کہتے ہیں کہ "فرعون نصیحت قبول کرنے والا بن گیا" فرعون خود ڈرا کہ کہیں موسیٰ لوگوں کو گمراہ نہ کر دے۔

✿ اللہ تعالیٰ سورۂ مومن میں فرماتا ہے:

وقال موسیٰ انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب۔

ترجمہ: "اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔"

تین خوش نصیب ایمان لانے والے:

وقال رجل مؤمن من ال فرعون ...... الا سبیل الرشاد۔ ﴿سورۂ مومن﴾

ترجمہ: "اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (اسے اپنے حال پر رہنے دو) اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا اور تم نے اس کو گزند پہنچائی تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہے۔ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے۔ (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے

عذاب سے اگر وہ ہم پر آ جائے (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف"

یہ شخص جس نے فرعون کو منع کیا تھا رشتے میں فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور کافروں سے اپنا چھپائے ہوئے تھا کیونکہ یہ جانتا تھا کہ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ ایمان لا چکا ہے تو اسے جان سے مار ڈالیں گے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ وہ فرعون کا چچازاد نہیں ایک اسرائیلی تھا۔ لیکن سیاق کلام لفظاً اور معناً بتاتا ہے کہ یہ توجیہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قبطیوں میں سے ایک تو یہی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا دوسرا وہ شخص جو شہر کے آخری کنارے سے دوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کرنے آیا تھا کہ فرعون تجھے قتل کرنا چاہتا ہے اور تیسری خوش نصیب فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لائیں۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

دار قطنی کہتے ہیں کہ آل فرعون کے مومن کا نام "خیر" لکھا گیا ہے۔ (واللہ اعلم) بہر حال ان کا اسم گرامی جو بھی ہے وہ ایک سچے مسلمان تھے لیکن ایمان کو چھپائے ہوئے تھے جب فرعون لعین نے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے درباریوں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو یہ مسلمان تڑپ اٹھا۔ اور نہایت نرمی سے ترغیب و ترہیب کا انداز اپناتے ہوئے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھنے کے لیے گفتگو شروع کر دی اور مشورے اور رائے دینے کے لہجے میں اسے اس چیز سے روکا۔

حدیث میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین جہاد جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے" یہاں اس بندۂ خدا کا فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکنے کی کوشش کرنا بہت بڑا جہاد تھا۔ کیونکہ اس میں نبی کی عصمت پنہاں ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس شخص نے اپنے ایمان کا برملا اظہار کر دیا ہو اور آج تک جو کچھ چھپا تا رہا تھا اس کی تصریح کر دی ہو لیکن پہلا معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اس نے کہا: اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ ترجمہ: "کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔"

یعنی اس جرم کی سزا قتل تو نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اتنا بڑا جرم تو نہیں کہ ایک آدمی کو جان سے مار

ڈالا جائے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ تو احترام و اکرام کے لائق ہے یا زیادہ سے زیادہ اس سے ترک تعلق کرنا چاہیے انتقام نہیں لینا چاہیے۔ قد جاء کم بالبینات من ربکم۔ ترجمہ: "حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے۔"

یعنی معجزات جو اس کے پیغام کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں ے اس کے چھوڑ دینے میں ہی تمہاری سلامتی ہے۔ کیونکہ وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ۔ ترجمہ: "اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی۔" "اور تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وان یک صادقا۔ ترجمہ: "اور اگر وہ سچا ہوا۔" اور تم نے اس تعرض کیا تو یصبکم بعض الذی یعدکم۔ ترجمہ: "ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔"

اور تم جانتے ہو کہ جس عذاب کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے اس میں سے بہت کم تمہیں پہنچے۔ اگر پورا عذاب تم پر نازل ہو گیا تو تمہاری حالت کیا ہوگی؟ اس شخص کی گفتگو میں کمال فراست اور عقلمندی پائی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ اچھی اور دانش مندی پر مبنی گفتگو کا تصور بھی ممکن نہیں۔

اس مومن شخص نے فرعون اور اس کی قوم کو سمجھایا اور فرمایا:

یا قوم لکم الملک الیوم ظاھرین فی الارض۔

ترجمہ: "اے میرے قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں۔"

آپ انہیں ڈرا رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ حکومت باقی نہ رہے۔ کیونکہ جو حکومتیں دین سے تعرض کی روش اختیار کر لیتی ہیں ان کا ملک چھن جاتا ہے اور ان کی عزت ذلت میں بدل جاتی ہیں۔

فرعونیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور کلام ربانی کی مخالفت اور دشمنی کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے انہیں مصر سے نکالا۔ ان کے گھر، محلات، املاک، دولت و ثروت اور ملک پیچھے رہ گیا اور وہ ذلت آمیز طریقے سے دریائے نیل میں غرق ہو گئے۔ اور ان کی روحیں دنیاوی بلندی اور رفعت کے بعد اسفل السافلین کی طرف منتقل ہو گئیں۔ اسی لیے اس مومن، مصدق، نیک، متقی، حق کے تابع، قوم کے خیر خواہ اور نہایت ہی عقل مند شخص نے فرمایا تھا کہ اے میری قوم یہ حکومت چھن جائے گی آج جس ملک کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے کل کسی اور قوم کے ہاتھ میں ہوگی۔ فمن ینصرنا من باس اللہ ان جاءنا۔ ترجمہ: "(لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آ جائے۔"

اگرچہ آج تمہاری تعداد بھی بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ ہے اور تمہارے پاس قوت و طاقت

بھی ہے مگر پھر بھی یہ چیز تمہارے لیے سود مند ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ کائنات کے بادشاہ کے عذاب کو تم ٹالنے کی ہمت رکھتے ہو۔ قال فرعون۔ ترجمہ: "(یہ سن کر) فرعون کہنے لگا۔" یعنی اس شخص سے جو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روک رہا تھا۔ ما اریکم الا ما اری ترجمہ: "میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں۔" یعنی میرا فیصلہ تو یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ وما اھدیکم الا سبیل الرشاد۔ ترجمہ: "اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستے کی طرف۔"

فرعون نے اس شخص کی دونوں باتیں رد کر دیں اور دونوں تجویزوں سے اتفاق نہ کیا کیونکہ وہ پوری طرح جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے نبی ہیں اور فرعون محض ہٹ دھرمی، عناد اور کفر کی بنا پر آپ کی مخالفت کر رہا تھا۔

✿ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

قال لقد علمت ما انزل .... جنا بکم لفیفا۔ ﴿سورۃ بنی اسرائیل﴾

ترجمہ: "کلیم نے جواباً فرمایا: (اے فرعون!) میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ پس اس نے ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو۔ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر۔"

✿ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

فلما جاء تھم آیاتنا مبصرۃ قالوا ھذا سحر مبین۔ و جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما و علوا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے کھلا ہوا اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا کہ صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔"

فرعون نے جو یہ کہا (اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستے کی طرف) تو یہ بھی سب بک رہا تھا۔ وہ کسی صورت سیدھے راستے پر نہیں تھا۔ بلکہ گمراہی، جہالت اور وہم و گمان کی تمام

حدوں سے تجاوز کر گیا تھا۔ یہی وہ بخت انسان ہے جس نے سب سے پہلے بتوں اور مورتیوں کی پوجا شروع کی پھر اپنی قوم کو حکم دیا کہ میری اطاعت وفرمانبرداری کرو۔ چونکہ فرعونی جاہل اور گنوار تھے اس لیے انہوں نے اس کی اتباع کر لی اور کفر و سرکشی کی راہ پر دوڑ پڑے۔ وہ دعویٰ کرنے لگا کہ وہ خود رب ہے جس کی شان بہت بلند ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ بڑے جلال کا مالک ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و نادی فرعون فی قومہ .... سلفا و مثلا للاخرین۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: "اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار۔ یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے۔"

✿ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولقد ارسلنا موسی بآیاتنا .... بئس الرفد المرفود۔ ﴿سورۃ ہود﴾

ترجمہ: "اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔ وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا روز قیامت اور لا ڈالے گا انہیں آتش (جہنم) میں بہت بری داخل ہونے کی جگہ ہے جہاں انہیں داخل کیا جائے گا اور ان پر پھٹکی جاتی رہے گی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا۔"

بہرحال "ما اریکم الا ما اری" اور "وما اھدیکم الا سبیل الرشاد" میں فرعون کے جھوٹ کو بیان کیا جا رہا ہے۔

وقال الذی امن یقوم انی اخاف ...... علی کل قلب متکبر جبار۔ ﴿سورۃ مؤمن﴾

ترجمہ: "اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آ جائے۔ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا

جو ان کے بعد آئے اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے۔ جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (اے میری قوم!) بیشک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ) سے پہلے روشن دلائل لے کر، پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول۔ یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور (اور) سرکش دل پر۔"

اللہ تعالیٰ کے اس ولی نے انہیں ڈرایا کہ اگر انہوں نے اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو اس پر بھی وہ عذاب نازل ہوگا جو ان سے پہلے کئی قوموں پر نازل ہوا ہے جن کے حالات تواتر کے ساتھ ان تک اور دوسرے لوگوں تک پہنچے ہیں۔ اور انہیں بھی قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی قوموں کی طرح نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اللہ کے اس بندے نے انہیں بتایا کہ جب کوئی نبی آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلائل و براہین لے کر آتا ہے جو لوگ ان دلیلوں کے باوجود کفر و سرکشی کا راستہ اختیار کیے رکھتے ہیں انہیں عبرت کا سامان بنا کر رکھ دیا جاتا ہے اور جو خوش نصیب ایمان لاتے ہیں اور حق کی تصدیق کرتے ہیں انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ اور قیامت کے روز انہیں کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ وہ یوم التناد ہے یعنی اس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے لیکن کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ سب منہ پھیر کر چل دیں گے۔ اور کفار کے لیے بخشش کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یقول الانسان یومئذ این المفر۔ کلا لا [illegible] الی ربک یومئذ المستقر۔ ﴿سورۃ القیامۃ﴾

ترجمہ: "(اس روز) انسان کہے گا بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھہرنا ہوگا۔"

✿ فرمان خداوندی ہے:

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن۔ فبای الآء ربکما تکذبٰن۔ یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران۔ ﴿سورۃ الرحمٰن﴾

ترجمہ: "اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔"

بعض علماء نے "یوم التناد" کو دال کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔

یعنی فرار ہو جانے کا دن اس سے مراد وہ دن بھی ہو سکتا ہے جس دن ان پر عذاب نازل ہوا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اس دن عذاب سے بھاگنے کی کسی میں طاقت نہیں تھی:

فلما احسوا بأسنا اذا هم منها یرکضون لاترکضوا و ارجعوا الی ما اترفتم فیه و مساکنکم لعلکم تسئلون۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں۔ اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تا کہ تم سے باز پرس کی جائے۔"

پھر انہیں بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے قبل مصر میں نبی بن کر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے تم پر بڑا احسان فرمایا۔ دنیا اور آخرت میں ان لوگوں کو ان کی وجہ سے نوازا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کی نسل اور اولاد سے ہیں۔ اور وہ تمہیں اللہ کی توحید اور صرف اسی کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ تم غیر کی عبادت سے بچ جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ انہیں آگاہ کیا کہ اس وقت مصر کے لوگوں کے حالات کیا تھے۔ ان کی طبیعت میں بھی حق سے روگردانی اور انبیائے کرام کی مخالفت تھی۔ اسی لیے فرمایا:

فما زلتم فی شک مما جاء کم به حتی اذا هلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا۔

ترجمہ: "پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول۔"

یعنی تم نے ہر رسول کی تکذیب کی۔ اسی لیے فرمایا:

کذالک یضل الله من هو مرتاب الذین یجادلون فی آیات الله بغیر سلطان اتاهم۔

ترجمہ: "یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا ہے (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔"

یعنی اللہ کی حجت اور برہان اور توحید کے دلائل کو رد کر دیتے ہیں اور ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل اور حجت بھی نہیں ہوتی کہ جس کا سہارا لیں۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے۔ جو لوگ حق کو پہنچانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے اللہ ان سے محبت کا رشتہ توڑ لیتا ہے۔ کذالک یطبع الله علی کل قلب متکبر جبار۔ یعنی "اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور (اور) سرکش کے دل پر۔"

قلب کو مضاف بھی بتایا گیا ہے اور موصوف بھی۔ (یعنی دونوں قرآتیں قراء کے نزدیک معروف ہیں) دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے کا کوئی زیادہ فرق نہیں آتا۔ یعنی اسی طرح جب دل حق کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ تو ان پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ یعنی قبول حق کی توفیق ان سے واپس لے لی جاتی ہے۔

وقال فرعون یهامان .... وما کید فرعون الا فی تباب۔ ﴿سورۃ المومن﴾

ترجمہ: "اور فرعون نے کہا اے ہامان اٹھا میرے لیے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اپنی تباہی کے لیے۔"

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کی تکذیب کی اور کہا کہ موسیٰ اللہ کا فرستادہ نہیں اور اپنی قوم کو بھی اسی گمان میں مبتلا کیا اور جھوٹ و افترا کا سہارا لیتے ہوئے کہا:

ما علمت لکم من اله غیری فاوقدلی یهامن علی الطین فاجعل لی صرحا لعلی اطلع الی اله موسیٰ و انی لاظنه من الکاذبین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان اور اس پر اینٹیں پکا۔ میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر۔ شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔"

اسی مقام پر اس نے یہ بھی کہا: لعلی ابلغ الاسباب۔ اسباب السموٰت۔ ترجمہ: "میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمانوں کی راہوں تک۔"

یہاں اسباب سے مراد راستے ہیں۔ "فاطلع الی الٰہ موسیٰ" ترجمہ: "پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو" اور اس سے جا کر پوچھو کہ کیا واقعی تو نے موسیٰ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔" "و انی لاظنہ کاذبا" ترجمہ: "اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے" ایسے ہی جھوٹے دعوے کرتا پھرتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ دراصل فرعون کسی طریقے سے لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے روکنا چاہتا تھا۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و کذالک زین لفرعون سوء عملہ وصد عن السبیل وما کید فرعون الا فی تباب۔

ترجمہ: "اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے۔"

ایک قرآت "صدعن السبیل" بھی ہے (صاد کی زبر کے ساتھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ فرعون کا فریب باطل ہے۔ یعنی جس مقصد کو وہ حاصل کرنے کی خاطر اتنی سازشیں کر رہا ہے وہ مقصد اسے حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ آسمان تک اپنی قوت کے بل بوتے پر پہنچ جائے۔ یعنی آسمان دنیا پر۔ جب انسان اس آسمان تک نہیں پہنچ سکتا تو بلند و بالا آسمانوں تک کیسے پہنچنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ پھر اس سے آگے کی بلندیوں پر جھانکنے کا کیسے سوچ سکتا ہے جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی جانتا تک نہیں۔

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس محل سے مراد اس کا وہ محل ہے جو اس کے وزیر ہامان نے اس کے لیے تعمیر کیا تھا اور وہ اس قدر بلند تھا کہ کسی آنکھ نے اس سے پہلے اتنی بلند عمارت نہیں دیکھی تھی۔

یہ عمارت پختہ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اسی لیے کہا:

فاوقد لی یاھامان علی الطین فاجعل لی صرحا۔

یعنی "پس آگ جلا اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لیے اور ایک اونچا محل تعمیر کر۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل اینٹیں بنانے میں جتے رہتے۔ اور فرعون کی طرف سے جو تکالیف انہیں برداشت کرنا پڑتیں ان میں ان کی مدد نہ کی جاتی۔ اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ چیز انہیں نہ دی جاتی۔ اس ظالم بادشاہ نے ان کے لیے اینٹوں کی ایک تعداد مقرر کر رکھی تھی۔ وہ

تعداد انہیں ہر حالت میں پوری کرنا ہوتی۔ وہ مٹی بھی خود ڈھوتے۔ پانی کا بندوبست بھی انہیں کرنا ہوتا اور اس کے علاوہ اگر اور کوئی چیز ضرورت پڑتی تو بھی انہیں خود مہیا کرنا ہوتی۔ فرعون اور اس کے درباریوں کو تو اینٹوں سے غرض تھی۔ اگر وہ یہ کام پورا نہ کر سکتے تو ان کی حد درجہ کی اہانت کی جاتی اور انہیں سخت تکالیف اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اسی لیے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی تھی۔

اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا۔ قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس۔ آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور ان کا (جانشین) بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

آپ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ انجام کار تمہیں قبطیوں پر فتح حاصل ہوگی۔ اور ہوا بھی ایسے ہی۔ اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

اب ہم دوبارہ اس مومن کی نصیحت، موعظت اور احتجاج و دلائل کو بیان کرنے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

و قال الذی امن یقوم اتبعون .... بغیر حساب۔ ﴿سورۃ المومن﴾

ترجمہ: "اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے۔ اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب۔"

وہ مومن جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ مند ہو چکا تھا انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہا ہے۔ اور سیدھا راستہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع اور ان کے اس کلام کی تصدیق ہے جو وہ رب کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔ پھر اس مرد مومن نے انہیں اس دنیائے دوں اور جہان فانی سے کنارہ کشی کی دعوت دی۔ انہیں بتایا کہ اللہ کی رضا جوئی کی کوشش کرو کیونکہ نیک عمل ضائع نہیں جاتا۔ کائنات کا مالک تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ اجر

عطا فرماتا ہے اور وہ عادل اور منصف خدا برائی کا بدلہ صرف اتنا دیتا ہے جتنی کسی سے برائی سرزد ہوئی ہو۔ انہیں بتایا کہ آخرت وار بقا ہے۔ جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اسے بلند اور درجات پر فائز کیا جائے گا۔ اس کے لیے امن وسلامتی کا پیغام ہے اسے طرح طرح کی نعمتیں عطا ہوں گی اور ایسا رزق عطا کیا جائے گا جو کبھی باسی نہیں ہوتا۔ اور دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ابدی اور آخری نعمتیں بھی انہیں عطا کی جائیں گی۔

✿ پھر مرد مومن نے کفار کے طرز عمل کا بطلان ثابت کیا اور انہیں برائی کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

ویا قوم مالی ادعوکم الی النجوۃ ...... آل فرعون اشد العذاب۔ ﴿سورۃ المومن﴾

ترجمہ: ''اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھیراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں۔ اور میرا حال یہ کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں تو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے بندوں کو) پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے دوزخ کی آگ سے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں۔''

اللہ کا یہ بندہ تو انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلاتا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور جو کلمہ کن سے کسی بھی چیز کو پیدا کر سکتا ہے۔ بس وہ کن کہتا ہے تو سب کچھ ہو جاتا ہے اور وہ بد بخت کافر اللہ کے اس بندے کو فرعون جاہل گمراہ اور ملعون کی عبادت کی دعوت دیتے۔

اس لیے انہوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ''اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھیراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا

حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔''

پھر غیر خداؤں اور بتوں کی پوجا کا بطلان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان'' سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی) کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور آخرت میں۔ اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔'' یعنی یہ بت اس دنیا میں جب نہ کوئی تصرف کر سکتے ہیں اور نہ حکم دینے کی سکت رکھتے ہیں تو پھر یہ قیامت کے روز کیا فائدہ دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے، نیک اور بد سب کو رزق دیتا ہے۔ وہی ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ پھر انہیں مارے گا پھر زندگی عطا کرے گا۔ جو انبیاء کے پیروکار ہوں گے جنت میں جائیں گے اور جو ان کی نافرمانی کرنے والے ہوں گے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

پھر انہیں دھمکی دی اور کہا کہ اگر تم اسی طریقہ پر چلتے رہے ''تو عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا سارا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔''

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فوقاہ اللہ سیات ما مکروا۔ ترجمہ: ''پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا تھا۔''

یعنی جس عذاب میں کافر مبتلا ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو اس سے بچالیا اور فرعون کی باتوں کا اثر قبول کر کے اس سے حق سے روگردانی بھی نہ کی۔ دوسرے لوگ اگرچہ اسے فاسد خیالات اور دور از قیاس عقیدوں کی طرف بلاتے رہے لیکن اس نے اللہ کے نبی کی پیروی کی اور دائمی عذاب جہنم سے محفوظ رہا۔ اسی لیے فرمایا: ''و حاق'' بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا۔ ترجمہ: ''فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ سے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام۔''

یہ آیت کریمہ عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔ تفصیل ہماری تفسیر میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ واللہ الحمد

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو اتمام حجت کے بعد ہلاک فرمایا۔ پہلے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام جیسے دو جلیل القدر نبیوں کو بھیجا۔ انہیں محیر العقول معجزے دکھائے، ان کے دل سے شک وارتیاب کا غبار صاف کرنے کا پورا اہتمام کیا۔ انہیں ترہیب وترغیب کے ذریعے راہ حق کی طرف بلا کر حجت تمام کر دی جیسا کہ اللہ ارشاد ہے:

ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین ...... و کانوا قوما مجرمین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے سن لو ان کی بدفالی تو اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تا کہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔''

اللہ تعالیٰ آل فرعون کے ابتلاء کی خبر دے رہا ہے۔ آل فرعون سے مراد قبطی ہیں جو فرعون کے ہم قوم تھے۔ اور ''السنین'' سے مراد قحط سالی کے وہ سال ہیں جن میں مصر میں نہ تو کچھ پیداوار ہوئی اور نہ دودھ کی فراوانی رہی۔ ''ونقص من الثمرات'' سے مراد یہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے پھلوں میں کمی آ گئی۔ ''لعلهم يذكرون'' یعنی انہوں نے نفع حاصل نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ سرکشی اور کفر و عناد کو اختیار کیے رکھا۔

''فاذا جاء تهم الحسنة'' یعنی خوشحالی اور شادابی یا اس قسم کی کوئی اور چیز۔ ''قالوا لنا هذا'' ترجمہ: ''تو کہتے ہم مستحق ہیں اس کے'' یعنی اس کا ہم استحقاق رکھتے تھے اور یہی چیز ہمارے لائق تھی۔ ''و ان تصبهم سيئة يطيروا بموسى و من معه'' ترجمہ: ''اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے۔'' یعنی کہنے لگتے کہ یہ سب انہیں کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ خوشحالی کے وقت یہ نہیں کہتے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی ساتھیوں کی برکت کی وجہ سے ہے۔ بلکہ اس وقت اپنے استحقاق کے دعوے لے بیٹھتے ہیں۔ ان کے دل منکر ہیں وہ پرلے درجے کی متکبر اور حق سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نبی کو کوستے ہیں اور جب بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اسی لائق ہی تو تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الا انما طائرهم عند الله۔ ترجمہ: ''سن لو ان کی بدفالی تو (مکافات عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس ہے۔'' یعنی اس کا پورا بدلہ اللہ انہیں دے گا۔

وقالوا مهما تاتنا به من آية لتسحرنا بها فما نحن لك بمومنين۔

ترجمہ: ''اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تا کہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے۔''

آیات سے مراد معجزات ہیں۔ یعنی آپ جتنے معجزے دکھائیں ان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم کسی قیمت تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ کسی صورت تیری اتباع اور اطاعت نہیں کریں گے۔ جہان بھر کے معجزے بھی ہمیں اپنے عقیدے سے نہیں پھیر سکتے۔

اللہ تعالیٰ ان کے متعلق آگاہ فرماتے ہوئے کہتا ہے:

ان الذين حقت عليهم كلمة ربك لا يؤمنون ولو جاء تهم كل آية حتى يروا العذاب الاليم۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔''

مختلف قسم کے فرعونیوں پر عذاب:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فارسلنا عليهم الطوفان و الجراد و القمل و الضفادع و الدم آيات مفصلات فاستكبروا و كانوا قوما مجرمين۔

ترجمہ: ''پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔''

بہر حال فرعونیوں پر جو طوفان کا عذاب نازل ہوا، اور طوفان سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں آئمہ مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موسلا دھار بارش ہے جس سے آبادیاں غرق ہو گئیں اور کھیت پھل سب کا نام و نشان مٹ گیا۔

حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، سدی، ضحاک کا بھی یہی قول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد موت کی کثرت ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ طوفان سے مراد پانی اور طاعون کا دور دورہ اور فراوانی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد عام وبا ہے جس سے پورا مصر متاثر ہوا۔

علامہ ابن جریر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طوفان سے مراد موت ہے'' (لیکن یہ حدیث غریب ہے۔)

ٹڈی تو بالکل معروف چیز ہے۔ ابوداؤد، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ کے لشکر میں سب

سے زیادہ ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ٹڈی کھانے کو ترک کرنا طبعی نفرت کی وجہ سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے گوہ کا کھانا ترک فرمایا اور پیاز تھوم اور گندنا (بدبودار ترکاری جو پیاز اور تھوم سے ملتی جلتی ہے) سے پرہیز فرمایا۔

جیسا صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئے جن میں ہم ٹڈی کھاتے تھے۔ اس ضمن میں وارد ہونے والی احادیث اور آثار پر ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ٹڈی کا ریلا آیا اور ان کی کھیتیاں پھل، سبزہ سب کچھ چٹ کر گیا۔ مصر کی سر زمین میں سبزے کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

لفظ "قمل" سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق گندم سے نکلنے والا گھن ہے۔ آپ سے ایک دوسری روایت ہے کہ یہ ایک چھوٹی ٹڈی جس کے پر نہیں ہوتے۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور حسن فرماتے ہیں: "القمل" سے مراد سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے کیڑے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں: کہ "القمل" سے مراد پسو ہیں۔

علامہ ابن جریر عرب کے اصل باشندوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "القمل" سے مراد الحمنان یعنی چھوٹی چچڑی ہے جو عموماً گندگی کے ڈھیر میں ہوتی ہے۔ یہ چچڑی ان کے گھروں اور بستروں میں گھس گئی۔ جس کی وجہ سے قبطی سو نہیں سکتے تھے۔ رات دن انہیں ایک لمحہ بھی چین نصیب نہ ہو سکتا تھا۔

عطا بن سائب اس لفظ کی تفسیر جوں سے کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری بھی اس لفظ کو تخفیف سے پڑھتے ہیں۔ یعنی "القمل" (اس قرأت سے یقینی طور پر معنی جوں ہوگا۔)

"الضفادع" (مینڈک) معروف لفظ ہے۔ مصر میں مینڈکوں کی اس قدر بہتات ہوئی کہ قبطیوں کے کپڑوں، کھانے پینے کی چیزوں برتنوں میں ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک نظر آتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کھانے کے لیے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک گر پڑتا۔ رہا خون تو یہ عذاب بھی عام تھا۔ مصر کے پانی میں خون ہی خون ملا نظر آتا۔ نیل کا پانی سرخی مائل بہنے لگا۔ نہ کوئی نہر رہی نہ کنواں اور نہ کوئی اور جگہ جہاں سے پانی لیا جا سکتا ہو ہر جگہ بدبودار خون نظر آتا تھا۔

ادھر قبطیوں پر تو عذاب الٰہی کی یہ صورتیں نظر آ رہی تھیں لیکن بنی اسرائیل بالکل مطمئن اور محفوظ

تھے۔ ان میں سے کسی تکلیف اور مصیبت سے انہیں واسطہ نہیں تھا۔ در حقیقت یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جس سے خدائی طاقت کا ظہور ہو رہا تھا۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی تھی کہ نجات کے لیے اللہ کے نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ کو دیکھ کر ایمان لائے اور اپنے ایمان کا اظہار کیا تو ایک دفعہ فرعون بھی پیغام حق کی طرف پلٹا لیکن پھر اس نے ارادہ بدل لیا کفر پر قائم رہا اور شر و فساد کی راہ پر گامزن رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پے در پے کئی نشانیاں اسے دکھائیں۔ اسے قحط سالی نے آ لیا۔ پھر اس پر طوفان آیا۔ پھر ٹڈی نے سب کچھ چٹ کر دیا۔ جوؤں کا عذاب مسلط ہوا۔ مینڈکوں نے زندگی اجیرن کر دی خون کی وجہ سے پانی پینے کے قابل نہ رہا یہ سب حق کی واضح علامتیں تھیں۔ طوفان کی ہمہ گیری اور شدت کا یہ عالم تھا کہ زمین مصر پر پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ پھر جو پانی خشک ہوا تو زمین گویا مردہ ہو گئی ہو۔

قحط سالی کی وجہ سے کھیتی باڑی کا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لك و لنرسلن معك بنى اسرائيل۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔"

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ عذاب ٹل گیا۔ جب قبطی اپنے وعدے سے منحرف ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کا عذاب مسلط کر دیا ٹڈی دل نے سب درخت چٹ کر دیے۔ حتیٰ کہ لوہے کے دروازوں میں لگے لوہے کی کیلوں کو بھی چاٹنا شروع کر دیا اور قبطیوں کے گھروں کے اندر بھی ٹڈیاں گھس گئیں۔ مصری لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کرنے لگے اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی۔ عذاب ٹل گیا لیکن ان بدبختوں نے وعدہ وفا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جوؤں کا عذاب نازل کیا۔

محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلاں ٹیلے پر جا کر عصا مارو۔ آپ علیہ السلام تشریف لے گئے ٹیلے پر عصا کی ضرب لگائی۔ جوئیں نکلنے شروع ہو گئیں اور

دیکھتے ہی دیکھتے گھروں میں ہر جگہ جوئیں ہی جوئیں نظر آنے لگیں۔ کھانے کے برتن جوؤں سے بھر گئے اور سونا اور آرام کرنا مشکل ہو گیا۔

جب قبطی اس عذاب سے تنگ آئے تو پہلے کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی۔ وعدہ کیا کہ حضرت اب کی بار بے وفائی نہیں ہوگی دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔ عذاب کے ٹل جانے پر ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب بھیج دیا۔ گھروں میں مینڈکوں کی بہتات ہوگئی۔ کھانے پینے کی اشیاء اور برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ گھر میں کوئی کپڑا کوئی برتن مینڈکوں سے خالی نظر نہیں آتا تھا۔

جب قبطی قوم اس عذاب سے تنگ آ گئے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرنے لگے۔ آپ نے دعا کی۔ عذاب ٹل گیا لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور دین دشمنی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور عذاب مسلط فرما دیا۔ آل فرعون کے پانی خون میں تبدیل ہو گئے۔ قبطی کنوؤں اور نہروں سے پانی نہیں پی سکتے تھے اور جب بھی برتن بھر کر نکالتے تو پانی کی بجائے خون نظر آتا پھر اس خون میں بلا کی بدبو تھی۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ خون سے مراد نکسیر کا پھوٹنا ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے رویے کو سورۃ الاعراف میں یوں بیان کیا ہے:

ولما وقع علیهم الرجز ———— و کانوا عنها غفلین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور جب آ جاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے اور غرق کر دیا انہیں سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔''

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ فرعونیوں کے کفر، ان کی سرکشی اور گمراہی و جہالت پر ان کی ہٹ دھرمی کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے آیات خداوندی کی اتباع سے تکبر کیا اور اللہ کے رسول کی تصدیق کو اپنی شان سے کمتر خیال کیا۔ حالانکہ انہیں نہایت روشن اور عظیم معجزات سے مؤید کر کے مبعوث کیا گیا تھا۔ انہیں ایسی بلیغ براہین دی گئی تھیں اور ایسے وزنی دلائل عطا کیے

گئے تھے کہ انسان کے لیے انکار کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی تھی۔ اللہ نے یہ معجزات انہیں بالکل ظاہر کر کے دکھائے اور انہیں صداقت کی دلیل اور روشن علامت کے طور پر متعارف بھی کرا دیا۔ لیکن ان سرکش افراد نے بھی کوئی معجزہ دیکھا۔ جب بھی انہیں سبق سکھانے کے لیے ابتلاء و آزمائش سے دو چار کیا گیا تو انہوں نے رویہ بدلا۔ لیکن وقتی طور پر۔ قسمیں اٹھائیں اور وعدے کیے کہ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کے مجبور و مقہور انسانوں کو غلامی سے رہا کر کے آپ کے حوالے کر دیں گے لیکن جب عذاب کو موخر کر دیا گیا تو پھر انہوں نے شر و فساد کی راہ اختیار کی اور اللہ کے نبی کے پیغام سے منہ موڑ کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اللہ قادر مطلق نے پہلے سے کہیں سخت عذاب مسلط کر دیا۔ انہوں نے بھی رویہ بدلا لیکن جونہی عذاب کے سیاہ بادل سر سے ہٹے تو بے وفا بن گئے۔ بار بار ایسا ہی ہوتا رہا۔ وہ بار بار یہ وعدہ کرتے رہے:

لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لك و لنرسلن معك بنی اسرائیل۔

ترجمہ: ''اگر تم ہٹا دو گے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔''

اور بار بار اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب ٹالتا رہا لیکن ہر دفعہ وہ جہالت اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ حلیم و قدیر یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس حلیم نے انہیں فوراً عذاب سے نیست و نابود نہیں فرما دیا۔ انہیں مہلت دیتا رہا۔ عذاب جو ان کا مقدر ہو چکا تھا اسے دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھتا رہا۔ انہیں بار بار تنبیہ فرمائی۔ انہیں سوچنے اور سمجھنے کے کئی موقعے دیے لیکن جب حجت تمام ہو گئی۔ سارے عذر ختم ہو گئے تو پھر انہیں ایک عزیز و مقتدر ذات کی حیثیت سے پکڑا اور انہیں آنے والی قوموں کے لیے سامان عبرت اور داستان نصیحت و موعظت بنا کر رکھ دیا۔

✿ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد ارسلنا موسی بایتنا الی فرعون ———— سلفا و مثلا للاخرین۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے بھیجا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رب العلمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز

آجائیں۔ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لیے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔ پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار۔ یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو فرعون لعین کمینے کے پاس بھیجنے کا واقعہ بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میں نے ان کی معجزات باہرہ کے ساتھ تائید فرمائی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتا اور کفر کو چھوڑ کر راہ مستقیم پر گامزن ہو جاتا لیکن وہ بدبخت استہزاء کرنے لگا اور حق سے روگردانی کرنے لگا۔ اللہ نے پے در پے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر صادر فرمائے لیکن فرعون اور اس کے ساتھی ایمان نہ لائے۔

ان آیات طیبات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون لعین اور لئیم کے پاس بھیجنے کی بات کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات واضحہ اور دلائل قاہرہ دے کر اس سرکش اور ظالم کے پاس روانہ فرمایا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون ان عظیم نشانات اور معجزات کو دیکھ کر اللہ کے رسول کی عزت و تکریم کرتا اور انہیں اللہ کا سچا فرستادہ یقین کر لیتا کفر و شرک سے باز آتا اور صراط مستقیم پر ہمیشہ کے لیے گامزن ہو جاتا لیکن وہ اللہ کے فرستادہ کا مذاق اڑانے لگا۔ اس کے درباری بھی اس فرستادہ حق کی باتوں کو ہنسی میں اڑانے لگے۔ ان ظالموں نے نہ تو خود عقل سے کام لیا اور نہ دوسروں کو راہ حق پر چلنے دیا قبطی قوم کے افراد کو ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ بھی اس نور کی روشنی میں آنکھیں موندنے پر مجبور نظر آنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے حق کی روشن نشانیاں دکھائیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک معجزہ اور محیر العقول واقعہ تھا اور پہلے سے کہیں زیادہ حق کی حقانیت کو ثابت کرتا تھا۔

و اخذنا هم بالعذاب لعلهم يرجعون۔ و قالوا يا ايها الساحر ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تا کہ وہ باز آ جائیں۔ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لیے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔''

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کیا کیونکہ اس دور میں یہ لفظ نقص اور ہتک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس دور میں ساحر ہی علماء سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے عزت و تعظیم کے پیش نظر آپ کو ساحر (جادوگر) کہا۔ اور نہایت لجاجت اور تواضع سے کام لیا۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما كشفنا عنهم العذاب اذا هم ينكثون۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: ''جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے: کہ فرعون اپنی وسعت ملک پر اترانے لگا۔ اپنی سلطنت کی عظمت اور حسن کی کہانی لے بیٹھا۔ کہنے لگا کہ میرے ملک میں کس قدر نہروں کے جال بچھے ہیں یہ نہریں دراصل اس لیے کھدوائی گئی تھیں کہ جب دریائے نیل میں طغیانی آتی تو سیلاب سے بچنے کے لیے ان رابطہ نہروں کو کھول دیا جاتا۔ وہ اپنی فراست اور عقلمندی پر فخر کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ذرا دیکھو تو غلام قوم کے اس کم عمر شخص کی ہمارے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے اور آپ کی تنقیص شان کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''لا يكاد يبين'' وہ تو بات بھی صاف نہیں کر سکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں اب بھی کچھ لکنت باقی تھی جو دراصل آپ کے شرف و کمال اور حسن و جمال میں اضافے کا سبب تھی۔ یہ لکنت اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی سے مانع نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ پر تورات جیسی کتاب نازل فرمائی۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص شان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اس کے ہاتھوں میں نہ سونے کے کنگن ہیں اور نہ زینت کا دوسرا سامان اسے میسر ہے۔ بھلا ایک ذلیل اور تہی دست اللہ کا فرستادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ وہ بالکل اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ زیور تو عورت کی ضرورت ہے مردوں کی وجاہت اور شان کے یہ بالکل شایان نہیں کہ وہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں موتیوں کے ہار لٹکائیں۔ اور خصوصاً اللہ کے نبی جو سب سے زیادہ عقلمند معرفت تمام کے حامل اعلیٰ خوش خلقی کے مالک اور دنیاوی مال و دولت کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے وہ ایسی نازیبا حرکت بھلا کیسے کر سکتے ہیں۔ اللہ کے یہ پاکباز بندے خوب جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے ان کے مالک نے کیا کیا

نعمتیں تیار کر رکھی ہیں فرعون کہنے لگا: "او جاء معه الملائكة مقترنین۔" ترجمہ: "یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار۔"

بھلا اسکی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کی خاطر فرشتے آتے تو فرشتوں کا تعظیم اور تواضع کے لیے تشریف لانا تو غیر انبیاء کے لیے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "بیشک فرشتے طالب علم کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر اس کے لیے بچھا دیتے ہیں" اگر غیر نبی کے لیے اتنی تعظیم ہے تو اللہ کے کلیم کے حضور فرشتوں کی تعظیم و تکریم کا کوئی اندازہ بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے آتے جو گواہی دیتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کا رسول ہے تو کیا وہ معجزات کافی نہیں جو عقل مندوں کے لیے قطعی طور پر آپ کی صداقت کو ظاہر کر دیتے تھے۔ یقیناً یہ معجزات راہ مستقیم کے متلاشیوں کے لیے روشن مینار تھے۔ بلکہ ایسے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کو ظاہراً بھی دیکھ لیتے تو راہ راست پر نہ آتے کیونکہ ان کی ہٹ دھرمی کے باعث اللہ رب العزت نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی۔ اور انہیں شک اور تذبذب کی وادی میں بھٹکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ قبطی اور فرعونی بھی باطن کے اندھے اور جھوٹے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فاستخف قومه فاطاعوه۔" ترجمہ: "پس اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔"

یعنی ان کی عقلوں کو سمجھنے کی قوت سے عاری کر دیا۔ انہیں بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ یوں مسحور کیا کہ وہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار۔ "انهم كانوا قوما فاسقين فلما آسفونا" ترجمہ: "درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا۔"

انہیں بحر قلزم (دریائے نیل) میں غرق کر کے انہیں ذلیل و خوار کر دیا اور ان سے عزت چھین لی۔ ذلت اور رسوائی۔ نعمتوں کے بعد عذاب الیم ان کا مقدر ٹھہرا۔ خوشحالی کے بعد ذلت و مسکنت سے انہیں واسطہ تھا۔ اچھی زندگی گزر گئی تو انہیں آگ کے شعلے نصیب ہوئے۔ اللہ کی پناہ۔ کون اس کی قدیم سلطنت اور قوت کو چیلنج کر سکتا ہے۔ کوئی بھی نہیں۔

فجعلناهم سلفا۔ ترجمہ: "اور بنا دیا انہیں پیش رو"

یعنی جن کی لوگ اتباع کریں "ومثلا" "اور کہاوت" یعنی جن سے لوگ نصیحت حاصل کریں۔ جن کی بربادی کو دیکھ کر اور جن کے واقعات کو سن کر لوگ خوف زدہ ہو جائیں جیسا کہ سورۃ القصص میں

فرمان خداوندی ہے:

فلما جاءهم موسىٰ باٰيٰتنا ـــــ يوم القيٰمة هم من المقبوحين۔ (سورۃ القصص)

ترجمہ: "پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ! (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آئے اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا۔ بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم و ستم کرنے والے یہ (سن کر) فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکا میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور تکبر کیا اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں۔ دیکھو! کیسا (ہولناک) انجام ہوا ظلم و ستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا۔"

ان آیات طیبات میں فرعون کے تکبر کی گفتگو ہو رہی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے راہ ہدایت کی طرف بلایا تو کہنے لگا کہ یہ چیز میرے شایان شان نہیں ہے میں ایک عظیم مملکت کا فرمانروا ہوں مجھے کیا گئے مذہب کی پابندیاں قبول کرتا پھروں۔ پوری قوم بھی فرعون کے راستے پر گامزن تھی اور کسی نے حق کی آواز پر لبیک نہ کہا۔ غضب خداوندی بھڑک اٹھا۔ واحد القہار کے انتقام کی تلوار بے نیام ہو گئی۔ کون تھا جو قدرت کا ہاتھ روکتا۔ کس میں طاقت تھی کہ اس کے راستے میں حائل ہوتا۔ فرعون اور اس کا سارا لشکر ایک صبح کو بحر قلزم میں غرق ہو گیا۔ کوئی ایک سرکش بھی بچ نہ پایا ان کے گھر بار ویران ہوئے۔ کفر کے سرغنے غرق سمندر ہوئے اور جہنم کی آگ میں پہنچ گئے۔ آج تک اس قوم پر لعنت ہو رہی ہے اور قیامت تک لعنت و ملامت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور وہ بہت بری جگہ ہے جسے ان کا ٹھکانا قرار دیا جا چکا ہے۔ قیامت کے دن ان پر پھٹکار ہوگی۔

جب مصر کی قبطی قوم کفر و عناد اور سرکشی میں حد سے آگے نکل گئی خدا کو چھوڑ کر فرعون کے حکم کی

بے دینی میں سرگرداں ہو گئی اور اللہ کے نبی اور کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے اہل مصر پر اپنی عظیم اور زبردست حجتیں قائم کیں اور انہیں ایسے روشن معجزات دکھائے کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور عقل دنگ رہ جائیں لیکن اس کے باوجود بھی مصریوں کے رویے میں کوئی مثبت تبدیلی نہ آئی وہ اسی راستے پر غفلت سے آنکھیں بند کیے بڑھتے گئے۔ خدائی آواز پر کسی نے دھیان نہ دیا۔ کوئی ایک بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔

ہاں کچھ خوش نصیب ایمان لائے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ کہتے ہیں کہ پوری قوم میں صرف تین خوش نصیب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ ایک خود فرعون کی بیوی۔ اہل کتاب ان کے متعلق کچھ خبر نہیں رکھتے۔ دوسرے: آل فرعون کا مومن جس کی ایمان افروز کہانی وعظ و تلقین اور فرعون کو مشورے کا ذکر گزر چکا ہے اور ایک تیسرا شخص جو شہر کے آخر کونے سے دوڑتا ہوا یہ بتانے آیا تھا۔

یا موسیٰ ان الملاٗ یا تمرون بك لیقتلوك فاخرج الی لك من الناصحین۔

﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اس نے (آ کر) بتایا اے موسیٰ! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ اس لیے نکل جائیے۔ (یہاں سے) بیشک میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: کہ یہ تین شخص جادوگروں کے علاوہ تھے۔ ان کا تعلق قوم قبط سے تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ قوم فرعون قبط سے کئی لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ جادوگر بھی تمام کے تمام اور بنی اسرائیل کے سب لوگ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اسکی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

فما آمن لموسی الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون و ملئھم ان یفتنھم و ان فرعون لعال فی الارض و انہ لمن المسرفین۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر بجز ان کی قوم کی اولاد کے (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں وہ انہیں بھٹکا نہ دے۔ اور وہ واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں اور واقعی وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔"

"الا ذریۃ من قومہ" میں ضمیر فرعون کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ سیاق کلام اسی پر دال ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ قریب ترین انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن پہلی ترکیب زیادہ صحیح محسوس ہوتی ہے جیسا کہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔

قبطیوں میں اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان تھے لیکن فرعون کے خوف اس کے رعب و دبدبے سے اور اس کے درباریوں کی دہشت سے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کر پا رہے تھے کہ کہیں یہ ظالم جبراً انہیں مشرک نہ بنا ڈالیں اور ان کی زندگی اجیرن کر دیں۔

اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق آگاہ فرماتا ہے اور بیشک اللہ کی گواہی کافی ہے:

وان فرعون لعال فی الارض ترجمہ: "اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں۔" یعنی جابر، سرکش، غیر حق میں مشغول و انہ لمن المسرفین۔ ترجمہ: "اور واقعی وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔"

یعنی تمام امور تمام کاموں اور تمام حالات میں انتہاء پسندی کا ثبوت دینے والا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی حیثیت ایک جرثومہ سے زیادہ نہیں تھی جس کی بربادی کا وقت آن پہنچا تھا۔ اور وہ ایک پکا ہوا پھل تھا جس کی چنائی ہونے والی تھی۔ وہ ایک بری رسم تھی جس کے اتلاف کی تیاری ہو چکی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب:

✿ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسے وقت میں اپنی قوم سے فرمایا:

یا قوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین فقالو علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین و نجنا برحمتك من القوم الکافرین۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم و ستم) سے۔"

آپ نے اپنی قوم کو اللہ پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے کی تلقین فرمائی۔ آپ علیہ السلام نے مومنین کو سمجھایا کہ اللہ کے التجا کرو اور اسی کے حکم کی تابعداری کرو۔ اگر تم اس کے ہو رہے تو وہ ضرور تمہیں اس مشکل سے نجات دے گا اور ضرور کوئی بہتری کی صورت پیدا فرما دے گا۔

و اوحینا الی موسی و اخیہ ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا و اجعلوا بیوتکم و اقیمو الصلوۃ و بشر المؤمنین۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز اور (اے موسیٰ!) خوشخبری دو مومنوں کو۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنی قوم کے لیے الگ تھلگ ایسے گھر تعمیر کریں جو قبطیوں کے گھروں سے ذرا ہٹ کر ہوں تاکہ جب انہیں اچانک کوچ کا حکم دیا جائے تو وہ نکلنے کو تیار ہوں اور ایک دوسرے کے گھروں کا انہیں پتہ ہو، تاکہ اطلاع آسانی سے دی جا سکے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: واجعلوا بیوتکم قبلۃ۔ ترجمہ: "اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ اس کی تفسیر کرتے ہوئے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسجدیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا مطلب ہے کثرت سے نماز ادا کرو۔"

مجاہد، ابو مالک، ابراہیم نخعی، ربیع، ضحاک، زید بن اسلم، ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور دیگر کئی علماء کی یہی رائے ہے۔

اس بناء پر مطلب یہ ہوگا کہ جب انسان کو کوئی نقصان، تکلیف اور مشکل کا سامنا ہو تو وہ کثرت سے نماز ادا کرے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

واستعینوا بالصبر والصلوۃ۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور مدد لو صبر اور نماز سے۔"

حدیث میں ہے کہ "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مشکل کا سامنا ہوتا تو آپ نماز ادا فرماتے۔"

اس کا یہ معنی بھی لیا گیا ہے کہ مسلمان جب اجتماعی طور پر کھلے عام نماز ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں نماز ادا کریں تاکہ یہ ان شعائر دین کا عوض بن جائے جس کے اظہار پر وہ اس وقت قادر نہیں ہیں ان کی حالت کا اقتضاء بھی یہی تھا کہ وہ شعائر اسلامی کا اظہار نہ کریں کیونکہ فرعون اور اس کی قوم کے سردار ان کی جان کے دشمن تھے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ قوی ہے کیونکہ آیت کے آخر میں "و بشر المؤمنین" کے الفاظ پہلے معنی کی تائید کرتے ہیں اگرچہ وہ دوسرے معنی کے منافی بھی نہیں۔ واللہ اعلم

✿ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واجعلوا بیوتکم قبلۃ" کا معنی یہ ہے کہ اپنے گھر قبلہ رو بنالو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کیلئے بددعا:

و قال موسی ربنا انک آتیت ...... سبیل الذین لا یعلمون۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں۔ اے ہمارے مولا! کیا اس لیے کہ وہ

گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قبول کر لی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا (طریقہ) ہے۔"

یہ ایک عظیم بددعا تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اللہ کے دشمن فرعون کے خلاف صادر ہوئی۔ آپ علیہ السلام کو فرعون سے ذاتی دشمنی نہیں تھی یہ ناراضگی خدا کے لیے تھی کیونکہ وہ اتباع حق سے تکبر کر رہا تھا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہا تھا۔ اس کی اسلام دشمنی، بغاوت اور سرکشی حد سے گزر گئی تھی اور وہ باطل پر ڈٹا ہوا تھا۔ واضح، جلی، حسی اور معنوی حق اور برہان قاطع سے وہ تکبر کر رہا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: ربنا انک آتیت فرعون و ملاءہ۔ ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو۔"

یعنی فرعون کی قوم قبط کو۔ اور اس کے ہم خیال اور ہم مذہب لوگوں کو

زینۃ و اموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک۔ ترجمہ: "سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں۔ اے ہمارے مولا! کیا اسلئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔" یعنی اسی پر تو وہ نازاں ہیں اور دنیا کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جاہل دولت کی فراوانی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ شاید وہ حق پر ہے لیکن یہ مال و دولت اور دنیوی زیب و زینت، یہ خوبصورت لباس، شاندار سواری۔ بلند و بالا محلات خوبصورت گھر، لذیذ کھانے، دل خوش کن مناظر۔ جاہ و منصب الغرض دنیا کی سب نعمتیں متاع عارضی ہیں۔ اگر دین نہ ہو تو گویا انسان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ربنا اطمس علی اموالھم۔ ترجمہ: "اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو۔"

حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: کہ اس کا معنی ہے ہلاک کر دے ان کے مال و دولت کو۔ حضرت ابو العالیہ، ربیع بن انس، ضحاک فرماتے ہیں: کہ اس کا معنی ہے کہ ان کے مالوں کو نشان زدہ پتھر بنا دے جیسا کہ وہ پہلے تھے۔

ہر چیز پتھر بن گئی:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس دعا کی وجہ سے قبطیوں کی کھیتیاں پتھر بن گئیں۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں: کہ انہوں نے جو شکر بنائی وہ پتھروں میں تبدیل ہو گئی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ ان کا دوسرا مال و متاع بھی پتھر بن گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ میری تھیلی لاؤ۔ وہ غلام تھیلی لے کر آیا تو آپ نے دیکھا کہ اس میں موجود چنے اور انڈے پتھر بن چکے تھے۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

و اشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم۔

ترجمہ: "اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تا کہ وہ نہ ایمان لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ "اشدد علی قلوبهم" کا معنی ہے ان کے دلوں پر مہر لگا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے خلاف بددعا اللہ تعالیٰ اور اسکے دین و براہین کی خاطر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور انہیں تسلی دی کہ میرے محبوب رسول تیری التجا سن لی گئی فرعون اور اس کے ساتھی ضرور نیست و نابود ہوں گے جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے حق میں بددعا کرتے ہوئے عرض کی تھی:

رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ انك ان تذرهم یضلوا عبادك و لا یلدوا الا فاجرا کفارا۔ ﴿سورۂ نوح﴾

ترجمہ: "اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہو گی۔"

اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف بددعا کی اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کر کے اس بددعا میں شمولیت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

قال قد اجیبت دعوتكما فاستقیما ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قبول کر لی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا طریقہ ہے۔"

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا:

مفسرین کرام اور اہل کتاب فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے فرعون سے باہر جا کر عید منانے کی اجازت مانگی۔ اس نے مجبوراً انہیں اجازت دے دی لیکن بنی اسرائیل نے مکمل تیاری کر لی اور

بھاگ نکلے۔ یہ اسی مملکت میں فرعون اور اس کے لشکر کے خلاف سازش تھی۔ بنی اسرائیل بھاگ جانا چاہتے تھے اور ان سے خلاصی کے خواہاں تھے۔

اہل کتاب کے بقول اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ قبطیوں سے زیورات عاریۃً لے لو۔ انہوں نے بہت زیادہ مالیت کے زیورات فرعونیوں سے ہتھیا لیے رات کی تاریکی میں پوری قوم نکل کھڑی ہوئی اور مسلسل سفر کرتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ ان کی منزل شام کی سرزمین تھی۔ جب فرعون کو خبر ملی کہ بنی اسرائیلیوں کی تلاش شروع کر دی کہ انہیں پکڑ کر سزا دے۔

✪ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اوحینا الی موسی ان اسر بعبادی ...... لهو العزیز الرحیم ﴿سورۂ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے (تا کہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انہیں سرسبز باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت۔ پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو، تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو۔ اور ہم نے بچا لیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اور بیشک (اے محبوب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

فرعون کی فوج کی تعداد جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلی:

مفسرین عظام فرماتے ہیں: کہ فرعون سوار ہوا اور اپنے لشکر کو ساتھ لے کر اسرائیلیوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ حکم دیا کہ ان کے قدموں کے نشانات پر تیزی سے بڑھتے جاؤ۔ اس کے پاس سمندر کی مانند ٹھاٹھیں مارتا لشکر تھا حتی کہ ایک قول کے مطابق اس لشکر میں ایک لاکھ تو نشان زدہ گھوڑے

تھے۔ اور اس کے سپاہیوں کی تعداد ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھی۔ واللہ اعلم

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں تقریباً سات لاکھ جنگجو تھے۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھے اس کے علاوہ تھے۔ آج جب وہ مصر کو چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کو اللہ کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور جب وہ یہاں آئے تھے تو ان کے ساتھ اللہ کا پیارا رسول حضرت یعقوب علیہ السلام تھا۔ وہ مصر میں چار سو تیئیس شمسی سال مقیم رہے۔

فرعون نے جب ان کو پالیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا دونوں لشکر آمنے سامنے تھے۔ کوئی شک وشبہ باقی نہیں تھا۔ فریقین ایک دوسرے کو آمنے سامنے کھڑا دیکھ رہے تھے۔ بات بالکل واضح تھی کہ اب لڑائی ہوگی۔ گردنیں اڑیں گی اور زمین خون آلود ہوگی۔ بنی اسرائیل خوف سے لرزاں تھے۔ گھبرا کر کہنے لگے: "انا لمدرکون" ترجمہ: "(ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔" کیونکہ سامنے موجیں مارتا سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر جرار۔ کریں تو کیا کریں سمندر کو کیسے عبور کریں۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ اپنے آپ کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیں۔ اور گھس جائیں لیکن یہ کس میں حوصلہ تھا۔ کون اپنے آپ کو سمندر کی بے رحم لہروں کے حوالے کر سکتا تھا۔ دائیں بائیں بھی بلند و بالا ناقابل عبور پہاڑ تھے۔ فرعون کے لشکری قریب سے قریب تر ہو رہے تھے۔ وہ بالکل سامنے تھے۔ اسرائیلی فرعون کو دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنے لشکر جرار میں بے پناہ سپاہیوں اور اسلحہ کے ساتھ لیس ہے۔ وہ بہت ڈرے۔ خوف کے مارے ان کا خون خشک ہو گیا۔ جب انہوں نے خیال کیا کہ فرعون کی سطوت و طاقت کس قدر زیادہ ہے اور وہ ہمیں پکڑ کر کس قدر اذیتیں دے گا اور اہانت کرے گا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کہنے لگے اللہ کے نبی کی بارگاہ میں شکوہ شکایت کرنے لگے۔ ہم بہت بری طرح پھنس گئے ہیں۔ آپ نے ہمیں مروا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ان معی ربی سیھدین۔ ترجمہ: "ہرگز نہیں! بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے قافلے کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ علیہ السلام پہلی صفوں میں تشریف لائے۔ سمندر کو ایک نظر دیکھا۔ موجوں میں بلا کا تلاطم تھا جھاگ ہی جھاگ نظر آ رہی تھی۔ آپ علیہ السلام نے اشارے سے بتایا مجھے یہاں سے سمندر عبور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے حضرت یوشع علیہ السلام ان دنوں بنی اسرائیل کے سردار، عالم اور بڑے عابد شمار ہوتے تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ

علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد خدا کے پیغمبر قرار پائے۔ جیسا کہ بعد میں ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔ ان کے ساتھ آل فرعون کا مومن بھی تھا۔ یہ اللہ کے بندے کھڑے تھے اور بنی اسرائیل سارے ان کی طرف تکتے دیکھ رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ آل فرعون کا مومن شخص کئی بار اپنے گھوڑے پر سوار سمندر میں گھستا چلا گیا کہ کیا اسے عبور کرنا ممکن ہے۔ لیکن ہر بار واپس آیا کہ یہاں سے سمندر کو عبور کرنا ممکن نہیں۔ آخر اللہ کے نبی کی خدمت میں عرض کی اے رسول خدا! کیا یہاں سے سمندر کو عبور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اسی جگہ سے۔

جب حالات نے نازک صورت اختیار کر لی معاملہ سنگین ہو گیا۔ بنی اسرائیل بے چین و بے قرار ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت دانت پیستا غصے سے لال پیلا بالکل قریب پہنچ گیا اور بنی اسرائیل لرزہ براندام پھٹی آنکھوں سے لشکر کو دیکھنے لگے ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے ایسے میں اللہ تعالیٰ اور قدرتوں والے مالک نے وحی فرمائی۔ جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا "ان اضرب بعصاک البحر" ترجمہ: "کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو" جب آپ نے سمندر کو ضرب لگائی۔ کہتے ہیں آپ کی زبان پر یہ کلمہ بھی جاری ہوا۔ "اللہ کے حکم سے پھٹ جا" اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسے ابی خالد کہہ کر کہا کہ پھٹ جا۔ واللہ اعلم
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔
﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔"

یہ بھی کہتے ہیں کہ سمندر میں بارہ راستے بن گئے۔ ہر ایک قبیلے کے لیے جدا راستہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سمندر کی ان ٹھہری ہوئی موجوں میں قدرت خداوندی سے کھڑکیاں بھی بن گئیں تاکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ کیونکہ پانی شفاف جسم ہے جب اس کے دوسری طرف روشن ہو تو یہ دیکھنے کو مانع نہیں رہتا۔

اور اسی طرح سمندر کا پانی پہاڑ کی مانند ٹھہرا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت نے جو کلمہ کن سے کچھ بھی کر سکتی ہے پانی کی موجوں میں ٹھہراؤ پیدا فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ کی ہوا کو حکم دیا وہ

سمندر کے ان راستوں کی زمین کو خشک کرنے کے لیے چلی۔ کیچڑ بالکل نہ رہا حتی کہ راستے بالکل خشک ہو گئے اور گھوڑوں اور جو پاؤں کے کھروں کے ساتھ بھی مٹی نہ لگی۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد اوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی فاضرب لهم طریقا فی البحر یبسا لا تخاف درکا و لا تخشی

ترجمہ: ''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات لے چلیے میرے بندوں کو (مصر سے) (راہ میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجیے نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔''

فاتبعهم فرعون بجنوده فغشیهم من الیم ما غشیهم واضل فرعون قومه وما هدی۔

﴿سورۂ طٰہٰ﴾

ترجمہ: ''پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھا گئیں فرعونیوں پر سمندر (کی تند موجیں) جیسا کہ چھا گئیں ان پر۔''

جب اللہ رب العزت کے حکم سے سمندر کی موجوں میں ٹھہراؤ آ گیا اور راستے بن گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب بنی اسرائیل کو لے کر سمندر عبور کریں۔ آپ نے اشارہ کیا بنی اسرائیل فوراً ان راستوں میں اتر گئے۔ وہ بے حد خوش تھے۔ بہت تیزی سے خشک راستوں پر چل رہے تھے۔ اور ایک حیران کن منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک ایسا انوکھا منظر تھا کہ جس سے مؤمنوں کے دل رہنمائی پاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے سمندر کو عبور کر لیا اور دوسرے کنارے پر جا لگے۔ خشکی پر جب کھڑے ہو کر پیچھے دیکھا تو فرعون کے لشکر کا ہراول دستہ انہیں راستوں پر بھاگا آ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کی لہروں کو حرکت دینے کے لیے عصا سے ضرب لگانے کا ارادہ فرمایا تاکہ فرعون اور اس کا لشکر پیچھا نہ کر سکیں۔ مگر رب ذوالجلال نے حکم دیا کہ نہیں میرے پیارے ابھی اسے ساکن ہی رہنے دے۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ولقد فتنا قبلهم قوم فرعون .... ما فیه بلاؤ مبین۔ ﴿سورۂ الدخان﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول کہ

میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں۔ اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں۔ میں لے آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل۔ اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کر سکو۔ اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا۔ بیشک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔ وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے کھیتاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔ پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔ اور بیشک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے۔ (یعنی) فرعون لعین کی غلامی) سے۔ بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔''

''واترك البحر رهوا'' ترجمہ: ''اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا'' یعنی اسے اسی حالت پر رہنے دو۔

یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، عکرمہ، ربیع، ضحاک، قتادہ، کعب الاحبار، سماک بن حرب، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی دیگر مفسرین نے کی ہے۔

فرعون لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنی ہیئت اور حالت پر رہنے دیا۔ فرعون کا پورا لشکر سمندر میں اتر چکا تھا۔ فرعون خود بھی سمندر میں اترا اور خشک راستے پر چل نکلا۔ پھر اس سرکش نے وہ کچھ دیکھا جو اس نے دیکھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ایک حقیقت کو واضح دیکھا۔ ایک ہولناک منظر تھا۔ آج اس پر ایک حقیقت ظاہر ہو چکی تھی جو بارہا پہلے بھی اس پر واضح ہوئی تھی۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں کہ یہ کرشمہ عرش عظیم کے رب کا ہے۔ فرعون نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا وہ بہت نادم تھا کہ کیوں ان بندگان خدا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ لیکن اب ندامت سے کیا حاصل۔ لیکن اس حالت میں بھی اس دشمن خدا نے اپنے سپاہیوں کو دھوکا دیا۔ اور انہیں فریب دینے کے لیے جھوٹ بولنے لگا۔ اس کے کافر نفس اور فاجر طبیعت نے قبطیوں کو الو بنایا۔ انہوں نے اس کی اتباع کی اور اس کی باتوں میں آ گئے۔ کہنے لگا۔ دیکھو کیسے یہ سمندر میرے لیے پھٹ گیا ہے۔ یہ جانتا ہے کہ یہ میرے غلام ہیں بھگوڑے ہیں۔ یہ میری اطاعت کا جوا اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس نے خوف کو ان سے

چھپائے رکھا۔ وہ ان کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کہیں رک جائے اور اس عذاب سے بچ جائے اس لیے وہ کبھی آگے بڑھتا اور کبھی پیچھے ہٹتا ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو حکم دیا کہ اب وقت ہے عصا کو حرکت دیں۔ سمندر کی ساکن موجوں پر ایک ضرب لگائیں۔ آپ نے پانی کو ضرب لگائی۔ موجیں بپھر گئیں۔ فرعون کا پورا لشکر غرق ہو گیا اور ان سرکشوں میں سے ایک نہ بچ پایا۔

و انجینا موسی و من معه اجمعین۔ ثم اغرقنا الآخرین ان فی ذلک لآیة وما کان اکثرهم مومنین و ان ربک لهو العزیز الرحیم۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بچا لیا موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بیشک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو بچا لیا۔ ان میں سے ایک بھی پانی میں غرق نہ ہوا اور اس نے اپنے دشمنوں کو غرق کر دیا تھی کہ ان میں سب سے ایک شخص بھی نہ بچ سکا۔ یہ بہت بڑی نشانی اور قدرت خداوندی کی بہت اہم اور قطعی دلیل تھی۔ اس معجزے نے ثابت کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے جو عظیم شریعت لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور انسانیت کے لیے بھی سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر .... عن ایتنا لغفلون۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے تھا سو آج ہم بچا لیں گے تیرے جسم کو تا کہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرعون قبطیوں کے سردار کی غرقابی کی کیفیت کو بیان فرما رہا ہے۔ ساکن موجوں میں اچانک حرکت آ گئی اور انہوں نے فرعون کو سمندر کی تہہ میں پہنچایا اور پھر سطح آب تک لایا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اس دردناک اور سخت عذاب کا کنارے پر کھڑا مشاہدہ کر رہا تھا۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی اور دلوں کو اطمینان نصیب ہوا۔ جب فرعون ہلاک ہونے لگا

عذاب کے شکنجے میں بری طرح کس چکا اور سکرات الموت سے ہمکنار ہوا تو اسے انابت کا خیال آیا۔ توبہ و استغفار کرنے لگا۔ اللہ پر اس وقت ایمان کا اقرار کرنے لگا جب کہ ایمان سے سود مند ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین حقت علیهم کلمة ربک لا یومنون ولو جاءتهم کل آیة حتی یروا العذاب الالیم۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔"

✿ سورۃ المومن میں فرمان خداوندی ہے:

فلما راوا باسنا قالوا آمنا باللہ وحده و کفرنا بما کنا به مشرکین۔ فلم یک ینفعهم ایمانهم لما راوا باسنا سنة اللہ التی قد خلت فی عباده و خسر هنالک الکافرون۔

ترجمہ: "پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے۔"

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بددعا تھی کہ ان کے مال برباد ہو جائیں اور ان کے دل سخت ہو جائیں اور وہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ وہ ایسے وقت تیری وحدانیت کا اقرار کریں جب کہ اقرار و ایمان کوئی فائدہ نہ دے اور ان کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا اور ان کی التجاء کے جواب میں فرمایا تھا "قد اجیبت دعوتکما" کہ تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ سو اب دعا کی مقبولیت کا نتیجہ بنی اسرائیل کے سامنے تھا۔

✿ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب فرعون نے کہا (آمنت انه لا الٰه الا الذی آمنت به بنو اسرائیل) مجھے جبرئیل نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ دیکھتے میں فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہا تھا کہ کہیں اسے رحمت خداوندی آ نہ لے۔"

(اسے ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر میں

نقل فرمایا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔)

ابو داؤد طیالسی، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے جبرئیل نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ نے مجھے دیکھا ہوتا۔ میں سمندر کا کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خدشے سے کہ کہیں رحمت خداوندی اسے آنہ لے۔

(امام ترمذی اور ابن جریر نے اسے حضرت شعبہ کے حوالے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور ابن جریر کی روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔)

ابن ابی حاتم، سعید بن جبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور بلند آواز سے اقرار کیا "امنت اللہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل" فرمایا: جبرئیل علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کے غضب پر سبقت نہ لے جائے۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے اس کے منہ میں مٹی ڈالنا شروع کر دی جبرئیل علیہ السلام مٹی اس کے چہرے پر مار رہے تھے اور اسے دفن کر رہے تھے۔

علامہ ابن جریر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے جبرئیل نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ نے مجھے دیکھا ہوتا میری حالت یہ تھی کہ میں اس کا منہ بند کر رہا تھا اور اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں رحمت خداوندی اسے آنہ لے اور اس کی بخشش نہ ہو جائے۔ یعنی فرعون کی۔"

(اس حدیث کو اسلاف میں سے کئی محدثین نے مرسل قرار دیا ہے۔ مثلاً ابراہیم تیمی قتادہ، میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ضحاک بن قیس نے اسی کی روشنی میں لوگوں سے خطاب فرمایا۔)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اتنا غصہ کسی پر نہیں آیا جتنا غصہ اس وقت فرعون پر آیا جب اس نے کہا "انا ربکم الاعلی" (سورۃ النزعت) ترجمہ: "میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں" میں اس کے منہ میں اس وقت مٹی ٹھونسنے لگا جب (ڈوبتے ہوئے) اس نے کہا جو کہا۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ ترجمہ: "کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔"

یہ استفہام انکاری ہے۔ اور یہ اس بات کے لیے نص ہے کہ فرعون کا ایمان لانا قبول نہیں

کیا گیا۔ واللہ اعلم

کیونکہ اگر وہ دنیا کی طرف لوٹایا جاتا تو وہ اسی طرح کفر کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے متعلق خبر دیتا ہے کہ جب وہ آگ کو دیکھیں گے اور اس کا سامنا کریں گے تو کہہ اٹھیں گے۔

یا لیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا و نکون من المؤمنین۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے۔"

✿ فرمان خداوندی ہے:

بل بدا لہم ما کانوا یخفون من قبل و لو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ و انھم لکاذبون۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے اور بیشک وہ جھوٹے ہیں۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "سو آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو تا کہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو یہ شک گزرا کہ شاید فرعون ابھی تک زندہ ہے حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہ کہنے لگے کہ وہ نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا۔ پانی نے لاش بلندی پر اچھال دی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لاش بالکل پانی کی سطح پر آ گئی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ لہروں نے اسے خشکی کے ایک ٹیلے پر پھینک دیا۔ فرعون کے جسم پر ابھی تک زرہ بھی جس سے بنی اسرائیل نے اسے پہچان لیا۔ یہ اس لیے ہوا تا کہ انہیں فرعون کی ہلاکت کا یقین آ جائے اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہو چکا ہے۔ اسی لیے فرمایا: "آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند و تیز موجوں سے)" اور تیری زرہ تیری ہلاکت کی پہچان ہوگی لتکون۔ یعنی اے فرعون تو عبرت کی نشانی ہے "لمن خلفک" بنی اسرائیل کے لوگوں کے لیے۔ اور اسے اللہ کی قدرت پر دلیل جس نے تجھے ہلاک فرمایا ہے۔

بعض اسلاف نے اسے "لتکون لمن خلفک" بھی پڑھا ہے کہ جن لوگوں نے تجھ سے اختلاف کیا ہے بنی اسرائیل تو ان کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔ اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ہم تجھے تیری زرہ کے ساتھ دریا کی موجوں سے نجات دیں گے تاکہ یہ پچھلوں بنی اسرائیل کے لیے تیری پہچان کی علامت بن جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ تو ہلاک ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو آپ نے دیکھا کہ یہود عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: "اس روز تم روزہ کیوں رکھتے ہو" یہودیوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: "تم یہودیوں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہو۔ پس تم بھی روزہ رکھو۔"

اس حدیث کا اصل صحیحین وغیرہما میں ہے۔ واللہ اعلم

۞ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

فانتقمنا منهم فاغرقنهم في اليم .... بلاء من ربكم عظيم۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! بنا دو ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں موسیٰ نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لیے کوئی خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمہیں سخت عذاب مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹے اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری بیٹیوں کو اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔"

اللہ تعالیٰ فرعون اور اس کے لشکر کی خبر دے رہا ہے۔ کیسے وہ بحر قلزم میں غرق ہوئے۔ کیسے ان

کی عزت، مال اور زندگی کو سلب کر لیا گیا۔ اور ان کی جائدادوں اور مال و دولت کے بنی اسرائیل وارث بنے۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء میں بیان فرمایا: "کذالک و اورثنا ها بنی اسرائیل۔"

ترجمہ: "ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔"

۞ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و نريد ان نمن على الذين استضعفوا في الارض و نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثين۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیا انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث۔"

و اورثنا القوم الذين .... وما كانوا يعرشون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنا دیا) اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو ہلاک کر دیا۔ اور دنیا میں انہیں جو عزت و شہرت حاصل تھی وہ سلب کر لی گئی۔ مصر کا بادشاہ فرعون خود بھی ہلاک ہوا اور اس کے سب درباری اور لشکری بھی لقمہ اجل بن گئے اور مصر میں رعایا اور عامۃ الناس کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا۔

علامہ ابن عبدالحکیم تاریخ مصر میں لکھتے ہیں کہ اس دور میں مصر کی عورتیں مردوں پر بہت بری طرح مسلط تھیں۔ کیونکہ مصر میں یہ رواج تھا کہ امیر زادیاں اپنے سے کم حیثیت مردوں سے شادیاں کیا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے مردوں پر انہیں رعب و دبدبہ حاصل ہوتا اور آج تک مصر میں یہی رواج عام چلا آتا ہے۔

بنی اسرائیل کیلئے پہلا کا حکم:

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو مصر سے خروج کا حکم ملا تو اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو ان کے سن کا پہلا مہینہ قرار دیا۔ انہیں حکم ملا کہ ہر ہر گھر کے افراد ایک ایک بکرا ذبح کریں گے۔ انہیں بکرے کی ضرورت نہ ہو تو وہ گھر اور اس کا پڑوسی مل کر ایک بکرا ذبح کر لیں۔ ذبح کے بعد بکروں کا خون لے کر اپنے دروازے کی دہلیز پر اور کواڑوں پر لگا دیں۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ بنی اسرائیل

کے گھر ہیں۔ وہ اسے پکا کر نہ کھائیں بلکہ بھون کر کھائیں۔ اور سر، پاؤں اور اوجڑی کو بھی بھون کر کھائیں۔ کوئی چیز اس میں سے باقی نہ رکھیں۔ کوئی ہڈی نہ توڑی جائے۔ اور بکرا جس گھر میں ذبح ہو اسی میں کھایا جائے۔ یہ گوشت اس گھر سے باہر نہ نکلے۔ سات دن تک فطیری روٹی کھائیں۔ یہ قربانی سال کے پہلے مہینے کی چودھویں تاریخ کو کی جائے۔ یہ اتفاقاً موسم ربیع تھا۔ انہیں حکم ملا کہ جب وہ قربانیوں کا بھونا ہوا گوشت کھائیں تو ان کی کمر میں کمربند بندھے ہوئے ہوں۔ اور جوتے پاؤں میں پہنے ہوئے ہوں اور لاٹھیاں ہاتھوں میں ہوں۔ وہ قربانی کے گوشت کو کھڑے کھڑے بڑی جلدی سے کھائیں اور جو شام کے کھانے سے بچ رہے اسے صبح تک بچا کر نہ رکھیں بلکہ آگ پر جلا دیں۔ یہ ان کے پیچھے اس وقت تک عید کا دن شمار ہوتا رہے گا جب تک تورات پر عمل ہوتا رہے گا۔ اور جب یہ کتاب منسوخ ہو گئی تو یہ قانون بھی معطل ہو جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا انجیل کے آنے سے شریعت موسوی منسوخ ہو گئی۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کے پہلوٹھوں اور ان کے جانوروں کے پہلوٹھوں کو قتل کر دیا۔ تاکہ وہ بنی اسرائیل سے غافل ہو جائیں نصف النہار کے وقت جب بنی اسرائیل نے مصر سے کوچ کیا۔ اہل مصر اپنے پہلوٹھوں پر نوحہ خوانی کر رہے تھے ہر گھر میں صف ماتم بچھی تھی۔ ایسے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی کہ جلدی جلدی مصر سے نکل چلو بنی اسرائیل نے آٹا گوندھا اور خمیر تیار ہونے سے پہلے اسے لے کر چل دیے۔ انہوں نے گٹھڑیوں سمیت آٹا اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا قبطیوں کے زیورات بھی ان کے ساتھ تھے کیونکہ انہوں نے عاریۃً یہ زیورات ان سے لے لیے تھے۔ جب وہ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ ان کے ساتھ بہت سارے مویشی بھی تھے۔ بنی اسرائیل چار سو تیس سال تک مصر میں رہنے کے بعد آج مصر کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ یہ بیان تورات کی نص ہے۔

اس سال کو "فسح" کے سن کا نام دیتے ہیں۔ یہی ان کی عید فسح ہے۔ ان کے ہاں ایک دو اور عیدیں بھی ہیں۔ ایک کا نام عید الفطر ہے اور دوسری کا نام عید الحمل ہے۔ یہی ان کا پہلا سال تھا۔ یہ تینوں عیدیں ان کے ایام میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اور یہ چیز ان کی کتابوں میں منصوص ہے۔

بنی اسرائیل کا یہ قافلہ جب مصر سے نکلا تو حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے بحر سوف کا راستہ اختیار کیا جب یہ قافلہ دن کی گرمی میں سفر کرتا تو ان کے آگے آگے ایک بادل چلتا جس میں نور کے ستون تھے۔ اور جب رات ہو جاتی تو آگ کے ستونوں والا بادل ان کی

رہنمائی کرتا۔ آخر یہ قافلہ ساحل سمندر تک پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل نے ساحل سمندر پر پڑاؤ کیا۔ اسی اثنا میں فرعون کے لشکر نے انہیں آلیا۔ وہ سمندر کے کنارے ڈیرے ڈالے انہیں قریب سے قریب تر آتا دیکھ رہے تھے۔ انہیں بہت پریشانی ہوئی حتیٰ کہ لوگ کہنے لگے اس ویرانے میں مرنے سے تو بہتر تھا ہم مصر میں ہی غلامی کی زندگی بسر کرتے رہتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: ڈرنے کی ضرورت نہیں فرعون اور اس کا لشکر اپنے شہر کو ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ سمندر کو ضرب لگاؤ۔ یہ دو حصوں میں بٹ جائے گا۔ اور بنی اسرائیل کا قافلہ خشکی پر چلتا پار اتر جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا۔ پانی دو حصوں میں بٹ گیا۔ درمیان سے خشک راستے نظر آنے لگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنوب کی ہوا کو حکم دیا تھا کہ وہ ان راستوں پر چل کر انہیں خشک کرے۔ بنی اسرائیل سمندر سے پار اتر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا جب وہ سمندر کے درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ عصا مارو۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ پانی اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

اہل کتاب بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ رات کو پیش آیا۔ اور سمندر صبح کے وقت پھٹا۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ اور عربی میں ترجمہ کرنے کے فن سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

فرعون کے غرق ہونے پر خدا کی حمد و ثناء:

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور یہ اشعار گنگنانے لگے۔ "ہم خداوند ذوالجلال کی حمد و ثنا کریں گے جو لشکروں پر غضبناک ہوا اور جس نے ان کے گھوڑ سواروں کو اور چنیدہ سرداروں کو سمندر میں غرق کر دیا۔" یہ تسبیح بہت طویل ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن مریم نے جو نبیہ تھیں دف لی اور بنی اسرائیل کی دوسری عورتیں بھی دف لے کر اس کے پیچھے آ گئیں۔ مریم دف اور طبلے بجا کر یہ حمد یہ اشعار گانے لگی۔ "پاک ہے رب قہار جس نے گھوڑوں کو ہلاک کیا اور ان کے سواروں کو سمندر میں ڈال دیا۔"

اسی طرح کے اشعار میں نے ان کی کتابوں میں دیکھے ہیں۔

شاید اسی وجہ سے محمد بن کعب قرظی کو غلط فہمی ہوئی کہ اس نے مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی بہن کہہ دیا اور یا اخت ہارون (سورۃ مریم) کی تفسیر میں اس سے تسامح ہوا۔

ہم نے ان کی غلطی کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر کسی صورت نہیں ہو سکتی حضرت مریم بنت عمران کا حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ عرصہ ہے۔

مفسرین عظام میں سے کسی اور نے قرظی سے اس چیز کو نقل بھی نہیں کیا کیونکہ یہ واضح غلطی تھی۔ بلکہ تمام مفسرین نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اگر تورات کی ان آیات کو تحریف سے محفوظ خیال کیا جائے تو بھی مریم بنت عمران خواہر موسیٰ وہارون علیہما السلام اور والدہ عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان صرف ناموں کی موافقت ہے۔ اتفاق سے حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن بھی مریم بنت عمران ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بھی وہی مریم بنت عمران ہے لیکن یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اکثر بزرگوں کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھتے تھے۔

جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان اس کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اہل نجران نے یا اخت ھارون کے متعلق پوچھا تو آپ کو کچھ نہ آئی جو انہیں جواب دیتے حتیٰ کہ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ اپنے بچوں کے نام اپنے انبیاء کے ناموں پر رکھتے تھے۔“ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اہل کتاب کا ہارون کی بہن مریم کو نبیہ کہنا یہ اسی طرح ہی ہے جس طرح بادشاہ کی گھر والی کو ملکہ اور امیر کی گھر والی کو مالکن کہا جاتا ہے اگرچہ وہ خود بادشاہ یا قبیلے کی سردار نہیں ہوتی۔ یہ بھی اسی طرح کا استعارہ ہے۔ وہ نبوت کے گھرانے کی وجہ سے نبیہ کہلاتی تھیں نہ کہ ان کی طرف وحی ہوتی تھی اور وہ حقیقی نبیہ تھیں۔

مریم کا ایک بڑی میہ پر دف بجانا اس بات کی دلیل ہے کہ پہلی شریعتوں میں خوشی کے موقعوں پر دف بجائی جاتی تھی اور یہ چیز ہماری شریعت میں بھی عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں عید کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر دو بچیوں کا دف بجا کر ایام منیٰ میں گانا گانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ خود حضور نبی کریم ﷺ ان کی طرف پیٹھ کیے پہلو کے بل لیٹے رہے اور آپ کا چہرہ مبارک دیوار کی طرف تھا۔ اسی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر انہیں جھڑکا اور فرمایا کہ شیطانی راگ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابوبکر جانے دو ہر قوم کے لیے ایک خوشی کا دن ہے اور یہ ہمارے لیے خوشی کا دن ہے۔“ اسی طرح ہمارے ہاں شادی بیاہ اور کسی بچھڑے دوست کی آمد پر دف بجانا اور گانا جائز ہے۔ جیسا کہ یہ

اپنی جگہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ واللہ اعلم

عصا کی برکت سے کھارا پانی میٹھا ہو گیا:

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب یہ قافلہ سمندر سے پار اترا اور بادِ شام کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں تین دن بغیر پانی کے ٹھہرا رہا۔ کچھ لوگوں نے اس پر واویلا مچایا یہاں انہیں پانی میسر آیا لیکن وہ بہت کڑوا تھا جسے پینا ممکن نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا کہ اپنا عصا اس کنویں میں ڈالو۔ آپ علیہ السلام نے جب اس کھاری پانی میں عصا ڈالا تو پانی میٹھا ہو گیا اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرائض اور سنن کی تعلیم دی اور دوسری نصیحتیں بھی فرمائیں۔

بنی اسرائیل کی احمقانہ خواہش:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے جو حق وباطل کے درمیان کسوٹی ہے اور باطل کو حق سے الگ کروانے والی ہے۔

وجاوزنا ببني اسرائيل البحر فاتوا على قوم يعكفون على اصنام لهم قالوا يموسى اجعل لنا الها كما لهم الهة قال انكم قوم تجهلون. ان هؤلاء متبر ما هم فيه و بطل ما كانوا يعملون. ﴿سورة الاعراف﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو گھن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ بنا دو ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔“

بنی اسرائیل نے جہالت وگمراہی کی بات کی حالانکہ وہ آیات خداوندی اور قدرت الٰہی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ یہ اس قدر روشن معجزات تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لائے ہوئے دین کی صداقت کے بارے میں کوئی شک نہیں رہا تھا لیکن انہوں نے ایسی بے تکی باتیں اس لیے شروع کر دیں تھیں کہ ان کا گزر ایک مشرک قوم پر ہوا جو بت کی پوجا کر رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس بت کی شکل وصورت گائے کی تھی۔ ہو سکتا ہے گزرتے گزرتے بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے ان سے پوچھا بھی ہو کہ تم اس مورتی کی پرستش کیوں کرتے ہو اور انہوں نے بتایا ہو کہ یہ مورتی انہیں نفع دیتی ہے۔ نقصان سے بچاتی ہے اور اس کے ذریعے انہیں ضرورت کی چیز مل

اور رزق مہیا ہوتا ہے۔ اور بعض جاہل اسرائیلیوں نے ان کی بات کو سچ سمجھ لیا ہو اور اب وہ اللہ کے نبی کلیم سے ایک مورتی کی فرمائش کر رہے ہوں جسے وہ خدا بنا لیں۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ بات واضح کر دی کہ یہ بت پرست پرلے درجے کے جاہل اور بے عقل ہیں۔ "ان هؤلاء متبر ما هم فيه و بطل ما كانوا يعملون۔" ترجمہ: "جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ اللہ نے جو اس دور کے لوگوں پر علم و شرع کے ذریعے انہیں فضیلت عطا کی اس کا تذکرہ فرمایا۔ انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور کلیم ان کا ہمسفر اور ہم نشین ہے۔ آپ نے فرمایا: کہ ذرا یاد کرو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا احسانات کیے۔ تمہیں اس ذات کریم عزوجل نے کس طرح قدم قدم پر اپنے فضل و کرم سے نوازا۔ تمہیں فرعون جیسے جابر اور ظالم کی غلامی سے نجات دی۔ تمہارے دشمن کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کیا جو کچھ دولت اور مال فرعون کے پاس تھا سب تمہارے قبضے میں دے دیا۔ ان نوازشات کا تمہیں شکر کرنا چاہیے تھا لیکن تم بت پرستی کی خواہش کر رہے ہو۔ یاد رکھو عبادت کے لائق صرف اللہ رب العزت ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیونکہ وہی خالق رازق اور قہار ہے۔ بت بنانے کا سوال بنی اسرائیل کے کچھ ہی نا سمجھ لوگوں نے کیا تھا۔ سب لوگ اس برائی میں شریک نہیں تھے۔ لیکن یہ ضمیر تمام بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے۔

وجاوزنا ببنی اسرائيل البحر فاتوا على قوم يعكفون على اصنام لهم قالوا يموسى اجعل لنا الها كما لهم الهة۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔"

یعنی بعض لوگوں نے کہا۔ قالوا کی ہم ضمیر کا مرجع بعض لوگ ہیں۔ لیکن "جاوزنا ببنی اسرائیل" سے مراد تمام لوگ ہیں۔ ایک ہی ان میں سے باہر نہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے ایک دوسری آیت ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و حشرنا هم فلم نغادر منهم احدا و عرضوا على ربك صفا لقد جئتمونا كما خلقنا كم اول مرة بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا۔ ﴿سورۃ الکہف﴾

ترجمہ: "اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار۔ ہاں تم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدے کا دن۔"

اکٹھے تو حشر کے دن سب ہوں گے۔ مؤمن بھی اور کافر بھی لیکن قیامت میں شک کرنے والے بعض لوگ ہیں سارے نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابی واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین کے دن نکلے۔ جب ایک بیری کے درخت سے گزرے۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس بیری کے درخت کو ہمارے لیے ذات انواط بنا دیں۔ جیسا کہ کافروں کے لیے ذات انواط ہے۔ ذات انواط بیری کا ایک درخت تھا جس پر کافر اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے اور اسکے اردگرد اعتکاف کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر! بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی کہا تھا۔

علامہ ابن جریر نے محمد بن اسحاق، معمر اور عقیل کی حدیث سے، ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ سے حنین کو روانہ ہوئے فرماتے ہیں کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا جس کے پاس وہ اعتکاف کیا کرتے تھے اور اپنا اسلحہ اس پر لٹکا دیا کرتے تھے اس درخت کو ذات انواط کہا جاتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا گزر بیری کے ایک بہت بڑے درخت سے ہوا جو بہت سرسبز و شاداب تھا۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس درخت کو آپ ہمارے لیے ذات انواط بنا دیں جس طرح کہ کافروں کے لیے ذات انواط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے وہی بات کی جو قوم موسیٰ نے کی تھی بناؤ ہمارے لیے ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بیشک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔"

میدان تیہ، بنی اسرائیل کا چالیس سال بھٹکتے رہنا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر کی حدود سے نکل گئے اور بیت المقدس کے سامنے پہنچے تو وہاں آپ کا سامنا ایک جابر قوم سے ہوا۔ یہ قوم حیثانیین، فرازیین اور کنعانیین وغیرہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور ان قوموں کے

ساتھ جنگ کرو۔ اور انہیں بیت المقدس سے مار بھگاؤ۔ کیونکہ یہ شہر اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ ملک تمہیں دینے کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن بنی اسرائیل نے انکار کر دیا اور جہاد سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف مسلط کر دیا اور انہیں تیہ کے صحراء میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ وہ اس میں ایک عرصے تک خانہ بدوشوں کی طرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے اور تقریباً چالیس سال تک انہیں فلسطین میں داخل ہونا نصیب نہ ہوا۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذ قال موسی لقومه ...... علی القوم الفسقین۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔ موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان اللہ نے فرمایا: تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر۔"

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر ارزانی دینی و دنیوی فضل و احسان کا ذکر کر رہا ہے اور راہِ حق میں دشمنانِ خدا کے ساتھ جنگ کا حکم دے رہا ہے۔

یا قوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم۔

ترجمہ: "اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے۔"

یعنی انہیں پاؤں پر پیچھے کی طرف نہ پلٹو اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔ "فتنقلبوا خاسرین" ترجمہ: "ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے" یعنی نفع کے بعد تمہیں خسارے کا منہ دیکھنا پڑے گا اور کمال کے بعد زوال کا سامنا کرنا ہوگا۔

"قالوا یا موسیٰ ان فیها قوما جبارین۔" ترجمہ: "کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے۔"

اس جابر قوم سے ڈر گئے حالانکہ وہ فرعون کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوتا دیکھ چکے تھے۔ جو اس قوم سے زیادہ جابر اور ظالم تھا۔ اس کے پاس افرادی قوت بھی زیادہ اور جنگجو بھی کثرت سے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ کہنا کہ یہ لوگ بڑے جابر ہیں قابل مذمت تھا اور ان کی یہ حالت ملامت کے لائق تھی۔ دشمن سے جنگ کرنے سے پہلو تہی انہیں زیب نہیں دیتی تھی اور شکست خوردہ قوم کے مقابلے میں بھاگ کھڑا ہونا اہل ایمان کے لیے بڑے افسوس کی بات تھی۔

یہاں مفسرین مقام نے بہت سے ایسے آثار بیان کیے ہیں جن میں صداقت نام کی کوئی چیز نہیں۔ اکثر واقعات بے بنیاد اور باطل ہیں۔ جو نہ تو عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں اور نہ نقلی لحاظ سے انہیں کسی اعتبار کے قابل سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اس قوم کے جوانوں کی جسامت انتہا درجہ کی ہولناک تھی۔ ان کے قد عام لوگوں سے کہیں بڑے تھے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بنی اسرائیل کے قاصد جب فلسطین پہنچے تو انہیں ایک آدمی ملا۔ جو انہیں پکڑ پکڑ کر اپنی آستین میں اور شلوار کے پائنچے میں ڈالتا گیا۔ بنی اسرائیل کے ان قاصدوں کی تعداد بارہ تھی۔ اس نے ان بارہ آدمیوں کو آستین اور پائنچے میں ڈال کر بادشاہ کے سامنے بکھیر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا پکڑ کر لائے ہو؟ جب اسے بتایا گیا کہ یہ انسان ہیں تو وہ بہت حیران ہوا۔

یہ سب بکواسات اور خرافات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ان قاصدوں کو تحفے میں جو انگور دیئے۔ وہ اتنے بڑے تھے کہ ایک انگور کو ایک آدمی بڑی مشکل سے اٹھاتا تھا اور وہ اس کے لیے کفایت کرتا تھا۔ اور اس نے یہ تحفے اس لیے بھیجے تا کہ بنی اسرائیل کو ان کی قوت اور جسمانی حالت کا اندازہ ہو سکے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عوج بن عنق فلسطینیوں کی طرف سے میدان میں آیا تا کہ اسرائیلیوں کو ہلاک کرے اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ۳۳۳۳ گز لمبا تھا۔ اسی قسم کے چند اور

واقعات بھی بغوی وغیرہ نے بیان کیے ہیں۔

جن میں کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو آپ کا قد ستر گز لمبا تھا پھر آنے والی نسلوں میں قد کم ہوتا گیا اور اب تک یہ کمی مسلسل جاری ہے۔"

مذکورہ واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ عوج ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اسے اکھیڑ کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اس نے وہ پہاڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر مارنے کا ارادہ کیا تو اسی اثنا میں ایک پرندہ آیا۔ اس نے اس چٹان کو اپنی چونچ سے کریدا تو وہ پھٹ گئی اور عوج بن عنق کے گلے کا طوق بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر حملہ آور ہوئے آپ نے دس گز اونچی چھلانگ لگائی۔ آپ کا قد بھی دس گز تھا۔ اور آپ کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس کی لمبائی بھی دس گز تھی۔ آپ عوج کی ایڑھی تک پہنچے ضرب لگائی جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

یہ واقعہ نوف البکالی سے روایت کیا گیا ہے۔ علامہ ابن جریر نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت یقینی نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو اس کا تعلق اسرائیلیات سے ہے۔ اور یہ سب بے اصل قصے بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کے بیان کردہ ہیں۔ آج بھی وہ اس قسم کے بے شمار قصے لوگوں کو سناتے ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ بنی اسرائیل علم سے نابلد ہونے کی وجہ سے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر یہ سب قصے صحیح ہیں۔ واقعی وہاں کے رہنے والے لوگ اتنی بڑی جسامت کے مالک تھے تو پھر بنی اسرائیل کیا کرتے۔ وہ تو بچارے ان کے سامنے کیڑے مکوڑوں کی مانند بے بس تھے۔ انہیں مورد الزام ٹھہرانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ وہ معذور تھے کرتے تو کیا کرتے۔ ان کی مذمت عدل و انصاف کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو عادل ہے ان کی مذمت فرمائی ہے کہ انہوں نے جہاد سے جی چرایا۔ اور انہیں اسی جرم کی پاداش میں عرصے تک میدان تیہ کی خاک چھاننا پڑی۔ لیکن بنی اسرائیل سے دو آدمی ایسے تھے جنہوں نے جہاد کرنے میں رغبت ظاہر کی اور لوگوں کو بزدلی سے بچنے کی تلقین کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک یوشع بن نون تھے اور دوسرے کا اسم گرامی کالب بن یوقنا تھا۔ یہ ارشاد حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطیہ، سدی، ربیع بن انس اور کئی دیگر مفسرین عظام رضی اللہ عنہم کا ہے۔

"قال رجلان من الذین یخافون۔" ترجمہ: "کہا دو آدمیوں نے جو ڈرنے والوں سے تھے۔"

بعض لوگوں نے اسے یُخَافون (خا پر پیش اور فا پر زبر کے ساتھ) پڑھا ہے۔ یعنی جن کا قوم میں رعب و دبدبہ تھا۔ "انعم اللہ علیھما" ترجمہ: "انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر" یعنی اسلام، ایمان، اطاعت اور شجاعت عطا کر کے۔

ادخلوا علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون۔ وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین۔

ترجمہ: "کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔"

یعنی جب تم اللہ پر بھروسہ کرو گے۔ اس سے مدد طلب کرو گے اور اسکے حضور پناہ کا سوال کرو گے۔ تو وہ دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور ان پر تمہیں فتح عطا کر کے تمہاری لاج رکھ لے گا۔

قالوا یا موسیٰ انا لن ندخلھا ابدا ما داموا فیھا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

ترجمہ: "کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک۔ جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔"

بنی اسرائیل نے جہاد سے مکمل روگردانی کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے کہا ہم سے جہاد نہیں ہوتا۔ ہم کمزور لوگ ہیں ان دیوہیکل لوگوں کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام نے یہ باتیں سنیں تو اپنے گریبان چاک کر ڈالے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا کہ الٰہی انہوں نے بے سوچے اتنی بڑی بات کہہ ڈالی ان پر رحم فرما۔ وہ بہت ناراض ہوئے کہ اللہ کے حکم کے جواب میں یہ گفتگو اور ایک ایسی قوم کی زبان سے ایسی بیہودہ گفتگو جس نے قدرت خداوندی کے مظاہرے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

قال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا و بین القوم الفاسقین۔

ترجمہ: "موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے۔ پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے فیصلہ فرما دے میرے اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔

قال فانھا محرمة علیھم اربعین سنة یتیھون فی الارض فلا تاس علی القوم الفاسقین

ترجمہ: "اللہ نے فرمایا: تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک۔ سرگرداں

پھریں گے زمین میں۔ سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر۔"

جہاد سے روگردانی کی انہیں یہ سزا ملی کہ وہ زمین میں ایک طویل عرصے تک سرگرداں رہے۔ ان کے سامنے کوئی خاص منزل نہیں تھی۔ صبح وشام، رات دن ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے۔ کہتے ہیں جتنے لوگ میدان تیہ میں داخل ہوئے ان میں سے کوئی بھی واپس نہ جا سکا۔ بلکہ سب کے سب چالیس سال کے اس عرصے میں فوت ہو گئے۔ صرف ان کی اولاد بچی اور حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام کے علاوہ مصر سے آنیوالے تمام لوگ اسی ویرانے میں وفات پا گئے۔

مگر حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کا جذبہ جاں نثاری دیکھیے۔ غزوہ بدر کے دن کسی ایک شخص کی زبان سے وہ بات نہیں سنی گئی جو بنی اسرائیل نے کہی تھی۔ بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین نے وہ معروضات پیش کیں جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوش ہو گئے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھے مشورہ دو" حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم (انصار) سے مخاطب ہیں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو بھی ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن سے برسر پیکار ہونے کا ناپسند نہیں کرتے۔ آپ کل دیکھیں گے کہ ہم کس طرح جنگ میں استقامت دکھاتے ہیں۔ بلاشبہ ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے ہیں دشمن سے منہ بھیڑ کے دن سچ کر دکھانے والے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اللہ کے نام کی برکت سے ہمیں لے چلیں۔ حضور نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور اس جذبہ جاں نثاری نے آپ کے حوصلے بڑھا دیے۔

امام احمد، طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے روز محبوب خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ سے اس طرح عرض نہیں کریں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ

"فاذهب انت و ربك فقاتلا انا هھنا قاعدون۔" یعنی آپ جایئے اور آپ کا اب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! تشریف لے چلیے آپ بھی اور آپ کا رب بھی ہم بلاشبہ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ حدیث کی سند بہت اچھی ہے اگرچہ اس کے

دوسرے طرف بھی ہیں۔

امام احمد، طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ایک رتبے سے واقف ہوں۔ کیونکہ میں ان کا دوست ہوں۔ اور وہ رتبہ مجھے دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پسند ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ مشرکین کے لیے بددعا کر رہے تھے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر کافروں سے جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے (چاروں طرف) دشمن سے قتال کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا ہے اور آپ بہت خوش ہو رہے ہیں۔ (اسے امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اور مغازی میں مخارق سے کئی طریق سے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ بدر کی جانب روانہ ہوئے تو مسلمانوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کا مشورہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تجویز مانگی (کہ اس بے سروسامانی اور تعداد کی قلت میں دشمن سے جنگ کی جائے یا نہیں) تو انصار نے عرض کی: اے انصاریو! رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن آپ کی طرف ہے انہوں نے عرض کی: ہم وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑائی کرے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ برک غماد تک بھی جہاد کی خاطر تشریف لے جائیں گے تو بھی ہم آپ کی اتباع کریں گے۔

(اسے امام احمد اور نسائی نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔)

سرکش اور جبار قوم سے جب بنی اسرائیل نے جہاد فی سبیل اللہ کے فریضہ سے روگردانی اور بزدلی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تیہ میں سرگرداں رہنے کی سزا دی۔ حکم ملا کہ تم اس صحراء سے چالیس سال تک نہیں نکل سکو گے۔

فلسطینی اقوام کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلو تہی کا یہ قصہ اہل کتاب کی کسی کتاب میں مجھے نہیں ملا۔ ہاں ان میں اتنا ضرور ہے کہ حضرت یوشع ؑ کو حضرت موسیٰ ؑ نے کفار کے ایک لشکر سے جنگ کرنے کے لیے تیار فرمایا۔ حضرت موسیٰ ؑ، حضرت ہارون ؑ اور خور نامی ایک اسرائیلی سردار ایک ٹیلے کی چوٹی پر بیٹھ گئے اور جنگ کا نظارہ کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اپنا عصا بلند کیا۔ قدرت خداوندی سے حضرت موسیٰ ؑ جونہی عصا بلند کرتے تو حضرت یوشع بن نون ؑ کو کافروں پر غلبہ حاصل ہو جاتا اور پھر جونہی آپ عصا نیچے کرتے دشمن کا زور بڑھ جاتا اور حضرت یوشع ؑ کی فوجیں پسپا ہونے لگتیں۔ حضرت ہارون ؑ اور خور نے اس روز غروب آفتاب تک حضرت موسیٰ ؑ کی ہاتھ بلند کرنے میں مدد کی ان دونوں نے آپ کے ہاتھوں کو پکڑ کر بلند کیے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون ؑ کے لشکر کو فتح عطا فرما دی۔

اہل کتاب کہتے ہیں جب حضرت موسیٰ ؑ کے سسر ''یثرون'' کو پتہ چلا تو وہ آپ کے پاس تشریف لایا اس کے ساتھ اپنی بیٹی حضرت ''صفورا'' بھی تھیں جو حضرت موسیٰ ؑ کی بیوی ہیں۔ آپ ؑ کے دونوں بیٹے ''جیرشون'' اور ''عازر'' بھی اپنے نانا کے ساتھ تھے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے یثرون کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی۔ بنی اسرائیل کے سردار بھی انہیں ملنے آئے اور سب لوگوں نے ان کا بہت احترام کیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب ''یثرون'' نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ ؑ کو تو صبح و شام اسرائیلیوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے کرنے سے فرصت نہیں تو انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ بنی اسرائیل سے کچھ متقی پرہیزگار اور راست باز لوگوں کا انتخاب کریں اور ہزار ہزار، دو دو سو، پچاس پچاس دس دس آدمیوں پر انہیں قاضی مقرر کرتے جائیں۔ وہ لوگوں میں فیصلے کریں۔ جب کوئی مسئلہ ان سے فیصل نہ ہو سکے تو اس کا فیصلہ آپ خود کر دیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں بنی اسرائیل سیناء کے قریب ایک بیابان میں داخل ہوئے۔ مصر سے

خروج کو تین مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا۔ کیونکہ وہ سال کی ابتداء میں وہاں سے نکلے تھے۔ اور یہی مہینہ ان کے لیے پہلا مہینہ قرار دیا گیا تھا۔ موسم بہار کی آمد تھی۔ اور جب وہ تیہ میں داخل ہوئے تو موسم گرما شروع ہو چکا تھا۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کے بیان کردہ واقعات کے مطابق بنی اسرائیل طور سیناء کے ارد گرد قیام پذیر ہوئے۔ حضرت موسیٰ ؑ پہاڑ پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو میرے عطا کردہ انعامات یاد کراؤ۔ کیسے میں نے انہیں فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی۔ کیسے میں انہیں عقاب کی طرح تمام مشکلوں کے قبضے سے چھڑا لے آیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو فرمائیں کہ وہ طہارت حاصل کریں۔ نہائیں دھوئیں اور تیسرے دن کے لیے تیاری کریں۔ اور جب تین دن ہو جائیں تو پہاڑ کے ارد گرد جمع ہوں لیکن اس کے قریب مت جائیں۔ جو اس کے قریب جائے گا قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی چوپایہ بھی اس کے قریب نہ جائے۔ جب تک کہ وہ سینگ (بگل) کی آواز سنتے رہیں ایسا ہی کریں اور جب سینگ کی آواز خاموش ہو جائے تو پھر اس پر چڑھنے کی انہیں اجازت ہے۔ بنی اسرائیل نے یہ حکم سنا اور اس کی پوری پوری اطاعت کی۔ نہائے دھوئے پاکیزگی کا اہتمام کیا اور خوشبو لگائی۔

جب تیسرا دن ہوا پہاڑ پر ایک عظیم بادل نمودار ہوا۔ اس بادل میں آواز، بجلیاں اور بگل کی سی بہت سخت آوازیں تھیں۔ بنی اسرائیل پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ نکلے اور دامن کوہ میں آ کر ٹھہر گئے۔ پہاڑ پر بہت زیادہ دھواں چھا گیا جس کے درمیان نور کے ستون تھے۔ پورا پہاڑ زلزلے کے جھٹکوں سے لرزا تھا۔ بگل کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ اور لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔ حضرت موسیٰ ؑ پہاڑ کے اوپر تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے گفتگو فرما رہا تھا اور راز و نیاز کی باتیں کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ نیچے جاؤ اور بنی اسرائیل سے کہو کہ وہ میری بات سننے کے لیے پہاڑ کے قریب آئیں۔ احبار یعنی علماء کو حکم دیا کہ وہ قریب ہوں اور پہاڑ پر چڑھیں تاکہ وہ قرب حاصل کریں۔

(یہ ان کی کتاب میں نص ہے جو لامحالہ مفسوخ ہو چکی ہے۔)

حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کی اے میرے خدا۔ وہ تو اس پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتے کیونکہ تو نے انہیں اس سے روک دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ جاؤ اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے آؤ۔ لیکن کاہن یعنی علماء اور بنی اسرائیل کے بزرگ قریب نہ آئیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے گفتگو فرمائی اور انہیں دس احکامات دینے کا حکم دیا۔

بنی اسرائیل کیلئے دس احکام:

اہل کتاب کے نزدیک بنی اسرائیل نے بھی اللہ کا کلام سنا۔ لیکن وہ کچھ نہ سمجھ سکے حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا بنی اسرائیل کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے جائیں اور ہماری طرف سے یہ عرض کریں کہ ہمیں موت کا خوف لاحق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس باتیں پہنچائیں۔ (۱) صرف ایک خدا کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں۔ (۲) اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں نہ اٹھائیں۔ (۳) سبت کا احترام بجالائیں۔ یعنی ہفتے میں یہ دن صرف عبادت کے لیے مخصوص کریں۔ اسی لیے اہل اسلام جمعۃ المبارک کو زیادہ عبادت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سبت کو منسوخ فرما کر جمعہ کو مسلمانوں کے لیے عبادت کا دن قرار دیا ہے۔ (۴) والدین کی عزت و تکریم کریں تاکہ ان کی زمین میں عمر لمبی ہو۔ جو اللہ نے اس دنیا میں رہنے کو انہیں عطا فرمائی ہے۔ (۵) قتل نہ کریں۔ (۶) زنا نہ کریں۔ (۷) چوری نہ کریں۔ (۸) کسی دوست کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دیں۔ (۹) پڑوسی کے گھر کی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ (۱۰) پڑوسی کی بیوی کی خواہش نہ کریں۔ نہ اس کے غلام، نہ اس کی لونڈی اور نہ ہی اس کی بیل کی خواہش رکھیں۔ اور نہ اس کے گدھے وغیرہ کی خواہش کریں۔ جو تیرے پڑوسی کی ملکیت ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں اس کے ساتھ حسد نہ کریں۔

علمائے اسلاف وغیرہ کہتے ہیں۔ ان دس احکامات کو قرآن مجید کی دو آیتوں میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ یہ دونوں آیتیں سورۃ الانعام میں ہیں:

قل تعالوا اتل ماحرم ربکم .... لعلکم تتقون۔

ترجمہ: "آپ فرمایئے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب بھی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ

کو پورا کرو یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو۔ اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

اہل کتاب نے ان دس احکامات کے بعد بہت ساری نصیحتیں اور مختلف احکامات کا ذکر کیا ہے۔ یہ تعلیمات واقعی الہام سے تعلق رکھتی ہیں اور اہل کتاب نے ایک عرصے تک ان پر عمل بھی کیا لیکن بعد میں ان لوگوں کی غلط سوچ کی گرد نے ان تعلیمات کے حسن کو گہنا دیا۔ ان ظالموں نے ان میں لفظی اور معنوی تحریفیں پیدا کر دیں۔ پھر ان تعلیمات کو ان سے چھین لیا گیا۔ یہ سب احکامات منسوخ ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے احکامات نے لے لی جو اکمل و اتم صورت میں تھے۔

تورات کے بیان کردہ احکامات بھی اللہ تعالیٰ کے الہام کردہ تھے اور قرآن مجید کی تعلیمات بھی اسی خدائے واحد و یکتا کی عطا کردہ ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خلق اور امر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ بابرکت ذات ہے جو عالمین کا رب ہے۔

یا بنی اسرائیل قد انجینکم .... ثم اھتدی۔ ﴿سورۃ طہ﴾

ترجمہ "اے بنی اسرائیل! (دیکھو) ہم نے بچا لیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من و سلویٰ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب اور وہ اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات اور نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ بنی اسرائیل کو دشمنوں سے نجات بخشی۔ غلامی اور تنگی کی زندگی سے انہیں آزادی عطا کی۔ ان سے طور کے دائیں طرف اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں یہ وعدہ فرمایا کہ ان پر عظیم احکامات نازل فرمائے گا جن میں ان کی دنیوی اور اخروی بھلائی کا راز مضمر ہوگا۔ ان کے لیے چٹیل اور بے آب و گیاہ صحراء میں ایسی چیزیں نازل فرمائے گا جو ان کی ضرورتوں کو پورا کریں گی۔ ان کی خوراک کے لیے آسمان سے من اترے گا جسے بے محنت صبح سویرے وہ اپنے گھروں کے اندر موجود پائیں گے۔ یہ خوراک ان کی ایک دن کی ضرورت کو پورا کرے گی اور دوسرے دن پھر اسی طرح انہیں کفایت کردہ خوراک مل جائے گی۔ لیکن اگر کسی نے ایک دن کی خوراک کو دوسرے دن کے لیے ذخیرہ کیا تو وہ خراب ہو جائے گی اور کھانے

کے قابل نہیں رہے گی۔ جو شخص تھوڑی سی خوراک لے گا وہ اس کے لیے کافی ہوگی اور جو بہت زیادہ اکٹھی کرے گا وہ اس کے کھانے سے بچ نہیں پائے گی۔ وہ اس خوراک سے روٹیاں پکا ئیں گے۔ جو بہت عمدہ اور لذیز ہوں گی۔ جب شام ہوگی تو کثیر تعداد میں سلویٰ کے پرندے آئیں گے جو اس قدر زیادہ ہوں گے کہ انہیں گھیر لیں گے اور وہ اپنی شام کے کھانے کی ضرورت کے مطابق پکڑ کر ذبح کر لیں اور انہیں ان کے پکڑنے کے لیے تگ و دو نہیں کرنا پڑے گی۔

موسم گرما میں ان پر بادل سایہ کرے گا جو انہیں سورج کی تپش سے بچائے گا۔ اس بادل میں بہت زیادہ روشنی ہوگی جس میں وہ رات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی ...... قلیلا و ایای فاتقون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے وعدہ کو اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور ایمان لاؤ اس پر جو نازل کی ہے میں نے سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم سب پہلے انکار کرنے والے اس کے۔ اور نہ خریدو تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت اور صرف مجھی سے ڈرا کرو۔"

و اذ نجینکم من ال فرعون ...... انفسھم یظلمون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب نجات بخشی ہم نے تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے۔ پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے اس (ظلم عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کی قوت تا کہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام نے) اپنی قوم سے اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور

یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے جلا اٹھایا تمہیں تمہارے مر جانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار ہو اور ہم نے سایہ کر دیا تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من و سلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے رہتے تھے۔"

و اذ استسقی موسی لقومہ ...... و کانوا یعتدون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا: مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیے ہوئے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے وہ جن کو زمین اگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے۔ (اچھا) جا رہو کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا۔ اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے بے پناہ احسانات کیے۔ انہیں من و سلویٰ سے نوازا۔ یہ لذیز کھانا بلا محنت و مشقت گھر بیٹھے انہیں فراوانی سے مل جاتا۔ من کا نزول دن کے پہلے پہر ہوتا اور شام کے کھانے کے لیے سلویٰ کے پرندے کثیر تعداد میں اترتے جنہیں بلا تکلیف وہ پکڑ کر ذبح کرتے اور ان کا لذیز گوشت سیر ہو کر کھاتے ان کی ضرورت کے لیے لق و دق صحراء میں میٹھے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک ضرب نے اس پتھر سے پانی جاری کر دیا جسے وہ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے۔ پھر اس چھوٹے سے پتھر سے ایک نہیں بارہ چشمے جاری ہوئے۔ ہر قبیلے کے لیے الگ الگ چشمہ پھوٹ پڑا اور پانی اتنا میٹھا تھا کہ پیتے تو عش عش کر اٹھتے۔ یہ میٹھا پانی ان کی تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا۔ اس چشمہ سے وہ اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلاتے۔ اپنی ضرورت کے لیے بھر کر رکھ لیتے۔ گرمی کی شدت میں ایک بادل نمودار ہوتا اور ان پر سایہ کر لیتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں اور خصوصی بندہ نوازیاں تھیں جو بنی اسرائیل کو عطا ہوئیں۔ لیکن ان لوگوں نے ان کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ کا شکر اور عبادت کر کے ان نعمتوں کی قدر نہ کی۔ بلکہ ان میں اکثر لوگ کڑکڑانے لگے۔ ان نعمتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان کی دوسری نعمتوں سے بدل دیا جائے۔ من و سلویٰ کی بجائے انہیں ساگ ککڑی، گندم، دال، پیاز وغیرہ عطا کیا جائے جو زمین سے اگتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا، سرزنش فرمائی اور انہیں سخت سست کہا کہ تم اعلیٰ اور ادنیٰ چیز کا مطالبہ کر رہے ہو۔

اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم۔

ترجمہ: "کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلے میں جو عمدہ ہے (اچھا) جاؤ کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا۔"

یعنی کیا ان نعمتوں کے بدلے تمہیں وہ ادنیٰ چیزیں چاہئیں جو شہروں اور دیہاتوں میں ملتی ہیں جب تمہیں اس منصب جلیلہ سے اتار دیا جائے گا جس کی تم میں اہلیت نہیں تو تمہیں اپنی خواہش کی چیزیں مل جائیں گی۔ جس وسعت اور حسن مزاج کی تمہیں تمنا ہے یہی تمہارا مقدر ٹھہرے گی۔ لیکن میں تو تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتا۔ یہاں تو یہ چیزیں تمہیں مل سکیں گی۔ اور میں بلا ضرورت کسی چیز کا مطالبہ کر بھی نہیں سکتا ہوں جو تمہیں مشقت اور مشکل میں ڈال دے۔

بنی اسرائیل کی خصلتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مطالبے سے باز نہیں آئے ہوں گے۔ جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تطغوا فیہ فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوی۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب اور وہ (بد نصیب) کہ جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔"

یعنی وہ ہلاک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قسمت میں بدبختی اور بربادی لکھ دیتا ہے اور اللہ مالک اور جبار کی ناراضگی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا ان خوش نصیبوں سے بخشش کا وعدہ ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں اور شیطان مردود کی پیروی پر مصر نہیں ہوتے فرمایا:

وانی لغفار لمن تاب و آمن و عمل صالحا ثم اھتدی۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل

کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

وواعدنا موسی ثلثین لیلۃ ...... ما کانوا یعملون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے۔ سو پوری ہو گئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں۔ اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے عرض کی اے میرے رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے سرفراز فرمایا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لیے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لیے اور تفصیل ہر چیز کی۔ پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں۔ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) نہ ایمان لائیں ان پر اور وہ دیکھ بھی لیں راہ رشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنا لیں اسے (اپنی) راہ یہ (ساری غلط روی) اس لیے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال کیا انہیں جزا دی جائے گی سوائے اس کی جو وہ کیا کرتے تھے؟"

اسلاف کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مسروق اور مجاہد سرفہرست ہیں فرماتے ہیں کہ ان تیس راتوں سے مراد ذی القعدہ کا پورا مہینہ ہے۔ اور مزید دس راتوں سے مکمل کرنے سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں۔

اس قول کے مطابق گویا عید قربان کے دن اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کے دین کو اسی مہینے میں تکمیل بخشی اور اپنی حجت و دلیل اہل دنیا پر قائم فرما دی۔

مقصود یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ میعاد پوری فرمائی۔ ان دنوں آپ نے مسلسل روزے رکھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چالیس دن کی اس مدت میں آپ علیہ السلام نے بالکل کھانا تناول نہیں فرمایا۔ جب ایک ماہ مکمل ہوا تو آپ نے درخت کا چھلکا لیا اور اسے چبایا تاکہ منہ سے بدبو نہ آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ دس دن اور روزہ رکھو۔ اس طرح چالیس راتیں مکمل ہو گئیں۔ اسی لیے حدیث سے ثابت ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو عند اللہ کستوری کی مہک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے تھے تو قوم بنی اسرائیل کی قیادت حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کر گئے تھے جو آپ علیہ السلام کے بھائی اور بنی اسرائیل کی نہایت ہی معظم و مکرم اور پسندیدہ شخصیت تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے والد اور والدہ کی طرف سے سگے بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت الی الحق میں انہیں آپ کا وزیر مقرر فرمایا تھا۔ اور انہیں حکم دیا تھا کہ میری چنیدہ قوم کی رہنمائی میں اپنے بھائی کا ساتھ دیں۔ اور یہ کچھ بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ آپ نہایت علو منزلت کی حامل شخصیت تھے۔

لن ترانی:

فرمان خداوندی ہے "ولما جاء موسی لمیقاتنا" ترجمہ: "اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر" یعنی اس وقت پر جوان کی آمد کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ "و کلمه ربه" ترجمہ: "اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے" یعنی پس پردہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف آواز سننے کا شرف بخشا انہیں مخاطب کرتے ہوئے۔ اپنی طرف متوجہ کیا، انہیں اپنی قربت بخشی اور معیت خاصہ سے سرفراز فرمایا۔ یہ نہایت ہی بلند مقام ہے جو ہر کسی کو عطا نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ عظیم منصب اور بلند درجہ ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا تو عرض کی مولا کریم عزوجل! یہ حجاب بھی ہٹا دے "رب ارنی انظر الیک" ترجمہ: "عرض کی اے میرے رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں" وہ اللہ تعالیٰ جس کا آنکھیں احاطہ نہیں کر سکتیں فرمایا "لن ترانی" ترجمہ: "تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے" پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ میری تجلیات کو دیکھ کر ہوش و حواس بھی قائم رکھ سکو۔ کیونکہ پہاڑ جو اپنی ذات کے

اعتبار سے قوی اور بڑا اور بہت ثبات کا حامل ہے جب وہ الٰہی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتا تو انسان کیسے کر سکے گا۔ اسی لیے فرمایا: "ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی۔" ترجمہ: "البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے۔"

کتب سابقہ میں مذکور ہے کہ رؤیت کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اے موسیٰ مجھے کوئی زندہ جب دیکھے گا جو مر جائے گا اور سبزہ پر جب میری تجلی پڑے گی تو جل کر راکھ بن جائے گا۔"

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حجاب الٰہی ایک نور ہے ایک روایت میں ہے کہ آگ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس (نورانی) حجاب کو ہٹا دے تو جہاں تک اس کی نگاہ جائے سب مخلوق انوار خداوندی سے جل کر راکھ بن جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ: "لا تدرکه الابصار" (سورۃ الانعام) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ خدائی نور تھا۔ اور خدائی نور کا جب جلوہ پڑتا ہے تو کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسی صعقا فلما افاق قال سبحانك تبت الیك و انا اول المؤمنین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تیری بارگاہ میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔"

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی۔" "پہاڑ جو آپ سے جسامت میں بڑا اور خلقت میں سخت ہے اسے ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو پھر تو بھی میرے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گا۔" "فلما تجلی ربه للجبل" "جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو فوراً پہاڑ کی طرف دوڑے۔ اسی اثناء میں دیکھا تو تجلی ربانی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اتنا زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا" اور پھر اپنا انگوٹھا چھوٹی انگلی کے اوپر والے

پورے پر رکھ کر اشارے سے بتایا کہ اتنی سے تجلی ڈالی تو پہاڑ زمین میں دھنس گیا۔

(ترمذی، احمد، حاکم، ابن جریر)

حضرت سدی، حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے چھوٹی انگلی کے برابر اپنی عظمت کی تجلی ڈالی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور فرماتے ہیں کہ "دکا" سے مراد ہے مٹی بن گیا۔ "وخر موسیٰ صعقا" کا معنی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح پرواز کر گئی اور وہ زمین پر گر گئے۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ "فلما افاق" "ترجمہ" "جب آپ کو ہوش آیا" کے الفاظ دوسرے معنی کی تردید کرتے ہیں۔ کیونکہ افاقہ غشی سے ہوتا ہے موت سے نہیں۔ "قال سبحٰنک" جب آپ ہوش میں آئے تو زبان مبارک سے نکلا پاک ہے تو (ہر نقص سے) اور اس بات سے کہیں بلند، پاک اور منزہ ہے کہ کوئی تجھے آنکھ سے دیکھ سکے۔ "تبت الیک" "ترجمہ" "میں توبہ کرتا ہوں" اس کے بعد میں رؤیت کا سوال نہیں کروں گا۔ "و انا اول المؤمنین" "ترجمہ" "اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں" کہ تجھے جو ذی روح دیکھے گا، زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اگر تیری تجلی سبزہ زار پر پڑے گی تو جل کر راکھ بن جائے گا۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے انبیاء کرام پر فضیلت نہ دیا کرو۔ تمام لوگ قیامت کے روز بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔ نہ جانے وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا طور کی بے ہوشی کے صلہ میں انہیں بے ہوش ہی نہیں کیا جائے گا۔"

بخاری کے بیان کے مطابق اس سے پہلے ایک یہودی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے اس وقت تھپڑ مارا جب اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ واقعہ سن کر) ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو" اور اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔

درحقیقت یہ تواضع و انکساری کی بناء پر ہے۔ یا انبیاء پر اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دینے کی ممانعت ہے جس سے دوسرے مذاہب کے لوگ ناراض ہوں اور تعصب بڑھے۔ یا یہ کہ فضیلت انسانوں کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بلند درجے عطا کر رکھے ہیں۔ کسی

کے کہنے سے کوئی نبی بڑا نہیں بن جاتا در اصل فضیلت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب آپ کو اپنی افضلیت کا علم نہیں تھا۔ مگر جب آپ کو اپنی فضیلت سے آگاہ کر دیا گیا تو یہ فرمان مبارک منسوخ قرار پا گیا۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ کیونکہ حدیث کے راوی حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین کے بعد ہجرت فرمائی۔ یقیناً انہوں نے اس بات کو اپنی ہجرت کے بعد روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر بلکہ افضل الخلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔" "ترجمہ" "اور امت کی فضیلت اپنے نبی کی افضلیت کے طفیل ہی ہوتی ہے۔"

اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ کا مرتبہ نبوت بہت بلند ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں۔" پھر آپ نے مقام محمود کی اپنے لیے تخصیص فرمائی جس پر اولین و آخرین رشک کریں گے۔ انبیاء کرام اور مرسلین کی بھی جس تک رسائی نہیں ہو گی بلکہ اولی العزم اور اکمل ترین شخصیات حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام بھی دور کھڑے رشک کی نظروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہوں گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایا پکڑے دیکھوں گا اور میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا طور کی مدہوشی کے بدلے میں بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔" اس بات پر دلیل ہے کہ عرصات قیامت میں سب مخلوق پر مدہوشی چھا جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے جب تجلی فرمائے گا تو عظمت و ہیبت اور جلالت خداوندی کی برداشت نہ کرتے ہوئے سب لوگ ہوش و حواس نہیں رکھ سکیں گے۔ سب سے پہلے محبوب رب ارض و سماء خاتم المرسلین والانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں ہیں اور عرش خداوندی کا پایا پکڑے کھڑے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں نہیں جانتا وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آئے؟ کیونکہ ان کے لیے نسبتاً یہ مدہوشی خفیف ہوگی کیونکہ وہ اس تجلی سے دنیا میں بھی بے ہوش ہو چکے ہوں گے یا سرے سے طور کی مدہوشی کی وجہ سے مدہوش ہی نہیں ہوں گے۔"

اس حدیث پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس پہلو سے بہت بڑا شرف پایا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے من کل وجوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس لیے آپ کے فضل و شرف کو بیان فرمایا کیونکہ جب یہودی نے تمام بشریت پر آپ علیہ السلام کی افضلیت ان کی اور مسلمان نے تھپڑ مارا تو لوگوں کے ذہنوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام رفیع مشکوک ہو گیا آپ ﷺ نے اپنے ارشاد عالیہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بزرگی اور کمال شرف و کرامت کو بیان فرما دیا تا کہ لوگوں کے ذہن پراگندہ نہ ہوں۔

قرآن مجید کی آیت "قال یا موسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسلتی و بکلامی" ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے" میں جو فضیلت کی بات کی گئی ہے وہ اسی زمانے کے لوگوں تک محدود ہے۔ یعنی اپنے دور کے تمام انسانوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا کی نہ کہ پہلے لوگوں پر اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آپ پر فضیلت ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے مابعد کے انبیاء پر بھی فضیلت حاصل نہیں کیونکہ نبی محترم حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جیسا شب معراج تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی فضیلت ظاہر کی گئی۔

اور حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں ایک ایسے بلند مقام پر کھڑا ہوں گا جس کی پوری مخلوق خدا تمنا کرے گی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔"

"فخذما اتیتک و کن من الشاکرین" ترجمہ: "اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے" یعنی رسالت اور ہم کلامی کا جو شرف تمہیں میں دے رہا ہوں اسے لے لو۔ زیادہ کا سوال مت کرو اور اس پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ "و کتبنا له فی الالواح من کل شیء موعظة و تفصیلا لکل شیء" ترجمہ: "اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لیے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لیے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی۔"

جن تختیوں پر تورات لکھی گئی وہ ایک قیمتی جوہر سے بنائی گئی تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے ان تختیوں پر تورات لکھ کر دی۔ ان پر گناہوں کے بارے نصیحتیں تھیں اور حرام و حلال کی ساری تفصیلات درج تھیں جن کی بنی اسرائیل کو ضرورت تھی۔

"فخذها بقوة" ترجمہ: "پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے" یعنی پورے یقین کے ساتھ

اور سچی اور پکی نیت کے ساتھ۔ "وامر قومک یاخذوا باحسنها" ترجمہ: "اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں" یعنی ان باتوں کو اچھے معانی اور مفہوم پر محمول کریں۔ "ساریکم دار الفاسقین" ترجمہ: "عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر۔"

عنقریب میں دکھاؤں گا کہ میری اطاعت سے منہ موڑنے والوں، میری فرمانبرداری سے سرتابی کرنے والوں اور میرے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

"ساصرف عن آیتی" ترجمہ: "میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کی توجہ" یعنی آیات کے فہم اور تدبر سے اور ان کی صحیح معنی کو سمجھنے سے اور ان سے مستفید کے سامنے آنے سے ان لوگوں کی توجہ۔

الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل آیة لایؤمنوا بها۔

ترجمہ: "جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو (تو بھی) تو ایمان لائیں لوگوں کی توجہ۔" یعنی یہ مغرور چاہے جتنے اعجاز اور خوارق للعادۃ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں آیات کی پیروی کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔ "وان یروا سبیل الرشد لایتخذوه سبیلا۔" ترجمہ: "اور دیکھ بھی لیں راہ رشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ۔"

یعنی اس راستہ کو اختیار نہ کریں اور حق کی فرمانبرداری سے منہ موڑے رہیں۔ "و ان یروا سبیل الغی یتخذوه سبیلا" ترجمہ: "اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنا لیں اسے (اپنی) راہ۔" "ذالک بانهم کذبوا بآیتنا" ترجمہ: "اور یہ (ساری غلط روی) اس لیے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔" ہم نے انہیں حقیقت شناسی سے اس لیے دور کر دیا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی۔ ان کی طرف توجہ نہ دی ان کی تصدیق سے انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی۔ ان کی طرف توجہ نہ دی ان کی تصدیق سے اعراض کیا ان کے معانی کی تکفیر کی اور ان کے مقتضی پر عمل کرنے کو ترک کر دیا۔

والذین کذبوا بآیتنا و لقاء الآخرة حبطت اعمالهم هل یجزون الا ما کانوا یعملون

ترجمہ: "اور جنہوں نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو جھٹلایا ان سب کا کیا دھرا اکارت گیا انہیں کیا بدلہ ملے گا مگر وہی جو کرتے تھے۔"

بچھڑے کی پوجا کا واقعہ:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لیے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کے لیے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔ پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لیے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا۔ اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے، اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا ہم تو اس کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام) موسیٰ نے (آ کر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ آپ نے پوچھا اے سامری! تیری غرض کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے مٹھی بھر لی۔ رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا: جا چلا جا پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بیشک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی اور ذرا دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔"

ان آیات طیبات میں بنی اسرائیل کے اس وقت کے احوال بیان کیے جا رہے ہیں جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنے رب کی ملاقات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ آپ کچھ عرصہ وہاں رہے۔ اپنے رب سے ہم کلام ہوئے۔ بہت ساری چیزوں کے بارے پوچھا اور اللہ تعالیٰ نے ان

واتخذ قوم موسى من بعده .... ورحمة للذين هم لربهم يرهبون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور بنا لیا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ بات کر سکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے۔ انہوں نے (خدا) بنا لیا اسے اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے کہ اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے اور جب واپس آئے موسیٰ اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بری جانشینی کی ہے تم نے میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف ہارون نے کہا اے میری ماں جائے اس قوم نے کمزور بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے بے شک جنہوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔ اور جنہوں نے کیے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کا بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے اور جب فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اٹھا لیا ان تختیوں کو اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وما اعجلك عن قومك يموسى۔ .... وسع كل شيء علما۔ ﴿سورۃ طٰہٰ﴾

ترجمہ: "اور کس وجہ سے تم جلدی آ گئے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی وہ یہ تھا میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اس لیے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ خاطر ہو کر۔ فرمایا: اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے یا تم یہ

کے متعلق جو بات مرحمت فرمائے۔

ہارون نامی سامری شخص نے بنی اسرائیل سے زیورات لیے اور انہیں پگھلا کر بچھڑے کی مورتی بنادی اور اس میں ریت کی مٹھی ڈال دی۔ یہ مٹی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان پا سے لی گئی تھی۔ یہ مٹی سامری نے اس وقت اٹھائی تھی جب فرعون کو غرق کرنے کے لیے وہ فرشتوں کی معیت میں گھوڑے پر سوار بحر قلزم (دریائے نیل) پر تشریف لائے تھے۔ جب سامری نے بچھڑے کی مورتی میں یہ مٹی ڈالی تو وہ بچھڑے کی طرح بولنے لگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مٹی کی تاثیر سے وہ گوشت پوست کا حقیقی بچھڑا بن گیا جس میں خون دوڑتا تھا اور وہ ڈکارتا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بچھڑا اس طرز پر ایجاد کیا گیا تھا کہ جب اس میں سے ہوا گزرتی تو اس طرح آواز پیدا ہوتی گویا گائے ڈکار رہی ہو۔ اسی اعجاز کو دیکھ کر بنی اسرائیل اس کے ارد گرد رقص کرنے لگے اور خوش ہونے لگے۔ "فقالوا هذا الهكم و اله موسى فنسى" ترجمہ: "سامری اور اس کے چیلوں نے کہا یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو ہمارے پاس بھول کر چلے گئے ہیں اور اسے کہیں اور تلاش کرتے کرتے دور نکل گئے ہیں۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ایسی کمزوریوں سے پاک ہے۔ اس کے اسماء اور صفات پاک ہیں۔ اس کی نعمتیں اور عطائیں بے شمار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان فاسد عقیدہ کا رد بیان فرماتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کائنات کا رب حیوان ہو یا شیطان مردود ہو۔

افلا يرون الا يرجع اليهم قولا ولا يملك لهم ضرا ولا نفعا۔

ترجمہ: "کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لیے کسی ضرر اور نہ کسی نفع کا۔"

الم يروا انه لا يكلمهم ولا يهديهم سبيلا اتخذوه و كانوا ظالمين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "کیا نہ دیکھا انہوں نے وہ نہ بات کر سکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے۔"

بیان فرمایا کہ یہ حیوان کی مورتی جو نہ یارائے گفتگو رکھتی ہے نہ نفع و نقصان کی مالک ہے اور نہ ہدایت کی راہ دکھا سکتی ہے کیسے خدا ہو سکتی ہے۔ اور اس بے جان مورتی کو خدا بنا کر یہ لوگ اپنا نقصان کر رہے ہیں اور اس حقیقت سے واقف بھی ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا سچائی سے دور کا واسطہ بھی نہیں سب جہالت و گمراہی ہے۔

"ولما سقط في ايديهم" ترجمہ: "اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے" یعنی جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس پر شرمندگی اور ندامت محسوس کرنے لگے۔

و راوا انهم قد ضلوا قالوا لئن لم يرحمنا ربنا و يغفر لنا لنكونن من الخاسرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے ہیں (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے۔"

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس تشریف لائے اور انہیں بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا تو مارے غصے کے تختیاں زمین پر پھینک دیں جن پر تورات کے احکام لکھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اتنے زور سے تختیاں پھینکیں کہ وہ ٹوٹ گئیں۔ اہل کتاب کے ہاں بھی یہی تفصیل ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تختیاں تبدیل کر دیں۔ لیکن قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس سے تختیوں کی تبدیلی کا مفہوم لیا جا سکے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب آپ نے اس بیہودگی کو دیکھا تو تورات کی تختیاں زمین پر پھینک دیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں تختیاں دو تھیں۔ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تختیاں متعدد تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے گاؤ پرستی کی اطلاع دی تو وہ زیادہ متاثر نہ ہوئے اس لیے حکم ملا کہ ذرا ان کی گاؤ پرستی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھو۔

اسی لیے حدیث پاک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خبر آنکھ دیکھی بات کے برابر نہیں ہو سکتی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں لعنت ملامت کی، بچھڑے کا اور اس بیہودگی پر سرزنش فرمائی وہ معذرت کرنے لگے اور جھوٹے عذر بنانے لگے۔ کہنے لگے "حملنا اوزارا من زينة القوم فقذفناها فكذلك القى السامري۔" ترجمہ: "ہم پر لاد دیے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصے کے زیور) پھینک دیے۔"

بنی اسرائیل فرعونیوں سے زیورات مانگ لائے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین کا یہ مال ان کے لیے حلال اور مباح کر دیا تھا۔ اب وہ اسے زیادہ دیر تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے پھینک دیا۔ ان کا زیورات کو پھینکنا کسی جہالت کی وجہ سے نہ تھا اور نہ اس لیے کہ وہ ان زیورات کی افادیت سے ناواقف تھے دراصل اتنے لمبے سفر میں انہیں ساتھ لے کر چلنا مشکل تھا۔ لیکن یہی

زیورات ان کے لیے گمراہی کا سبب بن گئے۔ انہوں نے اس سے ایک بچھڑا بنا لیا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے مخاطب ہوئے:

یا هارون ما منعك اذ رایتهم ضلوا الا تتبعن۔

ترجمہ: "(اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔)"

کیوں تو ان کو شرک میں مبتلا دیکھتے ہی میری طرف نہ دوڑا چلا آیا اور مجھے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مورتی کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا: "انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل۔" ترجمہ: "میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان۔" یعنی کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ میں انہیں بت پرستی کی حالت میں چھوڑ کر تیرے پاس چلا آیا حالانکہ آپ نے مجھے ان پر اپنا نائب مقرر کر رکھا تھا۔

قال رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتك وانت ارحم الراحمین۔

(سورۃ الاعراف ۷)

ترجمہ: "موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے۔"

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت روکا تھا اور انہیں بہت سخت سست کہا تھا لیکن یہ نہیں مانے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولقد قال لهم هارون من قبل یا قوم انما فتنتم به۔

ترجمہ: "اور بیشک کہا تھا انہیں ہارون نے اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے۔" یعنی یہ بچھڑا اور اس کا ڈکارنا مشیت خداوندی سے تمہاری آزمائش قرار پایا ہے۔ یہ تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے ذرا ہوش سے کام لو۔" ترجمہ: "اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے۔" "اور مورتی تمہارا خدا کیسے ہو سکتی ہے۔" ترجمہ: "پس تم میری پیروی کرو" جو میں تمہیں کہتا ہوں وہ کرو۔" "و اطیعوا امری قالوا لن نبرح علیه عاکفین حتی یرجع الینا موسی۔" ترجمہ: "اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام)"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے خود گواہی دی "و کفی بالله شهیدا" ترجمہ: "اور (ان کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے" (سورۃ الفتح) کہ انہوں نے ان ظالموں کو بت پرستی سے روکے رکھا۔ انہیں اس برائی پر زجر و توبیخ بھی فرمائی لیکن ان نابکاروں نے آپ کی ایک نہ سنی اور آپ کی اطاعت کو چھوڑ کر بت پرستی میں لگے رہے۔

سامری دربارِ موسوی میں:

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری سے مخاطب ہوئے۔ "قال فما خطبك یا سامری" ترجمہ: "آپ نے پوچھا اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؟" یعنی تو نے یہ فتنہ کیوں کھڑا کر دیا۔ "قال بصرت بما لم یبصروا به" ترجمہ: "اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی" یعنی میں نے جبرئیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا "فقبضت قبضة من اثر الرسول" ترجمہ: "پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے۔" یعنی جبرئیل کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹی سے مٹھی بھر لی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سامری نے جبرئیل امین کو دیکھا۔ اس نے یہ بات بھی ملاحظہ کی کہ یہ سواری جہاں جہاں قدم رکھتی تھی وہ جگہ شاداب اور زرخیز ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے وہ حیران ہوا اور گھوڑے کے قدموں کی مٹی اٹھا لی جب اس نے سونے کا بچھڑا بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈالی تو اس میں اعجاز نمائی آ گئی اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

فنبذتها و کذالك سولت لی نفسی۔ قال فاذهب فان لك فی الحیوه ان تقول لا مساس۔

ترجمہ: "(پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔)"

یعنی آپ نے سامری کو بددعا دی کہ تو کسی کو ہاتھ نہ لگا سکے کیونکہ تو نے ایک ایسی چیز کو چھوا ہے جس کا چھونا کسی کو جائز نہیں تھا۔ یہ سزا تو دنیا میں ہے۔ پھر آخرت کی سزا کی دھمکی دی اور فرمایا:

وان لك موعدا لن تخلفه۔

ترجمہ: "اور بیشک تیرے لیے ایک وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔" اس کی دوسری قرآت "لن نخلفه" ہے۔

وانظر الی الهك الذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا۔

ترجمہ: ''(اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔''

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مورتی کو جلا دیا۔ ایک قول تو یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے اسے ریتی سے اتنا سے اتنا رگڑا کہ اس کا وجود چھوٹے چھوٹے ریزوں میں بکھر گیا پھر ان ریزوں کو اٹھا کر پانی میں ڈال دیا۔ پہلا قول حضرت قتادہ وغیرہ کا ہے اور دوسرا قول حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دراصل دوسرا قول تورات شریف کی ایک نص سے لیا گیا ہے۔ تورات کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دریا کا پانی پینے کا حکم دیا۔ جو لوگ گاؤ پرست تھے ان کے ہونٹوں سے مورتی کی خاک لگ گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے چہروں کی رنگت تبدیل ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ اس نے بنی اسرائیل سے کہا: ''انما الھکم اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ وسع کل شیء علما۔'' ترجمہ: ''تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔''

✿ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم و ذلۃ فی الحیوۃ الدنیا و کذالک نجزی المفترین۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔''

اور ایسے ہی ہوا۔

بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ ''و کذالک نجزی المفترین'' قیامت تک ہر بدعتی کی لیے نوشتہ تقدیر ہے۔

بچھڑے کے پجاریوں کی توبہ کی قبولیت قتل تھی:

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم، مخلوق پر اپنی رحمت اور اپنے بندوں کی توبہ کی قبولیت اور احسان کا تذکرہ فرمایا:

والذین عملو السیات ثم تابوا من بعدھا و امنوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور جنہوں نے کیے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا

رب اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کے پجاریوں کی توبہ قتل کے بدلے میں قبول فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

و اذ قال موسی لقومہ یا قوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام نے) اپنی قوم سے اے میری قوم! بیشک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل جب رات کو سوئے اور صبح جب بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں چمکتی تلواریں تھیں۔ یہ تلواریں معجزانہ طور پر ان کے ہاتھ میں تھیں جنہوں نے بچھڑے کی مورتی کو نہیں پوجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک گہری کہر (دھند) طاری فرما دی یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے قریبی اور رشتہ دار کو بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔

پھر یہ لوگ بچھڑے کے پجاریوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کر کے خون کے دریا بہا دیے۔ مشہور ہے کہ ایک ہی صبح ستر ہزار مرد قتل ہو گئے۔

و لما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختھا ھدی و رحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اور جب فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اٹھا لیا ان تختیوں کو ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

بعض علماء نے ''وفی نسختھا'' کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ اس لفظ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جس سے ظاہر ہو کہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کی بت پرستی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سمندر سے گزر کر ایک قوم کو گائے مورتی کی پوجا کرتے دیکھا تھا ابھی تک ان کے دلوں میں اس واقعہ کا اثر موجود تھا

کیونکہ وقت زیادہ نہیں گزرا تھا۔ اور اسی لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا تھا۔

یا موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم آلھۃ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔"

اہل کتاب کے پاس بھی یہی قصہ مشہور ہے۔ گائے پرستی سے وہ پہلے سے واقف تھے۔ اور بیت المقدس آنے سے پہلے گائے پرست اقوام کو جانتے تھے۔ اسی لیے جب بنی اسرائیل کو حکم ملا کہ گائے پرستوں کو قتل کر دو تو پہلے دن انہوں نے تین ہزار آدمی قتل کیے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے مغفرت مانگنے لگے اس شرط پر کہ وہ بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔

و اختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا ...... اولئک ھم المفلحون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور چن لیے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدۂ ملاقات کے لیے پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے؟ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے تو ہی ہمارا کارفرما ہے بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں خیر و برکت۔ اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف۔ اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں اسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں۔"

حضرت سدی رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس اور دیگر آئمہ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ ان ستر لوگوں سے مراد بنی اسرائیل کے علماء ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام، ناداب اور ابیہو بھی ان ستر کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گئے تا کہ ان لوگوں کی طرف

سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ انہیں حکم ملا کہ غسل کریں کپڑے دھوئیں اور خوشبو لگائیں۔ وہ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور ایک نورانی ستون صاف نظر آ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے پہاڑ پر چڑھ گئے۔

بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی گفتگو سنی۔ بعض مفسرین کی بھی یہی رائے ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ و ھم یعلمون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلام الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر۔"

لیکن یہ ضروری نہیں کہ انہوں نے براہ راست اللہ تعالیٰ کی آواز سنی ہو کیونکہ قرآن مجید ایک دوسری آیت میں ہے: "فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ" (سورۃ التوبہ) ترجمہ: "تو پناہ دیجئے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام۔"

یعنی اللہ کا کلام آپ کی زبانی وہ سن سکیں۔ اسی طرح درج بالا آیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ کا کلام سنا اور پھر اسے تبدیل کر دیا۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ان ستر آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا محض غلطی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے رؤیت کا سوال کیا تو ان پر بجلی طاری ہو گئی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واضح ہے:

و اذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ و انتم تنظرون۔ ثم بعثنٰکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے جلا اٹھایا تمہیں تمہارے مر جانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو۔"

۞ اور یہاں فرمایا:

فلما اخذتھم الرجفۃ قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل و ایای۔

ترجمہ: "پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔"

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے چیدہ چیدہ ستر آدمی لیے اور انہیں حکم دیا کہ چلو اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اپنی باقی ماندہ قوم کے لیے بھی استغفار کرو۔ روزہ رکھو۔ نہا دھو کر صاف کپڑے پہنو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر کوہ طور کی طرف روانہ ہوئے۔ تمنا یہ تھی کہ بارگاہ خداوندی میں سب حاضر ہو کر گناہوں کی معافی مانگیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ وحی خداوندی کے تحت کر رہے تھے۔ ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ ان ستر آدمیوں کا مطالبہ تھا کہ وہ کلام خداوندی کو سنیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حامی بھر لی تھی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو آپ نے بادلوں کا ایک ستون دیکھا جو تھوڑی دیر میں پہاڑ پر چھا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور اس بادل کے ستون میں داخل ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگے آؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے تو ان کے چہرے پر ایک نور چھا جاتا تھا اور کوئی آپ علیہ السلام کے چہرے کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ آپ نے چہرے پر نقاب ڈال لیا۔ آپ کے ساتھی آگے بڑھے حتیٰ کہ وہ بھی بادل کے اس ستون میں داخل ہو کر سجدہ میں گر گئے۔ ایسے میں انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے رہا ہے اور کچھ چیزوں کے کرنے سے منع فرما رہا ہے۔ وہ سنتے ہیں کہ فلاں فلاں کام کر اور فلاں فلاں کام سے اجتناب کر۔ جب گفتگو ہو چکی اور بادل چھٹ گیا تو آپ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ یہ ستر علماء آپ کو دیکھ کر کہنے لگے "یا موسی لن نؤمن لک حتی نری اللہ جهرة" ترجمہ: "اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔"

پس انہیں زلزلے نے آلیا، بجلی کڑکنے لگی، مارے دہشت کے جسم و جان کا تعلق ٹوٹ گیا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنے لگے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے لگے: "رب لو شئت اهلكتهم من قبل و ایای۔ اتهلكنا بما فعل السفهاء منا" ترجمہ: "اے میرے اللہ! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی، کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کی کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے۔"

یعنی بچھڑے کے پجاری تو احمق لوگ ہیں، ان کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کر۔ ہم ان کے کیے سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج فرماتے ہیں کہ انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے آلیا

تھی کہ ان لوگوں نے بچھڑے کے پجاریوں کو روکا نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"ان هی الا فتنتك یعنی "نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش"

یعنی امتحان ابتلاء اور آزمائش کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔

حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس رضی اللہ عنہم اور دیگر علماء متقدمین اور متاخرین فرماتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ الٰہی! یہ تو تقدیر کے صفحوں پر رقم کر دیا تھا اور تو نے بچھڑے کے معاملہ کو ازل سے ان کیلئے امتحان اور آزمائش ٹھہرا دیا تھا۔ اسی لیے حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی انہیں مورتی کی پرستش سے روکتے ہوئے فرمایا تھا۔ یا قوم انما فتنتم به

یعنی "تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔"

یعنی اپنے امتحان کے ذریعے جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ حکم تیرا ہی چلتا ہے۔ مشیت تیری ہی کارفرما ہے، جو تو فیصلہ فرما دیا ہے اسے نہ تو کوئی چیلنج کر سکتا ہے اور نہ ٹالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین واکتب لنا فی هذه الدنیا حسنة وفی الآخرة انا هدنا الیك (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: "تو ہی ہمارا کارفرما ہے، بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف۔" یعنی ہم نے توبہ کی۔ تیری راہ کو پھر آئے اور تیرے حکم کی پابندی کی ٹھان لی۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ابراہیم تیمی، ضحاک، سدی، قتادہ رضی اللہ عنہم اور دیگر مفسرین عظام کی ہے۔ اور یہ آیت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

قال عذابی اصیب به من اشاء و رحمتی وسعت کل شیء

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا عذاب پہنچتا ہے جسے میں چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر۔"

یعنی میں جسے چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں اپنی رحمت سے نوازتا ہوں میں ہی مخلوق کی تقدیریں رقم کرتا ہوں اور جس نہج پر چاہتا ہوں، انہیں وجود بخشتا ہے۔

و رحمتی وسعت کل شیء ترجمہ: "اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر۔"

جیسا کہ شیخین کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کر چکا تو ایک دستاویز رقم فرمائی جو عرش کے اوپر رکھی ہوئی ہے اور اس پر لکھا ہے: "میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی۔"

فسأكتبها للذين يتقون و يؤتون الزكوة و الذين هم بآياتنا يؤمنون

ترجمہ: "سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔"

یعنی جو ان صفات سے متصف ہوں گے ہم ان کیلئے اپنی رحمت لازم ٹھہرائیں گے۔

"الذين يتبعون الرسول النبي الامي" ترجمہ: "(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کا جو نبی امی ہے۔"

یہ حضور نبی کریم ﷺ کی نعت پاک ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معافی کیلئے درخواست پیش کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انہیں بتایا کہ میری رحمت پوری کائنات پر وسیع ہے اسی دوران رحمۃ اللعالمین کی تعریف بھی فرما دی، میں اس پر تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں تفصیلاً گفتگو کر چکا ہوں۔ وللہ الحمد و المنۃ

تورات میں امت محمدیہ کا ذکر

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے اللہ! میں تورات کی ان تختیوں پر ایک ایسی امت کا ذکر دیکھتا ہوں جو تمام امتوں سے بہتر ہوگی۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی اور انہیں برائی سے روکے گی۔ الٰہی! اسے میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے۔ آپ نے عرض کیا: الٰہی! میں ان تختیوں پر ایک ایسی قوم دیکھتا ہوں جن پر نازل آیات ان کے سینوں میں محفوظ ہوں گی اور وہ کلام کو زبانی پڑھیں گے جبکہ اس سے پہلے لوگ دیکھ کر تیرا کلام پڑھیں گے اور ان کے اٹھ جانے کے بعد وہ تیرا کلام محفوظ نہیں رہے گا حتیٰ کہ کسی کو یہ معلوم نہیں رہے گا کہ تیرا کلام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ذہنوں میں وہ کچھ رکھا ہوگا جو کسی قوم کے ذہنوں میں نہیں رکھا۔ میرے رب! ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان تختیوں پر ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو پہلی اور آخری تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہی کے خلاف جہاد کرے گی حتیٰ کہ کانے کذاب (دجال) کے خلاف بھی جہاد کرے گی۔ مولیٰ کریم! مجھے اس امت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان تختیوں پر ایسی امت پاتا ہوں جو صدقے کا مال خود کھائیں گے اور پھر بھی انہیں صدقے کا اجر ملے گا، جبکہ اس سے پہلے جو انہیں صدقہ کریں گی تو قبولیت کی یہ نشانی ہوگی کہ آگ اترے گی اور صدقے کے مال کو بھسم کر دے گی اور جو مال نامقبول ہوگا اسے چرند اور پرند نوچ کھائیں گے، لیکن اس امت کی یہ خوبی ہے کہ امیروں سے مال لے کر فقیروں کو دیا جائے گا۔ اے اللہ! اسے میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ احمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان تختیوں میں ایک ایسی قوم دیکھتا ہوں جو نیکی کا عزم کرے اور نیکی نہیں کر سکے گی تو بھی اس کے نامہ اعمال میں دس سے سات سو تک کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ الٰہی! اس امت کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بھی احمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں تورات کی تختیوں پر ایسی قوم پاتا ہوں جن کے حق میں سفارش قبول ہوگی۔ الٰہی! انہیں میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ خوش نصیب بھی احمد مصطفیٰ ﷺ کی امتی ہوں گے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر رکھ دیں اور عرض کیا: اے اللہ! مجھے اپنے محبوب احمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی ہونے کا شرف عطا فرما دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کے بارے میں بہت سے لوگوں نے گفتگو کی ہے اور بعض تو ایسی باتیں ذکر کر گئے ہیں کہ جن کی کوئی بنیاد نہیں۔

یہاں ہم چند احادیث اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کرتے ہیں۔

حافظ ابوحاتم محمد بن حاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں مطرف بن طریف اور عبدالملک بن ابجر جو دونوں نہایت متقی اور صالح بزرگ ہیں۔ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے شعبی کو کہتے سنا کہ میں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر کھڑے حضور نبی کریم ﷺ کے حوالے سے ایک حدیث بیان کرتے سنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا: جنت میں سب سے کم درجے کا جنتی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو سب جنتیوں کے بعد آ گئے گا۔ اس سے کہا جائے گا، جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہے گا: میں جنت میں کیسے جا سکتا ہوں، اب تو سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ اور عطیات لے لیے ہوں گے۔ اس سے کہا جائے گا۔ کیا تو اس بات سے خوش ہوگا کہ جنت میں دنیا کے کسی بادشاہ کی طرح تجھے جگہ اور نعمتیں مل جائیں۔ وہ کہے گا ہاں میرے رب! میں اس سے راضی ہوں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تجھے یہ اور اس کی مثل اور عطا ہوا۔ وہ کہے گا: ہاں میرے اللہ! میں

راضی ہوں۔ اس سے پھر کہا جائے گا۔ جنت میں تجھے ہر وہ چیز ملے گی جس کی تو تمنا کرے گا اور تیری آنکھوں کو بھلی معلوم ہوگی۔ وہ سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام پر کون فائز ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: مولیٰ کریم! میں ان کے متعلق تمہیں بتاتا ہوں، ان کی عزت کا درخت میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا اور ان پر اسے ختم کر دیا۔ انہیں وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔"

✿ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون ﴿سورۃ السجدہ ۱۷﴾

ترجمہ: "پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کیلئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سفیان بن ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ مسلم کے الفاظ یوں ہیں: "اس شخص کو کہا جائے گا، کیا تو راضی ہے کہ تجھے دنیا کے ایک بادشاہ کی طرح جگہ عطا کی جائے۔ وہ کہے گا: اے میرے مالک! میں راضی ہوں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لیے اس قدر تین گنا اور ہے، وہ پانچویں مرتبہ کہے گا: اے میرے اللہ! میں راضی ہوں۔ اس سے فرمایا جائے گا کہ تیرے لیے یہ بھی ہے اور اس کے ساتھ دس گناہ اور بھی، تجھے ہر وہ نعمت عطا کی جائے گی جو تیری تمنا ہوگی اور تیری آنکھ کو بھلی معلوم ہوگی، وہ پھر کہے گا: اے میرے اللہ! میرے رب میں راضی ہوں، پھر وہ شخص پوچھے گا اے میرے اللہ! سب سے بلند مرتبے پر کون لوگ فائز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں ان کے متعلق بتاتا ہوں، میں نے ان کی عزت و کرامت کا درخت اپنے ہاتھ سے لگایا اور اس پر مہر ثبت کر دی، یہ وہ مرتبہ ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا۔"

✿ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔

ترجمہ: "پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کیلئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

چھ خصلتوں کا بیان:

امام ترمذی اور ابن حبان "حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سات خصلتوں کے

بارے میں پوچھنا" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی چھ خصلتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے پوچھا جن کے بارے وہ گمان کرتے تھے کہ ان کے اندر پائی جاتی ہیں اور ساتویں کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ عرض کیا: اے میرے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: جو مجھے یاد کرتا ہے اور کبھی نہیں بھولتا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: سب سے زیادہ ہدایت یافتہ کون ہے؟ فرمایا: جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ عرض کیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: سب سے بڑا عالم وہ ہے جو علم سے سیر نہیں ہوتا، اور لوگوں سے سیکھ سیکھ کر اپنے علم میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ عرض کیا: سب سے زیادہ عزت دار کون ہے؟ فرمایا: جو عطا پر راضی رہتا ہے۔ عرض کیا: کون سب سے زیادہ محتاج ہے؟ فرمایا: جو عطائے خداوندی کو تھوڑا تصور کرے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "غنا کثرت دولت کا نام نہیں ہے۔ غنا سے مراد دل کا غنی ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور اس کے دل کو مال کی محبت سے پاک فرما دیتا ہے، اور جب کسی شخص کے بارے شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں بھوک و افلاس پیدا کر دیتا ہے۔"

ابن حبان فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو "صاحب منقوص" کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایک خاص حالت اور کیفیت طاری کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے عطیات کو وہ کم محسوس کرتا ہے اور زیادہ مال طلب کرنے لگتا ہے۔

علامہ ابن جریر اپنی تاریخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا۔ پھر یہی مذکورہ تفصیل بیان فرمائی۔ ان کی بیان کردہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ جاننے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص سب بندوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہے جو لوگوں سے زیادہ سے زیادہ سیکھنا چاہتا ہے اور اس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسی بات پائے جس پر عمل کر کے وہ منزل تک پہنچ جائے اور برائی سے محفوظ رہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: میرے اللہ! زمین پر مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی جاننے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک ہے جس کا نام خضر علیہ السلام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کی تمنا کی۔ آنے والے صفحات میں ہم ان شاء اللہ اس ملاقات کا تفصیلاً تذکرہ کریں گے۔

امام احمد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: مولیٰ کریم! تیرے ایماندار بندے پر دنیا میں بہت تنگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دیا۔ آپ نے جنت کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! یہ جگہ میں نے تیرے لیے تیار کر رکھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تیری عزت وجلال کی قسم! اگر کسی کے ہاتھ اور پاؤں بھی کٹے ہوئے ہوں اور وہ پیدائش کے روز سے قیامت تک چہرے کے بل گھسٹا ہوا بھی آئے اور اس کی یہ منزل ہو تو بھی وہ ناگواری محسوس نہیں کرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے اللہ! تیرا انکار کرنے والا بندہ دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم کا دروازہ کھولا اور فرمایا: اے کلیم اللہ! میں نے کافر کیلئے یہ سزا وعذاب تیار کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! تیری عزت وجلال کی قسم! اگر پیدائش سے قیامت تک دنیا کی ساری نعمتیں اسے میسر ہوں اور یہ اس کا ٹھکانا ہے تو اس نے قطعاً کوئی بھلائی نہیں دیکھی ہے گا۔ اس سند کے اعتبار سے احمد کی روایت میں اکیلے ہیں، اور اس کی صحت میں بھی شک ہے۔ واللہ اعلم

افضل کلمات:

ابن حبان "حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ کوئی ایسا ورد تعلیم فرما دے جس کے ساتھ وہ اسے یاد کیا کرے۔" کے عنوان کے بعد ایک حدیث حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے اللہ! مجھے کوئی ایسا کلمہ سکھا جس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں اور مانگا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! یہ ورد کیا کرو۔ "لا الہ الا اللہ" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرا ہر بندہ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہیے: "لا الہ الا اللہ" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: میں کوئی ایسا وظیفہ چاہتا ہوں جو تو نے کسی اور کو تعلیم نہ فرمایا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور "لا الہ الا اللہ" کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو "لا الہ الا اللہ" والا پلڑا جھک جائے۔"

حدیث بطاقہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے اور سنن میں اسی مفہوم کے قریب قریب ایک اور حدیث بیان ہوئی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دعا وہ ہے جو عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو کی جائے اور افضل ورد، وہ ہے جو میں بھی پڑھا کرتا ہوں اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی زبان پر بھی

جاری رہا ہے۔ (وہ ورد مندرجہ ذیل ہے)

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر

ابن ابی حاتم آیت الکرسی کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: تیرا رب سوتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خدا سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی: اے موسیٰ! یہ تجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا تیرا رب سوتا ہے؟ دو شیشے ہاتھ میں لے کر رات کو قیام کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دو شیشے لیے اور کھڑے ہو گئے، جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو آپ کو اونگھ آ گئی اور گھٹنوں کے بل گر پڑے، پھر جاگے اور شیشے پکڑ کر کھڑے ہو گئے، جب رات کا آخری پہر ہوا تو آپ کو اونگھ آ گئی۔ شیشے ہاتھ سے چھوٹ گئے اور ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر مجھے نیند آتی تو آسمان اور زمین کا توازن بگڑ جاتا اور سب کچھ ہلاک ہو جاتا جس طرح تیرے ہاتھ میں یہ شیشے ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

علامہ ابن جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے آپ منبر پر کھڑے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کیا اللہ تعالیٰ بھی سوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے تین دن رات آپ کو بیدار رکھا، پھر دونوں ہاتھوں میں ایک شیشے کی بوتل دی اور حکم دیا کہ ان دونوں کی حفاظت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیند آنے لگی، قریب تھا کہ دونوں ہاتھ آپس میں مل جاتے آپ جاگ گئے، آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ دیا تاکہ بوتلیں ٹکرانے سے بچ جائیں۔ آپ کو پھر نیند آ گئی، پھر دونوں ہاتھ ٹکرائے اور بوتلیں ٹوٹ گئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دیا کہ اگر وہ سوتا تو زمین اور آسمان قائم نہ رہتے۔"

(اس حدیث کو مرفوع روایت کرنا غریب ہے۔ لگتا یوں ہے کہ یہ موقوف ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہو۔) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و اذ اخذنا میثاقکم و رفعنا .... من الخاسرین۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور یاد رکھنا وہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ، پھر منہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم

ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں میں۔"

پہاڑ سروں پر:

و اذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة و ظنوا انه واقع بهم خذوا ما آتينا كم بقوة و اذكروا ما فيه لعلكم تتقون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو تم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف فرماتے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیاں لے کر آئے جن پر تورات لکھی ہوئی تھی تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اسے قبول کرو اور عزت و ہمت سے اسے لے لو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے ہمیں پڑھ کر سنا، اگر اس کے اوامر اور نواہی آسان ہوئے تو ہم قبول کر لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس میں جو کچھ ہے قبول کر لو۔ انہوں نے پھر وہی بات دہرائی، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا اور انہوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر اٹھایا جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ یہ بادل ہے جو ان کے سروں پر چھایا ہے اور انہیں بتایا گیا کہ اگر انہوں نے ان تختیوں میں جو احکام ہیں قبول نہ کیے تو ان پر یہ پہاڑ الٹ دیا جائے گا۔ انہوں نے ان احکامات کو قبول کر لیا، انہیں حکم دیا گیا کہ سجدہ کرو۔ وہ سب سجدے میں گر گئے اور کن انکھیوں سے پہاڑ کو دیکھنے لگے۔ آج تک یہودیوں میں یہ عادت عام ہے کہ وہ کہتے ہیں اس سجدے سے بڑا کوئی سجدہ نہیں جس کی وجہ سے عذاب ٹل گیا۔

ابوبکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ احکامات نشر کیے تو زمین پر کوئی پہاڑ، کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا نہیں تھا جس پر لرزہ طاری نہ ہوا اور زمین پر چھوٹا یا کوئی ایسا یہودی نہ تھا جس کو یہ کلام پڑھ کر سنایا گیا ہو اور وہ لرزہ براندام نہ ہوا ہو اور سر نہ دھنتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ثم تولیتم من بعد ذالك" یعنی اس عظیم میثاق اور امر جلیل کے مشاہدے کے بعد بھی تم نے وعدہ خلافی کی اور نقض عہد کیا۔ "فلو لا فضل الله عليكم و رحمته" یعنی انبیاء کی بعثت اور کتب کے نزول کے ذریعے تم پر اللہ کا فضل و احسان نہ ہوتا تو

لكنتم من الخاسرين ترجمہ: "تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

گائے کا واقعہ:

✿ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و اذ قال موسى لقومه .... لعلكم تعقلون۔ ﴿سورۃ البقرۃ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے، وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ نے کہا: میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں بولے دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے۔ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو۔ تو بجالاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیا رنگ ہو اس کا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو، جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے، ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ۔ (عاجز ہو کر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ۔"

حضرت ابن عباس، عبیدہ سلمانی، ابو العالیہ، مجاہد، سدی اور دیگر کئی اسلاف رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مالدار بوڑھا شخص تھا جس کی اولاد نہیں تھی۔ اس کے بھتیجے چاہتے تھے کہ وہ مرے تا کہ وراثت کا مال ان کے ہاتھ لگے۔ ایک بھتیجے نے رات کو اسے قتل کر کے شاہراہ عام پر ڈال دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ کسی اسرائیلی کے دروازے پر پھینک دیا۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں نے لاش دیکھی تو اس کے بارے گفتگو کرنے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ جھگڑتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرو۔ بوڑھے کے بھتیجے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے چچا کے قتل کی

شکایت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا بھلا کرے گا جو ہمیں اس مقتول کے بارے کچھ بتائے گا۔ ”لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا، بوڑھے کے بھتیجوں نے عرض کیا: حضور آپ اللہ عزوجل سے دریافت کریں کہ بوڑھے کا قاتل کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بتایا:

ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ، قالوا اتتخذنا هزوا

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔“

یعنی ہم اس مقتول کے بارے دریافت کر رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاهلین۔

ترجمہ: ”آپ نے کہا: میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں۔“

یعنی خدا کی پناہ کہ میں کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کروں جو مجھے وحی نہ کی گئی ہو۔ جب میں نے قتل کے قضیے کے بارے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس، عبیدہ، مجاہد، عکرمہ، سدی، ابوالعالیہ رضی اللہ عنہم اور کئی دیگر مفسرین عظام فرماتے ہیں وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے مقصد حاصل ہو جاتا لیکن انہوں نے خواہ مخواہ پابندیاں عائد کیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پابندیوں میں جکڑ دیا، اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث بھی ملتی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے گائے کی صفات کے بارے پوچھا، پھر اس کے رنگ کے بارے پوچھا، پھر اس کی عمر کے بارے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جس کو بڑی مشکل سے تلاش کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے اپنی تفسیر میں اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ وہاں مطالعہ کریں۔

المختصر انہیں حکم دیا گیا کہ ایک ایسی گائے ذبح کریں جو نہ تو بڑی ہو اور نہ عمر میں بہت چھوٹی بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ یہ قول حضرت ابن عباس، مجاہد، ابوالعالیہ، عکرمہ، حسن، قتادہ رضی اللہ عنہم اور کئی دیگر علماء کا ہے۔ پھر وہ سوال کرتے گئے اور پابندیاں بڑھتی گئیں، انہوں نے رنگ کے بارے میں پوچھا تو حکم ملا کہ بالکل گہری زرد ہو جسے دیکھ کر دل خوش ہو جائے۔ یہی رنگ لوگوں میں پسندیدہ ہے، پھر انہوں نے بات بڑھا دیا اور پوچھا:

ادع لنا ربک یبین لنا ما هی ان البقر تشابه علینا و انا ان شاء اللہ لمهتدون

ترجمہ: ”پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو۔ بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے۔“

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی روایت کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ نہ کہہ دیتے تو انہیں کچھ نہ دیا جاتا۔“ لیکن اس کی صحت میں شک ہے۔ واللہ اعلم

قال انه یقول انها بقرۃ لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث مسلمة لا شیة فیها۔ قالوا الآن جئت بالحق فذبحوها و ما کادوا یفعلون۔

ترجمہ: ”موسیٰ بولے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب، بے داغ، (عاجز ہو کر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ۔ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔“

یہ وہ صفات تھیں جن کا کسی ایک گائے میں پایا جانا مشکل تھا، کیونکہ حکم یہ دیا گیا تھا کہ ایسی گائے ذبح کی جائے جسے ہل پر نہ جوتا گیا ہو اور نہ ہی اسے پانی نکالنے کیلئے کام میں لایا گیا ہو، وہ بے عیب ہو، اس کے رنگ میں کہیں کوئی داغ نہ ہو، پورے جسم کا ایک ہی رنگ ہو، جب اللہ تعالیٰ نے یہ سب پابندیاں لگا دیں اور گائے کے اوصاف بیان کر دیے تو وہ کہنے لگے ہاں اب آپ نے صحیح نشاندہی کی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایسے رنگ اور اوصاف کی گائے صرف ایک یتیم کے پاس تھی، جس کا والد بہت نیک تھا اور وہ ترکے میں صرف یہی گائے چھوڑ گیا تھا، ان لوگوں نے اس یتیم بچے سے گائے خریدنا چاہی، اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے پیشکش کی کہ ہم گائے کے وزن کے برابر سونا دیں گے لیکن بچہ راضی نہ ہوا۔ وہ سونا بڑھاتے گئے حتیٰ کہ دس گنا وزن سونا پر سودا طے ہو گیا۔ وہ گائے لے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، گائے کو ذبح کیا گیا، لیکن بڑے تردد کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ اب گائے کا گوشت کاٹ کر لاش پر مارا جائے۔ کہتے ہیں کہ ران کے گوشت کے متعلق حکم ملا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ گوشت دونوں کندھوں کے درمیان کا تھا، جب گوشت میت کے ساتھ مس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ وہ کھڑا ہوا، اور خون اس کی شاہ رگ سے بہہ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص پھر مردہ ہو گیا۔

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كذلك يحى الله الموتى و يريكم آياته لعلكم تعقلون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ”یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ۔“

یعنی جس طرح تم نے دیکھا کہ حکم خداوندی سے ایک مردہ زندہ ہو گیا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، جب وہ چاہے گا بس ایک ایک مردہ اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا اور کچھ دیر نہیں لگے گی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

ما خلقكم و لا بعثكم الا كنفس واحدة ﴿سورۃ لقمان﴾

ترجمہ: ”تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا۔“

حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ:

و اذ قال موسى لفته لا ابرح ۔۔۔ ما لم تسطع عليه صبرا۔ ﴿سورۃ الکہف﴾

ترجمہ: ”اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت اس ساتھی نے کہا: (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کیلئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔ کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا اگر

آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا نہیں۔ یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں۔ پس وہ دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا، موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ تنگی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ۔ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو ان نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی ناروا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا: اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے، پھر وہ چل پڑے، یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا: (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے۔ اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کے) والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے اس کا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ، یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا؟“

بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ جس موسیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کیلئے سفر کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضرت نبی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نہیں بلکہ اسی نام کے ایک اور شخص ہیں جن کا شجرۂ نسب کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ اسی طرح کچھ مسلمان بھی ان کی ہم نوائی کرتے نظر آتے ہیں جو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے دھڑک ان سے روایات لیتے ہیں۔ جیسا کہ نوف بن فضالہ حمیری شامی بکالی ہیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دمشقی کہلاتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت کعب احبار کی زوجہ ہیں۔

اگرچہ بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی دوسرا شخص مراد لیتے ہیں لیکن صحیح وہی ہے جو اہل علم کے ہاں مشہور ہے اور قرآن پاک کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں شک کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کیونکہ ایک نص قرآنی جو بالکل صحیح اور صریح ہے بتا رہی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے والے کوئی اور نہیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں اور اس بات پر تمام آئمہ مفسرین کا اتفاق ہے۔

بخاری میں ہے، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی کہ نوف بکالی گمان کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نامی شخص جو حضرت خضر علیہ السلام سے ملے وہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بکتا ہے۔ ہم سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جواب دیا سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرزنش فرمائی کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وحی کی گئی کہ میرا ایک بندہ خاص جو دو دریاؤں کے سنگم (مجمع البحرین) پر رہتا ہے وہ تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے اللہ! میں اسے کیسے مل سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا! اپنے ساتھ ایک مچھلی لیجئے، اسے ٹوکرے میں رکھئے، جہاں مچھلی گم ہو گئی وہیں آپ کی جائے ملاقات ہوگی۔ آپ نے مچھلی لی اور اسے ٹوکری میں رکھ کر محو سفر ہوئے۔ آپ کے ساتھ ایک نوجوان حضرت یوشع بن نون بھی تھے۔ آپ ایک چٹان پر پہنچے دونوں نے سر رکھا اور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ مچھلی ٹوکری میں زندہ ہو گئی ادھر ادھر پھرنے لگی اور آخر نکل کر چلی گئی اور قریب ہی دریا میں گر گئی، اور پھر سرنگ بناتی ہوئی سمندر میں پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے سامنے پانی کے بہاؤ کو ساکت کر دیا، وہ طاق کی طرح کھڑا ہو گیا، جب حضرت یوشع جاگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کے متعلق بتانا بھول گئے، پھر دونوں دن کے باقی ماندہ حصہ اور پوری

رات چلتے رہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوان ساتھی سے کہا: اٰتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا ترجمہ: "لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا، بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔"

أرایت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت و ما انسٰنیہ الا الشیطٰن ان اذکرہ۔ و اتخذ سبیلہ فی البحر عجبا

ترجمہ: "آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (سستانے کیلئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔"

مچھلی کیلئے سرنگ بن گئی پانی میں ٹھہراؤ آ گیا، دونوں بہت حیران ہوئے۔

✿ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ذلک ما کنا نبغ فارتدا علی اٰثارھما قصصا۔

ترجمہ: "یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔"

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے حتیٰ کہ چٹان تک پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے لیٹا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: بنی اسرائیل کا نبی موسیٰ علیہ السلام؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے اس ہدایت کی تعلیم دیں جس سے آپ کو نوازا گیا ہے۔ "قال انک لن تستطیع معی صبرا" ترجمہ: "اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

اے اللہ کے کلیم! اللہ تعالیٰ نے مجھے جس خصوصی علم سے نوازا ہے اس سے آپ ناواقف ہیں اور جو علم آپ کو بارگاہ خداوندی سے عطا ہوا ہے اس سے میں ناواقف ہوں۔

✿ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا۔ فانطلقا

ترجمہ: "اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں۔ یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں، پس وہ دونوں چل پڑے۔"

ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ انہیں ایک کشتی گزرتی دکھائی دی۔ اس سے بات کی کہ ہمیں سوار کریں۔ ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے چلنے پر راضی ہو گئے۔ دوران سفر حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک پھٹا اکھاڑ پھینکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرایہ کے سوار کیا اور آپ ہیں کہ ان کی کشتی میں سوراخ کرنے کے درپے ہیں۔

اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شيئا امرا۔ قال الم اقل لك انك لن تستطيع معى صبرا۔ قال لا تؤاخذنى بما نسيت ولا ترهقنى من امرى عسرا۔

ترجمہ: ''کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ۔''

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلی بھول ہوئی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر پانی سے چونچ تر کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرے اور آپ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو اس قطرے کو سمندر سے ہے۔ پھر دونوں کشتی سے باہر آئے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو ایک بچہ نظر آیا، جو دوسرے بچوں سے کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کچل ڈالا اور اسے قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے:

اقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئا نكرا۔ قال الم اقل لك انك لن تستطيع معى صبرا۔

ترجمہ: ''کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی ناروا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔''

قال ان سالتك عن شىء بعدها فلا تصاحبنى قد بلغت من لدنى عذرا۔

ترجمہ: ''آپ نے کہا: اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔''

فانطلقا حتى اذا اتيا اهل قرية استطعما اهلها فابوا ان يضيفوهما فوجدا فيها

جدارا يريد ان ينقض فاقامه

ترجمہ: ''پھر وہ چل پڑے، یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا، ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔'' دیوار ٹیڑھی ہو چکی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے درست فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا، فرمانے لگے تعجب ہے۔ آپ ایک ایسی قوم کی دیوار درست فرما رہے ہیں جو ہماری میزبانی سے انکار کر رہی ہے اور وہ ہمیں روٹی کے دینے کو تیار نہیں۔

لو شئت لتخذت عليه اجرا۔ قال هذا فراق بينى وبينك سانبئك بتاويل ما لم تستطع عليه صبرا۔

''حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' ہماری تو یہ تمنا ہے کہ کاش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ہمیں اور بھی بتاتا۔''

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت (۷۹) کو یوں پڑھا کرتے تھے: وَكَانَ اَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا اور آیت (۸۰) کو یوں پڑھتے تھے ''وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ۔''

پھر اس حدیث کو امام بخاری قتیبہ سے وہ سفیان بن عیینہ سے اسی سند سے انہیں الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ایک نوجوان حضرت یوشع بن نون بھی تھے۔ ان کے پاس مچھلی تھی، سفر کرتے کرتے وہ ایک چٹان تک پہنچے اور اس پر ٹھہر گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس چٹان پر سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت سفیان کہتے ہیں کہ عمرو کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ چٹان کے نیچے ایک چشمہ تھا۔ جسے حیات (زندگی) کہا جاتا تھا۔ اس کا پانی جس چیز تک پہنچتا وہ چیز زندہ ہو جاتی۔ اس چشمے کا پانی مچھلی تک پہنچا۔ اس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی، وہ بے تاب ہو کر ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں داخل ہو گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو نوجوان سے کہا کھانا لاؤ۔ آج کے سفر نے تو ہمیں تھکا دیا ہے اور اس کے بعد آپ پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔

اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے آ کر بیٹھی اور اسے چونچ سے پانی بھرنے لگی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم، آپ کا علم اور ساری مخلوق کا

علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ کا پانی ہے، پھر اس کے بعد تمام حدیث روایت کی۔

امام بخاری نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر ان کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے کچھ پوچھ لو۔ میں نے عرض کیا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! میری جان آپ پر فدا ہو کوفہ میں ایک شخص ہے جو بہت دور رہتا ہے۔ لوگ اسے نوف کہتے ہیں۔ وہ گمان کرتا ہے کہ جس شخص کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ موسیٰ نامی کوئی اور شخص ہے۔

راوی کہتا ہے کہ مجھے عمرو نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بکتا ہے۔ یعلی نے مجھے یہ بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو یہ جواب دیا کہ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور دل پر رقت طاری ہو گئی۔ ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا زمین میں آپ سے بڑا عالم بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا: نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرزنش فرمائی کہ آپ نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔ فرمایا گیا کہ ہاں آپ سے بڑا عالم زمین پر موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! وہ کہاں ہوگا؟ فرمایا: وہ دو دریاؤں کے سنگم (مجمع البحرین) پر۔ عرض کیا: اے میرے رب! کوئی نشانی بتا دیجئے تاکہ میں اسے تلاش کر لوں۔ مجھے عمرو نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہاں مچھلی تجھ سے الگ ہو جائے گی وہی جگہ ملاقات کی ہوگی۔ مجھے یعلی نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مردہ مچھلی لے لو جہاں اس میں روح لوٹ آئی، وہیں آپ کا مقصود موجود ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی پکڑی اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ لیا۔ ایک نوجوان کو فرمایا: تمہاری صرف یہ ڈیوٹی ہے کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے مجھے آگاہ کر دینا۔ نوجوان نے عرض کیا: یہ تو کوئی اتنی بڑی ڈیوٹی نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں فرمان ہے: "و اذ قال موسی لفتٰہ" ترجمہ: "اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی کو) یعنی یوشع بن نون سے" یہ الفاظ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہیں ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا ساتھی گیلی جگہ ایک چٹان کے نیچے آرام کرنے کیلئے بیٹھے تو مچھلی ڈھیل (ٹوکری) میں تڑپنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔ ان کے نوجوان ساتھی نے دل میں خیال کیا کہ ابھی انہیں

جگانا مناسب نہیں جب وہ خود جاگیں گے (تو بتا دوں گا) لیکن وہ بھول گئے اور خبر نہ دے سکے۔ مچھلی تڑپ کر دریا میں داخل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جہاں جہاں سے وہ گزرتی گئی پانی ساکت ہوتا گیا حتیٰ کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ پتھر کے درمیان میں سے ایک سرنگ بن گئی ہے۔ مجھے عمرو نے اسی طرح بتایا ہے کہ پتھر کی طرح پانی میں ایک سرنگ بن گئی، اور انہوں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی دونوں انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا۔

لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا ترجمہ: "بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔" فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے آپ کی مشقت اور کلفت دور فرما دی ہے۔ لیکن یہ الفاظ حضرت سعید بن جبیر سے روایت نہیں کیے گئے۔ حضرت یوشع بن نون نے مچھلی کے بارے بتایا، دونوں واپس پلٹے اور اسی جگہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے عثمان بن ابی سلیمان نے بتایا ہے کہ سمندر کے درمیان پانی پر انہوں نے ایک چٹائی بچھا رکھی تھی اور اسی پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک سرا سر کے نیچے تھا اور دوسرا پاؤں کے نیچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: میرے اس علاقہ میں سلام کہاں سے آ گیا؟ کیا بنی اسرائیل والا موسیٰ؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ آپ کے خداداد علم سے اکتساب کرنے آیا ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اتنا کافی نہیں کہ تورات آپ کے پاس موجود ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو وحی فرماتا ہے؟ اے موسیٰ! میرے پاس جو علم ہے وہ آپ کو نہیں سیکھنا چاہیے اور آپ کے پاس جو علم ہے وہ مجھے نہیں سیکھنا چاہیے۔ اسی عرصہ میں پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ سے پانی پیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرے اور آپ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو چڑیا کے چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے۔

حتی اذا رکبا فی السفینۃ ترجمہ: "یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں جو لوگوں کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل کی طرف لے جا رہی ہیں۔ ان ملاحوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہا وہ اللہ کے نیک بندے تشریف لائے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں پھر وہ کہنے لگے ہم اس بندہ صالح کو کرایہ لیے بغیر سوار کریں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی کشتی میں سوراخ کر دیا اور اس میں کیل

ٹھونک دی۔ (قال) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شيئا امرا۔" ترجمہ: "کیا تو نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔" آیت میں امرا کا معنی منکرا یعنی بہت ناپسندیدہ ہے۔ "قال الم اقل لك انك لن تستطيع معي صبرا۔" ترجمہ: "اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔"

پہلا اعتراض بھول تھی۔ دوسرا اعتراض ایک شرط کی وجہ سے تھا اور تیسرا اعتراض آپ نے جان بوجھ کر کیا تھا۔

قال لا تؤاخذني بما نسيت ولا ترهقني من امري عسرا۔ فانطلقا حتى اذا لقيا غلما فقتله

ترجمہ: "آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ۔ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو ان نے اسے قتل کر ڈالا۔"

یعلی فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا اور اس مسخرے کافر لڑکے کو پکڑا۔ لٹایا اور چھری سے ذبح کر ڈالا۔ قال اقتلت نفسا زكية بغير نفس ترجمہ: "موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر۔" اس معصوم نے تو کوئی ایسی بے جا حرکت نہیں کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت "زاكية مسلمة" ہے جیسا کہ آپ "غلاما زاكية" کی قرأت کرتے ہیں۔ دونوں چل پڑے۔

فوجدا فيها جدارا يريد ان ينقض فاقامه پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اس طرح (اشارہ کر کے دکھایا بھی) اشارہ کیا اور دیوار درست ہو گئی۔ حضرت یعلی کہتے ہیں مجھے تو یوں یاد پڑتا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ درست ہو گئی۔ قال لو شئت لتخذت عليه اجرا۔ ترجمہ: "موسیٰ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔"

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ آپ مزدوری لے لیتے تاکہ ہم اپنے کھانے کا

بندوبست کر لیتے۔

"و كان وراءهم" کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "كان امامهم" پڑھا ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت "امامهم ملك" ہے۔ "و كان وراءهم" یعنی ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا۔" اس بادشاہ کا نام "حدد بن بدد" تھا اور جس بچے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، اس کا نام "جیسور" تھا۔

ملك ياخذ كل سفينة غصبا۔ ترجمہ: "اس کے والدین مومن تھے۔

اور وہ خود کافر تھا۔

فخشينا ان يرهقهما طغيانا و كفرا۔ ترجمہ: "پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔" وہ اس کی محبت میں اپنا ایمان تباہ کر بیٹھیں گے اور اس کے دین کی پیروی کرنے لگیں گے۔

فاردنا ان يبدلهما ربهما خيرا منه زكوة و اقرب رحما۔

ترجمہ: "پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔"

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، اس لیے جواب میں زکوٰۃ کے لفظ آئے ہیں اور بتایا گیا کہ جس بچے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا ہے، اس کی نسبت وہ اپنے والدین پر زیادہ مہربان ہوگا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسروں کا خیال ہے کہ انہیں اس بچے کے بدلے ایک بچی دی گئی۔ لیکن داؤد بن ابی عاصم کہتے ہیں کہ یہی نظریہ دوسرے مفسرین کا بھی ہے کہ انہیں ایک نیک اور صالح بچہ عطا ہوا۔

عبدالرزاق حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے خطاب فرمایا اور پوچھا۔ یہ بتاؤ کوئی مجھ سے زیادہ عارف اور ربانی اور اس کے احکامات کو جاننے والا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس بندہ خدا سے ملاقات کرو۔ اس کے بعد مذکورہ حدیث تفصیل بیان فرمائی۔ اسی طرح محمد بن اسحاق نے بھی حسن بن عمارہ سے، انہوں نے حکم بن عتیبہ سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے، انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن عوفی ابی بن کعب سے اسے موقوفاً بیان کرتے ہیں۔ امام زہری عبید

اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے اور وہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے اور حر بن قیس بن حصن فرازی کو اس شخص کے بارے شک ہوا کہ جس سے حضرت موسیٰ ؑ نے ملاقات فرمائی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر ؑ تھے۔ اسی دوران حضرت ابی بن کعب ؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے انہیں بلایا اور کہا: مجھے اور میرے اس دوست کو "صاحب موسیٰ" کے بارے شک ہے، جن سے ملنے کیلئے آپ نے سفر اختیار فرمایا تو کیا آپ نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس بارے کچھ سنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اور پھر مذکورہ حدیث بیان کی۔

ہم نے اس ضمن میں اس حدیث کے مختلف طرق کو شرح و بسط سے بیان کیا۔ واللہ الحمد

و اما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة

ترجمہ: "باقی رہی دیوار (تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔"

امام سہیلی فرماتے ہیں یہ دو یتیم اصرم اور صریم تھے، جن کے والد گرامی کا نام کاشح تھا۔

"و كان تحته كنز لهما" ترجمہ: "اور اس کے نیچے خزانہ دفن تھا۔"

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سونا دفن تھا۔ یہ قول حضرت عکرمہ کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خزانے سے مراد علم ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس ؓ کا ہے۔ (یعنی ان کی لکھی ہوئی کتابیں یہاں مدفون ہوں گی۔) اور ہو سکتا ہے کہ سونے کی تختی ہو جس پر کچھ چیزیں لکھی ہوئی ہوں۔ بزار، حضرت ابوذر ؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس خزانے کا اللہ تعالیٰ نے کتاب مبین میں ذکر فرمایا ہے وہ دراصل سونے کی مضبوط تختی تھی، جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔ "مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے اور پھر مشقت میں پڑتا ہے۔ مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر جو جہنم کا ذکر کرتا ہے اور پھر بھی ہنستا ہے مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر، جس کے سامنے موت کا ذکر کیا جاتا ہے اور پھر بھی غافل رہتا ہے۔ "لا اله الا الله محمد رسول الله"

اسی طرح حضرت حسن بصری، غفرہ کے آزاد کردہ غلام عمر، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح بیان فرماتے ہیں۔

و كان ابو هما صالحا ترجمہ: "اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔"

کہتے ہیں کہ یہ نیک انسان ان یتیموں کی ساتویں پشت میں تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دسویں پشت میں تھا۔ جو بھی ہو، اس سے یہ بات بہرحال ظاہر ہوتی ہے کہ ایک متقی اور صالح شخص

اپنی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔

رحمة من ربك ترجمہ: "یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی۔"

یہ الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ حضرت خضر ؑ نبی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی طرف سے تو کچھ بھی نہیں کیا، جو کچھ بھی کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ولی تھے، لیکن تعجب تو اس شخص پر ہے جو کہتا ہے کہ نہ آپ نبی تھے نہ ولی بلکہ بادشاہ تھے، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خضر ؑ فرعون کے بیٹے ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ آپ ضحاک کے بیٹے ہیں، جس نے ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی کی۔

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں، جمہور علماء کتب سابقہ کا کہنا ہے کہ خضر بادشاہ افریدوں کے دور میں تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ذوالقرنین کے مقدمۃ الجیش کے سپہ سالار تھے۔ بعض لوگ جو ذوالقرنین کو افریدوں بتاتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم ؑ کے زمانے میں ذوالقرنین کے نام سے شہرت پائی۔ ان کا گمان ہے کہ حضرت خضر ؑ نے آب حیات پی لیا، جس وجہ سے وہ اب تک زندہ ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خضر ؑ حضرت ابراہیم ؑ کے کسی امتی کے بیٹے ہیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ارض بابل (عراق) کی طرف سفر فرمایا اور ان کے والد گرامی کا نام "ملکان" اور بعض کے نزدیک "ارمیا بن خلقیا" ہے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد نبی ہیں اور ان کا زمانہ سیاسب بن لہراسب کا زمانہ ہے۔

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: افریدوں اور سیاسب کے درمیان ایک طویل عرصہ حائل ہے، جو علماء انساب سے مخفی نہیں۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خضر ؑ افریدوں کے زمانے میں ہوئے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ ؑ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کی نبوت "منوشہر" کے دور میں ہے جو ایرج بن آفریدوں کا بیٹا ہے۔ یہ فارس کے حکمران ہیں اور منوشہر اپنے دادا آفریدوں کے بعد تخت نشین ہوا ہے اور اس نے فارس پر ڈیڑھ صدی حکومت کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کا تعلق حضرت اسحاق ؑ کی نسل سے تھا۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے خندق کھودی، اسی نے سب سے پہلے مختلف علاقوں میں گورنر مقرر کیے۔ اس شخص کی طرف بہت سی اچھی چیزیں منسوب کی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت عادل حکمران تھا۔ اس کی گفتگو بہت فصیح و بلیغ اور حکمت پر مبنی ہوتی تھی۔ سب لوگ اس کی عقل مندی اور انصاف کے مداح تھے۔ ان اوصاف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ واقعی وہ حضرت ابراہیم ؑ کی نسل سے ہوگا۔ واللہ اعلم

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ قال ءاقررتم و اخذتم علی ذالکم اصری۔ قالوا اقررنا۔ قال فاشھدوا و انا معکم من الشاھدین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی۔ اس کے بعد فرمایا: کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ۔ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ ان کے بعد جو نبی تشریف لائے گا وہ ان کی مدد کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے۔ اس پر لازم آتا ہے کہ یہ عہد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کیلئے لیا گیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں۔ پس ہر نبی پر جو بھی آپ کا زمانہ پائے لازم ٹھہرا کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے دین کی خدمت کرے، اگر حضرت خضر علیہ السلام آپ کے زمانہ میں بقید حیات مانیں جائیں تو ان پر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع ضروری ہے اور آپ کی مدد و نصرت سے وہ نہیں چھوٹ سکتے۔ ضروری ہے کہ آپ بدر میں صحابہ کے شانہ بشانہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے جھنڈے تلے لڑے ہوں، جس طرح کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے جلیل القدر فرشتے آپ کے جھنڈے کے نیچے کفار کے ساتھ لڑے۔

زیادہ سے زیادہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہوں گے اور یہی بات قرین قیاس ہے۔ یا بعض روایات کے مطابق رسول ہوں گے یا بادشاہ ہیں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ کچھ بھی ہو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام سے زیادہ شرافت کے حامل ہیں، اگر آپ زندہ ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و تائید کرنے کے پابند ہیں، اور اگر آپ ولی ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کی تحقیق ہے تو پھر اور زیادہ آپ حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے پابند ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت عام ہے لیکن کسی حسن بلکہ ضعیف حدیث سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں، اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کا زندہ ہونا اجماع سے ثابت نہیں۔ اور جو تعزیت کی حدیث میں آیا ہے اگر اسے حاکم نے روایت کیا بھی ہے تو بھی اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

قصہ موسیٰ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ:

مشہور "حدیث فتون" کا بیان جس کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بڑی شرح و بسط اول تا آخر بیان کیا گیا ہے۔

✿ امام نسائی اپنی سنن میں کتاب التفسیر کے تحت آیت

و قتلت نفسا فنجیناک من الغم و فتناک فتونا ﴿سورۃ طٰہٰ﴾ ترجمہ: "اور تو نے ایک جان کو قتل کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا۔"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت "و فتناک فتونا" کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ آزمائش کیا تھی تو آپ نے فرمایا: اے ابن جبیر دن ہو لینے دو، یہ بات بہت طویل ہے۔

جب صبح ہوئی تو میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ حسب وعدہ آپ حدیث فتون بیان فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن فرعون اور اس کے درباری حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان کی اولاد سے انبیاء اور بادشاہ ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے فرعون کے سامنے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ بنی اسرائیل اس وعدہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ انہیں اس مشقت سے چھٹکارا مل جائے گا۔ حالانکہ وہ یوسف بن یعقوب کو مطلوب و مقصود سمجھ بیٹھے تھے لیکن جب ان کا وصال ہوا تو کہنے لگے ایسے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ نہیں کیا گیا۔ فرعون بولا۔ تو اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ لوگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور آخر اس بات پر متفق ہو گئے کہ دایہ کے ساتھ آدمی بھیجے جائیں۔ جو بنی اسرائیل کے گھروں میں چکر لگائیں اور جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اسے ذبح کر ڈالیں۔ سو ایسا ہی ہوا بنی اسرائیل کے بچے ذبح ہونے لگے۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے بزرگ تو اجل سے چلے جا رہے ہیں اور چھوٹے بچوں کو ذبح کیا جا رہا ہے تو انہیں یہ خیال گزرا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل کا نام و نشان مٹ جائے گا پھر جو خدمت وہ بجا لاتے ہیں اور جو محنت انہیں کرنا پڑتی ہے خود انہیں کرنا پڑے گی۔ تو ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ بچوں کو قتل کرو اور بچیوں کو چھوڑتے جاؤ۔ اور بچوں کو بھی ایک سال چھوڑ کر قتل کرو تاکہ جب ان کے بزرگ مریں تو یہ بچے بڑے ہو کر ان کی جگہ لے لیں۔ اس طرح ایک تو ان کی تعداد خطرناک حد تک نہیں بڑھے گی کہ ہمیں ان کی کثرت سے نقصان کا اندیشہ ہو اور نہ بچوں کے قتل کی وجہ سے ان کا نام و نشان مٹے گا کہ ہماری ضرورتیں پوری نہ ہوں۔

اس بات پر تمام کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچوں کو قتل نہ کیا گیا اس لیے آپ کو چھپانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اگلے سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو موسیٰ کے ساتھ حمل ہوا تو آپ بہت ڈریں کہ کہیں بچہ پیدا ہو اور ظالم اسے قتل کر دیں۔ اے ابن جبیر! یہ آزمائشوں میں سے ایک ہے۔ جب مدت حمل پوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات القاء کی

لا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو (بذریعہ الہام) یہ حکم دیا کہ جب بچہ پیدا ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے ایسا ہی کیا۔ جب صندوق آنکھوں سے اوجھل ہوا تو شیطان آیا۔ اور وسوسہ اندازی کر کے کہنے لگا۔ ام موسیٰ! تو نے یہ کیا کیا۔ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں دریا میں بہا دیا۔ اگر تیرے سامنے بچے کو ذبح کیا جاتا تو اس کی تدفین کرتی۔ اسے کفن پہناتی اور اعزاز کے ساتھ اسے رخصت کرتی۔ دریا میں بہانے اور مچھلیوں کا لقمہ بنانے سے اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے دیکھنا کیا بہتر نہیں تھا؟ پانی صندوق کو بہا کر دور سے دور لے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ تھوڑی دیر میں صندوق اس گھاٹ پر پہنچ گیا جہاں سے فرعون کی بیوی کی خادمائیں پانی بھر رہی تھیں۔ جب ان خادماؤں نے صندوق بہتے دیکھا تو پکڑ لیا اور کھولنا چاہا لیکن ان میں سے ایک فوراً بول اٹھی۔ اس صندوق میں دولت ہے۔ اگر ہم نے اسے کھول کر دیکھ لیا تو آسیہ ہرگز یہ تسلیم نہیں کرے گی کہ ہم نے کچھ لیا۔ ان کنیزوں نے جوں کا توں صندوق اٹھایا اور ملکہ کے حوالے کر دیا۔

جب اس نے صندوق کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ اس میں ایک معصوم بچہ پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں بچے کی اتنی محبت پیدا فرما دی کہ اتنی محبت اسے اور کسی سے نہ تھی۔ "و اصبح فواد ام موسیٰ فارغا۔" ترجمہ: "اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔"

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو سوائے اپنے لخت جگر موسیٰ کے کچھ یاد نہ رہا جب بچوں کے قتل پر متعین لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ اپنے آلات قتل سنبھالے بھاگتے آئے تا کہ اس نومولود کو قتل کریں۔ "اے ابن جبیر! ایک آزمائش یہ ہے۔" ملکہ نے ان قاتلوں سے کہا اسے قتل

مت کرو۔ ایک یہ بچہ بنی اسرائیل میں کچھ زیادہ اضافے کا موجب نہیں ہو گا مجھے فرعون کے پاس جا لینے دو۔ میں یہ بچہ اس سے مانگوں گی اگر اس نے بچہ مجھے دے دیا تو تمہارا بھی احسان ہو گا اور یہ تمہاری نیکی شمار ہو گی اور اگر اس نے اسے ذبح کرنے کا فرمان جاری کر دیا تو میں تمہیں دوش نہیں دوں گی۔ ملکہ آسیہ فرعون کے پاس گئی اور کہنے لگی:

قرۃ عین لی ولک۔ ترجمہ: "یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔"

فرعون نے کہا: تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو سکتا ہے لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے! اگر فرعون اقرار کر لیتا کہ یہ بچہ اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے جیسا کہ اس کی بیوی نے اقرار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ ملکہ کی طرح اسے بھی ہدایت عطا فرما دیتا لیکن اس نے اپنے آپ کو اس سعادت سے محروم کر لیا۔"

ملکہ نے اپنی کنیزوں کو بھیجا کہ محل کی تمام عورتوں کو بلا لائیں تا کہ بچے کے لیے دایہ کا انتخاب کیا جائے لیکن جب بھی کوئی عورت بچے کو دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی بچہ اس کا دودھ نہ لیتا۔ صورت حال یہاں تک پہنچی کہ ملکہ ڈر گئی کہ بچے کو دودھ نہ ملا تو وہ بچ نہیں پائے گا۔ یہ سوچ کر مارے خوف کے وہ کانپ اٹھی۔ اس نے حکم دیا اور بچے کو بازار میں لایا گیا تا کہ کہیں سے کوئی ایسی میسر آ جائے بچہ جس کا دودھ پینا شروع کر دے۔ بہت عورتیں آئیں لیکن بے سود۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بے قرار ہو گئی تھیں اور اپنی بچی سے کہنے لگیں تھی صندوق کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کہاں پہنچتا ہے۔ اور سنو کہ لوگ اس کے بارے کیا باتیں کرتے ہیں۔ بیٹی ذرا جا کے دیکھ کہ میرا لخت جگر زندہ ہے یا اسے درندے کھا گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو بھول گئی تھیں۔ "فبصرت بہ" ترجمہ: "پس وہ اسے دیکھتی رہی۔" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ "عن جنب وھم لا یشعرون۔" ترجمہ: "دور سے۔ اور وہ (اس حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔"

الجنب کا مفہوم یہ ہے کہ انسان قریب کی کسی چیز کو اس انداز سے دیکھے کہ کسی کو احساس تک نہ ہو کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے یا دور کسی طرف نظریں گاڑے کھڑا ہے۔ جب اس بچی نے دیکھا کہ تمام دودھ پلانے والیاں عاجز آ گئی ہیں اور بچہ کسی کا دودھ نہیں لیتا تو خوش ہو کر کہنے لگی کہ میں:

"ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم وھم لہ ناصحون۔" ترجمہ: "پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔"

لوگوں نے بچی کو پکڑ لیا اور پوچھنے لگے۔ تجھے کیسی سوجھی کہ تو انہیں بچے کے بارے نصیحت

کرے؟ کیا تو اس بچے کو جانتی ہے؟ لوگوں کو شک پڑ گیا (کہ کہیں یہ بچہ اسرائیلی تو نہیں) اے ابن جبیر! ایک آزمائش یہ ہے۔ بچی کہنے لگی میں اس لیے انہیں بچے کے بارے نصیحت کر رہی ہوں اور اس مسئلے میں دلچسپی لے رہی ہوں کہ مجھے بادشاہ کے خاندان سے ہمدردی ہے اور میں ان کا فائدہ چاہتی ہوں۔ لوگوں نے بچی کو بھیج دیا۔ وہ اپنی ماں کے پاس آئی اور اسے ساری بات کہہ سنائی حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ ماجدہ بھاگی آئیں۔ جونہی بچے کو گود میں لیا تو بچہ سینے سے چمٹ گیا اور دونوں طرف کا دودھ سیر ہو کر پیا۔ خوشخبری دینے والا فرعون کی بیوی کے پاس دوڑ کر گیا۔ اسے خوشخبری سنائی کہ ہم نے آپ کے بچے کے لیے ایک دودھ پلانے والی تلاش کر لی ہے۔ ملکہ نے ام موسیٰ کو بلا بھیجا کنیز دایہ اور بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ بچہ کس قدر اس عورت سے مانوس ہے تو اس نے کہا: آپ یہاں ٹھہریں اور میرے بچے کو دودھ پلائیں۔ مجھے جتنی محبت اس بچے سے ہے کسی اور سے کبھی نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے گھر بار اور بچے کو چھوڑ دوں اور تیرے بچے کو دودھ پلانے لگوں۔ اگر تو مناسب خیال کرے تو بچہ میرے حوالے کر دے۔ میں اسے بچے کو اپنے گھر لے جاتی ہوں۔ حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ ماجدہ کو اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد آیا۔ اس لیے اس نے فرعون کی بیوی کو سخت لہجے میں جواب دیا۔ انہیں اب یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ اسی دن وہ اپنے گھر آ گئیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کی بہترین کفالت فرمائی اور فرعون کے فیصلے سے آپ کو محفوظ رکھا۔ بنی اسرائیل شہر کے ایک کونے میں آباد تھے۔ جب تک حضرت موسیٰ ؑ ان میں مقیم رہے نہ تو ان پر جادو کا اثر ہوا اور نہ ہی انہیں ظلم سے دوچار ہونا پڑا۔

جب بچہ ذرا بڑا ہوا تو فرعون کی بیوی نے ام موسیٰ سے کہا: میں اپنے بیٹے سے ملنا چاہتی ہوں۔ ام موسیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ کسی دن بیٹے سے اس کی ملاقات کرائے گی۔ فرعون کی بیوی نے اپنی کنیزوں۔ عہدہ داروں اور کارندوں کو یہ حکم دے دیا کہ ہر ایک شخص تحفوں اور ہدیوں کو لیے بڑے تزک و احتشام سے میرے بیٹے کا استقبال کرے۔ میں خود بھی اس جلوس میں شمولیت اختیار کروں گی اور اس کی نگرانی کروں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ میری طرف سے کچھ لوگ اس جلوس کی نگرانی کریں گے اور نظر رکھیں گے کہ ہر شخص کس طرح میرے بیٹے کی تعظیم و تکریم بجا لاتا ہے۔ یہ بھیے۔ شادیانے اور عزت و تکریم کا جلوس ام موسیٰ کے گھر سے شروع ہو کر فرعون کی بیوی کے محل تک برابر جاری رہا۔ جب بچہ فرعون کے گھر پہنچا تو (آسیہ) خوش ہو گئیں اور بچے کو خوب

پیار کیا۔ جب حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ نے بچے سے ملکہ کی شدید محبت کو دیکھا تو وہ بھی نہال ہو گئیں۔ پھر ملکہ کہنے لگی۔ اب یہ بچہ لے کر میں فرعون کے پاس جاؤں گی وہ بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گا اور اس کی خوب تکریم کرے گا۔

جب فرعون کی بیوی بچے کو لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے آپ کو اٹھا کر گود میں لے لیا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون کی داڑھی سے پکڑ کر زور سے کھینچا اور اس کا سر زمین سے لگا دیا۔ فرعون کے کافر ساتھی کہنے لگے بادشاہ سلامت! کیا آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی ابراہیم ؑ سے وعدہ کیا تھا؟ اس کا گمان ہے کہ یہ تیرا وارث بنے گا، وہ تجھ پر غلبہ حاصل کر لے گا اور تجھے پچھاڑ دے گا۔ فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلا بھیجا۔ تا کہ وہ اس نومولود کو ذبح کر دیں۔ اے ابن جبیر! ایک آزمائش یہ تھی۔ ہر ایک مصیبت کے بعد انہیں ایک نئی آزمائش میں ڈالا گیا اور ایک نئے امتحان سے دوچار کیا گیا۔ فرعون کی بیوی آ پہنچی اور کہنے لگی۔ تجھے اس بچے میں ایسی کونسی چیز نظر آ گئی ہے (کہ تو اسے ذبح کرنے کے درپے ہے) یہ بچہ تو تو نے مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ فرعون کہنے لگا: دیکھتی نہیں کہ وہ مجھے پچھاڑنے کا خیال رکھتا ہے اور مجھ پر مسلط ہونا چاہتا ہے؟ ملکہ کہنے لگی۔ ہم اس کا امتحان لیتے ہیں حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ دو انگارے اور دو موتی لے آؤ۔ اور انہیں بچے کے پاس رکھ دو۔ اگر اس نے موتی پکڑ لیے اور انگاروں کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ سمجھتا ہے اور اگر اس نے انگارے اٹھا لیے اور موتیوں کی طرف توجہ نہ دی تو پتہ چل جائے گا کہ یہ انگاروں اور موتیوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ انگارے اور موتی حضرت موسیٰ ؑ کے قریب رکھ دیے گئے۔ آپ ؑ نے انگارے اٹھا لیے۔ فرعون نے فوراً بچے کے ہاتھ سے انگارے الگ کر لیے کہ کہیں ہاتھ نہ جل جائیں۔ ملکہ نے کہا: ذرا دیکھیے تو؟ بچہ انگاروں اور موتیوں میں تمیز تک نہیں کر پا رہا۔ اس طرح اللہ نے حضرت موسیٰ ؑ کو قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ تمام معاملات سے اچھی طرح واقف ہے۔ جب آپ بڑے ہوئے اور آپ کا شمار مردوں میں ہونے لگا تو فرعونیوں میں سے کسی شخص کی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے کسی شخص پر ظلم کرتا یا اس کا مذاق اڑاتا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ ؑ کی وجہ سے بالکل محفوظ ہو گئے تھے۔

ایک دن حضرت موسیٰ ؑ نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں ان میں سے ایک کا تعلق آل فرعون سے تھا اور دوسرے کا بنی اسرائیل سے اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف آپ سے مدد چاہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے سے جل بھن گئے۔ اس لیے کہ فرعونی اسرائیلی کو دبوچے ہوئے تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ موسیٰ کا بنی اسرائیل میں کیا مقام ہے اور کس طرح وہ اسرائیلیوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ لیکن یہ طرفداری لوگوں کے خیال میں محض اس لیے تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی ایک خاتون نے دودھ پلایا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس حقیقت سے باخبر فرما دیا تھا جس سے دوسرے لوگ ناواقف تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرعونی کو ایک مکا رسید کیا اور وہ مر گیا۔

اس واقعہ کو صرف نگاہ قدرت دیکھ رہی تھی یا وہ اسرائیلی دیکھ رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ آدمی قتل ہو گیا تو آپ نے کہا:

هذا من عمل الشيطان انه عدو مضل مبين۔ ترجمہ: "یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے، بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔"

✿ پھر بارگاہ خداوندی میں التجا کی:

رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله، انه هو الغفور الرحيم قال رب بما انعمت علی فلن اکون ظهيرا للمجرمين۔ فاصبح فی المدينة خائفا يترقب۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے، تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے: میرے اللہ! مجھے ان انعامات کی قسم! جو تو نے مجھ پر فرمائے اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا، پھر آپ نے صبح کی، اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے۔" لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: اسرائیلیوں نے ہم فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کر دیا ہے، آپ ہمارا حق دلائیں اور ان کو کسی صورت نہ چھوڑیں۔

فرعون نے جواب دیا ٹھیک ہے تمہارا مطالبہ پورا ہو گا لیکن قاتل تلاش کر کے میرے پاس لے آؤ اور کوئی ایسا آدمی بھی حاضر کرو جو اس کے خلاف گواہی دے۔ بادشاہ اپنی قوم کا ایک اہم فرد ہوتا ہے، وہ بغیر ثبوت اور گواہی کے کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔ تم قاتل کا سراغ لگاؤ میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ فرعونی مارے مارے پھر رہے تھے لیکن انہیں قاتل کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اسی اثناء میں دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی ایک اور فرعونی سے گتھم گتھا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی کے خلاف مدد کیلئے پکارا لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ اپنے کل کے فعل سے نادم ہیں اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کل اور آج کے اس جھگڑے پر اسرائیلی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

انك لغوی مبين۔ ترجمہ: "بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔"

جب اسرائیلی نے یہ الفاظ سنے اور دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کل کی طرح آج بھی بہت غصے میں ہیں تو سوچا جس طرح انہوں نے کل فرعونی کو قتل کر ڈالا ہو سکتا ہے۔ "انك لغوی مبين" کہنے کے بعد مجھ پر حملہ کر دیں، لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا، بلکہ آپ علیہ السلام فرعونی کو زد و کوب سے روکنے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے اور اسرائیلی نے ڈر کے مارے یہ کہہ کر راز ظاہر کر دیا۔

يا موسى اتريد ان تقتلنی كما قتلت نفسا بالامس ﴿سورۃ القصص﴾ ترجمہ: "اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا۔"

اسرائیلی نے یہ الفاظ خوف کے مارے (بے سوچے) کہہ دیئے کیونکہ وہ سمجھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے قتل کرنا چاہتے ہیں، سو دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا۔ فرعونی بھاگا بھاگا گیا اور اسرائیلی سے جو کچھ سنا تھا جا کر بتا دیا کہ فلاں موسیٰ سے کہہ رہا تھا: "کیا تو مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کیا ہے۔" فرعون نے فوراً قاتل بھیجے کہ جا کر موسیٰ کو قتل کر دو۔ فرعون کے فرستادہ بڑی شاہراہ پر آہستہ آہستہ چلتے آ رہے تھے، انہیں یہ خیال تک نہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاگ جائیں گے۔ شہر کے دور دراز کنارے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک دوست دوڑتا ہوا اس راستے سے آیا جو مختصر تھا۔ اس طرح وہ قاتلوں سے پہلے پہنچ گیا اور بتایا کہ فرعونی تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔

اے ابن جبیر! یہ بھی ایک آزمائش تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک انجانے راستے پر نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں راستے کا کچھ علم نہ تھا، بس اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا:

عسى ربی ان يهدينی سواء السبيل۔ و لما ورد ماء مدين وجد عليه امة من الناس يسقون ووجد من دونهم امراتين تذودان۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے، اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں ہیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

ما خطبكما ترجمہ: "کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔" لوگوں سے الگ تھلگ، وہ کہنے لگیں ہم میں ان لوگوں کے ساتھ مزاحمت کرنے کی طاقت نہیں، ہم اس انتظار میں ہیں کہ یہ ہٹیں تو ان کا

بچا ہوا پانی اپنے ریوڑ کو پلائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ آپ علیہ السلام نے ڈول پر ڈول کھینچنے شروع کر دیے اور حوض اس قدر بھر گیا کہ گویا پہلا ریوڑ ہی پانی پی رہا ہو۔ یہ لڑکیاں اپنا ریوڑ لے کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وہاں سے ہٹ کر ایک درخت کے سایے کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور دعا کرنے لگے: رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ ترجمہ: ''میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں۔'' جب ان کے والد نے دیکھا کہ بچیاں آج وقت سے پہلے ریوڑ لے کر آ گئی ہیں اور بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہیں آج بہت خوب سیر ہو کر آئی ہیں تو اسے تعجب ہوا۔ پوچھا: آج ضرور کوئی بات ہے۔ بچیوں نے بتایا کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مدد فرمائی ہے۔ بزرگ نے ایک بچی کو حکم دیا کہ جا کر اسے بلا لائے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور انہیں بلا کر والد کی خدمت میں لے گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی آپ بیتی سنائی تو بوڑھے نے کہا: ''لا تخف، نجوت من القوم الظالمین۔'' ترجمہ: ''ڈرو نہیں، تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے۔''

یہاں فرعون اور اس کی قوم کا کچھ عمل دخل نہیں، اور نہ ہم ان کی مملکت کی حدود میں رہتے ہیں، بوڑھے کی ایک بچی نے اپنے والد سے عرض کیا:

یا ابت استاجرہ، ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: ''میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانتدار بھی ہو۔''

غیرت نے بزرگ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ پوچھیں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ نوجوان طاقتور بھی ہے اور امانت دار بھی ہے۔ بچی نے بتایا: ان کی قوت کا اندازہ تو اس وقت ہوا جب انہوں نے ڈول کھینچ کر ہمارے ریوڑ کو پانی پلایا۔ میں نے اس سے پہلے اس انداز اور اس قوت سے کسی کو پانی نکالتے نہیں دیکھا۔ رہی اس کی امانت تو اس کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں اسے بلانے گئی تو اس نے سر اٹھا کر مجھے ایک نظر دیکھا مگر جب اسے علم ہوا کہ میں عورت ہوں تو اس نے سر جھکا لیا اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک میں نے آپ کا پیغام نہیں پہنچا دیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا: تو میرے پیچھے چلتی آؤ اور مجھے راستہ بتاتی جاؤ۔ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس میں امانت کا وصف ہو، اس سے بزرگ کی غلط فہمی دور ہو گئی اور اس نے بچی کی تصدیق کر دی کہ جو کچھ اس نے کہا سچ کہا۔ پھر

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوئے اور ان سے مشورہ کیا:

انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج۔ فان اتممت عشرا فمن عندک ستجدنی ان شاء اللہ من الصالحین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: ''میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے، آٹھ سال تک، پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے۔''

نکاح منعقد ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آٹھ سال کی خدمت تو واجب تھی، دو سال ان کی طرف سے شمار ہوئے تھے۔ بمشیت خداوندی انہوں نے مقررہ مدت کو بھی پورا کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال ان کی خدمت کی۔

حضرت سعید، ابن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ایک نصرانی عالم سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (آٹھ اور دس) کونسی مدت پوری کی تو میں نے جواب دیا میں نہیں جانتا اور ان دنوں مجھے واقعی اس بارے علم نہیں تھا۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملا۔ اور ان سے اس سلسلہ میں بات کی۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ آٹھ سال کا عرصہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اس واجب مقدار میں کمی کرے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مدت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پورا کرنے والا ہے جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا تو اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال گزارے۔

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس نصرانی سے ملا اور اسے بتایا تو وہ کہنے لگا جس شخص سے تو نے استفسار کیا اور اس نے تجھے جواب دیا وہ تجھ سے اس مسئلہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔ میں نے کہا بالکل وہ بڑا عالم اور مجھ سے کہیں زیادہ جاننے والا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خانہ ان کو لے کر روانہ ہوئے تو اب ان کے پاس لوگوں کی ہدایت کیلئے اللہ کا حکم، ایک لاٹھی اور ایک ید بیضا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے قرآن میں بیان فرما دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ میں آل فرعون سے ڈرتا ہوں۔ ایک تو میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا اور دوسری وجہ میری زبان کی لکنت ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی وہ زیادہ دیر گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میرے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو میرا

مددگار بنا دے تاکہ وہ میرا ترجمان ہو، میری طرف سے وہ سب باتیں کرے جنہیں میں اچھے طریقے سے بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ زبان کی گرہ کھول دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی کے شرف سے نوازا اور انہیں حکم دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جا کر ملاقات کریں، آپ محوِ سفر ہے۔

یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دونوں بھائی فرعون کی طرف چل دیے، وہ فرعون کے دروازے پر اس وقت جا کھڑے ہوئے جب دونوں کو اذن باریابی نہیں مل سکتا تھا۔ پھر انہیں بڑی مشکل سے اجازت دی گئی، دونوں فرعون سے مخاطب ہوئے: "انا رسولا ربك" ترجمہ: "ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔"

فرعون بولا: "فمن ربكما" ترجمہ: "تم دونوں کا رب کون ہے؟" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تبلیغ فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ فرعون بولا: تم دونوں کیا چاہتے ہو؟ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعہ قتل یاد دلایا، جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا، جیسا کہ تو نے سن رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں تو اللہ پر ایمان لے آ اور بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے، فرعون نے انکار کر دیا اور بولا:

ان كنت جئت باية فات بها ان كنت من الصادقين۔ فالقى عصاه فاذا هي ثعبان مبين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے، اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدھا بن گیا۔"

یہ ایک بہت بڑا اژدھا تھا جو منہ کھولے فرعون کی طرف بھاگ رہا تھا، جب فرعون نے دیکھا کہ سانپ سیدھا اس کی طرف بھاگتا آ رہا ہے تو ڈر گیا تخت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اسے روکیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کو روک دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو فرعون نے دیکھا کہ یہ ہاتھ چمک رہا ہے اور کوئی بیماری یعنی برص کا نام و نشان نہیں، پھر آپ نے ہاتھ دوبارہ گریبان میں ڈالا تو وہ اپنی اصلی رنگت پر آ گیا۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، تو وہ بدبخت کہنے لگا:

ان هذان لساحران يريدان يخرجاكم من ارضكم بسحرهما و يذهبا بطريقتكم المثلى۔ ترجمہ: "بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے

جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب و ثقافت کے مثالی طریقوں کو۔" ﴿سورۃ طہٰ﴾

یعنی یہ دونوں تمہیں اپنے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ تمہاری عیش و عشرت کی زندگی ختم ہو جائے اور ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبات کو رد کر دیا اور فرعون سے کہنے لگے، ہمارے پاس بھی جادوگروں کی کمی نہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر اس فن میں مہارت رکھتا ہے۔ انہی جمع کر لیجیے تاکہ آپ کے جادوگر ان دونوں جادوگروں کو مات دے کر بے بس کر دیں۔ فرعون نے شہروں میں آدمی بھیج دیے اور تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر لیا، جب وہ فرعون کے پاس آئے تو پوچھنے لگے کہ وہ جادوگر کس قسم کے جادو کرتا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ سانپوں سے عمل سحر کرتا ہے۔ وہ کہنے لگے: بخدا زمین میں ہمارے سوا کوئی ایسا نہیں جو سانپوں لاٹھیوں اور رسیوں کے ذریعے جادو کرتا ہو، اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارا انعام کیا ہوگا؟ فرعون نے کہا: تم میرے مقرب اور خاص قرار پاؤ گے اور میں تمہارے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو تم پسند کرو گے۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان یہ بات طے ہوئی۔

موعدكم يوم الزينة و ان يحشر الناس ضحى ﴿سورۃ طہٰ﴾

ترجمہ: "جشن کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔"

حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جشن کا دن جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر فتح عطا فرمائی، دسویں محرم کا دن تھا۔ جب سب لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تو لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے: چلو جلدی کرو تاکہ ہم اس معاملے میں حاضر ہو جائیں۔

لعلنا نتبع السحرة ان كانوا هم الغالبين۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: "شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں۔"

یہاں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، دراصل کافر لوگوں نے ازراہِ تمسخر یہ باتیں کیں۔ جادوگر جب اپنا سامان سحر لے کر میدان میں اتر چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: اے موسیٰ!

اما ان تلقى واما نحن الملقين۔ ترجمہ: "یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے پہل تم کر لو۔

فالقوا حبالهم و عصيهم و قالوا بعزة فرعون انا لنحن الغالبون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے ذوق سے) کہا ''سو فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کے کرتب کو دیکھا تو دل میں تھوڑا سا اندیشہ پیدا ہوا، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

ان الق عصاك ترجمہ: ''ڈالیے اپنا عصا۔'' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کا منہ کھلا تھا۔ لاٹھیاں رسوں سے گڈمڈ ہونے لگیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی گویا ایک بل ہو جس میں رسیوں سے بنے جادوگروں کے سانپ چھپنے لگے حتیٰ کہ ایک لاٹھی اور رسی بھی ایسی نہ بچی جسے اژدھا نے نگل نہ لیا ہو، جب جادوگر اس حقیقت کو سمجھ گئے تو کہنے لگے اگر یہ جادو ہوتا تو ہمارے کرتبوں کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ یہ جادوگری نہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت ہے، ہم موسیٰ علیہ السلام پر اور ان کے لائے ہوئے دین پر ایمان لاتے ہیں اور اس فریب کاری سے جس میں آج تک مبتلا تھے توبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنے ملک میں فرعون کی کمر توڑ کر رکھ دی اور اس کے درباریوں کو بھی ذلیل و خوار کیا، حق کو غالب کر دیا اور

وبطل ما كانوا يعملون فغلبوا هنالك و انقلبوا صاغرين۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: ''باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل و خوار ہو کر۔''

فرعون کی بیوی بھی بیٹھی بڑی بے قراری سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، وہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں پر غلبہ عطا کرے۔ فرعونیوں نے اس کو بیقرار دیکھا تو سمجھے شاید اپنے خاوند فرعون اور اس کے ساتھیوں کیلئے بیقرار ہے حالانکہ ملکہ کی بے قراری اور غم حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے جھوٹے دعوے سنتے ایک طویل عرصہ گزر گیا، آپ جب بھی کوئی معجزہ دکھاتے تو فرعون وعدہ کرتا کہ وہ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کر دے گا لیکن جب مقررہ دن گزر جاتا تو وہ وعدہ خلافی کرتا اور کہتا کیا تیرا خدا کوئی اور معجزہ بھی تیرے ہاتھ پر صادر کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سرکشی کی پاداش میں قوم فرعون پر طوفان، ٹڈی دل، جوؤں، مینڈکوں اور خون کی صورت میں پے در پے عذاب مسلط کیا۔ ہر عذاب پر وہ بدبخت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں شکایت کرتا اور التجا کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ٹل

جائے اور وعدہ کرتا کہ اب کی بار وہ بنی اسرائیل کو ہرگز نہیں روکے گا لیکن جب اللہ تعالیٰ عذاب کو موقوف کرتا تو فرعون وعدہ خلافی کرتا اور عہد توڑ دیتا۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر نکل جاؤ۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت مصر سے روانہ ہو گئے۔ جب صبح ہوئی اور فرعون کو دیکھا کہ اسرائیلی جا چکے ہیں تو اس نے تمام شہروں میں آدمی بھیج کر جوانوں کو اکٹھا کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی فرمائی، جب میرا بندہ خاص موسیٰ علیہ السلام تجھے لاٹھی مارے تو بارہ راستوں میں پھٹ جانا، تا کہ وہ خود اور ان کے ساتھی پار ہو لیں، اور ان کے بعد فرعون اور اسکے ساتھیوں میں سے جو بھی آئیں ایک بھی نہ بچ پائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پر ضرب لگانا بھول گئے، جب وہ سمندر کے ساحل پر پہنچے تو سمندر کی موجیں بپھری دھاڑ رہی تھیں کہ ابھی اللہ کا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ضرب لگائے گا، ان موجوں کو یہ خوف بھی تھا کہ کہیں غفلت میں وہ اللہ کی نافرمانی نہ کر بیٹھیں۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور ایک دوسرے پر نظر پڑی تو

قال اصحاب موسى انا لمدركون۔ ﴿سورۃ الشعراء﴾

ترجمہ: ''موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔''

اسرائیلی بولے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دے رکھا ہے وہ کیجئے۔ پس وہ جھوٹ نہیں فرماتا اور نہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرے رب کا مجھ سے یہ وعدہ ہے کہ جب تم سمندر پر پہنچو گے تو یہ بارہ راستوں میں پھٹ جائے گا اور تم بخیر و عافیت گزر جاؤ گے، پھر آپ کو فوراً یاد آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ تو حکم تھا کہ سمندر کے پانی پر لاٹھی سے ضرب لگانا ہے، جب فرعونی لشکر کا مقدمہ الجیش اسرائیلیوں کے آخری آدمیوں تک پہنچنے والا تھا تو آپ نے اپنی لاٹھی سے سمندر پر ایک ضرب لگائی، تو اللہ کے حکم کے مطابق سمندر پھٹ گیا، اور اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے تمام ساتھی سمندر پار کر چکے اور فرعون اور اس کے ساتھ ان راستوں پر روانہ ہوئے تو اللہ کے حکم کے مطابق سمندر کی ٹھہری ہوئی موجیں آپس میں مل گئیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پار کیا تو اسرائیلی کہنے لگے ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون غرق ہونے سے بچ نہ گیا ہو، ہمیں اسکی ہلاکت پر یقین نہیں آ رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو پانی سے باہر نکال دیا حتیٰ کہ اسرائیلیوں کو اس کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ پھر یہ لوگ ایک ایسی قوم سے گزرے جو اپنے بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھے۔

قالو یا موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم آلھۃ قال انکم قوم تجھلون ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ و باطل ما کانوا یعملون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا: یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔"

تم نے عبرت کی کئی نشانیاں دیکھی ہیں اور تم نے جو کچھ سنا ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے۔ بہرحال حضرت موسیٰ ؑ انہیں لے کر روانہ ہوئے اور ایک جگہ پر پڑاؤ کیا۔ بنی اسرائیل سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اب تم حضرت ہارون ؑ کی اطاعت کرو گے۔ میں انہیں تم پر اپنا نائب مقرر کرتا ہوں، میں اپنے رب کی بارگاہ میں جا رہا ہوں، اور تیس دن کی مدت گزار کر تمہارے پاس لوٹوں گا۔ جب آپ نے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے اور تیسویں دن ہم کلامی خدا کا ارادہ فرمایا چونکہ ان تیس دنوں میں آپ ؑ نے دن رات روزہ رکھا تھا، تو خیال فرمایا کہ میرے منہ سے بو آ رہی ہے اس حال میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو پسندیدہ امر نہیں۔ آپ نے درخت سے ٹہنی توڑی اور مسواک کیا، جب آپ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا: تم نے روزہ افطار کیوں کر دیا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے، حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کیا: مولیٰ کریم میں نے مناسب خیال نہ کیا کہ اس حال میں تجھ سے ہم کلام ہوں کہ میرے منہ سے بو آ رہی ہو، میں نے مسواک کر لیا تاکہ منہ کی بو اچھی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ واپس جایئے اور اب دس دن کے روزے اور رکھئے پھر میرے پاس تشریف لایئے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے بحکم خداوندی دس دن کے مزید روزے رکھے۔ جب آپ ؑ کی قوم نے دیکھا کہ آپ مقررہ معیاد پر واپس نہیں پہنچے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت ہارون ؑ نے ان سے گفتگو کی اور فرمایا: تم جب مصر سے نکلے تھے تو تم قبطیوں کے مقروض تھے اور ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس رہ گئی ہیں۔ یہ مال اب انہیں واپس تو لوٹایا نہیں جا سکتا لیکن میں تمہارے لیے ان امانتوں اور عاریۃً لیے گئے زیورات کو حلال قرار نہیں دیتا۔ یہ مال نہ اب واپس ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے ایک گڑھا کھودا اور حکم دیا کہ جس کے پاس جو مال و دولت ہے اور عاریۃً لیے گئے زیورات ہیں سب اس گڑھے میں پھینک دے، جب تمام مال گڑھے میں پھینک دیا گیا تو آپ نے اسے آگ لگا کر جلا

دیا۔ اور فرمایا: یہ مال نہ فرعونیوں کیلئے ہے اور نہ اسرائیلیوں کیلئے۔

سامری نامی شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جو گائے کی پوجا کرتے تھے۔ اس کا تعلق بنی اسرائیل کی نسل سے تھا بلکہ یہ مصر میں صرف ان کا پڑوسی تھا۔ اور اسی وجہ سے جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کسی نشان سے کچھ مٹی اٹھائی تھی اور اسے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ یہ سب تقدیر کی کرشمہ سازی تھی۔ وہ شخص حضرت ہارون ؑ کے قریب سے گزرا تو حضرت ہارون ؑ نے فرمایا: سامری! جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے کیا تو اسے نہیں پھینکے گا؟ وہ اسے پکڑے رہا اور اتنی طویل مدت میں کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اسکے ہاتھ میں کچھ ہے۔ سامری نے کہا: یہ اس رسول کے پاؤں کی مٹی ہے جس نے تمہیں سمندر سے پار اتارا ہے۔ میں اس میں سے کچھ بھی نہیں پھینکوں گا۔ ہاں! اگر آپ دعا کریں کہ میری خواہش پوری ہو تو ٹھیک ہے۔ حضرت ہارون ؑ نے حامی بھر لی، سامری نے وہ مٹی پھینک دی۔ حضرت ہارون ؑ نے دعا فرمائی۔ سامری بولا: میں چاہتا ہوں، اس (پگھلے ہوئے سامان سے) بچھڑا بن جائے، اس نے گڑھے کے اندر جو سامان چاندی یا لوہا تھا سب کو اکٹھا کیا تو وہ ایک بچھڑا بن گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا۔ اس مورتی میں روح نہیں تھی لیکن وہ بچھڑے کی طرح ڈکارتا تھا۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اس میں کچھ بھی آواز نہیں تھی، درحقیقت جب ہوا، اس کے پچھلے حصے سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تو آواز پیدا ہوتی تھی۔ بنی اسرائیل کئی گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے کہا: اے سامری! یہ کیا ہے، تو اسے ہم سے زیادہ جانتا ہے؟ سامری نے کہا: یہ تمہارا خدا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ دوسری جماعت نے کہا: جب تک حضرت موسیٰ ؑ واپس نہیں آتے، ہم اس کی تکذیب نہیں کرتے، اگر یہ ہمارا خدا ہے تو ہم اس کی بے ادبی نہیں کریں گے اور جب حقیقت حال سامنے آئے گی تو تب اس کی عبادت کریں گے اور اگر یہ خدا نہیں تو پھر ہم حضرت موسیٰ ؑ کی بات کی پیروی کریں گے۔ ایک تیسرے گروہ نے کہا: یہ شیطانی کارستانی ہے، یہ بچھڑا ہمارا خدا نہیں ہو سکتا، ہم نہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور چوتھے گروہ نے سامری کی بات کو دل میں جگہ دی، بچھڑے کو خدا مان لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم سامری کی تکذیب نہیں کرتے۔

✿ حضرت ہارون ؑ نے انہیں آگاہ فرمایا:

یا قوم انما فتنتم بہ و ان ربکم الرحمن ترجمہ: "اے میری قوم! تم تو فتنے میں مبتلا ہو

گئے، اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے۔"

لوگ پوچھنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا ہوا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ تیس دن کا وعدہ کیا تھا پھر وعدہ خلافی کیوں کی؟ اب تو چالیس دن گزر گئے ہیں۔ یہ بے وقوف لوگ تو یہاں تک کہہ اٹھے: ان کے رب کو غلطی لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے تلاش کر رہے ہوں گے اور اس کی جستجو میں کہیں دور نکل گئے ہوں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: جو فرمایا تو انہیں یہ بھی بتادیا کہ تیرے آنے کے بعد تیری قوم مصیبت میں مبتلا ہوگئی ہے۔

فرجع موسی الی قومه غضبان آسفا ترجمہ: "لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ ہوکر۔" اور ان سے فرمایا جو آپ (اے ابن جبیر!) قرآن میں سن چکے ہیں۔

واخذ براس اخیه یجره الیه (سورۃ الاعراف) ترجمہ: "اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف۔"

اور غصے سے تختیاں پھینک دیں، پھر اپنے بھائی کی معذرت کو قبول کیا اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ پھر اس کے بعد سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ تجھے بچھڑا بنانے پر کس چیز نے ابھارا، سامری نے جواب دیا: میں نے رسول کی سواری کے نشان قدم سے ایک مٹھی بھرلی۔ یہ لوگ اسے نہ سمجھ سکے لیکن میں اس کی حقیقت کو سمجھ گیا۔

فنبذ تها و کذالك سولت لی ...... فی الیم نسفا (سورۂ طٰہٰ)

ترجمہ: "پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچے میں) اور اس طرح آراستہ کردیا میرے لیے میرے نفس نے یہ بات، آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا، پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور بے شک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کے خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔"

اس وقت بنی اسرائیل کو یقین آگیا کہ یہ فتنہ تھا۔ اور جو لوگ حضرت ہارون علیہ السلام کی مانند یہ رائے رکھتے تھے (کہ یہ بچھڑا خدا نہیں ہوسکتا) وہ بہت خوش ہوئے۔ یہ نیک بخت اپنی قوم کی بھلائی کی خاطر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب کریم سے دعا فرمایئے کہ وہ ہمارے لیے توبہ کا دروازہ کھول دے۔ ہم نے جو کیا بہت برا کیا۔ اللہ ہمارے گناہ

معاف کر مادے، اب ہم نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی خاطر اپنی قوم سے ستر آدمی چن لیے۔ یہ بنی اسرائیل کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ نہ انہوں نے بھی بھلائی میں تاخیر کی تھی اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تھا۔ آپ ان ستر نیک خصلت اسرائیلیوں کو لے کر چل پڑے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توبہ کیلئے عرض کریں۔ زمین نے ان آدمیوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ صورتحال دیکھی تو قوم سے شرم محسوس کرنے لگے کہ اب کس منہ سے ان کا سامنا کروں گا۔ فوراً بارگاہ ایزدی میں التجا کی:

رب لو شئت اهلكتهم من قبل و ایای، اتهلكنا بما فعل السفهاء منا (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: "اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمق نے ہم سے۔"

چونکہ ان ستر آدمیوں میں ایک ایسا بھی تھا جس کے دل میں بچھڑے کی محبت تھی اور وہ اس کے خدا ہونے پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کی دلی کیفیت سے چونکہ اللہ تعالیٰ آگاہ تھا (اگرچہ وہ اظہار نہیں کر رہا تھا) اس لیے زلزلوں نے انہیں آلیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

و رحمتی وسعت کل شئی فسا کتبها للذین یتقون و یؤتون الزکوۃ و الذین هم بآیتنا یؤمنون۔ والذین یتبعون الرسول النبی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراۃ والانجیل۔ (سورۃ الاعراف)

ترجمہ: "اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر، سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التجا کی۔ میرے پروردگار! میں نے تو اپنی قوم کیلئے توبہ کا سوال کیا اور تو نے فرمایا کہ میری رحمت مقدر ہو چکی ہے، کسی دوسری قوم کیلئے۔ کاش تو مجھے اس نبی رحمت کی امت سے پیدا کرتا (جس کی شان اس قدر بلند ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی توبہ تب قبول ہوگی کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے والد یا اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے اور یہ قتل تلوار کے ذریعے ہو اور اس جگہ قتل کرتے ہوئے کسی کا ہاتھ نہ کانپے کہ وہ انہوں کو قتل کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت

ہارون علیہ السلام پر مخفی رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے گناہوں سے مطلع فرمایا اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو حکم ملا وہ دل و جان بجالائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قاتل و مقتول ہر دو کو معاف فرمادیا۔ پھر حضرت سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ارض مقدس (فلسطین) کی طرف روانہ ہوئے۔ غصہ ٹھنڈا ہوا تو تورات کی تختیاں بھی اٹھالیں اور بنی اسرائیل کو ان کاموں کا حکم سنایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو چکے تھے۔ بنی اسرائیل نے ان ضوابط کی پابندی کو بوجھ خیال کیا اور ان فرائض کی ادائیگی سے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اٹھایا اور سائبان کی طرح ان کے سر پر معلق کردیا۔ پہاڑ اس قدر سروں کے قریب آگیا کہ یہ ڈر گئے کہ ابھی گرا جاتا ہے۔ انہوں نے کتاب کو یقین و ایمان کے ساتھ لے لیا اور پہاڑ کی ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آواز کو غور سے سننے لگے۔ تورات ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ لوگ پہاڑ سے پرے تھے کہ کہیں یہ ان پر گر نہ پڑے۔ پھر یہ لوگ وہاں سے چل پڑے حتیٰ کہ ارض مقدس کے قریب پہنچ گئے۔ راستے میں ایک شہر دیکھا جس میں ایک جابر قوم آباد تھی۔ ان کی قد و قامت کے بارے عجیب عجیب باتیں مشہور ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کے پھل بہت بڑے تھے اور اس بارے ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا:

یا موسیٰ ان فیھا قوما جبارین۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اے موسیٰ! اس میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے۔"

ہم میں ان کے ساتھ مقابلے کی سکت نہیں اور جب تک یہ لوگ ارض مقدس میں ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ فان یخرجوا منھا فانا داخلون۔ ترجمہ: "اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔" قال رجلان من الذین یخافون ترجمہ: "کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے۔"

یزید سے کہا گیا کہ کیا اس نے ایسے ہی اس کی قرأت کی ہے تو اس نے کہا: ہاں، ایک قول یہ ہے کہ وہ جبارین سے ڈرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاچکے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ آپ کی طرف چل دیئے اور کہنے لگے ہم ان لوگوں کو اپنی قوم سے بھی زیادہ جانتے ہیں، اگرچہ تم ان کی جسامت اور تعداد کو دیکھ کر ڈر رہے ہو لیکن ان کی پہلوؤں میں بہادروں کے دل نہیں ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ اپنے ملک کا دفاع کرسکیں۔ دروازوں سے داخل ہو کر ان پر حملہ کرو تو تمہارے داخل ہونے کی دیر ہے پس پلک جھپکتے تو غالب آجاؤ گے۔ کئی لوگوں کا خیال ہے

کہ ان آدمیوں کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ بنی اسرائیل کے بزدل کہنے لگے۔

یا موسیٰ انا لن ندخلھا ابدا ما داموا فیھا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھا ھنا قاعدون۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں۔ پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔"

ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غضبناک کردیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی اور فرمایا یہ لوگ فاسق ہیں۔ اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کئی بار گناہ کر چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت برا سلوک کیا تھا لیکن آپ نے کبھی بھی بددعا نہیں فرمائی تھی۔ آپ کا پہلا دن تھا کہ آپ ان کیلئے بددعا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کا نام فاسق رکھ دیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا نام فاسق رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی گستاخی کی پاداش میں ان پر ارض مقدس چالیس سال تک حرام فرمادی۔ وہ زمین میں بھٹکتے رہے، صبح و شام یونہی سرگرداں رہے، کہیں بھی آرام و سکون میسر نہ تھا۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تیہ کے میدان میں انہیں بادل کا سائبان مہیا فرمایا اور ان پر من و سلویٰ کا نزول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے کپڑے پہنائے جو نہ پرانے ہوتے تھے اور نہ بوسیدہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ایک چوکور پتھر رکھ دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس پر اپنی لاٹھی سے ضرب لگاؤ۔ لاٹھی مارنے کی دیر تھی کہ اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔ ہر طرف سے تین تین چشمے تھے۔ ہر ایک قبیلہ کو خود بخود معلوم ہوگیا کہ انہوں نے کس چشمے سے پانی لینا ہے۔ وہ کہیں بھی سفر کرتے، اس پتھر کو اپنے سامنے اس جگہ پاتے جہاں وہ تھا۔ اس طرح کل کی طرح آج پھر وہ اسی پہلی منزل پر ہوتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث کو حضور نبی کریم ﷺ سے مرفوع ذکر کرتے ہیں اور میرے نزدیک یہ حدیث مرفوع ہی ہے کیونکہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا تو اس بات کو ماننے سے انکار کردیا کہ وہ فرعونی تھا جس نے یہ انکشاف کیا کہ کل جس شخص کا قتل ہوا ہے، اس کا قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔ انہوں نے فرمایا: فرعونی کو جب علم تک نہیں تھا وہ اس راز کو ظاہر کیسے کرسکتا تھا۔ وہاں تو صرف اسرائیلی تھا نہ کہ فرعونی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں لے کر حضرت سعد بن مالک الزہری رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر کہا: اے

ابو اسحاق! کیا آپ کو یاد ہے ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس شخص کے بارے بتلایا جو آل فرعون سے تھا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا۔ اس قتل کا راز کیا، اسرائیلی نے ظاہر کر دیا تھا یا فرعونی نے؟ ابو اسحاق نے فرمایا: درحقیقت یہ راز فرعونی نے اس اسرائیلی سے سن کر ظاہر کیا تھا جو اس وقت وہاں موجود تھا اور واقعہ کا عینی شاہد تھا۔

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو ویسے ہی بیان کیا ہے۔ علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں یزید بن ہارون کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے۔ لیکن شبہ پڑتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ واللہ اعلم

اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ اسرائیلیات سے ہے۔ ہاں بعض الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔ لیکن بعض الفاظ منکر اور غور وفکر کے محتاج ہیں۔ زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کلام کا حصہ ہے۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابو الحجاج مزی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ (حدیث کی نوعیت کیا ہے) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

گنبد زماں کی تعمیر:

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ شمشاد کی لکڑیوں، جانوروں کی کھال اور بھیڑوں کی اون سے ایک گنبد بناؤ۔ اور حکم تھا کہ اس گنبد کو رنگین ریشم، سونے اور چاندی سے سجائیں گے۔ اہل کتاب کے ہاں اس کی کافی تفصیل ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ اس گنبد کے دس پردے ہونے چاہئیں، جن میں سے ہر ایک پردے کا طول اٹھائیس گز اور عرض چار گز ہو۔ اس گنبد کے چار دروازے ہوں، جن پر حریر اور سفید ریشم کے پردے لٹکے ہوں۔ یہ دروازے اندر اور باہر سے سونے اور چاندی سے جڑے ہوئے ہوں، ہر ایک زاویے میں دو دروازے ہوں اور اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے دروازے ہوں۔

اس کے علاوہ تورات میں گنبد زماں کی کئی دوسری تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور کئی قسم کے قیمتی پردوں کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اہل کتاب یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت سکینہ بنانے کا حکم دیا اور اس کی تفصیلات بھی تورات میں درج ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حکم ملا یہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا ہونا چاہیے، جس کی لمبائی اڑھائی ہاتھ، چوڑائی دو ہاتھ اور بلندی ڈیڑھ ہاتھ ہو۔ اور یہ صندوق اندر اور باہر سے خالص سونے سے جڑا ہو۔ اس کے کونوں پر سونے کے فرشتے ہوں۔ یعنی فرشتوں کی مورتیاں جن کے پر بھی ہوں اور یہ دونوں فرشتے ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں۔

اور یہ صندوق "بصلیال" نامی شخص کے ہاتھ کی صنعت ہو۔

اہل کتاب کا یہ بھی کہنا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شمشاد کی لکڑی کا میز بنانے کا حکم بھی دیا گیا۔ اس میز کی تفصیلات کے بارے لکھتے ہیں کہ اس کی لمبائی اڑھائی ہاتھ، چوڑائی دو ہاتھ، ہونی چاہیے اور یہ میز شمشاد کی لکڑی کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی تھا کہ یہ میز خالص سونے سے جڑا ہو۔ میز کے پائے اور حاشیہ سونے کا ہو اور اس حاشیہ پر سونے کی ایک کنگنی ہو، جو میز سے قدرے اٹھی ہو۔ اس کے چاروں طرف سونے کے چار حلقے ہوں، جو چاروں پاؤں کے اوپر لگے ہوں اور یہ بھی سونے سے جڑے ہوں۔ یہ بھی حکم تھا کہ میز پر رکھنے کیلئے خوانچے، کٹورے، آفتابے اور پیالے ہوں جن میں تپاؤں کو انڈیلا جا سکے اور یہ سب برتن بھی سونے کے ہوں۔ اسی طرح شمعدان بنانے کا حکم ملا۔ اس کی تفصیلات یہ بتائی گئیں کہ یہ شمعدان خالص سونے کا ہو۔ جس کی چھ شاخیں ہوں اور ہر ایک شاخ خالص سونے کی ہو۔ ہر طرف تین شاخیں ہوں لیکن شمعدان کے اوپر چار قندیلیں ہوں۔ یہ شمعدان اس کی شاخیں اور چراغ سب سونے کے ہوں اور ان کو بھی "بصلیال" نامی شخص بنائے جسے قربان گاہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ گنبد سن موسوی کی پہلی تاریخ کو نصب کیا گیا۔ یہ موسم بہار کا پہلا دن تھا۔ اور اس دن صندوق شہادت (تابوت سکینہ) رکھا گیا۔ ہو سکتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہو۔

ان آیة ملکه ان یاتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم و بقیة مما ترک آل موسی و آل هارون تحمله الملائکة ان فی ذالک لآیة لکم ان کنتم مؤمنین۔ ﴿سورۃ البقرۃ﴾

ترجمہ: "اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو۔"

اس سلسلے میں ان کی کتاب (تورات) میں بہت زیادہ تفصیلات ملتی ہیں۔ تورات میں ان کیلئے الٰہی قوانین، احکام، قربانی کے طریقے اور اس کی کیفیت سب کچھ بالتفصیل درج ہے۔ تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ گنبد بچھڑے کی عبادت سے پہلے ان کے ہاں موجود تھا اور یہ بات تو یقینی ہے کہ بچھڑے کی عبادت کا واقعہ بیت المقدس کی آمد سے قبل وقوع پذیر ہوا ہے۔

یہ گنبد اسرائیلیوں کیلئے کعبۃ اللہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اسی گنبد کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ اور اسی کے پاس قرب خداوندی تلاش کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس گنبد میں

داخل ہوتے تو اسرائیلی گنبد کے قریب بیٹھ جاتے۔ بادل کا ایک ستون دروازے پر ظاہر ہوتا اور اسے دیکھتے ہی یہ لوگ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی بادل کے ستون سے گفتگو فرماتے جو دراصل نور خداوندی ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے اور مناجات کرتے۔ اللہ تعالیٰ اسی بادل کے ستون میں سے آپ علیہ السلام کو امر و نہی فرماتے۔ آپ فرشتوں کی مورتیوں سے وضاحت کر تابوت سکینہ کے قریب کھڑے ہوتے اور جب اللہ تعالیٰ سے گفتگو ہو چکتی تو انہیں وحی خداوندی سے آگاہ کرتے اور بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے کن کاموں کے سرانجام دینے کا حکم فرمایا ہے اور کن کاموں سے منع فرمایا ہے۔ جب لوگ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتے اور آپ کے پاس اس کا حل نہ ہوتا تو گنبد میں حاضر ہوتے۔ تابوت کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ دونوں فرشتوں کو پیچھے چھوڑ دیتے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر مسائل کا حل دریافت فرماتے۔

سونے، ریشم اور مورتیوں کا استعمال شریعت موسوی میں جائز تھا۔ وہ لوگ اپنے معابد اور اپنی مسجدوں میں ان کا استعمال کرتے۔

لیکن سونے اور ریشم کا استعمال ہماری شریعت میں جائز نہیں، بلکہ ہمیں مسجدوں کی تزئین سے روکا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں دیکھ کر نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہونے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمار سے ارشاد فرمایا تھا۔ عمارت بس اتنی ہونی چاہیے کہ جس سے لوگ گرمی سردی سے بچ سکیں، اسے رنگ روغن مت کریں کہ لوگ فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اپنی مسجدوں کو زیب و زینت مت دو جس طرح کہ یہودی اور عیسائی اپنے کنائس کو زیب و زینت دیتے ہیں۔ یہ حکم اس امت کی تعظیم و تکریم اور شرف و کرامت کی بنا پر دیا گیا ہے۔ یہ امت سابقہ امتوں کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ جب یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں تو ان کی توجہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول رہتی ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے نہ ان کی آنکھیں بھٹکتی ہیں اور نہ دل میں کسی اور کا خیال آتا ہے، بلکہ ان کی سوچ کا محور و مرکز صرف ذات باری تعالیٰ ہوتی ہے۔ اس پر ہم اللہ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔

یہ گنبد (جس کا اوپر تذکرہ ہوا ہے) بنی اسرائیل کے پاس میدان تیہ میں تھا۔ وہ اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے۔ یہی ان کا قبلہ اور کعبہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے امام تھے اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام ان کی طرف سے قربانیاں پیش کرتے تھے۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام کی

وفات ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دار بقا کو تشریف لے گئے تو قربانیاں پیش کرنے کی یہ ذمہ داری حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد نے قبول کی اور آج تک یہ فریضہ انہی کی اولاد ادا کر رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد منصب نبوت و امامت پر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام فائز ہوئے۔ آپ بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس میں داخل ہوئے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب بیان کیا جائے گا۔ المختصر جب انہوں نے اس قبہ کی تعمیر مکمل فرمائی جو کہ بیت المقدس کے پتھر کی جگہ تھا تو انہوں نے اسے قبلہ بنایا جب وہ جگہ ظاہر ہو گئی تو انہوں نے اصل جگہ نماز شروع کر دی۔ اسی لیے بعد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس تک تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ یہی رہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل اسی سمت منہ کر کے نمازیں ادا فرمائیں۔ یہی اہل اسلام کا قبلہ رہا۔ ہجرت کے بعد بھی ایک روایت کے مطابق سولہ ماہ اور ایک ضعیف روایت کے مطابق سترہ ماہ بیت المقدس ہی مسلمانوں کا قبلہ رہا۔ پھر تحویل کعبہ کا حکم ہوا۔ کعبۃ اللہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کو اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ شعبان کا مہینہ اور عصر کی نماز ہو رہی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظہر کی نماز ہو رہی تھی، تحویل قبلہ کا حکم ملا۔

اس کی تفصیل دیکھنا مقصود ہو تو ہماری تفسیر (ابن کثیر) کا مطالعہ کریں۔

قارون کا واقعہ

ان قارون کان من قوم موسی ------ والعاقبة للمتقین۔ (سورۃ القصص پ)

ترجمہ: ''بے شک قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر اور ہم نے دے دیئے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں، ایک طاقتور جتھے (کی کمروں) کی، جب کہا اسے اس کی قوم نے زیادہ خوش ہو بے، بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت وثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔ الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب وزینت کے ساتھ سے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ وجلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کیلئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے۔ اور انہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے۔ پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کو کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی۔ اللہ تعالیٰ انکے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے او ہو! کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کیلئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کیلئے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا او ہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کیلئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی۔ اور

اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔''

منہال بن عمرو، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ ابراہیم نخعی عبداللہ بن الحارث بن نوفل کا بھی یہی قول ہے۔ سماک بن حرب، حضرت قتادہ، حضرت مالک بن دینار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں اور وہ اتنا زیادہ کرتے ہیں کہ قارون کے باپ کا نام یصہب اور دادا کا نام قاہث تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی عمران تھے اور ان کے دادا کا نام بھی قاہث تھا۔

علامہ ابن جریر کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا۔ ابن جریر ابن اسحاق کے اس قول کو رد کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ قارون کو منور کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کی تلاوت بہت خوبصورت آواز میں کیا کرتا تھا، لیکن اللہ کے دشمن سامری کی طرح منافقت پر اتر آیا اور کثرت مال ودولت نے اسے ہلاک کر کے رکھ دیا۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ بڑا مغرور تھا، اس لیے اپنی قمیص کو ایک بالشت لمبا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خزانوں کی کثرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں کئی طاقتور آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ کچھ لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ خزانوں کی چابیاں چمڑے کی تھیں اور انہیں ستر اونٹ بمشکل اٹھاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ بہر حال قارون کو لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال تجھے عطا فرمایا ہے اس پر فخر وغرور نہ کر۔

ان اللہ لا یحب الفرحین۔ و ابتغ فیما اتٰک اللہ الدار الاخرۃ

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر۔''

لوگوں نے اسے سمجھایا کہ آخرت کا ثواب کمانے کی کوشش کر اور اپنے مال وزر کو دنیا ہی بنانے کیلئے استعمال نہ کر۔ آخرت کا ثواب بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ ہاں ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دنیا سے بالکل بے رغبتی کا ثبوت دے۔

ولا تنس نصیبک من الدنیا ترجمہ: ''اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے''

یعنی اللہ نے جو مال تیرے لیے حلال کیا ہے اس سے لے اور حلال وپاکیزہ چیزوں سے لطف

اندوز ہو۔ "واحسن کما احسن اللہ الیک" ترجمہ: "اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔"

یعنی مخلوق خدا سے حسن سلوک کر جس طرح اللہ تعالیٰ تیرے خالق و مالک نے تجھ پر دنیاوی نعمتیں تمام کر دی ہیں۔

ولا تبغ الفساد فی الارض ترجمہ: "اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں۔"

یعنی مخلوق خدا سے زیادتی نہ کر اور زمین میں فساد مت برپا کرتا پھر ورنہ وہ اپنی نوازشات کا سلسلہ منقطع فرما دے گا اور سارے عطیے واپس لے لے گا۔

انا اللہ لا یحب المفسدین۔ ترجمہ: "یقیناً اللہ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔"

قال انما اوتیتہ علی علم عندی

ترجمہ: "وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔"

یعنی مجھے تمہاری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں اور مجھے نہ تمہاری خیر خواہی سے غرض۔ یہ مال و دولت تو میرے علم کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے عقل و تجربہ کی وجہ سے اس کا مستحق تھا۔ اگر بارگاہ خداوندی میں مقبول اور نوازشات کا مستحق نہ ہوتا تو یہ دولت و ثروت مجھے کبھی بھی عطا نہ کی جاتی۔

۞ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوہام باطلہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

او لم یعلم ان اللہ قد اھلک من قبلہ من القرون من ھو اشد منہ قوۃ او کثر جمعا ولا یسئل عن ذنوبھم المجرمون۔

ترجمہ: "کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔"

یعنی گزشتہ امتوں میں کئی ایسے لوگ تھے جو قارون سے مال و دولت اور اولاد میں کہیں زیادہ تھے لیکن ان کے گناہوں اور سرکشیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، اگر قارون کا کہنا صحیح ہوتا تو ان سرکشوں کو ہرگز سزا سے دوچار نہ ہونا پڑتا، جن کے پاس قارون سے زیادہ مال و دولت تھی۔ مال کی فراوانی ہماری محبت اور رضا کی علامت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من امن و عمل صالحا

ترجمہ: "اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا

قرب بخش دیں، مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا۔"

۞ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ایحسبون ان ما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون ﴿سورۃ المومنون﴾ ترجمہ: "کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی مدد کرتے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے، تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔"

یہ آیت قارون کے جواب کا رد بیان کرتی ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہم نے "انما اوتیتہ علی علم عندی" کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ صحیح ہے۔ رہی یہ بات کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیمیاء (سونا بنانا) کی صنعت سے واقف تھا یا اسے اسم اعظم یاد تھا اور اسی کے ورد سے وہ مال و دولت جمع کرتا رہتا تھا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کیمیا گری ایک وہم ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مختلف دھاتوں کے ملاپ سے سونا بنایا جا سکتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اور اگر ان دھاتوں کے ملاپ سے سونے کی مانند کوئی دھات بن بھی جاتی تو بھی وہ خالص سونا نہیں ہو سکتی کیونکہ خالق حقیقی کی کاریگری کی مشابہت ممکن نہیں، اور اسم اعظم ایک کافر کو کوئی فائدہ نہیں دیتا، اور ظاہر ہے قارون منافق تھا وہ زبان سے تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا تھا لیکن باطن سے کافر تھا، اگر اس بات کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا جواب صحیح نہیں بنتا اور سوال و جواب میں کوئی مطابقت نہیں رہتی۔

"فخرج علی قومہ فی زینتہ" ترجمہ: "الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت کے ساتھ۔"

اکثر مفسرین عظام نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دن وہ بڑی سج دھج کے ساتھ گھر سے نکلا۔ خلعت فاخرہ زیب تن تھی۔ خدم و حشم ساتھ تھے۔ سواری کو پوری طرح سجایا گیا تھا، جب دنیا داروں نے اس جاہ و جلال کو دیکھا تو خواہش کرنے لگے کہ کاش ہم بھی قارون کی طرح مالدار ہوتے۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور وہ مسحور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے جب بنی اسرائیل کے علماء نے ان دنیا داروں کی باتیں سنیں تو انہوں نے دنیا کی بے ثباتی کو بے نقاب کیا اور انہیں سمجھایا کہ دولت و ثروت ہی سب کچھ نہیں۔ غنا اور عقلمندی اصل دولت ہے۔ علماء انہیں نصیحت کرنے لگے۔

و یلکم ثواب اللہ خیر لمن امن و عمل صالحا ترجمہ: "حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کیلئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے۔"

یعنی آخرت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور نیک اعمال کا جو صلہ ملے گا وہ دنیوی جاہ و جلال سے کہیں زیادہ، بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اس مال و دولت کی اس کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یلقٰھآ الا الصٰبرون۔ یعنی "اور انہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنیوالوں کے۔"

یعنی اس دنیا کی چمک دمک کو دیکھ کر کوئی شخص ایسی نصیحت اور ایسی بات پر کان نہیں دھر سکتا۔ کوئی نہیں جو مال کی فراوانی پر فریفتہ ہو کر آخرت کے بارے سوچے ہاں جنہیں اللہ تعالیٰ قلب سلیم عطا فرماتا ہے اور اس کے دل کو ثبات کی دولت عطا کرتا ہے وہ عقلمندی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس دنیا کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے اور اس طرح اپنی مراد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس آنکھ کو پسند فرماتا ہے جو ورود شبہات کے وقت کھل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی عقل کو پسند فرماتا ہے جو حلول شہوات کے وقت کام آتی ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فخسفنا بہ و بدارہ الارض فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان من المنتصرین۔

ترجمہ: "پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کو کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں، اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔"

جب وہ بڑے تزک و احتشام سے نکلا اور اپنے مال و دولت کی فراوانی پر نازاں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں غرق کر دیا۔ جیسا کہ بخاری امام زہری رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی زمین میں اپنی چادر کو گھسیٹتا جا رہا تھا کہ دھنس گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح حدیث روایت کی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سدی نے بیان کیا ہے کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کو کچھ مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں میں بیٹھے ہوں تو وہ جا کر یہ کہے کہ اے موسیٰ! آپ نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ آپ اس

بہتان کو سن کر گھبراہٹ سے لرز اٹھے دو رکعت نماز ادا کی، پھر عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قسم دے کر پوچھا کہ تجھے اس سازش پر کس نے آمادہ کیا ہے۔ عورت نے کہا: مجھے قارون نے اس بہتان طرازی پر ابھارا ہے۔ عورت نے بارگاہ خداوندی میں توبہ کی اور اپنی خطا سے درگزر کی درخواست کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی وقت سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ ہم نے زمین کو حکم دیدیا ہے وہ آپ کی اطاعت کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون اور اس کے گھر کو نگل لے۔ حکم ملنے کی دیر تھی قارون اور اس کا گھر زمین نے نگل لیا۔ واللہ اعلم

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب زیب و زینت کا پورا اہتمام کر کے اپنی قوم کے سامنے آیا اور بڑے تزک و احتشام، بڑے کروفر سے مال مویشی گھوڑے گدھے لیے، لباس فاخرہ پہن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجلس سے گزرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو آخرت کے بارے وعظ فرما رہے تھے، جب لوگوں نے قارون کو دیکھا تو کئی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے چہرہ پھیر کر اسے دیکھنے میں محو ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلایا اور فرمایا تجھے ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے۔ قارون کہنے لگا: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ نبوت کی وجہ سے مجھ سے بہتر ہیں اور میں مال کی وجہ سے تجھ سے افضل ہوں، اگر تو چاہے تو مجھے یہاں سے نکال سکتا ہے، تو میرے لیے بددعا کر اور میں تیرے لیے بددعا کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ قارون بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: تو بددعا کرے گا میں کروں۔ کہنے لگا: ٹھیک ہے بددعا کرنے میں پہل تو کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: "الٰہی! زمین کو حکم دے کہ وہ آج میرا کہا مانے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔ میں نے زمین کو حکم دیدیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا۔ اے زمین! انہیں (قارون اور اسکے ساتھیوں کو) پکڑ لے۔ زمین نے انہیں پاؤں سے پکڑ لیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انہیں پکڑ لے، انہیں گھٹنوں تک پکڑ لیا، پھر انہیں کندھوں تک پکڑا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے خزانے اور مال و دولت کو اپنی گرفت میں لے لے۔ زمین نے انہیں بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ لوگ اپنے خزانوں کو دیکھتے رہ گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ فرمایا اور کہا: بنی لاوی جاؤ۔ پس زمین ان پر ہموار ہو گئی۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: زمین روزانہ انہیں ایک آدمی کے قد

کے برابر دھنسا رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ لوگ زمین کے ساتویں طبق تک دھنس گئے۔ یہاں اکثر مفسرین نے بہت ساری اسرائیلی روایات ذکر کی ہیں، ہم نے ان سے اعراض کیا ہے اور انہیں قصداً ترک کر دیا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فما كان له من فئة ينصرونه من دون الله و ما كان من المنتصرين ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔"

جب قارون کے مال و متاع اور گھر کو زمین نگل گئی اور وہ خود بھی غرق ہو گیا۔ نہ اس کا کوئی ساتھی بچا اور نہ ہی گھر کا کوئی فرد تو وہ لوگ بہت نادم ہوئے، جنہوں نے اس کی سج دھج دیکھ کر یہ تمنا کی تھی کہ کاش ہم بھی انہیں کی طرح امیر ہوتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کہ وہ اپنے بندوں کیلئے جو تدبیر کرتا ہے بہتر ہے حالانکہ بندوں کی نگاہوں سے انجام کار مخفی ہوتا ہے۔ کہنے لگے:

لو لا ان من الله علينا لخسف بنا و يكانه لا يفلح الكفرون۔

ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیا ہوتا! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔"

ہم نے لفظ "ویکانہ" کے بارے تفسیر میں بات چیت کی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ "ویلکان، الم تران" (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ) کے معنی ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ قول بہتر ہے۔ واللہ اعلم

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ دار آخرت یعنی ابدی قیام گاہ کہ جن خوش نصیبوں کو یہ گھر عطا ہوگا وہ تو اس پر فخر کریں گے اور خوش ہوں گے اور جن کو اس سے محروم کر دیا جائے گا وہ آہ و بکا کریں گے۔ یہ دار آخرت ان لوگوں کیلئے تیار کیا گیا ہے جو زمین میں بڑا بننے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ وہ فساد برپا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ میں لفظ علو سے مراد فخر و غرور اور تکبر بڑائی اور نازش ہے۔ اور فساد سے مراد گناہ و سرکشی، لوگوں کا مال غصب کرنا، ان کی معیشت کو نقصان پہنچانا، ان کے ساتھ زیادتی کرنا اور بھلائی کی کوشش نہ کرنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حسن انجام صرف اہل تقویٰ کیلئے ہے۔

✿ قارون کا یہ قصہ خروج مصر سے پہلے پیش آیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فخسفنا به و بداره الارض

ترجمہ: "پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔"

گھر عموماً آبادی میں ہوتا ہے لیکن کبھی ریگستان میں بھی ہوتا ہے، لفظ دار کا اطلاق بار ہا ایسی جگہ پر بھی کیا جاتا ہے، جس پر خیمہ لگایا گیا ہو۔ جیسا کہ عنترہ کا شعر ہے۔

يا دار عبلة با لجواء تكلمي   و عمي صباحا دار عبلة و اسلمي

ترجمہ: "اے کشادہ وادی میں (میری محبوبہ) عبلہ کا گھر مجھ سے باتیں کر، اے عبلہ کا گھر تیری صبح اچھی ہو اور تو سلامت رہے۔"

(یہاں لفظ دار خیمہ کی جگہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔) واللہ اعلم

و لقد ارسلنا موسى با يتنا و سلطان مبين الى فرعون و هامان و قارون فقالوا ساحر كذاب۔ ﴿سورۃ المومن﴾

ترجمہ: "اور بے شک بھیجا ہم نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔"

✿ قرآن پاک میں عاد و ثمود کے ذکر کے بعد فرمایا:

و قارون و فرعون و هامن ...... كانوا انفسهم يظلمون۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾

ترجمہ: "اور ہم نے (ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو۔ اور بے شک تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ۔ پھر بھی وہ غرور و تکبر کرتے رہے، زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے۔"

جو شخص زمین میں غرق ہوا وہ قارون ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اور جو دریا میں غرق ہوئے وہ فرعون، ہامان اور ان کا لشکر تھا جو کہ نافرمان تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز کی تلقین کی اور فرمایا: جس نے اس کی محافظت کی تو یہ نماز اس کیلئے قیامت کے روز نور، دلیل اور نجات کا سامان ہوگی اور جس نے اس کی محافظت نہیں کی تو نہ اس کیلئے نور ہوگا، نہ کوئی دلیل اور نہ ہی نجات۔ ایسا شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

و اذ کر فی الکتاب موسیٰ انه کان مخلصا و کان رسولا نبیا۔ و نادینٰه من جانب الطور الایمن و قربنٰه نجیا و وھبنا له من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: ''اور ذکر فرمائیے کتاب میں موسیٰ کا بے شک وہ (اللہ کے چنے ہوئے) تھے اور رسول و نبی تھے، اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کیلئے اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا۔''

قال یا موسیٰ انی اصطفیتك علی الناس برسالتی و بکلامی فخذ ما اتیتك و کن من الشاکرین۔ ﴿سورۂ الاعراف﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری سے اور اپنے کلام سے۔ اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے۔''

حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہوئے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے انہیں بے ہوش ہی نہیں کیا گیا۔ ہم یہ بات بھی ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی تواضع و انکساری ہے۔ ورنہ آپ ﷺ تو خاتم الانبیاء اور دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں۔ یہ بات قطعی اور یقینی ہے جس میں شک و شبہ کا احتمال نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا اوحینا الیك کما اوحینا ...... وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ ﴿سورۂ النساء﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور۔ اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے، ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا۔ اور کلام فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاص کلام فرمایا

یایھا الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبرأه اللہ مما قالوا و کان عند اللہ

وجیھا ﴿سورۂ الاحزاب﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کیا اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے۔''

دوڑنے والا پتھر:

بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیادار شخص تھے۔ آپ ستر پوشی کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حیاء کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنے دیتے تھے۔ پس بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آپ علیہ السلام کو ستایا۔ وہ کہنے لگے موسیٰ! جو اپنے جسم کی یوں ستر پوشی کرتے ہیں، ضرور ان کے جسم میں کچھ نقص ہے۔ یا تو برص کے داغ ہیں یا خصیتین میں سوجن ہے یا کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس تہمت سے بری فرمانا چاہا۔ پس ایک دن آپ تنہائی میں تھے۔ اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر کی طرف چلے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے بھاگ پڑے۔ آپ ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے جاتے تھے، پتھر میرے کپڑے، پتھر میرے کپڑے۔ یہاں تک کہ آپ کا گزر بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے ہوا۔ انہوں نے آپ کو برہنہ دیکھا تو حیران رہ گئے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے سب سے خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے طعنوں سے بری فرمایا۔ پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے کپڑے اٹھائے اور پہن لیے، اور پتھر کو لاٹھی سے مارنا شروع کیا۔ خدا کی قسم! یہ پتھر آپ کے مارنے کی وجہ سے رویا اور تین، چار یا پانچ مرتبہ آواز سنی گئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا یھا الذین امنو لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبرأه اللہ مما قالوا و کان عند اللہ وجیھا ﴿صحیحین، احمد، مسلم﴾

بعض اسلاف کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بلندی شان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے آپ کی سفارش قبول فرمائی اور آپ کی یہ دعا قبول کی کہ ہارون آپ کے وزیر ہوں گے اور بنی اسرائیل کیلئے نبوت کریں گے۔ جیسا کہ قرآن پاک سے ظاہر ہے:

ووھبنا له من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا۔

ترجمہ: ''اور اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون عطا کیا غیب کی خبریں سنانے والا نبی۔''

امام بخاری، اعمش، ابو وائل اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم

ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ایک شخص کہنے لگا مال تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال نہیں رکھا گیا۔ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور اس شخص کے بارے عرض کیا: آپ ﷺ ناراض ہو گئے۔ حتیٰ کہ میں نے غصے کے آثار آپ کے چہرے پر دیکھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا اور انہوں نے صبر کیا۔"

مسلم، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ایک شخص مجھے دوسرے شخص کی کوئی بات بتاتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں جب (تمہاری مجلس سے) نکلوں تو میرا سینہ صاف ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں کچھ مال پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے تقسیم فرما دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرا گزر دو آدمیوں کے پاس سے ہوا، ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ خدا کی قسم! محمد (ﷺ) نے تقسیم کرتے ہوئے نہ اللہ کی رضا کا خیال رکھا اور نہ دار آخرت کا خوف ان کے دامن گیر رہا۔ وہ کہتا رہا حتیٰ کہ میں نے یہ بات سن لی، پھر میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص مجھ کو میرے صحابی کی کوئی بات بتاتا ہے...... میں فلاں فلاں شخص کے پاس سے گزرا، وہ ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ پر یہ بات بہت شاق گزری۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑو اس بات کو رہنے دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ ستایا گیا اور آپ نے پھر بھی صبر فرمایا۔

قبر میں نماز:

صحیحین میں معراج سے متعلق احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (اسے مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔) ﴿ابو داؤد، ترمذی﴾

صحیحین میں حضرت قتادہ عن انس عن مالک بن صعصعہ عن النبی ﷺ کی سند سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ شب معراج کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ آپ علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں میں نے بھی انہیں سلام کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے: نبی صالح اور نیک بھائی خوش آمدید۔ جب میں آگے بڑھا تو وہ رو پڑے۔ پوچھا گیا رونے کی وجہ کیا ہے؟ آپ علیہ السلام

نے فرمایا: یہ جوان میرے بعد مبعوث ہوئے لیکن میری امت سے کہیں زیادہ لوگ اس کی امت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے مذکور ہے کہ آپ ساتویں آسمان میں تھے اور یہی بات صحیح ہے۔

شریک بن ابی نمرہ کی حدیث میں جسے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا تھا۔

ایک سے زائد حفاظ نے بیان کیا ہے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پیٹھ لگائے ہوئے تھے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو ایک دفعہ داخل ہوتے ہیں پھر قیامت تک دوبارہ نہیں آسکیں گے۔

نماز میں تخفیف:

تمام روایات میں اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ پر اور آپ کی امت پر اللہ نے ایک دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں تو آپ ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اپنے رب کی بارگاہ میں واپس جایئے اور تخفیف کے لیے عرض کیجئے۔ میں اس سے پہلے بنی اسرائیل کو خوب آزما چکا ہوں۔ آپ کی امت سننے، دیکھنے اور دل کے اعتبار سے نسبتاً کمزور ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس وقت تک اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتے جاتے رہے اور تخفیف ہوتی رہی یہاں تک کہ دن رات میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہیں تو پانچ لیکن ان کا ثواب بڑھا کر پچاس نمازوں کے برابر کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے حضور نبی کریم ﷺ کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

امام بخاری، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ایک دن حضور نبی کریم ﷺ ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ اور میں نے ایک بڑی سیاہی دیکھی جس نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔

(اسی طرح یہاں امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔) امام احمد اس حدیث کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حصین بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے پوچھا۔ آپ میں سے کسی شخص نے رات اس ستارے کو دیکھا ہے جو گزشتہ رات ٹوٹا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں میں نے، پھر عرض کیا۔

اگرچہ میں نماز تو نہیں پڑھ رہا تھا لیکن مجھے کسی موذی (کیڑے) نے کاٹ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا۔ میں نے تعویذ باندھا۔ انہوں نے فرمایا: ایسا کیوں کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے بتایا کہ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم سے شعبی نے بریدہ بن اسلمی کے حوالے سے بیان فرمائی ہے۔ "لا رقیه الامن عین او حمة" ترجمہ: "جائز نہیں کوئی تعویذ مگر نظر اور زہریلے کیڑے کے کاٹنے کی وجہ سے۔"

تم بھی اہل جنت ہو: (فرمان نبوی ﷺ)

حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک جس نے یہ سن کر روکا ہے اس نے بہت اچھا کیا ہے۔

پھر فرمایا: ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے ایک نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ ایک ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک یا دو آدمی تھے ایک ایسے نبی کو بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک شخص بھی نہ تھا۔ پھر میرے سامنے ایک انبوہ کثیر آیا۔ میں نے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ آپ ذرا افق کی طرف نگاہ فرمایئے میں نے ایک عظیم گروہ کو دیکھا۔ پھر کہا گیا اس جانب دیکھیے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت ہی بڑی جماعت ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ اور اس میں ستر ہزار ایسے (خوش قسمت) ہیں جو بغیر حساب اور بغیر کسی عذاب دیے جنت میں جائیں گے۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ اٹھ کر چلے گئے اور اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ لوگ اس حدیث کے بارے بات چیت کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ کون لوگ ہیں جو بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہوں گے؟ کچھ نے کہا شاید وہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ شاید یہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور اللہ کے ساتھ کبھی بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اسی طرح کئی لوگوں نے اور بھی باتیں کیں۔ حضور نبی کریم ﷺ پھر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تم کس چیز کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم فلاں چیز کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو نہ تو داغتے ہیں نہ ٹونکے استعمال کرتے

ہیں۔ اور نہ فال لیتے ہیں۔ وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم بھی انہیں میں سے ہو۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا میرا شمار بھی انہیں میں سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ بازی لے گیا۔ (اس حدیث کو بہت سارے دوسرے طرق سے بھی بیان کیا گیا ہے یہ صحاح ستہ اور کئی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کئی جگہ تذکرہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ قصہ کتاب عزیز میں کئی دفعہ ذکر ہوا ہے۔ کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں بالتفصیل اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف بہت بلیغ انداز میں فرمائی۔

آپ کے ذکر خیر اور آپ کی کتاب تورات کو حضور نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید کے ذکر کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

ولما جاء هم رسول من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كانهم لا يعلمون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔"

الم۔ الله لا اله الا هو الحي القيوم ...... والله عزيز ذو انتقام۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ۔ تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں۔ اور اتاری اس نے تورات اور انجیل اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے۔ اور اتارا فرقان کو۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔"

وما قدروا الله حق قدره اذ قالوا .... على صلاتهم يحافظون۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا۔ جب کہا انہوں

نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا بہت سا حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا آپ فرما دیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے۔ ہم نے اتارا ہے اس کو بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لیے تاکہ ڈرائیں آپ مکہ (والوں) کو اور جو اس کے اردگرد ہیں۔ اور جو ایمان لائے ہیں آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔"

مذکورہ آیات طیبات میں پہلے تورات مقدس کی تعریف فرمائی اور پھر قرآن عظیم کی مدح و ستائش کی۔ اسی سورۃ کے آخر میں فرمایا:

ثم آتینا موسی الکتاب تماما علی الذی احسن و تفصیلا لکل شیء و ھدی و رحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون۔ و ھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہ و اتقوا لعلکم ترحمون۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "پھر عطا فرمائی ہم نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعث ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے پر ایمان لائیں۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے (ہم نے اسے اتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔"

سورۃ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

انا انزلنا التورۃ فیھا ھدی و نور .... فاولئک ھم الکفرون۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تمام کتابوں پر حاکم بنا دیا ہے۔ یہ پہلی تمام کتابوں کی مصدق ہے اور پہلی کتابوں میں جو تحریف و تبدیلی ہوئی ہے اسے کھول کر بیان کرتا ہے۔ اہل کتاب اپنی کتابوں کی حفاظت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن یہ ان کتابوں کو تحریف سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اسی لیے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں کو نہ تو حفظ کرتے تھے اور نہ ہی احتیاط سے ضبط تحریر میں لائے، اس لیے مابعد ادوار میں بہت کچھ الحاق کر دیا گیا۔ اس تحریف کی ایک وجہ ان کا سوء فہم اور جہالت ہے اور دوسری وجہ علمی خیانت اور دین سے بے رغبتی ہے۔ اسی لیے قیامت تک ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی رہے گی۔ ان کی کتابوں میں اللہ اور رسول اللہ کے بارے ایسی ایسی بے ہودہ باتیں پائی جاتی ہیں کہ جنہیں پڑھنا بھی دل گردے کا کام ہے۔ ایسی تحریف شاید ہی کسی اور کتاب میں کی گئی ہو جتنی ان کتابوں میں کی گئی ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ سورۃ الانبیاء میں فرماتا ہے:

و لقد اتینا موسی و ھارون الفرقان و ضیاء و ذکر للمتقین۔ الذین یخشون ربھم بالغیب و ھم من الساعۃ مشفقون۔ و ھذا ذکر مبارک انزلناہ افانتم لہ منکرون۔

ترجمہ: "اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پرہیزگاروں کیلئے، جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا ہے تو کیا اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو۔"

فلما جاءھم الحق من عندنا .... ان کنتم صدقین۔ ﴿سورۃ القصص﴾

ترجمہ: "پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہوں نے کہا (موسیٰ و ہارون) دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے تم لے آؤ اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اسکی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی دو کتابوں کی تعریف فرمائی اور اپنے دو جلیل القدر رسولوں کی مدح و ستائش کی۔ اسی طرح جنہوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی
﴿سورۃ الاحقاف﴾

ترجمہ: "ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ کے بعد۔"

جب حضور نبی کریم پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ورقہ بن نوفل کو بتایا کہ مجھ پر یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

اقرأ باسم ربك الذى خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ و ربك الاكرم۔ الذى علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم۔ ﴿سورۃ العلق﴾

تو ورقہ نے یہ بات سن کر کہا سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ بن عمران پر وحی لے کر آیا تھا۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عظیم شریعت کے حامل تھے۔ آپ کے ماننے والے کثرت سے تھے۔ ان میں انبیاء، علماء، زہاد، دانشور، بادشاہ اور امراء بڑے بڑے سردار اور عظیم المرتبت انسان موجود تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ تورات کی حفاظت نہ کر سکے۔ خود بھی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور شریعت موسیٰ میں بھی ہزار ہا تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ اسی جرم کی پاداش میں مسخ ہو کر بندر اور سور بن گئے، پھر جو بھی ہدایت آئی اسے تبدیل کرتے رہے۔ ان پر ایسی مصیبتیں آئیں اور ایسے ایسے خطرناک حالات سے دوچار ہوئے کہ وہ کچھ بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔ ان کا ذکر کریں تو طوالت کا خوف ہے۔ لیکن ہم اختصار کے ساتھ کسی جگہ ان حالات کا تذکرہ کریں گے۔ انشاء اللہ وبه الثقه و عليه التكلان

حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام کا حج کرنا:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ "وادی ازرق" سے گزرے۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا۔ یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہ "وادی ازرق" ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یوں لگتا ہے کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے اترتے دیکھ رہا ہوں، گویا وہ بلند آواز سے "لبیک اللهم لبیک" کہہ رہے ہوں۔" پھر نبی کریم ﷺ جب "ہرشاء" کی پہاڑی پر پہنچے تو پوچھا: یہ کونسی پہاڑی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یہ ہرشاء پہاڑی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گویا میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر سوار دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے صوف کا جبہ پہن رکھا ہو اور اونٹنی کی مہار کھجور کے چھال کی ہو۔ ہشیم کہتے ہیں کہ حدیث میں خلبہ کا لفظ لیف یعنی کھجور کی چھال کے معنی میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تلبیہ کہہ رہے تھے۔

مسلم اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے سرخ رنگ کے بیل پر سوار ہو کر حج کیا۔ (یہ حدیث بہت غریب ہے۔)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ دجال کا تذکرہ چل نکلا، کسی نے کہا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" لکھا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ کسی نے بتایا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان "ک ف ر" لکھا ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے تو نہیں سنا، لیکن یہ بات سنی ہے کہ آپ فرما رہے تھے "حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تم اپنے (اس) دوست کو دیکھ لو۔ (اپنی طرف اشارہ فرمایا) کہ رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ گندم گوں رنگ کے آدمی تھے ان کے بال گھنگریالے تھے اور آپ سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے جس کی مہار کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی۔ گویا میں انہیں وادی میں اترتے لبیک لبیک کہتے دیکھ رہا ہوں۔" ہشیم کہتے ہیں کہ حدیث میں لفظ الخلبة کا معنی کھجور کی چھال ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: میں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ تھا، آپ کے بال گھنگریالے اور سینہ چوڑا تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ کے جسیم موزوں قامت کے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے (اس) دوست کو دیکھ لو۔ (حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف اشارہ فرمایا۔)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت موسیٰ بن عمران کو دیکھا، ان کا قد لمبا اور بال گھنگریالے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ شنوءہ قبیلہ کے آدمیوں سے کوئی ہو، اور میں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا آپ درمیانے قد کے تھے، آپ کی رنگت سرخ اور سفید تھی اور بال بالکل سیدھے تھے۔ (صحیحین میں ابن قتادہ کے حوالے سے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔)

حضرت سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب حضور نبی کریم ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: "میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔"

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد ہے، جو قدرے لمبے قد کا ہے، جس کے بال کم گھنگریالے ہیں، گویا وہ شنوءہ قبیلے کے آدمیوں میں سے ایک ہے۔" "میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں آپ کی پوری اولاد میں ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔"

ملک الموت کو مکا رسید کر دے مارا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: کہ موت کے فرشتے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تو آپ نے فرشتے کو مکا رسید کیا، وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور عرض کیا: (اے اللہ!) آپ نے مجھے ایسے شخص کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھو، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر بال کے بدلے ایک سال عمر بڑھا دی جائے گی۔ آپ نے عرض کیا: میرے اللہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر مرنا ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تو پھر اب ہی کیوں نہ موت ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی کہ مجھے ارض مقدس سے اتنا نزدیک فرما دے کہ کوئی پتھر پھینکے تو پہنچ سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں راستے کے قریب سرخ ٹیلے کے نیچے ان کی قبر انور دکھاتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے ایسی ہی حدیث روایت فرمائی۔ ﴿مسلم﴾

امام احمد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: اپنے رب کا فیصلہ مان لو، (یعنی موت کا وقت آ چکا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکا مارا اور فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی۔ فرشتہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر عرض کناں ہوا۔ (اے اللہ!) تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا، فرشتے نے یہ بھی عرض کیا: الٰہی! اس بندے نے تو میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ اجل کی آنکھ درست فرما دی اور حکم دیا کہ میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو۔ کیا تمہیں زندگی چاہیے؟ اگر تمہیں زندگی چاہیے تو اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھو، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال زندہ رہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر موت (کا ذائقہ چکھنا ہوگا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تو میرے رب پھر ابھی اپنے پاس بلا لے۔"

(امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں منفرد ہیں، اور ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موقوف روایت کی گئی ہے۔)

ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اسکی سند بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابی ہریرہ معمر کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا ہے جس نے یہ حدیث حسن سے سنی ہے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔ اس کے بعد وہ پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے اس حدیث پر ایک اشکال وارد کیا ہے اور اس کا خود ہی جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتہ اجل نے جب پہلی مرتبہ پیغام ربانی پہنچایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پہچانتے نہیں تھے۔ کیونکہ وہ ایسی شکل میں آیا جس شکل وصورت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے واقف نہیں تھے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں اعرابی کی شکل میں آتے اسی طرح فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور وہ انہیں نہ پہچان سکے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرشتہ اجل کو پہچاننے سے قاصر رہے۔ مکا رسید کر دیا اور ان کی آنکھ پھوڑ دی، کیونکہ فرشتہ بغیر اجازت کے ان کے گھر گھس آیا تھا، یہ ہماری شریعت کے موافق ہے۔ ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے کہ جو بغیر اجازت کے آپ کے گھر میں جھانکے اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ پھر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ عبد الرزاق کے طریقہ سے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فرشتہ اجل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان کی روح قبض کرنے کی غرض سے آیا اور کہا کہ اپنے رب کی قضا مان لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی آنکھ پر مکا دے مارا اور آنکھ پھوڑ دی۔" پھر ابن حبان نے امام بخاری کی طرز پر تمام حدیث بیان کیا۔

پھر ابن حبان نے اسکی تاویل کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا تو اس وقت فرشتے نے کہا کہ اپنے رب کو جواب دیجئے، لیکن اس تاویل کو حدیث کے الفاظ قبول نہیں کرتے، کیونکہ حدیث میں اجب ربك کے الفاظ پہلے ہیں اور "لطم" کے الفاظ بعد میں ہیں، اگر پہلے جواب کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرشتہ کو پہچان نہ سکے۔ یہ قول اس سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ اس ساعت خاص میں یہ بات متحقق نہ ہو سکی کہ وہ کریم فرشتہ ہے کیونکہ آپ زندگی میں بہت سے کام کرنے کی تمنا رکھتے تھے، اور تیہ کے بعد ان کو توقع تھی کہ اور بہت سے کام ان کے ہاتھ سے سرانجام پائیں گے اور وہ جہاد کر کے بیت

المقدس میں داخل ہوں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تیہ میں رحلت فرمانا مقدر فرما دیا تھا جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر میدان تیہ سے نکلے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ لیکن یہ نظریہ اہل کتاب اور جمہور مسلم علماء کی تحقیق کے خلاف ہے۔ اور اس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موت کے وقت یہ فرمانا ہے کہ: میرے رب مجھے ارض مقدس سے پتھر پھینکنے کے فاصلے تک قریب کردے اگر آپ بیت المقدس میں داخل ہو چکے ہوتے تو یہ دعا ہر گز نہ کرتے۔ دراصل آپ میدان تیہ میں تھے۔ جب موت کا وقت آیا تو عرض کی۔ مولا مجھے بیت المقدس کے قریب کردے جس کی طرف میں ہجرت کر کے آرہا تھا آپ نے اپنی قوم کو اس بات کی ترغیب دی کہ مجھے بیت المقدس میں دفن کرنا۔ لیکن تقدیر بیت المقدس اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے سے آگے نہ جا سکے۔

اسی لیے سید البشر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ پہاڑ کے نیچے ان کا مزار اقدس تمہیں دکھاتا۔ (امام مسلم نے اس حدیث کو حماد بن سلمہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔)

حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں ہارون کو وفات دینے والا ہوں۔ اس لیے انہیں فلاں پہاڑ پر لے آؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پہاڑ کی طرف چل پڑے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک درخت ہے کہ اس جیسا درخت پہلے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا۔ درخت کے قریب ایک محل ہے جس میں ایک پلنگ بچھا ہے اس پلنگ پر بہت قیمتی بستر بچھا ہوا ہے۔ اور اس بستر سے نہایت ہی خوشگوار مہک اٹھ رہی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس پہاڑ، محل اور سامان کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے۔ اے (میرے بھائی) موسیٰ علیہ السلام! میں اس پلنگ پر سونا چاہتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سو جائیے حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں گھر کا مالک نہ آجائے اور مجھ پر ناراض ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ڈرنے کی کوئی بات نہیں میں صاحب خانہ سے نمٹ لوں گا۔ بس آپ سو جائیے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا۔ آپ بھی میرے ساتھ سو جائیے۔ گھر کا مالک آگیا تو مجھ پر اور آپ پر یعنی ہم دونوں پر ناراض ہوگا۔ جب دونوں بھائی سو گئے

تو حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے۔ جب آپ کو محسوس ہوا کہ آخری وقت قریب ہے تو کہا: اے موسیٰ! آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ جب آپ کو روح قبض ہوگئی تو یہ گھر اٹھ گیا، درخت بھی غائب ہو گیا اور پلنگ آپ کے جسم کو لے کر آسمان کی طرف اٹھ گیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے اپنی قوم کے پاس تشریف لائے تو لوگ کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ وہ آپ سے حسد کرتے تھے اور نسبتاً حضرت ہارون علیہ السلام سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام نرم خو اور محبت سرشت تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ لوگ یہ باتیں کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: تمہارا ستیاناس ہو۔ حضرت ہارون علیہ السلام میرے بھائی تھے۔ کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں۔ جب بہت سے لوگ اس وہم میں مبتلا ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پلنگ نیچے آگیا یہاں تک کہ لوگوں نے زمین اور آسمان کے درمیان پلنگ کو معلق دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال:

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ سیاہ آندھی آئی۔ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے دیکھا تو سمجھے قیامت آگئی ہے۔ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چمٹ گئے۔ اور کہا: قیامت آگئی ہے اور میں اللہ کے نبی موسیٰ کے جسم سے چمٹا ہوا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کے ہاتھوں سے اس طرح نکل گئے کہ ان کی قمیص حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ میں رہ گئی۔ جب یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قمیص لے کر اکیلے واپس آئے تو بنی اسرائیل نے انہیں پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تو نے اللہ کے نبی کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا: بخدا میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ وہ میرے ہاتھوں سے چھن گئے۔ لیکن اسرائیلیوں نے ان کی تصدیق نہ کی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو مجھے تین دن کی مہلت دو۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ جو لوگ حضرت یوشع علیہ السلام کی نگرانی کر رہے تھے انہیں خواب میں بتایا گیا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں ہیں بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھا لیا ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔

اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جتنے لوگ میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے وہ سب اسی ویرانے میں مرکھپ گئے تھے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو جابروں کی اس بستی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ داخل ہوا ہو۔ یا فتح کا دن دیکھا ہو۔

اس حدیث کے بعض الفاظ منکر ہیں اور بعض الفاظ میں غرابت ہے۔ (واللہ اعلم) جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مشہور دیانے سے کوئی بھی نہ نکل سکا۔ لیکن چند خوش نصیب ایسے تھے جنہیں بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ ان میں سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت کالب بن یوقنا علیہ السلام مشہور ہیں۔ موخرالذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت مریم کے خاوند ہیں۔ یہی وہ جوان ہیں جن کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو کہا تھا کہ ہم عمالقیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کھود رہے تھے۔ اس سے پہلے ایسی خوبصورت، پررونق اور دلکش قبر آپ علیہ السلام کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے فرشتو! یہ قبر کس کے لیے کھود رہے ہو۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے کے لیے اگر تو چاہتا ہے کہ وہ بندہ تو بنے تو اس قبر میں داخل ہو جا۔ لیٹ جا اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جا۔ اور آہستہ آہستہ سانس لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ فوراً آپ کا وصال ہو گیا فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو دفن کر دیا۔

اہل کتاب اور دیگر آئمہ کرام کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے تو آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کا فرشتہ لوگوں کے پاس کھلم کھلا آتا۔ فرماتے ہیں کہ جب یہ فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے مکا مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور عرض کی: پروردگار! تیرے عبد خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو میری آنکھ پھوڑ دی۔ اگر وہ تیری بارگاہ میں عزت دار نہ ہوتا تو میں اسے مزا چکھا دیتا۔ یونس کے الفاظ "لشققت علیه" ترجمہ: "یعنی میں اسے دولخت کر دیتا" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ سے کہا: میرے بندے کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے یا فرمایا کہ بیل کی جلد کو چھوئے۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر دی جائے گی۔ فرشتہ پھر حاضر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام گوش گزار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا ہوگا؟ فرشتے نے بتایا کہ پھر موت کا سامنا کرنا ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر ابھی لے چل۔ راوی فرماتے ہیں کہ فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سونگھا اور روح قبض کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی آنکھ [illegible] سے ملک الموت لوگوں کے پاس خفیہ آتا ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام

شجرہ نسب:

یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام، اہل کتاب کہتے ہیں حضرت یوشع علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کے چچا زاد بھائی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کی تصریح نہیں فرمائی۔ حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں ایک نوجوان کے الفاظ میں آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

و اذ قال موسی لفتاہ۔ ترجمہ: "اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا"

فلما جاوزا قال لفتاہ۔ ترجمہ: "پھر جب وہاں سے گزر گئے موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا"

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک مرفوع حدیث سے ثابت ہے کہ جوان (ساتھی) سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

اہل کتاب کا آپ کی نبوت کے بارے اتفاق ہے۔ اگرچہ سامریوں کا ایک گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہیں لیکن وہ بھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کی نبوت تورات سے تصریحاً ثابت ہے۔ حالانکہ تورات کے بعد کی کتب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت حق ہے اور قرآن پچھلی تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر یہ بدبخت اللہ کے نبیوں کا انکار کرتے ہیں۔ (ان منکروں پر اللہ کی تاقیامت لعنت ہو)

اور وہ قصہ جو علامہ ابن جریر اور دیگر کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے محل نظر ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق سے مروی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری عمر تھی تو وحی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت یوشع علیہ السلام پر آنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے ملتے اور ان سے اوامر و نواہی کے متعلق پوچھ لیتے۔ ایک دن حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا: اے کلیم اللہ! آپ کی طرف جب وحی ہوتی تو میں اس کے متعلق کوئی بات نہ کرتا حتیٰ کہ آپ خود مجھ سے بیان فرما دیتے (جبکہ آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں) تو اپنی طرف سے ابتداء کرتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زندگی کو ناپسند فرمایا اور موت کی تمنا کی یہ قصہ صحیح نہیں ہو سکتا

کیونکہ آخر دم تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام فرماتے رہے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے انہیں اوامر و نواہی سے آگاہ کرتا رہا اور تشریع کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ علیہ السلام اپنی وفات کے لمحے تک بارگاہِ خداوندی میں معزز و مکرم اور مقرب و معظم رہے۔ جیسا کہ فرشتہ اجل کی آنکھ پھوڑنے کی حدیث سے ثابت ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ہر بال کے بدلے ایک سال عمر دینا چاہی لیکن جب دیکھا کہ انسان ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا تو موت کو گلے لگا لیا۔ اور تمنا کی کہ بیت المقدس کے قریب دفن ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اس تمنا کو شرفِ قبولیت بخشا اور آپ کا مزار بیت المقدس کے بالکل قریب ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

یہ قصہ محمد ابن اسحاق اگر اہل کتاب کی کتب کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں تو پھر تورات سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ آخری وقت تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ اور آپ کو جب بھی ضرورت محسوس ہوئی اللہ تعالیٰ نے وحی فرما دی۔ جیسا کہ خیمہ اجتماع کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

اہل کتاب نے تورات کے حصے سفر ثالث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے قبیلوں کے مطابق شمار کریں اور ہر ایک قبیلہ پر ایک امیر مقرر فرمائیں۔ چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اس لیے بارہ نقیب مقرر ہوئے۔ اس گنتی کا مقصد بنی اسرائیل کو جنگ کے لیے تیار کرنا تھا۔ چونکہ بیت المقدس پر عمالقیوں کا قبضہ تھا۔ اور میدان تیہ سے نکل کر ان کے ساتھ جنگ ضروری تھی۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا جب یہ لوگ ویرانے سے نکل کر جنگ آزما ہوئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ اجل کی آنکھ پھوڑی کیونکہ وہ اسے صورت میں پہچانتے نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایک ایسے کام کے متعلق حکم دیا جس کو پورا کرنے کی اس دور میں امید کی جا سکتی تھی لیکن تقدیر میں یہ نہیں تھا کہ وہ اس دور میں پورا ہو۔ بلکہ تقدیر میں یہ تھا کہ وہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے دور میں سرانجام پائے۔

جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے رومی حکومت کے خلاف شام میں لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ یہ لشکر تبوک پہنچا لیکن اسی سال نو ہجری کو واپس آ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دس سن ہجری کو حج ادا فرمایا پھر واپس آئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو شام پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ آپ ﷺ رومیوں کے خلاف جنگ کا پختہ عزم رکھتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا:

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ

ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صٰغرون۔ ﴿سورۃ التوبہ﴾

ترجمہ: "جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ابھی تیار ہوا ہی تھا کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جرف سے واپس آ گیا کچھ دنوں بعد آپ کے یارِ غار اور خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو خود اپنے ہاتھوں روانہ کیا۔ پھر جب جزیرہ عرب کے حالات درست ہو گئے فتنے بیٹھ گئے اور حق پوری طرح چھا گیا تو دائیں بائیں کے سارے لشکر عراق کی سرحد پر شاہ فارس کسریٰ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیج دیے۔ اور کچھ مجاہدوں نے قیصر روم کے خلاف جنگ کرنے کے لیے شام پر چڑھائی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لشکروں کو فتح و نصرت سے نوازا۔ دشمن مغلوب ہوئے اور مسلمانوں کو ان علاقوں کی حکومت میسر آ گئی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کرو اور ان پر قائد مقرر کرو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل ...... فقد ضل سوآء السبیل۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے۔ اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسنہ تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ اور داخل کروں گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔"

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرما رہا ہے کہ اگر تم نے اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کیا اور پہلے کی طرح جنگ سے پہلو تہی نہ کی تو اس کے بدلے میں تمہاری تمام تقصیروں سے درگزر کروں گا اور تم پر پہلے گناہ کی وجہ سے کوئی سختی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ غزوہ حدیبیہ میں کچھ لوگ شریک لشکر نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون۔ فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجرا حسنا۔ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ ﴿سورۃ الفتح﴾

ترجمہ: "فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔"

✿ اسی طرح اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے ارشاد فرما رہا ہے:

فمن کفر بعد ذالک منکم فقد ضل سواء السبیل۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے سیاہ کاریوں اور نقض عہد پر ان کی مذمت فرمائی جیسا کہ ان کے بعد نصاریٰ کی اس بات پر مذمت فرمائی کہ انہوں نے اپنے دین میں باہم اختلاف کیا اور دوسرے ادیان سے بھی الگ تھلگ ایک باطل عقیدہ گھڑ لیا۔ اس بارے ہم نے اپنی تفسیر میں تفصیلی بحث کی ہے۔ وللہ الحمد۔

جنگ کیلئے قبائل کی تقسیم اور لشکر کی تیاری:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ان مردوں کی گنتی کی جائے جو بیس سال یا اس سے زائد عمر کے ہیں اور اسلحہ اٹھا کر دشمن سے جنگ کر سکتے ہیں۔ نیز ہر قبیلہ کے لیے ایک سردار مقرر کیا جائے۔

(۱) پہلا قبیلہ روبیل کی نسل پر مشتمل تھا۔ کیونکہ روبیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا پہلوٹھا تھا۔ اس قبیلے کے جنگجو مردوں کی تعداد ۴۶۵۰۰ تھی۔ اس قبیلہ کا سردار صور بن شدیئور تھا۔

(۲) دوسرا قبیلہ شمعون کی نسل سے تھا۔ ان کی تعداد ۵۹۳۰۰ تھی اور ان کا سردار شلومیئل بن صوریشدای تھا۔

(۳) تیسرا قبیلہ یہودہ کی نسل سے تھا۔ ان کی تعداد ۷۴۶۰۰ تھی اور ان کا سردار نحسون بن عمیناداب تھا۔

(۴) چوتھا قبیلہ ایساخر کی اولاد پر مشتمل تھا ان کی تعداد ۵۴۴۰۰ تھی اور ان کا سردار نثانئیل بن صوعر تھا۔

(۵) پانچواں قبیلہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد تھی اور ان کی تعداد ۴۰۵۰۰ تھی اور ان کے سردار کا نام حضرت "یوشع بن نون" علیہ السلام تھا۔

(۶) چھٹے قبیلے کا تعلق سبط یشا سے تھا۔ ان کی تعداد ۳۱۲۰۰ تھی اور قبیلے کا سردار شملیئیل بن فدہصور مقرر ہوا۔

(۷) ساتویں قبیلے میں بنیامین کی اولاد تھی جن کی تعداد ۳۵۴۰۰ تھی اور سردار قبیلہ کا نام ابیدان بن جدعون تھا۔

(۸) آٹھواں قبیلہ میں جاد کی اولاد تھی ان کی تعداد ۴۵۶۵۰ تھی اور سردار کا نام الیاساف بن رعوئیل تھا۔

(۹) نویں قبیلے میں آشیر کی اولاد تھی ان کی تعداد ۴۱۵۰۰ تھی اور سردار فجعیئیل بن عکرن تھا۔

(۱۰) دسواں قبیلہ دان کی اولاد پر مشتمل تھا ان کی تعداد ۶۲۷۰۰ تھی اور قبیلے کے سردار کا نام اخیعزر بن عمیشدای تھا۔

(۱۱) گیارواں قبیلہ نفتالی کی اولاد پر مشتمل تھا ان کی تعداد ۵۳۴۰۰ تھی اور قبیلے کے سردار کا نام الباب بن حیلون تھا۔

یہ موجودہ تورات کی نص ہے جنہیں آج یہ لوگ اصل تورات گردانتے ہیں۔ اس گنتی میں بنولاوی شامل نہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ حکم دیا گیا تھا۔ بنی لاوی کو چھوڑ کر باقی گیارہ قبیلوں کے جنگجو مردوں کی تعداد مذکورہ بیان کے مطابق ۵۷۱۶۵۶ بنتی ہے۔

لیکن تورات کی نص بیس سال اور اس سے اوپر کی عمر کے جنگجو لوگوں کی تعداد ۶۰۳۵۵۵ لکھی ہوئی ہے جو محل نظر ہے۔ اگر متذکرہ بالا بیان جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اگر واقعی تورات سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ اب یہ کتاب میں موجود ہے تو پھر ان کے مذکورہ بیان سے مطابقت نہیں کھاتا۔

بنی لاوی بنی اسرائیل کے تمام قبائل کے درمیان سفر کرتے۔ اور یہی لوگ قلب جیش کی حیثیت رکھتے تھے۔ میمنہ پر بنی روبیل جبکہ میسرہ پر بنودان مقرر ہوتے اور بنو نفتالی ساقہ ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی بنی ہارون کو کہانت کے لیے مقرر فرما دیا تھا۔ جیسا کہ یہ منصب شروع سے ان کے والد گرامی حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس سے چلا آ رہا تھا۔ بنی ہارون کے نام یہ ہیں ناداب اور یہ پہلوٹھا تھا ابیہو، العازر، اور اتمر، بہرحال بنی اسرائیل میں سے ایک بھی باقی نہ بچا جس نے یہ کہہ کر عمالقیوں سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا ہو کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ تمام ویرانے میں مر گئے تھے۔ یہ قول ثوری کا ہے جسے انہوں نے ابی سعید سے، انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہی قول قتادہ اور عکرمہ کا ہے اور اسی کو سدی حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ حتیٰ

کہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سلف و خلف تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں دخول بیت المقدس سے پہلے ویرانے میں وفات پا گئے تھے۔

ابن اسحاق کا گمان ہے کہ بیت المقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتح کیا۔ اور حضرت یوشع علیہ السلام آپ ہی کے لشکر کے مقدمہ میں تھے۔

بلعام بن باعورا کا قصہ:

محمد ابن اسحاق نے بلعام بن باعوراء کا قصہ بھی ذکر کیا ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس جاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے۔ شاید قرآن مجید کی اس آیت میں اسی بلعام بن باعوراء کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

واتل علیھم نبا الذی اتینہ ایتنا ...... کانوا یظلمون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور پڑھ سنایئے انہیں حال اس کا جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ آپ سنائیں (انہیں) یہ قصہ شاید وہ غور و فکر کرنے لگیں۔ بہت بری کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ بلعام کی قوم نے مطالبہ کیا کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے لیے بددعا کرے وہ ان کے لیے بددعا کرنے سے رک گیا۔ لیکن جب انہوں نے اصرار کیا تو وہ اپنی گدھی پر سوار ہوا اور بنی اسرائیل کے پڑاؤ کی طرف چل پڑا جونہی لشکر پر نگاہ پڑی تو گدھی بیٹھ گئی۔ بلعام نے گدھی کو مارا حتی کہ وہ کھڑی ہو گئی اور کچھ ہی دور چلی لیکن پھر بیٹھ گئی۔ بلعام نے اس مرتبہ گدھی کو پہلے سے کہیں زیادہ مارا تب وہ اٹھی لیکن پھر بیٹھ گئی۔ تیسری مرتبہ اس نے پورا زور لگایا لیکن گدھی نہ اٹھی اور گویا ہوئی بلعام! کہاں جانا چاہتا ہے؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں؟ کیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور اہل ایمان کے حق میں بددعا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی بلعام گدھی سے نہ اترا اور اسے برابر مارتا رہا۔ آخر گدھی اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے لے کر چل

پڑی۔ جب وہ "حسبان" پہاڑ پر چڑھا اور لشکر موسوی پر نظر پڑی تو بددعا کے لیے زبان کھولی لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ بجائے بددعا کے اس کی زبان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔ اور خود اپنی قوم کے حق میں زبان پر بددعا کے کلمات جاری ہو گئے۔ لوگوں نے اسے ملامت کیا۔ بلعام نے معذرت کی اور کہا کہ کیا کروں کوشش کے باوجود بھی زبان پر قدرت نہیں۔ ایسے میں اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر لٹک گئی کہنے لگا۔ میں دنیا و آخرت میں نامراد ٹھہرا میرے پاس سوائے مکر و فریب کے کچھ نہیں رہا۔

پھر اس نے اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر سامان بیچنے والیوں کے روپ میں اسرائیلی لشکر میں بھیجو تاکہ وہ لوگ ان کے ساتھ زنا کے گناہ میں مبتلا ہوں۔ اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو ہم ان پر قابو پا لیں گے۔ سو ان لوگوں نے بلعام کے مشورے پر عمل کیا۔ اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر اسرائیلی لشکر میں بھیجا تاکہ بنی اسرائیل گناہ میں مبتلا ہو کر نصرت خداوندی سے محروم ہو جائیں۔ کستبی نامی عورت بنی اسرائیل کے زمری بن شلوم نامی سردار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ زمری کا تعلق شمعون بن یعقوب کی اولاد سے تھا۔ زمری اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور اس کے ساتھ زنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کی پاداش میں بنی اسرائیل کو طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا۔ وبا پورے لشکر میں پھیل گئی جب اس کی اطلاع فنحاص بن عزار بن ہارون کو ہوئی تو اس نے اپنا لوہے کا حربہ لیا اور زمری اور کستبی کے خیمے میں گھس کر دونوں کو چھید ڈالا فنحاص انہیں خیمے سے باہر نکال لایا حربہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اپنے ایک پہلو پر سہارا لیے ہوا تھا اور حربہ کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس پر زور دے کر کھڑا تھا۔ پھر اس نے نیزہ چبھو کر دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور بارگاہ خداوندی میں التجا کی۔ الٰہی جو تیری نافرمانی کرتے ہیں ہم ان کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔

طاعون جاتا رہا۔ اس وبا سے مرنے والوں کی مجموعی تعداد ستر ہزار تھی۔ یا کم از کم بیس ہزار۔ فنحاص اپنے باپ عیزر ابن ہارون کا پہلوٹھا تھا۔ اسی لیے بنی اسرائیل فنحاص کے لیے اپنی قربانی کا ایک خاص حصہ وقف کرتے ہیں اور کھیتی باڑی اور پھلوں سے کچھ حصہ اس کے نام کا نکالتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کے پہلے پھل فنحاص کی اولاد کے لیے مخصوص ہوتے ہیں بلعام کا یہ واقعہ جسے محمد ابن اسحاق نے پیش کیا ہے صحیح ہے۔

اس کو دیگر مفسرین نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

مصر سے نکل کر بیت المقدس کی طرف تشریف لائے تھے کہ اسے فتح کریں اور شاید ابن اسحاق کی مراد بھی یہی ہو۔ لیکن بعض ناقلین نے کچھ اور سمجھا ہے۔ ہم نے تورات کی ایک نص بیان کی ہے جس سے اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور قصہ ہو جو تیہ میں سفر کے دوران پیش آیا ہو۔ اس قصے میں کوہ "حسبان" کا ذکر ہے۔ یہ پہاڑ ارض مقدس سے کوسوں دور ہے۔ اور ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کی طرف بڑھ رہے ہوں جس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ جیسا کہ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم

بہرحال صورت حال جو بھی ہو جمہور کا اتفاق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال میدان تیہ میں ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال سے دو سال قبل ہوا۔ اور جیسا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال بھی میدان تیہ میں ہوا تھا لیکن آپ نے یہ دعا کی تھی کہ انہیں بیت المقدس کے اتنا قریب کر دیا جائے اگر پتھر پھینکیں تو پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا سن لی تھی۔ اور بیت المقدس کے قریب کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سرخ پہاڑ کے دامن میں مدفون ہوئے۔

جو شخص بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نکال کر لے آیا اور بیت المقدس کا قصد کیا شاید وہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

سورج کا ٹھہرنا اور قلعہ اریحاء کی فتح:

اہل کتاب اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریائے اردن کے پار اترے اور اریحاء تک جا پہنچے۔

اریحاء (یریحو) کے شہر پناہ اور محلات تمام شہروں سے بلند اور پختہ تھے یریحو کوئی عام شہر نہیں تھا۔ اس میں سینکڑوں جنگجو ہر وقت لڑائی کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔ حضرت یوشع بن نون نے اس شہر کا چھ ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اسرائیلی لشکر نے قرنا پھونکی اور یکبارگی نعرہ بلند کیا جس سے معجزانہ طور پر دیوار پھٹ گئی اور آن واحد میں زمین بوس ہو گئی۔ اسرائیلی لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور مال غنیمت کو خوب لوٹا۔ اس حملے میں بارہ ہزار آدمی قتل ہوئے جن میں مرد اور عورتیں بھی شامل تھے۔ اردگرد کے کئی بادشاہ اس قتل و غارت کو دیکھ کر خود ہی رفوچکر ہو گئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے شام کے اکتیس (۳۱) بادشاہوں پر فتح حاصل کی۔

کہتے ہیں کہ یہ محاصرہ جمعہ کی عصر تک طویل ہو گیا تھا۔ جب سورج غروب ہو گیا یا غروب

ہونے کے قریب تھا اور سبت (ہفتہ) شروع ہو رہا تھا جس میں ان کے لیے کوئی کام کرنا جائز نہیں تھا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج سے فرمایا: اے سورج! تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی۔ پھر دعا فرمائی: اے اللہ سورج کو غروب ہونے سے روک لے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا یہاں تک کہ اریحاء (یریحو) کا شہر فتح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو حکم دے دیا کہ جب تک شہر فتح نہیں ہوتا طلوع نہیں ہونا (یہ اس صورت میں ہو گا جبکہ سورج غروب ہو گیا تھا اور آپ نے چاند کو روک دینے کی دعا کی تھی) اس بات کا یہ تقاضا ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ یہ رات پہلے مہینے کی چودھویں رات تھی۔ سورج کا قصہ جو حدیث میں مذکور ہے یہی قصہ ہے جسے میں عنقریب بیان کروں گا۔ چاند کا قصہ تورات میں مذکور ہے اور یہ حدیث کے بیان کے منافی نہیں ہے۔ ہاں ہم نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں اور صحیح ہونے کی صورت میں یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہو گا۔ لیکن یہ واقعہ اریحاء کے محاصرے کے دن پیش آیا۔ یہ بات محل نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ واقعہ فتح بیت المقدس کے دن پیش آیا جو کہ اسرائیلیوں کا مقصد عظیم تھا۔ اریحاء کی فتح تو بیت المقدس تک پہنچنے کا وسیلہ تھی۔ اللہ اعلم

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا سورج کسی کے لیے نہیں رکا۔ اس رات جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے (تو سورج رک گیا") اس حدیث کو اس سند کے ساتھ روایت کرنے میں امام احمد اکیلے ہیں اور یہ حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی متحقق ہو جاتی ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام فاتح بیت المقدس ہیں نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سورج اریحاء کی فتح کے دن نہیں بلکہ بیت المقدس کی فتح کے دن رکا تھا جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حبس شمس کا معجزہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔ لہٰذا وہ حدیث ضعیف قرار پاتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج واپس پلٹا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا فرمائی۔ اس حدیث کو احمد بن ابی صالح مصری نے صحیح قرار دیا ہے لیکن صحاح میں ایسا کوئی واقعہ مذکور نہیں اور نہ ہی کسی اور معتبر کتاب میں ہے۔ یہ ایسی حدیث ہے جس کی نقل پر کئی دواعی ہیں لیکن درحقیقت اسے اہلبیت کی ایک ایسی عورت نے ذکر کیا ہے جو مجہول الحال ہے۔ واللہ اعلم

مال غنیمت پہلے لوگوں کیلئے حلال نہ تھا:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے ایک نبی جہاد کے لیے نکلے تو اپنی قوم سے فرمایا: میرے ساتھ ایسا آدمی نہ آئے جس نے نکاح کر لیا ہو اور شادی کرنا چاہتا ہو لیکن ابھی تک شادی ہوئی نہ ہو۔ اور نہ وہ شخص آئے جس نے مکان کی دیواریں کھڑی کر دی ہوں لیکن ابھی چھت نہ ڈالی ہو نہ ہی ایسا آدمی آئے جس نے بکریاں یا گابھن اونٹنی خرید رکھی ہو اور ان کے بچے حاصل کرنے کے انتظار میں ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آپ نے لشکر کشی کی اور عصر کی نماز پڑھ کر یا اس کے نزدیکی کسی وقت میں ایک بستی کے قریب پہنچے اور سورج سے کہا تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی۔ پھر دعا کی: اے اللہ اسے کچھ دیر کے لیے میرے لیے روک دے۔ سورج آپ کیلئے ٹھہر گیا یہاں تک کہ انہوں نے اس بستی کو فتح کر لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مال غنیمت جمع کیا۔ آگ نمودار ہوئی کہ اس مال غنیمت کو کھائے۔ لیکن وہ اسے نہ جلا سکی۔ اللہ کے اس نبی نے فرمایا تمہارے اندر کچھ کھوٹ ہے۔ ہر قبیلے سے ایک شخص میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرے بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔ ایک آدمی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا: تم میں خیانت ہے۔ پس اس قبیلے کے تمام آدمی بیعت کریں۔ پورے قبیلے نے بیعت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان میں سے دو یا تین لوگوں کا ہاتھ آپ علیہ السلام کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا تو آپ نے (ان کی نشاندہی کرتے ہوئے) فرمایا تم لوگوں میں کھوٹ ہے۔ تم نے خیانت کی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ تینوں اللہ کے نبی کی خدمت میں گائے کے سر کے برابر سونا لائے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا: اس سونے کو مال غنیمت کے ڈھیر پر رکھو۔ جونہی یہ سونا مال غنیمت کے ڈھیر پر رکھا گیا۔ آگ نمودار ہوئی اور مال غنیمت کو کھا گئی۔

ہم سے پہلے کسی قوم کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور افلاس پر نظر فرمائی ہے اور مال غنیمت حلال فرمایا ہے۔ ﴿مسلم، بزار﴾

نبی کی نافرمانی کی سزا:

جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر شہر میں داخل ہوئے تو حکم دیا کہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اور فتح کی صورت میں اللہ کی عطا کردہ اس نعمت کا شکر یاد کرتے ہوئے داخل ہوں جس کا اس نے ایک عرصہ قبل وعدہ فرمایا تھا۔ سر

جھکے ہوں اور زبان پر "حطۃ" یعنی اے ہمارے رب! ہماری گزشتہ خطاؤں سے درگزر فرما اور ہماری اس خطا کو بخش دے کہ ہم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اسی لیے فتح مکہ کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار جب شہر میں داخل ہوئے تو سراپا عاجزی بنے ہوئے تھے اور اللہ کی حمد و ثنا فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ریش مبارک ناقہ کے پالان کو چھو رہی تھی۔ یہ انداز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کیلئے تھا، حالانکہ آپ کے ساتھ لشکر جرار تھا جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا اور ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو جنگ آزمودہ نہ ہو۔ خصوصاً وہ بڑا لشکر جس کے جلو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ چل رہی تھی بہت واقعہ دیدہ تھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہو چکے تو غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز تشکر ادا فرمائی۔ مشہور بھی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔ اس رائے کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی کے حکم کی قولاً اور فعلاً مخالفت کی۔ وہ شہر میں سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطۃ کی بجائے حبۃ فی عشرۃ (دس میں ایک دانہ) اور ایک روایت میں حنطۃ فی شعیرۃ (جو میں گندم) کے الفاظ ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس بات کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی مخالفت کی اور استہزاء حطۃ (بخش دے) کے ہم وزن الفاظ حنطۃ (گندم) کا ورد شروع کر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ قیل لھم اسکنوا ھذہ القریۃ .... بما کانوا یظلمون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "اور جب کہا گیا انہیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔ تو بدل ڈالی جنہوں نے ظلم کیا تھا ان سے بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انہیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے۔"

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

و اذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ فکلوا .... بما کانوا یفسقون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا، داخل ہو جاؤ اس بستی میں، پھر کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے جو کہا گیا تھا انہیں تو ہم نے اتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان سے

بجائے اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "وادخلو الباب سجدا" کا مطلب ہے کہ چھوٹے دروازے سے جھک کر داخل ہونا۔ اسے حاکم، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یحییٰ توجیہ ثوری نے ابن اسحاق سے اور انہوں نے براء سے روایت کی ہے۔

مجاہد، سدی اور ضحاک کہتے ہیں "الباب" سے مراد بیت المقدس کے شہر ایلیاء کا باب حطة ہے یعنی بخشش کا دروازہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لوگ حضرت یوشع علیہ السلام کے فرمان کے برعکس سروں کو اٹھائے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے منافی نہیں ہے کہ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ بات حدیث میں مذکور ہے جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ایسا ممکن ہے کہ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے ہوں اور ان کے سر اٹھے ہوئے ہوں۔ اور "و قولوا حطة" میں واؤ حالیہ ہے عاطفہ نہیں۔ یعنی سر جھکائے داخل ہو، اس حال میں کہ تمہاری زبان پر یہ الفاظ ہوں کہ مولا ہماری لغزشوں سے درگزر فرما۔ حضرت ابن عباس، عطاء، حسن، قتادہ اور ربیع رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ انہیں استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ "ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطة نغفر لکم خطایاکم۔" پس انہوں نے بدل دیا، وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور "حبة فی شعرة" کہتے جاتے تھے۔ اسی طرح اسے نسائی نے ابن المبارک کے حوالے سے روایت کیا ہے، لیکن چند الفاظ کے ساتھ، اور انہوں نے اسے محمد بن اسماعیل بن ابراہیم سے اور انہوں نے ابن مہدی سے انہی الفاظ کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے۔

حضرت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا ہماری خطاؤں کو بخش دے، ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے، مگر انہوں نے یہ بات بدل دی۔ دروازے سے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطة کی بجائے "حبة فی شعرة" (جو میں دانا) کہتے جاتے تھے۔ (اسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے

عبدالرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔)

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ ان کی تبدیلی یہ تھی جیسا کہ مجھ سے صالح بن کیسان نے بیان کیا۔ انہوں نے صالح مولیٰ توامہ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ایک ایسے شخص سے جس کو میں متہم بالکذب نہیں گردانتا۔ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ اس دروازے سے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس دروازے سے سر جھکائے گزرنے کا حکم ملا تھا۔ اور وہ کہتے جاتے تھے "جو میں گندم"۔ کئی لوگوں نے سدی سے، انہوں نے مرہ سے، انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان "ادخلو الباب سجدا و قولوا حطة نغفر لکم خطایاکم" کے بارے فرماتے ہیں (کہ بنی اسرائیل جب شہر میں داخل ہوئے تو کہہ رہے تھے) "حطی سقاثا ازمة مزبا" جس کا عربی میں ترجمہ ہے: "حبة حنطة حمراء مثقوبة فیها شعرة سوداء" سرخ گندم کے دانے جن میں سوراخ ہو اور جن میں کالے جو بھی ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس مخالفت پر انہیں عذاب دیا گیا۔ آسمانی عذاب سے مراد طاعون ہے جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ دکھ (طاعون) یا یہ بیماری وہ عذاب ہے جس کے ذریعے تم سے پہلے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا۔"

نسائی اور ابن ابی حاتم، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خذیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاعون عذاب ہے، جس کے ذریعے تم سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا۔"

ضحاک، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "الرجز" سے مراد عذاب ہے۔ مجاہد، ابو مالک، سدی، حسن اور قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اور دوسری سے کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کے نزدیک "رجز" طاعون ہے۔

وصال

جب بنی اسرائیل، بیت المقدس کو فتح کر کے اس میں متمکن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے وحی خداوندی کے مطابق ان کی تربیت فرمائی۔ ایک عرصہ تک آپ ان کے درمیان فیصلے فرماتے رہے۔ آخر جب آپ کی عمر مبارک ایک سو چھبیس سال کی ہوئی تو اس دار فانی سے عالم بقا کو رحلت فرما گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ چھبیس سال زندہ رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم لدنی کی خاطر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سفر کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات کو "سورۂ کہف" میں ذکر فرمایا ہے۔ گو اس کی تفسیر میں واقعہ ذکر کر چکے ہیں اور حدیث پاک کی روشنی میں ہم نے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ حضرت موسیٰ سے مراد حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ نے بنی اسرائیل کی ہدایت اور قیادت کیلئے مبعوث فرمایا تھا اور جن پر تورات نازل ہوئی۔

نام و نسب:

حضرت خضر علیہ السلام کے نام، نسب، نبوت اور اب تک کی زندگی کے بارے اختلاف ہے۔ اس بارے مختلف اقوال ہیں جنہیں ہم اللہ کی مدد و نصرت سے یہاں ذکر کریں گے۔

حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان شخصیت سے مراد حضرت خضر بن آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی حضرت خضر علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے ہیں۔ دار قطنی کے طریق پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے ہیں اور ان کے بیٹے ہیں۔ ان کی موت کو مؤخر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ یہ دجال کی تکذیب کریں گے۔ (یہ حدیث منقطع اور غریب ہے۔)

ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان بجستانی نے کہا ہے کہ میں نے اپنے مشائخ حضرت ابو عبیدہ وغیرہ سے سنا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ بنی آدم میں سب سے لمبی عمر حضرت خضر علیہ السلام کی ہے، اور آپ کا نام خضرون ابن قابیل بن آدم ہے۔

ابو حاتم، ابن اسحاق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخیر جب قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بچوں کو بتایا کہ لوگوں پر ایک طوفان آئے گا۔ آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب طوفان آئے تو میری ہڈیاں کو کشتی میں اٹھا لے جانا اور انہیں اپنے ہاں فلاں جگہ دفن کر دینا۔ آپ علیہ السلام نے جگہ مقرر فرما دی، جب طوفان آیا تو آپ علیہ السلام کی اولاد نے ہڈیاں کشتی میں رکھ لیں اور جب طوفان کے بعد زمین پر اترے تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک کو لے جائیں اور جہاں انہوں نے وصیت فرمائی ہے وہاں دفن کر دیں۔ زمین میں ہر طرف وحشت اور ویرانی تھی کہیں بھی انس محسوس نہیں ہوتا تھا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ترغیب دی اور تدفین آدم پر بہت زور دیا اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے دعا دی ہے کہ جو بھی میرے جسم کو دفن کرے گا وہ لمبی عمر پائے گا۔ اسی وقت لوگ مقررہ جگہ کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد اطہر ان کے پاس رہا حتیٰ کہ یہ سعادت حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور وہ زندہ رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔

ابن قتیبہ "المعارف" میں حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام "بلیا" ہے اور ان کا شجرہ نسب یوں ہے۔ بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

اسماعیل بن ابی اویس فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے حضرت خضر علیہ السلام کا نام معمر ابن مالک بن عبد اللہ بن نصر بن ازد ہے۔ ایک اور آدمی کہتا ہے کہ آپ کا نام خضرون بن عمائیل بن الیفز بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہے۔ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ خضر سے مراد ارمیا بن حلقیا ہے۔ واللہ اعلم

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام مصر کے بادشاہ فرعون کے بیٹے ہیں جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، لیکن یہ بات بہت تعجب خیز ہے۔ علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اسے محمد بن ایوب نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام مالک کے بیٹے ہیں جو کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بھائی تھے۔ یہ قول سدی کا ہے، جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ذوالقرنین کے مقدمۃ الجیش کے کمانڈر تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ایک ایسے شخص کے بیٹے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور ان کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ بستاسب بن لہراسب بادشاہ کے دور میں نبی تھے۔

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام افریدون ابن اثفیان کے زمانے سے پہلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے۔

حافظ ابن عساکر، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام

کی والدہ ماجدہ رومی ہیں اور والد ماجد فارسی ہیں۔ ایک روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، فرعون کے زمانے میں بھی آپ موجود تھے۔

ایمان قبول کرنے پر قتل اور قبر سے خوشبو:

ابوزرعہ "دلائل النبوۃ" میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں ایک دلآویز خوشبو محسوس کی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ خوشبو کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا: یہ خوشبو ماشطہ، اس کے بچے اور اس کے خاوند کی قبر سے آرہی ہے۔

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے اشراف سے تھا۔ ایک تارک الدنیا شخص جس کے پاس آپ کا آنا جانا تھا، ایک گرجا میں عبادت کیا کرتا تھا۔ تارک الدنیا شخص کا آپ پر بہت اثر ہوا۔ اس نے آپ کو اللہ کی فرمانبرداری کی تعلیم دی، جب حضرت خضر علیہ السلام جوان ہوئے تو والد نے ایک عورت کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہی بخشی اور اس سے وعدہ لیا کہ کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے کہ مجھے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، بیوی کو طلاق دیدی۔ والد نے آپ علیہ السلام کی شادی ایک دوسری عورت سے کر دی۔ آپ نے دوسری کو بھی اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا اور وعدہ لیا کہ کسی کو اس بارے علم نہ ہونے پائے پھر اسے طلاق دیدی۔ پہلی عورت نے راز کی حفاظت کی لیکن دوسری نے پردہ دری کر دی۔ آپ وہاں سے بھاگ نکلے حتی کہ سمندر کے ایک جزیرہ میں جا پہنچے۔ دو آدمی ایندھن جمع کرنے کیلئے آئے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھ لیا۔ ایک نے تو اس راز کی حفاظت کی مگر دوسرے نے بتا دیا کہ میں نے خضر کو دیکھا ہے۔ اس نے بتایا کہ ہاں فلاں نے بھی اسے دیکھا ہے۔ دوسرے آدمی سے پوچھا گیا تو اس نے بتانے سے انکار کر دیا۔ ان کے دین میں جھوٹے کی سزا قتل تھی، پس وہ پہلا شخص قتل کر دیا گیا۔ جس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے رازداری سے کام کیا تھا اس کی شادی اس عورت سے ہوگئی جس نے حضرت خضر علیہ السلام سے پہلے طلاق لی تھی اور پردہ پوشی سے کام لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ عورت فرعون کی بچی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور اس کے منہ سے اچانک نکلا فرعون کا ستیاناس ہو۔ لڑکی نے اپنے والد کو بتا دیا۔ اس عورت کا خاندان ایک مرد اور دو بچوں پر مشتمل تھا۔ انہیں بلایا گیا اور مجبور کیا گیا کہ اپنے دین کو ترک کر دیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ فرعون نے دھمکی دی کہ میں تم دونوں

کو قتل کر دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے لیکن ہم پر ایک احسان کرنا کہ ہمیں قتل کر کے ایک ہی قبر میں دفن کرنا۔ انہیں قتل کر کے ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ میں جنت میں بھی گیا ہوں لیکن اتنی اچھی خوشبو میں نے اور کہیں نہیں پائی۔

ماشطہ بنت فرعون کا قصہ گزر چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کنگھی والا یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب یا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا کلام ہو۔ واللہ اعلم

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابوالعباس تھی یا اس کے مشابہہ، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ خضر آپ کا لقب ہے جو نام پر غالب آگیا ہے۔

خضر نام یا کنیت اور وجہ تسمیہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "انما سمی الخضر لانه جلس علی فروة بیضاء فاذاهی تهتز من خلفه خضراء" یعنی "حضرت خضر علیہ السلام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ چٹیل زمین پر تشریف فرما ہوتے تو وہ شاداب گھاس سے لہرا اٹھتی۔" (امام بخاری اسے روایت کرنے میں اکیلے ہیں، اسی طرح اسے عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے۔)

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ "فروہ" سفید گھاس یا اس جیسی چیز کیلئے بولا جاتا ہے۔ یعنی سبز گھاس یا خشک گھاس، خطابی ابوعمر کا قول نقل کرتے ہیں کہ الفروہ سے مراد زمین ہے جس میں کوئی سبزہ نہ ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خشک گھاس کو فروہ کہتے ہیں جس سے فروۃ الراس ہے اس سے مراد سر کی جلد اور بال دونوں ہیں۔ اس ضمن میں ایک شعر بھی پیش کیا جاتا ہے: الراعی کہتے ہیں:

ولقد تری الحبشی حول بیوتنا   جذلا اذا ما نال یوما ما كلا
جعداً اصلع كان فروة راسه   بذرت فانبت جانباه فلفلا

ترجمہ: "تو چھوٹے سر والے بڑے دانتوں والے حبشی کو ہمارے گھروں کے ارد گرد کھانا کھاتے بہت خوش دیکھے گا۔ اس کی کھوپڑی یوں لگے گی گویا چٹیل زمین میں بیج بو دیا گیا ہو اور اس کے دونوں طرف مرچیں اگ آئی ہوں۔"

خطابی کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حسن صورت اور چہرے کی شادابی کی وجہ سے خضر کہا جاتا ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ یہ قول صحیح میں روایت کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے۔

اگر کسی ایک ہی وجہ کو قبول کرنا ضروری ہے تو پھر صحیح سے ثابت شدہ وجہ زیادہ مناسب اور قوی ہے، بلکہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کو قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن عساکر نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت خضر علیہ السلام کو اس لیے "خضر" کہا جاتا ہے کہ وہ جس چٹیل زمین پر نماز ادا فرماتے وہ سبزے سے لہرا اٹھتی۔"

قبیصہ، ثوری، منصور اور مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام کو "خضر" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ "وہ جب زمین پر نماز پڑھتے تو ارد گرد کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو جاتا۔"

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام جب انہیں قدموں پر واپس لوٹے تو حضرت خضر علیہ السلام دریا کے اندر بچھی ایک سبز چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے چادر اوڑھ رکھی تھی یعنی چادر کا ایک کنارہ سر کے نیچے تھا اور دوسرا پاؤں کے نیچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔ آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور فرمایا: تیری زمین میں سلامتی کہاں؟ تو کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، پھر ان کے درمیان جو باتیں ہوئیں انہیں قرآن پاک نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے

قرآن مجید میں مذکورہ قصہ کا سیاق و سباق کئی وجوہ سے آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿ فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا و علمناه من لدنا علما ﴾ (سورۃ الکہف)

ترجمہ: "تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے علم لدنی عطا کیا۔"

﴿ هل اتبعك على ان تعلمن .... حتى احدث لك منه ذكرا ﴾ (سورۃ الکہف)

ترجمہ: "کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا: آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ ... آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز

کے بارے میں پوچھنا نہیں، یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں۔"

اگر آپ نبی نہ ہوتے بلکہ ولی ہوتے تو اس طرح گفتگو نہ فرماتے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں جواب نہ دیتے بلکہ صورتحال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صحبت اٹھانے کا سوال کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے وہ علم سیکھیں جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر صرف انہی کو عطا فرما رکھا تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک عظیم نبی جلیل القدر رسول واجب العصمت شخصیت ایک ولی سے کسب فیض کا ارادہ کرے جو جلیل القدر ہونے کے باوجود معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ رغبت میں شدت بتاتی ہے کہ جس کی تلاش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی پھر رہا ہے وہ جلیل القدر شخص علم یقینی کا اہل خطا سے پاک فہم و فراست کا مالک نبی ہے، اگر اس سے پہلے ایک طویل عرصہ یعنی اسی سال گزر چکے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ کسی کو تلاش کیا اور نہ کسب فیض کا ارادہ ظاہر کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے عاجزی اور تواضع ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح جلالت شان کے حامل نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بھی وحی کی جاتی تھی۔ ہاں ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم لدنی اور اسرار نبویہ سے مختص فرما رکھا تھا جس سے بنی اسرائیل کے عظیم المرتبت نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی واقف نہیں تھے۔ علامہ رمانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں وجوہات کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کی تصریح کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل فرما دیا، اور بغیر وحی کے ممکن نہیں کہ ایک نبی چھوٹے بچے کو قتل کر دے۔ یہ آپ علیہ السلام کی نبوت پر ایک مستقل دلیل ہے، اگر آپ معصوم نہ ہوتے تو محض ایک خیال کی بنا پر اس بچے کو قطعاً قتل نہ کرتے، کیونکہ ولی اللہ کا الہام اور کشف خطاء سے قطعی پاک نہیں ہے بلکہ بالاتفاق ولایت سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کو اس وقت قتل کیا جب وہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور اقدام قتل کا سبب ان کا وہ خصوصی علم تھا کہ بچہ بڑا ہو کر کفر کرے گا اور والدین جذبہ پدری سے مجبور ہو کر اس کی بات مان لیں گے اور کفر کر بیٹھیں گے۔ اس کے قتل میں ایک عظیم مصلحت حضرت خضر علیہ السلام کو ہی نظر آ رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ یہ بڑا ہو کر کفر کرے گا اور قتل کے بغیر اس کے والدین کا ایمان محفوظ نہیں رہے گا۔ یہ ساری باتیں اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ آپ نبی تھے اور آپ کا ہر فعل خطاء سے پاک تھا۔

انہی دلائل کی روشنی میں شیخ علامہ ابو الفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خضر علیہ السلام کو نبی قرار دیا ہے اور اسی رائے کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ رمانی نے بھی علامہ ابن جوزی کے قول کو ...

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے تمام کاموں کی تاویل بیان کی۔ اور بتایا کہ یہ عجیب و غریب شریعت سے متصادم امور کو بجالانے کی وجہ کیا ہے۔ ان وجوہات کو بیان کرنے کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا:

رحمة من ربك وما فعلته عن امری ﴿سورۂ کہف﴾

ترجمہ: "میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیے بلکہ ایسا کرنے کا مجھے حکم دیا گیا اور میری طرف وحی کی گئی۔"

یہ وجوہات حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور نبوت ولایت کے منافی نہیں بلکہ رسالت بھی ولایت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ رہا آپ کو فرشتہ کہنا تو یہ قول بہت تعجب خیز ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ نبی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو ان لوگوں کی رائے مردود ٹھہری جو کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں ولی ہیں۔ اور ولی ایسے امور سے مطلع ہوسکتا ہے جن سے ایک صاحب شرع نبی کو آگاہی نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ ایسا نظریہ ہے جس کی نہ کوئی بنیاد ہے اور نہ کوئی دلیل۔ اس لیے یہ نظریہ بالکل باطل ہے۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام ابھی زندہ ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام کیا اب بھی دنیا میں زندہ ہیں تو اس بارے عرض ہے کہ جمہور کی تو یہی رائے ہے کہ وہ اب تک اسی دنیا میں ہیں۔ اسکی وجوہات مختلف بتائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی ہڈیوں کو دفن کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں انہیں قیامت تک زندگی عطا فرمادی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے آب حیات کے چشمہ سے پانی پی لیا تھا، اس لیے ابھی تک زندہ ہیں، ان لوگوں نے بعض احادیث بھی ذکر کی ہیں اور ان سے استشہاد کیا ہے۔ عنقریب ہم ان احادیث کو ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ ذات خداوندی پر بھروسہ ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی حکمت آموز نصیحتیں:

❁ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا:

هذا فراق بيني و بينك سانبئك بتاويل ما لم تستطع عليه صبرا۔ ﴿الکہف﴾

ترجمہ: "اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آگیا، میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کرسکے۔"

اس بارے میں بہت سارے آثار منقطعہ ہیں۔

بیہقی، ابوعبداللہ الملطی کے توسط سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے رخصت ہونے لگے تو عرض کیا: مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: "نفع دینے والے ہو جاؤ نقصان پہنچانے والے نہ ہو۔ خوش خوش رہا کرو، غصہ نہ کیا کرو، لجاجت سے منہ موڑو اور بغیر ضرورت کے کہیں مت جاؤ۔" اور ایک طریقہ میں یہ زیادتی بھی ملتی ہے کہ تعجب کے علاوہ کسی بات پر مت ہنسو۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ کلیم! لوگوں کو دنیا میں اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے جتنی وہ دنیا میں رغبت کرتے ہیں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھے نصیحت فرمائیے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا کرے۔

اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے ابن عساکر، زکریا بن یحییٰ کے طریقہ سے روایت کرتے ہیں، لیکن یحییٰ الوقاد بڑا جھوٹا آدمی۔ بہر حال وہ کہتا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن وہب کے سامنے پڑھی گئی اور میں سن رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! اور اس کے بعد اپنا مدعا بیان کیا۔ اسی دوران حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے وہ نوجوان تھے، بہت اچھی خوشبو لگا رکھی تھی۔ آکر "السلام علیک ورحمۃ اللہ یا موسیٰ بن عمران" کہا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "وہ تو خود سلام ہے اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔ وہ ایسی ذات ہے جس کی نعمتوں کو میں شمار نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اس کی توفیق کے بغیر ان نعمتوں پر اس کا شکر یہ ادا کرسکتا ہوں۔" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ایسی نصیحت کریں جو مجھے آپ کے جانے کے بعد فائدہ دے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: "اے علم کے متلاشی (سن) سننے والے کی نسبت کہنے والے کو کم اکتاہٹ ہوتی ہے، جب گفتگو کرو تو اپنے ہم نشینوں کو اکتاہٹ میں مبتلا نہ کرو۔ (یاد رکھئے) آپ کا دل ایک برتن ہے ذرا یہ دیکھو کہ آپ اس برتن کو کس چیز سے بھر رہے ہیں۔ دنیا سے علیحدگی اختیار کیجئے، اسے پشت کے پیچھے ڈال دیجئے، یہ دنیا گھر نہیں ہے اور نہ ہی تیرا ابدی ٹھکانہ ہے۔ یہ تو صرف گزر بسر کیلئے ہے۔ اس میں رہتے ہوئے زاد آخرت جمع کر لیجئے۔ اپنے نفس

کو صبر کی تلقین کیجئے اور گناہوں سے کنارہ کشی کیجئے۔" اے موسیٰ! اگر تجھے علم کی دولت چاہیے تو اپنے آپ کو حصول علم کیلئے وقف کر دے۔ علم صرف اسی کی جھولی میں ڈالا جاتا ہے جو اس کیلئے وقف ہو جاتا ہے۔ زیادہ قیل وقال سے بچیے۔ کثرت کلام بکواس ہے، اور یہ علماء کو زیب نہیں دیتی، اس سے جہالت ظاہر ہوتی ہے، میانہ روی ضروری ہے۔ ضرورت کے وقت ضرورت کے مطابق بات کیجئے اور جاہل بدکردار لوگوں سے اعراض برتئے، جو بے عقل ہیں انہیں منہ نہ لگایئے۔ یہی چیز علماء کا زیور اور دانشوروں کی نشانی ہے، اگر کوئی جاہل تمہیں برا بھلا کہہ دے تو علم سے کام لیتے ہوئے خاموش رہیئے، اور احتیاط سے الگ ہو جایئے، کیونکہ اسکے پاس گالیوں کے سوا اور کیا ہے جب تو اسے منہ لگائے گا تو وہ تجھے اور زیادہ برا بھلا کہے گا۔

اے عمران کے بیٹے! یہ خیال مت کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت کم علم سے نوازا ہے (اللہ کے مقابلے میں انسان کے علم کی کیا حیثیت ہے، دنیا کے اعتبار سے تو نبی کا علم بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ کمی نسبت سے ہے۔) خودسری اور بے راہ روی بغاوت اور تکلف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اے ابن عمران! اس دروازے کو ہرگز ہرگز نہ کھول، جس کے بارے تمہیں علم نہیں کہ کیسے کھولا جاتا ہے۔

اے ابن عمران! دنیاوی خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی دلچسپیاں ختم نہیں ہوتیں، پس جس نے اپنی حالت کو حقیر سمجھا اور اللہ کے فیصلے پر گڑگڑایا تو وہ کیسے زاہد ہو سکتا ہے؟ بھلا جس شخص پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو وہ شہوات سے رک سکتا ہے؟ یا جس کو جہالت نے گھیرے میں لے رکھا ہو علم کی طلب اسے فائدہ دے سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا سفر تو آخرت کی طرف جاری ہے لیکن وہ بڑھ دنیا کی طرف رہا ہے۔ اے موسیٰؑ علم عمل کیلئے ہے نہ کہ بے فائدہ قیل وقال کیلئے، اگر محض دنیا کیلئے علم حاصل کرے گا تو یہی تیرے خلاف گواہ بن جائے گا اور دوسروں کیلئے نور ثابت ہوگا۔ اے عمران کے بیٹے موسیٰ! زہد و ورع کو لباس بنا لے، علم اور ذکر کو کلام بنا لے۔ نیکیاں زیادہ کر پس تو برائیوں کو پہنچنے والا ہے۔ تیرا دل خوف خداوندی سے ہمیشہ لرزہ در رہنا چاہیے۔ اسی سے تیرا رب راضی ہوگا۔ بھلائی کا کام کر، ورنہ کوئی اور کام کرنے لگے گا، اگر تو انہیں یاد رکھے تو میں نے جو کہنا کہہ چکا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت خضرؑ یہ کہہ کر چل دیئے اور حضرت موسیٰؑ مغموم و محزون کھڑے رونے لگے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یحییٰ الوقاد مصری کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ اس ظالم نے حضرات آئمہ کے بارے اور بہت سے جھوٹ بولے ہیں، لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ حافظ ابن عساکر نے اس بارے میں سکوت فرمایا ہے۔

اللہ کے نام پر فروخت اور غلامی کی زندگی:

حافظ ابو نعیم اصفہانی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے توسط سے ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: ایک دن حضرت خضرؑ بنی اسرائیل کے ایک بازار میں جا رہے تھے، ایک مکاتب شخص نے آپ کو دیکھ لیا اور کہنے لگا کہ مجھے کچھ صدقہ عطا کیجئے، اللہ تجھے برکت دے گا۔ حضرت خضرؑ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ تجھے دوں۔ وہ غریب شخص کہنے لگا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کچھ صدقہ دیجئے، میں نے تیرے چہرے میں بلندی کا عکس دیکھا ہے اور تیرے پاس برکت کی امید لے کر آیا ہوں۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا: میں اللہ پر یقین رکھتا ہوں، میرے پاس دینے کیلئے کچھ نہیں، ہاں میں حاضر ہوں تو چاہے تو مجھے بیچ کر رقم حاصل کر لے۔ غریب کہنے لگا: تو کیا تو اس بات پر قائم رہے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں تجھ سے سچ کہہ رہا ہوں، تو نے بہت بڑا سوال کر دیا ہے، پس اللہ کے لیے میں تجھے رسوا نہیں کرتا، مجھے بیچ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس شخص نے حضرت خضرؑ کو بازار میں بیچ دیا اور بدلے میں چار سو درہم لے لیے۔ آپ ایک عرصہ تک اس شخص کے پاس ٹھہرے رہے، جس نے آپ کو خریدا تھا، لیکن وہ آپ سے کوئی کام نہیں لیتا تھا۔ ایک دن حضرت خضرؑ نے اس سے کہا: تو نے مجھے کام کرانے کی خاطر خریدا تھا تو مجھ سے کوئی کام لے۔ اس نے کہا: آپ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں۔ میں ایک بزرگ سے کام کروانا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا: کچھ مشکل نہیں، میں کام کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا: تو پھر ٹھیک ہے، یہ پتھر یہاں سے ہٹا دو۔ وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا اور آپ نے ایک گھڑی میں وہ پتھر وہاں سے ہٹا دیئے۔ وہ پتھر اتنے زیادہ اور بھاری تھے کہ چھ آدمی بمشکل پورے دن میں انہیں وہاں سے ہٹا سکتے تھے۔ وہ آدمی کسی کام سے واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تمام پتھر ایک گھڑی میں وہاں سے ہٹ چکے تھے۔ کہنے لگا: آپ نے تو کمال کر دیا، بہت اچھا، میں تو سمجھا تھا آپ میں اتنی طاقت نہیں ہوگی، پھر اس شخص کو سفر پیش آیا۔ کہنے لگا: میں تجھے امانتدار خیال کرتا ہوں، میرے گھر میں اچھے طریقے سے رہیے۔ آپ نے فرمایا: کوئی کام میرے سپرد کر جایئے۔ وہ شخص کہنے لگا: میں تجھے مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ آپ نے فرمایا: مشقت کیسی آپ حکم کریں۔ اس شخص نے کہا: میری واپسی تک مکان کیلئے اینٹیں بنا رکھیں۔ وہ شخص سفر پر روانہ ہو گیا جب واپس آیا تو ایک پختہ مکان بن چکا تھا۔ وہ شخص کہنے لگا: خدارا مجھے بتایئں آپ کون ہیں؟ اور کس راہ کے مسافر ہیں؟ حضرت خضر

علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کر دیا ہے، اسی نام کیلئے میری گردن میں غلامی کا قلادہ پہنایا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں خضر ہوں، جس کے بارے آپ نے لوگوں سے سن رکھا ہے۔ ایک غریب شخص نے مجھ سے سوال کیا لیکن میرے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا، اس نے اللہ کا واسطہ دے کر مجھ سے صدقہ مانگا تھا، اس لیے میں نے اپنی گردن اس کے حوالے کر دی۔ اس نے مجھے بیچ دیا اور میں آپ کی غلامی میں آ گیا۔ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام پر سوال کیا گیا اور قدرت کے باوجود اس نے سائل کو خالی ہاتھ لوٹا دیا تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں کھڑا ہوگا کہ اس کی جلد کے نیچے نہ تو گوشت ہوگا اور نہ ہڈی کہ کڑکڑائے۔ اس شخص نے کہا: میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں۔ اے اللہ کے نبی! میں نے لاعلمی میں آپ کو تکلیف پہنچائی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، آپ نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور میری عمر کا خیال رکھا۔ اس شخص نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے نبی! میرا مال اور گھر والے حاضر ہیں، ان کے بارے آپ جو حکم فرمائیں سر آنکھوں پر، اگر آپ جانا چاہیں تو میں راستہ نہیں روکوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے آزاد کر دیں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکوں۔ اس اللہ کے بندے نے حضرت خضر علیہ السلام کو رخصت کیا۔ آپ نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے غلامی میں رکھا اور پھر اس سے نجات دی۔

(اس حدیث کو مرفوع روایت کرنا صحیح نہیں ہے، لگتا ایسے ہے کہ یہ موقوف ہوگی۔ اس کے کچھ راوی ایسے ہی جو معروف نہیں ہیں۔) واللہ اعلم

حضرت خضر علیہ السلام کی شادی کی حکایت:

حافظ ابن عساکر سے روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام سگے بھائی تھے اور ان کا والد بادشاہ تھا۔ ایک دن حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا: بھائی خضر ملکی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ آپ ان کی شادی کر دیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں بیٹا دیدے جو بڑا ہو کر ملک کی باگ ڈور سنبھال لے۔ آپ کے والد نے ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ سے آپ کی شادی کر دی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بیوی سے فرمایا: مجھے عورت ذات میں کوئی لگاؤ نہیں، اگر تو کہے تو میں تجھے آزاد کر دوں، اور اگر تو پسند کرے تو میری صحبت میں رہ کر اور دکھ و تکلیف برداشت کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور میری پردہ پوشی کر۔ بیوی نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں آپ کی صحبت کو غنیمت سمجھوں گی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے شادکام ہوں گی۔ وہ ایک سال تک آپ کے ساتھ رہی، سال گزرنے کے

بعد بادشاہ نے حضرت خضر علیہ السلام کی بیوی کو بلایا اور کہا کہ تم دونوں جوان ہو لیکن کیا وجہ ہے کہ تیری گود ابھی تک خالی ہے۔ اس عورت نے کہا: اولاد تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چاہے تو عطا کرے، چاہے تو محروم ٹھہرائے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے والد نے آپ کی شادی ایک دوسری شوہر دیدہ عورت سے کر دی جو اس سے قبل ایک بچے کو جنم دے چکی تھی۔ شب زفاف حضرت خضر علیہ السلام نے اس بیوی سے بھی وہی باتیں کیں جو پہلی بیوی سے کی تھیں۔ اس نے بھی یہی کہا کہ میں آپ کی صحبت اختیار کرنا پسند کروں گی، جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے اس سے بھی بچہ نہ ہونے کی وجہ پوچھی، عورت نے راز فاش کر دیا اور بادشاہ کو بتا دیا کہ تیرا بیٹا عورتوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے حضرت خضر علیہ السلام کو بلا بھیجا لیکن وہ بھاگ نکلے، بادشاہ نے تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ بے سود واپس آ گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دوسری بیوی کو قتل کر دیا تھا کیونکہ اس نے راز ظاہر کر دیا تھا اور اسی قتل کی وجہ سے وہ بھاگ گئے تھے۔ آپ نے اس واقعہ کے بعد پہلی عورت کو بھی طلاق دیدی۔ اس عورت نے شہر کے نواح میں ڈیرہ لگا لیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگی۔

ایک دن کسی نیک شخص کا وہاں سے گزر ہوا، اور اس نے بسم اللہ کہا جسے اس عابدہ نے سن لیا۔ پوچھا تو نے یہ کلمات کس سے سیکھے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہوں۔ عابدہ نے اس شخص کے ساتھ شادی کر لی اور ان سے اولاد ہوئی، پھر اس عورت کو فرعون کے گھر میں ملازمت مل گئی۔ وہ فرعون کی بیٹی کی مشاطگی (یعنی کنگھی کرنے) پر مامور تھی۔ ایک دن بادشاہ کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی ہاتھ سے گر پڑی۔ اس نے بسم اللہ کہہ کر کنگھی اٹھائی تو فرعون کی بیٹی نے پوچھا کیا میرا باپ اللہ ہے۔ تو نے کیا انہی کا نام لیا ہے۔ اس عابدہ نے بتایا کہ نہیں اللہ اس بزرگ و برتر کا نام ہے جو تیرا اور تیرے والد فرعون کا پالنہار ہے۔ بچی نے یہ بات فرعون کو بتا دی۔ اس نے حکم دیا کہ تانبے کی آگ بھڑکائی جائے اور اس عورت کو جلا دیا جائے۔ تانبے کی آگ جلائی گئی اور بادشاہ کے حکم سے اسے ڈالنے کی تیاری کر لی گئی، جب عورت نے پگھلے ہوئے تانبے کو دیکھا تو لرز گئی۔ اس عورت کا چھوٹا بچہ یہ سب منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا: امی جان! صبر سے کام لیجئے۔ آپ حق پر ہیں، بچے کی بات سن کر عورت نے خود اس پگھلے ہوئے تانبے میں چھلانگ لگا دی اور واصل بحق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم و کرم فرمائے۔

ابن عساکر، ابوداؤد الاعمیٰ نفیع سے روایت کرتے ہیں جو کہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے اور جھوٹی حدیثیں بیان کرنے میں شہرت رکھتا ہے۔ وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور کثیر بن عبداللہ بن

عمرو بن عوف کے حوالے سے روایت کرتا ہے یہ کثیر بن عبداللہ بھی بڑا دروغ گو ہے۔ وہ اپنے باپ سے اور اس کا باپ اس کے دادا سے روایت کرتا ہے کہ ایک رات حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے، حضور نبی کریم ﷺ نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: "اے اللہ! میری مدد کر، اس چیز پر جو مجھے نجات دے خوفزدہ کر دینے والی چیز سے۔ اور میرے دل میں بھی اسی چیز کا شوق بیدار کر دے، جس چیز کا شوق صالحین کے دل میں ہے۔" حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیجا، آپ گئے اور سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: بارگاہ رسالت میں جا کر عرض کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء پر وہ فضیلت دی ہے جو رمضان المبارک کے مہینے کو باقی تمام مہینوں پر ہے، اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو جمعۃ المبارک کو باقی دنوں پر ہے۔"

یہ حدیث جھوٹی ہے سند اور متن دونوں اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بارگاہ نبوی ﷺ میں خود حاضر نہ ہوئے ہوں اور آپ سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔

بعض لوگ اپنے مشائخ کے حوالے سے ایسے قصے بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام فلاں بزرگ کے پاس تشریف لائے اور سلام و پیام ہوا۔ گویا حضرت خضر علیہ السلام ان بزرگوں کے نام، گھر اور ٹھکانے تو جانتے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنہیں ہم کلامی خدا کا شرف حاصل ہے۔ وہ اپنے دور کے تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اپنی پہچان کروانا پڑی ہے۔

حافظ ابوالحسن بن منادی اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ علماء حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث منکر الاسناد اور سقیم المتن ہے، جس سے واضح پتہ چل جاتا ہے کہ یہ من گھڑت ہے۔

حکایت:

رہی وہ حدیث جسے امام ابوبکر بیہقی نے یہ کہتے ہوئے روایت کیا ہے کہ ہمیں ابوعبداللہ نے خبر دی ہے، ہمیں ابوبکر بن بالویہ نے خبر دی ہے۔ محمد بن بشر بن مطر، کامل بن طلحہ، عباد بن عبدالصمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو صحابہ کرام نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور زار و قطار روئے۔ سب آپ ﷺ کے کاشانہ اقدس پر اکٹھے تھے تو اسی اثناء میں ایک بزرگ تشریف لائے۔ جن کی داڑھی مبارک بالکل سفید تھی۔ رنگ گورا چٹا تھا اور جسم مائل بہ فربہی تھا۔ وہ صحابہ سے گلے لگ کر روئے پھر حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے گفتگو فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر ایک مصیبت پر آہ و بکا کی جاتی ہے اور ہر

جانے والی نعمت کا عوض ملتا ہے۔ ہر جانے والے کا ایک نائب ہوتا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اسی کی طرف توجہ کرو۔ اس نے تمہیں مصیبت میں دیکھ لیا ہے دیکھو مصیبت زدہ ہوتا ہے جس کا نقصان پورا نہ کیا جائے۔" یہ کہہ کر وہ شخص واپس چلا گیا۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا؟ حضرت ابوبکر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کے بھائی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے کامل بن طلحہ سے اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا ہے اس کا متن امام بیہقی کے متن سے قدرے مختلف ہے۔ پھر امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عباد بن عبدالصمد ضعیف ہے، اگر وہ ایک ہی روایت کرنے والا ہو تو حدیث منکر ہوتی ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ عباد بن عبدالصمد سے مراد ابن معمر بصری ہے۔ اس نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بتا کر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ ابن حبان اور عقیلی کہتے ہیں کہ اس نسخے میں اکثر حدیثیں موضوع ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شخص منکر الحدیث ہے۔ (ابوحاتم اسے بہت ضعیف اور منکر الحدیث بتاتے ہیں۔)

ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے عموماً فضائل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے احادیث روایت کی ہیں۔ وہ ضعیف ہے اور غالی شیعہ بھی ہے۔ امام شافعی اپنی مسند میں فرماتے ہیں کہ ہمیں قاسم بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی، انہوں نے جعفر بن محمد سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے علی بن الحسین سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اور رونے والے آئے تو انہوں نے ایک آواز سنی، کوئی کہہ رہا تھا: "اللہ کے ہاں ہر مصیبت کو آہ و فغاں کی جاتی ہے۔ ہر جانے والے کا کوئی جانشین ہوتا ہے۔ ہر چیز کے بدلے کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے۔ پس اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسی کی طرف دھیان لگائے رکھو۔ مصیبت زدہ تو وہ ہے جو سیدھی راہ سے محروم رہا۔"

حضرت علی بن الحسین نے فرمایا: جانتے ہو یہ کون ہے؟ پھر خود ہی بتایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ القاسم عمری متروک ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ شخص (قاسم عمری) جھوٹ بولتا ہے۔ امام احمد تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑ لیتا ہے۔ پھر یہ حدیث مرسل بھی ہے اور اس قسم کی مرسل حدیث پر یہاں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

یہ حدیث ایک اور ضعیف سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔ سند یہ ہے کہ عن جعفر بن محمد، عن ابیہ، عن جدہ عن ابیہ عن علی، لیکن یہ سند صحیح نہیں ہے۔

<u>حکایت:</u>

عبداللہ بن وہب ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ ایک دفعہ کسی کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے کہ کسی نے آواز دی۔ اے اللہ کے بندے! اللہ تم پر رحمت کرے ہمیں آ لینے دیجئے۔ آپ ؓ نے انتظار کیا حتیٰ کہ وہ صف میں آ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے ان الفاظ میں میت کیلئے دعا کی: اگر تو اسے عذاب دے تو (حق ہے) اس نے تیری نافرمانی بہت کی، اور اگر تو اسے معاف فرما دے تو (بھی حق ہے) کہ اسے تیرے رحمت کی احتیاج ہے۔ جب وہ میت دفن ہو چکی تو اس شخص نے پھر گفتگو کی اور کہا: اے قبر والے! تیرے لیے خوشخبری ہو، اگر تو سردار، خراج جمع کرنے والا، خازن، منشی یا نگہبان نہیں تھا (تو تیرے لیے بہتری ہے) حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اس شخص کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ، میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے اور حکمت بھری گفتگو اور نماز کا یہ ذوق وشوق اس نے کہاں سے پایا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ اچانک وہ شخص نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لوگوں نے جب ادھر ادھر دیکھا تو جہاں جہاں سے وہ گزرتا گیا گھاس شاداب ہوتی گئی، یہ دیکھ کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتایا تھا اس اثر میں کچھ ابہام ہے۔ دوسرے اس کی سند منقطع ہے۔ ایسی حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

<u>حکایت:</u>

حافظ ابن عساکر، حضرت سفیان ثوری سے، وہ عبداللہ بن المحرز سے، وہ یزید بن الاصم سے وہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے فرمایا: "میں ایک رات کعبۃ اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیت اللہ کے غلاف کو تھامے دعا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے: "اے وہ ذات جس کیلئے ایک آواز دوسری آواز کی سماعت سے مانع نہیں ہے، اے وہ کہ جس سے (لاکھوں) مسائل پوشیدہ نہیں ہیں۔ اے وہ کہ حاجیوں کی آوازیں اور دعا کرنے والوں کی دعائیں تیرے سامنے ظاہر ہیں مجھے اپنے عفو ودرگزر کی ٹھنڈک عطا فرمائے اور مجھے اپنی رحمت کی مٹھاس سے نواز دے۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہی دعا پھر ایک دفعہ فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے دعا سن لی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمانے لگے: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا: دعا کرنے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے، جو شخص بھی یہ دعا فرض نماز کے بعد پڑھتا

ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، چاہے وہ سمندر کی جھاگ اور ستاروں کی تعداد کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

(یہ حدیث عبداللہ بن المحرز کی جہت سے ضعیف ہے اور یزید الاصم نے حضرت علی ؓ کو نہیں پایا۔ اس قسم کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔) واللہ اعلم

حضرت ابو اسماعیل ترمذی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں: حضرت علی ؓ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک شخص کعبۃ اللہ کا غلاف تھام کر کہہ رہا تھا: اے وہ ذات جسے ایک سماعت دوسری سماعت سے مشغول نہیں کرتی۔ اے وہ ذات جسے مانگنے والے اکتا نہیں سکتے اور آہ وزاری کرنے والوں کی آوازیں اس کے سامنے بالکل ظاہر ہوتی ہیں، مجھے اپنے عفو ودرگزر کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی حلاوت عطا فرما۔

راوی فرماتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! اپنی اس دعا کا اعادہ فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا: تم نے یہ دعا سن لی ہے۔ آپ نے عرض کیا: ہاں۔ انہوں نے فرمایا: ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں خضر کی جان ہے اگر تیرے نامہ اعمال میں ستاروں بارش کے قطروں زمین کی کنکریوں اور مٹی کے ذروں کے برابر بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ پلک جھپکنے سے پہلے انہیں معاف فرما دے گا۔

(یہ حدیث بھی منقطع ہے۔ اس میں کچھ راوی ایسے بھی ہیں جو معروف نہیں ہیں۔ واللہ اعلم)

علامہ ابن جوزی نے اسے ابوبکر بن الدنیا کے حوالے سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں یہ اسناد مجہول ہے بعد یہ سند منقطع ہے اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ شخص خضر تھے۔

<u>حکایت:</u>

حافظ ابوالقاسم بن عساکر، ابوالقاسم بن الحسین، ابن جریج، عطاء اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں: حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام ہر سال حج کے دنوں میں ملا کرتے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کا حلق کرتے ہیں اور جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں تو یہ کلمات ادا فرماتے ہیں:

بسم اللہ ما شاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ، ما شاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ما کان من نعمۃ فمن اللہ۔ ماشاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ کا ارشاد ہے جو شخص صبح وشام تین تین مرتبہ ان

کلمات کو ورد کرے گا، اللہ تعالیٰ غرقابی، جلنے اور چوری سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔ راوی کو گمان ہے کہ شاید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے شیطان بادشاہ، سانپ اور بچھو سے محفوظ رکھے گا۔

دار قطنی افراد میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن جریج کے حوالے سے روایت کرنے کی وجہ سے غریب قرار پائی ہے، کیونکہ اس شیخ یعنی حسن بن رزین کے علاوہ ان سے کسی اور نے یہ حدیث نقل نہیں کی۔ یہ حدیث انہوں نے محمد بن کثیر العبدی سے بھی روایت کی ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابواحمد بن عدی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ معروف نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ شخص مجہول الحال ہے اور اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے۔ ابوالحسن بن مناوی کا کہنا ہے یہ وہ حدیث ہے جسے حسن بن رزین کے ذریعے روایت کیا گیا ہے۔ ابن عساکر نے اسی قسم کی حدیث علی بن حسن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ یہ شخص پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ یہ ضمرہ بن حبیب مقدسی سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے، وہ علاء بن زیاد القشیری سے، وہ عبداللہ بن الحسن سے وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نویں ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت خضر علیہم السلام اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کے بعد راوی نے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ جو موضوع ہے اور ہم نے اسے جان بوجھ کر ترک کر دیا ہے۔ واللہ الحمد

ابن عساکر، ہشام بن خالد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم السلام رمضان المبارک کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔ ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے صرف ایک دفعہ پانی پیتے ہیں جو پورا سال ان کیلئے کافی رہتا ہے۔

حکایت:

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک بن مروان جو کہ دمشق کی جامع مسجد کا بانی ہے۔ اس نے ارادہ کیا کہ کسی رات اس مسجد میں جا کر عبادت کرے۔ اس نے حکم دیدیا کہ اس رات مسجد خالی رہے۔ مسجد کو خالی کر دیا گیا، جب وہ باب ساعات سے داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص باب خضراء اور اس کے درمیان نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا: کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ مسجد لوگوں سے خالی رہے۔ انہوں نے کہا: امیر المومنین! یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو ہر رات یہاں نماز پڑھنے تشریف لاتے ہیں۔

حکایت:

ابن عساکر، رباح بن عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور ان کے ہاتھوں کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ڈرا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب وہ نماز پڑھ کر واپس لوٹا تو میں نے پوچھا کہ وہ شخص کون تھا جو تھوڑی دیر پہلے آپ کا سہارا لے کر چل رہا تھا؟ انہوں نے فرمایا: اے رباح! کیا تو نے اس شخص کو دیکھا لیا؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے فرمایا: میں تجھے ایک نیک شخص گمان کرتا ہوں۔ وہ میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام تھے، اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ عنقریب میں حکمران بن جاؤں گا اور عدل کروں گا۔

شیخ ابوالفرج بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رملی، علماء کے نزدیک مجروح ہے۔ ابوالحسن بن منادی نے ضمرہ، سری اور رباح پر سخت جرح کی ہے۔ رباح نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے، جس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی ہے، اس کو تمام علماء نے ضعیف لکھا ہے۔

ابن عساکر ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ابراہیم تیمی سفیان بن عیینہ اور کئی دیگر لوگوں سے بھی ملے، اگر ان لوگوں کے نام بھی دیئے جائیں تو فہرست بہت طویل ہو جائے۔ ان روایات اور حکایات اور کو بنیاد بنا کر لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ابھی تک بقید حیات ہیں، ایسی روایات دین میں دلیل نہیں بن سکتیں۔ حکایات اکثر ضعیف اسناد سے روایت کی جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اسناد صحابی یا غیر صحابی تک صحیح ہے، لیکن یہ نفوس قدسیہ بھی معصوم من الخطا تو نہیں ہیں، ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

حکایت:

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں معمر نے بتایا، انہوں نے زہری سے روایت کیا۔ مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے حضور نبی کریم ﷺ سے دجال سے متعلق طویل گفتگو فرمائی۔ اس گفتگو میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: دجال آئے گا، لیکن مدینہ طیبہ کی حدود میں اس کا داخلہ حرام ہے۔ ایک دن ایک شخص تمام لوگوں سے بہتر ہوگا مدینہ طیبہ سے نکل کر اس کے پاس جائے گا۔ (راوی کو شک ہے کہ خیر الناس کے الفاظ فرمائے یا من خیرہ کے الفاظ) اور اس سے کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی وہ دجال ہے جس کے متعلق حضور نبی کریم

ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ دجال کہے گا: (اپنے ساتھیوں سے) کیا خیال ہے اگر میں اسے قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تو تم میرے معاملے میں شک کرو گے؟ لوگ کہیں گے کہ نہیں۔ دجال اس شخص کو قتل کر دے گا پھر اسے زندہ کر دے گا۔ جب وہ شخص دوبارہ زندہ ہوگا تو کہے گا: خدا کی قسم! میں پہلے تیرے بارے اتنی بصیرت نہیں رکھتا تھا، لیکن قتل نہیں کر سکے گا۔

معمر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ دجال کے گلے میں چاندی کی ایک کتاب لٹک رہی ہوگی اور مجھ تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ وہ شخص جسے دجال قتل کرے گا اور پھر زندہ کرے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ (یہ حدیث زہری کے حوالے سے صحیحین سے لی گئی ہے۔)

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ جو امام مسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ شخص (جسے دجال قتل کرے گا اور دوبارہ زندہ کرے گا) حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے لیکن معمر وغیرہ کا کہنا بلغنی حجت نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ ایک بھرپور جوان آئے گا تو دجال اسے قتل کر دے گا اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اس کے بارے حضور نبی کریم ﷺ نے ہم کو بتایا ہے۔ یہ الفاظ اس بات کے متقضی نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے بالمشافہ حضور نبی کریم ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے یہ الفاظ تواتر کے ساتھ پہنچے ہوں۔

علامہ ابو الفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عجالته المنتظر فی شرح حالته الخضر" میں اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کی خوب چھان بین کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ وہ تمام موضوع ہیں اور صحابہ، تابعین اور بعد والے لوگوں سے روایت کردہ آثار کے بارے بیان کرتے ہیں کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں۔ علامہ ابن جوزی راویوں کے احوال اور ان کے مجہول الحال ہونے پر خوب بحث کرتے ہیں۔ انہوں نے ان احادیث و آثار کا خوب تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

بہر حال وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہے، تو ان میں بخاری، ابراہیم حربی، ابو الحسن بن منادی اور علامہ ابو الفرج بن جوزی کے اسمائے گرامی سر فہرست ہیں۔ علامہ ابن جوزی اس سلسلہ میں کامیاب رہے ہیں اور انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام "عجالة المنتظر فی شرح حالة الخضر" ہے۔ انہوں نے بہت ساری چیزوں سے دلیل حاصل کی ہے۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کیلئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا۔"

اگر حضرت خضر علیہ السلام بشر ہیں تو پھر تو لامحالہ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ ان کی تخصیص کسی صحیح دلیل کے بغیر جائز نہیں۔ اصل عدم ہے یہاں تک کہ ثابت ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے تخصیص کی دلیل مذکور نہیں ہے جسے قبول کرنا واجب ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذ اخذ الله میثاق النبین لما اتیتکم من کتب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به و لتنصرنه قال ء اقررتم و اخذتم علی ذالکم اصری قالوا اقررنا۔ قال فاشهدوا و انا معکم من الشهدین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اسکے بعد) فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اگر بعثت محمدی ﷺ کے وقت وہ زندہ ہوا تو ضرور اس پر ایمان بھی لائے گا اور ان کی مدد بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ بھی حکم فرمایا کہ اپنی امت سے بھی یہ عہد لینا کہ اگر ان کی زندگی میں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان کے دین کو قبول کریں اور ان کی مدد بھی کریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہوں یا ولی وہ اس عہد میں داخل ہیں، اگر وہ حضور نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں حاضر ہوتے تو وہ ہر حالت میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے اور یہ چیز ان کے حالات میں بکثرت ملتی۔ وہ قرآن پاک پر ایمان لاتے اور غزوات میں آپ کے شانہ بشانہ شریک ہوتے اگر حضرت خضر علیہ السلام ولی ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہوئے اور اگر وہ نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے

افضل ہیں (تو جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلامیِ رسول کے بغیر چارہ نہیں تو حضرت خضر علیہ السلام دست بستہ حاضر نہ ہوتے۔

امام احمد اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

مذکورہ آیت طیبہ بھی اس پر دال ہے، فرض کریں اگر تمام انبیاء علیہم السلام حضور نبی کریم ﷺ کے دور اقدس میں زندہ ہوتے تو تمام آپ کی اتباع کرتے اور آپ کی شریعت کے اوامر اور نواہی کے مطابق زندگی گزارتے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ معراج کی رات انبیاء سے ملے تو آپ ﷺ کو تمام پر فوقیت عطا کی گئی اور جب آپ ﷺ کی معیت میں انبیاء علیہم السلام واپس بیت المقدس تشریف لائے اور نماز کا وقت ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگاہ کیا کہ ان کی اقامت گاہ میں ان ہستیوں کی امامت فرمائیں۔ یہ واقعہ اس بات پر دال ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ امام اعظم، رسول کل، نبی خاتم، سراپا شان جلالت اور سب سے مقدم ہیں۔ "صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین" جب یہ بات طے ہو گئی اور اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں تو یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کی امت میں شامل ہوتے اور ہر حالت میں انہیں شریعت مصطفوی کی پابندی کرنا ہوتی اور اسکے بغیر انہیں بھی چارہ نہ ہوتا۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں جب نازل ہوں گے تو اسی شریعت مطہرہ کے مطابق حکم کیا کریں گے۔ نہ اس کے خلاف چلیں گے اور نہ اس کا انکار کریں گے۔ آپ ان پانچ جلیل القدر رسولوں میں سے ہیں جن کو اولی العزم کہا جاتا ہے۔ آپ بھی بنی اسرائیل کے خاتم النبیین ہیں۔ کسی صحیح سند یا حسن سند سے جس سے دل مطمئن ہو جائے۔ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ انہوں نے فلاں جنگ میں آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی ہے۔ یوم بدر جس میں پیغمبر صادق و مصدوق ﷺ نے دعا مانگی کہ "اے رب کریم! ہمیں کافروں پر فتح عطا کر اور ہماری مدد فرما اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر یہ مٹھی بھر لوگ آج شہید ہو گئے تو اس کے بعد زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔" یہ جماعت اس دن حضور نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع تھی اور فرشتوں کی جماعت حتیٰ کہ

حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ہم رکاب تھے جیسا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں اور یہ شعر ان کا شاہکار شعر ہے اور عربی شاعری میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

و ببئر بدر اذ یرد وجوههم   جبریل تحت لوائنا و محمد

ترجمہ: "اور بدر کے کنوئیں کے پاس جبکہ ہمارے جھنڈے کے نیچے حضرت جبریل علیہ السلام اور محمد ﷺ دشمنوں کے منہ پھیر رہے تھے۔"

اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ اس عظیم ترین غزوے میں اس اشرف ترین جھنڈے کے نیچے اس اہم ترین مقام پر ضرور شریک ہوتے۔

قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین بن الفراء حنبلی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے سوال ہوا کہ کیا آپ کا وصال ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا: مجھے ابی طاہر بن غباری سے یہ بات پہنچی ہے اور آپ اس کی یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو بارگاہ رسالت ﷺ میں ضرور حاضر ہوتے۔ (اسے ابن جوزی نے "العجالہ" میں نقل فرمایا ہے۔)

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ان تمام جگہوں پر حاضر رہے ہیں لیکن انہیں لوگ دیکھ نہیں سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل عدم ہے یعنی آپ ان جگہوں میں حاضر نہیں ہوئے۔ یہ احتمال دور از قیاس ہے۔ اس سے محض توہمات کے ذریعے عمومیات کی تخصیص لازم آتی ہے، پھر اس پوشیدگی کی وجہ؟ ان کا ظہور زیادہ اجر و ثواب کا باعث بنتا۔ ان کا اعلیٰ مرتبہ ظاہر ہوتا اور آپ کے معجزہ کا ظہور ہوتا، اور اگر وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہتے تو ان کیلئے ضروری تھا کہ امت کو قرآن پاک اور احادیث نبویہ کی تعلیم دیتے۔ جھوٹی حدیثوں، مقلوب روایتوں اور بدعت و ہوا و ہوس پر مبنی نظریات کی قلعی کھول دیتے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر غزوات میں شریک ہوتے اور دشمن سے قتال کرتے، اگر وہ زندہ ہوتے تو بہر حال مسلمانوں کو نفع دیتے، انہیں نقصان سے بچانے کی کوشش کرتے، علماء و حکماء کی رہنمائی کرتے، ادلہ و احکام کو بیان کرتے اور یہ چیزیں دشت نوردی اور امصار و اقطار عالم میں پھرنے سے کہیں بہتر ہوتیں۔

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، ذرا سا غور و فکر کے بعد کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اس نظریے کی تائید صحیحین وغیرہ کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے ایک رات عشاء کی

نماز ادا فرمائی تو فرمایا: کیا تمہیں خبر ہے یہ کونسی رات ہے؟ آج سے ایک صدی بعد زمین پر موجود لوگوں سے ایک بھی زندہ نہیں ہوگا۔ ایک روایت میں (ممن تطرف) کے الفاظ ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ ڈر گئے کہ شاید اس سے مراد زمانے کا انقطاع (قیامت) ہے۔

امام احمد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ نے زندگی کے آخری ایام میں ایک رات عشاء کی نماز ادا فرمائی تو سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا: "کیا تم اس رات کو دیکھ رہے ہو؟ ایک سو سال بعد اس زمین پر جتنے لوگ باقی ہیں، ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔" (بخاری اور مسلم حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسے نقل کرتے ہیں۔)

امام احمد، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے وصال مبارک سے تھوڑے دن پہلے یا ایک مہینہ پہلے (راوی کو شک ہے) ارشاد فرمایا: "کوئی سانس لینے والی جان ایسی نہیں یا فرمایا: تم میں سے آج کوئی سانس لینے والی جان ایسی نہیں جس پر سو سال پورے گزر جائیں اور وہ زندہ رہے۔" امام احمد، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے وصال سے ایک ماہ قبل فرمایا: "تم مجھ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہو، قیامت کا علم تو اللہ کے پاس ہے، میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں کہ آج جتنے لوگ زمین پر سانس لے رہے ہیں، یہ ایک سو سال پورے نہیں کر سکیں گے۔ (اسی طرح اسے مسلم نے ابی نضرہ اور ابی زبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔)

امام ترمذی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو سو سال بعد زندہ رہے۔" (یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔)

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح حدیثیں حیات خضر کے نظریے کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ نہ پایا ہو جیسا کہ قطعیت سے ثابت ہے تو پھر تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تو پھر بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ حدیث کے عموم میں داخل ہیں، اور اصل تخصص کا عدم ہے جب تک کہ ایسی دلیل تخصیص نہیں جاتی، جس کا قبول کرنا واجب ہو۔ واللہ اعلم

حافظ ابوالقاسم سہیلی اپنی کتاب "التعریف والاعلام" میں امام بخاری اور ان کے شیخ ابو بکر

عربی سے یہ بات روایت کی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا اور اس کے بعد فوت ہو گئے۔ وہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ نظریہ امام بخاری اور ان کے شیخ کا ہے محل نظر ہے۔ امام سہیلی نے ان کے زندہ ہونے کے نظریے کو ترجیح دی ہے اور کئی دوسرے علمائے کرام کے اقوال سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے ملے اور آپ کی وفات پر ان کے اہل بیت سے تعزیت بھی کی۔ یہ نظریہ ذکر کر کے انہوں نے مذکورہ احادیث کو پیش کیا ہے، جن کو ہم نے ضعیف قرار دے دیا ہے لیکن انہوں نے ان احادیث کی اسناد کو ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم

حضرت سیدنا الیاس علیہ السلام

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

وان الیاس لمن المرسلین۔ .... انہ من عبادنا المؤمنین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ترجمہ: ”اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑے ہوئے ہو احسن الخالقین کو (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے، پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا۔ بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں، اور ہم نے چھوڑ کر ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔“

شجرہ نسب:

علمائے نسب کہتے ہیں۔ الیاس بن فنحاص بن العیزار بن ہارون، الیاس نشبی بھی آپ ہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ الیاس بن العازر بن العیزار بن ہارون بن عمران کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت غربی دمشق کے اعلبک علاقے میں ہوئی۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا: بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ ان کے بت کا نام جس کی وہ پوجا کرتے تھے ”بعل“ تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ بعل نامی ایک عورت کی پوجا کرتے تھے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اسی لیے ان سے کہا گیا۔

الا تتقون۔ اتدعون بعلا و تذرون احسن الخالقین۔ اللہ ربکم و رب آبائکم الاولین۔

ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی مخالفت پر اتر آئے اور قتل کا ارادہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ان سے بچنے کیلئے بھاگ نکلے اور چھپ گئے۔

بادشاہ کے ظلم کی وجہ سے چھپنا:

یعقوب الاذرعی یزید بن عبدالصمد سے اور وہ ہشام بن عمار سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہشام کا قول ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس نے کعب الاحبار سے روایت کیا

اور یہ شخص ذکر کرتا ہے کہ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے جو الدم کے نیچے ہے، اور وہاں آپ دس سال تک مخفی رہے۔ یہاں تک کہ اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے جہنم رسید کیا اور اس کی جگہ ایک اور بادشاہ آیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس آئے اور اسلام کی تبلیغ کی۔ سوائے دس ہزار کے تمام قوم ایمان لے آئی۔ بادشاہ نے ان کفار کے قتل کا حکم دیدیا اور وہ سب قتل کر دیئے گئے۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز نے بیان کیا۔ انہوں نے دمشق کے ایک شیخ سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے اور وہاں بیس رات یا فرمایا چالیس رات تک مقیم رہے، تو کوے انہیں کھانا لا کر دیتے رہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام، پھر حضرت اسحاق علیہ السلام، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام، پھر حضرت یوسف علیہ السلام، پھر حضرت لوط علیہ السلام، پھر حضرت ہود علیہ السلام، پھر حضرت صالح علیہ السلام، پھر حضرت شعیب علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت ہارون علیہ السلام یہ دونوں عمران کے بیٹے ہیں۔ پھر حضرت الیاس النشبی علیہ السلام بن ہارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ (انہوں نے اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ ترتیب محل نظر ہے۔)

مکحول، کعب سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چار انبیاء زندہ ہیں۔ دو زمین پر یعنی حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم السلام اور دو آسمان پر یعنی حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایک حدیث ہم پہلے بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم السلام ہر سال رمضان المبارک کو بیت المقدس میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور صرف ایک دفعہ سال میں زمزم کے کنوئیں سے پانی پیتے ہیں جو انہیں آنے والے سال تک کافی رہتا ہے اور ہم نے وہ حدیث بھی بیان کر دی ہے جس میں آتا ہے کہ وہ دونوں میدان عرفات میں ہر سال ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ان قصوں میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے اور جو چیز دلیل سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام بھی دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرما چکے ہیں۔

رہی وہ حدیث جس کو وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب آپ کے رب نے آپ کی روح قبض کر کے آپ کو واپس اٹھانا چاہا کیونکہ قوم نے انہیں جھٹلایا تھا اور تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے تو آپ کی رنگت کا ایک چوپایہ آیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس پر سوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پر عطا فرمادیئے اور نوری لباس پہنادیا۔ ان سے کھانے پینے کی لذت ختم کر دی اور اسی طرح آپ ایک ایسی شخصیت بن گئے جو بیک وقت ملکوتی بھی ہیں، بشر بھی ہیں، آسمانی بھی ہیں اور زمینی بھی ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے حضرت الیسع بن اخطوب کو وصیت فرمادی کہ وہ ان کے بعد لوگوں کو تبلیغ کریں گے۔ اس کی صحت محل نظر ہے۔ اس روایت کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جن کی نہ تو ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ ہی تکذیب، بلکہ ظاہری الفاظ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت الیاس علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ ابوبکر بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک وادی سے ایک شخص یہ کہتے ہوئے سنائی دیا: اے اللہ! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ مغفورہ سے کر دے جن کی توبہ تو قبول فرمالیتا ہے۔ میں نے وادی میں نگاہ دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین سو گز سے بھی زیادہ لمبا ایک شخص کھڑا ہے، مجھ سے کہنے لگا: تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم انس بن مالک ہوں۔ انہوں نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ میں نے بتایا (وہ قریب ہیں) آپ کی گفتگو سماعت فرمارہے ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا: آپ واپس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کریں اور بتائیں کہ آپ کا بھائی الیاس سلام عرض کر رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔ حضرت الیاس علیہ السلام سے ملے، معانقہ کیا اور سلام دعا ہوئی۔ پھر دونوں نبی تشریف فرما ہوئے اور باہم باتیں ہونے لگیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں سال میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں، آج میں روزے سے نہیں ہوں، آج میں اور آپ اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے ایک دسترخوان اترا جس میں روٹیاں، مچھلی اور اجوائن تھی۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز ادا کی، پھر حضرت الیاس علیہ السلام ہم سے رخصت ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بادلوں سے گزر کر آسمان کی طرف جارہے ہیں۔ (اس حدیث کے بارے امام بیہقی کا اپنا فیصلہ

ہی کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔)

تعجب ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے اس حدیث کو اپنی مستدرک علی الصحیحین میں تخریج کی ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو مستدرک میں درج نہیں ہو سکیں۔ یہ حدیث موضوع ہے اور کئی وجوہ کی بنا پر صحاح کی احادیث کی مخالف ہے اور اس کا معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیحین کی بیان کردہ حدیث جو پہلے بھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ان کا قد جنت میں ستر گز تھا...... پھر مخلوق خدا کی قامت میں کمی ہوتی رہی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے۔"

مذکورہ بالا حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چل کر حضرت الیاس علیہ السلام کے پاس پہنچے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت الیاس علیہ السلام خود چل کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوتے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ سال میں صرف ایک دفعہ کھانا تناول فرماتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہم ایک حدیث بیان کر آئے ہیں کہ آپ لذت کام و دہن سے بے نیاز کر دیئے گئے ہیں۔ اور ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ہر سال صرف ایک دفعہ زمزم کا پانی پیتے ہیں جو دوسرے سال تک کفایت کرتا ہے۔ یہ بیانات ایک دوسرے کے متعارض ہیں۔ یہ تمام قصے باطل ہیں اور ان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکر نے اس حدیث کو ایک اور طریقہ سے بیان کیا ہے اور خود ہی اس کے ضعیف ہونے کا اعتراف کیا ہے اور یہ بات بڑی عجیب ہے اور انہوں نے اس حدیث پر کیسے گفتگو کر دی؟ ابن عساکر یہ حدیث حسین بن عرفہ کے طریق سے لائے ہیں جس کو حسین بن عرفہ نے ہانی بن الحسین سے، انہوں نے بقیہ سے، انہوں نے اوزاعی سے، انہوں نے مکحول سے، انہوں نے واثلہ سے، انہوں نے ابن الاسقع سے روایت کیا ہے۔ پس انہوں نے اسی طرح کی ایک طویل حدیث ذکر کی ہے اور اس میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ غزوہ تبوک کے سفر میں تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک اور حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اچانک ایک شخص دیکھا جو ہم سے دو تین ہاتھ لمبا تھا۔ انہوں نے معذرت کی کہ میں وہاں نہیں آسکتا کیونکہ مجھے دیکھ کر اونٹ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ مجھے پچھلے سال ملے تھے اور کہا تھا کہ آپ مجھ سے پہلے بارگاہ نبوی میں باریابی پائیں گے، جب حاضری ہو تو میرا سلام عرض کرنا۔ اگر اس

حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم السلام ابھی تک زندہ ہیں تو گویا نویں سال ہجرت کو ان کی آپس میں ملاقات نہیں ہوئی اور یہ بات شرعاً صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ (یہ حدیث بھی موضوع ہے۔)

ابن عساکر مختلف طریق سے کئی احادیث لائے ہیں جن میں حضرت الیاس ؑ کی دوسرے لوگوں سے ملاقات ثابت ہے، لیکن یہ احادیث بھی اپنی اسناد کے ضعیف اور راویوں مجہول ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہیں۔

ان احادیث میں سب سے بہتر وہ حدیث ہے جو ابوبکر بن ابی الدنیا نے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شبیر بن معاذ نے مجھے بیان کیا حماد بن واقد نے حضرت ثابت سے روایت کیا کہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت مصعب بن زبیر ؓ کے پاس کوفہ میں تھے۔ میں ایک حویلی میں نماز پڑھنے کیلئے گیا اور قرأت شروع کی۔

حم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم۔ غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول

اسی دوران میری نظر ایک شخص پر پڑی جو سفید رنگ کے خچر پر سوار میرے پیچھے کھڑا تھا اور اس پر یمنی گودڑی تھی۔ کہنے لگا جب تو پڑھتا ہے غافر الذنب تو کہا کر "اے گناہ بخشنے والے! میرے گناہ بخش دے۔" جب پڑھتا ہے قابل التوب تو یہ بھی کہا کر "اے سخت عذاب دینے والے! مجھے عذاب سے محفوظ فرما" اور جب تو ذی القوۃ کے الفاظ پڑھتا ہے تو یہ دعا کیا کر: "اے فضل و کرم فرمانے والے! مجھ پر بھی فضل و کرم فرما۔" جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا، جب میں حویلی سے باہر آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ جو شخص ابھی سفید خچر پر سوار تمہارے پاس سے گزرا ہے، جس نے یمنی گودڑی پہن رکھی تھی وہ کہاں گیا تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس سے تو ایسا کوئی شخص نہیں گزرا۔ ان کا اندازہ تھا کہ یہ شخص حضرت الیاس ؑ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فکذبوہ فانھم لمحضرون۔" ترجمہ: "پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا۔"

یعنی عذاب کیلئے، یا تو دنیا اور آخرت دونوں میں یا صرف آخرت میں، پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے۔

جیسا کہ مفسرین اور مورخین نے بیان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "الا عباد اللہ المخلصین" ترجمہ: "ہم نے ان کے ذکر خیر کو ان کے بعد والے لوگوں کیلئے باقی رکھا۔"

ان کا تذکرہ لوگ محبت سے کریں گے۔ اسی لیے فرمایا: "سلام علی الیاسین" یعنی سلام ہو الیاس پر۔" عرب کئی اسماء کے ساتھ نون زائدہ لگا دیتے ہیں اور کئی دوسری تبدیلیاں بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسماعیل کو کبھی وہ اسماعین، اسرائیل کو اسرائین، الیاس کو الیاسین پڑھ دیتے ہیں۔ ایک قرأت یہ بھی ہے: "سلام علی آل یاسین" یعنی "محمد مصطفیٰ ﷺ کی آل اطہار پر سلام ہو۔" حضرت ابن مسعود ؓ اور دوسرے کئی علماء نے اسے ادراسین بھی پڑھا ہے اور یہ قرآت انہوں نے اسحاق کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسحاق نے عبیدہ بن ربیعہ سے، انہوں نے حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "الیاس ھو ادریس" اسی طرح گئے ہیں ضحاک بن مزاحم، اور قتادہ، محمد بن اسحاق نے بھی یہی بیان کیا ہے، لیکن صحیح دوسری قرأت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ ابن جریر اپنی تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اہل علم جو تاریخ اور امور گزشتہ اور اخبار ماضیہ میں دسترس رکھتے ہیں ان میں اس بارے کوئی اختلاف نہیں اور امور گزشتہ اسرائیل کی قیادت حضرت یوشع بن نون ؑ کے بعد حضرت کالب بن یوفنا ؑ نے کی جو کہ حضرت موسیٰ ؑ کے ایک صحابی اور ان کی بہن مریم کے شوہر تھے۔ وہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے خائف رہا کرتے تھے۔ یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوفنا علیہم السلام، انہیں دو شخصوں نے بنی اسرائیل کو مائل بہ قتال کیا تھا اور کہا تھا:

ادخلو علیھم الباب فاذا، دخلتموہ فانکم غلبون و علی اللہ فتوا کلوآ ان کنتم مؤمنین۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو گے اگر ہو تم ایماندار۔"

حضرت حزقیل علیہ السلام

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت کالب علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت کا ذمہ حضرت حزقیل بن بوذی علیہ السلام نے اٹھایا۔ آپ وہی شخصیت ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور اللہ نے ان لوگوں کو زندہ فرما دیا تھا جو موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم۔ ان اللہ لذو فضل علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون۔ ﴿سورۃ البقرۃ﴾

ترجمہ: ''کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو فرمایا: انہیں اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پھر زندہ فرمایا، انہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

محمد بن اسحاق حضرت وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا تو بنی اسرائیل میں حضرت حزقیل بن بوذی علیہ السلام کو ان کی جگہ مبعوث فرمایا۔ حضرت حزقیل ایک بوڑھی عورت کے بیٹے تھے۔ آپ ہی وہی شخص ہیں جنہوں نے ان لوگوں کیلئے دعا فرمائی تھی جن کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ میں ہے:

الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت۔

محمد ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے وباء دیکھی تو ایک دور جگہ جا کر قیام کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مر جاؤ۔ وہ تمام مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں درندوں سے محفوظ رکھا۔ ایک لمبا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ (ایک جگہ اتنے مردہ دیکھ کر) کھڑے ہو گئے اور سوچنے لگے۔ آپ سے کہا گیا (غیبی آواز) کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ اللہ انہیں دوبارہ زندہ فرما دے اور تو یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ آپ علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ حکم ملا کہ ان ہڈیوں کو آواز دو کہ وہ گوشت سے پر ہو جائیں اور جسم کی مختلف ہڈیاں ایک دوسرے کے ساتھ

جڑ جائیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آواز دی، وہ تمام مردے اٹھ کھڑے ہوئے اور یکبارگی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

اسباط نے سدی وہ ابی مالک سے، وہ ابی صالح سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، وہ مرہ سے وہ حضرت ابن مسعود سے، اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آیت:

الم تر الی الذی خرجوا من دیارھم و ھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم

کی تفسیر کے بارے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واسط سے پہلے ''داوردان'' نامی ایک بستی تھی جس میں طاعون کی بیماری پھیل گئی۔ اکثر لوگ بستی کو چھوڑ کر بھاگ نکلے اور گاؤں کے مضافات میں ایک جگہ ڈیرے ڈال دیئے۔ وہ لوگ جو بستی ہی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر موت کا شکار ہوئے جبکہ بھاگ نکلنے والے لوگ محفوظ رہے، جب وبا ختم ہوئی اور مضافات میں ٹھہرے ہوئے گھروں کو لوٹے تو جن کے عزیز و اقارب مر گئے تھے۔ کہنے لگے کہ اگر ہم بھی ان ہی کی طرح بھاگ جاتے تو محفوظ رہتے، اب اگر ایسی صورتحال پیش آئی تو ان کے ساتھ ہم بھی بھاگ جائیں گے۔ ایک سال بعد طاعون کی وبا نے پھر بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تمام لوگ گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ایک وادی میں جا ٹھہرے۔ جس کا نام ''افیح'' تھا۔ وادی کے اوپر سے فرشتے نے آواز دی کہ مر جاؤ۔ اسی قسم کی ایک آواز، وادی کے نیچے سے بھی آئی۔ اسی آواز کے ساتھ سب لوگ موت کا لقمہ بن گئے اور ان کے بے روح جسم میدان میں پڑے رہ گئے۔ وہاں سے اللہ کے ایک نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا۔ آپ سراپا حیرت، دانتوں میں انگلی دبائے، ان بے روح جسموں کو دیکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ کیا یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ میں مردوں کو کس طرح زندہ کروں گا؟ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ دراصل قدرت خداوندی پر متعجب تھے (شک نہیں کر رہے تھے) حکم ہوا۔ آواز دیجئے، آپ نے آواز دی: اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے رہا ہے کہ باہم جمع ہو جاؤ، ہڈیاں اڑ اڑ کر جمع ہونے لگیں، حتیٰ کہ ہڈیوں سے ڈھانچے بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی فرمائی کہ انہیں آواز دیجئے۔ آپ علیہ السلام نے پھر آواز دی: اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گوشت کا لباس پہن لو، ہڈیوں پر گوشت آ گیا، رگوں میں خون دوڑنے لگا اور وہ کپڑے جو مرتے وقت جسم پر تھے وہ بھی عود کر آئے، پھر آپ سے فرمایا گیا، آواز دیجئے آپ علیہ السلام نے پھر آواز دی اے جسمو! اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کر

کھڑے ہو جاؤ، پس وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

اسباط کہتے ہیں کہ مجاہد سے روایت کرتے ہوئے منصور یہ گمان ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں نے زندہ ہونے کے بعد ان کلمات سے اللہ کی تسبیح کی۔ "سبحانك اللهم و بحمدك لا اله الا انت۔" پھر وہ اپنی قوم کے ان افراد کے پاس گئے جو جانتے تھے کہ وہ مر چکے ہیں، موت کے آثار ان کے چہروں پر تھے، وہ جب بھی کپڑے پہنتے تو وہ نشان زدہ ہو جاتے، وہ لوگ زندہ رہے حتیٰ کہ اپنی مقررہ معیاد پر فوت ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی، آپ ہی سے ایک دوسرا قول ہے کہ وہ لوگ تعداد میں آٹھ ہزار تھے۔ ابو صالح سے یہ تعداد نو ہزار روایت کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک تیسری روایت چالیس ہزار کی ملتی ہے۔

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ اہل اذرعات میں سے تھے، ابن جریج عطاء سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے۔ جو یہ بیان کرتی ہے کہ انسان تقدیر سے بھاگ نہیں سکتا۔ لیکن جمہور کا قول اقویٰ ہے یہ تمثیل نہیں ایک واقعہ ہے۔

طاعون زدہ علاقہ میں نہ جاؤ:

امام احمد، بخاری، مسلم اور زہری رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ملک شام کو روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب آپ "سرغ" کے مقام پر پہنچے تو آپ کو اجناد کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ملنے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ نکلی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین سے بات چیت کی۔ یعنی اس سلسلے میں مشورہ کیا کہ (واپس ہو چلیں یا سفر جاری رکھیں) صحابہ کرام نے اس بارے اختلاف کیا۔ اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے جو کسی کام کی وجہ سے حاضر نہیں تھے۔ انہوں نے فرمایا: میں اس بارے معلومات رکھتا ہوں۔ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب وباؤ اس شہر میں پھوٹ نکلی ہے تو اس کی طرف سفر نہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء کی (کہ اس نے ہمیں حدیث رسول کے علم سے نوازا ہے) اور واپس (مدینہ طیبہ) لوٹ آئے۔

امام احمد، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملک شام میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتایا کہ یہ (طاعون) وہ بیماری

ہے جس کے ذریعے تم سے پہلی قوموں کو عذاب دیا گیا ہے، جب تم سنو کہ بافلاں زمین پھوٹ پڑی ہے تو اس میں نہ جاؤ اور اگر کسی ایسی جگہ پھوٹی ہے جہاں تم رہائش پذیر ہو تو پھر بھاگ نکلنے کی کوشش نہ کرو۔ فرماتے ہیں کہ یہ (سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام سے واپس آ گئے۔ امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہم نے اسی طرح مالک عن الزہری کی سند سے روایت کیا ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت حزقیل بنی اسرائیل میں کتنی مدت قیام پذیر رہے، جب آپ کا وصال ہوا تو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ بھلا دیا۔ بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں، ان ظالموں نے بت پرستی شروع کر دی، جن بتوں کی وہ پوجا کرتے تھے ان میں ایک کا نام "بعل" تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ جا کر بنی اسرائیل کی رہنمائی کریں۔ حضرت الیاس علیہ السلام مراد حضرت الیاس بن فنحاص بن العیزار بن ہارون بن عمران ہیں۔

میں (امام ابن کثیر) کہتا ہوں کہ ہم نے حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ حضرت خضر علیہ السلام کے بعد ذکر کیا ہے، کیونکہ ان کا ذکر اکٹھا آتا ہے اور اس لیے بھی کہ سورۂ صافات میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد مذکور ہوا ہے۔ اسی لیے ہم نے ان کا ذکر پہلے کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحاق، وہب بن منبہ کے حوالے سے جو قصہ بیان کرتے ہیں، اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے ان کی طرف حضرت الیسع بن اخطوب علیہ السلام تشریف لائے۔ (واللہ اعلم و رسولہ)

حضرت الیسع علیہ السلام

اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ الانعام میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ حضرت الیسع علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

و اسماعیل والیسع و یونس و لوطا و کلا فضلنا علی العالمین۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: "اور اسمٰعیل اور یسع اور لوط (علیہم السلام) کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔"

سورۃ ص میں ارشاد خداوندی ہے:

و اذکر اسماعیل و الیسع و ذا الکفل و لکل من الاخیار۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو اسمٰعیل اور یسع اور ذوالکفل کو اور سب اچھے ہیں۔"

محمد ابن اسحاق، حضرت قتادہ اور حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام مبعوث ہوئے آپ نے ایک عرصہ تک بحکم خداوندی تبلیغ فرمائی اور حضرت الیاس علیہ السلام کے طریقہ پر کاربند رہ کر لوگوں کو دین حق کی طرف بلایا حتیٰ کہ آپ کا وقت رحلت آیا۔ پھر ان کے بعد برے لوگوں نے رہنمائی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بڑی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اسرائیلی گناہ کے راستے پر چل نکلے۔ جابر حکمرانوں نے ظلم کی انتہاء کردی۔ انبیاء کے خون سے ہاتھ رنگین ہوئے۔

ایک ایسا بادشاہ بھی مسند نشین ہوا جو ظالم اور پرلے درجے کا نافرمان تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی ظالم کو حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے یہ ضمانت دی تھی کہ اگر وہ تائب ہو اور گناہ کی زندگی سے اعراض کرلے تو جنت میں جائے گا۔ اسی لیے ان کا نام ذوالکفل قرار پایا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ بادشاہ کو ضمانت دینے والا یہ شخص جسے حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا نام دیا گیا حضرت یسع بن اخطوب علیہ السلام تھے۔

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر اپنی تاریخ میں حرف "یاء" کے تحت حضرت یسع علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کا اصل نام اسباط ہے اور آپ علیہ السلام عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن

یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں۔

اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام جب بعلبک کے بادشاہ سے قاسیون کے پہاڑوں میں چھپے پھرتے تھے تو حضرت یسع علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ اور آپ علیہ السلام واپس آئے اور زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے حضرت یسع علیہ السلام ان کی جگہ اپنی قوم میں فریضہ تبلیغ ادا کرتے لگے اور اللہ نے انہیں تاج نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ قول عبدالمنعم بن ادریس بن سنان کا ہے جو انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ اور ان کے والد نے یہ قول حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کے والد کا نام بانیاش تھا۔

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت یسع علیہ السلام کو تین طرح پڑھا گیا ہے۔ تخفیف کے ساتھ الیسع تشدید کے ساتھ الیّسع اور الیسع (یعنی لام کو قاطعہ شمار کر کے معرف باللام) یہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک ہی کا نام ہے۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک قوم کے مطابق حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ واللہ اعلم

علامہ ابن جریر اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ "پھر بنی اسرائیل کا معاملہ بگڑ گیا۔ وہ گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔ انبیاء کو قتل کیا اور دین سے پھر گئے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر انبیاء کی جگہ ظالم و جابر بادشاہ مسلط کر دیے۔ جنہوں نے ان پر ظلم و ستم کی انتہاء کردی اور ان کے خون سے ہولی کھیلی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے عنان حکومت چھن گئی اور وہ غیر اقوام کی غلامی میں جکڑ دیے گئے۔

بنی اسرائیل جب کسی دشمن سے نبرد آزما ہوتے تو تابوت میثاق (عہد کا صندوق) ان کے ساتھ ہوتا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

اس صندوق کی برکت سے وہ دشمنوں پر فتح حاصل کرتے تھے اور اس میں ان کے لیے تسکین کا سامان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آل اولاد کے تبرکات تھے۔

اہل غزہ اور عسقلان والوں سے لڑتے ہوئے بنی اسرائیل جب شکست فاش سے دو چار ہوئے تو عہد کا یہ صندوق ان سے چھن گیا۔ جب بنی اسرائیل کے بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس کا

سر جھک گیا اور وہ غم کے مارے فوت ہو گیا۔

اب بنی اسرائیل کی حیثیت ایک ایسے ریوڑ کی تھی جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ اس کسمپرسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کو ان کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ ان نبی مکرم کا اسم گرامی حضرت شمویئل علیہ السلام ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت شمویئل علیہ السلام سے تقاضا کیا کہ وہ ان پر ایک بادشاہ مقرر کریں جس کی قیادت میں وہ اپنے دشمنوں سے جہاد کریں۔ قرآن مجید کی روشنی میں عنقریب ہم اس قصہ کو بیان کریں گے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات اور حضرت شمویئل علیہ السلام کی بعثت کے درمیان چار سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے۔ پھر انہوں نے اس واقعہ کی تفصیلات کو بیان کیا ہے اور ایک ایک بادشاہ کا نام ذکر کیا ہے، ہم نے قصداً ان کے ذکر کو ترک کر دیا ہے۔

حضرت شمویئل علیہ السلام

اس قصہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ابتدائی حالات کا ذکر بھی ہوگا۔

شجرہ نسب:

شمویئل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہو بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا بعض اسلاف نے سمویئل کو اشمویئل لکھا ہے۔

مقاتل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کے وارثین میں سے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اسمو بن ھلفاقا" اس سے زیادہ آپ کا نسب معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سدی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اسے روایت کرتے ہیں اور ثعلبی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب ارض غزہ اور عسقلان میں بنی اسرائیل پر عمالقہ کا تسلط قائم ہوا تو انہوں نے اسرائیلیوں کو بے دریغ قتل کیا اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا۔ لاوی کے خاندان میں اب کوئی نبی نہیں تھا۔ اس خاندان میں صرف ایک حاملہ عورت تھی۔ وہ دعا کرتی رہی کہ اللہ تعالیٰ اسے اولادِ نرینہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی التجا کو قبول فرماتے ہوئے اسے ایک بچے سے نوازا۔ عورت نے نومولود کا نام اشمویئل رکھا۔ عبرانی زبان میں اس لفظ کا معنی ہے اسماعیل یعنی اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا۔ چونکہ آپ علیہ السلام نے منصب نبوت پر فائز ہونا تھا اس لیے فطرت نے آپ علیہ السلام کا ہاتھ تھاما اور مسجد میں لے گئے۔ قدرت خداوندی نے آپ کا ہاتھ بچپنے میں ایک صالح آدمی کے ہاتھ میں دے دیا جو مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا آپ اس شخص سے بھلائی اور عبادت خداوندی کے طریقے سیکھتے رہے۔ جب بڑے ہوئے تو ایک رات سوتے میں مسجد کے کونے سے ایک غائبی آواز سنائی دی۔ آپ ڈر گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیخ نے خیال کیا کہ شاید شمویئل اسے آواز دے رہا ہے۔ اس نے پوچھ لیا۔ شمویئل علیہ السلام نے اسے بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہہ دیا ہاں میں نے آواز دی ہے۔ آرام فرمائیں۔ شیخ سو گیا۔

دوسری مرتبہ پھر وہی آواز سنائی دی۔ پھر تیسری مرتبہ آواز آئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ یہ آواز انہیں کی تھی۔ وہ شمویئل سے کہہ رہے تھے تیرے رب نے تجھے اپنی قوم کے لیے

مبعوث فرمایا ہے۔ آپ اپنی قوم میں تشریف لے گئے۔ پھر جو معاملہ ان کے ساتھ درپیش ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

الم تر الی الملا من بنی اسرائیل من ...... ذو فضل علی العلمین۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب کہا انہوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر تا کہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا انہیں ان کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لیے طالوت کو امیر بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہو گا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔ پھر جب روانہ ہوا طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے ان سے (نہیں پیا) پھر جب عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہنے لگے کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے

قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر۔"

اکثر مفسرین عظام کے نزدیک اس واقعہ میں مذکور قوم کے طرف مبعوث ہونے والے نبی حضرت شموئیل (علیہ السلام) ہیں۔ بعض نے شمعون بھی لکھا ہے۔ یہ قول بھی ملتا ہے کہ شمعون حضرت شموئیل ہی کا دوسرا نام ہیں۔ حضرت یوشع (علیہ السلام) کا اسم گرامی بھی لیا جاتا ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ ابن جریر کے بقول حضرت یوشع (علیہ السلام) کی رحلت اور حضرت شموئیل (علیہ السلام) کی بعثت کے درمیان چار سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم

حاصل کلام یہ ہے کہ جب جنگ و جدل نے اس قوم کو لاغر کر دیا اور دشمن کی قہر سامانیاں روز بروز بڑھنے لگیں تو انہوں نے اپنے وقت کے نبی کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ ان کی قیادت کے لیے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے جس کے جھنڈے تلے وہ دشمن سے جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا:

ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا، قالوا و مالنا الا نقاتل فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: "کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو۔ وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں۔" یعنی کوئی چیز ہمیں جہاد سے مانع نہیں ہو سکتی:

وقد اخرجنا من دیارنا و ابنائنا۔ ترجمہ: "حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے۔"

ان لوگوں نے ہمیں پریشان کیا۔ ہم پر جنگیں مسلط کیں۔ ہم اپنے ان بچوں کے لیے جنگ کریں گے جو بحالت بیچارگی ان کے قبضے میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم واللہ علیم بالظالمین۔

ترجمہ: "مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان میں سے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔"

جیسا کہ بنی اسرائیل کے قصہ کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ چند ایک افراد کے سوا بادشاہ کے ساتھ کسی نے بھی نہر کو عبور نہ کیا بلکہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے واپس آ گئے۔

حضرت طالوت علیہ السلام

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا۔

ترجمہ: "اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔"

(ثعلبی حضرت طالوت کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔)

طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ عکرمہ اور سدی کہتے ہیں کہ طالوت پیشے کے اعتبار سے سقا یعنی پانی پلانے والے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ دباغ ساز (یعنی چمڑا رنگنے والے) تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور اقوال بھی ہیں۔ واللہ اعلم

اسی لیے انہوں نے اعتراض کیا اور کہا:

انى يكون له الملك علينا و نحن احق بالملك منه ولم يؤت سعة من المال۔

ترجمہ: "کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں۔"

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ سلسلہ نبوت لاوی کی نسل میں چلا آرہا تھا۔ اور بادشاہ یہودا کی نسل سے ہوتے۔ جب حضرت طالوت علیہ السلام کو بادشاہ مقرر کیا گیا جس کا تعلق بنیامین کی نسل سے تھا تو بنی اسرائیل بگڑ گئے اور ان کی امارت پر طعن کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہم اس سے امارت کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان کے اعتراض کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت طالوت علیہ السلام غریب آدمی تھے۔ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ایک فقیر بڑے بڑے امراء پر بادشاہ مقرر ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

قال ان الله اصطفاه عليكم و زاده بسطة فى العلم و الجسم۔

ترجمہ: "نبی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلے میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں۔"

طالوت کی بنی اسرائیل پر علمی برتری:

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی تھی کہ بنی اسرائیل کا جو شخص اس عصا جتنی قامت رکھتا ہو جب وہ آپ کے پاس آئے۔ بنی اسرائیل کے مرد داخل ہونے لگے اور اپنا قد اس عصا کے ساتھ ماپنے لگے لیکن طالوت کے علاوہ کسی کا قد اس عصا جیسا لمبا نہیں تھا۔ طالوت جب حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس گئے تو انہوں نے اسے مسح کیا اور بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تم پر بادشاہ مقرر کیا ہے اور اسے علم میں تمہاری نسبت زیادہ کشادگی دی ہے۔

ایک قول کے مطابق علمی کشادگی سے مراد مطلق کشادگی نہیں بلکہ جنگی امور میں کشادگی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام کو ہر میدان میں بنی اسرائیل کے دوسرے مردوں کی نسبت علمی برتری حاصل تھی۔

اسی طرح الجسم سے مراد بعض کے نزدیک طوالت میں برتری ہے اور بعض کے نزدیک حسن و خوبصورتی میں برتری ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام بنی اسرائیل کے دوسرے مردوں کی نسبت زیادہ عالم اور زیادہ خوبصورت تھے۔ حضرت طالوت سے علم و جسم میں اگر کوئی برتر تھا تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے نبی شمویل علیہ السلام تھے۔ "والله يؤتى ملكه من يشاء" ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے۔" وہی بادشاہ حقیقی ہے اور وہی خالق و آمر ہے۔ "والله واسع عليم۔" ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

تابوت سکینہ کیا تھا:

وقال لهم نبيهم ان آية ملكه ان يأتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم و بقية مما ترك آل موسى و آل هارون تحمله الملائكة ان فى ذالك لآية لكم ان كنتم مؤمنين۔

ترجمہ: "اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ کر گئے ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون۔ اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو۔"

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کی برکت اور احسان الٰہی کی بدولت ہوا اللہ تعالیٰ نے وہ بابرکت صندوق انہیں واپس لوٹا دیا جسے چھین کر دشمن لے گئے تھے یہی وہ صندوق تھا جس

کے سبب سے وہ اپنے دشمن پر فتح یاب ہوتے تھے۔ "فیہ سکینۃ من ربکم"
کہا جاتا ہے کہ ایک طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے سینوں کو دھویا جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ سکینہ سے مراد آندھی (یا تیز ہوا) ہے۔ ایک تیسرا قول یہ بھی ملتا ہے کہ سکینہ بلی کی طرح کا ایک جانور تھا حالت جنگ میں جب یہ چیختا تو بنی اسرائیل کو یقین آ جاتا کہ اب فتح قریب ہے۔" و بقیۃ مما ترک آل موسیٰ و آل هارون تحملہ الملائکۃ" کہتے ہیں کہ اس صندوق میں ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جن پر تورات لکھی ہوئی تھی اور من وسلویٰ کا کچھ حصہ بھی تھا جو میدان تیہ میں اللہ کے فضل وکرم سے ان پر نازل ہوتا رہا۔ "تحملہ الملائکۃ" یعنی اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے اور تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھو گے اور یہ کرامت تم پر اللہ کی نشانی اور میری سچائی کی واضح دلیل ہوگی اور اس شک کو دور کر دے گی کہ طالوت کو بے وجہ ہم پر حاکم بنایا جا رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا: "ان فی ذالک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین۔"

کہتے ہیں کہ جب عمالقہ اس صندوق کو چھیننے میں کامیاب ہوئے جس میں تسلی کا سامان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد کے بقیہ جات تھے اور ایک روایت کے مطابق صندوق میں تورات کی لکھی ہوئی الواح تھیں تو عمالقہ نے اس صندوق کو اپنے ایک بت کے نیچے رکھ دیا جس کی وہ اپنی سرزمین میں پوجا کیا کرتے تھے۔ جب صبح ہوئی اور دیکھا تو صندوق بت کے سر پر تھا۔ انہوں نے صندوق اٹھا کر نیچے رکھ دیا اور بت کو صندوق کے اوپر رکھ دیا۔ دوسرے دن پھر صندوق بت کے سر پر لدا تھا۔ جب کئی دن تک یہی واقعہ پیش آیا تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے۔ انہوں نے یہ صندوق اٹھایا اور ایک دوسرے قصبے میں لا کر رکھ دیا۔ اسی دوران انہیں گردن کی بیماری نے آلیا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا اور یہ وبا وہ بدبختی نظر آئی تو صندوق کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر اس کے آگے بیل جوت دیے اور انہیں آزاد کر دیا کہ یہاں سے کہیں دوسرے ملک میں اسے لے جائیں۔ کہا جاتا تھا کہ یہ بیل دراصل فرشتے تھے۔ بہر حال صندوق بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ وہ خود اسے آتا دیکھ رہے تھے جیسا کہ ان کے نبی نے انہیں آگاہ کر دیا تھا کہ طالوت کے بادشاہ ہوتے ہی وہ بابرکت صندوق فرشتوں کی وساطت سے تم تک پہنچ جائے گا۔ فرشتے کسی بھی شکل میں ہوں بہر حال یہ بات طے ہے کہ یہ صندوق فرشتے اٹھا کر لے آئے جیسا کہ آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ اگر پہلی صورت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی بعید نہیں کیونکہ بہت سارے بلکہ اکثر مفسرین عظام نے اس روایت کو قلم بند کیا ہے۔

فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنهر فمن شرب منه فلیس منی ومن لم یطعمه فانه منی الا من اغترف غرفة بیده۔ (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: "پھر جب عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ۔ کہنے لگے کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی۔"

یعنی اپنے آپ کو ان کی نسبت کم اور کمزور خیال کرنے لگے اور کہنے کہ ان کی تعداد بھی ہم سے بڑھ کر ہے اور وہ طاقت میں بھی ہم سے بڑھ کر ہیں۔

قال الذین یظنون انهم ملقوا اللہ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔ ترجمہ: "مگر کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یعنی ان میں سے جو بہادر تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ثابت قدمی کی تلقین کی۔ اسی طرح اہل ایمان میں سے گھڑ سوار جو کہ جنگ و جدل اور تلوار زنی کے میدان میں صبر کرنے والے تھے پکار پکار کر کہتے رہے کہ دشمن کے مقابلے میں صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معیت سے فتح یقینی ہے۔

ولما برزوا لجالوت و جنوده قالوا ربنا افرغ علینا صبروا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔

ترجمہ: "اور جب سامنے آ گئے جالوت اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے۔ اے ہمارے رب اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر۔"

اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مولیٰ کریم کہ ہمیں صبر عطا فرما یعنی صبر کے ساتھ ہمیں ڈھانپ دے جس سے دلوں میں قرار آ جائے اور بے چینی ختم ہو جائے۔ اور اس میدان جہاد میں ہمارے قدم مضبوطی سے جمے رہیں جہاں بہادر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور دعوت مبارزت دیتے نظر آتے ہیں۔ اہل ایمان نے ظاہر اور باطن میں ثابت قدمی کی دعا کی۔ اور التجا کی کہ ان لوگوں کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے جو ہمارے بھی دشمن ہیں اور مولا تیرے بھی دشمن ہیں۔ تیری آیات اور نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں شکر کے لائق نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جو عظیم و قدیر ہے۔ سب کچھ سننے والا۔ سب کچھ دیکھنے والا اور بڑا دانا و باخبر ہے۔ اور انہیں فتح و نصرت سے شادکام کیا۔

اسی لیے ارشاد فرمایا: "فھزموھم باذن اللہ" "پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو۔ اللہ کی مدد اور نصرت سے نہ کہ اپنی طاقت اور قوت بازو سے۔ حالانکہ دشمن تعداد میں زیادہ تھا اور سخت جان بھی تھا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔ (سورۃ آل عمران)

ترجمہ: "اور بیشک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کر سکو۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کی قوت و شجاعت:

و قتل داود جالوت و آتاہ اللہ الملک و الحکمۃ و علمہ مما یشاء۔

ترجمہ: "اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا۔"

یہ آیت حضرت داؤد علیہ السلام کی بہادری پر دلالت کرتی ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر کے اس کے لشکر کی کمر توڑ دی اور اس کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا۔ اس سے بڑا معرکہ اور کہاں برپا ہوا ہوگا کہ اس میں دشمن خدا جالوت قتل ہوا جو بادشاہ وقت تھا۔ بہت زیادہ مال و منال غنیمت میں ہاتھ لگا۔ بڑے بڑے بہادر اور جنگ دیدہ قیدی بنا لیے گئے۔ ایمان بت پرستی پر غالب رہا۔ اللہ کے بندے اللہ کے منکروں پر غالب آئے اور دین حق باطل اور منکرین حق کے مقابلے میں سرخرو ہو گیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کل تیرہ بھائی تھے۔ حضرت طالوت علیہ السلام نے اعلان کیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دوں گا اور اپنے مملکت میں اسے شریک ٹھہراؤں گا۔ دراصل طالوت اپنے لشکر کو جنگ کی ترغیب دے رہے تھے اور جالوت کے قتل پر انہیں ابھار رہے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس غلیل تھی۔ آپ غلیل کے ساتھ پتھر پھینکنے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ جب آپ بنی اسرائیل کے ساتھ چل رہے تھے تو اسی دوران ایک پتھر نے گفتگو کی اور کہا مجھے لے چلیے کیونکہ جالوت نے میرے ساتھ قتل ہونا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پتھر کو اٹھا لیا۔ پھر اس کے بعد دیگر دو پتھروں سے بھی آواز سنائی دی۔ آپ نے ان تینوں پتھروں کو اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ جب صفیں ترتیب پا گئیں تو جالوت آگے آیا اور دعوت مبارزت دی۔ حضرت داؤد

علیہ السلام مقابلے کے لیے نکلے۔ جالوت کی جب اس کم سن بچے پر نظر پڑی تو کہنے لگا واپس چلا جا میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے جواب دیا ٹھیک ہے تو میرے قتل کو پسند نہیں کرتا مگر میں تو تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے وہ تینوں پتھر غلیل میں اس طرح رکھے کہ تینوں ایک جان ہو گئے پھر زور سے کھینچ کر انہیں چھوڑا تو وہ پتھر جالوت کے سر میں لگے جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے لشکر نے جب یہ منظر دیکھا تو ہزیمت خوردہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے طالوت علیہ السلام سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت داؤد علیہ السلام سے کر دی اور ان کے حکم کو بھی ملک میں نافذ کر دیا۔ اس شجاعت و بہادری پر بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے فریفتہ ہو گئے اور طالوت سے بڑھ کر ان سے محبت کرنے لگے۔

کہتے ہیں کہ اس مقبولیت پر طالوت حسد میں مبتلا ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوا۔ اس نے کئی حیلوں سے کام لیا مگر کامیاب نہ ہوا۔ علماء نے طالوت کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرے مگر وہ نہ مانا اور برابر سازشیں کرتا رہا۔ جب علماء کا اصرار بڑھا تو اس نے ان تمام علماء کو بھی قتل کروا دیا اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پھر ایک ایسا موڑ بھی آیا کہ طالوت اپنی سازشوں اور کیے پر بہت نادم ہوا۔ عرصے تک آہ و زاری کی اور اللہ تعالیٰ سے گزری خطاؤں کی معافی مانگتا رہا۔ وہ اتنا رویا کہ اپنے آنسوؤں سے زمین تر کر دی۔

صحراء میں بھٹکتے اس نے ایک آواز سنی کوئی اس سے کہہ رہا تھا۔ طالوت! تو نے ہمیں قتل کر دیا مگر ہم زندہ ہیں اور تو نے ہمیں اذیت دی حالانکہ ہم مردہ تھے۔ اس آواز نے اس آہ و بکا اور خوف و ہراس میں اضافہ کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کہیں کوئی عالم ہے کہ میں اس سے توبہ کی بابت پوچھ سکوں۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ میری توبہ قبول ہو جائے لوگوں نے کہا کیا تو نے اس مملکت میں کوئی عالم چھوڑا بھی ہے کہ جسے قتل نہ کیا ہو؟ یہاں تک کہ اسے ایک نیک خصلت عورت کا پتہ بتایا گیا۔ اس عابدہ عورت نے طالوت کا ہاتھ پکڑا اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قبر پر لے گئی کہتے ہیں اس عورت نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام زندہ قبر سے اٹھ کر باہر آ گئے اور استفسار کیا کہ قیامت برپا ہو گئی ہے۔ عورت نے عرض کی کہ قیامت کا دن نہیں بلکہ طالوت آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کیا اس کی توبہ کی بھی کوئی صورت ہے؟ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے جواب دیا ہاں۔ اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ وہ ملک کو چھوڑ دے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے

ہوئے شہید ہو جائے۔ طالوت نے جہاد فی سبیل اللہ کی راہ اختیار کی حتیٰ کہ شہادت سے ہم کنار ہوا اور ملک میں اس کی لاش واپس پہنچی۔ اب ملک کے فرمانروا حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ اسی لیے فرمایا:

"و اتاہ اللہ الملک والحکمۃ و علمہ مما یشاء۔"

اس قصہ کو علامہ ابن جریر نے سدی کے حوالے سے اپنی تاریخ کی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس قصہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں اور یہ روایت منکر ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحاق کے بقول طالوت کو توبہ کے بارے میں بتانے والے نبی حضرت الیسع ابن اخطوب علیہ السلام تھے۔ اسے علامہ ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔

ثعلبی کا کہنا ہے کہ عورت طالوت کو حضرت شموئیل علیہ السلام کی قبر پر لے آئے۔ باقی قصہ وہی ہے جو علامہ ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی بات قرین قیاس ہے۔ ہو سکتا ہے یہ معاملہ سارا خواب کا ہو۔ جاگتے ہوئے اس شخص نے حضرت شموئیل کو زندہ قبر سے اٹھتے نہ دیکھا ہو۔ یہ نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ جبکہ عورت نبیہ نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں طالوت کی کل مدت بادشاہت سے اپنی اولاد کے ساتھ قتل ہونے تک چالیس سال ہے۔ اللہ اعلم

حضرت داؤد علیہ السلام

شجرہ نسب:

حضرت داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے بندے، نبی اور بیت المقدس میں اللہ کے خلیفہ تھے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں بعض اہل علم حضرت وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چھوٹے قد کے تھے۔ آپ کی آنکھیں نیلی تھی بال تھوڑے تھے دل پاک اور طاہر تھا۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ ابن عساکر کے قول کے مطابق یہ قتل ام حکیم کے محل کی جگہ مرج الصفر کے قریب واقع ہوا۔ اس بہادری اور معجزانہ قوت کی وجہ سے بنی اسرائیل آپ کے شیدائی بن گئے اور ان تمام کا میلان آپ کی طرف ہو گیا۔ وہ آپ علیہ السلام کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ پھر حضرت طالوت کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ سب آپ پڑھ چکے ہیں۔ المختصر طالوت کے بعد اس مملکت کی فرمانروائی حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں نعمتوں دنیوی اور اخروی سے نوازا تھا۔ آپ نبی بھی تھے۔ اور بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی جبکہ اس سے پہلے بادشاہ ایک نسل سے ہوتا تو نبی دوسری نسل سے۔ آپ کی صورت میں بادشاہت اور نبوت ایک جگہ جمع ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقتل داود جالوت و اتہ اللہ الملک والحکمۃ و علمہ مما یشآء ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر۔"

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے اتنا (فساد) نہیں روکتا ہے جتنا بادشاہ کے ذریعے روکتا ہے۔"

علامہ ابن جریر اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ جب جالوت نے طالوت کو دعوت مبارزت دیتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ مقابلہ کے لیے صف سے باہر آ میں تیرے مقابلہ کے لیے باہر آیا ہوں تو طالوت نے لوگوں کو ترغیب دی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور جالوت کو مقابلہ میں قتل کر دیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اس طرح مائل ہوئے کہ طالوت کا ذکر تک نہ رہا۔ انہوں نے طالوت کی بادشاہت کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو حاکم بنا لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی امارت کا حکم حضرت شموئیل نے جاری فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس جنگ سے پہلے بادشاہ بنی اسرائیل مقرر ہو چکے تھے۔

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں: جمہور کی رائے کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے۔ واللہ اعلم

ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جالوت کا قتل قصر ام حکیم کی جگہ واقع ہوا۔ اور اب جو یہاں نہر بہتی ہے یہی وہ نہر ہے جس کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات و کمالات:

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولقد آتینا داؤد منا فضلا یا جبال۔ اوبی معه والطیر و الناله الحدید ان اعمل سابغات و قدر فی السرد واعملوا صالحا انی بما تعملون بصیر۔ ﴿سورۃ السباء﴾

ترجمہ: "بیشک ہم نے اپنی جناب سے داؤد کو بڑی فضیلت بخشی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا۔ نیز ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد) نیک کام کیا کرو بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں۔"

و سخرنا مع داؤد الجبال یسبحن و الطیر و کنا فاعلین و علمناه صنعة لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فهل انتم شاکرون۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدہ کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے۔ تو کیا تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرنے والے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کے کام کی توفیق بخشی تاکہ وہ دشمن کے مقابلے میں محفوظ رہیں۔ انہیں اس کی صنعت کا طریقہ سکھا دیا اور اس کی کیفیت کی تعلیم دے دی۔ اسی لیے فرمایا: "وقدر فی السرد" یعنی کیل کو نہ تو اتنا باریک کرو کہ کٹ جائے اور نہ اس قدر موٹا رکھو کہ سر میں چبھ جائے۔ یہ قول مجاہد، قتادہ، حکم اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو اتنا نرم فرما دیا تھا۔ کہ آپ اسے ہاتھ سے بٹتے آگ میں گرم کرنے اور کوٹنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ حضرت قتادہ کے قول کے مطابق سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام ہی نے جالی دار زرہ بنائی۔ اس سے پہلے زرہیں تختہ نما ہوتی تھیں۔ ابن شوذب کا کہنا ہے کہ آپ روزانہ ایک زرہ بناتے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے۔

حدیث پاک سے ثابت ہے کہ "پاکیزہ ترین رزق وہ ہے جسے ایک شخص اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔"

عبادت خداوندی:

واذ کر عبدنا داؤد ذالاید انه اواب انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورة کل له اواب۔ و شددنا ملکه و آتیناه الحکمة و فصل الخطاب۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: "یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا۔ وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا۔ پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔ اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔"

حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ "الاید" سے مراد فرمانبرداری کی قوت ہے۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قوت اور اسلام کی سوج بوجھ سے نوازا گیا تھا۔

بعض علماء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پوری رات عبادت کرتے تھے اور آدھی زندگی روزہ سے گزاری۔ (یعنی ایک دن روزہ اور دوسرے دن افطار)

صحیحین میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک پسندیدہ تر نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور پسندیدہ تر روزے بھی آپ ہی کے ہیں۔ آپ نصف رات تک آرام فرماتے۔ تہائی رات عبادت کرتے پھر (آخری) چھٹا حصہ آرام کرتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمن سے منہ بھیڑ ہوتی تو پیٹھ پھیر کر نہ بھاگتے۔

"انا سخرنا معه يسبحن بالعشي والاشراق والطير محشورة كل له اواب" کی آیت کریمہ "يا جبال اوبي معه والطير" کی مانند ہے۔ یعنی اے پہاڑو! اللہ کی تسبیح بیان کرو داؤد کے ساتھ مل کر۔ یہ قول مجاہد، حضرت ابن عباس اور کئی دیگر مفسرین عظام کا ہے۔

دلکش آواز:

"انا سخرنا معه يسبحن بالعشي والاشراق" یعنی دن کے پہلے پہر اور آخری حصے میں۔ پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر کی کیفیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت خوبصورت آواز سے نوازا تھا۔ اتنی آواز کسی اور انسان کو عطا نہیں کی گئی۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تو لحن کے سوز سے پرندے سر پر آ کر ٹھہر جاتے اور ان لے میں اپنی تسبیح شامل کر لیتے اور پہاڑوں سے تسبیح کی آوازیں آنے لگتیں۔ اور پہاڑ پرندے سب صبح و شام آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے۔ "صلوات الله و سلامه عليه"

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حسن صوت کی دولت سے اسقدر نوازا تھا کہ اور کوئی شخص یوں نہ نوازا گیا ہوگا۔ حتیٰ کہ پرندے اور جانور آپ کی آواز سننے کے لیے اردگرد اکٹھے ہو جاتے وہ بھوک پیاس سے مر جاتے لیکن یہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتے یوں پورا دن لحن داؤدی میں مست و دم بخود گنوا دیتے۔

حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کسی انسان کے کان میں ان کی آواز پڑ جاتی تو وہ رقص کے انداز میں اچھلنے کودنے لگتا۔ آپ علیہ السلام زبور کی آیات کو ایسی خوبصورت آواز سے تلاوت کرتے کہ ایسی آواز کی مثال نہیں ملتی۔ جن انس، چرند و پرند سب آپ کی آواز سننے کے لیے اکٹھے ہو جاتے حتیٰ کہ ان میں سے بعض تو بھوک کی وجہ سے مر جاتے (مگر محفل سے دور جانے کا نام نہ لیتے)

ابو عوانہ اسفرائینی کا بیان ہے کہ ہم سے ابوبکر بن ابی الدنیا، محمد بن منصور الطوسی اور حضرت امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت شروع کرتے تو جوان دوشیزائیں پردے سے باہر آ جاتیں۔ لیکن حدیث غریب ہے۔

عبدالرزاق، علامہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا گانے کے انداز میں قرآن کی تلاوت کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اس میں حرج ہی کیا ہے؟ میں نے عبید بن عمر کو فرماتے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آلہ موسیقی تھا جس پر وہ زبور کی آیات گا کر تلاوت کرتے تھے۔ اس آلہ کی آواز آپ کے کانوں میں پڑتی اور آلہ موسیقی کے استعمال سے مقصود بھی یہی تھا۔ کہ آپ خود بھی روئیں اور دوسروں کو بھی رلائیں۔

امام احمد، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعری کی آواز سنی جبکہ وہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے تو فرمایا: ابو موسیٰ کو آل داؤد کی مزامیر سے نوازا گیا ہے۔

(یہ حدیث شیخین کی شرائط پر پوری اترتی ہے اگرچہ دونوں نے اسے اس سند کے ساتھ روایت نہیں کیا۔)

امام احمد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو موسیٰ کو لحن داؤدی عطا کی گئی ہے۔" ہم نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے بربط اور مزامیر کی آواز بھی سنی مگر حضرت ابو موسیٰ کی آواز سے خوبصورت آواز کوئی نہیں سنی۔"

حسن صورت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قوت بھی عطا فرمائی تھی کہ زبور کی آیات کی تلاوت میں بہت سریع تھے۔ جیسا کہ امام احمد فرماتے ہیں ہم سے عبدالرزاق نے، ہم سے معمر نے بیان فرمایا۔ انہوں نے ہمام سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے قرآت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیتے اور جب زین کس چکتی تو آپ اس سے پہلے زبور کی قرأت کو مکمل کر چکے ہوتے۔ آپ اپنے ہاتھ کی کمائی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ کھاتے۔

اسی طرح امام بخاری منفرداً اس حدیث کو عبداللہ بن محمد سے وہ عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے قرأت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام گھوڑوں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسنے سے پہلے ہی پوری زبور پڑھ لیتے اور ہاتھ کی کمائی کے علاوہ کچھ تناول نہ فرماتے۔

حدیث پاک میں لفظ قرآن سے مراد زبور ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی اور بذریعہ وحی آپ کو عطا ہوئی تھی۔ ایک روایت ذکر کی جاتی ہے اور لگتا ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ آپ کو اللہ نے ایک ایسا ملک عطا فرمایا تھا جس میں بسنے والے لوگ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے۔ وہ گھوڑے پر زین کسنے کی دیر میں زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے۔ یہ کمال تیزی ہے۔ حالانکہ آپ آیات میں تدبر سے کام لیتے۔ تلاوت خوش الحانی سے کرتے۔ آواز میں ایسی لے اختیار کرتے تھے کہ اس سے خشوع ٹپکتا۔ "صلوات اللہ وسلامہ علیہ"

✿ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و آتینا داؤد زبورا ترجمہ: "اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور"

زبور ایک مشہور کتاب ہے یہ کتاب رمضان کے مہینے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں مواعظ اور حکم تھے۔ اہل نظر سے یہ چیز مخفی نہیں ہے۔

گائے کا مقدمہ اور مدعی کا قتل:

وشددنا ملکہ و آتیناہ الحکمۃ و فصل لخطاب۔

ترجمہ: "یعنی ہم نے انہیں ایک عظیم مملکت سے نوازا اور ان کے حکم کو نافذ ٹھہرایا۔"

علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں گائے کا ایک مقدمہ لے کر آئے ایک دعویٰ کرتا تھا کہ مد مقابل نے گائے مجھ سے چھینی ہے۔ مدعی علیہ انکار کرتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے ان کا معاملہ رات پر اٹھا رکھا۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو حکم دیا کہ مدعی کو قتل کر دو۔ صبح ہوئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حکم دیا ہے کہ تجھے قتل کر دوں۔ اب لامحالہ میں تجھے قتل کروں گا۔ تو جو دعویٰ کرتا تھا۔ اس کی نوعیت کیا ہے؟ وہ کہنے لگا اے اللہ کے نبی بلا شبہ میں اس دعوے میں سچا ہوں۔ ہاں اس سے پہلے میں نے اس کے باپ سے کھیت کا غلہ لے لیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور وہ شخص قتل کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ بہت ہی آپ کے فرمانبردار بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "و شددنا ملکہ" اسی وجہ سے کہا گیا ہے "و آتیناہ الحکمۃ" کا مطلب ہے ہم نے انہیں دولت سے نوازا "و فصل الخطاب" شریح، شعبی، قتادہ، ابو عبدالرحمٰن سلمی اور کئی دیگر

مفسرین بیان فرماتے ہیں اس سے مراد گواہی اور قسم ہے۔ اسی سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے۔

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔

ترجمہ: "مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ گواہی پیش کرے اور انکار کرنے والے پر قسم لازم ہے۔"

مجاہد اور سدی کے بقول اس سے مراد صحیح فیصلے کی طاقت اور عدالتی فہم و فراست ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ اس سے مراد کلام میں دو ٹوک بات کرنا اور حکم میں صحیح فیصلہ دینا ہے۔ اسی کو علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد "اما بعد" ہے تو مذکورہ توجیہات اس کے منافی نہیں ہیں۔

فیصلہ کیلئے آسمانی زنجیر:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب شر کی کثرت ہو گی اور بنی اسرائیل میں جھوٹی شہادتوں نے زور پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حتمی اور دو ٹوک فیصلہ کرنے کے لیے زنجیر مرحمت فرما دی۔ جو آسمان سے بیت المقدس کے پتھر تک لمبی تھی۔ اور سونے کی تھی اس میں یہ خوبی تھی کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا وہ تو اسے چھو لیتا لیکن جھوٹے کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ ایک آدمی نے کسی شخص کے پاس موتی رکھے۔ اس نے انکار کر دیا اور ان موتیوں کو ایک نیزے کے اندر چھپا لیا۔ جب دونوں حاضر ہوئے اور پتھر کے اوپر لٹکتی زنجیر کو مدعی نے پکڑا تو وہ کامیاب ہوا۔ اب دوسرے کو کہا گیا کہ تم بھی اس زنجیر کو پکڑنے کی کوشش کرو اس نے وہ نیزہ دے کر مدعی کو دے دیا جس میں موتی تھے پھر دل میں یہ دعا کی کہ الٰہی تو جانتا ہے میں نے موتی مالک کے حوالے کر دیے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد زنجیر کی طرف ہاتھ بلند کیا تو اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ پھر اسی وقت وہ سونے کی زنجیر وہاں سے اٹھا لی گئی۔

اس معنی کی روایت کئی دیگر مفسرین عظام نے بھی بیان کی ہے۔ اس معنی کی ایک روایت اسحاق بن بشر نے ادریس بن سنان سے انہوں نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے۔

وھل اتاک نبؤا الخصم ...... وحسن مآب۔ ﴿سورہ ص﴾

ترجمہ: "اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر۔ پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں۔ زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر۔ آپ

ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ۔ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔"

متقدمین و متاخرین میں سے کئی آئمہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ واقعات بیان کیے ہیں جو سب کے سب اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان واقعات میں کئی سراسر جھوٹے ہیں جسے لکھنے سے میں نے جان بوجھ کر اعراض کیا ہے اور صرف قرآن کی آیات میں مذکور واقعہ پر اکتفا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

سورۂ "ص" میں واقع آیت سجدہ کے بارے آئمہ کرام میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ سجدہ شکر ہے اور بعض کے نزدیک دوسرے سجدوں کی طرح یہ سجدہ بھی واجب ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حضرت عوام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد سے سجدہ "ص" کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ تم یہاں سجدہ کیوں کرتے ہو تو انہوں نے فرمایا کیا تو یہ آیت پڑھتا نہیں۔

ومن ذریته داود وسلیمان۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان۔

اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده۔ ﴿سورۃ الانعام﴾

ترجمہ: یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ پر چلو

"پس حضرت داؤد علیہ السلام بھی ان حضرات میں سے ہیں جن کے راستے پر چلنے کا حضور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا۔ اس آیت پر حضرت داؤد علیہ نے سجدہ کیا اور (ان کی اقتداء میں) حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت پر سجدہ کیا۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان کا ارشاد ہے سورۂ "ص" کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے۔ لیکن میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہاں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سورۂ "ص" پر سجدہ کیا اور فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے یہاں سجدۂ توبہ کیا تھا اور ہم یہاں سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ (بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ اور اس روایت کرنے میں امام احمد اکیلے ہیں ہاں اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

ابوداؤد حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر سورۂ "ص" کی تلاوت کی۔ جب آیت سجدۂ پر پہنچے تو نیچے اترے اور سجدۂ کیا۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدۂ کیا۔ دوسرے دن بھی اس کی تلاوت فرمائی جب آیت سجدۂ پر پہنچے تو لوگ سجدۂ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سجدۂ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سجدۂ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔ آپ منبر سے اترے اور سجدۂ کیا۔ (اسے روایت کرنے میں ابوداؤد اکیلے ہیں اور اس کی اسناد صحیح بخاری کی شرط پر پوری اترتی ہے۔)

امام احمد سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ وہ سورۂ "ص" لکھ رہے ہیں جب آیت سجدۂ پر پہنچے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ قلم، دوات اور وہاں پر ہر چیز سجدے میں گری ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے یہ خواب حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا تو اس کے بعد آپ ﷺ جب بھی یہ آیت سجدۂ تلاوت کرتے تو سجدۂ کرتے۔ (اسے روایت کرنے میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اکیلے ہیں۔)

ترمذی اور ابن ماجہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب میں نے آیت سجدۂ تلاوت کی تو درخت نے میرے ساتھ سجدۂ کیا۔ میں نے سجدۂ میں گرے درخت سے یہ آواز بھی سنی۔ الٰہی اس کی برکت سے میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ لے۔ اور اسے اپنی جناب میں ذخیرہ بنا دے اور اس کے طفیل مجھ سے (گناہ کے) بوجھ کو دور کر دے۔ اور اسے میری طرف سے قبول فرما جس طرح اپنے بندے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے قبول فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوئے آیت سجدہ پڑھی اور پھر سجدہ کیا۔ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں درخت والی وہی دعا مانگ رہے تھے جو اس شخص نے بیان کی تھی۔

(ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ میں اس کی اس سند کے علاوہ اور کسی سند سے واقف نہیں ہوں۔)

بعض مفسرین عظام کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن تک برابر سجدے میں رہے۔ یہ قول مجاہد، حسن اور کئی دیگر مفسرین کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک موضوع حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس کی سند میں یزید رقاشی ہے جو ضعیف اور متروک الروایت ہے۔

۞ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے:

فغفرنا له ذالك۔ و ان له عندنا لزلفى و حسن مآب۔ ﴿سورۂ ص﴾

ترجمہ: "پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔"

یعنی ان کے لیے قیامت کے روز بڑا قرب ہوگا۔ لفظ "زلفی" کا معنی ہے قربت کا وہ مقام جو حضور باری سے کسی انسان کو عطا ہوتا ہے اور اس کی سبب بندہ حظیرہ قدس میں حضوری کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے "انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ نور کے منبروں پر تشریف فرما ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ (یہ مقام انہیں نصیب ہوگا) جو اپنے اہل خانہ میں انصاف کرتے ہیں۔ اپنے فیصلوں میں انصاف کرتے ہیں اور جس چیز پر انہیں امارت دی جاتی ہے اس میں انصاف کرتے ہیں۔

یوم قیامت سب سے زیادہ مبغوض شخص:

امام احمد اپنی مسند میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور مجلس خداوندی میں سب سے زیادہ قرب کا مستحق امام عادل ہوگا اور قیامت کے روز مبغوض ترین اور زیادہ عذاب کا مستحق ظالم ہوگا۔

(امام ترمذی نے فضیل بن مرزوق الاغر کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور اور فرماتے ہیں کہ اس سند کے علاوہ کسی اور سند کے بارے میں ہم نہیں جانتے۔)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور عبید اللہ بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں۔ جعفر بن سلیمان نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو "وان له عندنا لزلفى و حسن مآب" کے بارے میں سنا، فرما رہے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام پایۂ بخشش کے پاس کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے داؤد! آج اسی طرح خوبصورت اور مترنم آواز سے میری مدح و ستائش بیان کرو جیسے دنیا میں کیا کرتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام عرض کریں گے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو نے یہ وہ آواز مجھ سے واپس لے لی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ آج وہ آواز میں تجھے پھر لوٹاتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے تو اہل جنت کو تمام نعمتیں اس آواز کے مقابلے میں ہیچ محسوس ہوں گی۔

یداود انا جعلنك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب۔ ﴿سورۂ ص﴾

ترجمہ: "اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بھکا دے گی تمہیں راہ خدا سے۔ بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب فرما رہا ہے۔ مراد امور کی نگہداشت اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کرنا اور اس حق کی پیروی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔ اپنی آراء اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ غیر کی راہ مت چلنا اور میرے بغیر کسی اور کی منشاء کا لحاظ رکھ کر فیصلے مت دینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے دور میں عدل و انصاف کی ایک مثال تھے۔ کثرت عبادات اور طرح طرح کی ریاضتوں میں بہترین نمونہ شمار ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ دن رات میں کوئی ایسی گھڑی نہیں گزرتی تھی کہ جس میں آپ علیہ السلام کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت خداوندی میں مشغول نہ ہوتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اعملوا آل داؤد شكرا و قليل من عبادى الشكور۔ ﴿سورۂ سبا﴾

ترجمہ: "اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔"

ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوجلد سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں پڑھا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں کہ تیرا شکر بھی تو تیری نعمت کے بغیر نہیں کر سکتا۔ راوی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی: اے داؤد! کیا تو جانتا نہیں کہ تجھے جتنی نعمتیں میسر ہیں سبھی میری عطا کردہ ہیں؟ عرض کی۔ اے میرے رب کیوں نہیں فرمایا: میں تیری طرف سے اس پر شکر پر راضی ہوں۔

بیہقی، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جیسا کہ اس کی ذات کے کرم اور جلال عظمت کے لائق ہے؟ اللہ نے وحی فرمائی: "اے داؤد! تو نے کراماً کاتبین کو تھکا دیا۔" (اس حدیث کو اسی طرح ابوبکر بن ابی الدنیا نے علی بن الجعد سے اور انہوں نے امام سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔)

آل داؤد کی حکمت بھری باتیں:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کتاب "الزہد" میں فرماتے ہیں کہ مجھے سفیان ثوری نے خبر دی۔ انہوں نے کسی شخص سے روایت کیا۔ اس شخص نے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا فرمایا: آل داؤد کی حکمت بھری باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ عقلمند پر لازم ہے وہ چار گھڑیوں میں غفلت کا شکار نہ ہو۔ (۱) اس وقت جب اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو (۲) جب اپنی ذات کا محاسبہ کر رہا ہو۔ (۳) اس گھڑی جب وہ ایسے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہو جو اسے اس کے عیبوں سے آگاہ کرتے ہوں اور اس کے نفس کے بارے اسے سچی باتیں بتاتے ہوں۔ اور (۴) جب وہ خلوت میں ہو کہ وہاں نفس اور اس کے رب کے سوا کوئی نہ ہو۔ وہاں دیکھے کہ کیا حلال ہے اور کیا چیز زیبا ہے۔ یہ ایک گھڑی پہلی تینوں ساعتوں کی معاون ہے اور دلوں کے لیے تسکین ہے۔ اور عقل مند پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے وقت کو پہچانے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنے کام کی طرف متوجہ رہے۔ عاقل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تین میں سے کسی ایک صورت میں سفر کرے۔ آخرت کے توشے کے لیے۔ اپنے گزر اوقات کی فراہمی کے لیے اور غیر محرم میں لذت (نکاح) کے لیے۔

حافظ ابن عساکر نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سوانح حیات میں عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

"یتیم کے لیے رحیم باپ کی مانند بن جا اور جان لے کہ تو ایک کھیتی کی مانند ہے جو بوئی جاتی ہے اور پھر کاٹی جاتی ہے۔" سند غریب کے ساتھ یہ بھی مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام

نے فرمایا: اے گناہ کی فصل کاشت کرنے والے تو اس کھیت سے کانٹے اور خاردار جھاڑیاں ہی اٹھائے گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "احمق خطیب کی مثال اپنی قوم میں ایسی ہی ہے جیسے اس گانے والے کی مثال جو میت پر کھڑا گا رہا ہو" آپ ہی کا فرمان ہے غنی کے بعد فقر کتنا ہی قبیح ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ قبیح ہدایت کے بعد گمراہ ہو جانا ہے۔ فرمایا: "دیکھ اپنی قوم میں جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری طرف منسوب ہو اسے تنہائی میں ہرگز نہ کر۔" ایک اور فرمان ہے: "اپنے بھائی سے وہ وعدہ مت کر جسے تو پورا نہ کر سکے۔ یہ چیز تیرے اور اس کے درمیان عداوت کا سبب بن جائے گی۔"

کثرت ازدواج پر یہودیوں کا نبی کریم ﷺ پر حسد کرنا:

محمد بن سعید فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن عمر واقدی نے اطلاع دی۔ مجھ سے ہشام بن سعید نے بیان کیا۔ انہوں نے عمر مولیٰ عفرہ سے روایت کیا کہ جب یہودیوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو شادیاں کرتے دیکھا تو کہنے لگے: دیکھو یہ شخص نہ کھانے سے سیر ہوتا ہے اور نہ عورتوں سے اس کا جی بھرتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے عقد نکاح میں چونکہ بہت ساری عورتیں تھیں اس لیے یہودی حسد کرتے تھے اور تعدد ازدواج پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے اگر آپ نبی ہوتے تو عورتوں کی طرف راغب نہ ہوتے۔ حیی بن اخطب یہودی اس میدان میں سب سے آگے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی تکذیب فرمائی اور انہیں خبردار کیا کہ یہ عیب نہیں اپنے نبی پر میرا فضل و احسان ہے اور فرمایا

ام یحسدون الناس علی ما اتٰھم اللہ من فضلہ۔ (سورۃ النساء)

ترجمہ: "کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ نے اپنے فضل سے" یعنی اللہ نے اپنے نبی حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام کو ہزار بیویاں عطا فرمائی تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویوں میں سے سات سو مہر والی اور تین سو زنان مدخولہ تھیں۔ ان میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ بھی ہیں جو پہلے اوریا کی بیوی تھیں۔ جس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام نے آزمائش کے بعد شادی فرمائی تھی۔ یہ اعتراض تو حضور نبی کریم ﷺ سے زیادہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہم السلام پر وارد ہوتا ہے۔ "نعوذ باللہ من ذالک" کلبی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں۔ جن میں سے تین سو مدخولہ تھیں۔

عبادت انبیاء:

حافظ اپنی تاریخ میں صدقہ دمشقی کے حالات میں روایت کرتے ہیں۔ صدقہ دمشقی وہ شخص ہے جو مجر بن فضالہ حمصی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابو ہریرہ حمصی سے وہ صدقہ دمشقی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روزوں کے بارے پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جو بحث میں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کے بارے بتاؤں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ روزہ رکھنے والے۔ بہت زیادہ قیام کرنے والے اور بہت بہادر تھے جب دشمن سے مڈ بھیڑ ہوتی تو پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہترین روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام ستر آوازوں میں زبور پڑھتے تھے اور خوب الحانی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ ایسی نماز ادا کرتے کہ خود بھی روتے اور ہر چیز پر بھی گریہ طاری کر دیتے اور آپ کی آواز سن کر غم و اندوہ کے مارے لوٹ آتے اور اگر تم چاہو تو ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے روزے کے بارے بتاؤں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہر مہینے کے پہلے تین، درمیانی تین اور آخری تین دنوں میں روزہ رکھتے تھے مہینے کو شروع بھی روزوں سے کرتے، وسط میں بھی روزے رکھتے اور اس کا اختتام بھی روزوں پر کرتے اور اگر تمہاری منشا ہو تو حضرت مریم عذراء بتول کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روزوں سے متعلق تمہیں بتاؤں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر روزے سے رہے۔ جو کی روٹی تناول فرمائی۔ صوف کا لباس پہنا۔ جو ملتا کھا لیتے اور نہ ملتا تو کسی سے سوال نہ کرتے نہ کوئی بچہ تھا کہ مرتا (تو غمگین ہوتے) اور نہ گھر تھا کہ خراب ہوتا۔ جہاں رات آتی مصلی بچھا کر کھڑے ہو جاتے اور صبح تک نماز ادا کرتے۔ آپ تیر انداز تھے کبھی نشانہ خطا نہ گیا۔ جب بھی کسی شکار کا ارادہ کیا اسے حاصل کر لیا۔ آپ بنی اسرائیل کی مجالس سے گزرتے تو ان کی ضروریات کو پورا فرما دیتے۔

اور اگر تمہارا ارادہ ہو تو ان کی ماں مریم بنت عمران کے روزوں سے آگاہ کروں۔ آپ ایک دن روزہ رکھتیں اور دو دن افطار کرتیں۔

اور اگر تمہاری مرضی ہو تو نبی امی عربی حضرت محمد ﷺ کے روزوں کی بابت تجھے بتاؤں۔ آپ ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے یہ پوری زندگی کے روزے ہیں۔

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں جو احادیث گزر چکی ہیں ان میں یہ صراحت تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی تمام نسل کو ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی نسل میں انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ ان میں انہیں ایک ایسا شخص بھی نظر آیا جو کمال وجیہہ تھا۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اللہ تعالیٰ! اتنا حسین و رعنا یہ جوان کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی۔ پروردگار اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کی: مولیٰ کریم اس کی عمر میں اضافہ فرما۔ فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں صرف ایک صورت میں کہ تیری عمر کم کر کے اس کی عمر بڑھا دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال کا اضافہ فرما دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوئی اور فرشتہ اجل آیا تو انہوں نے فرمایا: میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اور جو عمر انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہبہ فرمائی تھی وہ بھول گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی ہزار سال پوری کر دی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بھی سو سال پوری کر دی۔ اسے حضرت امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے ابن خزیمہ۔ اور ابن حبان نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ ہم اس کے مختلف طرق کو پہلے ذکر کر چکے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرے میں تفصیل ملاحظہ کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال:

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے خیال کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ۷۷ سال تھی میرے نزدیک یہ بات غلط اور مردود ہے اہل کتاب کے بقول حضرت داؤد علیہ السلام نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس مدت کو قبول کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہمارے پاس اسے رد کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ رہا آپ علیہ السلام کا وصال تو امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام بہت غیرت مند انسان تھے، جب آپ کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لے جاتے تو گھر کا دروازہ بند کر جاتے اور آپ کی عدم موجودگی میں کوئی بھی آپ کے گھر نہ آتا جب تک کہ آپ واپس نہ آ جاتے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے، دروازہ بند ہو گیا، جب آپ کی ایک بیوی گھر کے کام کرنے لگی تو دیکھا کہ گھر کے صحن میں ایک شخص کھڑا ہے، مکان کے اندر جو لوگ تھے انہوں نے

انہیں بلایا اور فرمایا: گھر کے اندر کھڑا یہ شخص کون ہے؟ یہ شخص کہاں سے اندر آ گیا حالانکہ دروازہ تو بند ہے۔ خدا کی قسم! ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہوں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لائے، دیکھا کہ گھر کے درمیان میں ایک شخص کھڑا ہے، آپ نے پوچھا: تو کون ہے؟ وہ شخص بولا: میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے مرعوب نہیں ہوتا اور نہ پردے میری راہ روک سکتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تو بخدا پھر آپ فرشتہ اجل ہیں۔ اللہ کا حکم سر آنکھوں پر، پھر حضرت داؤد علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے، حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی، جب آپ کی تجہیز و تکفین ہو چکی اور لوگ اس کام سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کرو۔ پرندوں نے اپنے پروں سے سایہ کر دیا، یہاں تک کہ زمین تاریک ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا، اپنے پروں کو سکیڑ لو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دکھانے لگے کہ پرندوں نے کیسے کیا؟ حضور نبی کریم ﷺ کی روح مبارک بھی انہیں کے ہاتھوں قبض ہوئی اور اس دن عقابوں نے آپ پر سایہ کیا۔ (اس حدیث کو صرف امام احمد نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند بہتر ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

اور "غلبت علیه یومئذ المضرحیة" کے الفاظ کا مطلب ہے کہ مضرحیہ نامی پرندے سایہ کرنے کیلئے غالب آ گئے یعنی چھا گئے۔ "مضرحیہ" کا معنی ہے شکرے جن کے پر لمبے ہوتے ہیں۔ "مضرحیہ" کا واحد "مضرحی" ہے۔ جوہری کہتے ہیں اس سے مراد طویل پروں والا شکرا ہے۔

سدی ابو مالک سے، وہ ابن مالک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی رحلت اچانک ہوئی اور یہ دن ہفتہ کا تھا۔ پرندوں نے آپ پر سایہ کر دیا۔ سدی بھی ابی مالک اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال مبارک ہفتہ کے دن اچانک ہوا۔

اسحاق بن بشر، سعید بن ابی عروبہ سے، وہ قتادہ سے، وہ الحسن سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی جب رحلت ہوئی تو عمر مبارک سو سال تھی اور بدھ کے دن آپ کی وفات اچانک ہوئی۔ ابو سکن ہجری کے بقول حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رحلت اچانک ہوئی۔ (اسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔)

بعض علماء سے روایت ہے کہ ملک الموت جب حضرت داؤد علیہ السلام کی روح قبض کرنے آیا تو آپ اپنے حجرے سے نیچے اتر رہے تھے، آپ نے فرمایا: تھوڑی دیر کیلئے رک جاؤ تا کہ میں نیچے اتر

آؤں یا اوپر حجرے میں چلا جاؤں۔ فرشتے نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! سال مہینے آثار اور رزق یہ سب اپنے اختتام کو پہنچے۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سیڑھیوں پر سجدہ ریز ہو گئے اور سجدے کی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں: ہمیں واقد بن سلیمان نے بتایا: اس نے ابی سلیمان فلسطینی سے، انہوں نے حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے جنازہ میں شرکت کیلئے حاضر ہوئے۔ گرم ترین یہ دن سورج کی تپش میں گزار دیا۔ دوسرے لوگوں کے علاوہ آپ کے جنازہ میں چالیس ہزار راہبوں نے شرکت کی۔ جنہوں نے راہبانہ ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ (اور اسی وجہ سے پہچانے جا رہے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ماتم کیا گیا۔

<u>پرندوں کا جنازہ پر سایہ کرنا:</u>

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: گرمی نے لوگوں کو جب پریشان کر دیا تو وہ کہنے لگے: اے سلیمان! اس گرمی سے بچنے کا کوئی اہتمام کرو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باہر نکلے، پرندوں کو بلایا، پرندے حاضر ہوئے آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں پر اپنے پروں کا سایہ کرو، ہر طرف سے پرندوں نے پروں کو آپس میں ملا کر سایہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ہوا رک گئی۔ قریب تھا کہ لوگ اس گھٹن سے مر جاتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا: ہم پریشانی میں ہلاک ہو رہے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پھر باہر آئے، پرندوں کو آواز دی کہ سورج کی طرف سے لوگ سایہ میں تھے اور ہوا بھی چل رہی تھی۔ لوگ پہلی بار حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت (کی یہ وسعت) دیکھ رہے تھے۔

حافظ ابو یعلی، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ساتھیوں کے درمیان سے اٹھایا اور یہ لوگ نہ تو فتنہ میں مبتلا ہوئے اور نہ ہی ان میں تبدیلی آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دو سو سال تک ان کی تعلیمات اور سنت پر کاربند رہے۔ (یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ وضین بن عطاء حدیث روایت کرنے میں ضعیف ہے۔) واللہ اعلم

حضرت سلیمان علیہ السلام

شجرہ نسب:

سلیمان بن داؤد بن ایشیا بن عوید بن سلمون بن نحشون بن عمینا داب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن ابوالربیع نبی ابن نبی۔ ﴿ابن عساکر﴾

بعض آثار میں آیا ہے کہ آپ ہی دمشق میں داخل ہوئے۔ ابن ماکولا کہتے ہیں کہ فارص صاد مہملہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے بھی آپ کا نسب نامہ تقریباً وہی بیان کیا ہے، جو ابن عساکر نے بیان کیا ہے۔

نبوت وحکومت:

✿ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وورث سلیمان داؤد و قال یا ایها الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیء ان هذا لهو الفضل المبین۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور جانشین بنے حضرت سلیمان داؤد کے اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں، بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے"

یعنی نبوت اور ملک کا وارث بنا دیا۔ یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ دوسرے بیٹے بھی تھے۔ دنیاوی مال میں وہ بھی حصہ دار تھے۔ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہی وارث نہیں تھے اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے یہ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔"

پرندوں کی گفتگو سننا:

یا ایها الناس علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شیء۔

ترجمہ: "حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی گفتگو سن کر سمجھ جاتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کیا

کہہ رہے ہیں اور ان کی چہک کا مقصد اور ان کا ارادہ کیا ہے۔"

حافظ ابوبکر بیہقی نقل کرتے ہیں کہ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام ایک چڑے کے قریب سے گزرے جو چڑیا کے اردگرد گھوم رہا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ساتھیوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ ہی بتایئے، آپ علیہ السلام نے بتایا: چڑا مادہ کو اپنی مقصد برآری کی دعوت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو مجھ سے شادی کر لے، میں تجھے دمشق کے جس گھر میں تیرا جی چاہے گا دیکھوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: دمشق کے مکانات پتھروں کے بنے ہوئے ہیں کوئی ان میں رہ نہیں سکتا۔ ہر ایسا پیغام نکاح دینے والا جھوٹا ہے۔

ابن عساکر نے ابوالقاسم زاہر بن طاہر سے، انہوں نے امام بیہقی سے انہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام حیوانات علاوہ مختلف اقسام کی مخلوق کی بولیاں آپ سمجھتے تھے اور اس کی دلیل بعد کی یہ آیت ہے:

و اوتینا من کل شیء۔ ترجمہ: "ہر وہ چیز جس کی ایک بادشاہ کو ضرورت ہوتی ہے۔"

آلات جنگ، سپاہی، لشکر، جن وانس کی جماعت پرندوں کے جھنڈ، درندوں کی ٹولیاں، زمین پر سرگرداں شیاطین، تمام علوم وفنون، منطق وصامت مخلوق کے مافی الضمیر کا فہم یہ ساری نعمتیں میرے رب نے مجھے دے رکھی ہیں۔

ان هذا لهو الفضل المبین۔ ترجمہ: "یہ فضل ہر بات کے پروردگار اور خالق ارض وسماء کا۔"

جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

وحشر لسلیمان جنوده من ______ عباذك الصالحین۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور فراہم کیے گئے سلیمان کیلئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے، پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بلوں میں، کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو حضرت سلیمان علیہ السلام مسکراتے ہوئے ہنس دیئے۔ اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں، تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں۔"

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بارے بتا رہا ہے کہ ایک دن آپ علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر سمیت روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں جن وانس چرند و پرند ہر قسم کی مخلوق تھی۔ جن اور انسان آپ کے ساتھ چل رہے تھے اور پرندے اپنے پروں سے لشکر پر سایہ کیے ساتھ ساتھ اڑ رہے تھے۔ اول تا آخر پورا لشکر بڑے سکون سے پروں کی چھاؤں پر رواں دواں تھا۔ ہر فرد اپنی اپنی جگہ محو سفر تھا نہ کوئی لشکر سے آگے نکلنے کی جسارت کرتا اور نہ پیچھے رہنے کا خیال دل میں لاتا۔

حتی اذا اتوا علی و اد النمل قالت نملة یا ایها النمل ادخلوا مسا کنکم لا یحطمنکم سلیمان و جنوده و هم لا یشعرون۔

ترجمہ: ''یہاں تک کہ وہ ایک ایسی وادی میں پہنچے جہاں چیونٹیاں رہائش پذیر تھیں، ایک چیونٹی بولی: اے چیونٹیو! اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے دھیانی میں روند نہ ڈالے۔''

حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر طائف کی ایک وادی سے ہوا۔ آپ ایک تخت پر تھے، جسے ہوا اڑا لے جا رہی تھی، جس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو خبردار کیا، اس کا نام ''جرسا'' تھا اور وہ بنو الشعبان قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے بقول یہ چیونٹی قد روقامت میں بھیڑیے جتنی تھی اور لنگڑی تھی۔ وہب کا قول محل نظر ہے۔

سیاق کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے گھڑ سواروں اور لشکریوں میں ایک گھوڑے پر سوار سفر کر رہے تھے۔ نہ کہ وہ اڑن تخت پر اڑتے جا رہے تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کیونکہ صورتحال اگر یہ ہوتی تو چیونٹیوں کے کچلے جانے کی تمام چیزیں ہوتی تھیں، مثلاً جانور، گھوڑے، اونٹ، سامان خورد و نوش، خیمے، چوپائے، پرندے اور دوسری تمام چیزیں۔ ان شاء اللہ تفصیلاً تذکرہ اپنی جگہ ہوگا۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی گفتگو سمجھ گئے کہ وہ اپنی قوم کو بچنے کی تلقین کر رہی ہے۔ آپ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خصوصی نعمت سے نوازا تھا جس سے باقی تمام لوگ محروم تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے تمام جانور انسانوں سے گفتگو کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے عہد لیا اور انہیں ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا۔ اسی عہد کی وجہ سے اب وہ لوگوں سے گفتگو نہیں کرتے۔ یہ قصہ محض جہالت کی پیداوار ہے، اگر اسے سچ مان لیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے کوئی خصوصیت نہیں رہتی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ

دوسرے لوگوں سے جانوروں کے گفتگو نہ کرنے میں کوئی مصلحت بھی نظر نہیں آتی۔ مولیٰ کریم مجھے شکر کی توفیق عطا فرما۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو سمجھ کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔

''رب اوزعنی'' ترجمہ: اے میرے رب! میری رہنمائی فرما۔ اور مجھے وحی کے نور سے نواز۔

ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضاه و ادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: اے اللہ! مجھے ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق دے، جن سے تو نے مجھے نوازا ہے، مجھے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں خصوصیت عطا کرتے ہوئے مملکت و نبوت اور جانوروں کی بولیوں کی فہم سے نوازا ہے۔ مجھے عمل صالح کی توفیق دے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔

والدین سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نہایت ہی عابدہ اور صالحہ خاتون تھیں۔ جیسا کہ سنید بن داؤد، یوسف بن محمد بن المنکدر سے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کر، کیونکہ رات کو زیادہ سونا قیامت کے دن محتاج بنا دیتا ہے۔''

چیونٹی کا بارش کیلئے دعا کرنا:

ابن ماجہ نے اپنے چاروں مشائخ سے انہی الفاظ کے ساتھ اسی سند کے ذریعے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق، معمر سے، اور وہ زہری سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور آپ کے ساتھی دعائے استسقاء کیلئے نکلے۔ دیکھا تو ایک چیونٹی اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر بارش کی دعا مانگ رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''واپس چلو، تمہاری بارش کی دعا قبول ہو گئی۔ اس چیونٹی نے بارش کی دعا مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرما لیا ہے۔''

ابن عساکر کہتے ہیں یہ حدیث مرفوعاً بھی مذکور ہے مگر اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نہیں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''انبیاء کرام میں سے ایک نبی لوگوں کی معیت میں اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگنے کی غرض سے نکلا تو اچانک دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنی ٹانگ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نبی نے فرمایا: واپس چلو اس چیونٹی کے طفیل تمہاری بارش کی دعا سنی جا چکی ہے۔''

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عہد سلیمانی میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے، آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر نکلیں (کہ بارش کیلئے دعا کریں) تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی اپنی ٹانگ پھیلائے کھڑی ہے اور دعا کررہی ہے "اے اللہ! میں تیری مخلوق کا ایک فرد ہوں تیرے فضل کے بغیر ہم کچھ نہیں کرسکتے۔" حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش سے نوازا۔"

قصہ بلقیس:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد .... وھم صٰغرون۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا، تو فرمانے لگے: کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج ہدہد نظر نہیں آرہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کرڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی، میرے پاس کوئی روشن سند، پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آگیا) اور کہنے لگا۔ میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں، جس کی آپ کو خبر نہ تھی، وہ (یہ کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کردیے ہیں ان کیلئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ آپ نے فرمایا: ہم پوری تحقیق کریں گے، اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے، تم لوگ غرور وتکبر نہ کرو، میرے مقابلے میں چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر۔ ملکہ نے کہا: اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو، اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو، وہ کہنے لگے: ہم بڑے طاقتور سخت جنگجو ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں

ہے آپ غور کریں کہ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے کہا: اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کردیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لیے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں) اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سماتے تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آرہے ہیں ان کی طرف ایسے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کرکے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔"

ان آیات طیبات میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے واقعہ کو بیان کیا جارہا ہے، کیونکہ آپ کے پاس ہر قسم کے پرندے تھے۔ ایسے پرندے بھی تھے جن کی ڈیوٹی ہی یہ ہوتی کہ آپ جس چیز کو طلب کرتے وہ حاضر کردیتے اور جس طرح بادشاہوں کے دربار میں لشکری وقفے وقفے سے حاضر ہوتے رہتے ہیں، یہ پرندے بھی اپنی اپنی باری پر خدمت میں حاضر رہتے۔ ہدہد کی یہ ڈیوٹی تھی کہ جب صحراء میں سفر کرتے ہوئے پانی نہ مل سکتا تو یہ پانی کو تلاش کرتا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر مفسرین کی روایت سے ثابت ہے۔

ہدہد کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت بخشی ہے کہ وہ پانی کو زمین کی تہہ سے بھی دیکھ لیتا ہے، جہاں ہدہد پانی کی نشاندہی کرتا اس جگہ پر کنواں کھود کر پانی حاصل کرلیا جاتا، اور صحراء میں لوگ اس سے اپنی پیاس بجھاتے اور دوسری ضروریات بھی استعمال کرتے۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو طلب فرمایا تو وہ اپنی خدمت کی جگہ سے غائب پایا گیا۔

فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغآئبین۔

ترجمہ: "کیا وجہ ہے کہ آج وہ غائب ہے اپنی خدمت کی جگہ موجود نہیں، یا مجھے نظر نہیں آرہا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دھمکی دی کہ اگر وہ غائب ہوا تو اسے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مفسرین عظام کا سزا کی نوعیت کے بارے اختلاف ہے، بہرحال نوعیت کوئی بھی ہو مقصود سزا تھی۔

اولا ذبحنہ اولیاتینی بسلطان مبین۔

یا میں اسے ذبح کردوں گا یا پھر اسے اپنے غائب ہونے کی کوئی مناسب دلیل لانا پڑے گی جو اسے ہلاکت سے بچالے۔

فمكث غير بعيد ترجمہ: "ہدہد کچھ دیر کیلئے غائب رہا، پھر حاضر خدمت ہوا۔"

اور عرض کیا:

احطت بما لم تحط به ترجمہ: "میں ایسی خبر لیکر آیا ہوں جس سے آپ واقف نہیں تھے۔"

و جئتك من سباء بنباء يقين ترجمہ: "میں سبا کے متعلق ایک سچی خبر لیکر آیا ہوں۔"

بلکہ سبا کا تعارف:

اور وہ یہ خبر ہے کہ سبا میں ایک عورت ہے جو بادشاہی کر رہی ہے۔ اسے دنیا کی ہر نعمت میسر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک عظیم تخت کی مالک ہے۔ ہدہد نے یمن کے علاقوں میں ملکہ اس کے وزراء اور اعیان حکومت کے بارے تمام تفصیلات بتائیں۔ یہ بھی بتایا کہ بادشاہ کی چونکہ نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کی بیٹی کو وہاں کی عوام نے اپنا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ اور وہ باپ کے تاج کی وارث قرار پائی ہے۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ دیگر آئمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ سباء کے بادشاہ کی وفات کے بعد ایک مرد کی رسم تاج پوشی ہوئی لیکن فساد پھوٹ پڑا۔ بادشاہ کی بیٹی نے اس شخص کو پیغام نکاح بھیجا، اس نے قبول کر کے اس سے شادی کر لی، جب وہ رات کو اس کے حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو اس نے اسے شراب پلائی اور جب وہ نشے میں دھت ہوا تو اس عورت نے اس کا سر قلم کر کے دروازے پر لٹکا دیا۔ لوگوں نے بادشاہ کی اس بیٹی پر اتفاق کر لیا اور اسے تاج پہنا کر بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ عورت بلقیس بنت سیرح تھی۔ سیرح کا اصل نام ہدہاد تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام سراحیل بن ذی جدن بن السیرح بن الحارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ بلقیس کا باپ بڑا بادشاہ تھا۔ اس نے یمن کی کسی عورت سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک عورت سے شادی کی جس کا تعلق جنات کی نسل سے تھا اور اس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا۔ اسی کے بطن سے بلقیس نے جنم لیا۔ اس بچی کا نام تلقمہ تھا اور اسے بلقیس کہتے تھے۔

ثعلبی نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بلقیس کے والدین میں سے ایک جن تھا۔" (یہ حدیث غریب ہے اور اسکی سند میں ضعف ہے۔)

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں بلقیس کا تذکرہ کیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے عورت کو

حکمران بنا دیا۔" ترمذی اور نسائی نے حمید کے حوالے سے روایت کیا۔ حمید نے حسن سے، انہوں نے ابو بکرہ سے، انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی کے بقول یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "واوتيت من كل شيء" یعنی جو ایک عورت اور ایک بادشاہ کی شان کے لائق ہے وہ سب نعمتیں بلقیس کو حاصل ہیں۔ "ولها عرش عظيم" یعنی مملکت کا تخت جو انواع و اقسام کے لعل و جواہر سے مرصع ہے اور بڑے قیمتی اور نایاب زیورات سے سجا ہے۔ پھر ہدہد نے بتایا کہ وہ لوگ کافر ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر رکھا ہے۔ اس لعین کے کہنے سے انہوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کی عبادت شروع کر رکھی ہے۔ اللہ جو زمین و آسمان کا مالک ہے، ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے محسوسات اور معنویات اس کے احاطہ ادراک میں ہیں وہ اسے چھوڑ کر سورج کو اپنا دیوتا یقین کرتے ہیں۔

"الله لا اله الا هو رب العرش العظيم"

ترجمہ: "اللہ جو معبود حقیقی ہے اس کا تخت مخلوقات کے تختوں سے کہیں بڑا ہے۔"

مکتوب بنام بلقیس:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ ہدہد کی باتوں کو سن کر ملکہ بلقیس کے نام ایک خط ارسال فرمایا جس میں اسے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی تبلیغ کی اور لکھا کہ میرے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے اور فرمانبردار بن کر حاضر ہو جا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں آپ نے لکھا "الا تعلوا علي" یعنی میری اطاعت و فرمانبرداری سے سرکشی نہ برتو "واتوني مسلمين" بلا چون و چراں ہاتھ باندھے فرمانبرداروں کی طرح میری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا۔ آج اسی واقعہ سامنے رکھ کر لوگوں نے بھی خطوط ارسال کرنے کا یہ طریقہ ایجاد کر لیا لیکن کہاں زمین اور کہاں آسمان۔ ایسا تفاوت کیا تا کجا

مفسرین عظام کرتے ہیں کہ ہدہد نے خط لیا اور بلقیس کے پاس پہنچ گیا۔ بلقیس اپنے محل میں اکیلی بیٹھی تھی۔ ہدہد نے خط پھینک دیا۔ بلقیس نے اٹھایا، پڑھا اور اس کے مندرجات پر خوب غور و خوض کیا، لیکن کسی فیصلے پر نہ پہنچی۔ فوراً دربار منعقد کیا۔ اعیان مملکت حاضر ہوئے۔ مسئلہ ان کے سامنے رکھا گیا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں بلقیس مخاطب ہوئی: "قالت يا ايها الملا اني القي الي كتاب كريم" پھر یہ خط انہیں پڑھ کر سنایا۔ خط کا عنوان تھا: "انه من سليمان" کہ یہ خط

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے۔ سرنامہ کے بعد لکھا تھا: "وانه بسم الله الرحمن الرحيم، الا تعلوا علي و اتوني مسلمين" (اور یہ خط کی عبادت ہے) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن اور رحیم ہے تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار بن کر چلے آؤ۔

بلقیس نے خط سنانے کے بعد اپنے اعیان مملکت سے مشورہ کیا کہ ہمیں ان نئے نازک حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ ان لوگوں نے اپنی ملکہ کا کمال احترام کیا بڑے ادب سے گزارش کی کہ ہم آپ کے غلام ہیں جو آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ بلقیس نے کہا: "يا ايها الملأ افتوني في امري ما كنت قاطعة امرا حتى تشهدون۔" میں تمہاری عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ اس لیے اے میرے وفا شعار زعماء مملکت اس مسئلے میں مجھے مشورہ دو۔ "قالوا نحن اولو قوة و اولو باس شديد۔" یعنی ہم بڑی طاقتور قوم ہیں اور دشمن کو جواب دینے کی ہم میں سکت اور حوصلہ موجود ہے۔ اگر تیرا حکم ہو تو ہم جنگ کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن "الامر اليك فانظري ماذا تامرين" فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کریں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ان لوگوں نے بلقیس کو یقین دہانی کرا دی کہ اس نازک صورتحال میں آپ کا ہر ایک حکم سنا جائے گا اور اس کی اطاعت ہوگی اور ساتھ ساتھ اسے آگاہ بھی کر دیا کہ ہم میں لڑنے اور مقابلے کرنے کی استطاعت ہے تمام امور اسی کو تفویض کر دیئے کہ جو تو مناسب خیال کرے فیصلہ صادر کرے۔ بلقیس کی رائے ان تمام لوگوں کی نسبت زیادہ مکمل اور صائب تھی وہ جانتی تھی کہ خط لکھنے والا کوئی عام شخص نہیں۔ وہ نہ تو مغلوب ہو سکتا ہے، نہ اس کے قدم روکے جا سکتے ہیں نہ اسے دھوکا دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔

"قالت ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها و جعلوا اعزة اهلها اذلة و كذالك يفعلون" بلقیس نے اپنی حتمی رائے سے انہیں آگاہ کر دیا۔ کہنے لگی کہ یاد رکھو اگر وہ بادشاہ ہماری اس مملکت کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سارا بوجھ اور ساری شدت صرف اور صرف مجھے اٹھانا ہوگی۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ "اني مرسلة اليهم بهدية فناظرة بم يرجع المرسلون" میں کچھ تحفے بھیج رہی ہوں۔ دیکھیں قاصد کیا پیغام لاتا ہے۔ اس کی معلومات میں آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ دراصل وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرکھنا چاہتی تھی کہ وہ کس قسم کا بادشاہ ہے۔ اس نے تحائف دے کر ایک قاصد روانہ کیا وہ جانتی تھی کہ نبی سلیمان تحفے قبول نہیں کرتا، کیونکہ وہ کافر ہیں اور یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ ان کے لشکروں میں لڑنے کی طاقت کس حد تک ہے۔ بہر حال

ولما جاء سليمان قال اتمدونن بمال فما آتاني الله خير مما آتاكم بل انتم بهديتكم تفرحون۔

یہ تحفے بڑی بڑی چیزوں پر مشتمل تھے۔ مفسرین عظام نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے قاصد سے فرمایا جبکہ اس گفتگو کو لوگ سن رہے تھے:

"ارجع اليهم فلنا تينهم بجنود لا قبل لهم بها و لنخرجنهم منها اذلة و هم صاغرون" تو اپنے یہ تحفے لے کر و ہیں چلا جا جہاں سے یہ لے کر آیا ہے میرے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ وہ نعمتیں ہیں، وہ دولت ہے وہ تحفے ہیں اور ایسے خدمت گزار ہیں کہ تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے، جن تحفوں پر تم اتنے نازاں و فرحاں ہو۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ "فلنا تينهم بجنود لا قبل لهم بها" ترجمہ: میں ایسے لشکر روانہ کروں گا جس کے مقابلے کی تم میں سکت نہیں ہوگی، نہ تم اس لشکر کا راستہ روک سکو گے نہ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکو گے نہ ان کے ساتھ قتال کرنے کی تم میں سکت ہوگی۔ وہ لشکر تمہیں در بدر کر کے رکھ دے گا۔ تمہیں اپنے شہروں کو چھوڑنے پر مجبور کر دے گا اور اپنی جنم بھومی میں بھی ٹھہر نہیں سکو گے۔ وہ لشکر تمہیں ذلیل و خوار کر دے گا۔ تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔ "و هم صاغرون" ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ٹھہرے گی اور تم سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے جب انہیں یہ پیغام پہنچا تو ان کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسی وقت آپ کی بات کو قبول کر لیا، تمام اپنی ملکہ کی معیت میں ہاتھ باندھے سر جھکائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کیلئے چل دیے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ ملکہ سبا اپنے خاصان مملکت کی معیت میں حاضری دینے آ رہی ہے تو آپ جنوں سے مخاطب ہوئے جو آپ کیلئے مسخر کر دیے گئے تھے۔ قرآن پاک نے اس واقعہ کو تفصیلاً سے بیان کیا ہے۔

قال يا يها الملؤا ايكم ياتيني بعرشها ...... مع سليمن لله رب العلمين۔ ﴿سورۃ النمل﴾

ترجمہ: "آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا، میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کیا: ایک عفریت نے جنات میں (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں، آپ کے پاس اسے پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بے شک میں اس کو اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض

کیا: اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے، پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل (وکرم) ہے تا کہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کیلئے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشک میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی۔ آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کیلئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی: یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا بے شک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا: (یہ پانی نہیں) یہ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگے: اے میرے پروردگار! میں آج تک ظلم ڈھاتی رہی، اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے مطالبہ کیا کہ وہ بلقیس کا معروف تخت لے آئیں جس پر وہ بیٹھ کر فیصلے سناتی ہے تو

"قال عفریت من الجن انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك"
یعنی مجلس حکم کے برخاست ہونے سے قبل لے آؤں گا۔

کہتے ہیں کہ آپ صبح سویرے عدالت منعقد کرتے اور زوال تک برابر بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹنے والے جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے رہتے۔

جن نے زوال سے قبل تخت بلقیس کے لانے کے بارے میں عرض کیا تھا۔ "و انی لقوی امین" یعنی میں اس تخت کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہوں، بلا کم و بیشی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔

"قال عندہ علم من الکتاب" مشہور یہ ہے کہ یہ عالم آصف بن برخیا تھے، جو رشتہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ایماندار جنوں میں سے تھے۔

✿ اور مشہور ہے کہ انہیں اسم اعظم یاد تھا۔

ایک قول کے مطابق وہ بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے لیکن یہ قول بہت غریب ہے۔

امام سہیلی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ سیاق کلام اس کی تردید کرتا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک تخت لانے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔

"انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك" ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ تخت لانے میں اتنی دیر لگے گی جتنی دیر کہ آپ منتہائے نظر تک ایک قاصد کو بھیجیں اور وہ واپس آ جائے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پلک جھپکنے کی دیر ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہو ہے کہ بلقیس کا تخت لانے میں اتنی دیر ہوگی جتنی دیر آپ اپنی آنکھ کو کھلا رکھ سکتے ہیں اور یہ قول زیادہ صحیح محسوس ہوتا ہے۔

"فلما راٰہ مستقرا عندہ" یعنی اس مختصر مدت میں بلقیس کے تخت کو یمن سے بیت المقدس میں اپنے سامنے دیکھ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: "ھذا من فضل ربی لیبلونی ء اشکرام اکفر" یعنی یہ میرے رب کا فضل ہے اور اس کا فضل اپنے بندے پر ایک آزمائش ہے کہ کیا وہ شکر بجا لاتا ہے یا کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے "و من شکر فانما یشکر لنفسہ" یعنی شکر کا فائدہ تو شکر کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ "و من کفر فان ربی غنی کریم" یعنی میرا رب شکر کرنے والوں کے شکر سے بے نیاز ہے اور اسے کفر کرنے والوں کا کفر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بس حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت میں جڑے زیورات میں کچھ تبدیلی کی جائے اور اسے بلقیس کیلئے ایک غیر معروف تخت بنا دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اس کی فہم و فراست اور عقل و دانش کا اندازہ لگایا جائے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا:

"ننظر اتھتدی ام تکون من الذین لا یھتدون۔ فلما جاءت قیل اھکذا عرشك قالت کانه ھو۔"

یہ بلقیس کی فطانت اور کمال عقل مندی کا ثبوت تھا، کیونکہ اس کے نزدیک یہ وہ تخت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو اسے پیچھے سرزمین یمن میں چھوڑ آئی تھی۔ اور یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی یہ کارنامہ بھی سرانجام دے سکتا ہے کہ اتنی مسافت سے اتنا بڑا تخت تھوڑی سی دیر میں

ارض بیت المقدس میں حاضر کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا:

و اوتینا العلم من قبلها و کنا مسلمین و صدها ما کانت تعبد من دون اللہ انها کانت من قوم کافرین۔

ترجمہ: ”حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو سورج کی عبادت سے روکا۔ بلقیس اور اسکے ہم قوم سورج کی عبادت کسی دلیل کی بنا پر نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے اس باطل دین کو اختیار کر رکھا تھا۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی آمد سے پہلے یہ حکم دے رکھا تھا کہ شیشے کا ایک محل تعمیر کیا جائے اور اس کا فرش اس انداز سے بنایا جائے کہ نیچے پانی چلتا نظر آئے۔ محل کا چھت بھی شیشے کا ہو اور فرش کے نیچے پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور چھوڑ دیے جائیں، جب یہ محل تعمیر ہو چکا تو بلقیس بھی آ پہنچی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس محل میں تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور حکم دیا کہ ملکہ اور اس کے اعیان مملکت کو پیش کیا جائے۔

فلما رأته حسبته لجة و کشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین۔

جب بلقیس نے اس بلوریں فرش کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے۔ اس لیے دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ پانی چمکدار محل ہے اور اس کا فرش بلور کا بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے تجھے پانی نظر آ رہا ہے۔ بلقیس کی آنکھیں کھل گئیں، بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: رب العالمین! میں آج تک اپنے آپ پر ظلم ڈھاتی رہی ہوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معبود اللہ رب پر ایمان لاتی ہوں۔

ایک قول کے مطابق یہ کارستانی جنوں کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو بدشکل گمان کریں۔ اسکی ٹانگوں پر بال تھے، اس لیے انہوں نے پانی جیسی کیفیت پیدا کر کے اس کو کپڑا اٹھا کر پنڈلیاں ننگی کرنے پر مجبور کر دیا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ بلقیس چونکہ ایک جننی کی نسل سے تھی، اس لیے اس کے پاؤں گھوڑے جیسے تھے۔ پہلا قول محل نظر ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو انسانوں سے پوچھا کہ بال صاف

کرنے کیلئے کیا استعمال کیا جائے؟ انسانوں نے استرے کی تجویز پیش کی، لیکن بلقیس نے اس کے استعمال سے انکار کر دیا۔ آپ نے جنوں سے پوچھا تو انہوں نے بال صاف کرنے والے پوڈر کا مشورہ دیا اور آپ کیلئے حمام تعمیر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنہوں نے حمام میں قدم رکھا، جب انہوں نے اس کی سختی کو محسوس کیا تو تکلیف کی وجہ سے ہائے ہائے کرنے لگے، اور فرمایا ہائے اس سے پہلے کہ ہائے نفع نہیں دے گی۔

ثعلبی وغیرہ بیان کرتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی کی اور انہیں یمن کی بادشاہت سے معزول نہ کیا وہ حسب سابق یمن کی ملکہ رہیں، آپ نے انہیں واپس یمن بھیج دیا اور خود بیت المقدس میں رہے۔ ہر مہینے تشریف لے جاتے اور تین دن وہاں قیام کرتے۔ آپ نے یمن میں بلقیس کیلئے تین محل بھی تعمیر کروائے، جو غمدان، سالحین اور بیتون کے نام سے مشہور تھے۔ واللہ اعلم

ابن اسحاق بعض اہل علم سے وہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے خود عقد نکاح نہیں فرمایا بلکہ یمن کے بادشاہ سے اس کا نکاح کر دیا اور یمن کے بادشاہ زوبعہ کو مسخر کرنے کے بعد یمن میں بلقیس کیلئے تین محل تعمیر کروائے جن کا ذکر ابھی آپ پڑھ رہے تھے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و وھبنا لداود سلیمان نعم العبد انه اواب۔ ...... و حسن ماٰب۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بہت رجوع کرنے والا، جب پیش کیے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کیلئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔ (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔ اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کیا اے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے، پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیے گئے تھے زنجیروں میں (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ

تم سے باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک بیٹے سلیمان علیہ السلام سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان آیات طیبات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف فرما رہا ہے۔ فرمایا: "نعم العبد انه اواب" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا اور اطاعت میں کمربستہ۔ اللہ تعالیٰ اس کے بعد گھوڑوں کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ "الصافنات" سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو صرف تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور چوتھی ٹانگ کا صرف کھر ٹکتے ہیں۔ "الجیاد" سے مراد تیار شدہ تیز رفتار "فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب" اس سے مراد سورج ہے سورج حجاب کے پیچھے چھپ گیا یعنی غروب ہو گیا۔

بعض کے نزدیک "توارت" کا فاعل گھوڑے ہیں۔ یعنی گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور کسی آڑ میں چلے گئے۔ جیسا کہ عنقریب ہم ان دونوں اقوال کو ذکر کریں گے۔ "ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق" کہتے ہیں کہ آپ نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹ دیا بعض کے نزدیک ان کے پسینے کو صاف کیا کیونکہ وہ چل کر آئے تھے اور ایک قول کے مطابق آپ کے سامنے جب گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہوا اور گھوڑے پسینے سے شرابور واپس پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان کی گردن اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا۔

اکثر مفسرین نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے حتیٰ کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی اور سورج غروب ہو گیا۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں سے روایت کیا گیا ہے۔ جو بات اس سلسلہ میں قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے بلا عذر ایک نماز بھی ترک نہیں فرمائی، ہاں اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ آپ کی شریعت میں یہ امر جائز تھا کہ جہاد یا کسی اور مقصد کیلئے نماز کو موخر کر دیا جائے۔ آپ نے اسباب جہاد کی خاطر نماز موخر کی ترک نہیں فرمائی۔ جب علماء کرام نے دعویٰ کیا ہے کہ شریعت محمدی میں لڑائی کے دوران نماز موخر کرنا جائز تھا۔ صلاۃ الخوف کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہوا۔ اسی لیے خندق کی لڑائی کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز کو موخر فرمایا تھا۔ یہ قول حضرت امام شافعی وغیرہ کا ہے۔

مکحول اور امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ تاخیر کا یہ حکم آج تک موجود ہے۔ شدید جنگ کے وقت نماز کو موخر کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں صلاۃ الخوف کے ضمن میں ہم نے اس چیز کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خندق کی جنگ کے دن حضور نبی کریم ﷺ بھول گئے جس کی

وجہ سے نماز موخر ہو گئی۔ اس آخری قول کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یاد نہ رہا، وہ مشغول رہے اور نماز جاتی رہی۔ واللہ اعلم۔

جو شخص "حتی توارت بالحجاب" میں عائد ضمیر کا مرجع گھوڑوں کو قرار دیتا ہے، اس کے نزدیک تو نہ نماز کا وقت ختم ہوا اور نہ نماز قضا ہوئی۔ "ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق" سے مراد گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹنا مراد نہیں بلکہ پسینہ صاف کرنا مراد ہے۔ یہ قول علامہ ابن جریر کا ہے، کیونکہ علامہ ابن جریر اس بات کو مستبعد سمجھتے ہیں کہ اللہ کا نبی بلاوجہ حیوانوں کو قتل کرے اور قیمتی مال بغیر گناہ کے ضائع کر دے۔ لیکن علامہ ابن جریر کی یہ توجیہ محل نظر ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذہب میں یہ جائز ہو اور شریعت محمدی میں بعض علماء کے نزدیک بھی یہ حکم موجود ہے کہ جب مسلمانوں کو اندیشہ ہو کہ بھیڑ بکری وغیرہ حیوان دشمن کے ہاتھ جائیں گے تو انہیں ذبح کر دینا جائز ہے تاکہ دشمن کی تقویت کا باعث نہ بنیں، اسی لیے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔

بعض مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم گھوڑا تھا۔ ایک قول کے مطابق دس ہزار گھوڑوں کی کونچیں کاٹی گئیں۔ تیسرے قول کے مطابق ان میں سے بیس گھوڑے پروں والے تھے۔

ابوداؤد اپنی سنن میں بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے طاقچے پر کپڑا پڑا تھا، ہوا چلنے سے وہ پردہ ہٹ گیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں وہ نظر آنے لگیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میری گڑیاں ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ درمیان میں ایک گھوڑا ہے جس کے پر کپڑے سے بنائے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: گڑیوں کے درمیان کیا ہے؟ عرض کیا: گھوڑا۔ آپ نے پوچھا: پروں والا گھوڑا؟! عرض کیا: کیا آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک گھوڑا تھا جس کے پر تھے؟ آپ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ ہنس دیے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا نعم البدل عطا فرمایا۔ ایسی ہوا آپ کیلئے مسخر ہو گئی جو تھوڑی دیر میں آپ کو ایک مہینے کی مسافت پر لے جاتی اور پھر واپس لے آتی۔ عنقریب اس بارے تفصیلی گفتگو ہو گی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوالدھماء سے روایت کرتے ہیں کہ ابوقتادہ اور ابوالدھماء اکثر بیت المقدس کی

طرف سفر کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک خانہ بدوش سے ملے اس نے ہمیں بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم سکھانے لگے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: جب تو کوئی ایسی چیز ترک کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے بچنے کا حکم دیا ہے تو وہ تجھے ضرور اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و لقد فتنا سلیمان و القینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب

ترجمہ: ''اور ہم نے فتنہ میں ڈالا (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کو اور ان کے تخت پر ایک بے جان جسم کو ڈال دیا، پھر (وہ) ہماری طرف متوجہ ہوئے۔''

علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور دیگر کئی مفسرین نے یہاں سلف صالحین کی ایک جماعت کے حوالے سے کئی آثار بیان کیے ہیں۔ ان تمام آثار کا یا اکثر کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے۔ ان میں سے اکثر منکر ہیں۔ ہم نے اپنی تفسیر میں ان اقوال پر تنبیہ کی ہے۔ یہاں ہم صرف آیات کی تلاوت پر اکتفا کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک اپنے تخت عدالت سے غائب رہے، چالیس دن گزرنے کے بعد واپس آئے۔ اسی دوران بیت المقدس کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس کی تعمیر نو کی سعادت حاصل ہوئی۔ تعمیر اول حضرت اسرائیل (حضرت یعقوب) علیہ السلام کے ہاتھوں سرانجام پائی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! سب سے پہلے کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے پوچھا: پھر کونسی مسجد؟ آپ ﷺ نے بتایا۔ مسجد بیت المقدس۔ میں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسجد حرام کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ حائل ہے۔ چالیس سال کو تو رہنے دیجئے۔ ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا سوال اس شخص کے بارے تھا جس نے آخر میں مسجد کی تکمیل کی اور ان کے بعد کسی اور نے تکمیل نہیں کی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین دعائیں

عبداللہ بن فیروز، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کی تو اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دو دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور ہم امید کرتے ہیں کہ تیسری دعا ہمارے لیے ہے۔

انہوں نے ایک دعا یہ کی: میرا فیصلہ تیرے فیصلے کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی۔ دوسری دعا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے ملک کی التجا کی، جو ان کے بعد کسی اور کے نصیب میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی سن لی۔ اور انہوں نے تیسری دعا یہ کی کہ محض عبادت کی غرض سے جو شخص اس مسجد میں آئے تو اس حال میں نکلے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں اور وہ اس طرح پاک صاف ہو چکا ہو جیسا کہ وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر دی ہے۔

پس وہ حکم جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تھا۔

﴿احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دیلمی﴾

و داؤد و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم و کنا لحکمہم شاہدین ففہمنا ہا سلیمان و کلا آتینا حکما و علما۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو داؤد اور سلیمان (علیہم السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے۔ ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو، اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔''

قاضی شریح اور کئی اسلاف ذکر کرتے ہیں کہ ایک شخص کا انگوروں کا کھیت تھا۔ جس میں دوسری قوم کی بکریاں چھوٹ گئیں اور اسے چٹ کر گئیں۔ ان بکریوں نے درختوں کو بے برگ و بار کر دیا اور کچھ باقی نہ بچا۔ دونوں فریق حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دعویٰ دائر ہوا۔ فریقین کی گفتگو سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ ریوڑ کا مالک اس نقصان کی قیمت ادا کرے، جب فریقین عدالت سے باہر آئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نبی نے کیا فیصلہ فرمایا ہے، تو انہوں نے صورتحال بیان کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ دیتا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں اور وہ اس وقت تک ان کے دودھ اور اون سے فائدہ حاصل کرتا رہے جب تک کہ باغ صحیح ہو کر پھل نہ دینے لگ جائے، جب باغ ثمر بار ہو تو بکریاں مالک کو دیدی جائیں اور باغ، باغ والے کو حوالے کر دیا جائے۔ یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام

کے گوش گزار ہوئی تو آپ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطابق فیصلہ دیا۔

حدیث پاک سے بھی تقریباً ایسا ہی ثابت ہے یہ حدیث ابی زناد کے حوالے سے شیخین نے نقل کی ہے۔ ابی زناد اعرج سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں جا رہی تھیں۔ دونوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا، بھیڑیا ان پر جھپٹا اور ایک عورت کا بچہ لے بھاگا۔ دونوں جھگڑنے لگیں، بڑی کہنے لگی بھیڑیئے نے تیرا بچہ لے گیا ہے چھوٹی نے کہا: نہیں بھیڑیئے نے تیرا بچہ کھایا ہے۔ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کروانے کیلئے حاضر ہوئیں۔ آپ نے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا۔ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچیں آپ نے ارشاد فرمایا: چھری لائی جائے تاکہ میں بچہ کو دو حصوں میں کاٹ کر ان میں سے ہر ایک کو نصف دے دوں، جو عمر میں چھوٹی تھی وہ چیخ اٹھی اللہ آپ پر رحم کرے (ایسا نہ کیجئے) یہ بچہ بڑی کا ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ بچہ اسی کا ہے اور وہ اسے قتل سے بچانا چاہتی ہے ممتا کے جذبے کے تحت کہہ رہی ہے کہ یہ بڑی کا ہے) آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں دے دیا۔

ہو سکتا ہے کہ دونوں فیصلے شریعت موسوی کی رو سے صحیح ہوں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ صحیح قرار پایا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی اور بتایا: یہ علم خاص ہمارا عطا کردہ ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کے بعد ان کے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی تعریف فرمائی۔

و کلا اتینا حکما و علما و سخرنا .... فھل انتم شاکرون۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے، اور ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کیلئے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔''

ہوا کو مسخر کر دیا گیا:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فسخرنا له الريح تجرى .... لزلفى و حسن مآب۔ ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: ''پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے۔ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو) بخش کر

احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام۔''

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کی صورت میں نعم البدل عطا فرمایا۔ یہ ہوا گھوڑوں سے زیادہ تیز، زیادہ قوی اور زیادہ عظمت کی مالک تھی۔ یہ ایک ایسی سواری تھی جس پر سفر کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑتا آپ جس طرف جس ملک کو تشریف لے جاتے ہوا خدمت کیلئے تیار ہوتی۔ آپ کیلئے لکڑی کا ایک تخت بنایا گیا تھا اور یہ تخت اتنا بڑا تھا کہ اس پر ضرورت کی تمام چیزیں رکھی جا سکتی تھیں۔ مثلاً خیمے، مکانات، محلات، خیمے، سامان سفر، گھوڑے، اونٹ اور دوسری بوجھل چیزیں۔ ان کے علاوہ انسان اور جنات اور دوسرے کئی حیوانات اور پرندے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام سفر کا ارادہ فرماتے۔ سیر کی غرض سے ملک سے باہر جانا ہوتا یا جنگ کی غرض سے کسی دشمن یا کسی دوسرے بادشاہ کی طرف سفر کرنا مقصود ہوتا، تو تمام سامان اس تخت پر رکھ دیا جاتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کو اٹھا لیتی اور بلندی پر پہنچا دیتی، جب یہ تخت بہت بلندیوں پر پہنچ چکتا تو بادِ صبا کو حکم ہوتا اور وہ اس تخت کو اٹھا کر چلنے لگتی، اگر سفر تیزی سے طے کرنا مقصود ہوتا تو آندھی خدمت کیلئے تیار ہوتی اور جہاں چاہتے تشریف لے جاتے۔ آپ صبح بیت المقدس سے محو سفر ہوتے اور ایک مہینے کی مسافت پر واقع شہر اصطخر میں پہنچ جاتے، شام تک وہاں ٹھہرے رہتے پھر ہوا، انہیں اصطخر سے بیت المقدس میں واپس لاتی اور آپ رات یہاں گزارتے۔

✿ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و لسليمان الريح غدوها شهر .... من عبادى الشكور۔ ﴿سورۃ سبا﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کیلئے ہوا، اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور ہم نے جاری کر دیا ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے، اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کیلئے جو آپ چاہتے بلند عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں، اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو، اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دمشق سے صبح روانہ ہوتے اصطخر میں اترتے۔ یہاں تک کہ دوپہر کا کھانا تناول فرماتے اور پھر محو سفر ہو جاتے۔ رات کابل میں بسر کرتے۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت اور اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان بھی ایک ماہ کا سفر ہے۔

میں (امام ابن کثیرؒ) کہتا ہوں عمرانیات کے علماء نے لکھا ہے کہ اصطخر کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر جنوں نے کی تھی۔ پہلے اسی کے شہر ترک میں آپ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی شہر بھی تھے۔ مثلاً تدمر، بیت المقدس، باب جیرون، باب البرید ایک قول کے مطابق آخری دونوں شہر دمشق میں واقع تھے۔ لفظ قطر سے مراد حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ رضی اللہ عنہم اور کئی مفسرین کے نزدیک چاندی ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے چاندی کا ایک چشمہ جاری فرما دیا تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ پگھلی ہوئی چاندی کا یہ چشمہ صرف تین دن تک جاری رہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی تمام ضروریات مثلاً مکانات کی تعمیر وغیرہ کیلئے اسے جمع فرما لیا۔

و من الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه و من یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے تابع فرمان بنا دیا تھا۔ آپ جو کام ان سے لینا چاہتے وہ کرتے نہ اس میں سستی کرتے اور نہ بغاوت اور جو بغاوت کرتا کہانہ مانتا اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا۔"

"یعملون له ما یشاء من محاریب" اس سے مراد خوبصورت عمارتیں اور بیٹھکیں ہیں۔ "و تماثیل" دیوار پر کندہ تصویریں، یہ چیز ان کی شریعت میں جائز تھی۔ "و جفان کالجواب"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جفان سے مراد زمین میں بنائے گئے تالاب کی مانند دیگیں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق اس سے مراد گڑھے ہیں۔ مجاہد، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ حوض کی مانند دیگیں ہوتیں۔ اس روایت کی بنا پر لفظ جواب جابیہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ الاعشی فرماتے ہیں:

تروح علی آل المحلق جفنة كجابية الشيخ العراقي تفهق

ترجمہ: "وہ آل محلق کے حوض پر آتی ہے جیسا کہ شیخ عراق کا کنواں پانی سے لبالب بھر کر بہنا شروع ہو جاتا ہے۔"

رہا لفظ "القدور الراسیات" تو حضرت عکرمہ فرماتے ہیں اس سے مراد ایسی ہنڈیاں ہیں جو چولہوں پر رکھی گئی ہوں اور اپنی جگہ سے الگ نہ ہوتی ہوں۔ یہی قول مجاہد اور دیگر کثیر مفسرین کا ہے۔ اور چونکہ یہ سارا اہتمام کھانا کھلانے اور مخلوق جن و انس پر احسان کرنے کی غرض سے کیا جاتا تھا اس لیے فرمایا: "اعملوا آل داؤد شکرا و قلیل من عبادی الشکور۔" ترجمہ: "اے داؤد والو! شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔"

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والشیاطین کل بناء و غواص و آخرین مقرنین فی الاصفاد۔ ﴿سورۃ ص﴾

"اور دیو بھی آپ کیلئے مسخر کر دیئے گئے، کچھ تو ان میں سے عمارتیں بناتے اور کچھ پانی میں غوطہ زن ہو کر لعل و جواہر نکال لاتے۔ اور پانی کی تہہ سے ایسی ایسی قیمتی چیزیں نکال لاتے جو اس زمین پر پہلے موجود نہ ہوتیں۔"

و آخرین مقرنین فی الاصفاد۔

ترجمہ: "اگر ان میں سے جن سرکشی کرتے تو انہیں دو دو کر کے بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا۔"

اصفاد سے مراد بیڑیاں ہیں، یہ تمام چیزیں اللہ کی عطا کردہ اور مسخر کردہ ہیں جو اس ملک میں پائی جاتی تھیں جو آپ کو عطا فرمایا گیا اور جس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کر سکا، اور نہ ہی اس کی مثال اس سے پہلے ملتی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شریر جن میرے پاس اچانک آیا تا کہ میری نماز توڑ دے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے پکڑ لیا، میرا ارادہ ہوا کہ اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ تم سب اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ "اے اللہ! مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو" پس میں نے اسے ناکام لوٹا دیا۔"

مسلم اور نسائی نے حضرت شعبہ کے حوالے سے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے، ہم نے سنا آپ کہہ رہے تھے: "میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی تجھ پر لعنت ہو۔" یہ کلمات تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے اور ہاتھ کو اس طرح آگے بڑھایا گویا کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو

ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آج نماز میں آپ کو کچھ ایسے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس سے پہلے کہتے نہیں سنا اور آپ کو ہاتھ بڑھاتے بھی دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا تا کہ میرے چہرے پر مارے تو میں نے تین بار کہا کہ میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا، خدا کی قسم! اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ دیتا اور اس سے اہل مدینہ کے بچے کھیلتے۔" (اسی طرح اسے نسائی نے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد نے، ہم سے مرہ بن معبد نے، ہم سے ابو عبیدہ بن سلیمان نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ "میں نے عطاء بن یزید لیثی کو دیکھا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں ان کے آگے سے گزرنے لگا تو انہوں نے مجھے دور کر دیا، پھر فرمایا: مجھ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے، صبح کی نماز ادا فرمائی، میں آپ کے پیچھے تھا، آپ نے قرأت کی اور بھول گئے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: "کاش! آپ مجھے اور ابلیس کو دیکھتے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا، میں نے اسے گردن سے پکڑ کر دبائے رکھا حتیٰ کہ اس کا لعاب میرے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی پر لگ گیا، اگر میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیتا، مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ پس تم میں سے جو کر سکتا ہوں اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو تو اسے ایسا کرنا چاہیے۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج:

اکثر اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں، سات سو نکاح میں اور تین سو مد خولہ۔ یعنی تین سو آزاد اور سات سو لونڈیاں، اتنی زیادہ عورتوں سے تمتع حاصل کرنا بہت بڑا کام لگتا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام نے فرمایا: میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا، ہر ایک شاہ سوار کی ماں بنے گی، جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دوست نے کہا: انشاء اللہ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ الفاظ نہ کہے، صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس بچے کا بھی ایک پہلو بیکار تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو ستر بچے پیدا ہو کر ضرور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔ (شعیب اور ابو زناد کہتے ہیں نوے کی تعداد زیادہ صحیح ہے، اس سند کے

اعتبار سے امام بخاری اس حدیث کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔)

ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات باری باری میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں تلوار زنی کرے گا، آپ علیہ السلام نے انشاء اللہ نہ کہا۔ اس رات سو عورتوں کے پاس تشریف لے گئے، صرف ایک عورت سے بچی پیدا ہوئی اور وہ بھی نصف انسان تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو ہر ایک عورت بچہ جنتی جو راہ خدا میں تلوار چلاتا۔ (اس کی سند صحیح کی شرط کے مطابق ہے لیکن اسے صحاح ستہ میں نقل نہیں کیا گیا۔)

امام احمد فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: آج رات میں سو عورتوں سے شب باشی کروں گا، ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، صرف ایک عورت نے بچہ جنا، مگر وہ بھی پورا نہیں تھا صرف ایک پہلو موجود تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر آپ انشاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کے ہاں سو بچے ہوتے اور ہر ایک راہ خدا میں جہاد کرتا۔ (اسے روایت کرنے میں امام احمد بھی اکیلے ہیں۔)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا: آج رات میں سو عورتوں سے ہم بستری کروں گا، ان میں سے ہر عورت ایک بچہ جنے گی، جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔" حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے، آپ نے اس رات سو عورتوں سے مباشرت کی لیکن صرف ایک عورت نے نصف انسان جنا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو قسم توڑنے والے نہ ہوتے اور اپنی حاجت پا لیتے۔ (اسی طرح اسے شیخین نے صحیحین میں عبدالرزاق کے حوالے سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

اسحاق بن بشر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی چار سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ ایک دن آپ نے کہا: آج رات میں ہزار بیویوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا، رات کو آپ ہزار بیویوں کے پاس گئے لیکن ان میں سے صرف ایک عورت سے بچہ ہوا جس کی صرف ایک جانب صحیح تھی۔ (آدھا دھڑ نہیں تھا۔) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ انشاء اللہ کہتے تو آپ کے کہنے کے مطابق ضرور

شہسوار پیدا ہوتے اور وہ راہِ خدا میں جہاد کرتے۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسحاق بن بشر ہے اور یہ شخص منکر الحدیث ہے اور خصوصاً جب صحیح روایت کی مخالفت کر رہا ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث منکر ہوتی ہے۔)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمتوں سے نوازا تھا، آپ ایک وسیع مملکت کے فرمانروا تھے، لاؤ لشکر کی کثرت تھی اور ایسے ایسے خدمتگار تھے کہ نہ آپ سے پہلے مثال تھی اور نہ ہی آپ کے بعد مثال ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

و اوتینا من کل شیء — کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز سے نواز رکھا ہے۔

قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب ﴿سورۃ ص﴾

ترجمہ: "عرض کیا: میرے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بے شک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے۔"

۞ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو گونا گوں نعمتوں سے مالا مال کرنے کے بعد فرمایا:

ھذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب

ترجمہ: "(اے سلیمان علیہ السلام!) یہ ہماری عطا ہے، چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر، چاہے اپنے پاس رکھ تم سے بازپرس نہ ہوگی۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نواز دیا ہے، اب آپ چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں محروم کر دیں۔ آپ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ آپ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نعمتوں کا مالک بنا دیا ہے آپ جو چاہیں کریں اس پر آپ کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے نہ کہ اس رسول کی جو عبدیت کے مقام پر فائز تھا۔ عبد خاص کی شان یہ ہے کہ کسی کو کچھ دیتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے دیتا ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان دو مقامات میں سے کسی ایک مقام کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، آپ نے اس مقام کو اختیار کیا کہ وہ عبدیت کے مقام پر فائز رسول ہوں۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا: عاجزی کو اختیار کیجئے۔ پس آپ ﷺ نے رسالت حامل عبدیت کو اختیار فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے خلافت اور حکومت آپ کے بعد آپ کی امت کو قیامت تک عطا فرما دی۔ قیامت تک آپ کی امت کا ایک گروہ غالب رہے گا۔ وللہ الحمد و المنۃ

وصال:

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔ ﴿سورۃ سبا﴾

ترجمہ: "پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔"

علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھ رہے ہوتے تو سامنے اگا ہوا درخت دیکھتے، آپ علیہ السلام اس درخت سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے؟ وہ اپنا نام بتاتا۔ آپ علیہ السلام پوچھتے تو کس مقصد کیلئے ہے؟ تو وہ بتاتا کہ میں فلاں مقصد کیلئے ہوں۔ یعنی خوراک ہوں یا دوا، آپ اس کے کہنے کے مطابق اسے استعمال میں لاتے۔

ایک دن وہ نماز پڑھ رہے تھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے ایک درخت اُگ آیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا: تیرا نام کیا ہے؟ درخت نے بتایا: میرا نام خروب ہے۔ آپ نے فرمایا: تو کس لیے ہے؟ درخت نے بتایا: اس گھر کو خراب کرنے کیلئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! جنوں کو میری موت سے بے بہرہ رکھنا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لکڑی کو چھیل کر ایک عصا بنایا اور اس پر ایک سال تک ٹیک لگا کر کھڑے رہے اور جن کام کرتے رہے۔ دیمک نے اندر سے اس عصا کو کھا ڈالا۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو) لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ جن اگر غیب جانتے تو ایک سال تک سخت مشقت میں نہ پڑے رہتے۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے:

تبینت الانس ان الجن لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا حولاً فی العذاب المھین

ترجمہ: "جنوں نے دیمک کا شکریہ ادا کیا، اسی لیے جنات اب دیمک کو پانی لا کر دیتے ہیں۔ (جس سے دیمک زدہ لکڑی پر نمی ہوتی ہے۔)"

سدی رحمۃ اللہ علیہ ابو مالک اور ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سال، دو سال اور ماہ دو ماہ تک اور کبھی اس

سے کم بیت المقدس میں خلوت نشین ہوتے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، جب آپ کا وصال ہوا، اس بار آپ کھانے پینے کی چیزیں لے کر بیت المقدس میں تشریف لے گئے تو شروع دن سے جب آپ صبح سویرے دیکھتے تو ایک درخت اگ چکا ہوتا، آپ علیہ السلام اس کے پاس جاتے، اس کا نام پوچھتے۔ درخت اپنا نام بتاتا اور کہتا کہ میں فلاں مقصد کیلئے یا فلاں دوا کیلئے اگایا گیا ہوں۔ پس آپ علیہ السلام اسے اپنے استعمال میں لاتے۔ حتیٰ کہ ایک درخت اگ آیا جس کو "خروب" کہا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ درخت نے کہا: میں خروب ہوں۔ آپ نے پوچھا: تو کس لیے اگا ہے؟ اس نے کہا: میں اس عبادت گاہ کو مسمار کرنے کیلئے اگا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میرے جیتے جی اللہ تعالیٰ اس کو مسمار نہیں فرمائے گا۔ لگتا ہے تو میری ہلاکت کیلئے ہے حالانکہ کہتا یہ ہے کہ میں بیت المقدس کو مسمار کرنے کیلئے آیا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے اسے اکھیڑ لیا اور اپنے باغ میں لگا دیا، پھر آپ حجرے میں داخل ہو گئے اور اپنے عصا پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنے لگے، اسی حالت میں آپ فوت ہو گئے مگر جنوں کو کچھ علم نہ ہوا اسی لیے وہ کام میں لگے رہے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ آپ باہر نکلیں گے تو سزا دیں گے۔ جنات محراب کے اردگرد جمع تھے اور محراب میں روشندان تھے، آپ علیہ السلام کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ ایک شیطان جو نکلنا چاہتا تھا اس نے کہا: اگر میں اس طرف داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گیا۔ شیطان محراب میں اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھتا تو جل جاتا۔ پس اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ سنی، پھر واپس لوٹا اور آواز نہ سنی، پھر لوٹا مسجد میں گیا لیکن جلا نہیں۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف دیکھا تو وہ گرے پڑے تھے اور روح جسد عنصری میں موجود نہیں تھی۔ وہ نکلا اور لوگوں کو بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے تھے۔ انہوں نے کمرہ کھولا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نکالا اور دیکھا کہ ان کے عصا کو جو حبشہ کی لکڑی کا تھا، دیمک کھا گئی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آپ علیہ السلام کی وفات کب ہوئی؟ انہوں نے اس جیسے عصا کو دیمک پر رکھا تو دیمک نے ایک دن اور رات میں جو کھایا، پس انہوں نے اس کا حساب لگایا اور معلوم کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات تو ایک سال قبل ہو چکی ہے۔ یہ قرأت ابن مسعود کی ہے۔ وہ ایک سال تک برابر کام میں لگے رہے حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اس سے لوگوں کو یقین آ گیا کہ جن جھوٹے ہیں اور وہ غیب نہیں جانتے، اگر وہ جانتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال سے باخبر ہو جاتے اور سال بھر تک آپ کے خوف سے سخت مشقت نہ اٹھاتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما دلھم علی موتہ الا دآبۃ الارض تاکل منسأتہ فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔ ﴿سورۃ سبا﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جنات جھوٹے بولتے ہیں، پھر شیاطین (جنات) نے دیمک سے کہا اگر تو کھانا کھاتی تو ہم بہترین کھانا لاتے، اگر تجھے پانی پینے کی ضرورت ہوتی تو ہم بہترین پانی سے تجھے سیراب کرتے اب ہم پانی اور مٹی تیرے پاس لائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ جنات پانی اور مٹی دیمک کو مہیا کرتے ہیں وہ جہاں ہو فرماتے ہیں: کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مٹی لکڑی کے بطن میں پہنچ جاتی ہے، اسے درحقیقت جنات لے کر جاتے ہیں اور اس طرح دیمک کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ اسرائیلی روایات ہیں نہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن کے باب القدر میں فرماتے ہیں: حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں: حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے موت کے فرشتے سے فرمایا، جب تو میری روح قبض کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے بتا دینا۔ فرشتے نے عرض کیا: میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا، میری طرف کتابیں بھیجی جاتی ہیں جن پر مرنے والوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔

اصبغ بن فرج اور عبداللہ بن وہب حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا: جب تجھے میری روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو مجھے بتا دینا۔ ملک الموت تشریف لائے اور عرض کیا: اے سلیمان! مجھے آپ کی روح قبض کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ آپ کی عمر میں صرف ایک لمحہ باقی ہے۔ آپ علیہ السلام نے جنوں کو بلایا اور حکم دیا: میرے اردگرد بلور کا ایک ایسا محل بناؤ جس کا کوئی دروازہ نہ ہو۔ آپ نماز پڑھنے لگے اور عصا پر ٹیک لگا لی۔ فرماتے ہیں: ملک الموت سے بھاگے نہیں، جن آپ کے سامنے کام میں لگے رہے اور آپ کو کھڑا دیکھ کر سمجھتے رہے کہ آپ بقید حیات ہیں۔ دیمک نے آپ کی چھڑی کو کھانا شروع کیا، جب وہ چھڑی اندر سے کھوکھلی ہو گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور آپ گر پڑے، جب جنات نے دیکھا تو بکھر گئے اور یہاں سے چلے گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما دلھم علی موتہ الا دآبۃ الارض تاکل منسأتہ فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔ ﴿سورۃ سبا﴾

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ تک ایک اور آدمی کی وساطت سے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام ایک سال تک ٹیک لگائے کھڑے رہے، جب چھڑی کو دیمک چاٹ گئی تو آپ گر پڑے، اسی طرح دیگر کئی مفسرین اور اسلاف سے ایسے ہی منقول ہے۔ واللہ اعلم

اسحاق بن بشر محمد بن اسحاق سے، وہ زہری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باون سال زندگی پائی اور چالیس سال تک حکومت کی۔

اسحاق فرماتے ہیں: ہمیں ابوروق نے بتایا، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیس سال تک تخت نشین رہے۔ واللہ اعلم

علامہ ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ ہے۔ بادشاہی کے چوتھے سال بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمائی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے ابعام نے سترہ سال تک حکومت کی ہے۔ اور پھر بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

فائدہ:

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے بعد اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام سے پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے ان کا تذکرہ۔

حضرت شعیا بن امصیا علیہ السلام

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیا حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام سے پہلے مبعوث ہوئے۔ آپ ان انبیاء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی۔ آپ کے زمانہ نبوت میں بنی اسرائیل پر حزقیا بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ حزقیا حضرت شعیا علیہ السلام کا مطیع و فرمانبردار تھا، آپ علیہ السلام اسے جو حکم دیتے اسے بجا لاتے اور جس چیز سے روکتے اس سے اجتناب برتتے، ان دنوں بنی اسرائیل میں کئی حادثات ہوئے، بادشاہ ہوا، اور ان کے پاؤں میں گہرا زخم لگا، اسی دور میں بابل کے بادشاہ نے بیت المقدس پر چڑھائی کی۔ اس بادشاہ کا نام سخاریب بتایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے لشکر میں ساٹھ لاکھ جھنڈے تھے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں پر سخت دہشت طاری ہو گئی۔ بادشاہ حزقیا نے اللہ کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے سخاریب بادشاہ اور اس کے لشکر کے بارے کیا وحی فرمائی ہے؟ حضرت شعیا علیہ السلام نے فرمایا: ابھی تک تو ان کے بارے کوئی حکم نازل نہیں ہوا، پھر وحی کا نزول ہوا۔ اور بتایا گیا: حزقیا سے کہو کہ وصیت کرے اور اپنے بعد کسی کو بادشاہ مقرر کرے کیونکہ اس کی موت کا وقت آپہنچا ہے۔ جب حضرت شعیا علیہ السلام نے انہیں وحی کی بابت آگاہ فرمایا تو حزقیا قبلہ رو ہوئے، نماز ادا کی، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، دعا مانگی اور خوب روئے اور نہایت آہ وزاری کرتے ہوئے التجا کی۔ اے اللہ! اے رب الارباب! اے تمام معبودوں کے معبود! اے رحمٰن و رحیم ذات! اے وہ ذات جسے اونگھ اور نیند نہیں آتی! میرے عمل اور حسن قضا کا بنی اسرائیل سے تذکرہ کرنا۔ یہ سب نعمتیں تیری عطا کردہ ہیں تو میرے دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے، میرے ظاہر اور باطن سے خوب واقف ہے کہ میں کیا سوچتا ہوں اور کیا ارادہ رکھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حزقیا کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ انہیں اپنی رحمت سے نوازا، اور حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ حزقیا کو بشارت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آہ وزاری پر نظر رحمت فرمائی ہے اور اس کی موت کو پندرہ سال موخر کر دیا گیا اور سخاریب تیرے دشمن سے تجھے نجات دی۔ جب حضرت شعیا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام حزقیا کے گوش گزار کیا تو وہ خوش ہو گئے۔ غم و پریشانی کے بادل چھٹ گئے۔ حزن و ملال کی گھٹائیں ناپید ہو گئیں، آپ سجدہ ریز ہوئے، اور التجا کی:

"اے اللہ! تو جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے تو عالم الغیب و الشہادہ ہے تو اول ہے تو ہی آخر ہے، تو ہی ظاہر ہے تو ہی باطن ہے تو اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے اور غم کے ماروں کی التجاؤں کو سنتا ہے اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔"

سر اٹھایا تو حضرت شعیا علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ حکم آچکا تھا کہ حزقیا سے کہے کدو کا پانی لے کر اور پھوڑے پر لگائے شفا حاصل ہوگی اور صبح تک زخم مندمل ہو جائے گا۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور شفایاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سخاریب کے پورے لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ صبح ہوئی تو سخاریب اور اس کے پانچ ساتھی جن میں بخت نصر بھی تھا زندہ تھے لیکن باقی پورا لشکر ہلاک ہو چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے انہیں قید کر لیا، بیڑیاں پہنا دیں اور ستر دن تک انہیں ذلت و رسوائی کی حالت میں مختلف شہروں میں پھراتا رہا، ان میں سے ہر ایک کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو ملتیں، پھر انہیں قید خانے میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ حزقیا سے کہو انہیں چھوڑ دو تا کہ یہ اپنے ملک واپس چلے جائیں اور بتا کر بتائیں کہ ان پر کیسا عذاب نازل ہوا، جب یہ قیدی اپنے ملک پہنچے اور سخاریب نے لوگوں کو بتایا کہ ان پر کیا گزری تو ان کے جادوگروں اور کاہنوں نے کہا: ہم نے تو تجھے آگاہ کر دیا تھا کہ ان کے خدا کی شان کیا ہے؟ اور ان کے انبیاء کتنے مضبوط ہیں لیکن آپ نے ہماری ایک نہ سنی۔ بنی اسرائیل ایک ایسی قوم ہے جن کے خدا کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ سخاریب ڈر گیا اور سات سال بعد مر گیا۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ حزقیا کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں فساد برپا ہو گیا، ان میں طرح طرح کی بدعتیں شروع ہو گئیں، اور ان کی شرارتیں بڑھ گئیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ آپ بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے، وعظ فرمایا اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور انہیں ڈرایا کہ اس کا عذاب سخت ہے باز نہیں آؤ گے تو تمہیں سخت سزا سے پالا پڑے گا، جب آپ ان سے گفتگو کر چکے اور اللہ کا پیغام پہنچا چکے تو لوگ آپ کو قتل کرنے کیلئے آگے بڑھے۔ آپ بھاگ گئے، ایک درخت کے قریب سے گزرے، درخت پھٹ گیا اور آپ علیہ السلام اس میں داخل ہو گئے، شیطان مردود جو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس نے آپ کے کپڑے کے ایک کونے کو ظاہر کر دیا، جب لوگوں نے دیکھا کہ آپ درخت کے تنے میں چھپے ہیں تو آری لائے، درخت پر رکھ کر اسے چیر دیا، اس طرح آپ علیہ السلام کا جسم مبارک بھی درخت کے ساتھ چر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام لاوی بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا نام خضر ہے۔ یہ قول ضحاک کا ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ بعض حدیث میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون دمشق میں ایک جگہ سے نمودار ہو رہا تھا، آپ خون سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے خون! لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے ہیں رک جا، خون رسنا بند ہو گیا حتیٰ کہ اس کے بعد ظاہر نہیں ہوا۔

ابوبکر بن ابی الدنیا فرماتے ہیں: مجھ سے علی ابن ابو مریم نے بیان کیا، انہوں نے احمد بن حباب سے، انہوں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے اللہ! کونسا بندہ تیری بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ مجھے یاد کرتا ہے، جس کو میری یاد دنیا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے، جسے نہ فنا کے وسوسے ستاتے ہیں اور نہ بقا کے خیالات مضطرب کرتے ہیں، جب عیش دنیوی اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو بیقرار ہو جاتا ہے اور جب عیش و عشرت کو ہٹایا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کو میں اپنی محبت عطا کرتا ہوں اور انہیں ہر نعمت سے نواز دیتا ہوں۔

و اتینا موسی الکتب و جعلنہ ...... و جعلنا جہنم للکفرین حصیرا۔ ﴿سورۂ بنی اسرائیل﴾

ترجمہ: "اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو باعث ہدایت بنی اسرائیل کیلئے نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کے ساتھ۔ بے شک نوح ایک شکرگزار بندہ تھا، اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آگیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے بھیج دیئے اپنے چند بندے جو بڑے کرخت (اور) سخت تھے پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں۔ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہتا تھا۔ پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے

خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے نفسوں کو ملے گی پس جب آ گیا دوسرا وعدہ تا کہ غمناک بنا دیں تمہارے چہروں کو اور تا کہ (جبرا) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ تا کہ فنا و برباد کر کے رکھ دیں جس پر قابو پائیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹے گے اور ہم نے بنا دیا جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ایک نبی کو وحی کی جس نبی کا اسم گرامی حضرت ارمیان علیہ السلام بتایا جاتا ہے جب ان لوگوں میں گناہ اور شرارت پھیل گئی تو حضرت ارمیاء علیہ السلام کو حکم ہوا کہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں بتاؤ کہ تمہارے پہلو میں دل تو ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔ آنکھیں تو ہیں مگر دیکھتی کچھ نہیں، کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں، مجھے ان کے آباؤ اجداد کی نیکیاں یاد کر کے ان پر رحم آ گیا ہے۔ ان سے پوچھئے کہ میری اطاعت کا نتیجہ کیسا ہے، کیا میری نافرمانی کر کے کوئی سعادت مند ہوا ہے۔ اور کیا کوئی میری اطاعت کر کے بدبخت بنا ہے، چوپائے بھی اپنے وطن کو یاد کرتے ہیں اور اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں، مگر اس قوم نے وہ راہ چھوڑ دی ہے جس پر چل کر ان کے آباؤ اجداد نے عزت حاصل کی ہے۔ انہوں نے اس راہ سے ہٹ کر عزت حاصل کرنے کی کوشش کر رکھی ہے۔ علماء ہیں تو میرے حق کا انکار کرتے ہیں۔ قراء ہیں تو غیر کی عبادت میں مشغول ہیں۔ فقراء ہیں تو علم سے فائدہ حاصل نہیں کرتے، ان کے بادشاہوں نے میری اور میرے رسولوں کی تکذیب کی روش اختیار کر لی ہے، ان کے دلوں میں مکر و فریب ہے، اور ان کی زبان پر جھوٹ کی کہانیاں ہیں، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں ان پر ایسے لشکر مسلط کروں گا جن کی یہ زبان نہیں سمجھیں گے، نہ ان کے چہروں کو پہچانتے ہوں گے اور نہ ہی وہ ان کی آہ و زاری پر رحم کریں گے۔ میں ان کی طرف ایک جابر اور ظالم بادشاہ بھیجوں گا جس کے جلو میں گھٹاؤں کی طرح لشکر ہوں گے اور وسیع دروں کی طرح سیاہ ہوں گی۔ ان کے جھنڈوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہو گا کہ شاہین اڑ رہے ہیں۔ ان کے شہسوار عقابوں کی طرح جھپٹ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہوں گے۔ وہ جب بھی کسی آبادی میں قدم رکھیں گے برباد کر دیں گے اور اسے ویرانہ بنا کر دم لیں گے۔

افسوس ایلیا اور اس کے باسیوں کیلئے وہ کیسے ذلت سے قتل ہوئے، دشمن کیسے ان پر مسلط ہوا

اور خوشیوں کا شور و غوغا چیخوں اور آہوں میں بدل گیا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی جگہ بھیڑیے غرانے لگے، بلند و بالا محلات کی جگہ درندوں کی کچھاریں آباد ہو گئیں، جہاں سورج کی روشنی سے زمین روشن رہتی تھی وہاں گرد و غبار کے بگولے اٹھنے لگے۔ عزت کی جگہ ذلت نے لے لی، نعمت و دولت کی جگہ ذلت اور غلامی آ گئی، ان کی عورتوں نے خوشبو کی جگہ اپنے سروں میں مٹی ڈال لی، ریشم و دیباج پر قدم رکھنے والیاں کانٹوں پر چلنے لگیں۔ یاد رکھو ان لوگوں کے جسموں کو بھی میں زمین کا کھاجا بنا دوں گا، ان کی ہڈیوں کو سورج کی روشنی سے پگھلا ڈالوں گا۔ میں انہیں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دوں گا، پھر میں آسمان کو حکم دوں گا کہ وہ لوہے کا طبق بن جائے، زمین کو حکم دوں گا کہ وہ پگھلی ہوئی چاندی کا ڈلا بن جائے کہ بارش ہو بھی تو بھی کچھ نہ اگ سکے، اگر کہیں کوئی اگ بھی آئے تو صرف چوپاؤں پر میری رحمت کی وجہ سے۔ پھر کھیتی کے موسم میں سب کچھ اکٹھا کر ڈالوں گا، اور کٹائی کے وقت کیلئے کچھ نہیں چھوڑوں گا، اگر وہ کھیتوں میں کچھ بوئیں گے تو آفات مسلط کر دوں گا اگر کوئی چیز بچ جائے گی تو اس سے برکت اٹھا دوں گا، مجھ سے دعا کریں گے مگر میں انہیں جواب نہیں دوں گا، مجھ سے مانگیں گے مگر عطا نہیں کروں گا وہ چلائیں گے مگر میں ان پر رحم نہیں فرماؤں گا وہ اگر آہ و زاری کریں گے تو بھی ان کی طرف سے اعراض برتوں گا۔

(ابن عساکر نے اسے انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں کہ ہم کو ادریس نے بتایا، انہوں نے حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو جب بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، ان دنوں بڑے بڑے حادثات رونما ہو چکے تھے۔ انہوں نے گناہوں کی راہ اختیار کر رکھی تھی اور انبیاء کو قتل کر رہے تھے۔ بخت نصر نے ارادہ کیا کہ انہیں فتح کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان پر فتح حاصل کرنا آسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں بنی اسرائیل سے انتقام لینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی، میں بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والا ہوں اور ان سے انتقام لینے والا ہوں۔ (اے ارمیاء علیہ السلام) تو بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو، میرا حکم تجھے پہنچ جائے گا اور میں تم سے وحی کی زبان میں بات کروں گا۔ حضرت ارمیا علیہ السلام چٹان پر کھڑے ہو گئے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، سر خاک آلود سجدے میں گر کر عرض گزار ہوئے: اے اللہ! میں چاہتا ہوں کہ اگر میں نے بنی اسرائیل کا آخری نبی بننا تھا تو کاش میری ماں مجھے نہ جنتی کہ بیت المقدس کی تباہی اور بنی اسرائیل کی ہلاکت میری وجہ

سے رو پڑیں نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سر اٹھایئے۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا خوب آہ و زاری کی اور التجا کی: اے اللہ! تو کس قوم کو ان پر مسلط کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آگ کے پجاریوں کو جو نہ میرے عذاب سے ڈرتے ہیں اور نہ میری بخشش کی امید رکھتے ہیں۔ اے ارمیا علیہ السلام! کھڑا ہو جا اور میری وحی پر کان دھر۔ میں تجھے خبردار کر رہا ہوں تو بھی بنی اسرائیل کو خبردار کر۔ میں نے تیری پیدائش سے پہلے تجھے چن لیا تھا۔ رحم مادر میں شکل و صورت دینے سے پہلے تجھے مقدس ٹھہرایا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ تو اپنی ماں کے بطن سے باہر آتا، میں نے تجھے پاک کر دیا تھا۔ بلوغت سے پہلے تجھے خبردار کیا۔ عقل و شعور کی عمر میں پہنچنے سے قبل تجھے چن لیا، اور ایک عظیم کام کیلئے تجھے منتخب کر لیا۔ اٹھ کھڑا ہو، بادشاہ کی رہنمائی کر اور اسے راہ مستقیم پر چلنے کیلئے تلقین کر۔ پس آپ بادشاہ کو تلقین کرتے رہے اور وحی پر وحی آتی رہی۔ یہاں تک کہ بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اسرائیلی بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخاریب سے اور اس کے لشکر کو نجات دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی، کھڑا ہو، اور انہیں بتا کہ میں تجھے کیا حکم دیا ہے؟ انہیں میری نعمتیں یاد دلا، اور ان کی نافرمانیوں کا تذکرہ کر۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! اگر تو مجھے تقویت نہ دے تو میں ایک درماندہ انسان ہوں، تیری مہربانی کے بغیر میں منزل تک پہنچنے سے عاجز ہوں، اگر تو میرا ہاتھ نہ پکڑے تو میں گمراہ ہو جاؤں، تیری مدد شامل حال نہ ہو تو خائب و خاسر ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ تمام امور میری مشیت سے طے پاتے ہیں۔ تمام مخلوق اور تمام کام میرے دست قدرت میں ہیں۔ دل اور زبان پر میری گرفت ہے۔ میں انہیں جس طرف چاہتا ہوں پھیر دیتا ہوں، پس میری فرمانبرداری پر کمربستہ رہ۔ میں وہ خدا ہوں جس کا کوئی ثانی نہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب میرے کلمہ (کن) سے معرض وجود میں آتے ہیں۔ وحدانیت اور قدرت کاملہ کا مالک صرف میں ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے کسی غیر کو اس کا ادراک نہیں۔ میں وہ خدا ہوں جو سمندروں سے گفتگو کرتا ہوں۔ یہ میری گفتگو سمجھتے ہیں، میں انہیں حکم دیتا ہوں تو وہ میرا کہا مانتے ہیں۔ میں نے ان کیلئے حدیں مقرر کر دی ہیں وہ میری اس حد سے سر مو تجاوز نہیں کرتے۔ پہاڑوں کی مانند موجیں اٹھتی ہیں اور جب وہ میری مقرر کردہ حد تک پہنچتی ہیں تو پھر میرے حکم اور اطاعت کے جذبے سے سمٹ جاتی ہیں اور میرے خوف اور حکم فرمانبرداری کا جذبہ انہیں آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔ میں ... کوئی چیز تجھے گزند نہیں پہنچا سکتی، میں نے تمہیں خلق عظیم کی

طرف مبعوث کیا ہے، تا کہ آپ میری مخلوق کو میرا پیغام پہنچائیں، پس جس نے تیری اطاعت کی وہ اجر کا مستحق ہوگا اور اس کے اجر میں کمی کیے بغیر تو بھی اس اجر کا مستحق قرار پائے گا۔ اپنی قوم کی طرف جا اور انہیں نصیحت کر اور میرا یہ پیغام سنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباؤ اجداد کے کاموں کو یاد کیا تو تمہیں ان نیک کاموں کی وجہ سے باقی رکھا۔ اے انبیاء کی اولاد! بتاؤ تمہارے آباؤ اجداد نے اطاعت کا کیا صلہ پایا اور تمہاری نافرمانی کا نتیجہ کیا رہا؟ کیا تم نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے میری نافرمانی کی ہو اور پھر بھی سعادت مندی پائی ہو۔ کیا تمہارے علم میں کوئی ہے جس نے میری اطاعت کی ہو اور پھر بھی میری اطاعت کی وجہ سے بدبختی اس کا مقدر بن گئی ہو۔ چوپائے بھی جب اپنے بہتر گھر یاد کرتے ہیں تو ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، یہ لوگ ہلاکت کی چراگاہ میں چر رہے ہیں۔ انہوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا ہے جس پر وہ چل کر ان کے آباؤ اجداد نے عزت پائی تھی۔ یہ عزت تو چاہتے ہیں لیکن کسی اور راستے پر چل کر۔ ان کے علماء اور عبادت گزاروں نے میرے بندوں کو غلام بنا رکھا ہے اور وہ ان سے وہ سلوک کرتے ہیں جس کا میری کتاب اجازت نہیں دیتی، ان ظالموں کے دل سے مٹا دیا ہے اور انہیں مجھ سے بیگانہ بنا ڈالا ہے۔ میرے بندوں سے اپنی اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ انہیں صرف میری اطاعت کا حکم تھا۔

پس یہ لوگ اپنے ان علماء کے پیچھے چل کر میری نافرمانی کی راہ پر چل دیئے ہیں۔ رہے ان کے بادشاہ اور امراء تو وہ تکبر میں مبتلا ہوئے اور میرے عذاب سے بے خوف ہو گئے۔ دنیا نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا تھی کہ انہوں نے میری کتاب کو پیچ ڈالا اور میرا عہد بھلا دیا۔ انہوں نے میری کتاب میں تبدیلیاں کر دیں اور میرے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ انہوں نے بڑی جسارت کی اور مجھ سے تعلق توڑ لیا۔ میری جلالت ہر عجز سے پاک ہے۔ میری شان بلند ہے اور عظمتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کیا یہ بات مناسب ہے کہ میرے ملک میں میرے ساتھ باطل خداؤں کی پرستش ہو؟ کیا ایک انسان کیلئے مناسب ہے کہ میری نافرمانی کر کے اس کی فرمانبرداری کی جائے؟ کیا یہ چیز مجھے زیب دیتی ہے کہ مخلوق کو پیدا کر کے اپنی طرف خدا کے منصب پر انہیں فائز کر دوں؟ کیا میں کسی اور کیلئے اطاعت کا حکم دے سکتا ہوں؟ مستقل اطاعت تو صرف میری شان کے لائق ہے۔ ان کے قراء اور ان کے فقہاء اپنی پسند کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کا کہا مانتے ہیں بدعتوں میں ان کی اطاعت کرتے ہیں، وہ میرے دین میں نئی نئی راہیں نکالتے ہیں اور بادشاہان وقت کی اطاعت کر کے میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میرے عہد کو توڑ کر ان کے ساتھ کیے گئے

وعدوں کو نبھاتے ہیں، جو کچھ جانتے ہیں اس میں بھی وہ جاہل ہیں، میری کتاب سے حاصل کردہ علم سے ذرا بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نبیوں کی اولاد مقہور و مظلوم ہے۔ یہ بھی اسی راہ کے مسافر ہیں جس راہ کے مسافر دوسرے دنیادار ہیں۔ چاہتے تو یہ ہیں کہ میں ان کی بھی اسی طرح مدد کروں جس طرح ان کے آباؤ اجداد کی کی تھی اور ان کے سر پر عزت کا وہی تاج سجاؤں جو ان کے آباؤ اجدادوں نے سر پر سجایا تھا۔ ان کا گمان یہ ہے کہ اس عزت و تکریم کے مستحق صرف یہی لوگ ہیں اور بغیر سچائی اور تفکر کے ان کا مستحق ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ انہیں یہ بات یاد تک نہیں رہی کہ ان کے آباؤ اجداد کے صبر کی کیفیات کیا تھیں؟ انہوں نے دین کے سلسلے میں کیا کیا محنتیں کیں، جب دنیا والوں نے دنیا پرستی کی انتہا کر دی تو ان لوگوں نے کس طرح میرے دین کو سینے سے لگائے رکھا۔ کیسے انہوں نے دین کی خاطر اپنی جانیں دیں اور خون کے نذرانے دیئے۔ ان کے آباؤ اجداد نے مشکل میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ سچائی کی راہ سے لحہ کیلئے بھی نہ ہٹے حتیٰ کہ میرا دین غالب آیا اور میرا حکم جاری ہوا۔ میں نے ان کے بعد آنے والوں سے درگزر کیا کہ شاید یہ لوگ مجھ سے شرم کرنے لگیں اور واپس لوٹ آئیں۔ انہیں مہلت دی اور انہیں معاف کرتا آیا۔ ان کی عمروں میں اضافہ کیا اور انہیں دیر تک دنیاوی آسائش سے لطف اندوز ہونے دیا، ان کی عذر خواہی کو قبول کیا کہ شاید انہیں بھولا ہوا سبق یاد آ جائے۔ ان کی سرکشی کے باوجود ان پر بارشیں برستی رہیں، زمین اناج اگاتی رہی، انہیں میں نے عافیت کا لباس پہنایا اور دشمن پر فتح عطا کی مگر ان کی سرکشی میں اضافہ ہوا، یہ مجھ سے لحہ بہ لحہ دور ہوتے گئے۔ یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟ کیا یہ مجھ سے یونہی مذاق کرتے رہیں گے، مجھے یونہی دھوکا دیتے رہیں گے، ان کا استہزاء اور تمسخر آخر کب تک جاری رہے گا؟ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں انہیں ایک ایسے فتنے سے دوچار کروں گا جو داناؤں کو حیران کر دے گا۔ اہل رائے کی عقل گم کر دے گا اور دانا کی دانش کو خاک میں ملا دے گا، پھر میں ان پر ایک ظالم اور سخت دل دشمن مسلط کر دوں گا جو نافرمانی میں بہت بڑا ہوگا۔ میں اس کو حق کا لباس پہنا دوں گا اور اس کے دل سے رافت و رحمت کا جذبہ نکال دوں گا۔

میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کے ساتھ ایک ایسا لشکر ہوگا جو کثرت کی وجہ سے سیاہ رات معلوم ہوگا۔ اس کی سیاہ کالی گھٹا کی طرح اور اس کی سواریاں آندھی کے بگولوں کا نقشہ پیش کریں گی۔ ان کے جھنڈوں کی پھڑ پھڑاہٹ کو دیکھ کر یوں لگے گا کہ شاہین فضا میں اڑتے پھرتے ہیں اور ان کے شہسوار عقابوں کی طرح جھپٹیں گے، وہ آبادیوں کو ویران کریں گے شہروں کو کھنڈرات میں بدل دیں

گے اور پوری زمین میں فساد برپا کر دیں گے اور جو سامنے آئے گا نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ ان کی سنگدلی کا عالم یہ ہوگا کہ کسی پر رحم نہیں کریں گے کسی کی دہائی نہیں سنیں گے۔ وہ شہروں میں بازاروں میں بلند آواز سے چیختے پھریں گے جیسے شیر غراتے ہیں اور ان کی ہیبت سے جسم کانپ جاتے ہیں، ان کی آوازیں سن کر نیندیں حرام ہو جائیں گی، یہ ان کی بولی نہیں سمجھ سکیں گے۔ ان کے چہروں پر اجنبیت چھائی ہوگی، نہ کسی کی سنیں گے، نہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ کسی کو پہچانیں گے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ان کے گھروں کو اپنی کتابوں سے خالی کر دوں گا اور اپنی برکت اٹھا لوں گا، ان کی مجلسوں کو اپنے کلام کی گفتگو اور اس کی تعلیمات سے خالی کر دوں گا۔ میں ان کی عبادتگاہوں کی وحشت و تنہائی کی جگہوں سے بدل دوں گا جہاں وہ کافر اپنے غیر خداؤں کی عبادت کریں گے، اپنے معبودوں کیلئے انہیں سجائیں گے، اور وہ ان میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کریں گے۔ بنی اسرائیل دین کے بدلے دنیا چاہتے ہیں۔ دوسرے ادیان کو سیکھتے ہیں پر اپنے دین سے بے بہرہ ہیں۔ علم و عمل کی غرض سے نہیں سیکھتے، میں ان کے بادشاہوں کو عزت کے بدلے ذلت، امن کے بدلے خوف، غنی کے بدلے فقر، نعمت کے بدلے بھوک، عافیت اور آرام کے بدلے طرح طرح کی مصیبتیں، دیباج و حریر کے لباس کی جگہ سخت اور کھردرا لباس دوں گا، میں انہیں ارواح طیبہ اور مقدس تیل کے بدلے تعفن زدہ لاشے، تاج کے بدلے لوہے کے طوق اور سلاسل دوں گا۔ ان کے کشادہ محلات اور مضبوط قلعے ویران کر دوں گا۔ پختہ اور خوبصورت گھروں میں درندوں کی کچھاریں بن جائیں گی، گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی جگہ بھیڑیوں کی غراہٹ ہوگی، جہاں پہلے مرصع تاج چمکتے تھے دھواں اور خاک اڑے گی، انس کی جگہ وحشت اور ویرانی کا دور دورہ ہوگا، ان کی عورتیں لونڈیاں بن جائیں گی اور ان کی گردنوں میں موتیوں اور قیمتی جواہر کے ہاروں کی جگہ لوہے کے قلادے ہوں گے، خوشبو اور قیمتی تیل کے بدلے وہ گرد و غبار سے سنگھار کریں گی، قالینوں پر چلنے کی بجائے انہیں بازاروں میں چلنا پڑے گا، نہروں کو عبور کرنا ہوگا اور راتوں کی سیاہی میں منزلوں پر منزلیں مارنا پڑیں گی، ساری عزت و وقار خاک میں مل جائے گی، اب انہیں عزت کی چادریں نہیں ملیں گی وہ ننگے سر بازار عیش کی زینت بن جائیں گی، میں انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کروں گا، یہاں تک کہ نومولود بچہ جس کا ابھی حلق بھی نہیں ہوا وہ بھی اس ہلاکت کو پہنچے گا، میں صرف اسی کو عزت بخشتا ہوں جو میری تکریم بجا لاتے ہیں اور جو میری اہانت کی راہ پر چلتے ہیں میں انہیں ذلیل و خوار کر دیتا ہوں، پھر میں آسمان کو حکم دوں گا کہ وہ بارش نہ برسائے، زمین سے کہوں گا کہ وہ تانبے کا طبق بن جائے۔

نہ آسمان سے بارش برسے گی، نہ زمین سے سبزہ اگے گا۔ اگر بارش برسی بھی تو میں اسے ان کیلئے عذاب بنادوں گا اور اگر کہیں سبزہ اگ بھی آیا تو اس سے برکت چھین لوں گا وہ مجھے پکاریں گے تو میں پھر بھی اعراض برتوں گا۔ اگر وہ چلائیں گے: اے اللہ! تو نے ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو شروع دن سے اپنے لیے چن لیا تھا، تو نے ہماری نسل میں نبوت جاری عطا کی، تو نے ہمیں اور ہمارے اسلاف کو چھوٹی بڑی نعمتوں سے نوازا، اور ہماری حفاظت کی اگر ہم بدل گئے ہیں تو تو رحمت فرما اور اپنی نعمتوں کو ہم سے واپس نہ لے، ہم پر اپنے فضل اور احسان اور رحم و کرم کی بارش فرما۔ میں ان کو جواب دوں گا: ہاں! میں نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت اور نعمت کیلئے چنا تھا، انہوں نے میرے حکموں کو قبول کیا تو میں نے نعمتوں کی بارش کر دی۔ انہوں نے شکر کیا تو میں نے نعمتوں میں اضافہ کر دیا۔ وہ بدل گئے تو میں بدل گیا، انہوں نے دوسروں کی اطاعت قبول کی تو ناراض ہو گیا اور جب میں ناراض ہو گیا تو انہیں عذاب سے دوچار کر دیا، اور یاد رکھو کوئی نہیں، جو میرے عذاب کو برداشت کر سکے۔

پیغمبر کی بارگاہ الٰہی میں عرض:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: تیرے علم کے طفیل میں تیرے حضور کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں، ورنہ یہ میرے لیے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ میں تیری بارگاہ میں ایک ضعیف و ناتواں بندہ عرض کروں، آج تک اگر میں باقی ہوں تو یہ تیرا لطف و کرم ہے، مجھ سے بڑھ کر اس عذاب اور اس وعید سے ڈرنے کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ میں خود گنہگاروں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوں، وہ میرے ارد گرد گناہ کرتے ہیں لیکن نہ انہیں کوئی اندیشہ ہے اور نہ رکاوٹ۔ پس اگر تو مجھے عذاب میں مبتلا کر دے تو یہ میرے گناہوں کی سزا ہو گی اور اگر تو مجھ پر رحم کرے تو تجھ سے یہی امید رکھتا ہوں، اگر آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں فریاد کی: اے میرے اللہ! تو پاک ہے، حمد و ثناء کا مستحق ہے، تو برکت والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بلند مرتبے کا مالک ہے، کیا تو اس بستی کو ہلاک کر دے گا اور اس کے گرد و نواح میں بسنے والوں کو نیست و نابود کر دے گا حالانکہ یہاں تیرے نبیوں نے عمر گزاری ہے۔ یہ وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔ اے میرے اللہ! تو پاک ہے۔ حمد و ستائش کا حقدار صرف تو ہے، اے ہمارے پروردگار! تو برکت والا ہے اور اس بات سے کہیں بلند ہے کہ اس مسجد اور اس کے گرد و نواح میں موجود دوسری عبادت گاہوں اور گھروں کو ویرانوں میں بدل دے، جہاں کہ تیرا ذکر بلند ہوا۔ اے میرے پروردگار! تو پاک ہے، حمد و ثناء تیرے لیے ہے، تو بابرکت اور اس بات سے کہیں بلند ہے کہ

یہ امت قتل ہو اور یہ قول عذاب میں مبتلا ہو حالانکہ وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی امت اور تیرے خلیفہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل ہیں اگر آگ کے پجاری مسلط ہو گئے تو پھر دنیا میں کون ہے جو تیری سطوت و جبروت کا نشانہ نہیں بنے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ارمیا! جس نے میری نافرمانی کی، وہ میرے عذاب سے نہیں بچ سکتا، میں نے اگر اس قوم کو عزت سے سرفراز کیا تو اس وجہ سے کہ اس نے میری اطاعت کی راہ اختیار کی، اگر یہ نافرمانی کریں گے۔

تو میں ضرور انہیں سرکشوں کے گھر میں اتاروں گا، ہاں مگر جس پر میری رحمت ہو گی وہ بچ جائے گا۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے عرض کیا: اے الٰہی! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کے صدقے ہماری حفاظت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی قربت بخشی اور انہیں کلیم ہونے کا شرف بخشا۔ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری حفاظت فرما، ہم سے اپنی نعمتیں مت چھین اور دشمن کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اے ارمیا! میں نے ماں کے پیٹ میں تجھے قدوس ٹھہرایا اور آج دن تک تجھے موخر کیا، اگر تیری قوم یتیموں کی دیکھ بھال کرے، بیواؤں، مساکین اور مسافروں کے حقوق ادا کرے تو میں ان کا مددگار بن جاؤں گا اور انہیں ایسی جنت میں گھر عطا کروں گا جس کے درخت جاذب نظر، پانی پاک و صاف ہو گا، اور کبھی بھی ختم نہیں ہو گا اور نہ ہی اس کے باغ کے پھل کم ہوں گے اور نہ ہی منقطع ہوں گے، مگر میں بنی اسرائیل کی عنقریب شکایت کروں گا، اگر تو ان میں ایک شفیق چرواہا ہے تو انہیں ہر قحط سے بچالے اور ہر تنگی سے محفوظ کرنے کی کوشش کر اور انہیں ایسی چراگاہوں کی طرف ہانک لے جا، جن میں شادابی ہو، تاکہ وہ یہاں کی گھاس چر کر خوب موٹے ہو جائیں اور ایک دوسرے کو ٹکریں مارتے پھریں۔

مگر ہائے افسوس! میں صرف ان لوگوں کی عزت افزائی کرتا ہوں جو میری عزت بجالاتے ہیں اور انہیں اہانت کا مزا چکھاتا ہوں جو میری عزت کا پاس نہیں کرتے، ان سے پہلے لوگ میری نافرمانی کو کوئی زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔ اور یہ بھی بلا وجہ میری نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ عبادت گاہوں، بازاروں میں پہاڑ کی چوٹیوں پر اور درختوں کے سایوں میں علی الاعلان گناہ کے کام کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی شرارتوں کی وجہ سے آسمان مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور زمین اور اس کے سینے پر نصب پہاڑ بلبلا اٹھے ہیں۔ اطراف زمین میں پھیلے وحشی بھی ان کے گناہوں سے نالاں دکھائی دیتے ہیں، وہ کہیں بھی ہوں گناہوں سے نہیں چوکتے اور کتاب مبین سے حاصل کردہ علم سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

پیغمبر کو قید کرنے کا انجام:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت ارمیا علیہ السلام نے انہیں پیغام خداوندی سنایا اور عذاب اور وعید کی دھمکی ان کے گوش گزار کی تو وہ اکڑ گئے، اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور انہیں جھوٹ کا طعنہ دیا۔ کہنے لگے تو جھوٹ بکتا ہے اور اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔ یہ محض تیرا گمان ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنی سرزمین، اپنی عبادت گاہوں سے اپنی عبادت اور اپنی کتاب اور توحید کی آواز کو خاموش کر دے گا؟ اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا تو پھر کون اس کی عبادت کرے گا، جبکہ اس دنیا پر کوئی عابد، کوئی مسجد اور کوئی کتاب نہیں ہوگی، تو نے اللہ پر بڑا بہتان باندھا ہے۔ لگتا تیرا دماغ خراب ہے، ان ظالموں نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو پکڑ کر پابہ زنجیر قید کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

اس ظلم اور معصیت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا، وہ اپنے لاؤ لشکر کو لے کر آیا ان کے علاقہ میں اترا اور ان کا محاصرہ کر لیا پھر کیا ہوا قرآن پاک میں ہے:

بخت نصر کا ظلم و ستم:

فجاسوا خلال الدیار۔ ترجمہ: ”پس وہ گھس گئے تمہاری آبادیوں میں۔“

جب محاصرہ لمبا ہوا تو اسرائیلی گھبرا گئے دروازے کھول دیئے، اور ذلت و رسوائی کیلئے اپنے آپ کو دشمن کے سپرد کر دیا۔ قرآن مجید نے انہیں ”فجاسوا خلال الدیار“ کہا ہے۔ پھر بخت نصر نے جاہلیت کے فاتحوں جیسا حکم جاری کر دیا، اور ظالم بادشاہوں کی طرح بنی اسرائیل کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑ دیا، تہائی لوگ قتل ہوئے، ایک تہائی قید جبکہ بوڑھے مردوں اور عورتوں کو چھوڑ دیا، پھر لاشوں کو گھوڑوں کے سموں سے روندا گیا، بیت المقدس کو منہدم کر دیا، بچوں کو ہانک کر لے گئے، عورتوں کو حسرت و یاس کے عالم میں بازاروں میں کھڑا کر دیا، تمام سپاہی قتل کر دیے، جو قلعے تھے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، عبادت گاہوں کو پیوند خاک کر دیا اور تورات کو جلا دیا۔

بخت نصر نے دانیال کے بارے پوچھا تو اس کی طرف خط تحریر کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے دیکھا تو دانیال فوت ہو چکا تھا، اس کے گھر والوں نے وہ خط اس کے حوالے کیے، جبکہ دوسرا چھوٹے دانیال یعنی دانیال بن حزقیل، میشائیل، عزرائیل اور میشائیل ان میں موجود تھے۔ پس وہ خط انہیں دیا گیا، دانیال بن حزقیل بڑے دانیال کا خلیفہ تھا، بخت نصر کا لشکر بیت المقدس میں داخل ہوا اور پورے شام کو تخت و تاراج کر کے بنی اسرائیل کو قتل کیا حتیٰ کہ وہ نیست و نابود ہو گئے، ہلاکت و تباہی پھیلانے کے بعد اس نے مال و دولت لوٹا۔ اسرائیلیوں کو قید کیا اور واپس اپنے ملک پہنچ گیا۔ احبار اور ملوک

کے بیٹوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔ مسجدوں میں آگ جلا کر انہیں کنیسوں میں تبدیل کر دیا اور یہاں خنزیروں کو ذبح کر کے ان کے تقدس کو پامال کیا، سات ہزار غلام حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر سے تعلق رکھتے تھے، گیارہ ہزار کا تعلق حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کی اولاد سے تھا۔ آٹھ ہزار کا روبیل اور لاوی کی نسل سے اور بارہ ہزار کا بنی اسرائیل کی دوسری شاخوں سے تھا، بخت نصر انہیں قیدی بنا کر اپنے ساتھ ارض بابل لے گیا۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بخت نصر نے کیا جو کیا تو اسے بتایا گیا کہ اسرائیلیوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو انہیں اس مصیبت سے خبردار کرتا رہا، انہیں بتاتا رہا کہ تمہارا دشمن تم پر حملہ آور ہوگا۔ وہ کسی رحم کا روادار نہیں ہوگا۔ وہ تمہیں ذبح کرے گا۔ تمہارے بچوں کو قیدی اور تمہاری عورتوں کو لونڈی بنا لے گا۔ مسجدیں ویران اور قلعے مسمار ہوں گے۔ انہوں نے حضرت ارمیا علیہ السلام کے متعلق بخت نصر کو آگاہ کیا تو اس نے پوچھا: وہ کہاں ہے اسے فوراً میرے پاس لاؤ، حضرت ارمیا علیہ السلام کو زندان سے نکال کر بخت نصر کے سامنے پیش کیا گیا۔ بخت نصر نے پوچھا: کیا تو انہیں ہم سے ڈرایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہم ان کے ملک کو فتح کریں گے اور انہیں نیست و نابود کر دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں میں انہیں آگاہ کرتا رہا لیکن یہ مست و بے خود رہے، بخت نصر نے کہا: تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے مجھے آنے والے امور سے آگاہ کرتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر ان کے پاس آیا لیکن انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ بخت نصر نے کہا: کیا انہوں نے تیری تکذیب کی، تجھے مارا پیٹا اور قید میں ڈال دیا؟ آپ نے جواب دیا: ہاں۔ بخت نصر بولا: وہ قوم بہت بری قوم ہے جس نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اس کے پیغام کو جھوٹ سمجھا۔ کیا تو نے میرے ساتھ آنا چاہتا ہے۔ میں تیری عزت و تکریم کا خیال رکھوں گا اور تیری کسی قسم کی دل آزاری نہیں ہونے دوں گا اور اگر تو اپنے وطن میں رہنا چاہتا تو ہے تجھے کوئی گزند نہیں پہنچائے گا۔

حضرت ارمیا علیہ السلام نے بتایا: میں ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوں اور ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی رحمت مجھ سے جدا نہیں ہوتی، اگر بنی اسرائیل اللہ کی پناہ حاصل کرتے تو وہ تجھ سے خوف زدہ نہ ہوتے اور نہ ہی کسی دوسرے بادشاہ سے مرعوب ہوتے اور کوئی بھی ان پر فتح حاصل نہ کر سکتا، جب بخت نصر نے یہ باتیں سنیں تو حضرت ارمیا علیہ السلام کو ارض مقدس میں چھوڑ کر بابل آ گیا۔ حضرت ارمیا علیہ السلام ایلیا ہی میں قیام پذیر رہے۔ یہ بڑا عجیب و غریب قصہ ہے۔ اس میں

بہر حال حکمت و موعظت کی باتیں بھی ہیں اور دلچسپی کا سامان بھی۔ ہاں اس کے عربی ہونے میں غرابت ہے۔ (اسرائیلی روایت ہے۔)

ہشام بن محمد بن سائب کلبی کہتے ہیں کہ بخت نصر فارس کے بادشاہ کی طرف سے اھواز اور روم کے درمیانی علاقے کا حکمران تھا۔ روم کا بادشاہ ان دنوں میں لہراسب نامی تھا۔ اس نے بلخ کے اس شہر کی بنیاد رکھی جو خنساء کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے ترکوں کو قتل کیا اور انہیں تنگ جگہوں کی طرف دھکیل دیا، اسی کو بخت نصر نے شام میں بنی اسرائیل کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے بھیجا جب یہ شام پہنچا تو اہل دمشق نے اس کے ساتھ صلح کر لی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بخت نصر نے بہمن کو بھیجا جو بشتاسب بن لہراسب کے بعد فارس کا حکمران تھا۔ اور یہ سب اس وجہ سے تھا کہ بنی اسرائیل مبعوث ہونے والے اللہ کے رسولوں پر ظلم کرتے تھے۔

علامہ ابن جریر حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بخت نصر جب دمشق آیا تو اس نے ایک چٹان پر خون ابلتے دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا آباؤ اجداد کے دور سے ہم ایسا ہی دیکھ رہے ہیں، جب بھی یہاں آتے ہیں تو خون ابلتا نظر آتا ہے، بادشاہ نے ستر ہزار مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا تو یہ خون رک گیا۔ سعید بن المسیب کی طرف اس حدیث کی نسبت صحیح ہے۔ حافظ ابن عساکر کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ بقول ان کے یہ خون حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا تھا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بخت نصر کے مدتوں بعد پیدا ہوئے اور قتل ہوئے ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ خون اس سے پہلے کسی معصوم نبی کا ہوگا، یا پھر کسی صالح انسان کا خون ہوگا۔ بہر حال حال مشیت ایزدی کے تحت کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم حقیقت کیا ہے۔

ہشام بن کلبی فرماتے ہیں بخت نصر بیت المقدس آیا تو یہاں کے حکمران نے اس سے صلح کر لی، اس حکمران کا تعلق آل داؤد سے تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کے بارے بخت نصر سے ساز باز کر کر لی، بخت نصر نے اس سے کچھ آدمی بطور رھن لیے اور واپس آ گیا، جب وہ طبریہ پہنچا تو اسے یہ اطلاع ملی کہ بنی اسرائیل نے بادشاہ کو قتل کر کے اسکے ملک کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ اس لیے کہ اس نے بخت نصر سے صلح کی ہے۔ اس نے ان آدمیوں کی گردن ماری جو بطور رھن ساتھ لے جا رہا تھا۔ واپس لوٹا شہر پر حملہ کیا جنگجو مردوں کو قتل اور باقی جو بچے انہیں قیدی بنا لیا۔ فرماتے ہیں کہ بخت نصر نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید میں بند دیکھا تو آزاد کیا۔ لوگوں نے اسے بتایا یہ وہ شخص ہے جس نے بنی اسرائیل کو اس ہلاکت خیزی سے بروقت خبردار کیا لیکن انہوں نے اس کی بات ماننے

سے انکار کر دیا، اسے جھوٹا کہا اور قید میں ڈال دیا۔ بخت نصر نے کہا: وہ قوم کیا ہی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔ حضرت ارمیا علیہ السلام سے بہت بہتر سلوک کیا گیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ بنی اسرائیل کے کمزور و ناتواں لوگ حضرت ارمیا علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور اعتراف کیا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہم ہی ظالم لوگ ہیں، ہم بارگاہ خداوندی میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں کہ ہم غلط راہ پر تھے۔ اے اللہ کے نبی! آپ بھی ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعا سے ہماری توبہ قبول ہو جائے۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میں ان کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ ہاں ایک صورت ہے اگر یہ سچے ہیں تو اس شہر میں تیرے ساتھ قیام پذیر رہیں۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرو۔ بتایا کہ قبولیت توبہ کیلئے تمہیں یہاں رہنا ہوگا، کہنے لگے: یہ کیسے ممکن ہے، شہر تو برباد ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کے باسیوں کو ہلاک کر دیا، انہوں نے اس ویرانے میں رہنے سے انکار کر دیا۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ اس دور سے آج تک بنی اسرائیل در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کوئی حجاز میں ہے تو کوئی مدینہ طیبہ میں، ایک گروہ وادی القری میں ہے اور دوسرا طائفہ مصر میں، ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ بخت نصر نے بیت المقدس کے بادشاہ کو لکھا کہ جو لوگ سرکشی اور بغاوت کر رہے ہیں، انہیں میرے پاس بھیج دے لیکن اس بادشاہ نے انکار کر دیا۔ پس بخت نصر اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا، اور اس نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا۔ کئی قتل ہوئے ہزاروں قیدی بنے، پھر مغرب کی طرف بڑھا حتیٰ کہ آخری کونے تک جا پہنچا۔

ابن کلبی کہتے ہیں ارض مغرب، مصر، بیت المقدس فلسطین اور اردن سے بے تحاشا مال اور قیدی لے کر لوٹا، ان قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔ میرے خیال میں یہ دانیال بن حزقیل یعنی چھوٹے دانیال ہوں گے نہ کہ بڑے۔ جیسا کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ واللہ اعلم

حضرت دانیال علیہ السلام

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبدالاعلیٰ شیبانی نے بیان کیا کہ بخت نصر نے دو شیر پال رکھے تھے جو کنوئیں میں رکھے گئے تھے۔ حضرت دانیال علیہ السلام کو قید کر لایا اور انہیں ان شیروں کے آگے کنوئیں میں ڈال دیا، لیکن شیروں نے حضرت دانیال علیہ السلام کو کچھ نہ کہا۔ آپ ایک عرصے تک اس کنوئیں میں ٹھہرے رہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ آپ نے بھوک اور پیاس محسوس کی، جس طرح دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام کو ملک شام میں اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ حضرت دانیال علیہ السلام کیلئے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ! میں ارض مقدس میں ہوں جبکہ حضرت دانیال علیہ السلام سرزمین عراق کے شہر بابل میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: ہم نے جس چیز کا حکم دیا ہے اسے تیار کرو، ہم اسے تیار کریں گے جو تمہیں اور تمہاری تیار کردہ کھانے پینے کے سامان کو اٹھا کر بابل پہنچا دے گی۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے کھانا تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا جس نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو اور ان کے تیار کردہ کھانے پینے کی چیزوں کو اٹھا کر بابل پہنچا دیا، حتیٰ کہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں ارمیاء علیہ السلام ہوں۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ حضرت ارمیاء علیہ السلام نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ حضرت دانیال علیہ السلام بولے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو امید رکھنے والوں کو جواب دیتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو نیکی کا بہترین صلہ عطا فرماتا ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو صبر کی جزا نجات کی صورت میں عطا کرتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو اس وقت بھی ہماری امیدگاہ ہوتا ہے جب ساری کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش کی دریافت:

یونس بن بکیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے ابو خالد بن دینار سے روایت کیا کہ جب ہم نے "تستر" کو فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے خزانے میں ایک چارپائی ملی جس

پر ایک لاش پڑی تھی اور اس لاش کے سرہانے ایک مضمون بھی رکھا تھا، ہم نے مصحف اٹھا لیا اور اسے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، آپ آئے، اس مصحف کا عربی میں ترجمہ کیا۔

ابو العالیہ کہتے ہیں میں عرب میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اس مصحف کو پڑھا، میں نے اس کی اسی طرح تلاوت کی جس طرح قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوں۔ ابو خالد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا، اس مصحف میں کیا لکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا: اس میں تمہارے چلنے کے انداز، تمہارے امور، تمہاری گفتگو کے انداز اور اس کے بعد جو ہونا تھا سب اس میں درج تھا۔ میں نے پوچھا: لاش کا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا: ہم نے دن کے وقت الگ الگ تیرہ قبریں کھودیں اور جب رات ہوئی تو میت کو ان میں سے ایک میں دفن کر دیا، اور تمام قبور کو زمین کے ساتھ برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ لاش کو کس قبر میں دفنایا گیا ہے؟ یہ احتیاط اس وجہ سے کی گئی تاکہ اسے کوئی نکال نہ لے۔ میں نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے وہ کس شخص کی لاش تھی؟ انہوں نے کہا: دانیال شخص کی لاش تھی۔ میں نے پوچھا: انہیں رحلت فرمائے، کتنا عرصہ گزر چکا ہوگا؟ انہوں نے بتایا: تین سو سال۔ میں نے سوال کیا: کیا اس کے جسم میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تھی؟ فرمانے لگے بال گدی کے کچھ بالوں میں تبدیلی آ گئی تھی، کیونکہ انبیاء کے گوشت کو زمین نہ تو بوسیدہ کرتی ہے اور نہ ہی اسے درندے کھاتے ہیں۔ حضرت ابو العالیہ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے، لیکن ان کی تاریخ وفات کو تین سو سال پہلے تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ دانیال نبی نہیں ہو سکتے، بلکہ کوئی اور نیک شخص ہوں گے جن کا اسم گرامی دانیال ہوگا، کیونکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ یہ چیز حدیث سے ثابت ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ فترت کا یہ دور چار سو سال پر محیط ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی تاریخ وفات آٹھ سو سال پہلے ہو اور یہ مدت حضرت دانیال علیہ السلام کے قریب پڑتی ہے، اگر وہ لاش حضرت دانیال علیہ السلام کی گمان کی جائے تو پھر آخری مدت کے ساتھ یہ مطابقت رکھتی ہے اور ممکن ہے یہ کسی اور نیک و صالح شخص کی لاش ہو اور یہ نیک شخص نبی بھی ہو سکتا ہے اور ممکن ہے یہ کسی اور نیک و صالح شخص کی لاش ہو اور یہ نیک شخص نبی بھی ہو سکتا ہے اور غیر نبی بھی۔ لیکن لگتا ایسے ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی ہوگی کیونکہ فارس کا بادشاہ آپ علیہ السلام کو پابہ جولاں فارس لے آیا تھا اور قید میں رکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ابو العالیہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ان کی ناک ایک بالشت لمبی تھی۔ حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ سے بہتر سند سے روایت ہے کہ آپ کی ناک ایک ہاتھ لمبی تھی۔ ممکن ہے یہ لاش قدیم ترین انبیاء میں سے کسی پیغمبر کی ہو۔ واللہ اعلم

ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "احکام القبور" میں ابوالاشعث احمری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی تھی: اے اللہ! مجھے امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں، جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر فتح کیا تو انہیں ایک تابوت ملا جس میں حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: "جو حضرت دانیال علیہ السلام کے بارے بتائے اسے جنت کی بشارت دو۔" جس شخص نے بتایا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش مبارک ہے اس کا نام حرقوص تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا اور حضرت دانیال علیہ السلام کے متعلق خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ ان کی لاش کو دفن کر دو اور حرقوص کو میری طرف بھیجو کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے۔ اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث مرسل ہے۔ اس کا محفوظ ہونا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوبلال نے، ہم سے قاسم بن عبداللہ نے بیان کیا۔ انہوں نے عنبسہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔ عنبسہ ایک عالم تھے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش کے ساتھ ایک مصحف ملا۔ اس مصحف کے ساتھ ایک گھڑا تھا جس میں گوشت، کچھ درہم اور حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی تھی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ساری تفصیلات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی خط لکھا اور فرمایا: مصحف ہماری طرف بھیج دو۔ گوشت سے بھی کچھ حصہ ہماری طرف بھیجو اور اپنے سے پہلے مسلمانوں کو حکم دو کہ وہ اس گوشت کو دوائی کے طور پر استعمال کریں، درہم تقسیم کر لو رہی انگوٹھی تو وہ ہم نے آپ کو عطا فرما دی ہے۔

ابن ابی الدنیا کئی طریقوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب یہ لاش ملی اور انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش ہے تو وہ حاضر ہوئے۔ لاش سے معانقہ کیا اور بوسہ کی سعادت حاصل کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں حضرت دانیال علیہ السلام کے متعلق تفصیلات کو درج فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ لاش کے ساتھ تقریباً دس ہزار درہم کی مالیت کا سامان بھی رکھا ہوا ہے اور اس مال کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اسے اٹھاتا ہے اگر اسی جگہ واپس نہیں رکھ دیتا تو بیمار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خط میں مندرج تھا کہ لاش کے ساتھ ایک صندوق بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پانی

اور بیری کے پتوں کو ابال کر میت کو غسل دیا جائے اور کفن پہنا کر اسے دفن کر دیا جائے لیکن مخفی طریقے سے تاکہ قبر کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو سکے اور مال کے متعلق یہ حکم صادر فرمایا: اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے جبکہ صندوق اپنے پاس منگوالیا اور انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرما دی۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے چار قیدی لانے کا حکم صادر فرمایا۔ قیدی لائے گئے، آپ کے حکم سے انہوں نے ایک نہر کے پانی کو روک کر درمیان میں قبر کھودی اور اس قبر میں حضرت دانیال علیہ السلام کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان چاروں قیدیوں کو لا کر ان کی گردن مار دی گئی اس طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار اقدس سے واقف نہ رہا۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی بردہ بن ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس کے نگینے پر دو شیر کندہ تھے جن کے درمیان ایک شخص کی تصویر تھی، دونوں شیر اس شخص کے پاؤں چاٹ رہے تھے۔ حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ انگوٹھی اس لاش کی ہے جس کے متعلق اس شہر کے لوگوں کا گمان ہے کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں۔ یہ انگوٹھی میرے والد گرامی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے دفن کے وقت اتار لی تھی۔ حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے بقول حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اس شہر کے علماء سے اس انگوٹھی کے اس نقش کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا تھا کہ حضرت دانیال علیہ السلام جس ملک میں پیدا ہوئے وہاں کے بادشاہ کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ تیری مملکت میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو تاخت و تاراج کر دے گا۔ بادشاہ نے قسم اٹھائی کہ آج رات جو بچہ پیدا ہوگا اسے ضرور قتل کر دیا جائے گا۔ شیر رات کو آئے، بچے کو دیکھا، اس کے جسم کو چاٹا اور مادہ نے ان کیلئے دودھ اتار دیا (جس طرح ایک مادہ اپنے بچے کو چاٹتی ہے تو اس کے تھنوں میں دودھ بھر جاتا ہے۔) اور شیروں نے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ شیر بچے کو چاٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کو اس مصیبت سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ آپ اس مقام کو پہنچے جو ان کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شہر کے علماء کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا دانیال علیہ السلام نے اس تصویر اور ان دو جسم چاٹنے والے شیروں کی تصویر کو اپنی انگوٹھی میں بھی نقش کر دیا تاکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جو انعام و اکرام کیا تھا کبھی نہ بھولے۔

بیت المقدس از سر نو تعمیر کا تذکرہ:

❁ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

او کالذی مر علی قریۃ و ھی خاویۃ ...... ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو جو گزرا ایک بستی پر در آں حال کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد سو مردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا۔ فرمایا: کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا رہا اس نے عرض کیا: میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، اللہ نے فرمایا: نہیں بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال اب (ذرا) دیکھ اپنے گدھے کو اور یہ سب اس لیے ہے کہ ہم بنائیں تجھے نشانی لوگوں کیلئے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت پھر جب حقیقت روشن ہو گئی اس کیلئے (تو) اس نے کہا: میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

ہشام بن کلبی فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو وحی فرمائی جیسا کہ یہ بات مجھ تک پہنچی ہے، میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں، پس تو اس (شہر مقدس) کی طرف آ اور اس میں رہائش پذیر ہو۔ آپ تشریف لائے اور آ کر دیکھا کہ یہ شہر تو ایک ویرانہ ہے۔ اپنے دل میں سوچا۔ سبحان اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے یہاں رہائش پذیر ہونے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے فرمایا ہے کہ میں اسے آباد کرنے والا ہوں، نہ جانے کب یہ شہر آباد ہو گا اور کب اس شہر کے مردہ باسیوں کو زندگی عطا فرمائے گا؟ اسی سوچ میں نیند آ گئی۔ سر رکھا اور سو گئے۔ ساتھ ہی گدھا باندھا تھا اور ایک ٹوکری تھی جس میں کھانے کا کچھ سامان رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام سو سال تک یونہی سوتے رہے حتیٰ کہ بخت نصر اس پر فرمانروا لہراسب دونوں مر گئے لہراسب کی مدت حکومت ایک سو بیس سال ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بشتاسب بن لہراسب تخت نشین ہوا۔ بخت نصر کی موت بشتاسب کے دور حکومت میں واقع ہوئی۔ اس بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ بلاد شام ویرانے میں بدل چکے ہیں اور اب ارض فلسطین درندوں کی آماجگاہ ہے، وہاں کوئی انسان نہیں بستا۔ بادشاہ نے اعلان کروا دیا کہ ارض بابل میں مقیم بنی اسرائیل میں سے جو شام کو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔ بادشاہ نے اسرائیلیوں سے یہ وعدہ کیا کہ ان پر آل داؤد سے حکمران ہو گا۔ اس نے حکم دیا کہ بیت المقدس کی تعمیر نو کی جائے۔ مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔ بنی اسرائیل یہ اعلان سن کر واپس لوٹے۔ بیت المقدس کو آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے میں حضرت ارمیاء علیہ السلام کو بیدار کر دیا۔ انہوں نے شہر کی طرف نظر کی (حیران رہ گئے) دیکھتے ہی دیکھتے تعمیر نو ہو گئی اور شہر آباد ہو گیا۔ وہ اسی حالت میں سو

سال سوتے رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں جگا دیا حالانکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ایک سو سال سوتے گزر گئے ہیں، ان کے خیال میں تو بس ایک گھڑی نیند تھی، جب وہ سوئے تھے تو یہ ایک ویرانہ تھا مگر بیدار ہوئے تو عمارات تعمیر ہو چکی تھیں اور گھروں میں رونقیں لوٹ آئی تھیں، جب انہیں معلوم ہوا کہ نیند سو سال پر محیط تھی تو پکار اٹھے۔ اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ راوی فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل شام میں قیام پذیر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلی سی عزت و شوکت عطا فرما دی۔ وہ صاحب سطوت و عظمت رہے حتیٰ کہ طوائف الملوکی کے دوران روم نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔

مجوسیت کا دنیا میں ابتداء:

❁ علامہ ابن جریر بھی اپنی تاریخ میں اس واقعہ کے متعلق یہی لکھتے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ لہراسب ایک عادل اور بہترین سیاستدان تھا۔ کیا بادشاہ اور قائدین بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ مختلف ممالک اور اس میں بسنے والے لوگوں کی گردنیں لہراسب کے سامنے خمیدہ دکھائی دیتی تھیں۔ شہروں کی آبادی، نہروں کی کھدائی اور قلعوں کی تعمیر میں وہ بہت بہتر رائے رکھتا تھا، جب بڑھاپے کی وجہ سے وہ تدبیر مملکت سے عاجز آ گیا تو اس کا بیٹا بشتاسب سربراہ مملکت ہوا۔ اسی کے دور میں مجوسیت کا ظہور عمل میں آیا۔ کہتے ہیں کہ زرتشت نامی ایک شخص نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کی صحبت اٹھائی۔ کسی وجہ سے یہ بارگاہ نبوت میں معتوب ٹھہرا۔ حضرت ارمیاء علیہ السلام کی بددعا کی وجہ سے زرتشت برص کی بیماری میں مبتلا ہوا۔ یہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، اور آذربائیجان قیام پذیر ہوا۔ بشتاسب ایک عرصہ تک زرتشت کی صحبت میں رہا، اور اس کے وضع کردہ دین کو قبول کر لیا، بشتاسب نے نہ صرف خود مجوسیت کو قبول کیا بلکہ اس کی باقاعدہ تبلیغ کی اور انکار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ بشتاسب کے بعد اس کا بیٹا بہمن تخت نشین ہوا۔ بہمن فارس کے ان مشہور ترین بادشاہوں اور مردان میدان میں سے ہے جن کی بہادری کے تذکرے زبان زد عوام ہیں۔ اس بدبخت نے بخت نصر کی طرح طویل عمر پائی اور ہمیشہ بخت نصر کی طرح دنیا پر ظلم ڈھاتا رہا۔

مقصد یہ ہے کہ علامہ ابن جریر کے بیان کے مطابق ویران بستی سے گزرنے والے حضرت ارمیاء علیہ السلام تھے۔ یہ قول حضرت وہب بن منبہ، عبداللہ بن عبید بن عمیر اور کئی دیگر مفسرین کا ہے۔ سیاق کلام کے اعتبار سے یہ قوی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت سدی، سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نزدیک ویران بستی سے گزرنے والے حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اور اکثر اسلاف و اخلاف میں یہی مشہور ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عزیر ؑ

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ عزیر بن جروہ ؑ تھے۔ ایک قول کے مطابق ابن سوریق بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی ابن اسبوع بن فخاص بن العازر بن ہارون بن عمران تھے۔ (یعنی حضرت عزیر ؑ کے والد ماجد کا نام جروہ نہیں سوریق تھا۔)

ایک قول کے مطابق حضرت عزیر بن سروخا، بعض آثار میں یہ چیز بھی ملتی ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت عزیر ؑ بیچ گئے یا نہیں۔ اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں۔

اسحاق بن بشر، جویبر اور مقاتل سے، وہ ضحاک سے اور وہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر ؑ ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں بخت نصر قید کر کے بابل لے گیا تھا۔ حضرت عزیر ؑ ان دنوں چھوٹے بچے تھے۔ جب آپ ؑ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے نوازا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر ؑ سے بڑھ کر تورات کو یاد رکھنے والا اور جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ان کا تذکرہ انبیاء کے ساتھ ہوتا تھا مگر جب انہوں نے تقدیر کے علم کیلئے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انبیاء کی فہرست سے محو کر دیا۔ یہ روایت ضعیف، منقطع اور منکر ہے۔ واللہ اعلم

اسحاق بن بشر، سعید سے، وہ ابو عروبہ سے، وہ قتادہ سے وہ حسن سے، وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر ؑ ہی وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مردہ رکھنے کے بعد زندہ کیا۔

سو سال بعد زندہ ہو گئے:

اسحاق بن بشر نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا۔ اسحاق کہتے ہیں کہ ان تمام راویوں نے مجھ سے حضرت عزیر ؑ کے بارے روایت کیا۔ بعض روایات میں کچھ الفاظ زائد ہیں جو انہوں نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیے ہیں۔ ان روایت کی رو سے حضرت عزیر ایک صالح اور دانا شخص تھے۔ ایک دن پیشہ وارانہ مصروفیات کے سلسلے میں بستی سے باہر نکلے۔ واپسی پر ان کا

گزر ایک ویران شہر پر ہوا۔ ظہر کا وقت ہو گیا تھا، سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ گرمی سے بچنے کیلئے کھنڈرات میں داخل ہوئے۔ اپنے گدھے سے اترے جس پر سوار تھے۔ آپ کے پاس دو ٹوکریاں تھیں، ایک میں انجیر کا پھل تھا اور دوسری ٹوکری میں انگور تھے۔ آپ ان کھنڈرات کے سائے میں بیٹھ کر ایک پیالے میں انگور کا رس نچوڑنے لگے۔ رس نچوڑنے کے بعد خشک روٹی نکالی اور اس میں بھگو دی، پھر ٹانگیں پھیلا کر اور سر دیوار کے ساتھ لگا کر سستانے لگے تاکہ روٹی اس رس میں اچھی طرح نرم ہو جائے۔ اچانک چھت کی طرف دیکھا تو خیال آیا چھت اپنے پایوں پر استادہ ہے جبکہ انسانوں کی ہڈیاں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں۔ فوراً ذہن میں ایک خیال گزرا اور دل میں سوچنے لگے:

انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ”کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد۔“

آپ نے یہ کلمات کسی شک کی بنا پر نہیں کہے تھے بلکہ ازراہ تعجب کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں میں پھر سے زندگی کی رو کیسے دوڑے گی۔ اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو بھیجا۔ فرشتے نے حضرت عزیر ؑ کی روح کو قبض کیا اور وہ ایک سو سال تک بے جان ان کھنڈرات میں پڑے رہے۔ جب سو سال کا عرصہ ہو گیا، اس عرصے میں بنی اسرائیل میں کئی واقعات رونما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر ؑ کی طرف ایک فرشتے کو بھیجا۔ اس نے آپ کے دل کو نئی زندگی دی تاکہ اس میں قوت آ جائے۔ فرشتے نے آپ کی آنکھوں کو بھی نئی تخلیق کر دی تاکہ آپ ان سے دیکھ سکیں۔ قلب و نظر کی زندگی اس لیے عطا کی گئی تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندگی عطا کرتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جلد پر بال اگ آئے اور وہ سب کچھ دیکھتے رہے اور تکتے رہے پھر اس پورے ڈھانچے میں روح پھونک دی گئی اور وہ منتشر اجزاء کے اکٹھا ہونے سے روح پھونکے جانے تک سب کچھ دیکھتے رہے، پھر وہ زندہ ڈھانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ حضرت عزیر ؑ تھے۔ فرشتے نے ان سے پوچھا: یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: یہی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، کیونکہ ان کے خیال میں تو وہ ظہر سے کچھ دیر پہلے سوئے تھے اور دن کے آخری لمحوں میں جاگ اٹھے تھے اور ابھی پہلے دن کا سورج بھی غروب نہیں ہوا تھا۔ پس اپنے خیال کے مطابق جواب دیا کہ دن یا دن کا کچھ حصہ سویا ہوں۔ فرشتے نے انہیں اصل صورتحال سے آگاہ فرمایا: (بات یوں نہیں جیسے آپ سوچ رہے ہوں) بلکہ آپ ایک سو سال تک اس ویرانے میں پڑے موت کی نیند سوتے رہے ہیں۔ دیکھئے ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو یعنی خشک روٹی اور انگوروں کا رس جسے نچوڑ کر پیالے میں رکھا تھا۔

حضرت عزیر ؑ دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں اپنی اصلی حالت پر ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ نہ تو انگور کا رس خراب ہوا ہے اور نہ خشک روٹی میں کوئی تغیر آیا ہے۔ اسی لیے فرمایا:

لم یتسنہ ترجمہ: ”کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔

اسی طرح انجیر اور بقیہ انگور بھی ترو تازہ تھے ان میں گردش زمانہ کے ساتھ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لگتا ہے کہ حضرت عزیر ؑ نے دل میں اتنی مدت بیت جانے کا انکار کیا ہوگا۔ اس لیے فرشتے نے کہا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، کیا اس کا آپ انکار کرتے ہیں؟ ذرا اپنے گدھے کی طرف نگاہ کریں۔ حضرت عزیر ؑ نے گدھے کو جو دیکھا تو اس کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں، فرشتے نے گدھے کی ہڈیوں کو پکارا، ان منتشر ہڈیوں نے ان کی آواز کا جواب دیا اور ادھر ادھر سے اکٹھی ہونا شروع ہو گئیں۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ فرشتے نے اجزائے منتشرہ کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت عزیر ؑ یہ سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر ان ہڈیوں کو رگوں اور پٹھوں کا لباس پہنا دیا گیا، ہڈیوں کو گوشت نے چھپایا، گوشت پر جلد پیدا ہوئی اور جلد پر بال، پھر اس ڈھانچے میں فرشتے نے روح پھونک دی، گدھے نے سر اٹھایا، کنوتیاں بلند کیں اور قیام قیامت کا سوچ کر ڈھینچو ڈھینچو کی آواز بلند کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و انظر الی حمارك و لنجعلك آية للناس و انظر الی العظام كيف ننشز ها ثم نكسو ها لحما۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: ”اور دیکھ اپنے گدھے کو اور یہ سب اس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشانی لوگوں کیلئے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت۔“

یعنی اپنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کر ہم ایک ایک جوڑ کو کیسے اکٹھا کرتے ہیں اور کیسے ان ہڈیوں سے گوشت کے بغیر ایک ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور پھر کیسے ہم اس ڈھانچے کو گوشت پہناتے ہیں۔

فلما تبين له قال اعلم ان الله علی كل شیء قدير۔

ترجمہ: ”پھر جب حقیقت روشن ہو گئی اس کیلئے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ مردوں کو ایک لمحے میں زندہ کر سکتا ہے۔“

راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عزیر ؑ اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور گھر کی راہ لی۔ جب گھر پہنچے تو نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ لوگوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا، گھر کے در و دیوار اجنبی محسوس ہونے لگے۔ ایک بوڑھی گھر کے ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے محروم یہ بوڑھی زندگی

کی ایک سو بیس بہاریں دیکھ چکی تھی۔ وہ پورے خاندان کی ماں تھیں، وہ حضرت عزیر ؑ سے جان پہچان رکھتی تھی۔ حضرت عزیر ؑ نے آواز دی: اے فلاں! کیا یہ عزیر کا گھر ہے؟ بوڑھی نے اثبات میں جواب دیا اور گھمبیر آواز میں کہنے لگی: ایک عرصہ بیت گیا کسی کی زبان پر عزیر کا نام نہیں آیا۔ لوگ اس نام کو بھول گئے ہیں۔ حضرت عزیر ؑ نے کہا: میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مجھ پر موت طاری کیے رکھی۔ پھر مجھے نئی زندگی عطا کی۔ بوڑھی کی زبان سے ”سبحان اللہ“ کے الفاظ نکلے اور تعجب سے کہنے لگی۔ ایک سو سال سے ہم عزیر کی صورت کو ترس رہے ہیں اور آج تک کسی سے اس کا ذکر نہیں سنا۔ حضرت عزیر ؑ نے فرمایا: میں ہی وہ گم گشتہ عزیر ہوں۔ بوڑھی کو یقین کیسے آتا، لیکن پھر بھی کچھ سوچ کر کہنے لگی: عزیر مستجاب الدعوات تھے، مریض اور مصیبت زدہ کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اللہ تعالیٰ خیر و عافیت سے اس کی جھولی بھر دیتا، اگر تو عزیر ہے تو میری بینائی کی دعا کرتا کہ میں دیکھ سکوں کہ تو عزیر ہے۔

راوی فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر ؑ نے دعا کی اور اپنے ہاتھ بوڑھی کی آنکھوں پر رکھے، ہاتھ رکھنے کی دیر تھی، بصارت لوٹ آئی اور ساری کمزوری دور ہو گئی۔ حضرت عزیر ؑ نے بوڑھی کا ہاتھ تھاما اور کہا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے کھڑی ہو جایئے۔ ٹانگوں کے بندھن گویا کھل گئے ہوں، وہ تندرست اور توانا اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عزیر ؑ کو دیکھ کر پہچان گئی اور بولی میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ؑ ہیں۔ بوڑھی بنی اسرائیل کے محلے میں دوڑی دوڑی پہنچی۔ سب لوگ مجلس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عزیر ؑ کا بیٹا جو ایک سو اسی سال کی عمر میں تھا اور قوم نے اسے اپنا سردار مقرر کر رکھا تھا وہ بھی اسی مجلس میں موجود تھا۔ بوڑھی چیخی: دیکھو عزیر ؑ آ گیا ہے، مگر کون اس کی بات کا یقین کرتا۔ سب نے سنی ان سنی کر دی، مگر بوڑھی کی آواز میں یقین کی ایک کیفیت تھی۔ زور سے پھر اسی بات کو دہرایا حضرت عزیر ؑ آ گیا ہے۔ لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی، پھر چیخی سنتے کیوں نہیں؟ میں تمہاری ماں فلاں بوڑھی ہوں۔ دیکھو! عزیر ؑ کی دعا کی وجہ سے میری بینائی لوٹ آئی ہے اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہوں۔ بوڑھی نے بتایا: حضرت عزیر ؑ کا گمان ہے کہ وہ ایک سو سال تک موت کی نیند سویا رہا، پھر ایک نئی زندگی نے کر بیدار ہوا۔

راوی کہتا ہے کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، دوڑے دوڑے حضرت عزیر ؑ کے گھر پہنچے دیکھا کہ ایک جوان رعنا گھر میں موجود سب کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ بوڑھا سردار جو عزیر کا بیٹا تھا کہنے لگا: والد گرامی کے دونوں کندھوں کے درمیان کالا تل تھا۔ حضرت عزیر ؑ نے

کندھے ننگے کیے تو یہ نشان موجود تھا۔ بنی اسرائیل کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہے۔ کہنے لگے: عزیر علیہ السلام سب لوگوں سے زیادہ تورات کے حافظ اور عالم تھے۔ بخت نصر نے تورات جلا دی۔ اب صرف وہی حصے باقی ہیں جو لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں، اگر تو عزیر علیہ السلام ہے تو تورات کو مصحف کی صورت میں لکھ دے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے والد گرامی سروخ نے تورات کے نسخے کہیں دفن کیے تھے، ان مدفون نسخوں کا علم حضرت عزیر علیہ السلام کے علاوہ کسی کو نہیں، اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ نسخے نکال کر دکھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام اٹھے، انہیں ساتھ لیا اور اسی جگہ کی نشاندہی کی، جہاں یہ نسخہ جات مدفون تھے۔ گڑھا کھودا گیا تو واقعی تورات کے بوسیدہ نسخے وہاں موجود تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے تورات کی کتابت کا کام بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جن دنوں حضرت عزیر علیہ السلام تورات کی تدوین فرما رہے تھے، اسی درخت کے سایہ میں بیٹھے لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک معجزہ رونما ہوا۔ آسمان سے شہاب ثاقب ٹوٹے اور ان سے ایک روشنی خارج ہوئی جو حضرت عزیر علیہ السلام میں داخل ہو گئی پہلے جو انہیں حضرت عزیر علیہ السلام ماننے کیلئے تیار نہیں تھے، ان نشانات کو دیکھ کر "عزیر خدا کا فرزند ہے" کا نعرہ بلند کرنے لگے، آپ نے حزقیل نبی کی عبادت گاہ میں بیٹھ کر ارض سواد میں تورات کا کام مکمل کیا تھا اور جس بستی میں آپ کا انتقال ہوا اسے "سایرآباذ" کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق بنی اسرائیل کیلئے دلیل راہ بن گئے، کیونکہ آپ اپنے بیٹوں اور پوتوں میں بیٹھ کر ان کی تربیت کرتے رہے، جو اب بوڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکے تھے، جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام جوان تھے ان کی عمر چالیس سال تھی، کیونکہ آپ جس حالت میں عارضی موت کی نیند سوئے تھے، اسی حالت میں دوبارہ زندہ ہو گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کی دوبارہ زندگی کا واقعہ بخت نصر کے بعد پیش آیا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ابوحاتم سجستانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو منظوم صورت میں اسی طرح پیش کرتے ہیں۔

اسود رأس شاب من قبله ابنه و من قبله ابن ابنه فهو اكبر
يرى ابنه شيخا يدب على العصا و لحيته سوداء والرأس اشقر
وما لابنه حيل ولا فضل قوة يقوم كما يمشى الصبى فيعثر
يعد ابنه فى الناس تسعين حجة و عشرين لا يجرى ولا يتبختر

و عمر ابيه اربعون احرها ولا بن ابيه تسعون فى الناس غبر
فما هو فى المعقول ان كنت داريا و ان كنت لا تدرى فبا لجهل تعذر

ترجمہ: "اس کے بال کالے ہیں، حالانکہ وہ بڑا ہے۔ اس کا بیٹا اور اس کا پوتا اس سے پہلے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اس کا بیٹا دیکھا تو ایک بوڑھا ہے جو لاٹھی کے سہارے چل رہا ہوتا ہے حالانکہ اس (عزیر) کی داڑھی مبارک اور بال سیاہ ہیں۔ اس کے بیٹے میں اب تاب و تواں نہیں رہی وہ جو اٹھتا ہے جیسے بچہ چلتا ہے تو گر پڑتا ہے۔ اس کے بیٹے کی عمر ایک سو دس سال شمار ہوتی ہے وہ نہ تو چل سکتا ہے اور نہ ٹہل سکتا ہے۔ باپ کی عمر چالیس سال ہے اور پوتے کو لوگوں میں رہتے نوے سال گزر گئے ہیں، اگر تو جانے تو یہ بات قرین عقلمندی نہیں ہے اور اگر تو نہیں جانتا تو جہالت کی وجہ سے معذور ہے۔"

مشہور یہی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک ہیں اور ان کا دور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان یا حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے درمیان کا دور ہے۔ اس دور میں کوئی شخص نہیں تھا جسے تورات یاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بذریعہ الہام تورات کا علم عطا فرمایا اور آپ نے بنی اسرائیل میں اس کی تبلیغ کی۔ جیسا کہ حضرت وہب بن منبہ کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے معرفت کا نور لے کر ایک فرشتہ زمین پر اترا اور معرفت کے اس نور کو حضرت عزیر علیہ السلام کے دل میں منتقل کر دیا۔ آپ نے حرف بحرف تورات کو لکھا حتیٰ کہ اس کی تدوین مکمل ہو گئی۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے آیت "و قالت اليهود عزير ابن اللہ" کے متعلق پوچھا کہ یہودی ایسا کیوں کہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو تورات کو اپنی یادداشت کی بناء پر لکھتا۔ بنی اسرائیل کہا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ تورات کو بغیر کتابی شکل کے لاتے۔ وہ عزیر ہیں جو کلام خداوندی کو بغیر کتاب کے ہمارے پاس لائے۔ پس کچھ لوگوں نے اسے بنیاد بنا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

اسی لیے اکثر مفسرین عظام فرماتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کے دور میں تورات منقطع ہو چکی تھی۔ اور یہ رائے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے اگر حضرت عزیر علیہ السلام کو غیر نبی سمجھا جائے جیسا کہ عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری کا قول ہے۔ اور جیسا کہ اسحاق بن بشر مقاتل بن سلیمان سے، وہ عطاء سے وہ عثمان بن عطاء خراسانی سے۔ وہ اپنے والد سے، اور مقاتل عطاء بن ابی رباح سے

روایت کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ نو چیزیں اس دور فترت میں واقع ہوئیں۔ بخت نصر، صنعاء اور سباء کے باغ، اصحاب الاخدود، حاصیوراء کا واقعہ، اصحاب کہف اور اصحاب فیل کے واقعات اور انطاکیہ کے شہر اور تبع کا واقعہ۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں۔ ہمیں سعید نے اطلاع دی۔ انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حسن سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اور بخت نصر کے واقعات دور فترت میں پیش آئے۔

صحیح مسلم کی حدیث سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن مریم کا سب سے قریبی میں ہوں کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی دور میں تشریف لائے۔

ابن عساکر، حضرت انس بن مالک اور عطاء بن سائب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے دور میں ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے حاضری کی اجازت طلب کی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ یعنی جب حضرت عزیر علیہ السلام نے تقدیر کے علم کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا چہرہ پھیر لیا تو اس وقت انہوں نے کہا تھا۔ سو موتیں آسان ہیں اور ایک لمحے کی ذلت سے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اسی قول کو ایک شاعر نے منظوم صورت میں اس طرح پیش کیا ہے۔

قد یصبر الحر علی السیف ۔۔۔ ویانف الصبر الحیف

ویؤثر الموت علی حالة ۔۔۔ یعجز فیها عن قری الضیف

"کبھی ایک آزاد منش انسان تلوار پر صبر کرتا ہے اور ظلم و ستم پر صبر کرنے کو عار محسوس کرتا ہے۔ وہ موت کو ایسی حالت پر ترجیح دے دیتا ہے جس میں وہ مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کر سکتا ہو۔"

رہا ابن عساکر وغیرہ کو حضرت ابن عباس، نوف البکالی، سفیان ثوری اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے یہ روایت کرنا کہ حضرت عزیر علیہ السلام تقدیر کے بارے سوال کر بیٹھنا اور اس وجہ سے انبیاء کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا گیا تو یہ روایت منکر ہے اور اس کا صحیح ہونا محل نظر ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ اسرائیلیات سے ماخوذ ایک روایت ہے۔

عبدالرزاق اور قتیبہ بن سعید نے جعفر بن سلیمان سے، انہوں نے ابی عمران جونی سے، انہوں نے نوف بکالی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مناجات کرتے

ہوئے عرض کیا: پروردگار! تو مخلوق کو پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے (آخر کیا وجہ ہے؟) انہیں جواب دیا گیا کہ اس سوال کو رہنے دیجیے۔ انہوں نے اس سوال کو دہرایا پھر یہی جواب ملا اور کہا گیا کہ اس سوال کو ترک کر دے ورنہ میں آپ کا نام انبیاء کی فہرست سے خارج کر دوں گا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس پر جواب دہ نہیں ہوں جبکہ لوگ جواب دہ ہیں۔ یہ واقعہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو وعید سنائی گئی کہ اگر تیسری بار یہ سوال کیا تو نام مٹ جائے گا مگر نام مٹایا نہیں گیا۔

ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک نبی کسی درخت کے نیچے اترے چیونٹی نے انہیں کاٹ لیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس کی رہائش گاہ تلاش کرو۔ اسی درخت کے نیچے لوگوں نے اسے ڈھونڈ نکالا۔ پھر انہوں نے ان کو جلانے کا حکم دیا۔ پس پورے گھر کو آگ سے جلا دیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ سزا ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہ دی۔

اسحاق بن بشر ابن جریج سے، وہ عبدالوہاب بن مجاہد سے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری سے بھی روایت ہے کہ (جس نبی نے چیونٹیوں کو جلانے کا حکم صادر کیا تھا) وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے۔ واللہ اعلم

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام

❁ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا''

کہیعص۔ ذکر رحمت ربک عبدہ .... و یوم یبعث حیا۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: ''یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور اور بوسیدہ ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے۔ (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کریں اور میری بیوی بانجھ ہے بس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنادے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا) اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا: یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبر سنی میں بچہ دینا میرے لیے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے عرض کی اے میرے رب! ٹھہرا دو میرے لیے کوئی علامت جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت گاہ سے تو اشارے سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔ اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جبکہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر

(اور) سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔''

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وکفلها زکریا کلما دخل علیها زکریا۔ ...... بالعشی والابکار۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: ''اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس نے چاہتا ہے بے حساب وہیں دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آ گیا ہے مجھے بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا: بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی لیکن) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے عرض کی اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لیے کوئی نشانی۔ فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح۔''

وزکریا اذ نادی ربه .... وکانوا لنا خاشعین۔ ﴿سورۂ الانبیاء﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا۔ اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔''

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وزکریا و یحیی و عیسی والیاس کل من الصالحین۔ ﴿سورۂ الانعام﴾

ترجمہ: ''زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ سب صالحین میں سے تھے۔''

حافظ ابوالقاسم بن عساکر اپنی جامع تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے والد گرامی کا نام برخیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ زکریا بن دان بھی کہا جاتا ہے۔ زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن برخیا بن بلطہ بن ناحور بن شلوم بن بہفاشاط بن اینامن بن رجام بن سلیمان بن داؤد۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے معروف نبی علیہ السلام کے والد محترم ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام دمشق کے مضافات میں واقع "البثنیۃ" بستی میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں تشریف لے گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے تو ان کے والد حضرت زکریا علیہ السلام دمشق میں تشریف فرما تھے۔۔ واللہ اعلم

آپ کے نسب کے بارے اور اقوال بھی ہیں۔ لفظ زکریاء کا تلفظ یائے مقصورہ اور یائے ممدودہ دونوں طرح کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرا تلفظ زکری بھی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حالات سے لوگوں کو آگاہ فرمائیں۔ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے میں بچے سے نوازا۔ حالانکہ ان کی زوجہ محترمہ جوانی میں بانجھ تھیں اور اب تو وہ عمر یاس کو پہنچ چکی تھیں۔ یہ معجزہ اس لیے صادر ہوا تا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ ہو۔

ذکر رحمة ربك عبده زكريا اذ نادى ربه نداء خفيا ﴿سورۂ مریم﴾

"یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔"

حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ صاف دل کو جانتا ہے اور کمزور آواز کو سنتا ہے۔ بعض سلف صالحین کا ارشاد ہے کہ حضرت زکریاء علیہ السلام رات کے وقت اٹھے اور اپنے ساتھ لیٹے دوسرے شخص سے ڈر کے مارے آہستہ آہستہ بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا! لبیک۔ اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔

قال رب انی وهن العظم منی۔ ترجمہ: "عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور بوسیدہ ہو گئی ہیں میری ہڈیاں۔"

یعنی میں کمزور ہو چکا ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے قوت ماند پڑ گئی ہے۔

واشتعل الراس شيبا ترجمہ: "اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے۔"

یہ استعارہ ہے کہتے ہیں "اشتعل النار فی الحطب" "آگ ایندھن میں شعلہ بار ہو چکی ہے۔"

یعنی بڑھاپا میرے بالوں کی سیاہی پر بھی غالب آ چکا ہے۔ جیسا کہ دریداپنے قصیدہ مقصورہ میں کہتا ہے۔

اما ترى راسى حاكى لونه   طرة صبح تحت اذيال الدجا
واشتعل المبيض فى مسوده   مثل اشتعال النار فى جمر الغضا
وآض عود اللهم يباس ذاويا   من بعد ما قد كان مجاج الثرى

کیا آپ میرا سر نہیں دیکھتے جس کی رنگت اس صبح کے پہلو کی حکایت بیان کر رہی ہے جو تاریکی کے دامن سے ہویدا ہو گئی ہو۔ اور اس کی ظلمت سے روشنی اس طرح ظاہر ہوئی ہو جس طرح آگ جھاؤ کے ڈھیر میں بلند ہوتی ہے۔ بڑھاپے کی چھڑی ہر پہلو سے خشک ہو گئی ہے حالانکہ وہ پہلے زمین کی کھائی ہوئی لکڑی نہیں تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام بیان فرما رہے ہیں کہ ان کا ظاہر بھی کمزور ہو چکا ہے اور باطن بھی۔ جیسا کہ مذکورہ شعروں میں شاعر اپنے بڑھاپے کو استعارے کی زبان میں بیان کرتا نظر آتا ہے۔

ولم اكن بدعائك رب شقيا۔

ترجمہ: "اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب اور میں نامراد رہا ہوں۔"

یعنی تو نے میری ہر عرض داشت کو قبولیت سے نوازا ہے۔ حضرت زکریاء علیہ السلام کو اس دعا کا خیال اس لیے آیا کہ حضرت مریم بنت عمران بن ماثان آپ علیہ السلام کی کفالت میں تھیں۔ آپ جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے وہاں بے موسم کے تر و تازہ پھل پاتے۔ یہ حضرت مریم کی کرامت تھی۔ اس سے آپ کو خیال آیا کہ جو ذات اقدس اس بچی کو بند کمرے میں بے موسم کے پھل عطا فرمانے پر قادر ہے وہ مجھے بڑھاپے میں میری بیوی کے بانجھ پن کے باوجود بچہ دینے پر بھی قادر ہے۔

اولاد کیلئے دعا:

هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لى من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعآ۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "وہیں دعا مانگی زکریاء نے اپنے رب سے۔ عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد۔ بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا۔"

✿ عرض کی:

وانى خفت الموالى من ورائى و كانت امرأتى عاقرا۔

ترجمہ: ''اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے۔''

ایک قول کے مطابق موالی سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ (جیسا کہ ترجمہ میں ہے) ایسا لگتا ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اگر یہ لوگ بنی اسرائیل کی زمام اقتدار سنبھالیں گے تو اللہ تعالیٰ کے قوانین کو پس پشت ڈال دیں گے اور اطاعت خداوندی سے روگردانی کریں گے۔ اس لیے آپ نے اپنی پشت سے ایک نیک، متقی بچے کی دعا مانگی جس سے اللہ راضی ہو۔ اسی لیے عرض کی: ''فھب لی من لدنک'' یعنی مجھے اپنی جناب سے اپنی قدرت و طاقت کے باعث عطا فرما'' ولیا یرثنی'' ایک بچہ جو نبوت اور حکم کا وارث ٹھہرے۔

ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا۔

ترجمہ: ''اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ''

یعنی جس طرح میرے آباؤ اجداد کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے انبیاء بنایا میرے بچے کو بھی ان کی طرح نبوت و وحی کا شرف عطا فرما۔ یہاں مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ اہل تشیع کا گمان ہے۔ اور علامہ ابن جریر نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور ابو صالح کے حوالے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو وہی ہے جسے ہم آیت ''وورث سلیمان داود'' (سورۃ النمل) کے تحت بیان کر آئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور ملک میں اپنے والد گرامی کے وارث تھے۔ اور اس مفہوم کی وجہ بیان کرتے ہوئے ہم نے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جس پر علماء کا اتفاق ہے اور جو صحاح ستہ مسانید اور سنن وغیرہ کتب حدیث میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مختلف طرق سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لانورث ما ترکنا فھو صدقۃ

ترجمہ: ''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اور یہ حدیث اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت جاری نہیں ہوئی۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال کو جو آپ کے ساتھ مختص تھا اس آدمی پر صرف کرنے سے انکار کر دیا جو اس نص کے نہ ہونے کی صورت میں اس مال کا وارث قرار پاتا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی ازواج مطہرات، آپ کے چچا حضرت

عباس رضی اللہ عنہم۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے دلیل میں یہ نص پیش کی۔ اس کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہونے پر حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ابن عفان، حضرت علی بن ابی طالب حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوہریرہ اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے جو تمام انبیاء کو عام ہے۔ نحن معاشر الانبیاء لانورث۔ ترجمہ: ''ہم گروہ انبیاء (کے مال میں) وراثت جاری نہیں ہوتی۔'' اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نظروں میں دنیا حقیر ترین چیز ہے۔ وہ اسے سنبھال کے نہیں رکھتے ہے۔ حتی کہ وہ تو اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت فرماتے رہے کہ دنیائے دوں کو دل نہ دینا۔ جو ہستیاں زہد و ورع میں اس مقام پر فائز ہوں ان کی نسبت یہ کہنا کہ ظاہری مال و دولت میں وارث کے لیے بارگاہ خداوندی میں التجا کی بہت بڑی تہمت کے مترادف ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی (درکھان) تھے۔ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام محنت کر کے گزر بسر کرتے انبیاء علیہم السلام سے یہ بعید ہے کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو غیر ضروری مشقت میں ڈال کر اتنا مال کماتے ہوں کہ ان کی ضروریات سے بچ رہتا ہو اور اسے وہ آنے والی نسلوں کے لیے ذخیرہ کر لیتے ہوں۔ ارباب فکر و دانش اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔

امام احمد فرماتے ہیں یزید ابن ہارون نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ثابت سے، انہوں نے ابو رافع سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کان زکریا نجارا۔'' ترجمہ: ''زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔''

(اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم اور ابن ماجہ نے ایک اور سند سے حماد بن سلمہ سے انہیں الفاظ میں روایت کیا ہے۔)

دعا قبول:

۞ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

یا زکریا انا نبشرک بغلم ن اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیا۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: ''اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔

ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے۔"

اس آیت کی تفسیر سورۂ آل عمران کی ایک آیت سے ہوتی ہے۔

فنادته الملئكة وهو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحيى مصدقا بكلمة من الله وسيدا و حصورا ونبيا من الصلحين۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔"

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بچے کی بشارت دی گئی اور یہ مژدہ متحقق ہوا تو ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ اس بڑھاپے میں بچہ کیونکر ہوگا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو لڑکے کی بشارت پر تعجب:

قال رب انى يكون لى غلام و كانت امراتى عاقرا وقد بلغت من الكبر عتيا۔

ترجمہ: "زکریا نے عرض کی اے میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو۔"

کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام ننانوے سال کے ہو چکے تھے۔ اور ممکن ہے آپ کی عمر مبارک اس سے بھی کہیں زیادہ ہو۔ "و كانت امراتى عاقرا" یعنی میری بیوی تو جوانی میں بھی بانجھ تھی جو بچہ جننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی اب بڑھاپے میں اس کی گود کیسے بھری ہوگی۔ واللہ اعلم

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

ابشرتمونى على ان مسنى الكبر فبم تبشرون۔ ﴿سورۂ الحجر﴾

ترجمہ: "آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوشخبری ہے۔"

اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حیران ہو کر کہا تھا:

يا ويلتى ء الد وانا عجوز و هذا بعلى شيخا۔ ان هذا لشىء عجيب۔ قالوا اتعجبين من امر الله رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے آدمی۔ یہ تو عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم

پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر۔ اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب تعجب کا اظہار کیا تو انہیں بھی ایسا ہی جواب دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پہنچاتے ہوئے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آپ کے گوش گزار کیا:

كذلك قال ربك هو على هين۔

ترجمہ: "فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبر سنی میں بچہ دینا میرے لیے آسان بات ہے۔"

وقد خلقتك من قبل ولم تك شيا۔

ترجمہ: "اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔"

جب میں تمہیں نیست سے ہست کر سکتا ہوں تو کیا بڑھاپے میں تیری صلب سے بچہ پیدا نہیں کر سکتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاستجبنا له ووهبنا له يحيى واصلحنا له زوجه انهم كانوا يسارعون فى الخيرات و يدعوننا رغبا ورهبا و كانوا لنا خاشعين۔ ﴿سورۂ الانبیاء﴾

ترجمہ: "تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا۔ اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو بیشک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔"

اصلاح زوجہ سے مراد یہ ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ عمر یاس کو پہنچ گئی تھیں ان کی ماہواری رک گئی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو ماہواری کا خون آنا شروع ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی زبان میں کچھ سختی تھی اللہ نے اس کی اصلاح کر دی۔

قال رب اجعل لى اية۔ ترجمہ: "زکریا نے عرض کی اے میرے رب! ٹھہرا دو میرے لیے کوئی علامت۔"

یعنی ایسی نشانی مقرر فرما دیجیے جس سے معلوم ہو سکے کہ اب اس بشارت شدہ بچہ کا حمل میری بیوی میں قرار پکڑ چکا ہے۔

قال آيتك الا تكلم الناس ثلث ليال سويا۔

ترجمہ: "جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک

حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔"

یعنی تجھ کو خاموشی لاحق ہو جائے گی۔ تو تین دن تک کسی سے گفتگو نہیں کر سکے گا۔ کچھ کہنے کی ضرورت ہوگی بھی تو اشارے کرے گا۔ لیکن اس خاموشی کے باوجود تو بالکل تندرست و توانا ہوگا۔ تیرے مزاج میں کوئی خرابی نہیں ہوگی اور نہ فہم و فراست متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ خاموشی کے ان تین دنوں میں کثرت سے قلبی ذکر کرنا اور صبح و شام اپنے دل میں میری یاد کا دیپ روشن رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو بشارت سے سرفراز فرما دیا تو آپ خوشی خوشی اپنے کمرۂ عبادت سے باہر تشریف لائے اور اپنی قوم سے ملے۔

فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ و عشیا۔

ترجمہ: "تو اشارے سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔"

یہاں وحی سے مراد یا تو لکھ کر بتانا ہے جیسا کہ مجاہد اور سدی کا قول ہے یا اشارے سے بتانا ہے جیسے کہ مجاہد کا دوسرا قول، وہب اور قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان کسی بیماری کے بغیر ہی گنگ ہو گئی۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام تلاوت کر سکتے تھے اور تسبیح و تہلیل بھی کرتے تھے لیکن کسی سے گفتگو کیلئے زبان نہیں کھلتی تھی۔

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ و آتیناہ الحکم صبیا۔

ترجمہ: "اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جبکہ وہ بچے تھے۔"

آیت کریمہ میں اس بچے کے وجود کی خبر دی جا رہی ہے جس کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ بچپن کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کتاب و حکمت سے نوازا تھا۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ معمر فرماتے ہیں کہ بچوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ آئیں کھیلیں گے تو آپ جواب دیا: ہمیں کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و آتیناہ الحکم صبیا۔

✿ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و حنانا من لدنا۔ ترجمہ: "نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے۔"

کے متعلق روایت ہے۔ علامہ ابن جریر، عمرو بن دینار عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نہیں جانتا الحنان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس،

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور ضحاک سے مروی ہے کہ "و حنانا من لدنا" کا مطلب ہے اپنی جناب سے رحمت، ہم نے زکریا علیہ السلام پر اس رحمت خاصہ کے ساتھ نازل فرمائی۔ اور انہیں یہ بچہ عطا فرمایا۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ حنانا کا مطلب ہے محبت۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد دل کی نرمی ہو جس کی بناء پر حضرت یحییٰ علیہ السلام تمام لوگوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور خصوصاً اپنے والدین سے کمال محبت سے پیش آتے۔ حنانا کا مطلب ہوگا والدین کی محبت، ان پر شفقت کا جذبہ اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کی دلی کیفیت۔

و زکوۃ۔ ترجمہ: "اور نفس کی پاکیزگی۔"

یہاں طہارت سے مراد کردار کی پاکیزگی اور نقائص و رذائل سے نفس کی سلامتی ہے۔ یعنی ہم نے اپنی جناب سے حضرت یحییٰ کو دانائی، دل کی نرمی اور بلندی اخلاق جیسی نعمتوں سے نوازا۔

و کان تقیا۔ ترجمہ: "اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔"

تقویٰ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ اسکے اوامر کی پیروی اور نواہی سے نعمتوں سے نوازا۔ پھر والدین کے ساتھ نیکی ان کی فرمانبرداری اور قول و فعل میں نافرمانی سے بچنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

و برا بوالدیہ ولم یکن جبارا عصیا۔

ترجمہ: "اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔"

و سلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا۔

ترجمہ: "اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔"

ہر انسان کیلئے پیدائش، موت اور حیات اور میدان حشر میں اٹھائے جانے کا وقت یہ تینوں مواقع بڑے نازک اور اہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں مواقع حضرت یحییٰ علیہ السلام کیلئے سلامتی والے بنا دیے۔

سعید بن ابی عروبہ حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن نے فرمایا: حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی باہم ملاقات ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: (اے یحییٰ!) آپ میرے لیے استغفار کریں کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا: آپ میرے لیے دعائے مغفرت کریں۔ آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں اس لیے کہ میں اپنے نفس کا محافظ ٹھہرایا گیا ہوں جبکہ آپ کا محافظ خود

اللہ تعالیٰ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی ان دونوں کی عظمت سے واقف ہے۔

دوسری آیت میں جو آپ کو" حصورا و نبیا من الصالحین "(آل عمران) فرمایا گیا ہے تو (باقی الفاظ کا معنی تو واضح ہے) حصور کا معنی ہے عورتوں کے قریب تک نہ جانے والا۔ اس کے علاوہ بھی اس کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ ﴿ سورۃ آل عمران ﴾

ترجمہ: "اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد۔"

امام احمد فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نسل آدم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے خطا نہ کی ہو یا خطا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو، مگر حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ایسے نہیں ہیں اور کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کہے: میں (محمد رسول اللہ ﷺ) یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان پر آئمہ نے کلام کیا ہے اور ان کے نزدیک یہ منکر الحدیث ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک روز اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے، وہ انبیاء کرام کی باہمی فضیلت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا: ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ وہ اسی طرح بیان کر رہے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شہید ابن شہید کہاں ہے۔ (یعنی اس کا ذکر خیر بھی تو ہونا چاہیے) جو ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے اور درختوں کے پتے کھاتے تھے کیونکہ انہیں گناہ کا دھڑ کا لگا رہتا تھا۔"

ابن وہب فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی مراد حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سے تھی۔ محمد بن اسحاق نے سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔ ابن مسیب فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فرمایا کہ ہر شخص قیامت کے دن آئے گا تو اس کے ذمے کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا، سوائے یحییٰ بن زکریا کے۔ (یعنی ان ذمہ کوئی خطا نہ ہوگی۔)

سعید بن المسیب، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہر ایک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی گناہ ہوگا، سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "و سیدا و حصورا" پھر زمین سے تنکا اٹھایا اور فرمایا:

اس تنکے جتنا کچھ ہو تو سکتا ہے ورنہ نہیں پھر آپ ﷺ نے قربانی ذبح فرمائی۔ (اس سند کے اعتبار سے یہ حدیث موقوف ہے اور اس کو موقوف قرار دینا مرفوع قرار دینے سے زیادہ صحیح ہے۔) واللہ اعلم

ابوداؤد طیالسی وغیرہ حکم بن عبدالرحمن بن ابی نعیم سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) اہل جنت کے سردار ہیں، سوائے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔

حافظ ابونعیم اصفہانی فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن احمد، ابراہیم بن یوسف، احمد بن ابی الحواری نے بیان کیا، کہ میں نے ابوسلیمان کو فرماتے سنا: حضرت عیسیٰ ابن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام چہل قدمی کیلئے باہر نکلے، اتفاق سے حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک عورت سے ٹکرا گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری خالہ کے بیٹے! آج آپ سے وہ خطا سرزد ہوئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کبھی معاف نہیں ہوگی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے خالہ زاد بھائی! میں نے ایسا کیا کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ ایک عورت سے ٹکرا گئے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو عورت کا شعور تک نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! آپ کا جسم تو میرے ساتھ ہے مگر روح کہاں ہے؟ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا: عرش کے ساتھ معلق ہے، اگر میرا دل حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف بھی لگ جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ایک لمحہ کیلئے بھی خدا کی معرفت حاصل نہیں کی۔ (اس میں غرابت ہے اور یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔)

اسرائیل ابی حصین سے، خثیمہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام صوف کا لباس پہنتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پوستین کا، دونوں کے پاس نہ تو درہم و دینار تھے اور نہ غلام اور لونڈی۔ سر چھپانے کیلئے گھر نہ ہونے کی وجہ سے جہاں رات ہو جاتی رہیں وہی سو جاتے، جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: غصہ نہ کرو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا: یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں غصہ نہ کروں۔ فرمایا: تو پھر دولت دنیا کو دل نہ دیجئے، آپ نے فرمایا: ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ سے لی گئی ایک روایت میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت زکریا علیہ السلام فوت ہوئے یا آپ کو قتل کیا گیا۔ ایک روایت کی رو سے جسے عبدالمنعم بن ادریس بن سنان نے اپنے

والد سے اور انہوں نے وہب بن منبہ سے لی ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام اپنی قوم سے بھاگ کر کسی درخت (کی کھو) میں داخل ہو گئے، لوگ وہاں آپ پہنچے اور درخت کو آری سے چیرنا شروع کر دیا، جب آری آپ کی پسلیوں تک پہنچی تو آپ علیہ السلام تکلیف سے کراہ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اگر یہ چیخ و پکار بند نہ کی تو میں زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب الٹ دوں گا۔ یہ سن کر آپ کی چیخیں رک گئیں حتی کہ درخت کے ساتھ آپ بھی کٹ گئے۔ (یہی قصہ ایک مرفوع حدیث میں بھی مذکور ہے جسے عنقریب انشاء اللہ ہم ذکر کریں گے۔)

اسحاق بن بشر اور ادریس بن سنان سے وہ وہب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس شخص کیلئے درخت دولخت ہوا، وہ حضرت شعیا علیہ السلام ہیں۔ رہے حضرت زکریا علیہ السلام تو آپ فوت ہوئے۔ واللہ اعلم

پانچ باتوں کا حکم:

امام احمد فرماتے ہیں کہ حارث الاشعری سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا اور فرمایا: کہ ان پر خود بھی عمل کرنا اور بنی اسرائیل کو تلقین کرنا کہ وہ بھی ان پر عمل پیرا ہوں۔ سستی کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ بھی باتوں پر عمل پیرا ہوں۔ کیا آپ خود تبلیغ کریں گے یا میں یہ فریضہ سرانجام دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائی! مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تو پہل کرے گا تو میں عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا یا زمین میں دھنس جاؤں گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کیا، جب مسجد بھر گئی تو آپ علیہ السلام اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ امور کا حکم دیا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تم بھی ان پر عمل پیرا ہو۔ (۱) بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص اپنے خالص سونے یا چاندی سے ایک غلام خریدتا ہے اور وہ غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر دوسرے شخص کیلئے کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کیلئے تقویت کا باعث بنتا ہے۔ کون یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو پیدا فرمایا اور آپ کو رزق سے نوازا۔ پس اسی کو عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲) میں تمہیں نماز کا حکم دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دیکھتا رہتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر متوجہ نہیں ہو جاتا، پس جب

نماز ادا کرو تو ادھر ادھر نہ دیکھا کرو۔ (۳) میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں، اس کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جس کے پاس مشک کی تھیلی ہو، پوری محفل اس خوشبو سے مہک اٹھے گی۔ بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۴) میں تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں اور صدقہ کرنے والے کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جس کو دشمن نے قید کر رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ گردن سے باندھ رکھے ہوں اور وہ اسے گردن زدنی کیلئے جا رہے ہوں تو وہ کہے کہ کیا میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ دے سکتا ہوں۔ پس وہ اپنی رہائی کیلئے فدیہ دینے لگتا ہے۔ تھوڑا زیادہ حتی کہ اس کو آزاد کر دیا جاتا ہے۔ (۵) اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، ذکر کرنے والے کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس کا دشمن اسے پکڑنے کیلئے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔ پس وہ شخص ایک قلعے میں آ ئے اور قلعہ بند ہو جائے۔ بندہ جب ذکر کرتا ہے تو اس قلعہ بندی کی نسبت شیطان سے زیادہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ قصہ بیان کرنے کے بعد) فرمایا: میں تمہیں ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ (اور وہ پانچ چیزیں یہ ہیں) (۱) اتحاد، (۲) فرمانبرداری، (۳) اطاعت، (۴) ہجرت اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ۔ پس جو ایک بالشت برابر بھی جماعت سے دور ہوا تو اس نے اسلام کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا، ہاں واپس آ جائے (تو خطا معاف) جس نے جاہلیت کے انداز پر قوم کو مدد کیلئے آواز دی تو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

(حدیث روایت کرنے والے صحابی نے) عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگرچہ وہ نماز ادا کرے اور روزہ رکھے تو بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہے وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو پھر بھی۔ مسلمانوں کو ان کے ناموں سے بلایا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا نام اللہ کے بندے رکھا ہے۔

اسی طرح اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے ہدبہ بن خالد سے، انہوں نے ابان بن زید سے، انہوں نے یحییٰ ابن ابی کثیر سے انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسے ترمذی نے بھی ابو داؤد طیالسی اور موسیٰ ابن اسماعیل کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ان دونوں نے ابان بن یزید العطار سے انہی الفاظ میں روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے ہشام بن عمار سے، انہوں نے محمد بن شعیب بن سابور سے، انہوں نے معاویہ بن سلام سے، انہوں نے اپنے بھائی زید بن سلام سے، انہوں نے ابو سلام سے، انہوں نے حارث اشعری سے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں: مروان

طاطری معاویہ بن سلام سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔

میں (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ ابن ماجہ کا یہ کہنا کہ معاویہ بن سلام سے اسے مروان طاطری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا، صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے محمد بن عبدہ سے، انہوں نے ابی توبہ الربیع بن نافع سے، انہوں نے معاویہ بن سلام سے، انہوں نے ابی سلام سے اور انہوں نے حارث اشعری سے روایت کیا۔ طبرانی نے اسی روایت کو اسی سند کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ پھر حافظ ابن عساکر عبداللہ بن ابی جعفر رازی کے طریقہ سے وہ اپنے والد گرامی سے، وہ الربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ بعض صحابہ کرام نے علماء بنی اسرائیل سے یہ بات سنی کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کو اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزیں بھیجیں پھر پوری حدیث بیان کی۔

خلوت نشینی:

کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت خلوت پسند تھے، آپ ویرانوں میں رہنا پسند کرتے، درختوں کے پتے کھاتے، نہروں سے پانی پیتے اور کبھی کبھار ٹڈی سے بھوک مٹاتے اور فرمایا کرتے: اے یحییٰ! تجھ سے زیادہ انعام یافتہ کون ہو سکتا ہے؟ ابن عساکر کا بیان ہے کہ آپ کے والدین آپ کی تلاش میں نکلے تو دیکھا آپ بحیرہ اردن بیٹھے تھے۔ ملاقات کر کے دونوں میاں بیوی بہت روئے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بے حد عبادت گزار، اور اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے تھے۔

ابن وہب، مالک سے، وہ حمید بن قیس سے، وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوراک گھاس تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے زار و قطار روتے رہتے، حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں پر تارکول ہوتی تو آنسو اسے بھی پھاڑ دیتے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی فرماتے ہیں کہ ہم سے لیث نے بیان کیا، مجھ سے عقیل نے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ادریس خولانی کے پاس بیٹھا تھا۔ ادریس قصہ بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا میں تمہیں ایسے شخص کے بارے نہ بتاؤں جس کی خوراک تمام لوگوں سے زیادہ پاک تھی؟ جب ادریس نے دیکھا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں تو فرمایا: حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی خوراک تمام لوگوں سے زیادہ پاک تھی، آپ جنگلی جانوروں کے ساتھ چارا کھاتے کہ کہیں لوگوں کی معیشت میں ان کے ساتھ مل نہ جائے۔

ابن مبارک، وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت زکریا علیہ السلام سے حضرت یحییٰ علیہ السلام تین دن تک گم رہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام انہیں تلاش کرتے کرتے

ویرانے میں نکل گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبر کھود کر اس میں لیٹ کر زار و قطار رو رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! میں تمہیں تین دن سے تلاش کر رہا ہوں اور تو قبر کھودے اس میں کھڑا رو رہا ہے۔ عرض کیا: ابا جان! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک صحرا ہے جس سے صرف رونے والوں کے آنسوؤں کے ذریعے گزرا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے بیٹے خوب روئے پھر دونوں باپ بیٹا رونے لگے۔ (وہب بن منبہ اور مجاہد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: اہل جنت نہیں سوئیں گے کیونکہ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ صدیقین کو بھی چاہیے کہ وہ نہ سوئیں کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی نعمت موجود ہے۔ پھر فرمایا: ان دو نعمتوں کے درمیان کتنا فرق ہے اور ان دونوں خوش بختوں کے درمیان کتنا تفاوت۔

علماء حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت گریہ وزاری کرتے تھے، حتیٰ کہ آنسوؤں کی کثرت سے رخساروں پر رونے کے نشان پڑ گئے تھے۔

اسباب شہادت:

حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے کئی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

مشہور ترین واقعہ یہ ہے کہ دمشق کا بادشاہ وقت اپنی کسی محرم سے یا ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہیں تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بادشاہ کو شادی کرنے سے روکا۔ وہ عورت حضرت یحییٰ علیہ السلام سے سخت ناراض تھی۔ ایک دن جب بادشاہ اور وہ عورت اکٹھے ہوئے تو عورت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے اس کی بات مان لی۔ ایک شخص کو بھیج کر بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کروا دیا۔ وہ آپ کا سر اور خون لے کر آیا اور ایک تھالی میں ایک عورت کو پیش کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ عورت اسی لمحے ہلاک ہو گئی۔

ایک قصہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کی بیوی حضرت یحییٰ علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی اور انہیں بلا بھیجا مگر آپ نے انکار کر دیا اور تشریف نہ لے گئے، جب ملکہ مایوس ہو گئی تو حیلے بہانے سے بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا مطالبہ کر دیا۔ بادشاہ پہلے تو انکار کرتا رہا لیکن اصرار پر بالآخر مان گیا۔ ایک آدمی بھیج کر آپ کو قتل کروا دیا اور سر اور خون ایک تھالی میں عورت کو پیش کیا۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث اسحاق بن بشر نے اپنی کتاب ''المبتداء'' میں روایت کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں یعقوب کوفی نے بتایا، انہوں نے عمرو بن میمون سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے شب معراج حضرت ذکریاؑ کو آسمان پر دیکھا تو سلام کیا اور پوچھا: اے یحییٰؑ کے والد اپنے قتل کے بارے بتایئے اور فرمایئے کہ آپ کو کیوں قتل کیا گیا؟ انہوں نے جواب دیا: اے محمد (ﷺ) ابھی تمہیں بتاتا ہوں۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت یحییٰؑ اپنے زمانے کا بہترین انسان تھا، آپ تمام لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے قول "سیدا و حصورا" کا مصداق تھے۔ آپؑ کو عورت ذات سے کوئی تعلق خاطر نہیں تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی ملکہ ان پر فریفتہ ہوگئی، عورت فاحشہ تھی۔ حضرت یحییٰؑ کو بلا بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی عصمت کی حفاظت فرمائی۔ آپ نے انکار کر دیا اور اس کی حاجت براری کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اس نے حضرت یحییٰؑ کو شہید کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اسرائیلیوں کی عید کا دن تھا، اس عید میں سب لوگ شریک ہوئے۔ بادشاہ کا طریقہ تھا کہ عید کے روز وہ جو بھی وعدہ کرتا اسے پورا کرتا اور کسی صورت وعدہ خلافی نہ کرتا تھا۔

راوی فرماتے ہیں کہ بادشاہ عید کی خوشیوں میں شریک ہونے کیلئے نکلا ملکہ نے بڑی گرم جوشی سے اسے الوداع کیا، بادشاہ بہت حیران ہوا کیونکہ وہ پہلے ایسا نہیں کرتی تھی۔ بادشاہ نے کہا: مجھ سے کچھ مانگئے جو کچھ تو مانگے گی میں ضرور عطا کروں گی۔ ملکہ نے کہا: مجھے یحییٰ بن ذکریاؑ کا خون چاہیے۔ بادشاہ نے کہا: اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لیجئے۔ کہنے لگی: نہیں یحییٰ کا خون ہی چاہیے۔ بادشاہ نے وعدہ کر لیا کہ یحییٰؑ کا خون تیرا رہا، ملکہ نے کارندے بھیج کر حضرت یحییٰؑ کو شہید کروا دیا، جبکہ حضرت یحییٰؑ نے کمرہ عبادت میں کھڑے عبادت کر رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ عبادت میں مصروف تھا۔ حضرت ذکریاؑ نے بتایا کہ آپ کو ذبح کرکے سر اور خون ایک تھالی میں رکھ کر ملکہ کو پیش کر دیا گیا۔

راوی بتاتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آپ کے صبر کے کیا کہنے؟ حضرت ذکریاؑ نے فرمایا: میں نماز سے باہر نہ آیا (نماز مکمل کی) آپؑ نے بتایا: جب حضرت یحییٰؑ کا سر مبارک ملکہ کے سامنے رکھ دیا گیا تو بادشاہ کے گھر والے اور تمام خدام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ یہ واقعہ رات کو پیش آیا، جب صبح ہوئی تو بنی اسرائیل کہنے لگے یہ سب حضرت ذکریاؑ کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ حضرت ذکریاؑ کا خدا ناراض ہوگیا ہے۔ آؤ ہم اپنے بادشاہ کی ہلاکت

کی وجہ اس سے ناراض ہوجائیں اور اسے قتل کر دیں۔ حضرت ذکریاؑ نے بتایا: وہ لوگ میری تلاش میں نکلے کہ پکڑ کر مجھے قتل کر دیں، مجھے ایک شخص نے آگاہ کر دیا کہ اسرائیلی آپ کے قتل کے درپے ہیں۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ ابلیس اسرائیلیوں کے آگے آگے ان کی رہنمائی کرنے لگا، جب مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ میں ان کو عاجز نہیں کر سکتا تو میرے راستے میں ایک درخت آیا اور اس نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا: میری طرف آؤ، میری طرف آؤ، میں گیا درخت پھٹ گیا اور میں اس میں داخل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: ابلیس آیا حتیٰ کہ اس نے میری چادر کو پلو سے پکڑا، درخت کے دونوں حصے آپس میں مل گئے، لیکن میری چادر کا پلو باہر ہی رہا، اسرائیلی آئے تو ابلیس نے کہا: اس درخت کے اندر ذرا دیکھو، یہ جو کپڑے کا پلو نظر آرہا ہے، ذکریا کی چادر ہے۔ وہ اپنے جادو کے زور پر اس درخت میں داخل ہوگیا ہے۔ اسرائیلی کہنے لگے: ہم اس درخت کو آگ لگا دیتے ہیں۔ ابلیس نے کہا: اسے آری سے چیر دو۔ حضرت ذکریاؑ نے بتایا: میں درخت کے ساتھ آری کے ذریعے دو حصوں میں چر گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا آپ کو کوئی درد و تکلیف محسوس ہوئی؟ فرمایا: بالکل نہیں، یہ تکلیف تو اس درخت کو پہنچی جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رکھ دیا تھا۔

یہ ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے۔ اس میں بعض ایسی باتیں ہیں جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہیں، اور کچھ ایسی چیزیں بھی اس میں مذکور ہیں جو شب معراج کی کسی اور حدیث میں ہرگز مذکور نہیں ہیں۔ ہاں بعض الفاظ صحیح کی حدیث اسراء کے مطابق ہونے کی وجہ سے محفوظ مانے جاسکتے ہیں۔ مثلاً میں خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس سے گزرا۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، جمہور کا قول یہی ہے کہ یہ دونوں حضرات خالہ زاد بھائی تھے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی والدہ ماجدہ اشیاع بنت عمران مریم بنت عمران کی بہن تھیں۔

ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ اشیاع عمران کی بیوی اور مریم کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اسی طرح حضرت یحییٰؑ مریم رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد قرار پائے۔ واللہ اعلم۔

پھر حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ کے مقتل کے بارے بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ مسجد اقصیٰ میں قتل ہوئے اور دوسرے قول کے مطابق کسی اور جگہ۔ ثوری اعمش سے وہ شمل بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی اس چٹان پر ستر انبیاء قتل ہوئے اور ان میں ایک حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ بھی ہیں۔

ابوعبیدہ قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا، انہوں نے لیث سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے سعید بن المسیب سے روایت کیا کہ بخت نصر دمشق آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا خون ابل رہا ہے۔ بخت نصر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے صورتحال سے اسے آگاہ کیا۔ اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خون پر ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل کر کے سانس لیا۔ اس حدیث کی نسبت سعید بن المسیب کی طرف صحیح ہے۔ اس روایت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام دمشق میں شہید ہوئے اور بخت نصر کا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رونما ہوا۔ جیسا کہ عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔ واللہ اعلم

انبیاء کرام کے جسم محفوظ رہتے ہیں:

حافظ ابن عساکر ولید بن مسلم کے طریقہ سے زید بن واقد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے سر مبارک کی زیارت کی، جب دمشق میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو آپ کا سر مبارک محراب کے ساتھ والے ستونوں میں سے شرقی ستون کے نیچے سے نکلا تھا۔ چہرے کی جلد اور سر کے بالوں میں ذرا برابر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یوں لگتا تھا کہ اسی لمحے آپ علیہ السلام کو شہید کیا گیا۔ تعمیر مسجد کے بارے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سر مبارک سکاسک نامی عمود کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

حافظ ابن عساکر "المستقصی فی فضائل الاقصیٰ" میں عباس بن صبح کے حوالے سے مروان سے، وہ سعید بن عبدالعزیز سے، وہ معاویہ کے آزاد کردہ غلام قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شہر یعنی دمشق کا بادشاہ "ہداد بن ہدار" تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کر دی، جس کا نام اریل تھا اور جو صیدا کی ملکہ تھی۔ دمشق کا سوق الملوک اس کی جملہ املاک میں سے تھا اور اس بازار میں صرف خالص سونے کا کاروبار ہوتا تھا۔ راوی فرماتے ہیں: لڑکے نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، پھر بسانے کا ارادہ کر لیا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ لینا چاہا۔ آپ نے فرمایا: جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کر لیتی، اس وقت تک تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ ملکہ اس بات سے سخت برہم ہوئی اور بادشاہ سے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر مانگ لیا۔ دراصل یہ لڑکی کی والدہ کا اشارہ تھا۔ بادشاہ نے انکار کیا لیکن اس کے اصرار پر راضی ہو گیا۔ قاتل بھیجا۔ آپ علیہ السلام جیرون کی مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ قاتل آپ علیہ السلام کا سر مبارک تھالی میں رکھ کر لے کر آیا۔ سر مبارک سے یہ آواز آ رہی تھی: یہ اس کیلئے جائز نہیں، جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر

لے۔ لڑکی نے تھالی اٹھائی اور وہ سر مبارک اپنی ماں کے پاس لے آئی۔ سر سے اب تک یہی آواز آ رہی تھی کہ یہ اس کیلئے حلال نہیں، جب تک کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر لے، جب وہ اپنی ماں کے سامنے کھڑی تھی تو زمین میں دھنسنا شروع ہو گئی حتی کہ پاؤں زمین میں غائب ہو گئے پھر وہ پہلوؤں تک دھنس گئی۔ اس کی ماں نے شور مچانا شروع کر دیا، لونڈیاں بھی چیخ اٹھیں اور پیٹنے لگیں، پھر وہ کندھوں تک دھنس گئی۔ اس کی ماں نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ دو تاکہ وہ اس کے سر سے اپنے دل کو تسلی دے سکے۔ جلاد نے سر تن سے جدا کر دیا، اسی وقت اس کا بقیہ جسم زمین نے نگل لیا۔ سب لوگ نیست و نابود ہو گئے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا خون ابلتا رہا حتی کہ بخت نصر نے دمشق پر حملہ کیا اور اس جگہ پچھتر ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔

سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ ہر ایک نبی کا خون تھا، یہ خون ابلتا رہا حتی کہ حضرت ارمیاء علیہ السلام اس کے پاس آ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے خون! تو نے بنی اسرائیل کو فنا کے گھاٹ اتروا دیا، اب رک جا۔ پس خون کا ابلنا بند ہو گیا اور تلوار بھی اٹھا لی گئی اور اہل دمشق میں جو بھاگ سکتا تھا بیت المقدس کی طرف بھاگ گیا، مگر بادشاہ نے ان کا پیچھا کیا اور کثیر مخلوق کو تہہ تیغ کیا۔ اتنے لوگ موت کے گھاٹ اترے کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ اور لاتعداد قیدی بنے اور بے شمار لوگوں کو ذلت کی زندگی سے دوچار کر کے بادشاہ واپس وطن لوٹ گیا۔ (واللہ اعلم)

حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی تراسی آیات طیبات میں نصاریٰ کا رد پیش کیا ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسی بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔ جب وفد نجران بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا تھا: ہم "تثلیث فی الاقانیم" کا عقیدہ رکھتے ہیں اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ یعنی ذات مقدسہ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا۔ مختلف فرقوں کا تین خداؤں کے بارے اختلاف ہے۔ یعنی روح القدس کو تیسرا خدا مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں سورۃ آل عمران کی ابتدائی تراسی آیات میں ان کا رد فرمایا اور وضاحت فرمائی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں، انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح رحم مادر میں شکل و صورت سے نوازا، جس طرح دوسرے لوگوں کو شکل و صورت سے نوازا ہے ہاں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ماں باپ کے بغیر کلمہ کن سے ہوئی، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق والد کے بغیر کلمہ کن سے ہوئی۔ ان آیات طیبات میں حضرت مریم کی ولادت اور ان کے متعلق پیش آمدہ واقعہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہونا بڑی شرح و بسط کے تذکرہ بیان کیا ہے۔

اسی طرح یہ واقعہ سورۂ مریم میں بھی مذکور ہے۔ انشاء اللہ عنقریب ہم ان آیات کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ اللہ کی مدد اور نصرت اور اس کے حسن توفیق اور ہدایت سے بیان کریں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

ان اللہ اصطفی ادم و نوحا .... من یشاء بغیر حساب۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا ہے، جب عرض کیا عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے سو قبول فرمالے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو

ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے پھر جب اس نے جنا اسے بولی: اے اللہ! میں نے جنم دیا ایک لڑکی کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا، اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے۔ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (انکی) عبادتگاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے: اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا، پھر ان کی اولاد میں سے ان لوگوں کو بھی منتخب کر لیا جنہوں نے قانون خداوندی کی پابندی کی اور میری اطاعت پر قائم رہے، پھر تخصیص فرمائی اور کہا: "و آل ابراھیم" اس میں بنی اسماعیل بھی داخل ہیں پھر اس مقدس و طاہر طیب گھرانے کی فضیلت کو بیان فرمایا یعنی آل عمران کی فضیلت کو۔ عمران سے مراد حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے والد محترم ہیں۔

شجرہ نسب:

حضرت مریم بنت عمران بن ہاشم بن اموں بن میشا بن حزقیا بن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریھو بن یازم بن یہفاشاط بن ایشا بن ایان بن رحعام حضرت بن داؤد علیہ السلام ﴿محمد بن اسحاق﴾

ابن عساکر اس طرح شجرہ نسب بیان کرتے ہیں:

مریم بنت عمران ماثان بن العازر بن الیعود بن اخنز بن صادوق بن عیازور بن الیاقیم بن ابیود بن زریابیل بن شالتال بن یوحینا بن برشا بن آموں بن میشا بن حزقیا بن احاز ابن موثام بن عزریا بن یورام بن یوشافاط بن ایشا بن ایا بن رحعام بن سلیمان بن داؤد علیہ السلام۔ یہ شجرہ نسب محمد بن اسحاق کے روایت کردہ نسب سے مختلف ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد محترم حضرت عمران اس دور میں بنی اسرائیل کے امام نماز تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کا نام حنہ بنت فاقود بن قبیل تھا جو عابدہ زاہدہ خاتون

تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام اس دور میں بنی اسرائیل کے نبی تھے اور ان کی بیوی اشیاع بقول علماء جمہور حضرت مریم علیہا السلام بہن تھیں اور ایک ضعیف قول کے مطابق اشیاع حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ مریم کی ماں کے ہاں بچہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے چوزے کو خوراک دے رہا تھا، انہیں یہ دیکھ کر خیال آیا کہ کاش ان کے ہاں بھی بچہ ہوتا، پس انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے ہاں بچہ ہوا تو وہ اسے بیت المقدس کی مجاوری کیلئے وقف کر دیں گی۔ کہتے ہیں: انہیں اسی وقت حیض کا خون آنا شروع ہوا، جب وہ پاک صاف ہوئیں اور حضرت عمران ان کے قریب گئے تو انہیں حمل ٹھہر گیا۔

فلما وضعتها قالت رب انی وضعتها انثی واللہ اعلم بما وضعت

ترجمہ: "پھر جب اس نے جنا اسے بولی: اے اللہ! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا۔"

اسے تا کے پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے: "ولیس الذکر کالانثی" "اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے۔" یعنی بیت المقدس کی خدمت کیلئے، اس دور کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے بچوں کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے وقف کرتے تھے۔

وانی سمیتها مریم   ترجمہ: "(اور ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم"

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچے کا نام اسی دن رکھا جائے جس دن وہ پیدا ہو۔ صحیحین کی ایک حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے بھائی کو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے اسے گھٹی دی اور عبداللہ نام رکھا۔ حسن کی سمرہ سے روایت کردہ ایک حدیث میں آیا ہے: "وہ بچہ اپنے عقیقہ کا رہین ہے۔ ساتویں دن اس کے عقیقہ کیلئے جانور ذبح کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کے بال اتارے جائیں۔ اسے احمد، سنن کے مصنفین نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں "یسمی" کی جگہ "یدمی" کے الفاظ آئے ہیں اور بعض محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

حنہ نے عرض کیا: "وانی اعیذها بک و ذریتها من الشیطن الرجیم۔"

ترجمہ: "اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے۔"

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت حنہ رحمہا اللہ کی نذر کی دعا کو قبول فرمایا تھا، اس دعا کو بھی قبولیت سے نوازا۔

امام احمد فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے، جس سے بچہ زور زور سے چلاتا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو آیت "وانی اعیذها بک و ذریتها من الشیطان الرجیم" پڑھ لو۔

شیخین نے اس کو عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن جریر نے احمد بن الفرج سے، انہوں نے بقیہ سے، انہوں نے عبداللہ بن الزبیدی سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے ابی سلمہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

امام احمد نے ایک دوسرے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نسل آدم کے ہر بچے کو شیطان اپنی انگلی سے مس کرتا ہے سوائے مریم بنت عمران اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔" (امام احمد اس سند کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

امام احمد فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر انسان جسے اس کی ماں جنتی ہے تو شیطان پہلو میں اسے گھونسا مارتا ہے سوائے حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے کیا تو دیکھتا نہیں کہ جب بچہ ماں کی کوکھ سے باہر آتا ہے تو کیسے چیختا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا: "بچہ اس وقت چیختا ہے جب شیطان اس کے پہلوؤں میں کچوکا دیتا ہے۔" (یہ حدیث مسلم کی شرائط کے مطابق ہے اگرچہ انہوں نے اس سند کے ساتھ اسے روایت نہیں کیا۔)

قیس نے اعمش سے، انہوں نے ابی صالح سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بچے کو شیطان نچوڑتا ہے ایک بار یا دو بار سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت مریم کے۔" پھر حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وانی اعیذها بک و ذریتها من الشیطن الرجیم۔

اسی طرح اسے محمد ابن اسحاق نے یزید بن عبداللہ بن قسیط سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اصل حدیث کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

امام احمد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بنی آدم کو پیدائش کے وقت شیطان پہلو میں کچوکا دیتا ہے سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے۔ وہ کچوکا دینے کیلئے گیا تو حجاب میں خود اسے کچوکا دیا گیا۔" یہ حدیث صحیحین کی شرط پر پوری اترتی ہے اگرچہ اس سند کے ساتھ انہوں نے اسے روایت کیا ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتا حسنا و كفلها زكريا۔

ترجمہ: "پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو۔"

اکثر مفسرین یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ انہیں کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئی اور بیت المقدس کے مجاوروں کے اسے سپرد کر دیا۔ حضرت مریم علیہا السلام ان کے امام اور مقتدا الصلوٰۃ کی بیٹی تھیں، اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کیلئے وہ باہم جھگڑنے لگے۔ ظاہر ہے مدت رضاعت کے بعد ماں نے اسے ان مجاوروں کے سپرد کیا ہوگا اور صغر سنی کا وہ دور ختم ہو چکا ہوگا جس میں صرف ماں ہی بچوں کی پرورش کر سکتی ہے۔ جب بچی مجاوروں کے سپرد ہوئی تو باہم جھگڑنے لگے۔ ہر ایک اس کی کفالت کیلئے بے تاب تھا۔ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا دور نبوت تھا۔ آپ بچی کی کفالت کا اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے کیونکہ آپ کی بیوی حضرت مریم علیہا السلام کے ایک قول کے مطابق بہن تھی اور دوسرے قول کے مطابق خالہ تھیں، تمام دعویدار تھے۔ طے پایا کہ قرعہ اندازی کی جائے، تقدیر نے یاوری کی اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکل آیا۔ وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو ماں کی محبت سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا اور ظاہر ہے خالہ ماں کی جگہ ہے۔

حضرت مریم حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: و كفلها زكريا   ترجمہ: "اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو۔"

✿ کیونکہ قرعہ میں انہی کا نام نکلا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك وما كنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم وما كنت لديهم اذ يختصمون۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں، ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے

آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔"

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ تمام مجاوروں نے اپنے اپنے قلم جسے وہ پہچانتے تھے، ایک جگہ رکھ دیئے ہیں اور ایک نابالغ بچے سے کہا کہ ان میں سے ایک قلم اٹھا لاؤ۔ وہ ایک قلم اٹھا لایا۔ یہ قلم حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا، لیکن دوسرے مجاور نہ مانے اور کہنے لگے: ایک بار پھر قرعہ اندازی ہوگی لیکن ہر ایک قلم نہر میں پھینکے گا جس کا قلم بہاؤ کے خلاف بہنے لگا وہ بچی کی کفالت کا حقدار ہوگا۔ دوسری بار جب قرعہ اندازی ہوئی تو بھی صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت چلنے لگا جبکہ باقی قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے چلے گئے پھر وہ خواہش کرنے لگے کہ تیسری بار قرعہ اندازی کی جائے جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ چلے گا وہ حقدار اور غالب سمجھا جائے گا۔ تیسری بار قرعہ اندازی ہوئی تو سارے قلم بہاؤ کے خلاف بہنے لگے، صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم تھا جو پانی کے ساتھ بہہ رہا تھا، اب مجاور ہار گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بچی کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی اور واقعی حضرت زکریا علیہ السلام شرعاً اور قدراً کئی وجوہات کی بناء پر بچی کی کفالت کے زیادہ حقدار تھے۔

بے موسم پھل:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا۔ قال يا مريم انى لك هذا قالت هو من عند الله ان الله يرزق من يشاء بغير حساب۔

ترجمہ: "جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں، یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب۔"

مفسرین عظام فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کیلئے ایک بہت ہی مناسب کمرہ منتخب فرمایا تھا۔ اس کمرے میں کوئی اور داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کمرہ مسجد اقصیٰ کے قریب تھا۔ حضرت مریم اس میں عبادت خداوندی بجا لاتیں اور اپنی باری کے دن بیت اللہ شریف کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتیں۔ دن رات آپ کے عبادت میں گزرتے۔ حتیٰ کہ وہ عبادت و ریاضت میں ضرب المثل بن گئیں، تمام اسرائیلی ان کی ستائش میں رطب اللسان نظر آتے۔ آپ

کے احوال ومقامات اور اعجازات وکرامات زبان زد عوام وخواص تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے حجرہ عبادت میں تشریف لے جاتے تو بے موسم کے طرح طرح کے پھل موجود پاتے۔ گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں دیکھ کر ایک دن وہ پوچھنے لگے مریم یہ پھل کہاں سے آتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتے ہیں، یہ وہ رزق ہے جو بارگاہ الٰہی سے مجھے عطا کیا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔ اسی جگہ اور اسی وقت حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں یہ تمنا چٹکیاں لینے لگی کہ کاش ان کی پشت سے بھی ایک بچہ ہوتا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کے بند کمرے میں بے موسم کے پھل آ سکتے ہیں، اس کبر سنی میں مجھے بھی اللہ تعالیٰ بچے سے نواز سکتا ہے۔

قال رب هب لى من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعاء ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "عرض کیا: اے میرے اللہ! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد! بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا۔"

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے وہ جو مریم کو بے موسم کے پھل عطا کرتا ہے مجھے بھی بچے سے نواز، اگرچہ اب میرے ہاں بچہ ہونے کا وقت نہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ میں بیان ہو چکی ہے۔

و اذ قالت الملئكة يا مريم .... هذا صراط مستقيم. ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے۔ اے مریم! اخلاص سے عبادت کرتی رہو اپنے رب کی اور سجدہ کرو اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک کلمہ کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا مریم بولیں اے میرے پروردگار! کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ؟ حالانکہ ہاتھ نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔ فرمایا بات یونہی

ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل اور (بھیجے گا اسے) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (وہ انہیں آکر کہے گا کہ) میں آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لیے کیچڑ سے پرندے کی سی صورت پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتا ہے پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں بے شک ان معجزات میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔"

ان آیات طیبات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ملائکہ نے حضرت مریم کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے وقت کی تمام عورتوں سے چن لیا ہے۔ کیونکہ تیرے ہاں تیرے ہاں بغیر باپ کے ایک بچہ ہوگا اور وہ بچہ شرف ومنزلت کا حامل نبی ہوگا۔ "يكلم الناس فى المهد" یعنی صغر سنی میں لوگوں کو خدائے یکتا کی عبادت کی دعوت دے گا۔ اور اسی طرح بڑھاپے کی عمر میں بھی دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے گا۔ حضرت مریم کو حکم دیا گیا کہ کثرت سے عبادت کرو اور خوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور سجود ورکوع سے ہدیہ عجز ونیاز پیش کرو۔ تاکہ اس کرامت کی اہل ہو سکو اور اس نعمت کا شکر بجا لا سکو۔ کہتے ہیں کہ آپ اس قدر قیام کرتیں کہ قدم متورم ہو جاتے۔ "رضى الله تعالى عنها و رحمها و رحم امها و اباها."

فرشتوں کا یہ کہنا "يا مريم ان الله اصطفك" یعنی اے مریم اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے۔ اصطفا اختیار کے معنی میں ہے۔ "و طهرك" اور خوب پاک کر دیا تمہیں۔ یعنی اخلاق رذیلہ سے اور عطا کر دیا تجھے صفات جمیلہ۔ "و اصطفك على نساء العلمين" ترجمہ: "اور پسند کیا تجھے سارے جہان کی عورتوں سے" ہو سکتا ہے اس سے مراد اس دور کی عورتیں ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

انی اصطفیتک علی الناس۔ ترجمہ: ”میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر۔“

اسی طرح بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا:

ولقد اخترنا ھم علم علی العالمین۔ ﴿سورۃ الدخان﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر۔“

اور یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں سے افضل ہیں۔ اسی طرح یہ امت (محمدیہ) پہلی تمام امتوں سے افضل، تعداد میں زیادہ، علم و عمل میں برتر اور بہتر ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ”علی نسآء العلمین“ کا حکم عام ہو۔ اس طرح حضرت مریم علیہا السلام دنیا کی پہلی اور پچھلی تمام عورتوں سے افضل ہوں گی کیونکہ بعض لوگ ان کی نبوت کے قائل ہیں جیسا کہ وہ حضرت سارہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کی طرف وحی ہوئی ہے اگر یہ نبیہ ہوں تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور آپ حضرت سارہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل قرار پاتی ہیں کیونکہ یہ آیت عام ہے اور کوئی دوسری آیت اس کی معارض بھی نہیں ہے ابن حزم اور دیگر اکثر مفسرین حضرت مریم کی نبوت کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں ہوئی۔ جیسا کہ ابوالحسن اشعری اور دوسرے علماء اہلسنت کی رائے ہے۔ اس نظریہ کے مطابق حضرت مریم رضی اللہ عنہا بڑے مقامات کی حامل خاتون قرار پاتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل و امہ صدیقۃ۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: ”نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں۔“

اس بناء پر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا پہلی اور پچھلی تمام مشہور صدیقات سے افضل ماننے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ان کا ذکر حضرت آسیہ بنت مزاحم حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت فاطمہ بنت محمد (ﷺ) رضی اللہ عنہن ”و ارضاھن“ کے ساتھ آیا ہے۔

دنیا کی بہترین عورتیں:

حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے دور کی بہترین خاتون مریم بنت عمران ہیں اور اس دور کی بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ ﴿احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی﴾

امام احمد فرماتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام دنیا کی عورتوں میں سے چار عورتیں تجھے بس ہیں۔ مریم بنت عمران، آسیہ فرعون کی بیوی، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہن۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی بہترین عورتیں چار ہیں مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ خویلد اور فاطمہ بنت محمد رسول اللہ رضی اللہ عنہم۔ (رضی اللہ عنہن) ﴿ترمذی، ابن عساکر﴾

امام احمد فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ بیان کیا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جتنی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والی ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور اپنے خاوندوں کے مال کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔

(اسے مسلم نے اپنی صحیح میں محمد بن رافع اور عبد بن حمید سے روایت کیا اور ان دونوں نے عبدالرزاق سے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

امام احمد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اونٹوں پر سواری کرنے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں۔ صغر سنی میں اپنے بچوں پر بہت مہربان ہوتی ہیں اور افلاس کے باوجود اپنے خاوند سے خوب محبت کرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ عمران کی بیٹی کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئی۔

(امام احمد اس حدیث کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں۔ اور یہ صحیح کی شرط پر ہے اس حدیث کو کئی دوسرے طرق سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔)

ابو یعلی موصلی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اہل جنت میں بہترین عورتیں خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔“ (اسے نسائی نے داود بن ابی ہند سے مختلف طرق سے روایت کیا ہے۔)

ابن عساکر ابو بکر عبداللہ بن ابو داود سلیمان بن اشعث کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دنیا کی عورتوں میں سے چار عورتیں تیرے لیے بس ہیں جو تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ فاطمہ بنت محمد، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران۔" (رضی اللہ عنھن)

ابوالقاسم بغوی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا وجہ تھی کہ جب آپ رسول اللہ ﷺ پر جھکی ہوئی تھیں (یعنی سرگوشی کر رہی تھیں) تو رو پڑیں پھر اسی لمحے ہنسنے لگیں؟ فرمانے لگیں: آپ نے مجھے بتایا کہ میں اسی تکلیف کے ساتھ دنیا چھوڑ جاؤں گا (یہ سن کر) میں رو پڑی پھر میں قریب ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ میں آپ کے گھر والوں سے سب سے پہلے آپ کے پاس (دارالخلود میں) پہنچنے والی ہوں اور یہ کہ میں اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہوں۔ سوائے مریم بنت عمران کے (یہ سن کر) میں ہنس پڑی۔

(اس حدیث کے اصل الفاظ (روایت بالمعنی) صحیح (بخاری) میں ہیں یہ سند مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دونوں (مریم بنت عمران اور فاطمہ بنت محمد ﷺ) مذکورہ چاروں سے افضل ہیں۔)

امام احمد نے روایت کیا ہے حضرت ابوسعید ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ سوائے مریم بنت عمران کے۔ یہ سند حسن ہے۔ اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ لیکن باقی محدثین نے اسے بیان نہیں کیا۔ اسی طرح کی ایک حدیث حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے حوالے سے بھی روایت کی جاتی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما ان چار عورتوں سے افضل ہیں جن کی فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ پھر استثناء سے یہ احتمال بھی ہے کہ مریم بنت عمران حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں فضیلت میں برابر ہوں۔ اگر احادیث کو صحیح مان لیا جائے تو پہلا احتمال زیادہ قرین قیاس لگتا ہے۔

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کی عورتوں کی سردار مریم بنت عمران پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ پھر حضرت خدیجہ اور پھر آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔

اگر یہ لفظ ثم کے ساتھ محفوظ ہے (راوی نے غلطی نہیں کی) تو اس سے دو احتمال سامنے آتے ہیں جن پر استثناء دلالت کرتا ہے کیونکہ ثم ترتیب کے لیے آتا ہے۔ اس سے پہلی حدیثوں میں ثم کی

بجائے حرف عطف واؤ آیا ہے جو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا۔ واللہ اعلم

اس حدیث کو ابوحاتم رازی نے داود جعفری سے، انہوں نے عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے، انہوں نے ابراہیم بن عقبہ سے، انہوں نے کریب سے، انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس حدیث میں واؤ عطف کو ذکر کیا ہے ثم کو نہیں جو کہ ترتیب کے لیے ہے۔ سو انہوں نے سند اور متن میں اس کی مخالفت کی ہے۔ واللہ اعلم

رہی وہ حدیث جسے ابن مردویہ نے شعبہ کے حوالے سے، انہوں نے معاویہ بن قرہ سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مردوں میں بہت کامل ہو گزرے ہیں لیکن عورتوں میں سوائے تین کے کوئی کامل نہیں گزری۔ (یعنی) مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ کو عورتوں پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر" اسی طرح وہ حدیث جسے ابوداود کے علاوہ جماعت محدثین نے کئی طرق سے شعبہ سے، انہوں نے عمرو بن مرہ سے، انہوں نے الہمدانی سے، انہوں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری ؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مردوں میں کئی کامل ہو گزرے ہیں مگر عورتوں میں کوئی کامل نہیں ہوئی سوائے فرعون کی بیوی آسیہ کے اور عمران کی بیٹی مریم کے۔ اور عائشہ کو عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔"

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اسے شیخین (بخاری مسلم) نے روایت کرنے میں اتفاق کیا ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ کا یہ تقاضا ہے کہ کمال کو حضرت مریم اور حضرت آسیہ کے ساتھ مختص سمجھا جائے۔ ہو سکتا ہے اس کمال اور فضیلت سے مراد اس وقت کی عورتوں پر فضیلت ہو۔ کیونکہ ان دونوں کو دو نبیوں کی کفالت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت آسیہ نے صغر سنی میں حضرت موسیٰ ؑ کی کفالت کی اور حضرت مریم نے اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ ؑ کی۔ لیکن اس سے اس امت کی دوسری عورتوں کی فضیلت کی تردید لازم نہیں آتی جیسے حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے پندرہ سال اور بعثت کے بعد دس سال سے زائد خدمت کی سعادت حاصل کی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی وزیر تھیں۔ اپنا مال اور اپنی جان اللہ کے محبوب پر نچھاور کیے۔ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ارضاھا"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات تو آپ اللہ کے محبوب کی لخت جگر ہیں اور اپنی دوسری

بہنوں سے خصوصی فضیلت اور مقام رکھتی ہیں۔ کیونکہ انہیں ہی رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا سانحہ برداشت کرنا پڑا۔ آپ کی دوسری بہنوں کا تو حضور نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ محترمہ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سوائے عائشہ کے کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں فرمائی۔ اور اس پوری امت میں بلکہ دنیا میں کوئی بھی عورت آپ کی ذہانت اور علم و دانش کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ وہ خاتون ہیں جن پر جب تہمت لگائی گئی تو غیرت خداوندی جوش میں آ گئی اور قرآنی آیات میں ان کی پاک دامنی کا تذکرہ فرما کر برأت کا اعلان کیا۔ حضور پرنور ﷺ کی رحلت کے بعد پچاس سال آپ بقید حیات رہیں اور قرآن و سنت کی تبلیغ فرمائی۔ آپ اس طویل مدت میں مسلمانوں کے مسائل کا حل بتاتی تھیں۔ اختلاف کی صورت میں اصلاح احوال کی کوشش کرتیں۔ آپ تمام ازواج مطہرات سے زیادہ شرف و کرامت کی حامل ہیں حتیٰ کہ بعض متقدمین اور متاخرین علماء کرام کے نزدیک تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی زیادہ فضیلت کی حامل ہیں۔ حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ہوئی۔ لیکن توقف بہتر ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت دینا اچھا امر نہیں ہے۔ ہم نے یہ بات اس لیے بیان کر دی ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ کو دوسری تمام عورتوں پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے۔ جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔"

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم عام ہو۔ اور حضرت عائشہ کی تمام عورتوں حتیٰ کہ مذکورہ چار عورتوں سے بھی فضیلت بیان کرنا مقصود ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان چار کے علاوہ باقی عورتوں پر فضیلت کا بیان کرنا مقصود ہو۔ واللہ اعلم

حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کا ذکر مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب پاک صاف فرمایا۔ انہیں اپنے دور کی تمام عورتوں سے چن لیا اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ انہیں دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ایک حدیث مبارک میں یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت مریم بنت عمران کو جنت میں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہو گا۔ اسی طرح آسیہ بنت مزاحم بھی آپ کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں گی۔ ہم نے اپنی تفسیر میں بعض بزرگوں کے حوالے سے اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ

ارشاد خداوندی ہے: "ثیبات و ابکارا" ترجمہ: "کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں۔" کہتے ہیں کہ ثیبات سے مراد آسیہ ہیں اور ابکارا سے مراد مریم بنت عمران ہیں ہم نے اسے "سورۃ التحریم" کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

طبرانی فرماتے ہیں: سعد بن جنادہ عوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے جنت میں عمران کی بیٹی مریم، فرعون کی بیوی "آسیہ" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ سے میرا عقد نکاح فرما دیا ہے۔ اسے ابن جعفر عقیلی نے عبدالنور کے حوالے سے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہاں یہ الفاظ زیادہ ہیں: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو۔ پھر عقیلی فرماتے ہیں یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔

زبیر بن بکار فرماتے ہیں۔ مجھ سے محمد بن حسن نے بیان فرمایا۔ انہوں نے یعلی بن مغیرہ سے، انہوں نے ابو داؤد سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں اور اسی بیماری میں ہی آپ کا انتقال ہوا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے خدیجہ! تجھے تکلیف میں دیکھ کر مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ تکلیف میں بڑی بھلائی رکھ دیتا ہے کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیرے ساتھ مریم بنت عمران، کلثم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اور فرعون کی بیوی آسیہ کے ساتھ میرا رشتہ ازدواج منعقد کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ایسا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے (مبارکباد دیتے ہوئے) عرض کیا: آپ کے اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق رہے اور اولاد نصیب ہو۔

ابن عساکر محمد بن زکریا یا غلابی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عباس بن بکار نے، ہم سے ابوبکر الہذلی نے بیان کیا۔ انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے، آپ بیمار تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدیجہ! جب اپنی سوکنوں سے ملاقات ہو تو انہیں میرا سلام کہنا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی شادی فرمائی تھی؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم اور کلثم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے فرما دیا ہے۔"

ابن عساکر سوید بن سعید کے طریقہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیغام خداوندی لے کر حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ اسی دوران حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گزر ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ عورت کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ میری امت کی صدیقہ ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: میرے پاس ان کی طرف بھی اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلام فرماتا ہے اور خوشخبری دیتا ہے کہ جنت میں ان کیلئے یاقوت کا ایک گھر ہے جو ہر شور و غوغا سے پاک ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے (جبریل علیہ السلام کی گفتگو سن کر) فرمایا: اللہ تعالیٰ سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اسی سے سلامتی ہے، اور تم دونوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ یہ یاقوت سے مزین گھر کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تفصیل بتاتے ہوئے) فرمایا: وہ ایک موتی کا گھر ہے جو مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان ہے اور وہ دونوں قیامت کے روز میری بیویاں ہوں گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور انہیں جنت میں یاقوت کے گھر کی خوشخبری دی جس میں نہ کوئی شور ہو گا نہ لہو ولعب۔ اس حدیث کی اصل تو صحیح میں موجود ہے لیکن ان زیادات کا اضافہ بہت غریب ہے، ان تمام احادیث کی سندیں محل نظر ہیں۔

ابن عساکر ابوزرعہ دمشقی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے چٹان یعنی بیت المقدس کی چٹان کے بارے پوچھا تو انہوں نے بتایا: یہ چٹان کھجور کے درخت پر ہے اور کھجور کا درخت جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے اوپر ہے اور اس درخت کے نیچے مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم رہتی ہیں اور وہ قیامت تک اہل جنت کیلئے موتی پروتی رہیں گی۔ پھر انہوں نے اسے اسماعیل کے طریقہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عیاش سے، انہوں نے ثعلبہ بن مسلم سے، انہوں نے مسعود سے، انہوں نے عبدالرحمٰن سے، انہوں نے خالد بن معدان سے، انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس سند کے لحاظ سے یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ:

❁ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ مریم میں ارشاد فرماتا ہے:

و اذکر فی الکتاب مریم .... من مشھد یوم عظیم ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے

گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبریل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں: میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبریل نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں: (اے بندہ خدا!) کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبریل نے کہا: یہ درست ہے۔ (لیکن) تیرے پروردگار نے فرمایا: یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کیلئے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لیے کسی دور جگہ پس لے آیا انہیں دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں: کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔ پس پکارا اسے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے (اے مریم!) غمزدہ نہ ہو جاری کر دی ہے تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر دیکھو کسی شخص کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کیلئے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔ اس کے بعد وہ وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا شخص تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے: ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ ہوں اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا۔ اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کیلئے کہ ہو جا تو وہ

کام ہو جاتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاکت ہے کفار کیلئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ دراصل اس واقعہ کی تمہید تھا۔ اب میلادِ مسیح کا تذکرہ ہو رہا ہے جو اس تمہید کی اصل ہے۔ اسے سورۂ آل عمران میں بھی بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں سورتوں کا انداز ایک سا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بیان کرتا ہے:

و زکریا اذ نادی ربہ ——— و ابنھا ایۃ للعلمین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بے شک وہ بہت نیک رو تھے نیکیاں کرنے اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے۔ اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی نشانی) سارے جہان والوں کیلئے۔"

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیلاً یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ نے بیت المقدس کی خدمت کیلئے جب آزاد کیا تو ان کی کفالت ان کی خالہ کے خاوند یا بہن کے خاوند اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام نے کی اور حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم کیلئے مسجد میں ایک الگ حجرے کا بندوبست فرمایا، جس میں سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ اور یہ بات بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ ان کے ہاتھوں ایسی کرامات کا ظہور ہوا جس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی رشک کیا۔ انہیں فرشتوں نے بشارت دی کہ تو اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی ہیں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اسے ایک پاک سیرت بیٹے سے نوازے گا جو نبی، کریم، طاہر اور مکرم ہوگا۔ اس کے ہاتھ پر کئی معجزات کا ظہور ہوگا۔ یہ بشارت سن کر حضرت مریم علیہا السلام حیران ہو گئیں۔ بغیر باپ کے بچہ؟ کیونکہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی، اور نہ شادی کر سکتی تھیں کیونکہ وہ بیت المقدس کی خدمت کی خاطر وقف ہو چکی تھیں۔ فرشتوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے وہ جب فیصلہ کرتا ہے تو "ہو جا" فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں سن کر انہیں تسلی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر جھکا لیا، آپ جانتی تھیں

کہ انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوگ باتیں بنائیں گے کیونکہ وہ تو حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ وہ تدبر و تعقل کے بغیر واقعہ کی ظاہری صورت کو دیکھیں گے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا حیض کے دنوں میں آپ مسجد سے نکل جاتی تھیں اور دوسری ضروریاتِ زندگی مثلاً خورد و نوش کیلئے بھی انہیں مسجد سے نکلنا پڑتا تھا۔ ایک دن جب وہ کسی کام کیلئے مسجد سے نکلیں اور مسجد اقصیٰ کی شرقی جانب ذرا دور اکیلی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔ "فتمثل لھا بشرا سویا" ترجمہ: "پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔"

✿ جب حضرت مریم علیہا السلام کی نظر پڑی تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں:

انی اعوذ بالرحمن منك ان کنت تقیا

ترجمہ: "میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔"

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ جانتی تھیں کہ ایک متقی شخص عقلمندی سے کام لیتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقی بنی اسرائیل کا ایک مشہور فاسق شخص کا نام تھا اور حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید یہ وہی فاسق و فاجر تقی ہے جو بد معاشی میں مشہور ہے۔ یہ محض باطل سوچ ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ محض جھوٹ کا پلندہ ہے۔

قال انما انا رسول ربك ترجمہ: "جبرئیل نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔"

یعنی فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام سے براہ راست گفتگو کی اور بتایا کہ میں اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔

لاھب لك غلاما زکیا ترجمہ: "تا کہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔"

قالت انی یکون لی غلام ترجمہ: "کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ"

و لم یمسسنی بشر و لم اك بغیا ترجمہ: "نہ چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔"

یعنی نہ تو میں شادی شدہ ہوں اور نہ فاحشہ ہوں پھر بچہ کیونکر ہوگا۔

قال کذالك قال ربك ھو علی ھین۔

ترجمہ: "حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ درست ہے (لیکن تیرے رب نے فرمایا: یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے۔"

تعجب کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تیرے بطن پاک سے بن باپ کے بچہ پیدا ہوگا

اور یہ اس ذات کیلئے بھلا مشکل ہی کیا ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔ فرمایا:

و لنجعلہ آیۃ للناس۔

ترجمہ: "اور (مقصد یہ ہے) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کیلئے۔"

اور لوگ یقین کرلیں کہ جو بن باپ کے بچہ دے سکتا ہے وہ انواع واقسام کی مخلوق پیدا کرنے پر کمال قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو بغیر عورت کے پیدا فرمایا۔ اب وہی ذات حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بن باپ ایک بچہ پیدا فرمارہی ہے۔ وہ کسی قانون کا محتاج اور پابند نہیں، ساری کائنات کو مرد اور عورت سے یا نر اور مادہ سے پیدا فرمایا لیکن جب چاہا قانون بدل دیا۔

ورحمۃ منا ترجمہ: "اور سراپا رحمت اپنی طرف سے۔"

یعنی اس بچے کے ذریعے ہم اپنے بندوں پر رحمت کریں گے۔ یہ بچہ بچپنے میں، جوان ہو کر اور عمر کے آخری حصہ میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے گا۔ اور کہے گا کہ "خدائے یکتا لاشریک کی عبادت کرو اور اسے بیوی، بچے، مددگار، ہم پلہ، اضداد اور انداد سے پاک مانو۔"

و کان امرا مقضیا ترجمہ: "اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔"

یہ کنایہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن پاک میں پھونک مارنے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و مریم ابنۃ عمران التی احصنت فرجہا فنفخنا فیہ من روحنا ﴿سورۃ التحریم﴾

ترجمہ: "اور (دوسری مثال) مریم بنت عمران کی ہے جس نے اپنے کو ہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح۔"

اکثر اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے گریبان میں پھونکا سو یہ پھونک آپ کے مقام خاص کی طرف اتر گئی اور آپ فوری طور پر حاملہ ہو گئیں، جس طرح عورت مرد کے جماع سے حاملہ ہو جاتی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ نفخ روح حضرت مریم علیہا السلام مقدسہ کے منہ کے راستے آپ کے اندر داخل ہو گئی تو یہ قول قرآن پاک کی آیات کے سیاق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ واقعہ جہاں قرآن پاک میں بیان ہوا ہے اس کا سیاق اس قول کی تردید کرتا ہے کیونکہ آیات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جس فرشتے کو بھیجا گیا وہ جبریل علیہ السلام تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام ایک فرشتے ہیں اور حضرت

جبریل علیہ السلام نے وہی نفخ روح کا عمل سرانجام دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں روح کو پھونکا نہ کہ مقام خاص میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: "فنفخنا فیہ من روحنا" یہ الفاظ اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں کہ نفخ روح منہ کے ذریعے نہیں بلکہ گریبان کے ذریعے عمل میں آیا۔ جیسا کہ سدی نے بعض صحابہ کرام سے اپنی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

فانتبذت بہ مکانا قصیا ترجمہ: "پھر وہ چلی گئی اسے (شکم میں لیے) کسی دور جگہ۔"

وجہ یہ تھی کہ آپ کی قوت جواب دے گئی۔ جانتی تھیں کہ لوگ باتیں بنائیں گے اور کئی لوگ ان کی عفت وعصمت پر زبان طعن دراز کریں گے۔ اکثر اسلاف اور حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص کو اس کا اندازہ ہوا وہ بنی اسرائیل کا ایک نیک خصلت نوجوان تھا۔ اس نوجوان کا نام یوسف بن یعقوب تھا، جو پیشہ کے لحاظ سے نجار (بڑھئی) تھا۔ یوسف رشتہ میں حضرت مریم علیہا السلام کا خالو زاد تھا۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام جیسی دیانتدار، پاک طینت اور عبادت گزار کا حاملہ ہونا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا، کیونکہ مریم کنواری تھیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں یوسف نے پوچھا: مریم! یہ بتاؤ کیا بغیر بیج کے فصل اگ سکتی ہے۔ پھر یوسف نے کہا: کیا بغیر باپ کے بچہ ہو سکتا ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا: ہاں! بغیر باپ کے بچہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ یوسف نے کہا: اپنے بارے بتائیے، حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے۔

بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیہا فی الدنیا والآخرۃ و من المقربین و یکلم الناس فی المہد و کہلا و من الصالحین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور ایک حکم کی اپنے پاس سے، اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔"

اسی طرح کا واقعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق بھی روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حمل کے بارے پوچھا تو حضرت مریم علیہا السلام نے حقیقت حال کہہ سنائی۔ واللہ اعلم

سدی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام سے ایک سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا

ایک دن اپنی بہن کے پاس تشریف لے گئیں تو انہوں نے کہا: مریم! جانتی ہو، میں امید سے ہوں؟ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، اور کہا آپ کو بھی پتہ ہے کہ میں بھی امید سے ہوں؟ آپ کی بہن آپ سے لپٹ گئیں اور کہنے لگے: (مریم!) میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ آپ کے پیٹ میں موجود بچے کو سجدہ تعظیمی کر رہا ہے۔ اسی لیے فرمایا:

مصدقا بكلمة من الله ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی۔"

یہاں سجدے سے مراد خضوع اور تعظیم ہے جس طرح کہ ایک انسان سلام کے وقت بجا لاتا ہے۔ ایسا سجدہ یا تعظیم پہلی شریعتوں میں جائز تھی، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ فرمایا تھا۔

ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام خالہ زاد بھائی تھے۔ اور یہ دونوں ایک ہی وقت میں ماؤں کے بطن میں تھے اور مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بتایا کہ میں دیکھ رہی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے وہ تیرے پیٹ میں موجود کو سجدہ کر رہا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے نابیناؤں اور کوڑھیوں کو شفایاب کرنے کا معجزہ عطا فرما رکھا تھا۔ (اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔)

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب میں خلوت میں ہوتی ہوں تو میرا بچہ مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور ہم کلام ہوتا ہے اور جب میرے پاس لوگ ہوتے ہیں تو وہ میرے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے۔ پھر ظاہر ہے نو ماہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی جس طرح کہ دوسری عورتیں نو ماہ بعد بچہ جنتی ہیں، اگرچہ آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی لیکن جنم نو ماہ کے بعد دوسری عام عورتوں کی طرح ہوا۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام آٹھ ماہ تک امید سے رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول ہے کہ یہ دورانیہ نہایت مختصر تھا۔ ادھر آپ امید سے ہوئیں اور ادھر بچہ کی ولادت عمل میں آئی۔ بعض کا خیال ہے کہ حمل نو گھنٹوں کا تھا۔ آیت کریمہ سے بھی ظاہرا یہی مستفاد ہوتا ہے۔

فحملته فانتبذت به مكانا قصيا فاجاءها المخاض الى جذع النخلة

ترجمہ: "پس وہ حاملہ ہو گئیں (اس) بچے سے پھر چلی گئیں اسے (شکم میں) لیے کسی دور جگہ، پس لے آیا انہیں دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس۔"

صحیح بات یہ ہے کہ ہر چیز کی تعقیب اسکے حسب حال ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فتصبح الارض مخضرة ترجمہ: "تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز شاداب۔"

✿ اسی طرح کی ایک دوسری آیت کریمہ ہے:

ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا اخر فتبارك الله احسن الخالقين۔ ﴿سورۂ المؤمنون﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا۔ پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں۔ پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

اور یہ بات ثابت شدہ ہے ہر دو حالتوں کے درمیان چالیس دن کا عرصہ ہے جیسا کہ حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں یہ بات بنی اسرائیل میں ہر ایک کو معلوم تھی کہ حضرت مریم امید سے ہیں۔ اس لیے حسن طعن و تشنیع کو سامنا اہل بیت زکریا علیہ السلام کو تھا ایسا سامنا کسی اور کو نہیں تھا۔ فرماتے ہیں: بعض زندیقوں نے تہمت لگائی کہ یہ حمل ابن یوسف کا ہے جو حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ مسجد شریف میں عبادت میں مشغول رہا کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئیں۔ تنہائی میں بہت دور تشریف لے گئیں۔

فاجاءها المخاض الى جذع النخلة

ترجمہ: "پس لے آیا انہیں دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس۔"

ایک حدیث جسے نسائی نے ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی اسے قبول کیا جا سکتا ہے اور یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے اور اسے بیہقی نے ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسے صحیح گردانا ہے یہ حدیث شداد بن اوس سے مرفوعا روایت ہے کہ یہ درخت بیت اللحم میں واقع ہے۔ جس پر روم کے ایک بادشاہ نے بعد میں عمارت تعمیر کی ہے۔ جسے ہم بعد میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

فقالت یا لیتنی مت قبل هذا و کنت نسیا منسیا۔

ترجمہ: "بعد (حسرت ویاس) کہنے لگیں کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔"

اس آیت کریمہ سے فتنوں کے وقت موت کی تمنا کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ لوگ زبان طعن دراز کریں گے اور جب لوگ دیکھیں گے کہ ایک عابدہ، تقیہ، جو مسجد کے جوار میں پلی بڑھی، لوگوں سے الگ تھلگ حجرۂ اعتکاف میں عبادت کرتی رہی ہے اور ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جو نبوت اور دیانت کا گھرانا ہے اس نے ہاتھوں پر بچہ اٹھا رکھا ہے تو وہ اس کی بات کی ہرگز ہرگز تصدیق نہیں کریں گے اور ان کی منافی پر "جھوٹ" کہہ کر ہنگامہ برپا کر دیں گے تو وہ اور پریشان ہو گئیں اور تمنا کرنے لگیں کہ کاش وہ اس سے پہلے مر جائیں۔

نسیا منسیا ترجمہ: "بالکل پیدا ہی نہ ہوتیں۔"

فنا داها من تحتها ترجمہ: "پس پکارا اسے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے۔"

"من" کی جگہ "مَن" بھی پڑھا گیا ہے۔ (اس صورت میں معنی ہوگا۔ پس پکارا اسے اس نے جو ان کے نیچے تھا۔) اس طرح ضمیر کا مرجع یا تو حضرت جبریل ہوگا جیسا کہ عوفی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف لوگوں کے سامنے گفتگو کی۔ اسی بنا پر سعید بن جبیر، عمرو بن میمون ضحاک، سدی اور قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف لوگوں کے سامنے گفتگو کی۔ مجاہد، حسن، ابن زید اور سعید بن زبیر ایک روایت میں کہتے ہیں کہ گفتگو کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اسی کو علامہ ابن جریر نے پسند کیا ہے۔ دوسری صورت میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

الا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریا۔

ترجمہ: "غمزدہ نہ ہو جاری کر دی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔"

جمہور کی یہی رائے ہے کہ "سریا" سے مراد "نہر" ہے۔ طبرانی کی روایت کردہ ایک ضعیف حدیث میں مذکور ہے، اس حدیث کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے کہ یہی رائے صحیح ہے۔ حسن سے ربیع بن انس اور ابن اسلم وغیرہ سے روایت کردہ حدیث کے مطابق "سریا" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، لیکن صحیح رائے پہلی ہے۔

و هزی الیك بجذع النخلة تسا قط علیك رطبا جنیا

ترجمہ: "اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو، گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔"

✿ کھانے اور پینے کی چیزوں کا تذکرہ کیا اور اسی لیے فرمایا:

فکلی و اشربی و قری عینا۔

ترجمہ: "(میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کھجور کے جس درخت کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر بیٹھیں، وہ خشک تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ درخت پھلدار تھا، یہ احتمال بہر حال موجود ہے کہ وہ کھجور کا درخت تو ہو لیکن ان دنوں پھلدار نہ ہو کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سردی کے موسم میں ہوئی اور سردیوں میں کھجور پھل نہیں دیتی۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ یہ پھل اللہ تعالیٰ کی عطا تھی، اسی لیے فرمایا: اسے ہلا کر دیکھو پھل گرنے لگیں گے۔ عمرو بن میمون نے فرمایا: کھجور اور چھوارے سے بڑھ کر عورتوں کیلئے بہتر چیز کوئی نہیں، پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

<u>عزت والا درخت:</u>

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی پھوپھی کھجور کے درخت کی عزت کرو۔ یہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جس مٹی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے ہیں۔ کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جس کے نر کا پھل مادہ پر ڈال کر اسے گابھن کیا جاتا ہو۔" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اپنی بچہ جننے والی عورت کو کھجور کھلاؤ، اگر کھجور نہ ہو تو چھوارے کھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس درخت سے بڑھ کر کوئی درخت عزت والا نہیں ہے۔ اسی درخت کے نیچے حضرت مریم بنت عمران آ بیٹھی تھیں۔"

اس طرح ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں شیبان بن فروخ سے، وہ مسروق ابن سعید سے روایت کرتے ہیں اور ایک روایت میں مسرور بن سعد ہے۔ صحیح تلفظ مسرور بن سعید التمیمی ہے۔ ان کے پاس یہ حدیث لانے والے ابن عدی ہیں اور وہ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے اور میں نے اس کا ذکر اس حدیث کے علاوہ کہیں نہیں سنا۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ اوزاعی سے کئی منکر حدیثیں روایت کی جاتی ہیں جن کو حجت ٹھہرانا صحیح نہیں ہے۔

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا

ترجمہ: "اگر تم دیکھو کسی شخص کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کیلئے (خاموشی کے) روزے کی۔ پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔"

نیچے سے جو گفتگو ہو رہی تھی یہاں پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ یعنی اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو زبان حال اور اشارے کنائے سے بتا دے کہ میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ ان کی شریعت میں چپ کا روزہ شروع تھا۔

قتادہ، سدی اور ابن اسلم کی یہی رائے ہے، مگر ہماری شریعت میں خاموشی کا روزہ نہیں ہے۔ بلاضرورت خاموشی جائز اور مکروہ ہے جبکہ یہ صبح سے رات تک ہو۔

قوم کا طعنہ دینا:

فاتت به قومها تحمله قالوا یا مریم لقد جئت شیئا فریا یا اخت هارون ما کان ابوک امرا سوء وما کانت امک بغیا۔ (سورۂ مریم)

ترجمہ: "اس کے بعد وہ لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا شخص تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔"

اکثر اسلاف نے اہل کتاب سے یہ واقعہ نقل کیا ہے جب گھر والوں نے دیکھا کہ مریم غائب ہیں تو وہ تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آخر وہ اس جگہ جا پہنچے جہاں حضرت مریم علیہا السلام بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھیں اور نور کا ایک ہالہ ان کے چاروں طرف سایہ فگن تھا۔ بچہ اور نور کا یہ ہالہ دیکھ کر لوگ کہنے لگے تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کلام کا اول کلام کے آخر کو جھٹلا رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سیاق قرآن پاک سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خود بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس تشریف لائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا چالیس دن بعد نفاس کی مدت گزار کر واپس تشریف لائیں۔ بہرحال جب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا بچہ اٹھا کر لا رہی ہے تو کہنے لگے۔ مریم تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ لفظ "فریہ" سے مراد ایسا کام یا ایسی گفتگو جو بہت ہی بری ہو۔ پھر لوگ کہنے لگے: اے ہارون کی بہن! کہتے ہیں یہ تشبیہ ہے۔ اس دور میں ہارون نامی ایک شخص تھا جو بہت ہی عبادت گزار تھا۔ تشبیہ کے انداز میں حضرت مریم علیہا السلام کو اسے بھائی کہا جا

رہا ہے۔ یعنی اے وہ عورت جو ہارون جیسی عبادت گزار ہے۔ یہ قول سعید بن جبیر کا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت مریم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔

محمد بن کعب القرظی کا یہ کہنا کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن تھیں سراسر غلط ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے درمیان ایک طویل عرصہ حائل ہے اسے تو وہ شخص بھی جانتا ہے جسے معمولی علم ہو۔ اس غلطی کی وجہ مریم نامی وہ عورت ہے جس نے فرعون سے نجات کے دن دف بجا کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا تھا۔ یہ قول انتہائی غلط اور حدیث صحیح کی مخالفت پر مبنی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی نص کے بھی مخالف ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں اسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ الحمد للہ علی ذالك

ایک صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کا نام ہارون تھا اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے قصہ ولادت اور بیت المقدس کیلئے ان کی ماں کا انہیں وقف کرنے میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کا بھائی نہیں تھا۔ واللہ اعلم

امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے نجران بھیجا، وہاں کے لوگوں نے مجھ سے کہا: یہ جو آپ پڑھتے ہیں: "یا اخت هارون" جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اتنا عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہیں، اس کے بارے تیری کیا رائے ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے واپسی پر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے انہیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ لوگ انبیاء اور ان صالحین کے نام رکھتے تھے جو ان سے پہلے ہو گزرے تھے۔

اسی طرح اسے مسلم، نسائی، ترمذی نے عبداللہ بن ادریس کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسے (عبداللہ بن ادریس) کو صرف اسی حدیث کے حوالے سے جانتے ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: آپ نے انہیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ اپنے صالحین اور انبیاء کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ (پہلی روایت میں "الا اخبر تهم كانوا يسمعون بالانبياء و الصالحين قبلهم" کے الفاظ ہیں۔)

قتادہ اور دوسرے علماء حدیث نے ذکر کیا ہے کہ اہل کتاب اپنے بچوں کے نام اکثر ہارون رکھتے تھے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ ان کے بعض جنازوں پر بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں سے چالیس ہزار کا نام ہارون تھا۔ واللہ اعلم

بہرحال مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے اے ہارون کی بہن کہہ کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو

مخاطب کیا اور حدیث پاک بتاتی ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے نسبی بھائی کا نام ہارون تھا جو دینداری، صلاح اور بھلائی کے کاموں میں بہت مشہور تھا۔ اسی لیے لوگوں نے کہا: نہ تو آپ کا والد برا تھا اور بھلائی کے کاموں میں بہت مشہور تھا۔ اسی لیے لوگوں نے کہا: نہ تو آپ کا والد برا تھا اور نہ ہی آپ کی والدہ بدچلن تھی۔ یعنی جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، یہ اس گھرانے کے شایان شان نہیں۔ یہ ان لوگوں کی عادت اور فطرت تو نہیں، نہ تیرا بھائی برا، نہ تیری ماں اور نہ ہی تیرا باپ۔ لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگایا کہ یہ بہت بڑی فاحشہ ہے اور قوم کیلئے ایک مصیبت۔

علامہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت زکریا علیہ السلام پر تہمت لگائی اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ بھاگ نکلے مگر ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کو تلاش کر لیا۔ درخت پھٹ گیا اور آپ اس میں داخل ہو گئے۔ شیطان نے آپ کی چادر کو پکڑ لیا اور اسے درخت کے اندر دو لخت کر دیا گیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ منافقین سے کچھ لوگوں نے انہیں ان کے خالہ زاد بھائی یوسف بن یعقوب بڑھئی سے تہمت لگائی۔ تاب و تواں جواب دے گئی، زبان گنگ تھی، بس اب اللہ پر توکل تھا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ نہیں تھا تو صرف اخلاص کی پونجی اور اللہ تعالیٰ کا آسرا۔

اس بچے سے پوچھ لو:

"فاشارت الیہ" آپ لوگ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، اس سے پوچھیے، آپ کے سوالوں کا جواب میں نہیں یہ معصوم نومولود بچہ دے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کر دیا لوگ آگ بگولا ہو گئے۔ کہنے لگے:

کیف نکلم من کان فی المهد صبیا

ترجمہ: "ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے۔"

حضرت مریم رضی اللہ عنہا تو جواب بچے پر ڈال رہی ہے حالانکہ وہ ابھی بہت چھوٹا ہے بات کا شعور ہی نہیں رکھتا۔ وہ دودھ پیتے اس بچے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ خالص دودھ اور مکھن میں کیا فرق ہے وہ ہمارے سوالوں کے جواب کیا دے گا۔ یہ تو ہم سے مذاق کر رہی ہے۔ ہمیں تو کوئی وقعت نہیں دے رہی تو فریبی ہے اور حیلہ جوئی سے کام لے کر ٹالنا چاہتی ہے۔ عجیب بات ہے تو ایک نومولود بچے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہمارے سوالوں کا یہ جواب دے گا ایسے میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

بچے کا جواب:

قال انی عبداللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا و جعلنی مبارکا این ما کنت و اوصانی بالصلاۃ و الزکاۃ ما دمت حیا وبرا بوالدتی و لم یجعلنی جبارا شقیا و السلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا۔

ترجمہ: "(اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں۔ اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔"

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ہونے والی یہ پہلی گفتگو ہے۔ سب سے پہلے جو الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوئے وہ یہ تھے "اللہ کا بندہ ہوں۔" آپ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ میں اپنے پروردگار کا بندہ ہوں۔ اور اللہ میرا پروردگار ہے۔ آپ نے پہلی گفتگو میں ہی ان ظالموں کے قول کی تردید فرما دی جو سمجھتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ آپ نے بتا دیا میں اللہ کا بیٹا نہیں، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اور اللہ کی ایک بندی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہوں، پھر اپنی والدہ ماجدہ کی ان الزامات سے برأت کا اعلان کیا جو الزامات جاہل لوگ لگا رہے تھے اور بن باپ کے اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نبوت عطا نہیں فرماتا جو ایسا ہو جیسا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سمجھ رہے تھے۔ "لعنہم اللہ و قبحہم" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"و بکفرھم و قولھم علی مریم بھتانا عظیما۔" ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بڑا بہتان اٹھایا۔"

اس دور میں یہودیوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہتے تھے کہ مریم نے حیض کے دنوں میں زنا کیا (العیاذ باللہ) جس سے وہ حاملہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی ان یہودیوں پر لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی خود صفائی پیش فرمائی اور ان کے متعلق بتایا کہ وہ صدیقہ ہیں اور میں نے اس کے بیٹے کو نبی مرسل بنایا ہے جن کا شمار پانچ بڑے اولی العزم رسولوں میں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا: "اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں۔" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوتے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا اور اس کی ذات کو ہر نقص اور عیب سے پاک کہا اور بتایا: وہ بچے

اور جو دو سے پاک ذات ہے۔" اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔" یہ اللہ تعالیٰ کے بندے کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی جناب میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرے اور اللہ کا حق عبودیت بجالائے اور زکوٰۃ دے کر اس کی مخلوق سے احسان کا برتاؤ کرے، نماز سے نفوس اخلاق رذیلہ سے پاک ہو جاتے ہیں جبکہ محتاجوں کی مختلف اصناف کو صدقات دینے، مہمانوں پر مال خرچ کرنے، اپنی گھر والیوں، غلاموں، قریبی رشتہ داروں اور خیر کے دوسرے کاموں میں خرچ کرنے سے اللہ کا عطا کردہ مال و متاع پاک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا:

و برا بو الدتی و لم یجعلنی جبارا شقیا

اللہ تعالیٰ نے مجھے والدہ سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے۔ اسی طرح کہ اس نے مجھے تاکید فرمائی ہے کہ والدہ کے تمام حقوق کو پوری طرح ادا کروں اور ان کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول رکھوں کیونکہ ان کا کوئی اور بیٹا بھی تو ہے نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ حسن برتاؤ کا معاملہ رکھا اور ہر ایک کو اپنی راہ سے آگاہ فرما دیا۔ "و لم یجعلنی جبارا شقیا" یعنی میں ترش رو اور سخت گیر نہیں ہوں اور مجھ سے کوئی ایسا فعل یا قول صادر نہیں ہوگا جو امر و اطاعت خداوندی کے منافی ہو۔

والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا

عمر کے یہ تینوں درجے حضرت یحییٰ حضرت زکریا علیہم السلام کے واقعہ میں زیر بحث آچکے ہیں۔ (اعادہ ضروری نہیں ہے۔)

اللہ تعالیٰ پورا قصہ بیان کرنے اور تفصیل و شرح امور کے بعد فرماتا ہے:

ذلک نتلوہ علیک من الایت ...... فان اللہ علیم بالمفسدین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ "یہ جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے۔ پھر فرمایا: اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت کہ عیسیٰ انسان ہیں۔ تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی ہے) پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر

بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کی اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو۔"

اسی لیے جب نجران کا وفد آیا جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ اور یہ اپنا معاملہ اپنے میں سے چودہ آدمیوں کی طرف لوٹاتے تھے اور پھر ان چودہ کے پیش کردہ اس معاملہ کی صرف تین آدمی تاویل کرتے تھے جو ان کے سردار اور قائد تھے جن کے نام عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے تو یہ لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے مناظرہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں "سورۃ آل عمران" کی ابتدائی آیات کو نازل فرمایا۔ اور واضح فرما دیا کہ عیسیٰ کون ہیں۔ وہ کیسے پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ماجدہ کی تخلیق کس طرح واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ ان سے مباہلہ کرو۔ (رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کے لیے خانوادہ نبوت کو بلا لیا) جب ان لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کے دمکتے چہروں کو دیکھا تو سر جھکا لیے اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ باہم مشورہ کر کے صلح صفائی کی راہ اختیار کی۔ ان کا ایک ساتھی جس کا نام العاقب عبدالمسیح تھا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اے گروہ نصاریٰ! تم خوب جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی اور فرستادہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت کو تم اپنی آنکھوں سے ظاہر دیکھ چکے ہو اور تم اس حقیقت سے بھی واقف ہو کہ جب ایک نبی اپنی قوم کے لیے بددعا کرتا ہے تو قوم کے چھوٹے بڑے سب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو تمہاری جڑ کٹ جائے گی اور نیست و نابود ہو جاؤ گے یا تو اس دین کو قبول کر لو۔ اگر نہیں مانتے تو اپنے دین اور مسیح کے بارے اپنے خیالات پر قائم رہو مگر اس شخص سے صلح کر لو اور واپس وطن چلے جاؤ۔

پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی مطالبہ کیا اور عرض کیا کہ ہم پر جزیہ عائد کر دیں اور ہمارے ساتھ کوئی امانتدار شخص بھیجیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس واقعہ کو ہم نے "سورۃ آل عمران" کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور سیرت نبویہ کے ضمن میں بھی ہم اسے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

❁ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے وضاحت فرما دی اور اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

ذالک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون۔ ﴿سورۃ مریم﴾

ترجمہ: "یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔"

یعنی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بندۂ خدا ہیں اللہ کی ایک عبادت گزار بندی کے بطن مقدس سے پیدا ہوئے ہیں اور مخلوق ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

ما کان للہ ان یتخذ من ولد سبحانہ اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "یہ زیب ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کیلئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔"

یعنی نہ تو کوئی چیز اسے درماندہ کر سکتی ہے نہ عاجز اور نہ اکتاہٹ کا شکار کر سکتی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ ﴿سورۂ یٰسین﴾

ترجمہ: "اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔"

و ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔"

یہاں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی وہ گفتگو مکمل ہوتی ہے جو انہوں نے پنگھوڑے میں فرمائی تھی۔ آپ نے زبان طعن دراز کرنے والوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ میرا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فاختلف الاحزاب من بینھم۔ فویل للذین کفروا من مشھد یوم عظیم۔

ترجمہ: "پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاکت ہے کفار کے لیے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں (اور گواہی دی) کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور (گواہی دی) کہ حضرت عیسیٰ

(علیہ السلام) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے مریم کی طرف پہنچایا اور ایک روح اس کی طرف سے۔ اور (گواہی دی کہ) جنت حق ہے، جہنم حق ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا چاہے اس کے اعمال جیسے ہی ہوں۔ ﴿بخاری﴾

ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا۔ انہوں نے عمیر سے، انہوں نے جنادہ سے روایت کیا (مذکورہ حدیث بیان کرنے کے بعد) انہوں نے یہ الفاظ زائد بیان کیے: "جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے گا داخل ہوگا۔" ﴿مسلم﴾

اللہ اولاد سے پاک ہے:

✿ سورۂ مریم کے آخر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شیئا ادا۔

ترجمہ: "اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔"

"شیئا ادا" سے مراد بڑی شے اور ناپسندیدہ اور جھوٹا قول ہے۔

تکاد السموات یتفطرن .... یوم القیامۃ فردا۔ ﴿سورۂ مریم﴾

ترجمہ: "قریب ہے آسمان شق ہو جائیں ان (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمن کے لیے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا۔"

بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی انسان کو بیٹا بنائے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ ہر چیز اس کی محتاج اور اس کے حضور سرافگندہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کے سارے باسی اس کے بندے ہیں۔ وہ تمام کا پروردگار ہے۔ نہ تو اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی پروردگار جیسا کہ فرمایا:

وجعلوا للہ شرکاء الجن و خلقھم .... وھو اللطیف الخبیر۔ ﴿سورۂ الانعام﴾

ترجمہ: "اور بنایا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں اور گھڑ لیے ہیں انہوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے پاک ہے وہ برتر ہے اس سے جو وہ

بیان کرتے ہیں۔ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیوں کر ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے۔"

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جب وہ ہر چیز کا خالق ہے تو اس کے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے رشتہ ولدیت تو صرف ان دو چیزوں کے درمیان قائم ہوتا ہے جن کے درمیان کوئی مناسبت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے کہ نہ اس کی کوئی نظیر ہے نہ شبیہ اور نہ ہی اس کا کوئی برابری کرنے والا ہے۔ بھلا ایسی ذات کی بیوی اور بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ایسی خرافات سے پاک ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد۔ ﴿سورۃ الاخلاص﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) فرما دیجیے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں ہے۔ الصمد کا معنی ہے وہ سردار جو علم، حکمت اور رحمت میں کامل ہو۔ اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہو۔ لم یلد یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں ولد یولد یعنی وہ کسی ایسی ذات سے پیدا نہیں ہوا جو اس سے پہلے موجود ہو ولم یکن له کفوا احد یعنی نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی جگہ لینے والا۔ اور نہ ہی کوئی برابری کرنے والا۔ برابری، اعلیٰ ہونے اور ہم شکل ہونے کی نفی فرما دی پس جب نہ کوئی برابر ہے۔ نہ ہم شکل ہے اور نہ کوئی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے بلند ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ رشتہ تو صرف ان دو چیزوں کے درمیان ممکن ہے جو ایک جیسی ہوں اور ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے کہیں بلند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مشرکین کا رد:

یاهل الكتب لا تغلوا في دينكم ...... وليا ولا نصيرا۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بے شک مسیح عیسیٰ پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف

اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لیے بے شک اللہ تو معبود واحد ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کا عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل (وکرم) سے لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کا) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔"

اللہ تعالیٰ اہل کتاب اور دوسرے مشرکین کو دین میں غلو اور اطراء سے روک رہا ہے۔ غلو اور اطراء کا مطلب ہے حد سے تجاوز کرنا۔ نصاریٰ "لعنهم الله" نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو اور اطراء سے کام لیا اور حد کو پھلانگ گئے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس عقیدہ کو اختیار کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور مریم کے بیٹے ہیں جو عذرائے بتول تھیں جنہوں نے اپنی عفت و عصمت کی حفاظت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان پاکیزہ خاتون کی طرف بھیجا۔ فرشتہ نے ان میں اللہ کے حکم سے ایک روح پھونک دی جس سے وہ ایک بچے سے حاملہ ہو گئیں۔ اس بچے کا اسم گرامی عیسیٰ ابن مریم ہے وہ اللہ کے نبی ہیں۔

روح کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نسبت تشریفیہ ہے۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور تکریم و تشریف کی نسبت قرآن وحدیث میں عام استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً بیت اللہ، ناقۃ اللہ، عبداللہ۔ اسی طرح روح اللہ کی نسبت بھی تکریم اور تشریف کے اظہار کے لیے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہنے کی وجہ ان کی بن باپ کے پیدائش ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ آپ کلمہ خداوندی سے پیدا ہوئے اور اسی سبب سے وجود پایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان مثل عيسى عند الله كمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له كن فيكون۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے۔ پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔"

وقالوا اتخذ اللہ ولدا .... کن فیکون۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ: "اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بنالیا ہے (اپنا) ایک بیٹا۔ پاک ہے وہ (اس تہمت سے) بلکہ اسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ سب اسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔"

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ .... انی یؤفکون۔ ﴿سورۃ التوبہ﴾

ترجمہ: "اور کہا یہود نے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی۔ نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔"

یعنی یہودیوں اور نصرانیوں میں سے ہر ایک گروہ وہم و گمان کا شکار ہیں۔ ان کے پاس اپنی کفریات کی کوئی پختہ دلیل نہیں ہے۔ محض اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی پیروی میں انہیں بے سروپا باتوں کو دہراتے رہتے ہیں۔ ان کے دل اور ان سے پہلے کافروں کے دلوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فلاسفہ پر اللہ کی لعنت ہو، کہتے ہیں عقل اول ذات واجب الوجود سے صادر ہوا جسے وہ تمام عقلوں کی علت اور مبدأ اول شمار کرتے ہیں، پھر اس عقل اول سے عقل ثانی کا صدور ہوا اور اسی سے نفس اور فلک معرض وجود میں آئے، پھر عقل ثانی سے صدور ہونے لگا حتیٰ کہ عقول کی تعداد دس تک نفوس کی تعداد نو اور افلاک کی تعداد بھی نو تک جا پہنچی، ان کے یہ فاسد اختیارات ہیں جنہیں انہوں نے ذکر کیا ہے اور بے جان اختیارات ہیں جنہیں انہوں نے وارد کیا ہے۔ اس سلسلہ میں طویل گفتگو کی ضرورت ہے۔ ان کی جہالت قلت عقل کو بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں ہے، کسی اور موقع پر اسے بیان کریں گے۔

عرب کے جاہل مشرکین کا عقیدہ:

عرب کے جاہل مشرکین کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جن سرداروں کے گھر شادی کر لی جس سے فرشتے پیدا ہوئے۔ (العیاذ باللہ)

"نقل کفر کفر نباشد" اللہ تعالیٰ بے ہودہ اور شرکیہ باتوں سے پاک، منزہ اور مبرہ ہے۔ اس کی گروہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجعلوا الملئکۃ الذین .... شھادتھم و یسئلون۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: "اور کیا انہوں نے ٹھہرالیا ہے فرشتوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں۔ کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت؟ لکھ لی جائے گی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی۔"

☼ ایک اور مقام پر فرمان خداوندی ہے:

فاستفتھم الربک البنات و لھم البنون۔ .... عباد اللہ المخلصین۔ ﴿سورۃ الصافات﴾

ذرا پوچھئے ان (نادانوں) سے کیا آپ کے رب کیلئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کیلئے بیٹے۔ آیا جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے، اور بے شک جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہے (اپنے لیے) بیٹیاں بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔ کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے، تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔ پاک ہے اللہ ان (لغویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے (ایسی بیہودہ سرائی نہیں کرتے)۔

☼ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قالوا اتخذ الرحمن ولدا .... کذلک نجزی الظلمین۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اسکے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کیلئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اسکی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں رب ہوں، اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔"

☼ سورۃ کہف میں جو مکہ میں نازل ہوئی اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الحمد للہ الذی انزل .... ان یقولون الا کذبا۔ ﴿سورۃ الکہف﴾

ترجمہ: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی، اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تا کہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو

دوچار رہتا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور تیسرا وہ کہتا ہے کہ وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔

عیسائیوں کا رد:

✿ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح .... على كل شیء قدیر۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین سے ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے کفر اور جہالت کی خبر دی ہے اور بیان فرمایا ہے: وہ خالق ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔ سب کا مالک اور سب کا معبود ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلثة .... الى يؤفكون۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو! کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کیلئے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ان کے کفر کا شرعاً اور قدراً حکم بیان فرما رہا ہے۔ فرمایا: ان سے ایسی کفریات سرزد ہو رہی ہیں حالانکہ ان کی طرف ایک رسول پیغام خداوندی لے کر آ چکے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم، یہ بھی بیان فرما دیا کہ عیسیٰ ابن مریم، اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ اللہ ان کا پروردگار ہے۔ وہ عام بچوں کی طرح رحم مادر میں ایک صورت پائے۔ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلانے والے

کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کیلئے بہت عمدہ جزا ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے اس کے مونہوں سے۔ وہ نہیں کہتے ہیں مگر (سرتاسر) جھوٹ۔"

✿ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

قالوا اتخذ الله ولدا سبحنه .... بما كانوا يكفرون۔ ﴿سورۃ یونس﴾

ترجمہ: "انہوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا۔ وہ پاک ہے وہ تو بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بیہودہ بات) کی کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم نہیں۔ آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔"

ان آیات طیبات میں جو کہ نکلی ہیں تمام کافر فرقوں کا رد کرتی ہیں۔ وہ فلاسفہ ہوں یا مشرکین عرب، یہودی ہوں یا نصرانی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ بلا دلیل محض وہم و گمان کی پیداوار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی بے سروپا باتوں سے پاک ہے جو ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے یہ لوگ کرتے رہتے ہیں۔

نصاریٰ پر قیامت تک مسلسل اللہ کی لعنت برسے، اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے میں یہ سب سے آگے ہیں۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ ان کا رد بلیغ فرمایا ہے اور واضح فرمایا: ان کی تحریروں اور گفتگو میں تناقض ہے اور ان کے عقائد کی بنیاد محض جہالت پر ہے اور قلت علم کی وجہ سے وہ تثلیث جیسے غلط اور بے تکے نظریے سے چپٹے ہوئے ہیں۔ اس کفر میں ان کے اقوال کئی طرح کے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ باطل کئی فرقوں میں بٹا ہوتا ہے اور اس کے ماننے والوں کی رائے میں اختلاف اور تناقض فطرتی امر ہے۔ حق میں کسی صورت تخالف اور تناقض نہیں ہوتا۔

ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق ہمیشہ متحد، متفق ہوتا ہے مگر باطل اختلاف و اضطرات کا

ہیں۔ پھر وعید سنائی کہ اگر وہ احکام خداوندی سے سرتابی کریں گے تو جہنم رسید ہوں گے اور دار القرار (جنت) میں کبھی نہیں جا سکیں گے اور صرف یہی نہیں انہیں آخرت میں طرح طرح کی ذلت و رسوائی اور ننگ و عار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے فرمایا:

انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماواہ النار وما للظلمین من انصار

✿ پھر فرمایا:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ وما من الہ الا الہ واحد

علامہ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اقانیم ثلاثہ ہے۔ یعنی اقنوم اب، اقنوم ابن اور اقنوم کلمہ جو باپ سے منتقل ہو کر بیٹے کی طرف آیا (اقنوم) کا معنی شخصیت ہے یہ اصطلاح ہے اور اردو میں عام مروج ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ نہیں کیا) اگرچہ ان تین اقانیم کے بارے ملکیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ فرقے اختلاف کرتے ہیں۔ علیہم لعنۃ اللہ عنقریب ہم ان فرقوں کے اختلافات اور مختلف مقامات پر بادشاہ قسطنطین بن قسطس کے دور میں منعقد ہونے والی کونسلوں کا تذکرہ کریں گے۔ یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو سال پہلے واقع ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وما من الہ الا الہ واحد"

معبود حقیقی تو صرف ایک ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کی کوئی نظیر ہے، نہ کوئی ہمسر، نہ بیوی ہے اور نہ بیٹا پھر انہیں وعید کے لہجے میں فرمایا:

وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم

پھر اپنی رحمت اور لطف و کرم کے ساتھ توبہ اور استغفار کی دعوت دی اور فرمایا: ان شرکیہ اور گناہ کبیرہ کی باتوں کو چھوڑ دو جو جہنم رسید ہونے کا سبب ہیں۔

افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا حال بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ ہیں۔ یعنی وہ کوئی فاحشہ عورت نہیں ہیں جیسا کہ یہودیوں (ان پر اللہ کی لعنت ہو) کا خیال ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت مریم نبیہ نہیں ہیں جیسا کہ بعض علماء سمجھتے ہیں۔

کانا یاکلان الطعام ترجمہ: "دونوں کھانا کھاتے ہیں۔"

یہ حاجات طبعیہ سے کنایہ ہے جس طرح دوسرے لوگ کھانا کھاتے ہیں اور انہیں بشری

تقاضوں کے تحت فاضل مادوں کے اخراج کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام بھی تمام طبعی تقاضے پورے کرتے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کا قول ہے:

عیسائیوں کا باطل عقیدہ:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ

ترجمہ: "کافر ہو گئے وہ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے۔"

کے متعلق عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دو خدا ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کی کفریات کو اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں بیان فرماتا ہے:

و اذ قال اللہ یعیسی ابن مریم ۔۔۔۔۔ انت العزیز الحکیم ﴿سورۃ المائدۃ﴾

ترجمہ: "اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنا لو اللہ کے سوا وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق اگر میں نے کبھی ہوتی ایسی بات تو ضرور جانتا اس کو تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو بے شک تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام والی امہ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے انہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا مانو اور اللہ کی الوہیت میں شریک کرو اور یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکریم کیلئے اور جو آپ کی عبادت کرتے ہیں، آپ پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام ہیں۔ یا اللہ کے بیٹے ہیں اور آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو سکتی، ان کی زجر و توبیخ کیلئے پوچھا جائے گا۔ اس سوال کے جواب میں آپ فرمائیں گے۔ اے اللہ! تو ہر عیب اور ہر شریک سے پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ تیرے سوا معبود ہونے کا کون استحقاق رکھتا ہے، اگر میں نے ایسی بات کی ہوتی تو تیرے علم میں ہوتی کیونکہ تو تو میرے دل کی بات جانتا ہے جبکہ میں تیرے ارادوں سے بے خبر ہوں، بے شک تو تمام غیبوں سے خوب واقف ہے۔ یہ جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کمال ادب و احترام

سے عرض کریں گے۔ آپ عرض کریں گے:

ما قلت لهم الا ما امرتني به

یعنی مولیٰ کریم! تو نے مجھے مبعوث کر کے جو حکم دیا میں نے تو وہی حکم ان کے گوش گزار کیا اور تیری نازل کردہ کتاب انہیں پڑھ کر سناتا رہا پھر اپنے اس قول کی تفسیر عرض کی: "ان اعبدوا الله ربی و ربکم" یعنی تم عبادت کرو میرے پیدا کرنے والے اور اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی جو مجھے بھی رزق دینے والا ہے اور تم کو بھی۔"

و کنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم فلما توفیتني۔

ترجمہ: "اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا۔"

یعنی جب یہودیوں نے مجھے قتل کرنے اور صلیب دینے کا ارادہ کیا تو تو نے مجھ پر رحمت کی نگاہ کی، مجھے ان سے نجات دی اور ان میں سے ایک کو میری شکل و شباہت دے کر انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ میرے وصال میں انہوں نے اسی شخص کو قتل کر دیا، جب میں اٹھالیا گیا تو اسکے بعد:

کنت انت الرقیب علیهم و انت علی کل شیء شهیدا۔

ترجمہ: "تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔"

پھر معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے اور نصرانیوں سے اظہار برأت کرتے ہوئے عرض کیا:

ان تعذبهم فانهم عبادك

ترجمہ: "اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے یعنی عذاب کے مستحق ہیں۔"

و ان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم۔

ترجمہ: "اور اگر تو بخش دے ان کو تو بے شک تو ہی سب پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔"

یہ تفویض اور بالشرط اسناد والی المشیت اس کے وقوع کی متقضی نہیں ہوتی، اسی لیے عرض کیا: "فانك انت العزیز الحکیم" کہا الغفور الرحیم نے کیا۔

حضرت امام احمد کی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث ہم نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات صبح تک قیام میں اس آیت کریمہ کو تلاوت کرتے رہے۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم۔

اور فرمایا: میں نے اپنے رب کریم سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو میرے رب نے مجھے شفاعت کا حق عطا فرما دیا اور ان شاء اللہ جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائے گا میری

شفاعت اسے پالے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

و ما خلقنا السماء والارض ...... والنهار لا یفترون۔ ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، دل لگی کرتے ہوئے، اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور یکایک نابود ہو جاتا ہے۔ اور (اے باطل پرستو) تمہارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے، اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں وہ (اسکی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں۔"

لو اراد الله ان یتخذ ولدا لاصطفی ...... هو العزیز الغفار۔ ﴿سورۃ الزمر﴾

ترجمہ: "اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا وہ پاک ہے وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست۔ اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ غور سے سنو وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔"

قل ان کان للرحمن ولد ...... رب العرش عما یصفون۔ ﴿سورۃ الزخرف﴾

ترجمہ: "آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور) عرش کا رب ہر عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔"

و قل الحمد لله الذی لم یتخذ ولدا و لم یکن له شریك في الملك و لم یکن له ولي من الذل و کبره تکبیرا۔ ﴿سورۃ الاسراء﴾

ترجمہ: "اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانبرداری میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار درماندگی میں اور اسکی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔"

قل هو الله احد الله الصمد لم یلد ولم یولد و لم یکن له کفوا احد۔ ﴿سورۃ الاخلاص﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا ہے، اللہ صمد ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ صحیح کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ابن آدم نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے ایسا زیبا نہیں تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میرا کوئی بیٹا ہے حالانکہ میں یکتا الصمد ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ میں جنا گیا ہوں اور کوئی میرا ہمسر نہیں ہے۔" ایک اور صحیح کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے: "(بری بات) سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی صبر کرنے والا نہیں۔ لوگ اس کیلئے بیٹا بناتے ہیں اور وہ (پھر بھی) انہیں رزق عطا کرتا ہے اور ان سے درگزر فرماتا ہے۔"

ایک اور ارشاد نبوی ہے جو کہ صحیح بخاری میں ہے "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ (ایک وقت وہ آتا ہے کہ) اسے ایسے پکڑ لیتا ہے کہ پھر چھوڑتا نہیں۔" پھر حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری و ھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید۔ ﴿سورۂ ہود﴾

ترجمہ: "اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو در آنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

وکاین من قریۃ املیت لھا و ھی ظالمۃ ثم اخذتھا و الی المصیر۔ ﴿سورۂ الحج﴾

ترجمہ: "اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کا) لوٹنا ہے۔"

نمتعھم قلیلا ثم نضطرھم الی عذاب غلیظ۔ ﴿سورۂ لقمان﴾

ترجمہ: "ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف۔"

قل ان الذین یفترون .... بما کانوا یکفرون۔ ﴿سورۂ یونس﴾

ترجمہ: "آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے۔ دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے، پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔"

فمھل الکافرین امھلھم رویدا۔ ﴿سورۂ الطارق﴾

ترجمہ: "تو آپ کافروں کو ڈھیل دیں ... انہیں تھوڑی مہلت دو۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت، بچپن، جوانی اور وحی کا نزول

گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے قریب ایک چھوٹے سے شہر بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ آپ کی ولادت مصر میں ہوئی۔ یوسف بن یعقوب بڑھئی اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے گدھے پر سفر کیا جبکہ ان کے اور گدھے کی کاٹھی کے درمیان کوئی چیز نہیں تھی۔ (یہ قول صحیح نہیں ہے۔) احادیث شریف جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کی جائے ولادت بیت اللحم ہے لہٰذا احادیث کے مقابلے میں جو کچھ ہوگا وہ باطل و مردود ہوگا۔

ولادت پر عجائبات:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس دن حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، مشرق اور مغرب کے تمام بت منہ کے بل گر پڑے اور شیاطین حیران تھے کہ یہ کیا ہوا۔ یہاں تک کہ ابلیس نے اس راز سے پردہ اٹھایا اور انہیں آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے اب وہ اپنی ماں کی گود میں لیٹے ہیں اور فرشتے ان پر جھکے ہوئے ہیں۔ ولادت کی رات کو ایک بڑا ستارہ نمودار ہوا جسے دیکھ کر فارس کا بادشاہ ڈر گیا اور کاہنوں سے اس نے ستارے کے بارے پوچھا۔ کاہنوں نے بتایا کہ شام میں کوئی باعظمت بچہ پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے قاصد بھیجا اور ان کے ہاتھ تحفہ میں سونا، مر اور لبان اس بچے کو بھیجے۔ جب یہ لوگ ملک شام میں پہنچے تو بادشاہ نے ان کی آمد کا مقصد پوچھا انہوں نے بتایا کہ وہ ایک عظیم بچے کو تحفہ دینے آئے ہیں جس کی پیدائش شام میں ہوئی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کس وقت پیدا ہوا ہے؟ قاصدوں نے بتایا تو اتفاق سے وہی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا وقت تھا اور گہوارے میں گفتگو کی وجہ سے ہر ایک شخص آپ کے بارے جانتا تھا۔ بادشاہ نے انہیں روانہ کیا اور ان کے ساتھ ایک شخص بھی بھیجا تاکہ وہ جا کر بچے کو دیکھ آئے، بادشاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے تھا۔

جب یہ لوگ تحفے لے کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور واپس آیا تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بتا دیا گیا کہ شام کے یہ قاصد تیرے بچے کو قتل کر دیں گے۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے بچے کو اٹھایا اور مصر کی راہ لی۔ آپ ایک عرصہ تک مصر میں قیام پذیر رہیں حتیٰ کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ سال کو پہنچ گئی۔ صغر سنی میں ہی آپ کے ہاتھ پر کرامات و معجزات کا صدور شروع ہو گیا۔

معجزات کا ظہور:

حضرت وہب بن منبہؒ بیان کرتے ہیں کہ جس کسان کے پاس یوسف، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام قیام پذیر تھے اس کے گھر سے کچھ مال گم ہو گیا۔ اس گھر میں صرف فقراء، ضعفاء اور محتاج لوگ قیام رکھتے تھے، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ مال کس نے چرایا ہے؟ یہ بات حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر بہت شاق گزری۔ گھر کے مالک اور دوسرے لوگ بھی بہت پریشان تھے۔ بہت سوچ بچار کی لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں تو آپ نے ایک اندھے اور دوسرے لنگڑے شخص کی طرف اشارہ کیا جو ان تمام سے کچھ فاصلے پر الگ تھلگ بیٹھے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اندھے کو مخاطب کر کے کہا: اس اپاہج کو اٹھا لے اور اٹھ کھڑا ہو۔ اندھے نے کہا: میں بھلا ایسے کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی جیسے تم دونوں نے روشندان سے مال چراتے وقت کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات سن کر انہیں تصدیق کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ دونوں اسی طرح اٹھ کر قریب آ گئے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر لوگ آپ کی عظمت کے قائل ہو گئے حالانکہ آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ کسان کے بیٹے نے اپنے بیٹوں کی رسم طہارت کیلئے ایک دعوت کا اہتمام کیا، اس دعوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ لوگ جمع ہوئے انہیں کھانا پیش کیا گیا، جب کھانا ہو چکا تو شراب پلانے کا وقت آیا۔ جیسا کہ اس دور میں رواج تھا، مگر یہ دیکھ کر کسان کے اوسان خطا ہو گئے کہ مٹکوں کے تہہ میں بھی شراب نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ شراب ختم ہو گئی ہے اور کسان پریشان ہے اللہ کی قدرت سے سب مٹکے بہترین شراب سے بھر گئے۔ لوگ اس معجزہ کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مال و متاع کے ڈھیر لگا دیئے لیکن انہوں نے ایک پیسہ بھی قبول نہ کیا اور مصر سے ہجرت کر کے بیت المقدس آ گئے۔ واللہ اعلم

پنگھوڑے میں رب کی حمد و ثناء:

اسحاق بشرؒ فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے کی گفتگو کے بعد اللہ کے فضل و کرم اور عطا سے جو کلام کیا وہ حمد باری تعالیٰ پر مشتمل تھا۔ آپ نے اللہ کی بزرگی اور حمد و ثنا کی یہ ایسی تمجید تھی کہ ایسی کسی کانوں نے نہیں سنی تھی۔ آپ نے

سورج، چاند، پہاڑ، دریا اور چشمے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی، جس کا اس میں تذکرہ نہ کیا۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! تو اپنی بلندی میں قریب ہے اور قربت کے باوجود بہت دور ہے۔ مخلوق میں سے ہر ایک چیز سے بلند ہے تو وہ ذات ہے جس نے ہوا میں اپنے کلمات کے ساتھ ساتھ طبق پیدا فرمائے جو اندر سے کھوکھلے ہیں۔ اور تیرے خوف سے دھواں دھواں ہیں۔ وہ تیری اطاعت و فرمانبرداری میں حاضر ہیں، ان میں فرشتے ہیں جو تیری تقدیس کیلئے تیری پاکیزگی کے گن گاتے ہیں تو نے تاریکیوں کے باوجود ان میں انوار پیدا کر دیئے اور دن کیلئے سورج کے نور کو روشنی کا سبب بنا دیا۔ ان بادلوں میں کڑک ہے جو در حقیقت اللہ کی تسبیح کی ایک صورت ہے۔ تیری عزت کے ذریعے تیری پیدا کردہ ظلمت کی روشنی جلا پاتی ہے۔ تو نے آسمانوں میں چراغ روشن فرما دیئے جن کے ذریعے رہرو تاریکیوں میں رہنمائی پاتے ہیں۔

اے اللہ! تو نے اپنے پیدا کردہ آسمانوں میں اور پانی پر بچھائی زمین پر برکتیں رکھ دی ہیں اور تند و تیز موج پر اسے بلند کر دیا۔ اسے ایک دوسرے کی مدد کی خاطر مطیع فرمانبردار بنا دیا۔ اس کی بلندیاں اب تیری اطاعت کیلئے سرنگوں اور اس کے معاملے کو اپنے کام کیلئے زندہ کر دیا۔ اس کی موجیں تیری عزت و کبریائی کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ اس زمین سے سمندروں کے بعد نہریں پھوٹ رہی ہیں۔ نہروں کے بعد ندیاں اور ندیوں کے بعد متنزہ ور چشمے، تو نے اس زمین سے نہریں نکالیں اسی زمین سے درخت پیدا فرمائے اور ان پر پھل لگایا، پھر اس زمین پر پہاڑ کھڑے کر دیئے اور پانی کی سطح پر کیل ٹھونک دیئے، بلند چوٹیاں اور چٹانیں بھی تیری مطیع فرمان ہیں۔

اے اللہ! تو بابرکت ہے۔ کون تیری مدح و ستائش کا حق ادا کر سکتا ہے۔ تو نے بادلوں کو پھیلا دیا اور انسانوں کو بکھیر دیا اور صحیح فیصلہ فرما دیا، تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ سوائے تیرے کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے۔ تیرا حکم ہے کہ ہم ہر ایک گناہ کی تجھ سے معافی چاہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے، تو نے آسمانوں کو لوگوں سے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہر عیب سے پاک ہے، تجھ سے تیرے عقلمند بندے ڈرتے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو کوئی ایسا خدا نہیں جسے ہم نے از خود گھڑ لیا ہو اور نہ تو کوئی ایسا رب ہے جس کا ذکر مٹ جائے گا۔ تیرا کوئی شریک نہیں، ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے ڈرتے ہیں۔ مخلوق کے پیدا کرنے میں کسی نے تیری مدد نہیں کی۔ اس لیے ہم تیری کبریائی میں کوئی شک نہیں کرتے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یکتا ہے بے نیاز ہے، نہ تو نے کسی کو جنا ہے اور نہ تو جنا گیا ہے اور کوئی بھی تیرا ہمسر نہیں۔

ابو جاد کی تشریح

اسحاق بن بشر، جویبر اور مقاتل سے، یہ دونوں ضحاک سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں کلام کرنے کے بعد ایک عرصہ تک عام بچوں کی طرح نہ بولے۔ یہاں تک کہ آپ کی عمر جب عام بچوں کو پہنچی جس میں وہ گفتگو کرتے ہیں تو آپ نے گفتگو کرنا شروع کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نطق حکمت و دانائی عطا فرمائی۔ یہودی لوگوں کی اکثریت آپ پر اور آپ کی والدہ پر طعن و تشنیع کے تیر برساتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فاحشہ کا بیٹا کہہ کر پکارتی تھی۔ (نعوذ باللہ من ھذا الکفر) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و بکفرھم و قولھم علی مریم بھتانا عظیما۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث۔"

فرماتے ہیں: جب آپ سات سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو درس میں پڑھنے بھیج دیا۔ معلم جو کچھ پڑھاتے آپ ان کے پڑھانے سے پہلے ہی پڑھتے جاتے۔ معلم نے ابو جاد پڑھایا۔ آپ نے فرمایا: ابو جاد کیا ہے؟ معلم نے کہا: میں نہیں جانتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر آپ مجھے کیسے پڑھا سکتے ہیں؟ جب آپ جانتے کچھ نہیں۔ معلم نے کہا: تو پھر آپ ہی مجھے پڑھا دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے کہا: آپ اپنی مسند سے اٹھئے۔ معلم مسند سے الگ ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: اب مجھ سے سوال کرو۔ معلم کھڑا ہوا اور پوچھا: ابو جاد کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: الف سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں۔ باء سے مراد اس کی شان قدرت ہے اور "جیم" سے مراد شان جمال ہے۔ یہ جواب سن کر معلم بہت حیران ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے ابو جاد کی تشریح کی۔

پھر راوی ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس بارے پوچھا تو آپ نے ہر ایک کلمہ کا ایک طویل تفصیل کے ساتھ جواب دیا جس کے متعلق نہ تو پوچھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی انتہا کو پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ابن عدی نے اسماعیل بن عیاش کے حوالے سے اسماعیل بن یحییٰ سے۔ انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے ابن مسعود سے، انہوں نے مسعر بن کدام سے، انہوں نے عطیہ سے، انہوں نے ابو سعید سے روایت کیا۔ انہوں نے حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مدرسہ میں داخل ہونے اور معلم کو ابو جاد کے معنی پڑھانے کا طویل قصہ درج کیا ہے۔ یہ واقعہ بہت لمبا ہے جس کا ذکر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر

ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس اسناد کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ اس کو سوائے اسماعیل کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔

بچے بندر اور خنزیر بن گئے:

ابن لہیعہ عبد اللہ بن ابی ہبیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بچے تھے تو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور ان میں سے کسی ایک بچے کو کہا کرتے تھے کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے بتاؤں کہ تیری ماں نے تیرے لیے کیا پکا رکھا ہے؟ تو وہ کہتا ہاں بتاؤ۔ آپ بتاتے کہ تیری ماں نے تیرے لیے فلاں چیز تیار کر رکھی ہے۔ وہ پوچھتی کہ میں نے تیرے لیے کیا پکایا ہے تو بچہ بتا دیتا تھا کہ فلاں چیز تیار ہو چکی ہے۔ ماں پوچھتی تجھے کس نے بتایا ہے تو وہ کہتا کہ عیسیٰ ابن مریم نے۔ لوگوں نے کہا: اگر ہم یونہی بچوں کو ابن مریم کے ساتھ کھلا چھوڑ دیں گے تو یہ انہیں خراب کر دے گا۔ انہوں نے تمام بچوں کو ایک مکان میں بند کر دیا اور دروازے کو کنڈی لگا دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی تلاش میں نکلے لیکن بچے کہیں نہ ملے۔ آپ نے اچانک ایک گھر میں ان کا شور سنا۔ پوچھا یہ کون شور کر رہے ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ بندر خنزیر ہیں۔ آپ نے بددعا کی: اے اللہ ایسا ہی ہو۔ دیکھا تو سب بندر اور خنزیر تھے۔ ﴿ابن عساکر﴾

اسحاق بن بشر، جویبر اور مقاتل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں عجائبات کے نظارے کرتے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور الہام ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پروان چڑھتے گئے یہودیوں میں آپ کے عجائبات کی باتیں جو پھیلنا شروع ہوئیں تو انہوں نے غلط قسم کی منصوبہ بندی آپ کے خلاف شروع کر دی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ آپ کی والدہ کو بذریعہ وحی مصر کی سرزمین کی طرف چلے جانے کا حکم ہوا، آپ چلی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجعلنا ابن مریم و امه آیة و اوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین۔ ﴿سورۃ المومنون﴾

ترجمہ: "اور ہم نے بنا دیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی نشانی) اور انہیں بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں جس ربوا (بلند مقام) کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ اسلاف اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ قرآن مجید نے اس کی دو صفتیں ذات قرار (رہائش کے قابل) اور معین (جہاں چشمے جاری ہوں) بتائی ہیں اور ربوا کی یہ تعریف بڑی عجیب ہے۔ فرمایا جا رہا

ہے کہ وہ ایک ایسی بلند جگہ ہے جس کی سطح برابر ہے اس پر رہائش ممکن ہے اور وہ بے بھی وسیع و عریض اس بلندی کے ساتھ ساتھ اس پر پانی کے چشمے ہیں۔ المعین سے مراد زمین کی سطح پر جاری و ساری چشمے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کا وہ گلستان ہے جہاں حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت ہوئی۔ اسی لیے فرمایا: "فناداھا من تحتھا الا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریا۔"

جمہور کے نزدیک سریا سے مراد چھوٹی نہر ہے اور حضرت ابن عباس ؓ سے اسناد جید کے ساتھ روایت ہے کہ اس سے مراد دمشق کی نہریں ہیں۔ شاید اس مکان کے ساتھ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ یہ دمشق کا علاقہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مصر کا ایک علاقہ ہے۔ جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے۔ اور بعض مسلم علماء نے انہیں کے قول کو نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نیلہ ہے۔

اسحاق بن بشر نے فرمایا ہے کہ ہم سے ادریس نے کہا۔ انہوں نے اپنے دادا حضرت وہب بن منبہ سے روایت فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی عمر جب تیرہ سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر سے ایلیا واپس آنے کا حکم دیا۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی والدہ ماجدہ کے خالہ زاد بھائی یوسف آپ کے پاس آئے اور دونوں ماں بیٹا کو ایک گدھے پر سوار کر کے ایلیا لے آیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ انجیل کے نزول تک اسی شہر میں قیام پذیر رہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کا علم فرمایا اور احیاء موتی، بیماروں کو شفا دینے، غیب چیزوں کا علم جو لوگ گھروں میں ذخیرہ کرتے تھے جیسے معجزات سے نوازا۔ لوگ آپ ؑ کی آمد کے متعلق گفتگو کرنے لگے اور عجائبات کو دیکھ کر ڈر گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے۔ آپ ؑ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اس طرح آپ پورے علاقہ میں مشہور ہو گئے۔

کتب سماویہ کا اوقات نزول:

ابو زرعہ دمشقی ؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ "حضرت موسیٰ ؑ پر تورات جب نازل ہوئی تو رمضان کی چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ زبور حضرت داؤد ؑ پر نازل ہوئی تو ماہ رمضان کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ اور زبور تورات کے چار سو بیاسی (۴۸۲) سال بعد نازل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ پر انجیل نازل فرمائی تو رمضان کے مہینے کی اٹھارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ اور انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جبکہ رمضان المبارک کی چوبیسویں تاریخ تھی۔"

ہم نے آیت "شہر رمضان الذی انزل فیه القرآن" کے ضمن میں اپنی تفسیر میں اس سلسلہ کی کچھ احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں ایک یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ پر انجیل مقدس نازل ہوئی تو ماہ رمضان کی اٹھارہ راتیں گزر چکی تھیں۔

علامہ ابن جریر بیان فرماتے ہیں کہ نزول انجیل کے وقت حضرت عیسیٰ ؑ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ اور جب آپ کو زندہ اٹھا لیا گیا تو عمر مبارک تینتیس (۳۳) سال تھی۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ آئے گی۔

اوصاف صاحب قرآن:

اسحاق بن بشر نے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کی طرف وحی میں فرمایا۔ اے (میرے پیارے!) عیسیٰ! میرے بارے میں کوشش کر اور سستی کا شکار نہ ہو۔ اور اے پاکیزہ دوشیزہ عفت مآب عورت کے بیٹے سن اور اطاعت کر۔ تو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ میں نے تجھے عالمین کے لیے نشانی کے طور پر پیدا فرمایا ہے۔ صرف میری عبادت کر اور صرف مجھ پر بھروسہ کر مضبوطی سے کتاب کو تھام لے۔ سریانی زبان والوں کے لیے اس کی تفسیر بیان کر اور اپنے سامنے کے لوگوں کو یہ پیغام پہنچا کہ میں حق ہوں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہوں۔ مجھے ہی دوام ہے اور میں کبھی زوال پذیر نہیں ہوں گا۔ لوگوں کو بتاؤ کہ وہ نبی امی عربی صاحب الجمل والتاج کی تصدیق کریں۔ اس سے مراد پگڑی مبارک، ڈھال، نعلین پاک اور لاٹھی ہے۔ وہ نبی امی جو خوبصورت آنکھوں والا، کشادہ پیشانی والا اور واضح رخساروں والا ہوگا جس کے بال گھنگریالے ہوں گے۔ داڑھی مبارک گھنی ابرو ملے ہوئے، ناک بلند، سامنے کے دانتوں میں تھوڑا فاصلہ ہوگا اور تھوڑی تنگی نہیں ہوگی جس کی گردن مبارک گویا چاندی کی صراحی ہو جس کے چہرے میں سونا چل رہا ہو سینے سے لے کر ناف تک اس کے بال ایسے ہوں گے جیسے ان چھڑی چھڑی کی کمان ہو بطن مبارک اور سینے پر ان کے علاوہ کوئی بال نہیں ہوں گے۔ ہاتھ اور پاؤں مبارک پر گوشت ہوں گے جب کسی طرف ملتفت ہوں گے تو پوری طرح ملتفت ہوں گے۔ اور جب چلیں گے تو یوں چلیں گے کہ گویا بلندی سے اتر کر نشیب کی طرف آ رہے ہیں۔ ان کے چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح چمکے گا اور اس پسینے سے کستوری جیسی خوشبو آئے گی ایسا کوئی رعنا نہ پہلے دیکھا گیا اور نہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ حسین قامت، بہترین خوشبو والے ہوں گے۔ وہ کئی عورتوں سے نکاح کریں گے لیکن اولاد کم ہوگی۔ مگر پھر بھی ان سے بابرکت نسل پہنچے گی۔ جنت

میں ان کے لیے زبرجد کا مکان ہوگا جس میں نہ تھکاوٹ ہوگی اور نہ شور وغوغا ہوگا۔ اے عیسیٰ آخری زمانہ میں تو ان کی امت کی اس طرح کفالت کرے گا جس طرح زکریا (علیہ السلام) نے تیری والدہ کی کی تھی۔ میری بارگاہ میں اس کو وہ مقام حاصل ہے جو کسی اور بشر کو حاصل نہیں۔ اس پر نازل ہونے والا کلام قرآن مجید (کہلائے گا) اس کا دین اسلام ہوگا اور اسے السلام سلامتی دینے والا لائے گا طوبیٰ! (خوشخبری ہے) اس شخص کے لیے جس نے اس کا زمانہ پایا اس کے ایام کو دیکھا اور اس کے کلام کو سنا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! الٰہی یہ طوبیٰ کیا ہے؟ فرمایا ایک درخت ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ یہ درخت تمام جنتوں میں ہے۔ اس کا تنا رضوان سے ہے اور پانی تسنیم سے جبکہ اس کی ٹھنڈک کافور کی اور ذائقہ زنجبیل کا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہو گی۔ جو اس میں سے ایک گھونٹ بھی پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے بھی اس سے سیراب فرما اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: جس وقت تک وہ نبی اس پانی کو نہیں پی لیتا دوسرے نبیوں پر اس کا پانی پینا حرام ہے۔ اور جب تک اسی نبی کی امت یہ پانی نہیں پی لیتی باقی تمام امتوں پر اس کا پانی پینا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا۔ عرض کی پروردگار! تو مجھے کیوں اٹھائے گا؟ فرمایا: میں تجھے اٹھاؤں گا پھر آخری زمانہ میں نیچے اتاروں گا تاکہ تو اس نبی کے امت کے عجائب کو دیکھ سکے اور دجال لعین کے ساتھ جنگ کرنے پر ان کی مدد کر سکے۔ میں تجھے نماز کے وقت اتاروں گا پھر تو ان کے ساتھ نماز ادا نہیں کرے گا کیونکہ یہ امت مرحومہ ہے اور ان کے نبی کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

امت محمدیہ کے اوصاف:

ہشام بن عمار فرماتے ہیں کہ اس نے ولید بن مسلم سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن زید سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: پروردگار! مجھے اس امت مرحومہ کے بارے آگاہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ اس امت کے لوگ علماء اور حکماء ہوں گے گویا وہ انبیاء ہوں۔ تیری تھوڑی عطا پر بھی راضی ہو جائیں گے۔ میں بھی ان کے تھوڑے سے عمل کی وجہ سے ان سے راضی ہو جاؤں گا۔ اور میں انہیں صرف "لا الٰہ الا اللہ" کی وجہ سے جنت میں داخل کروں گا۔ اے عیسیٰ! جنت کے اکثر باسی اسی امت کے لوگ ہوں گے کیونکہ کسی قوم نے "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر نہیں کیا ہوگا جتنا اس امت کے ریا میں اس کلمہ کا ورد

کریں گے اور اتنے کسی قوم کے سر سجدے میں کبھی نہیں جھکے جتنے اس قوم کے سر سجدہ میں جھکیں گے۔

ہدایات ربانی:

ابن عساکر، عبداللہ بن بدیل عقیلی کے حوالے سے عبداللہ بن عوسجہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی مجھے اپنے دل میں وہ جگہ دے جو غم کے لیے ہے اور مجھے اپنی معاد میں اپنے لیے ذخیرہ کر لے۔ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر میں تجھ سے محبت کروں گا اور میرے علاوہ کسی غیر کی طرف مائل نہ ہو ورنہ پکڑ لوں گا، مصیبت پر صبر کر اور قضا پر راضی رہ۔ ایسا ہو جا کہ میری مسرت تجھ میں ہو۔ بلاشبہ میری خوشی اس میں ہے کہ میری فرمانبرداری کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے۔ میرے قریب ہو جا اور اپنی زبان سے میرے ذکر کو زندہ کر دے۔ میری محبت تیرے سینے میں رہے تاکہ تجھے غفلت سے بیدار کرے۔ کمال عقلمندی میں احکام صادر کر۔ اور میری طرف رغبت کرنے والا اور صرف میرا ہو کے رہنے والا بن جا۔ اپنے دل کو میری خشیت کی موت مار دے۔ رات کی رعایت کر میری خوشنودی کے حق کی خاطر اور میرے ہاں ایک خوش کن دن کے لیے اپنے دن کو تاریک کر دے۔ بھلائیوں میں کوشاں رہ کر دوسروں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اور کہیں بھی ہو بھلائی کا اعتراف کر۔ مخلوق کو میری نصیحت سنا اور میرے بندوں میں میرے عدل کے ساتھ فیصلے کر۔ میں نے تیری طرف شفا (انجیل) نازل فرمائی ہے جو دلوں کو وسوسوں سے یعنی نسیان کے مرض سے بچاتی ہے۔ اور میں نے اندھے پن کے پردوں سے تجھے آنکھوں کا نور عطا فرمایا۔ حریص میت بن جا گویا کہ تو زندہ سانس لیتے ہوئے بھی مردہ ہے۔

اے عیسیٰ ابن مریم! میری مخلوق مجھ پر ایمان نہیں لائی مگر وہ خشیت کی نعمت سے مالا مال ہوئی اور جس دل میں میری خشیت ہے اس نے ثواب کی امید پائی۔ میں تجھے گواہ ٹھہراتا ہوں کہ وہ مخلوق میرے عذاب سے مامون ہے جب تک وہ خود تبدیل نہیں ہوتی یا میری سنت کو تبدیل نہیں کر دیتی۔

اے طیب وطاہر والدہ کے بیٹے! زندگی کے ان ایام میں اپنی ذات پر رو ایک ایسے شخص کا رونا جس نے اہل وعیال کو الوداع کہا ہو، دنیا کو خوش جانا ہو اور لذات کو اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ کر اللہ کی نعمتوں اور بخششوں کا راغب اور طلبگار رہا ہو۔ اس میں نرم گفتار ہو کر رہ اور سلام کو عام کر۔ جب ابرار کی آنکھیں سو جائیں تو اس وقت جاگنے والا بن جا۔ ذرا دیکھ تو آخرت کے لیے کیا لے کر آ رہا ہے۔ قیامت قریب ہے۔ شدید اور دل دہلا دینے والا زلزلہ آیا ہی چاہتا ہے۔ اس وقت مال نفع دے گا اور نہ گھر والے جب کم کردہ راہ تمہیں تو تو اپنی آنکھوں میں حزن وملال کا سرمہ لگا لیا کر اور

اس پر صبر کیا کر اور لمحہ لمحہ اپنی ذات کا محاسبہ کرتا رہا کر۔ میں نے جس چیز کا صابروں سے وعدہ فرمایا ہے اگر وہ تیرے ہاتھ آ جائے تو تو خوش نصیب ہے۔ دنیا میں اللہ کو طلب کر کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس دن سب اس کے سامنے پیش ہوں گے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی رہیے۔ اور جو چیز تیرے ساتھ جنگ کر رہی ہے تو اسے چھوڑ دے۔ تجھے کیا کہ اس کا ذائقہ کیا ہے۔ جو چیز تیرے ہاتھ میں نہیں رہے گی اس کا ذائقہ چکھنے سے کیا حاصل۔

ستانے کے ساتھ ہی دنیا سے چل دے۔ تیرے لیے اس کی کھردری اور سخت چیزیں کافی ہوئی ہوئیں۔ تو نے دیکھ لیا ہے جو کچھ کر رہا ہے۔ ہر عمل کا حساب دینا ہوگا اور تجھ سے باز پرس ہوگی۔ اگر تیری آنکھ ان نعمتوں کو دیکھ لے جو میں نے اپنے اولیاء وصالحین کے لیے تیار کر رکھی ہیں تو تیرا دل پگھل جائے اور روح پرواز کر جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان لعین:

ابوداؤد کتاب القدر میں فرماتے ہیں ابن طاؤس نے اپنے والد سے روایت کیا: فرماتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ابلیس سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے پتہ نہیں کہ تجھے وہی کچھ پہنچا ہے جو تیری قسمت کو نوشتہ تھا؟ ابلیس نے کہا: پہاڑ کی اس چوٹی پر چڑھ جا اور اپنے آپ کو وہاں سے گرا دے۔ پھر دیکھ تو مرتا ہے یا زندہ رہتا ہے۔ ابن طاؤس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میرا بندہ مجھے آزماتا نہیں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ زہری فرماتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کا امتحان لینے کا مجاز نہیں۔ یہ حق اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ اپنے بندے کو آزمائے۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن عبدہ نے بیان کیا۔ ہمیں سفیان نے بتایا۔ انہوں نے عمرو سے، انہوں نے طاؤس سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: تو اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے نا؟ تو لے میں چھلانگ لگا رہا ہوں تو بھی اپنے آپ کو اس پہاڑ سے گرا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو ہلاک ہوا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے ابن آدم! مجھ سے اپنی ہلاکت مت مانگ۔ میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔

ابوتوبہ الربیع بن نافع نے بیان کیا۔ ہم سے حسین بن طلحہ نے بیان کیا۔ میں نے خالد بن یزید سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ شیطان نے دس سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہ کر عبادت گزاری کی۔ یا دو سال تک۔ ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا اور کہا: تیری کیا رائے ہے اگر میں

اپنے آپ کو گرا دوں تو مجھے صرف اتنی تکلیف نہیں پہنچے گی جتنی میری تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں ان میں سے نہیں ہوں جو اپنے رب کو آزماتے ہیں۔ بلکہ میرا رب جب چاہتا ہے مجھے آزماتا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ (سال ہا سال سے میرے ساتھ عبادت کرنے والا بدبخت) شیطان ہے۔ اسی وقت آپ اسے چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے شریح ابن یونس نے۔ ہم سے علی بن ثابت نے بیان کیا۔ انہوں نے خطاب بن قاسم سے، انہوں نے ابوعثمان سے روایت فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی پہاڑ کی چوٹی پر نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران آپ کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا: کیا تو سمجھتا ہے کہ ہر چیز قضاء وقدر کی پابند ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا ہاں! ابلیس کہنے لگا: اپنے آپ کو اس پہاڑ سے گرا دے اور کہہ دے کہ تقدیر میں ایسا ہی تھا۔ آپ نے فرمایا: اے لعین! اللہ تعالیٰ بندوں سے امتحان لیتا ہے نہ کہ بندے اللہ تعالیٰ سے امتحان لیتے ہیں۔

ابوبکر بن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے فضل بن موسیٰ بصری نے، ہم سے ابراہیم بن بشار نے بیان کیا۔ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا وہ فرما رہے تھے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ابلیس کی ملاقات ہوئی۔ ابلیس نے کہا: اے عیسیٰ پسر مریم! آپ وہ ہیں جو ربوبیت کی عظمتوں تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے پنگھوڑے میں کلام کیا جبکہ دودھ پیتے بچے تھے آپ سے پہلے کسی نے پنگھوڑے میں گفتگو نہیں کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ربوبیت سے متصف تو وہ ذات خداوندی ہے جس نے مجھے قوت گویائی بخشی۔ پھر مجھے موت کی نیند سلا دے گا پھر زندہ فرمائے گا۔ شیطان نے کہا آپ وہ ہیں جو ربوبیت کی عظمتوں پر فائز ہیں۔ آپ مردوں کو زندگی عطا کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ ربوبیت تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو زندگی بخشتا ہے اور میں جسے زندہ کرتا ہوں اسے پھر موت سے ہمکنار کرتا ہے پھر اسے زندہ فرمائے گا۔ ابلیس نے پھر کہا۔ بخدا! آپ ہی آسمان کے الٰہ ہیں اور آپ ہی زمین کے معبود ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابلیس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے مارا اور وہ سورج سے بھی کہیں دور جا پڑا۔ ایک اور پر مارا تو وہ دہکتے چشمے سے دور جا گرا۔ ایک اور پر مارا اور اسے ساتوں سمندروں میں داخل کر دیا۔ وہ یہ سزا کھا کر چیخ و پکار کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ان سمندروں میں چلا یا حتی کہ اس نے کیچڑ کا ذائقہ چکھا۔ پھر ان سے باہر آیا جب کہ کہہ رہا تھا کسی نے کسی سے وہ سزا نہیں پائی جو سزا اے ابن مریم میں نے تم سے پائی ہے۔

حافظ ابوبکر خطیب ایک اور سند کے ساتھ اس واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ ابوسلمہ سوید اور

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں نماز پڑھی اور واپس تشریف لائے۔ جب ایک پہاڑ پر پہنچے تو ابلیس سامنے آیا اور احتساب کرنے لگا۔ اس نے تنقید کے انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہا: آپ کو بندہ بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ اس نے بہت زیادہ ورغلانے کی کوشش کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ کسی طرح اس ملعون سے جان چھوٹ جائے۔ لیکن وہ کسی صورت دور نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے بہت سی باتیں کیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ بندگی تجھے زیب نہیں دیتی۔ روای فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ جب ابلیس کی ان دو فرشتوں پر نظر پڑی تو بھاگ نکلا۔ پس جب ابلیس نے پہاڑ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی کوشش کی تو فرشتوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر مارا جس سے ابلیس بطن وادی میں جا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ ابلیس واپس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ آیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انہیں بس یہی حکم دیا گیا ہوگا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پھر کہا میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ آپ کو بندہ بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ دیکھو آپ کی ناراضگی ایک عام بندے کی ناراضگی نہیں۔ دیکھو جب آپ مجھ سے ناراض ہوئے تو مجھے کس قدر سزا ملی۔ میں تیرے بھلے کی بات کہتا ہوں۔ میں شیطانوں کو حکم دوں گا وہ تیرا حکم مانیں گے اور جب لوگ دیکھیں گے کہ شیطان تیری اطاعت کرتے ہیں تو وہ تیری عبادت شروع کر دیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تو واحد خدا بن جا۔ اللہ تعالیٰ آسمان کا الہ ہوگا اور تو زمین کا الہ ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی زبانی یہ گفتگو سنی تو اپنے رب سے فریاد کی اور خوب آہ و زاری کی۔ اسی دوران حضرت اسرافیل علیہ السلام اترے، پس حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے اس کی طرف کی نظر کی تو ابلیس رک گیا اور جب وہ ان کے ساتھ قرار پذیر ہوا تو حضرت اسرافیل علیہ السلام نے ابلیس کو اپنے پروں کی ایک ضرب لگائی جس سے وہ سورج سے جا ٹکرایا، پھر ایک اور ضرب لگائی اور وہ نیچے زمین پر آ رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک جگہ سے ہوا دیکھا تو وہ گرا پڑا ہے۔ کہنے لگا اے عیسیٰ علیہ السلام! آج مجھے آپ نے بڑی تھکاوٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ پس اسی گفتگو کے ساتھ ہی ابلیس کو عین الشمس میں پھینک دیا گیا۔ پس اس نے وہاں بھڑکتے ہوئے چشمے کے پاس سات فرشتے پائے۔

راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے اسے ڈھانپ لیا، وہ جب بھی ان سے نکلتا وہ اسے ڈھانپ لیتیں۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر ابلیس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

راوی فرماتے ہیں: اور اسماعیل العطار نے ہم سے بیان کیا، ہم سے ابوحذیفہ نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ شیطان ابلیس کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے: اے ہمارے گرو! آج سخت تھکاوٹ محسوس کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: یہ ایک معصوم شخص ہے۔ میں اسے راہ راست سے برگشتہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کے ذریعے میں کئی لوگوں کو گمراہ کروں گا۔ میں ان لوگوں کی مختلف خواہشات کو پھیلا دوں گا اور انہیں فرقہ فرقہ بنا ڈالوں گا۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے والدہ مریم کو خدا کہتے پھریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عصمت کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید اور عصمت کی پاسداری بیان کرنے کیلئے کئی آیات طیبات نازل فرمائیں۔ اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یا عیسی ابن مریم اذ کر نعمتی علیك و علی والدتك اذ ایدتك بروح القدس ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر، جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے۔"

تکلم الناس فی المهد و کهلا واذ علمتك الکتاب و الحکمة و التوراة والانجیل واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے جبکہ تو ابھی پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل، اور جب تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت۔"

الغرض اور بہت ساری نعمتیں میں نے تجھ پر نچھاور کیں اور اے میرے پیارے عیسیٰ علیہ السلام! یاد کر جب میں نے مسکینوں کو تمہارا ساتھی، تمہارا مددگار اور حواری بنا دیا جن سے تم خوش تھے اور وہ تمہارے ہادی اور قائد ہونے سے راضی تھے۔ پس جان لے کہ یہ دو عظیم خصلتیں ہیں، ان کو اپنا کر جو شخص مجھ سے ملے گا تو وہ پوری مخلوق سے زیادہ پاکیزہ اور سب زیادہ میرا منظور نظر ہو کر مجھے ملے گا۔ عنقریب اسرائیل تجھ سے کہیں گے کہ ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے قبول نہیں ہوتے۔ ہم صدقہ کرتے ہیں مگر ہمارا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ ہم اونٹنی کے بچے کی طرح روتے ہیں مگر ہماری آہ و زاری پر رحم نہیں کیا جاتا تو ان سے کہنا: بتاؤ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں تمہاری عبادت اور

تمہاری آہ وزاری پر نظر رحمت نہیں کی جاتی؟ کیا میرے خزانوں میں کوئی کمی واقع ہوگئی ہے؟ کیا میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک نہیں، انہیں جیسے چاہتا ہوں خرچ کرتا ہوں۔ کیا ایک بخیل مجھ سے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ کیا میں اس شخص سے زیادہ سخی نہیں جس سے سوال کیا جاتا ہے؟ کیا اس سے زیادہ عطا نہیں کرتا جو لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ کیا میری رحمت کا دائرہ تنگ ہوگیا ہے؟ رحم صرف ان پر کیا جاتا ہے جو میری رحمت کی امید رکھتے ہیں؟ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ ؑ! اگر یہ لوگ اس حکمت سے دھوکے میں نہ پڑتے جو ان کے دلوں میں "ودالۃ" چلی آرہی ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں؟ معرفت کے بعد انہیں یقین کامل حاصل ہو جاتا کہ ان کے نفوس ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ میں کیسے ان کے روزوں کو قبول کرلوں جبکہ وہ روزے کے باوجود حرام مال اکٹھا کرتے ہیں۔ میں کیسے ان کی نمازوں کو قبول کرلوں جبکہ ان کے دل میرے ساتھ جنگ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور میری حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ میں ان کے صدقات کو کیسے قبول کرلوں جبکہ وہ لوگوں پر غصے ہوتے ہیں اور ناجائز طریقے سے اس مال کو حاصل کرتے ہیں۔ اے عیسیٰ ؑ! میں انہیں وہی بدلہ دیتا ہوں جس کے وہ اہل ہوتے ہیں، میں ان کی آہ وزاری پر کیسے رحم کروں ان کے ہاتھ تو انبیاء کے خون سے رنگے ہیں، میں ان سے سخت ناراض ہوں۔

اے عیسیٰ ؑ! میں نے آسمانوں اور زمین کی آفرینش کے دن سے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ جو میری عبادت کرے گا اور تم ماں بیٹا کے بارے وہی کہے گا جو میں کہتا ہوں تو میں جنت میں اسے تیرا پڑوسی، درجات میں تیرا رفیق اور کرامت میں تیرا شریک بنادوں گا، اور میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دن سے یہ فیصلہ بھی فرمادیا ہے کہ جو تجھے اور تیرے والدہ ماجدہ کو خدا بنائے گا تو میں اسے جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں پھینکوں گا۔

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے روز سے میں نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ میں اس امر کو اپنے بندے محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ پر ثابت کروں گا۔

حضور نبی کریم ﷺ پر سلسلہ نبوت ورسالت کو ختم کروں گا، ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ میں ہوگا۔ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے اور ملک شام ان کے زیر نگیں ہوگا۔ نہ وہ بدخو ہوں گے اور نہ ترش رو، نہ ہی بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ ہی بری بات کو خوبصورت انداز میں بیان کرنے والے، اور نہ کسی سے بدکلامی کرنے والے ہوں گے۔ میں ہر خوبصورت امر کی طرف ان

کی رہنمائی کروں گا اور ان کو اخلاق کریمانہ سے نوازوں گا۔ میں تقویٰ کو ان کا ضمیر، حکمت کو ان کی عقل، وفا کو ان کی طبیعت، عدل کو ان کی سیرت، حق کو ان کی شریعت اور اسلام کو ان کا دین بنادوں گا، ان کا اسم گرامی احمد (ﷺ) ہوگا۔ ان کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت کا نور عام کروں گا۔ جہالت کے بعد علم ومعرفت کا دور دورہ ہوگا، ان کے ذریعے تنگدستی کے بعد فراخی اور غنا اور ذلت کے بعد بلندی عطا کروں گا، میں ان کے وسیلے سے لوگوں کو ہدایت دوں گا۔ بہرے کانوں کو شنوا، غافل دلوں کو بیدار اور ہواؤں کی گندگی کو دور کروں گا۔ میں ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ ان کا یہ عمل محض میرے لیے ہوگا۔ وہ پہلے رسولوں کی تعلیمات کی تصدیق کریں گے۔ میں انہیں الہام کروں گا کہ وہ اپنی مساجد، مجالس اور گھر بار میں میری تقدیس وتمجید کریں گے۔ وہ صرف میری خوشنودی کیلئے کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، سجدہ اور رکوع کرکے میری عبادت کریں گے۔ میری راہ میں صفیں باندھ کر لشکروں کی صورت میں قتال کریں گے۔ ان کی قربانی خون بہانا ہوگا، ان کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ان کے دل نیکی سے معمور ہوں گے، راتوں کو راہب ہوں گے اور دن کو شیر (کی طرح شجاعت کا مظاہرہ کریں گے) یہ میرا فضل ہے۔ میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں اور میں فضل عظیم کا مالک ہوں۔

عنقریب ہم ایسی روایات ذکر کریں گے جو اس سیاق کی تصدیق کریں گی اور سورۂ مائدہ اور سورۂ صف میں ان کا تذکرہ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے۔

بعثت حضرت عیسیٰ ؑ:

ابوحذیفہ، اسحاق بن بشر نے کعب احبار، وہب بن منبہ، حضرت ابن عباس اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے کئی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں "بعض کی حدیث بعض میں داخل ہوگئی ہے۔" کہتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ کی بعثت ہوئی اور آپ واضح نشانیاں لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کے منافقوں اور کافروں نے تعجب کیا اور ٹھٹھا کرنے لگے۔ پوچھتے تھے: یہ بتاؤ کہ فلاں نے گزشتہ رات کیا کھایا اور گھر میں کیا ذخیرہ کیا؟ تو آپ انہیں بتاتے، اس سے اہل ایمان کا یقین بڑھ جاتا اور منافق اور کافر اور زیادہ کفر اور شک کرنے لگتے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس سر چھپانے کو گھر نہیں تھا۔ آپ زمین میں سفر کرتے رہے۔ کہیں ٹھکانہ نہیں تھا کہ اس حوالے سے آپ کی پہچان ہوتی۔

احیاء موتیٰ کا واقعہ:

احیاء موتیٰ کا پہلا واقعہ یوں رونما ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک عورت کے قریب سے ہوا جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی، آپ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگی: میری بچی فوت ہو گئی ہے اور اس کے سوا میرا کوئی بچہ نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اس وقت تک اس جگہ سے الگ نہیں ہوں گی جب تک کہ مجھے بھی موت نہیں آجاتی، یا میری بچی زندہ نہیں ہو جاتی۔ بس میں انتظار میں ہوں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو اسے ایک دفعہ دیکھ لے تو اسے واپس جانے دے گی؟ عورت نے کہا ہاں (ٹھیک ہے مجھے یہ شرط منظور ہے) کہتے ہیں کہ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آواز دی: اے فلاں (بچی کا نام لے کر پکارا) اللہ رحمٰن کے نام سے کھڑی ہو جا۔

کہتے ہیں کہ قبر میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی۔ آپ نے دوسری آواز دی، قبر پھٹ گئی، تیسری آواز پر وہ بچی سر سے مٹی جھاڑتی ہوئی باہر آ گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچی سے مخاطب ہوئے: اتنی دیر کیوں کی؟ کہنے لگی: جب پہلی آواز پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا، اس نے میرے جسم کے بکھرے اعضاء کو یکجا کیا۔ دوسری آواز آئی تو میری روح بدن میں واپس آ گئی اور جب تیسری آواز آئی تو میں ڈر گئی کہ قیامت کی چیخ (صور) ہے، اس وجہ سے میرے سر، ابرو اور پلکوں کے بال سفید ہو گئے، پھر وہ بچی اپنی ماں کی طرف بڑھی اور کہا: امی جان! ایسا تم نے کیوں کیا کہ مجھے دو دفعہ موت کا ذائقہ چکھنا پڑا۔ اے میری ماں! صبر و تحمل سے کام لیجئے۔ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں (پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوئی) کہ اے روح اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے دار آخرت کی طرف لوٹا دے اور مجھ پر موت کی سختی کو آسان کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اللہ تعالیٰ نے لڑکی کو اس دنیا سے اٹھا لیا، اور آپ نے اسے دفن کر کے مٹی برابر کر دی۔ جب یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ کر دیں کہ آپ نے دعا کی اور نماز ادا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرما دیا اور انہوں نے کشتی نوح اور اس واقعہ کے بارے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی اور وہ پھر جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

سدی ابو صالح اور ابو مالک سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا

ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسرائیلیوں کا ایک بادشاہ فوت ہو گیا، لوگوں نے اسے چارپائی پر رکھ دیا۔ اسی اثنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ فرما دیا، لوگوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا تو کانپ اٹھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انعامات الٰہی:

اذ قال اللّٰہ یعیسی ابن مریم اذکر نعمتی ــــــ واشهد باننا مسلمون۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے ابن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میری اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بنا بے جان پتلا) بن جاتا تھا، پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا اور زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے، اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے، اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر کھلا ہوا جادو، اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ، انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے احسانات اور نعمتوں کا ذکر کر رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے صرف ماں کے ذریعے پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے خاص احسان فرمایا اور انہیں اپنی قدرت کاملہ کی دلیل بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو منصب رسالت پر فائز کر دیا۔ یہ رحمت و نعمت حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر بھی تھی۔

"و علی والدتك" یعنی انہیں اس عظیم نعمت کیلئے چن کر اور جاہل لوگوں کے الزامات سے برأت عطا کر کے ان پر کمال فرمایا۔ اس لیے فرمایا: "اید تك بروح القدس" "روح القدس" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ تائید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح القدس کے ذریعے اپنی روح مریم میں پھونکی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف روح الامین ہی وحی لے کر آئے اور کافروں کی ایذا رسانیوں سے آپ کو بچایا۔ "تکلم الناس فی المهد و کهلا" یعنی آپ بچپنے کی عمر میں پنگھوڑے میں لیٹے اور بڑی عمر میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے

"واذ علمتک الکتاب و الحکمة" کتاب سے مراد لکھنا ہے۔ حکمت سے مراد سمجھ ہے۔ بعض اسلاف نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ "والتورٰة والانجیل" تورات اور انجیل "واذ تخلق من الطین کھیئة الطیر باذنی" یعنی آپ مٹی سے پرندے کی طرح ایک صورت اور ایک مورتی بناتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ملتا تھا۔ "فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی" اس بے جان مورتی پھونکتے تو وہ میرے اذن سے پرندہ بن جاتی بار بار اذن کی قید وہم اور شک کو دور کرنے کیلئے ہے۔

واذ تخرج الموتی ترجمہ: "یعنی آپ میرے اذن سے مردے کو زندہ کر کے قبر سے نکال کھڑا کرتے تھے۔"

اس ضمن میں جو واقعات بیان کیے جا چکے ہیں انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبینات فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین۔

یہودیوں نے جب آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ اٹھا لیا اور ان کی ایذا رسانیوں اور مکر و فریب سے انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا کر اپنے حریم قدس میں جگہ عطا فرما دی۔

یہی مقصود ہے کہ آیت کا کہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک لیا جب آپ معجزات لے کر تشریف لائے اور کافروں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے۔

او اذا وحیت الی الحواریین ان آمنوا بی و برسولی قالوا آمنا و اشھد باننا مسلمون

ایک قول کے مطابق اس سے مراد الہام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

و اوحی ربک الی النحل ترجمہ: "اور تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کی۔"

یہاں وحی کا معنی طبیعت اور فطرت میں کسی چیز کو ڈال دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ﴿سورۃ القصص﴾

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو بالواسطہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے) وحی فرمائی اور انہیں قبول حق کی توفیق بخش دی۔ اسی لیے حواریوں نے اس حکم کے جواب میں کہا: "آمنا واشھد باننا مسلمون۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو فضل و کرم فرمایا، اس کی ایک صورت آپ کے حواری اور

ساتھی تھے جو قدم قدم پر آپ کا ساتھ دے رہے تھے اور اشاعت دین کے کام میں آپ کے شانہ بشانہ کام کر رہے تھے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین و الف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف بینھم۔ انہ عزیز حکیم۔ ﴿سورۃ الانفال﴾

ترجمہ: "وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اور اسی نے الفت پیدا کر دی، ان کے دلوں میں۔ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان، بلاشبہ وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔"

ہر پیغمبر کو مناسب حال معجزات سے نوازا گیا:

و یعلمہ الکتب و الحکمة و التورٰة .... واللہ خیر المٰکرین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ نے سکھائے اسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل اور بھیجا اسے رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (وہ انہیں آکر کہا کہ) میں آ گیا ہوں تمہارے پاس پرندے کی سی صورت پر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور بتاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے پروردگار کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں، سو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے، پھر جب محسوس کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی!) آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم (حکم الٰہی کے سامنے) سر جھکائے ہوئے ہیں اے پروردگار! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسول کی تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کیلئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سے بہتر

(اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔"

ہر ایک پیغمبر کو اپنے دور کے مناسب حال معجزے سے نوازا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور سحر و طلسم کا دور ہے۔ اس میں بڑے بڑے ذہین جادوگر ہو گزرے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات سے نوازا جنہیں دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور انہوں نے سر تسلیم خم کر دیئے۔ سحر و طلسم کے ماہرین اور کرشمہ سازی کے فنون سے واقف لوگوں نے جب ان معجزات باہرہ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ خرق عادت امور ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی تائید سے صادر ہو سکتے ہیں اور صرف ایسے شخص کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جسے اللہ کی نصرت و تائید حاصل ہو۔ فوراً انہوں نے اس دین حنیف کو قبول کر لیا اور پس و پیش میں وقت ضائع کرنا گوارا نہ کیا۔

اسی طرح حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حکمت اور طب کے عروج کے دور میں مبعوث ہوئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے معجزات سے نوازا جو اطباء و حکماء کی دسترس سے باہر تھے۔ بھلا ایسا کوئی طبیب کہاں سے لاتا جو بالکل مادر زاد اندھے کو بینا کرتا، کون تھا جو کوڑھی کو شفا دیتا اور مرض مزمن کے مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر کر انہیں تندرست کر دیتا۔

حکماء و اطباء لولے لنگڑے مریضوں کی شفا دہی سے عاجز تھے، کوئی نہیں تھا جو مردے کو قبر میں زندہ کر کے اٹھا دیتا۔ جب یہ معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے تو اطباء و حکماء پر سکتہ طاری ہو گیا اور عقل سلیم کہنا لگی عیسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا دور فصاحت و بلاغت کا دور شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم جیسا معجزہ عطا فرمایا۔ باطل نہ جس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے قابل حمد و ستائش ذات پاک کا نازل کردہ کلام ہے۔ اس کلام مجید کا ایک ایک لفظ معجزہ ہے۔ جن و انس ایسی کتاب، ایسی دس سورتیں یا صرف ایک سورت لانے سے عاجز ہیں، انہیں چیلنج کیا گیا ہے لیکن ان پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ نہ تو یہ لوگ حال میں اس کی مثال لا سکیں گے اور نہ مستقبل میں، اگر وہ اس کی مثال لانے سے قاصر ہیں اور قاصر رہیں گے تو پھر انہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ جیسا نہیں ہو سکتا، نہ ذات و صفات میں اور نہ ہی افعال میں۔

مقصد یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دلائل اور براہین قائم کیں تو اکثر کفر و ضلالت اور عناد و طغیان کی روش پر چلتے رہے مگر چند لوگ جو نیک خو اور نیک طینت تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور مددگار بن گئے، ان لوگوں نے آپ کی اطاعت کی اور آپ کی مدد و نصرت میں کمر بستہ

ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے بدبخت لوگ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے درپے آزار ہو گئے، انہوں نے بادشاہ سے شکایت کی (کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے) ان کی یہ کوشش تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہو جائیں اور سولی پر لٹک جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا اور ان کے درمیان سے آپ اٹھا لیے گئے، انہیں بدبختوں میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا، لوگوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دیدی۔ یہودی خوش تھے کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تختہ دار پر جھول گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے نازیبا اور ناحق گفتگو ہوتی رہی۔ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے حتیٰ کہ آپ کے ماننے والوں نے بھی اس عقیدہ کی پیروی کیلئے کوئی نہیں تھا جو اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کو دور فرما دیا۔

ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کیلئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت:

واذ قال عیسی ابن مریم .... ولو کرہ الکفرون۔ ﴿سورۃ الصف﴾

ترجمہ: "اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ سنانے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا۔ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے ظالم) لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں، اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ آپ نے انہیں راہ حق سے آگاہ کیا اور انہیں خوشخبری دی کہ میرے بعد خاتم الانبیاء تشریف لائیں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ امام الانبیاء کا اسم گرامی اور محامد و محاسن کو بھی بیان فرمایا تاکہ یہ لوگ انہیں پہچانیں، ان کی اتباع کریں اور ان کی نبوت کی گواہی دیں۔ یہ بشارت اتمام حجت اور احسان عظیم کی حیثیت سے تھی۔

✿ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی .... اولئک هم المفلحون۔ ﴿سورۃ الاعراف﴾

ترجمہ: "جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کیلئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں۔"

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھ سے ثور بن یزید نے بیان کیا۔ انہوں نے خالد بن معدان سے روایت کیا۔ صحابہ کرام نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے بارے کچھ بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت (کا مصداق) ہوں، جب میں اپنی ماں کے بطن مبارک میں تھا تو میری والدہ ماجدہ نے اپنے اندر سے ایک نور نکلتے دیکھا جس نے ارض شام میں واقع بصرہ و شہر کے محلات کو روشن کر دیا۔

حضرت عرباض بن ساریہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے ایسی ہی حدیث روایت کرتے ہیں۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "دعوۃ ابی ابراہیم و بشری عیسیٰ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔" ﴿امام احمد﴾

اسلئے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تو بارگاہ خداوندی میں دعا کی:

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

جب بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہوا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے تو آپ نے تقریر فرمائی اور کہا: اب سلسلہ نبوت میں بنی اسرائیل میں منقطع ہو چکا ہے۔ میرے بعد نبی امی تشریف لائیں گے جو عربی النسل ہوں گے اور ان پر سلسلہ نبوت علی الاطلاق ختم ہو جائے گا۔ ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ والد ماجد کا نام عبداللہ ہوگا جو کہ عبدالمطلب کے اور وہ ہاشم کے بیٹے ہوں گے اور ان کا شجرہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فلما جاء هم بالبينات قالوا هذا سحر مبين۔

ترجمہ: "پس جب وہ آیا انکے پاس روشن نشانیاں لیکر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔"

جاء کی ضمیر مستتر کا مرجع یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حضور نبی کریم ﷺ (وہ آیا سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا محمد رسول اللہ ﷺ) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسلام اور اہل اسلام کی تائید و نصرت پر ابھارا اور انہیں ترغیب دی کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی مدد کریں اور اسلام کی اشاعت اور اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی میں ان کی معاونت کریں۔ فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے:

یا ایها الذین امنوا کونوا انصار الله کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی الله

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟"

یعنی دعوت و تبلیغ میں کون میرا مددگار ہوگا۔

قال الحواریون نحن انصار الله

ترجمہ: "حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔"

یہ واقعہ ناصرہ نامی بستی میں پیش آیا۔ اسی لیے آپ کے ماننے والے نصاریٰ کہلائے۔

۞ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فامنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة۔

ترجمہ: "ایمان لے آیا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو دعوت حق دی تو کچھ تو ایمان لے آئے مگر زیادہ لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ ایمان لانے والوں میں تمام انطاکیہ کے لوگ شامل تھے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اہل سیر و تواریخ کہتے ہیں کہ آپ نے اہل انطاکیہ کے لوگ مسلمان ہو گئے، جن لوگوں کا تذکرہ سورۃ یٰسین میں ہے وہ یہ نہیں ہیں جیسا کہ تفصیل اصحاب قریہ کے ضمن میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اکثر یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی قلیل تعداد کے باوجود مدد فرمائی اور یہودی خائب و خاسر رہے۔

اذ قال الله یعیسی انی متوفیك ورافعك الی و مطهرك من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة۔ ﴿سورۃ آل عمران﴾

ترجمہ: "یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور

اٹھانے والا ہوں تمہیں، (ان لوگوں کی تہمتوں سے) جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک۔"

جو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوگا وہ نسبتاً کم قربت رکھنے والا پر غالب رہے گا، جب مسلمانوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے نظریہ یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق فرستادہ ہیں۔ اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو وہ ان نصاریٰ پر غالب رہے جنہوں نے غلو کیا افراط سے کام لیا اور انہیں اس مقام سے کہیں آگے لا کھڑا کیا جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فائز کیا تھا اور جب نصاریٰ یہودیوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب تھے تو نصاریٰ یہودیوں پر غالب اور قاہر تھے۔ فترت کے دور میں عیسائی دنیا، یہودیوں کے مقابلے میں زیادہ غالب اور قاہر تھی۔

آسمانی دسترخوان کا واقعہ:

❁ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں آسمانی دسترخوان کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم .... احدا من العلمین۔ ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر دسترخوان آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے۔"

حضرت ابن عباس، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر اور دیگر کثیر اسلاف رضی اللہ عنہم سے روایت کردہ کئی آثار ہم نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں جن میں نزول مائدہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ جب تیس روزے مکمل ہوئے تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان پر آسمان سے دسترخوان اترنا چاہیے۔ کیونکہ وہ آسمانی

خوان کھا کر وہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اللہ نے ان کے روزے قبول فرمالیے ہیں۔ اور ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی تمنا کہ خوشی کے اس موقعہ پر وہ بہترین کھانا تناول کریں تاکہ ان کی شادمانی میں اضافہ ہو اور یہ بابرکت کھانا اول و آخر اور فقیر وغنی سب کے لیے کافی ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعظ فرمایا اور انہیں اس بات سے ڈرایا کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکیں گے اور اس پر عائد کی گئی شرائط کی پاسداری ان کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ مگر حواری بضد تھے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوان آسمانی کا سوال کیا جائے۔

جب ان لوگوں کا اصرار بڑھ گیا تو آپ واپس شہر میں تشریف لائے۔ پوستین پہنی جو سر سے پاؤں تک لمبی تھی۔ سر جھکا کر آہ وزاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز فرمائے۔ اور نزول مائدہ کی دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا۔ لوگ اسے دو بادلوں پر اترتا دیکھ رہے تھے۔ دسترخوان آہستہ آہستہ قریب آتا گیا۔ جب وہ بہت قریب آ گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے التجا کی مولیٰ کریم! اسے رحمت بنانا زحمت کا باعث نہ بنانا۔ اور اس میں برکت وسلامتی پیدا فرمانا۔ دسترخوان اور قریب ہوا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس پر ایک رومال پڑا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "بسم اللہ خیر الرازقین" پڑھ کر اس سے رومال اٹھایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں رکھی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ سرکہ بھی تھا۔ ایک قول کے مطابق انار اور دوسرے پھل بھی تھے دسترخوان سے کمال خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہو جا تو وہ ہو گیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کھاؤ! حواری کہنے لگے جب تک آپ تناول نہیں فرمائیں گے ہم ہرگز نہیں کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم نے تو اس سوال کی ابتداء کی تھی۔ انہوں نے پہلے کھانے سے انکار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے فقیروں محتاجوں، مریضوں اور لاعلاج کوڑھیوں کو جن کی تعداد ایک ہزار تین سو کے قریب تھی فرمایا: تم شروع کرو۔ انہوں نے دسترخوان سے خوان نعمت تناول کیا تو سب تکلیفیں اور لاعلاج بیماریاں دور ہو گئیں جو سال ہا سال سے انہیں پریشان کر رہی تھیں۔ جب لوگوں نے ان برکتوں کو ملاحظہ فرمایا تو بہت نادم ہوئے اور کہنے لگے کاش ہم پہل کرتے تو نہ جانے کتنی برکتوں سے مالا مال ہو جاتے۔ پھر کہا گیا کہ یہ کھانا ہر روز ایک مرتبہ اترا کرتا تھا۔ اور لوگ اس میں سے کھایا کرتے تھے۔ آخری آدمی بھی اسی طرح (سیر ہو کر) کھاتا جس طرح پہلا کھاتا تھا۔

یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق تقریباً سات ہزار آدمی اس دسترخوان سے سیر ہو کر کھاتے تھے۔

پھر ایک دن کے وقفے سے نازل ہوتا رہا جس طرح کہ حضرت صالح ؑ کی اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن گھاٹ پر پانی پینے آتی تھی۔ پھر حضرت عیسیٰ ؑ نے حکم دیا کہ یہ کھانا صرف فقیر اور حاجت مندوں کے لیے ہے غنی اسے نہیں کھا سکتے۔ یہ سن کر منافق چہ میگوئیاں کرنے لگے اس طرح دسترخوان کو بالکل اٹھا لیا گیا اور جو لوگ قیل وقال کرتے تھے انہیں مسخ کر کے خنزیر بنا دیا گیا۔

ابن ابی حاتم اور علامہ ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آسمانی دسترخوان میں روٹی، روٹی والا گوشت اور گوشت نازل ہوا۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے حکم فرمایا کہ اس میں نہ تو خیانت کریں اور نہ ہی ذخیرہ کر کے کل کے لیے بچا کر رکھیں۔ مگر ان لوگوں نے خیانت کی۔ کھانا اکٹھا کیا اور کل کے لیے بچا کر رکھ لیا۔ جس سے وہ مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بن گئے۔

علماء نزول مائدہ کے بارے اختلاف رکھتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک مائدہ نازل ہوا جیسا کہ سیاق کلام اور ان آثار سے ثابت ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کے ان الفاظ سے: "انی منزلها علیکم" جیسا کہ علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ ابن جریر مجاہد اور حضرت حسن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایک صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کے بقول مجاہد اور حسن رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: "فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبه عذابا لا اعذبه احدا من العلمین" اسی لیے کہا گیا ہے کہ نصاریٰ مائدہ کا واقعہ جانتے تھے اگرچہ وہ ان کی کتب میں مذکور نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی نقل پر دواعی کی کثرت ہے۔ واللہ اعلم

ہم نے اپنی تفسیر (تفسیر ابن کثیر) میں اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ "وللہ الحمد و المنة"

ایمان و یقین:

ابوبکر بن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہمیں حجاج بن محمد نے، ہم سے ابو ہلال محمد بن سلیمان نے بیان کیا۔ انہوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حواریوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ نبی حضرت عیسیٰ ؑ کہاں ہیں۔ کسی نے بتایا کہ آپ ؑ سمندر کی طرف جا رہے تھے۔ وہ تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ سمندر کے پانی پر چل رہے ہیں۔ موجیں کبھی آپ کو اوپر لے آتی ہیں اور کبھی نیچے لے جاتی ہیں۔ آپ نے ایک چادر

اوڑھ رکھی ہے جو آدھی جسم سے لپٹی ہوئی ہے اور آدھی جسم سے الگ ہے۔ وہ یہ منظر دیکھتے رہے حتیٰ کہ آپ ان کے پاس تشریف لائے ان میں سے ایک نے عرض کیا: ابو ہلال کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں عرض کرنے والا کوئی فاضل شخص تھا: اے اللہ کے نبی کیا میں آپ کے پاس نہ آ جاؤں آپ ؑ نے اثبات میں جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حواری نے اپنا ایک پاؤں پانی پر رکھا دوسرا رکھنا ہی چاہتا تھا کہ چیخ اٹھا۔ ہائے افسوس۔۔۔۔۔ اے اللہ کے نبی میں تو ڈوبا جا رہا ہوں۔ آپ ؑ نے فرمایا: اے کمزور ایمان شخص! اپنا ہاتھ مجھے پکڑا دو۔ اگر تو ابن آدم پر جو کے دانے کے برابر بھی یقین رکھتا تو پانی پر چلتا رہتا۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن علی بن الحسن بن سفیان نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ سے عرض کیا گیا! اے عیسیٰ آپ کس طاقت کی بناء پر پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا: ایمان اور یقین کی بدولت۔ لوگوں نے عرض کی: حضور ہم بھی آپ کی طرح یقین رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ دعویٰ ہے تو پانی پر تم بھی چل سکتے ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ حواری بھی آپ کے ساتھ پانی پر چلنے کو آگے بڑھے تو ڈوبنے لگے۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا: کیا ہوا؟ کہنے لگے ہم موجوں سے ڈر گئے آپ نے فرمایا: کیا تمہارے دل میں ان موجوں کے رب کا خوف نہیں؟ راوی فرماتے ہیں کہ آپ ؑ نے انہیں باہر نکال دیا۔ پھر زمین پر ہاتھ مار کر کچھ اٹھا لیا۔ پھر بند مٹھی کو کھولا۔ ایک میں سونا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ٹھیکریاں یا کنکریاں۔ فرمایا: ان میں دو میں سے تمہیں کونسی چیز پسند ہے۔ حواری کہنے لگے سونا۔ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔

حضرت عیسیٰ ؑ کے قصہ میں بعض اسلاف کے حوالے سے ہم یہ بات بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ اون کا لباس پہنتے درختوں کے پتے کھاتے اور جہاں رات ہو جاتی وہیں سو جاتے۔ نہ کوئی گھر تھا اور نہ گھر والے۔ نہ کچھ مال و متاع تھا اور نہ کل کے لیے ذخیرہ کی گئی کوئی چیز۔ ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت مریم سوت کاتتیں جس سے حضرت عیسیٰ ؑ کی خوراک و لباس کا اہتمام ہوتا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

ابن عساکر شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ کے سامنے قیامت کا تذکرہ ہوتا تو آپ زار و قطار روتے اور فرماتے کہ ابن مریم کے یہ شایان شان نہیں کہ قیامت کا تذکرہ ہو اور وہ چپ رہے۔

عبدالملک بن سعید بن ابجر سے روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ کوئی نصیحت کی بات

سنتے تو اس طرح روتے جس طرح مرنے والے پر عورتیں روتی ہیں۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں: ہم کو معمر نے بتایا۔ ہم سے جعفر بن برقان نے بیان کیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کرتے تھے۔ اے اللہ میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں جس چیز کو ناپسند کرتا ہوں اس کو اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتا اور جس چیز کی تمنا کرتا ہوں اس کے نفع کا مالک نہیں بن سکتا۔ معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں میں تو اپنے عمل کا رہین ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر کوئی محتاج نہیں۔ اے اللہ! مجھ پر میرے دشمنوں کو خوش نہ کرنا اور میرے دوستوں کو میرے بارے میں غمگین نہ بنانا۔ میری مصیبت کو میرے دین کی مصیبت نہ بنا اور مجھ پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرما جس کے دل میں رحم نہ ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، یونس بن عبید سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: کوئی شخص اس وقت تک حقیقت ایمان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دنیاوی خوراک سے بے نیاز نہیں ہو جاتا۔

فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: میں نے مخلوق میں غور کیا تو میں نے مخلوق کی ان چیزوں کو زیادہ پسندیدہ پایا جو تخلیق نہیں ہوئیں۔

اسحاق بن بشر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہشام بن حسان سے، انہوں نے حسن سے روایت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روز قیامت زاہدوں کے سردار ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ گناہوں سے فرار پانے والے قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پتھر کا تکیہ رکھے سوئے ہوئے تھے کہ شیطان آ پہنچا اور کہنے لگا تو تو سمجھتا ہے تجھے دنیا سے کچھ سروکار نہیں۔ یہ پتھر بھی تو متاعِ دنیا ہے پھر یہ سر کے نیچے کیوں رکھا ہے؟ راوی فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے پتھر شیطان کو کھینچ مارا اور فرمایا: دنیا کے ساتھ یہ بھی تجھے مبارک ہو۔

معتمر بن سلیمان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ پر اونی جبہ اور ایک چادر تھی۔ تہبند بہت چھوٹا تھا جس سے صرف شرمگاہ (گھٹنوں اور ناف کے درمیان کا حصہ) چھپی تھی۔ آپ پاؤں سے ننگے، بکھرے بالوں کے ساتھ روتے ہوئے تشریف لائے۔ بھوک کی وجہ سے رنگ زرد ہو چکا تھا اور پیاس کے مارے ہونٹ خشک تھے۔ آپ نے فرمایا: السلام علیکم! اے اسرائیل کی اولاد! میں وہ شخص ہوں جس نے اللہ کے حکم سے دنیا کو اس کے اصل

مقام پر رکھا ہے۔ اس پر نہ مجھے کوئی فخر ہے اور نہ ہی غرور۔ جانتے ہو میرا گھر کہاں ہے حواری عرض کرنے لگے۔ اے روح اللہ! بتایئے آپ کا گھر کہاں ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا گھر عبادت خانے ہیں۔ میری مشک پانی ہے۔ میرا سالن بھوک ہے۔ میرا چراغ رات کے وقت چمکتا چاند ہے۔ سردیوں میں میری نماز سورج کی روشنی کی جگہ پر ہوتی ہے۔ میری خوشبو زمین کی سبزیاں ہیں۔ میرا لباس صوف کا ہے۔ میرا شعار اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، اور میرے ہم نشین فقرا و مساکین ہیں۔ نہ میری ملکیت میں صبح کو کوئی چیز ہوتی ہے اور نہ شام کو۔ میں پھر بھی خوش ہوں۔ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ بھلا مجھ سے زیادہ غنی اور نفع حاصل کرنے والا کوئی ہے کیا؟ ﴿ابن عساکر﴾

محمد بن الولید بن ریان بن حبان ابی الحسن عقیلی المصری کے حالات میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ہانی بن المتوکل الاسکندرانی نے بیان کیا۔ انہوں نے حیوۃ بن شریح سے روایت کیا۔ مجھ سے الولید بن ابی الولید نے بیان کیا۔ انہوں نے شفی بن ماتع سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے عیسیٰ! ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہیے تاکہ لوگ تجھے پہچان کر تکلیف نہ دیں۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں ہزار حوروں سے تیرا نکاح کروں گا اور چار سو سال تک تیرے لیے ولیمہ کروں گا۔

(اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شفی بن ماتع عن کعب الاحبار یا کسی اور کی روایت سے موقوف ہو اور اسرائیلی روایت ہو۔) واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت آموز باتیں

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان بن عیینہ سے اور خلف بن حوشب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔ جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لیے دانائی کو ترک کر دیا ہے اسی طرح تم بھی دنیا ان کے لیے ترک کر دو۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے پوچھو میں نرم دل ہوں اور اپنی ذات میں بہت چھوٹا ہوں۔

اسماعیل بن عیاش، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: جَو کی روٹی کھاؤ صاف پانی پیو اور دنیا سے محفوظ اور امن کی حالت میں نکلو۔ خدا کی قسم میں تم سے حق بات کہتا ہوں دنیا کی شیرینی آخرت کی تلخی ہے۔ اور دنیا کی تلخی آخرت کی حلاوت ہے۔ اللہ کے بندے ناز و نعم کی زندگی نہیں گزارتے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں بدترین عالم وہ ہے جو علم پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔ تمام لوگ اسی کی مانند ہیں۔ (تو عالم اور جاہل میں فرق کیا ہوا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ ابو مصعب، مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے۔ اے بنی اسرائیل! تم پر لازم ہے کہ سادہ پانی پیو، تازہ سبزیاں کھاؤ اور جو کی روٹی سے پیٹ بھرو گندم کی روٹی سے بچو کیونکہ تم اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکو گے۔

ابن وہب یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے۔ دنیا سے گزر جاؤ۔ اس کی تعمیر میں نہ لگ جاؤ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے اور بد نگاہی دل میں شہوت کا بیج بو دیتی ہے۔ وہیب بن الورد اسی طرح بیان کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: بار ہا شہوت انسان کو طویل حزن و ملال کا وارث بنا دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے آدم کے کمزور بیٹے! جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور دنیا میں مسافر بن کر زندگی گزار۔ مساجد کو اپنا گھر بنا۔ آنکھ کو رونا سکھا۔ جسم کو صبر کی تعلیم دے۔ دل کو غور و

فکر سے آشنا کر اور کل کی روزی کا اہتمام مت کر کیونکہ یہ گناہ کا کام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اور ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جس طرح کوئی شخص دریا کی موج پر گھر نہیں بنا سکتا اسی طرح وہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔

اسی سلسلے میں سابق البربری کہتے ہیں۔

لكم بيوت بمستن السيوف وهل　　يبنى على الماء بيت اسه مددا

ترجمہ: ”تمہارے گھر وہاں ہیں جہاں تلواریں حرکت میں رہتی ہیں۔ بھلا کیا پانی کی موجوں پر بھی کوئی گھر تعمیر ہو سکتا ہے۔“

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مومن کے دل میں دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت یکجا نہیں ہو سکتیں جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

ابراہیم حربی، داؤد بن رشید سے اور وہ عبداللہ صوفی سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی ہے وہ جس قدر زیادہ پانی پیتا جاتا ہے اسی قدر پیاس بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ پیاس اسے موت کی نیند سلا دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان دنیا کے ساتھ ہے اور اس کا مکر و فریب مال و دولت کے ساتھ ہے اس کی تزئین اور آرائش خواہش کے ساتھ ہے۔ اور اس کا غلبہ شہوات کے وقت ہوتا ہے۔

عمش خیثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے لیے کھانا رکھ دیتے اور خود ان کے پاس (خدمت کے لیے) کھڑے ہو جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم بھی اسی طرح دعوت کیا کرو۔

ایک عورت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح کہا۔ وہ گود کیا ہی سعادت مند ہے جس نے آپ کو اٹھایا اور کتنی ہی بابرکت ہے وہ چھاتی جس سے آپ نے دودھ پیا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بہتری تو اس شخص کے لیے ہے جس نے اللہ کی کتاب کی تلاوت کی اور اس کی اتباع کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سعادت ہے اس شخص کے لیے جو اپنی خطاؤں کو یاد کر کے رویا، اپنی زبان کی حفاظت کی اور اس کا گھر اس کے لیے وسیع رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا ہی بہتر ہے وہ آنکھ جو سوئی تو اس کا نفس معصیت سے ملوث نہیں تھا۔ اور جب بیدار ہوئی تو بھی گناہ سے آلودہ نہیں تھا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کی معیت میں

ایک مردار سے گزرے۔ حواری کہنے لگے کہ اس کی بدبو کس قدر بری ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے دانت کس قدر سفید ہیں۔ آپ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ یہ لوگ غیبت سے بچیں۔

ابو بکر بن ابی الدنیا، حسین بن عبدالرحمن اور زکریا، بن عدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریوں کے گروہ! دین کی سلامتی کے ساتھ دنیا کی کمینگی پر راضی رہو جس طرح اہل دنیا دنیا کی "سلامتی" کے ساتھ دین کے ضائع ہونے پر راضی ہو جاتے ہیں۔

زکریا فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ایک شاعر کہتا ہے:

اری رجالا بادنی الدین قد قنعوا ولا اراھم رضوا فی العیش بالدون

فاستغن بالدین عن دنیا الملوک کما استغنی الملوک بدنیا ھم عن الدین

ترجمہ: "میں دیکھتا ہوں کہ لوگ تھوڑے سے دین پر قناعت کر لیتے ہیں مگر زندگی کی آسائشوں میں کمی پر رضا مند نہیں ہوتے۔ جس طرح بادشاہ دنیا لے کر دین سے غافل ہو گئے ہیں اسی طرح تو بادشاہوں کی دنیا سے دین حاصل کر کے مستغنی بن جا۔"

ابو مصعب، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ذکر خداوندی کے بغیر زیادہ گفتگو مت کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ اور سخت دل اللہ سے دور ہوتے ہیں۔ لیکن تم اس حقیقت سے ناواقف ہو۔ بندوں کے گناہوں کو مت دیکھو جس طرح کہ تم رب ہو۔ تم انہیں بندے کی حیثیت سے دیکھو۔ کچھ لوگوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کچھ اپنی کارستانیوں کا خمیازہ بھگتتے ہیں۔ مصیبت زدوں پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ کی عافیت پر حمد و ستائش کرو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو ابراہیم التیمی کے حوالے سے فرماتے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو جنت کی تمنا رکھتا ہے اسے جو کی روٹی کھانا پڑے گی اور کتوں کے ساتھ اکثر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر سونا پڑے گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو کی روٹی کھانا اور کتوں کے ساتھ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر سو جانا جنت کی طلب میں بہت تھوڑا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سفیان، منصور سے اور سالم بن ابی الجعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ کرو۔ اپنے بطنوں کے لیے نہیں۔ دیکھو یہ پرندے صبح و شام آتے جاتے ہیں نہ کچھ اگاتے ہیں اور نہ ہی کاٹتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں پھر

بھی روزی عطا کرتا ہے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹ پرندوں سے بڑے ہیں تو ان جنگلی گائے اور گدھوں کو دیکھو جو صبح و شام آتے جاتے ہیں۔ نہ تو یہ فصل اگاتے ہیں اور نہ ہی کاٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو رزق عطا کرتا ہے۔

صفوان بن عمرو شریح بن عبداللہ سے، وہ یزید بن میسرہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! دیکھیے یہ مسجد کتنی خوبصورت ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں ہاں بہت خوبصورت ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کو قائم نہیں رکھے گا بلکہ مسجد میں آنے جانے والے لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے اسے پیوند خاک کر دے گا اللہ تعالیٰ سونے، چاندی اور ان پتھروں کو پسند نہیں کرتا جو تمہیں حیران کر رہے ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ تر تو نیک دل ہیں اور انہیں نیک دلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ مسجدوں کو آباد رکھتا ہے اور جب دلوں میں فتور آ جائے تو زمین کو ویرانوں اور خرابات میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ویران شہر سے گفتگو:

حافظ ابو القاسم بن عساکر اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک ویران شہر سے ہوا بنیادوں کو دیکھ کر آپ بہت متعجب ہوئے پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے میرے رب! اس شہر کو حکم دے کہ وہ میرے سوالوں کا جواب دے۔ اللہ تعالیٰ نے شہر کو قوت گویائی عطا فرما دی۔ اور حکم دیا کہ اے ویران شہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جواب دے۔ راوی کہتے ہیں کہ شہر نے گفتگو کرنا شروع کی: اے میرے پیارے عیسیٰ تو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے شہر! تیرے درختوں، نہروں اور محلات کو کیا ہوا۔ اور بتا تیرے باسی کہاں گئے؟ شہر نے جواب دیا۔ اے میرے حبیب! تیرے رب کا سچا وعدہ آ پہنچا۔ میرے درخت خشک ہو گئے، میری نہروں کا پانی زمین میں جذب ہو گیا، میرے محلات زمین بوس ہو گئے اور میرے باسی لقمہ اجل بن گئے۔ آپ نے پوچھا ان کی مال و دولت کہاں گئی؟ شہر نے جواب دیا: انہوں نے جو حلال و حرام کو جمع کیا وہ سب میرے پیٹ میں مدفون ہے۔ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باآواز بلند کہا: مجھے تین آدمیوں پر حیرانی ہے ایک وہ جو دنیا کی تلاش میں ہے حالانکہ موت اس کو تلاش کر رہی ہے۔ دوسرے وہ جو محلات تعمیر کر رہا ہے حالانکہ اس کی منزل قبر ہے۔ تیسرے وہ جو قہقہہ لگا کر ہنستا ہے حالانکہ آگ کا اسے سامنا ہے۔ اے

ابن آدم! نہ تو تو زیادہ سے سیر ہوتا ہے اور نہ تھوڑے پر قناعت کرتا ہے۔ تو اس شخص کے لیے مال جمع کرتا ہے جو تیری تعریف نہیں کرتا اور اپنے رب کے پاس جا رہا ہے جو تیرا کوئی عذر نہیں سنے گا۔ تو اپنے پیٹ اور شہوت کا غلام ہے۔ تیرا پیٹ صرف اسی وقت بھرے گا جب تو قبر میں چلا جائے گا اور تو اے آدم کے بیٹے! اپنا سارا مال دوسرے کے میزان میں دیکھے گا۔ (یہ حدیث بالکل غریب ہے۔ بہرحال اس میں بہترین نصائح موجود ہیں اسی لیے ہم نے اسے یہاں تحریر کر دیا ہے۔)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے، وہ ابراہیم تیمی سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے حواریو! آسمان میں اپنے خزانے بناؤ۔ انسان کا دل وہیں ہوتا ہے جہاں اس کا خزانہ ہوتا ہے۔

علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا:

ثور بن زید، عبدالعزیز بن ظبیان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علم حاصل کیا۔ اس کی تعلیم کو عام کیا اور خود بھی اس پر عمل کیا تو اسے آسمان کی بادشاہیوں میں عظیم کے نام سے بلایا جائے گا۔

ابو کریب سے کہ روایت ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جو تمہارے ساتھ وادی کو عبور نہ کرے اور تجھے لوگوں کے لیے نشان عبرت بنا دے۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے غریب اسناد کے ساتھ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے میرے حواریوں! ایسے آدمیوں کو حاکم مت بناؤ جو حکومت کے لائق نہ ہوں۔ اگر ایسا کیا تو وہ زیادتی کرے گا۔ اور حقدار کو اس سے محروم نہ کرو کیونکہ ایسا کرکے تم لوگوں پر ظلم کرو گے۔ تمام امور کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک امر وہ ہے جس کا صحیح ہونا بالکل واضح ہے پس ایسے امر کی اتباع کرو۔ ایک امر وہ ہے جس کا غلط ہونا واضح ہے اس سے اجتناب کرو۔ ایک امر وہ ہے جس کے بارے اختلاف ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہمیں معمر نے بتایا، انہوں نے ایک آدمی سے، انہوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے: موتی خنزیر کے سامنے مت پھینکو۔ وہ موتیوں کو کسی فائدے میں نہیں لائے گا۔ اور حکمت کی بات کسی ایسے شخص کو مت دو جو اس کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ حکمت و دانائی کی بات موتیوں سے زیادہ بہتر ہے اور جو اس کا آرزومند نہیں

ہے خنزیر سے بھی زیادہ برا ہے۔

وہب سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا: تم زمین کا نمک ہو۔ جب تم خراب ہو گئے تو تمہاری کوئی دوا نہیں ہو گی۔ تم میں جہالت کی دو خصلتیں ہیں۔ بغیر تعجب کے ہنسنا اور بغیر شب بیداری کے دن کو آرام کرنا۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ فتنہ باز کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: بھٹکا ہوا عالم۔ کیونکہ عالم جب بھٹک جاتا ہے تو اس کی لغزش سے پورا عالم گمراہ ہو جاتا ہے۔

انہیں سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے علمائے سوء! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہو مگر اس میں داخل نہیں ہوتے اور نہ مسکینوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ بدترین انسان اللہ کے نزدیک وہ عالم ہے جو اپنے علم کے ذریعے دنیا طلب کرتا ہے۔

مکحول سے روایت ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے مصافحہ کیا اس وقت آپ علیہ السلام ہنس رہے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ میری خالہ کے بیٹے! میں آپ کو ہنستا دیکھ رہا ہوں یوں لگتا ہے کہ آپ بے خوف و خطر ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا وجہ ہے میں آپ کو بجھا بجھا سا دیکھ رہا ہوں لگتا ہے آپ مایوس ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی طرف وحی فرمائی: مجھے تم میں سے وہ زیادہ پسند ہے جو تم دونوں میں سے اپنے ساتھی کو زیادہ خوش کرنے والا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری ایک قبر پر کھڑے ہوئے تھے اور ایک حواری کو قبر کے اندر اتارا جا رہا تھا۔ حواری قبر اور اس کی تنگی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم اس سے بھی تنگ جگہ میں تھے جبکہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے وسیع فرمانا چاہا تو اسے وسیع کر دیا۔

ابو عمر ضریر فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے موت کا ذکر کیا جاتا تو آپ کے جسم سے خون جاری ہو جاتا۔ اس قسم کے اور بہت سارے آثار ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے ایسے بہت سارے اقوال زریں بیان فرمائے ہیں مگر ہم نے ان میں سے صرف چند ایک پر اکتفا کیا ہے۔ (واللہ الموفق للصوب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحفاظت آسمان کی طرف اٹھایا جانا

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کا رد کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر چڑھایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے:

ومکروا ومکر اللہ .... فیما کنتم فیہ تختلفون۔ ﴿سورۂ آل عمران﴾

ترجمہ: "اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر صادر موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ یاد کرو جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں سے) جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک۔ پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔"

فبما نقضھم میثاقھم و کفرھم .... یکون علیھم شھیدا۔ ﴿سورۃ النساء﴾

ترجمہ: "(ان پر پھٹکار کی) بوجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدے کو اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک وشبہ میں ہیں ان کے متعلق۔ نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً بلکہ اٹھا لیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہو گا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور

قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ۔"

ان آیات طیبات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نیند کے ذریعے ایک عارضی موت طاری کی اور پھر اسے یقینی طور پر اٹھا لیا اور وہ حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ نے یوں اپنے نبی کو یہودیوں کی آزار رسانیوں سے بچا لیا جنہوں نے رومی بادشاہ کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا تھا اور چغلی لگائی تھی۔ یہ بادشاہ کافر تھا۔

حضرت حسن بصری اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں اس بادشاہ کا نام داؤد بن نورا تھا۔ بادشاہ نے حکم صادر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا جائے اور سولی پر لٹکا چھوڑ دیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محاصرہ کر لیا جو بیت المقدس میں ایک گھر میں تشریف فرما تھے۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب تھی۔ جب یہودیوں کے اندر داخل ہونے کی گھڑی آگئی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں پر موجود لوگوں میں سے کسی ایک کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روزن سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف تشریف لے جانے کو اس گھر کے باسی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سپاہی گھر میں داخل ہوئے اور اس نوجوان کو پکڑ لیا جس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی گئی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پس انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بدلے اسی کو تختہ دار پر لٹکا کر قتل کر دیا۔ اور اسے مزید ذلیل کرنے کے لیے کانٹوں کا ایک تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ یہودیوں کی باتوں میں آ کر ان نصرانیوں نے بھی اسے بات کو تسلیم کر لیا جنہوں نے رفع آسمانی کا معجزہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گئے اور اکثر ان میں سے راہ راست کو چھوڑ بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وان من اھل الکتاب لیؤمنن بہ قبل موتہ" کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس وقت تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

آپ آخری زمانہ میں قیامت کے برپا ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ خنزیر کو ماریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے۔ ان کے دور میں جزیہ کا حکم ساقط ہو جائے گا اور کافروں سے صرف اسلام پر صلح ہو گی۔ جس طرح کہ ہم نے اس سورۂ پاک کی اس آیت کے ضمن میں اپنی تفسیر میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اسی طرح کتاب الفتن الملاحم کے اندر بھی ہم نے اس بارے تفصیلی گفتگو کی ہے کہ کیسے آپ کا نزول ہو گا اور کیسے دجال لعین کو قتل کریں گے۔ اس کتاب میں حضرت مہدی موعود کا تذکرہ بھی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر جھوٹے

دجال سے جہاد کریں گے جو گمراہی کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہوگا۔ ذیل میں آثار کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔

رفع آسمانی کے مشاہدہ کے بعد تین فرقے:

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے پاس باہر تشریف لے گئے۔ جس گھر میں آپ تشریف لے گئے اس میں بارہ آدمی تھے جن میں کچھ حواری تھے۔ یعنی آپ ایک چشمے سے نہا کر باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کے پاس گھر میں داخل ہوئے۔ آپ علیہ السلام کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم بارہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرو گے۔ پھر آپ علیہ السلام ان سے مخاطب ہوئے اور پوچھا۔ تم میں سے کسی شخص کو میرے ہم شکل بنا دیا جائے تا کہ وہ میری جگہ صلیب پائے اور قتل ہو۔ ایسا شخص جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ ایک نوجوان اٹھا اور عرض کی: میں یہ مصیبت اٹھانا چاہتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ علیہ السلام نے بات دہرائی پھر وہی نوجوان اٹھا اور کہا میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے تم ہی شخص ہو۔ اس شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے روزن سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہودی آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہاں آ پہنچے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ بارہ میں سے کچھ لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کیا اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تین فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ کہنے لگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے۔ خدا ہمارے درمیان اس وقت تک رہا جب تک چاہا اور جب چاہا واپس چلا گیا یہ فرقہ یعقوبی تھا۔ ایک گروہ نے کہا نہیں وہ خدا کے بیٹے تھے۔ جب تک چاہا دنیا میں رہا اور جب خدا نے چاہا اپنے بیٹے کو واپس بلا لیا یہ فرقہ نسطوری تھا۔ تیسرے گروہ نے کہا کہ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہے اور نہ خدا کا بیٹا بلکہ وہ اللہ کا بندہ اور رسول ہے بڑی شان رسول ایک عرصہ تک ہم میں قیام پذیر رہا اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اسے آسمان پر زندہ اٹھا لیا۔ یہ آخری گروہ مسلمانوں کا تھا۔ کافر فرقے مسلمانوں پر غالب آ گئے اور انہیں قتل کر دیا۔ اسلام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا یہاں تک کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی تائید کرتا ہے۔

فایدنا الذین آمنوا علی عدوهم فاصبحوا ظاهرین۔ ﴿سورۃ الصف﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے۔"

اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صحیح ہے اور یہ مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ اسے نسائی نے ابو کریب سے روایت کیا ہے۔ کئی اسلاف نے بھی اس واقعہ کو اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حواریوں کے نام:

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کی موت کو مؤخر کیا جائے یعنی اس وقت تک کہ سلسلہ رسالت حد کمال تک پہنچے اور دعوت کی تکمیل ہو جائے اور کافی لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس بارہ حواری تھے جن کے نام یہ ہیں۔ پطرس، یعقوب بن زبدی، یعقوب کا بھائی یوحنا، اندریاس، فلپس، ابر تلمائی، متی، توماس، یعقوب بن حلفائی، تدواس، شمعون قانوی اور یہودہ اسخر یوطی۔ واللہ اعلم

اور یہودہ ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوایا اور یہودیوں کو یہاں تک لے آیا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان بارہ میں سے ایک شخص ایسا بھی تھا جس کا نام سرجس تھا اور اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ نصاریٰ نے کوشش کی کہ یہودیوں کی نظروں سے یہ بچا رہے لیکن وہ نہ بچ سکا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ اسے کاٹھ پر لٹکا دیا گیا۔ بعض عیسائیوں کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ جس کو پھانسی دی گئی اس کا نام یہودہ اسخر یوطی ہے۔ اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

ضحاک، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو مقرر فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے ہاتھوں قتل یہودہ ہو گیا کیونکہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بن گیا تھا۔

خبیث جالوت یہودی کا انجام:

احمد بن مروان فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الجہم نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے فراء کو "ومکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین" کی تفسیر میں یہ فرماتے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرصہ تک اپنی خالہ کو ملنے نہ گئے۔ ایک دن جب وہ ان کو ملنے کے لیے ان کے گھر گئے تو راس الجالوت یہودی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر میں بند کر دیا۔ لوگ کافی مقدار میں وہاں اکٹھے ہو گئے حتیٰ کہ اس جم غفیر نے دروازہ توڑ دیا۔ راس جالوت یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے اندر داخل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اندھا کر

دیا۔ وہ باہر نکلا اور کہنے لگا میں نے اندر دیکھ لیا۔ یہاں عیسیٰ نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ لوگ کہنے لگے تو ہی عیسیٰ ہے کیونکہ اللہ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور پھانسی پر لٹکا دیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم۔"

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں تشریف لائے۔ یہودیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جب یہ محاصرین اس گھر میں داخل ہوئے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواری موجود تھے تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا ہے۔ محاصرین کہنے لگے تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ یا تم بتا دو کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے یا پھر ہم تمام کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: کون ہے جو آج جنت کے بدلے اپنے آپ کو فروخت کرتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں فروخت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ شخص محاصرین کے پاس باہر چلا گیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ بلوائیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا کر یہ سمجھنے لگے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کاٹھ پر لٹکا دیا ہے۔ نصاریٰ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا۔

حواریوں کو ایثار کا حکم:

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ آپ دنیا سے جانے والے ہیں تو وہ موت کے خوف سے بہت روئے اور یہ بات ان پر بہت شاق گزری۔ آپ علیہ السلام نے حواریوں کو بلایا اور ان کے لیے کھانے کا اہتمام فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات میرے پاس آنا مجھے تم سے ایک کام ہے۔ جب رات کے وقت یہ لوگ آ گئے تو آپ علیہ السلام نے انہیں رات کا کھانا پیش کیا اور خود ان کی خدمت کی۔ جب یہ لوگ کھانا کھا چکے تو آپ علیہ السلام ان کے ہاتھ دھلانے لگے اور اپنے ہاتھ سے انہیں وضو کرانے لگے۔ پھر خود ان کے ہاتھوں کو اپنے کپڑے سے پونچھا۔ یہ دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خدمت لینے کو ناپسند کیا۔ آج رات جو کچھ میں کر رہا ہوں اگر کسی نے اس میں سے کچھ بھی مجھ پر لوٹایا تو نہ وہ مجھ سے ہے اور نہ میں میرا اس سے کچھ تعلق ہے۔ انہوں نے سر اطاعت جھکا لیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی خدمت سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: آج رات میں نے جو کچھ کیا تمہارے

سامنے کھانا رکھا اور تمہارے ہاتھ دھلوائے تو یہ اس لیے کہ تمہارے لیے یہ نمونہ بن جائے۔ تم دیکھ رہے ہو میں تم سب سے بہتر ہوں۔ اس لیے ایک دوسرے سے بڑا ہونے کی کوشش نہ کرنا اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کا مظاہرہ کرنا جس طرح میں نے تمہارے لیے ایثار کا اظہار کیا ہے۔ تمہاری مدد کرنے سے مطلوب یہ ہے کہ تم میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور خوب فریاد کرو کہ اللہ تعالیٰ میری موت کو مؤخر کر دے۔

جب یہ لوگ دعا میں مشغول ہوئے اور ارادہ کیا کہ دعا میں خوب محنت کریں تو انہیں نیند نے آ لیا اور وہ دعا نہ کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں بیدار کرنے لگے اور فرمانے لگے۔

سبحان اللہ! کیا تم صرف ایک رات صبر کر کے میری مدد نہیں کر سکتے؟ حواری کہنے لگے۔ بخدا ہم نہیں جانتے کہ یہ ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ بخدا ہم رات کو دیر تک جاگتے رہتے تھے لیکن آج رات تو ہم سے نہیں جاگا جا رہا۔ ہم جب بھی دعا کرتے ہیں تو ہمارے اور ہماری دعا کے درمیان نیند حائل ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چرواہے کو لے جایا جائے گا اور بھیڑیں منتشر ہو جائیں گی۔ اور آپ اسی طرح کی اور باتیں کرتے رہے اور اپنے چلے جانے کی خبر دیتے رہے۔ پھر فرمایا: یہ بات سچ ہے کہ تم میں سے ایک شخص مرغ کی آذان سے قبل تین بار میرا انکار کرے گا اور تم میں سے ایک شخص تھوڑی سی رقم کے عوض مجھے بیچ دے گا کہ میری قیمت لے کر کھا لے گا۔

حواری وہاں سے باہر نکلے اور بکھر گئے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر رہے تھے۔ انہوں نے حواریوں میں سے ایک شمعون نامی شخص کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہے۔ شمعون مکر گیا اور کہا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھی نہیں ہوں تو یہودیوں نے شمعون کو جانے دیا۔ پھر اسے چند اور یہودیوں نے پکڑ لیا لیکن یہاں بھی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھی ہونے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران مرغ نے آذان دی اور شمعون زار و قطار رویا اور بہت غمگین ہوا۔

جب صبح ہوئی تو حواریوں میں سے ایک شخص یہودیوں کے پاس آیا اور کہا اگر میں تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک لے جاؤں تو تم مجھے کیا دو گے انہوں نے کہا تیس درہم۔ اس نے رقم لے لی اور انہیں بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ مگر اس سے پہلے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گرفتار ہوتے وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بن گیا۔ یہودیوں نے اسے پکڑ لیا اور یقین کر لیا کہ یہی عیسیٰ ہے۔ پھر اس کے ہاتھ تاؤں باندھے اور لے کر چلے گئے۔ وہ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ تو جو مردوں کو زندہ کر دیتا تھا۔ شیطانوں کو نکال دیتا تھا۔ پاگلوں کو شفا دیتا تھا۔ اب اپنے آپ کو اس رسی

سے کیوں نہیں چھڑا سکتا؟ وہ اس کے منہ پر تھوکتے تھے اور اس پر کانٹے پھینکتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے لے کر کانٹھ تک لے آئے جہاں اسے مصلوب کرنا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو زندہ اٹھا لیا اور ان کا ہم شکل شخص سولی چڑھ گیا اور اس کی لاش سات دن تک لٹکتی رہی۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور وہ عورت جس کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوائی تجویز کی تھی اور وہ پاگل پن سے صحت یاب ہوئی تھی دونوں روتی ہوئی آئیں اور جہاں مصلوب کی لاش لٹک رہی تھی وہاں پہنچ گئیں۔ اسی دوران ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تم کیوں روتی ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری وجہ سے رو رہی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور مجھے سوائے بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اسی چیز سے وہ لوگ شبہ میں پڑ گئے پس تم ان حواریوں سے کہو کہ مجھے فلاں جگہ لے جائیں۔ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مطلوبہ جگہ پر لے گئے۔ ان کی تعداد گیارہ رہ گئی تھی۔ اور جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سودا کیا تھا اور یہودیوں کی رہنمائی کی تھی وہ موجود نہیں تھا۔ آپ نے حواریوں سے پوچھا کہ بارھواں حواری کہاں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہوا اور گردن میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ توبہ کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔ پھر آپ نے اس بچے کے بارے میں پوچھا جو ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور جسے یحییٰ کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب چلے جاؤ۔ تم میں سے ہر ایک شخص ایک قوم کی زبان بولنے لگے گا پس تم انہیں تقویت دو یہ واقعہ بہت عجیب و غریب ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک یہی صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم کے پاس آئے وہ بیٹھی رو رہی تھیں آپ نے اسے اپنے جسم کے زخم دکھائے اور بتایا کہ میرا جسم تو سولی پا گیا ہے لیکن روح اٹھا لی گئی ہے۔

یہ محض دھوکہ، جھوٹ، تحریف اور تغیر و تبدل ہے۔ یہ وہ زیادتی ہے جو ان لوگوں نے اپنی طرف سے انجیل میں الحاق کر دی ہے۔ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے اور اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

حضرت مریم کی بیٹے سے ملاقات:

حافظ ابن عساکر، یحییٰ بن حبیب کے دو طریقوں سے جو حدیث انہیں پہنچی ہے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم نے بادشاہ کے گھر سے جا کر پوچھا کہ کیا وہ مصلوب کے جسم کو اتار لے۔ کیونکہ سولی کو سات دن گزر چکے تھے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا سمجھ رہی تھیں کہ مصلوب ان کا بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں بادشاہ نے اجازت دے دی اور انہیں وہاں ایک قبر میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت مریم نے یحییٰ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ کیا آپ میرے ساتھ آئیں گی کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کر آئیں۔ دونوں چل دیں جب وہ قبر کے قریب پہنچیں تو مریم نے ام یحییٰ سے کہا کیا تو پردہ نہیں کرے گی؟ ام یحییٰ نے کہا پردہ کس سے کروں؟ مریم نے فرمایا: اس شخص سے جو قبر کے نزدیک ہے۔ ام یحییٰ نے جواب دیا مجھے تو کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا۔ مریم سمجھ گئیں کہ یہ جبریل امین ہیں۔ مریم رضی اللہ عنہا کا جبریل سے ملے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ ام یحییٰ تم یہاں ٹھہرو۔ اور خود قبر کی طرف تشریف لے گئیں۔ جب قبر کے نزدیک پہنچیں تو جبریل ان سے مخاطب ہوا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا پہچان گئیں۔ جبریل نے کہا: اے مریم! کہاں جا رہی ہو؟ آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے اور سلام کرنے جا رہی ہوں تا کہ ان سے نیا عہد باندھ سکوں۔ جبریل نے کہا اے مریم! یہ مصلوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا ہے اور کافروں کے مکر و فریب سے انہیں پاک فرما دیا۔ ہے۔ یہ جوان تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل تھا اور اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ صلیب پر لٹک گیا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے گھر والے اسے نہ پا کر تلاش کر رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ تو پھانسی چڑھ گیا ہے۔ اسی لیے وہ رو رہے ہیں۔ فلاں دن تشریف لانا۔ فلاں جنگل میں آپ کی ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہو جائے گی۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا جبریل علیہ السلام سے گفتگو کر کے واپس ام یحییٰ کے پاس آ گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف فرما تھے اور انہوں نے مجھ سے یہ باتیں کی ہیں۔ جب مقررہ دن آیا تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا تشریف لے گئیں جنگل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر پڑی تو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف دوڑے چلے آئے اور فرط محبت سے ان سے لپٹ گئے۔ ان کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور ان کے لیے دعا کرنے لگے جیسا کہ وہ پہلے دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ سے مخاطب ہوئے اے امی جان! یہودیوں نے مجھے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھا لیا ہے اور باذن خداوندی اب میں صرف آپ کی ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ عنقریب آپ اس دنیا سے رحلت فرما جائیں گی۔ صبر سے کام لیجئے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہیے۔ یہ کہہ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند ہو گئے۔ آپ کی یہی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ پھر رحلت تک حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور پھر آپ کی رحلت ہوئی۔ جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو عمر مبارک ترپن سال تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس دن اٹھائے گئے اس دن آپ کی عمر چونتیس سال تھی۔ حدیث پاک ہے کہ "جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی مونچھ داڑھی نہیں ہوگی آنکھیں سرمگیں ہوں گی اور ان کی عمر تینتیس سال کی ہوگی۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "(اہل جنت) حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت حسن اور حضرت یوسف علیہ السلام کے یوم پیدائش کو (جنت میں داخل ہوں گے)" حماد بن سلمہ علی بن یزید سے اور وہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو آپ کی عمر مبارک تینتیس سال تھی۔

رہی وہ حدیث جسے حاکم نے مستدرک میں اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں سعید بن ابی مریم سے انہوں نے نافع بن یزید سے انہوں نے عمارہ بن غزیہ سے، انہوں نے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے، انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین سے روایت کیا ہے۔ ان کی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ کوئی ایسا نبی نہیں جس نے اپنے بعد والے نبی سے پہلے آدھی اور بعد میں بھی آدھی عمر گزاری ہو۔ سوائے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے۔ آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے ایک سو بیس سال زندگی پائی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ساٹھ سال کے بعد اٹھا لیے گئے ہیں۔ یہ لفظ فسوی کا ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمر کو نہیں پہنچے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی امت میں اتنا عرصہ قیام فرمایا: جس طرح کہ سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار سے اور وہ یحییٰ بن جعدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیل میں چالیس سال رہے۔ یہ حدیث منقطع ہے۔

جریر اور ثوری، اعمش سے، وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں چالیس سال تک رہے۔

حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائیسویں رمضان المبارک کی رات کو اٹھائے گئے اور بائیسویں ہی کی رات کو نیزے سے زخمی ہونے کے پانچ دن بعد آپ کا وصال ہوا۔

آسمان کی طرف:

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو ایک بادل نمودار ہوا وہ آپ کے بالکل قریب آ گیا حتیٰ کہ آپ اس بادل پر بیٹھ گئے۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا وہاں تشریف لے آئیں آپ نے انہیں رخصت کیا اور جدائی میں بہت روئیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند ہوئے اور وہ دیکھتی رہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا عمامہ مبارک شمعون پر گرا دیا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا ہاتھ ہلا کر اشارے سے انہیں الوداع کہتی رہیں حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں کیونکہ شفقت پدری بھی آپ کے دل میں انڈیل دی گئی تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد نہیں تھا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا سفر و حضر میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی تھی۔ گویا وہ اس شعر کی مصداق تھیں۔

وکنت اری کالموت من بین ساعة
فکیف ببین کان موعده الحشر

مجھے ایک پل کی جدائی بھی موت دکھائی دیتی ہے۔ پھر وہ جدائی (کس قدر روح فرسا ہے) کہ وصال کا وعدہ حشر کا دن ٹھہرے۔

نصرانیت روم میں داخل اور تعظیم صلیب:

اسحاق بن بشر، مجاہد بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو سولی دے دی جسے وہ عیسیٰ سمجھ رہے تھے اور کئی نصرانی بھی جہالت کی وجہ سے اسے عیسیٰ خیال کر رہے تھے تو اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر ظلم و ستم شروع ہوا۔ انہیں مارا پیٹا گیا۔ انہیں حبس بے جا میں رکھا گیا۔ یہ بات دمشق کے رومی حکمران کے پاس پہنچی کہ یہودی ایک ایسے شخص کے ساتھیوں پر ظلم کر رہے ہیں جو اللہ کا رسول تھا۔ مردوں کو زندہ کرتا تھا۔ اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو تندرست کرتا تھا اور اس کے ہاتھ پر طرح طرح کے معجزے صادر ہوتے تھے رومی حکمران نے انہیں بلا بھیجا۔ جو لوگ بادشاہ کے پاس گئے ان میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اور شمعون کے علاوہ اور بھی لوگ تھے بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے دریافت کیا انہوں نے بتایا

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب معجزات نبی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے معلومات حاصل کر کے بادشاہ نے ان کے دین کو قبول کر لیا جس کی وجہ سے یہودیوں کے مظالم کا سلسلہ بند ہو گیا اور نصرانی عزت و تکریم سے رہنے لگے۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر اس صلیب کو منگوایا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ بادشاہ نے صلیب کی اس لکڑی کی بڑی تعظیم کی۔ اسی وجہ سے نصاریٰ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور یہاں سے یہ دین روم میں داخل ہوا۔ لیکن کئی وجوہات کی بناء پر یہ قصہ محل نظر ہے۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں جو اس بات کا قطعاً اقرار نہیں کر سکتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے۔ ایک نبی معصوم ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ حق کس طرح ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد روم نصرانیت میں داخل ہوئے۔ یہ دور قسطنطین بن قسطس کا ہے جس نے اپنے نام پر ایک شہر بسایا تھا جسے اسی مناسبت سے قسطنطنیہ کہتے ہیں۔ عنقریب اس کا تذکرہ آئے گا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے جب اس شخص کو پھانسی دی گئی اور اسے کاٹھ کی اس لکڑی کے ساتھ وہیں پھینک دیا گیا تو لوگ ایک عرصے تک اس جگہ کوڑا کرکٹ نجاست، جانوروں کی مردہ لاشیں اور دوسری گندگی پھینکتے رہے۔ یہ سلسلہ قسطنطین مذکور کے دور تک جاری رہا۔ پھر بادشاہ کی ماں ہیلانہ حرانیہ فندقانیہ کے حکم سے اس لاش کو وہاں سے نکالا گیا اور گمان یہ کیا گیا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لاش ہے۔ ان لوگوں نے اس لکڑی کو بھی پایا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی۔ کہتے ہیں کہ جو بھی مصیبت زدہ اس لکڑی کو چھوتا تھا تندرست ہو جاتا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ لوگ اس لکڑی سے شفا پاتے ہوں کیونکہ جس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ پھانسی پائی تھی وہ ایک نیک آدمی تھا۔ اور ممکن ہے یہ نصرانیوں کے لیے امتحان اور آزمائش ہو۔ بہر حال یہ لکڑی اس دن سے ان کے نزدیک معزز ٹھہری اور انہوں نے اسے سونے اور موتیوں سے جڑ دیا۔ اسی وجہ سے اب صلیب بنائی جاتی ہے اور اس کی شکل کو بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ بادشاہ کی ماں ہیلانہ نے حکم دیا کہ جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دی گئی اس جگہ کو کوڑا کرکٹ سے صاف کیا جائے کیونکہ وہ مقدس جگہ ہے۔ سو اس کے حکم سے یہ صاف ہوئی۔ اور اس کی جگہ ایک بڑا کلیسا تعمیر کرایا گیا قیامت کا نام بھی دیتے ہیں کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک اسی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا جسد خاکی دوبارہ زندہ ہو کر آسمانوں پر گیا تھا۔ پھر ہیلانہ نے حکم دیا کہ کوڑا کرکٹ اور دوسری گندی چیزیں اس چٹان پر پھینکی جائیں جو یہودیوں کا قبلہ تھا۔

گندگی پھینکنے کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنی چادر سے اس کوڑے کرکٹ کو اٹھایا۔ اس جگہ کو صاف کیا اور اس سے پیچھے نہیں بلکہ آگے جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی ایک مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں شب معراج حضور نبی کریم ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کروائی۔ اسی کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے۔

فضائل و مناقب:

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه صدیقة۔ ترجمہ "نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول گزر چکے اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں۔" ﴿سورۃ المائدہ﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ زمین میں خوب چلتے پھرتے تھے۔ ایک تو زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظاروں کو دیکھنا مقصود تھا اور دوسرے آپ یہودیوں سے چھپے پھرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا تھا۔ یہ لوگ آپ کو اللہ کا نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بہتان باندھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کے قدموں کو مسح کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثم قفینا علی آثارهم برسلنا و قفینا بعیسی ابن مریم و آتیناه الانجیل۔ ﴿سورۃ الحدید﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔"

وآتینا عیسی ابن مریم البینات و ایدناه بروح القدس۔ ﴿سورۃ البقرہ﴾

ترجمہ "اور دیں ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں اور ہم نے تقویت دی انہیں جبرئیل سے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شمائل و فضائل میں اور بھی بہت ساری آیات کریمہ ہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث جسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔ "کوئی بچہ ایسا نہیں جسے شیطان پیدائش کے وقت پہلو میں کچوکے نہ دیتا ہو جس سے وہ خوب چلا اٹھتا ہے، سوائے حضرت مریم کے اور ان کے بیٹے کے۔ وہ کچوکے دینے کیلئے گیا تو خود اس کو پردے سے کچوکا دیا گیا۔" اسی طرح عمیر بن ہانی کی ایک حدیث گزر چکی ہے جسے انہوں نے جنادہ سے، انہوں نے عبادہ سے

روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، رسول اور کلمہ ہیں جسے انہوں نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہیں اور گواہی دی کہ جنت حق ہے۔ جہنم حق ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا، چاہے اس کے عمل کیسے ہوں۔" (اس حدیث کو بخاری، مسلم نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

بخاری، مسلم رحمہم اللہ علیہ شعبی کے حوالے سے، ابو بردہ بن ابو موسیٰ سے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی لونڈی کو ادب سکھاتا ہے اور خوب اس کی تربیت کرتا ہے، اسے تعلیم دیتا ہے اور خوب تعلیم دیتا ہے پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے تو اسے دو اجر عطا کیے جاتے ہیں، اور جو شخص حضرت عیسیٰ بن امریم علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے پھر مجھ پر ایمان لے آتا ہے تو اس کیلئے بھی دو اجر ہیں۔ ایک بندہ جب اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے تو اس کیلئے بھی دو اجر ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

شب معراج انبیاء سے ملاقات اور شکل و صورت کا بیان:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سراپا بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں کیا دیکھتا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ دبلے پتلے سیدھے بالوں والے تھے، یوں لگتا تھا گویا قبیلہ شنوءہ کے شخص ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ آپ ﷺ نے ان کے سراپا کو بیان فرمایا اور کہا: وہ درمیانے قد کے سرخ رنگ والے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی تمام اولاد میں ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

یہ حدیث حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں گزر چکی ہے۔ پھر فرمایا: ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا۔ ہمیں اسرائیل نے بتایا، انہوں نے عثمان بن المغیرہ سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ تھا، بال گھنگریالے تھے اور سینہ چوڑا تھا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسیم شخص تھے اور آپ کے بال سیدھے تھے، انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ "الزط" قبیلہ کے مرد ہیں۔" (اسے صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن لوگوں کے سامنے مسیح دجال کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے، جبکہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے اس کی داہنی آنکھ ایسی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور، میں نے آج رات خواب میں ایک شخص کو کعبۃ اللہ کے پاس دیکھا جس کا رنگ گندمی تھا، بال کندھوں تک اور صاف سیدھے تھے، گویا ان سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے ان کے پیچھے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال گھنگریالے تھے اور داہنی آنکھ سے کانا تھا، جنہیں میں نے دیکھا ہے وہ ان میں سے ابن قطن سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ ایک شخص کے کندھوں پر رکھ کر کعبے کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ "دجال" ہے۔ اسے مسلم نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا ہے کہ عبداللہ بن نافع نے اس کی اتباع کی ہے، پھر انہوں نے زہری عن سالم بن عمر کے طریق سے چلایا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ ابن قطن خزاعہ قبیلے کا ایک شخص تھا جو جاہلیت میں ہلاک ہو گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے دو مسیحوں کا تعارف کروایا ہے۔ ایک مسیح ہدایت اور دوسرا مسیح ضلالت، تاکہ جب یہ آئیں تو لوگ پہچان لیں، مومن مسیح ہدایت پر ایمان لائیں اور دوسرے سے اپنے آپ کو بچا لیں۔

حکایت:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو چوری کرتے دیکھا تو پوچھا کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے چوری نہیں کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر یقین رکھتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھوٹا مان لیتا ہوں۔" (اسی طرح اسے امام مسلم نے محمد بن رافع سے انہوں نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا مگر نبی کریم

ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا اے فلاں! کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا: بخدا! میں نے چوری نہیں کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اپنی بصارت کی تکذیب کرتا ہوں۔"

یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاک طبیعت پر دال ہے، جب اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی تو آپ نے سوچا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں اٹھا سکتا، جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ آنکھ کا دھوکہ ہے۔ آپ نے اس کا عذر قبول فرمالیا اور اپنی ذات کو خطاوار سمجھا۔ اور کہا میں ایمان لایا یعنی تو نے سچ کہا اور تیری قسم کی وجہ سے میں اپنی آنکھ کو غلط کہتا ہوں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کہ ہم سے محمد بن یوسف نے، ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے مغیرہ بن نعمان سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ننگے پاؤں، ننگے جسم بغیر ختنے کے اٹھائے جاؤ گے، پھر حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی:

کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدا علینا، انا کنا فاعلین ﴿سورۃ الانبیاء﴾

ترجمہ: "جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے، یہ وعدہ پورا کرنا ہم پر لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں۔"

قیامت کے روز سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور میرے ساتھیوں میں سے چند لوگوں کو دائیں طرف سے لے جایا جا رہا ہوگا، میں کہوں گا یہ تو میرے ساتھی ہیں تو کہا جائے گا کہ جب آپ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑیوں پر پھرتے ہوئے راہ ارتداد اختیار کر گئے تھے۔ میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا تھا۔

وکنت علیھم شھیدا .... انت العزیز الحکیم ﴿سورۃ المائدہ﴾

ترجمہ: "اور تھا ان پر گواہ جب جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے، اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب سے پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برسر منبر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ

جیسے عیسیٰ بن مریم کو نصاریٰ نے ان کے مرتبہ سے زیادہ بڑھا دیا تھا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا یوں کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ (امام مسلم اس روایت کرنے سے اکیلے ہیں۔)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گہوارے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا۔ (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (۲) اسرائیل سے تعلق رکھنے والا ایک شخص تھا جس کا نام جریج تھا، جریج نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ نے آکر اسے آواز دی، وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ والدہ کو آواز دوں یا نماز پڑھتا رہوں کہ اس کی والدہ نے اسے بددعا دی: اے اللہ! یہ اس وقت تک نہ مرے جب تک کسی زانیہ کی شکل نہ دیکھ لے۔ (ایک دن ایسا ہوا) جریج اپنے عبادت خانے میں تھا کہ اس کے پاس ایک عورت آئی اور بدکاری کیلئے گفتگو کرنے لگی۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ ایک چرواہے کے پاس چلی گئی اور اسے اپنے اوپر قابو دیا، پھر اس نے ایک لڑکا جنا اور کہنے لگی یہ جریج کا بیٹا ہے۔ لوگوں نے آکر جریج کے عبادت خانے کو مسمار کر دیا، اسے نیچے اتار لیا اور گالیاں دیں۔ جریج نے وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر لڑکے کے پاس آکر کہنے لگا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے اس نے جواب دیا: چرواہا، لوگوں نے کہا ہم آپ کا عبادت خانہ سونے کا بنا دیتے ہیں اس نے کہا: نہیں تم صرف مٹی کا بنا دو۔ (۳) وہ جس کو بنی اسرائیل کی ایک عورت دودھ پلا رہی تھی تو اس کے پاس سے ایک خوبصورت سوار گزرا۔ وہ کہنے لگی: یا اللہ! میرے اس بیٹے کو اس جیسا بنا دینا، بچے نے اس کا پستان چھوڑ دیا۔ (سوار کی جانب متوجہ ہوا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا) اس کے بعد پھر پستان چوسنے لگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں اب بھی حضور نبی کریم ﷺ کو انگلی چوستے دیکھ رہا ہوں، پھر اس کے پاس سے ایک لونڈی کا گزر ہوا۔ کہنے لگی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا، بچے نے ماں کا پستان چھوڑ دیا اور کہا: اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنانا۔ ماں نے پوچھا: یہ کیوں؟ بچے نے کہا: "وہ سوار ظالم ہے اور اس عورت کے متعلق لوگ کہتے کہ تو نے چوری کی، تو نے زنا کیا حالانکہ یہ نہ زنا کرتی ہے اور نہ چوری۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں سب لوگوں سے زیادہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے قریب ہوں، اور تمام انبیاء علاتی اولاد کی طرح ہیں، میرے اور ان (عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (اس سند کے اعتبار کے ساتھ اسے روایت کرنے میں بخاری اکیلے ہیں۔)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ انبیاء بھائی ہیں اور علاتی اولاد کی طرح ہیں۔ میرے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (یہ اسناد صحیح ہیں اور بخاری، مسلم کی شرط پر ہے۔ اگرچہ باقی صحاح کے مصنفین نے اسے نقل نہیں کیا۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہچان:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے ابی عروبہ سے روایت کیا، ہم سے قتادہ نے بیان کیا، انہوں نے عبدالرحمن بن آدم سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کا دین ایک ہے اور امتیں کئی ہیں۔ میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بانسبت باقی لوگوں کے زیادہ نزدیک ہوں کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لینا۔ وہ درمیانے قد کے ہیں چہرہ سرخ و سفید ہے۔ بال سیدھے ہیں گویا سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں، اگرچہ تری دو چھڑیوں کے فاصلے پر بھی انہیں نہیں پہنچی ہوگی، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور تمام ملتوں کو مٹا دیں گے، صرف ایک ہی دین: اسلام رہ جائے گا۔ انہی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک فرما دے گا۔ زمین میں اس قدر امن و امان ہوگا اور اونٹ شیر، چیتے اور بھیڑیے اور بکریاں اکٹھے چریں گے اور بچے کالے سانپوں سے کھیلیں گے، لیکن کوئی دوسرے کو نقصان نہیں دے گا، جتنا اللہ نے چاہا آپ ٹھہریں گے پھر فوت ہو جائیں گے، مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کریں گے اور دفن کریں گے۔"

پھر اسے امام احمد نے عفان سے، انہوں نے ہمام سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے عبدالرحمن سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ فرمایا: "آپ چالیس سال تک دنیا میں رہیں گے، پھر فوت ہوں گے، مسلمان ان کی نماز پڑھیں گے۔" اسے ابوداؤد نے ہدبہ بن خالد سے، انہوں نے ہمام بن یحییٰ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

ہشام بن عروہ، صالح مولیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ زمین میں چالیس سال تک رہیں گے۔" ہم نے کتاب "الملاحم" میں آخری وقت میں آپ کے نزول کے بارے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح تفسیر میں بھی اس پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ کریں آیت

نزول عیسیٰ علیہ السلام:

و ان من اھل الکتاب لیو من بہ قبل مو تہ و یو م القیامۃ یکون علیھم شھیدا

﴿سورۃ النساء﴾ اور "وانہ لعلم الساعۃ" ﴿سورۃ الزخرف﴾

آپ علیہ السلام دمشق کے سفید منارہ پر نزول فرمائیں گے، اس وقت صبح کی نماز ہو رہی ہوگی۔ مسلمانوں کے امام (مہدی) عرض کریں گے: اے روح اللہ! آگے تشریف لایئے اور ہمیں نماز پڑھایئے تو وہ فرمائیں گے کہ تم بعض بعض پر حکمران ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بڑی عزت عطا فرما رکھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے اقامت آپ کیلئے کہی گئی ہے اور انہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ پھر آپ سوار ہو کر مسلمانوں کے ہمراہ دجال لعین کی تلاش میں نکلیں گے، آپ اسے باب لد کے قریب جالیں گے اور اسے اپنے دست اقدس سے قتل کر دیں گے۔ اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قوی امید یہی ہے کہ آپ دمشق میں جو شرقی منارہ بنایا گیا ہے جسے سفید پتھروں سے بنایا گیا ہے اسی پر آپ اتریں گے۔ یہ منارہ نصرانیوں کے مال سے بنایا گیا ہے جبکہ انہوں نے یہاں کی مسجد کو جلا دیا تھا اور اس کے ارد گرد کو گرایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہاں نزول ہوگا تو آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور کسی سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہیں کریں گے۔ آپ روحاء کی گھاٹی سے حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت سے نکلیں گے اور چالیس سال تک زمین پر قیام فرمائیں گے، پھر فوت ہو جائیں گے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روضہ اقدس میں دفن ہوں گے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

اس کا ذکر ابن عساکر کی روایت کردہ حدیث میں ملتا ہے، جسے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں نقل فرمایا ہے۔ وہ اس کتاب کے آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت ابومودود فرماتے ہیں کہ روضہ اقدس میں ایک قبر کی جگہ ابھی باقی ہے۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث ہے، جس طرح ضحاک بن عثمان المدنی نے کہا ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی موافق حدیث ہے۔)

امام بخاری نے یحییٰ بن حماد سے، وہ ابوعوانہ سے، وہ عاصم الاحوال سے، وہ ابی عثمان النہدی سے

وہ سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے۔ حضرت قتادہ سے پانچ سو ساٹھ سال، ایک قول پانچ سو چالیس کا ہے۔ ضحاک سے چار سو کچھ اوپر تیس سال منقول ہیں۔ ممکن ہے کہ قمری کا حساب لگاتے ہیں، وہ اس لیے تاکہ چھ سو شمسی سال کے برابر ہو جائے۔ واللہ اعلم

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی روح ان کے ساتھیوں کے سامنے قبض فرمائی، اس لیے وہ فتنہ میں نہ پڑے اور انہوں نے دین میں تبدیلی پیدا نہیں فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی دو سو سال تک ان کی سنت اور ہدایت پر قائم رہے۔"

اگرچہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے۔

ابن جریر محمد بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اٹھائے جانے سے پہلے اپنے حواریوں کو وصیت فرمائی۔ لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینا، پھر ان میں سے ہر ایک کو مشرق، مغرب اور بلاد شام کے لوگوں کی رہنمائی کیلئے مقرر کیا، اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کو ان لوگوں کی لغت سکھا دی جن کی طرف انہیں بھیجا جا رہا تھا۔

ناقلین انجیل:

اسلاف میں سے کئی علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ آپ سے چار آدمیوں نے انجیل نقل کی ہے، ان کے چار نام یہ ہیں: (۱) لوقا، (۲) متی، (۳) مرقس اور (۴) یوحنا۔ ان چاروں اناجیل کے مختلف نسخوں میں بہت تضاد ہے۔ ہر ایک انجیل دوسری سے مختلف ہے۔ ایک واقعہ کو ایک انجیل نے تفصیل سے بیان کیا ہے تو دوسری میں اختصار ہے یا سرے سے وہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ ان میں باہمی تضاد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان چاروں میں سے دو تو وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعد میں پہچانا اور وہ ہیں متی اور یوحنا اور دو ایسے ہیں جو آپ کے صحابہ ہیں۔ اور وہ ہیں مرقس اور لوقا۔

پولیس کا ایمان لانا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں ضینا نامی ایک شخص پولس یہودی کے خوف سے ایک جنگل میں چھپ گیا۔ یہ جنگل اس کلیسا کے شرقی دروازے سے قریب پڑتا ہے جسے صلیب کی جگہ تعمیر کیا گیا تھا۔ پولس یہودی بڑا ظالم اور مسیحیت کا سخت دشمن تھا اور انہیں ہمیشہ تنگ کرتا رہتا تھا، جب اس کا بھتیجا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تو اس نے اس کے سر کا حلق کرا دیا تھا اور اسے شہر میں پھرایا اور پھر اسے پتھر مار مار کر قتل کر دیا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

جب پولس نے سنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی طرف چلے گئے تو اس نے اپنے خچر پر زین کسی اور نکل کھڑا ہوا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرے، پولس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوکب کے مقام پر ملا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو ایک فرشتہ آیا اور اس کے منہ پر اپنے پر سے ایک ضرب لگائی جس سے اس کی بینائی ختم ہو گئی، جب پولس نے یہ معجزہ دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے کیے پر معذرت طلب کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے عذر کو قبول فرمایا اور اسے بیعت کر لیا۔ پولس نے گزارش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری آنکھوں پر دست شفا پھیر دیجئے تاکہ میری بینائی لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا: ضینا کے پاس جاؤ جو دمشق میں تمہارے پاس ہے اور وہ مسرف کے سوق مستطیل میں رہتا ہے۔ وہ آپ کیلئے دعا کرے گا، پولس ضینا کے پاس آیا، اس نے دعا کی اور اس کی بصارت واپس آ گئی۔ پولس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں ایک اچھا انسان ثابت ہوا۔ اس نے نام پر ایک کلیسا کی بنیاد رکھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ پولس کا تعمیر کردہ کلیسا دمشق میں کافی شہرت رکھتا ہے، جب صحابہ کرام نے اس علاقہ کو فتح کیا تو یہ کلیسا موجود تھا اور کلیسائے پولس کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان میں اٹھائے جانے کے بعد عیسائیوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ سلف نے فرمایا ہے ہم نے آیت "فایدنا الذین آمنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین" ﴿سورۃ الصف﴾ کے تحت اس بارے تفصیلاً لکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ بعض عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول تھے وہ ایک عرصہ تک ہم میں رہے پھر اٹھا لیے گئے ایک گروہ انہیں خدا مانتا ہے اور ایک گروہ خدا کا بیٹا یقین کرتا ہے۔ پہلا نظریہ ٹھیک ہے جبکہ دوسرے دونوں نظریے کفر عظیم ہیں۔

اختلافات:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فاختلف الاحزاب من بینھم فویل للذین کفروا من مشھد یوم عظیم ﴿سورۃ مریم﴾ یعنی "پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس ہلاکت ہے کفار کیلئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے۔"

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیسے نقل کی گئی اس بارے چار قول ہیں، ان چاروں اقوال میں واضح تضاد موجود ہے اور ان اناجیل میں بہت زیادہ کمی وبیشی اور تحریف وتغیر ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد ایک بہت بڑا حادثہ ہوا، اور ایک عظیم ہنگامہ آرائی ہوئی، چاروں بطارقہ، سارے اسقف سارے عالم اور سب راہب اور مذہبی رہنما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اختلاف کرنے لگے۔ اس قدر اختلافات رونما ہوئے اور ایسے اقوال سامنے آئے کہ جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ وجدل کا فیصلہ کرانے کیلئے بادشاہ وقت قسطنطین بانی قسطنطنیہ کو حکم مقرر کیا۔ اس کونسل کو پہلی کونسل کا نام دیا گیا۔ بادشاہ نے اکثریت کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا، اسی لیے اس فرقے کا نام ملکی فرقہ رکھ دیا گیا۔ اس فیصلے کے بعد دوسرے فرقوں پر مظالم توڑے گئے اور انہیں وطن سے نکال باہر کر دیا گیا۔ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا۔ اس گروہ کے پیشوا عبداللہ بن آریوں تھا۔ یہ لوگ جنگلوں اور صحراؤں میں روپوش رہے اور جنگلوں بیابانوں میں عبادت خانے، خانقاہیں اور ٹھکانے بنا کر بیٹھ گئے۔ یہ لوگ الگ تھلگ رہے اور ان بدعقیدہ فرقوں میں سے کسی فرقے سے نہ ملے۔ ملکی فرقے نے بہت بڑے بڑے کلیسے تعمیر کیے اور یونان میں جا بسے۔ ان کلیسوں کے محراب مشرق کی طرف تھے جبکہ ان سے پہلے یونانی کلیسوں کے محراب شمال کو خط جدی کی طرف تھے۔

بیت لحم اور گنبد کی تعمیر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش پر قسطنطین بادشاہ نے ایک قربان گاہ تعمیر کی اور اس کی والدہ ہیلانہ نے ایک گنبد تعمیر کروایا۔ یہ گنبد اس جگہ تعمیر ہوا جہاں ان کے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر تھی۔ وہ یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی پھانسی پر لٹکایا ہے۔ حالانکہ یہ تمام فرقے کافر تھے۔ انہوں نے ایسے ایسے قوانین وضع کیے۔ جس سے تورات کے احکامات کی مخالفت ہوتی ہے۔ انہوں نے بہت ساری چیزوں کو حلال بنا لیا جو تورات کی نص سے حرام تھیں۔ اس کی ایک مثال خنزیر ہے۔ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شروع کی، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ بیت المقدس کی چٹان کی جانب رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ اسی طرح دوسرے تمام انبیاء جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد چھ یا سات ماہ تک اس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی، پھر جب تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے کعبہ ابراہیمی کو اختیار فرما لیا۔

عیسائیوں نے اپنے گرجا گھروں میں تصویریں بنائیں جبکہ پہلے گرجے گھروں میں تصویریں نہیں بنائی جاتی تھیں، انہوں نے ایک عقیدہ وضع کیا جسے بچے عورتیں اور مرد بھی یاد کرتے ہیں جسے یہ امانت کا نام دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ باطل اور نہایت کفریہ ہے اور امانت نہیں بلکہ پرلے درجے کی خیانت ہے۔ تمام فرقے ملکی، نسطوری یعنی نسطورس کے پیروکار دوسری کونسل کے شرکاء، یعقوبیہ فرقے کے لوگ یعنی یعقوب براذعی کے پیرو جنہوں نے تیسری کونسل میں شرکت کی۔ سب یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کی تفسیر میں اختلاف کرتے ہیں۔ میں ان کے کفریہ عقائد کو بیان کر رہا ہوں اور کفر کی حقانیت کو ظاہر کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔ تا کہ آپ کو ان کی کفریات، بکواسات اور بدعقیدگی کو بچھ سکیں جو ایک شخص کو شعلہ زن آگ کی طرف لیجانے والی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں ایک خدا قادر مطلق باپ پر جو آسمان وزمین اور سب دیکھی اور ان دیکھی چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ تمام جہانوں سے پیشتر اپنے باپ سے مولود، خدا سے خدا، نور سے نور، حقیقی خدا سے حقیقی خدا، مخلوق نہیں بلکہ مولود۔ اس کا باپ اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔ اس کے وسیلے سے تمام چیزیں پیدا ہوئیں۔ خواہ آسمان کی ہوں خواہ زمین کی۔ وہ ہم لوگوں کیلئے اور ہماری نجات کیلئے آسمان پر سے اتر آیا اور روح القدس اور کنواری مریم کے ذریعہ مجسم ہوا، اور انسان بنا اور سالطس پیلطی کے زمانہ میں صلیب پر چڑھایا گیا۔ اس نے دکھ اٹھائے اور دفن ہوا اور تیسرے دن قبر سے زندہ اٹھا، اور آسمان پر چڑھ گیا اور زندوں اور مردوں کی عدالت کیلئے پھر آئے گا اور روح القدس پر جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے، وہ باپ اور بیٹے سے صادر ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش وتعظیم ہوتی ہے، وہ انبیاء کی زبانی بولا۔ کلیسا ایک ہی ہے جو مقدس ہے اور تمام یہودیت کو جامع ہے۔ میں ایک ہی معموریت کا اعتراف کرتا ہوں، گناہوں کی معافی کیلئے اور وہ زندہ ہے مردوں کی قیادت اور زمانے کی زندگی ہے اور اس کا ہونا یقینی ہے۔ آمین

بحر احمر ایسے تمدنی و تجارتی سواحل ان کے قبضہ میں آ گئے۔

جناب اسماعیل کے بارہ بیٹوں نابت، قیدر، اذبل، مِبشا، مسمع، ماشی، دوما، آذر، طیما، یسطور، نفیس اور قیذ میں سے نابت کے سوا باقیوں کے متعلق تاریخ کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالتی۔ نابت ہی سے جناب اسماعیل علیہ السلام کی نسل چلتی رہی۔ علامہ اسحاق نے لکھا ہے کہ نابت کے ہاں تیرح اور نیرح کے ہاں ناحور اور ناحور کے ہمراہ ناحون، ناحون کے ہاں اُدَو اور اُدَو کے ہاں عدنان پیدا ہوئے۔

پھر عدنان کے ہاں معد اور عک دو بیٹے پیدا ہوئے۔ معد مکہ میں رہا اور عک اشعریوں سے جا ملا۔ معد کے چار بیٹے ہوئے۔ نزار، قضاعہ، قنص اور ایاد۔ پھر نزار بن معد کے چار بیٹے۔ مضر، ایاد، ربیعہ اور انمار ہوئے۔ نضر سے قبیلہ قریش پیدا ہوا۔ جسے مکہ معظمہ کی سیادت ملی۔ ایاد سے بنی ایاد ہوئے جو عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ ربیعہ سے بنی اسد، بنی تغلب، بنی ضبیعہ، بنی حدیلہ، بنی عنزہ، بنی جمر، بنی مرہ، بنی جدیلہ، بنی طرفہ، بنی القارضان، بنی النمر، بنی جشم، بنی العجل، بنی سدوس، بنی الہازم اور بنی عبدالقیس وغیرہم قبائل عرب منسوب ہیں۔ انمار کی اولاد بنی انمار کہلائی۔ جس نے یمن کو اپنا مسکن بنایا۔ مضر کے دو بیٹے تھے۔ الیاس اور قیس۔ پھر الیاس کے دو بیٹے تھے۔ مدرکہ، طابخہ۔ پھر مدرکہ کے بھی دو بیٹے تھے۔ خذیمہ، ہذیل۔ پھر خذیمہ کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ کنانہ، ہون، اسد۔ کنانہ کے ہاں کئی بچے پیدا ہوئے جن میں نضر بڑا تھا۔

نضر کے ہاں مالک اور مالک کے ہاں فہر پیدا ہوئے فہر کا لقب قریش تھا۔ یہ نہایت شجاع و بہادر اور زیرک و دانا تھے۔ قبیلہ قریش آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ پھر فہر سے غالب اور غالب سے لوئی اور لوئی سے کعب اور کعب سے مرہ اور مرہ سے کلاب پھر کلاب سے قصی پیدا ہوئے۔

قصی ابن کلاب: قصی ابن کلاب نے کعبۃ اللہ کے متولی اور حاجب حلیل بن حبشیہ کی بیٹی حُبّی سے نکاح کیا۔ جس سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں سے دو کے نام بتوں کے ناموں پر رکھے۔ عبد مناف کہ مناف ایک بت کا نام تھا۔ اور عبدالعزیٰ کہ یہ بھی بت عزیٰ کا نام تھا۔ اور دو کے نام عبد قصی اور عبدالدار تھے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ قبیلہ قریش میں قصی ابن کلاب وہ پہلا شخص ہے جس نے عربوں کو چھ سو برس کی ذلت و خواری کے بعد مکہ میں باقاعدہ ایک ریاست کا مالک بنایا۔ جس کا انتظام اور انصرام جمہوری اصولوں پر ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قصی ابن کلاب قریش کے پہلے سردار ہیں۔ جن کی اطاعت و فرمانبرداری اہل قریش نے اپنے اوپر لازم سمجھی۔ چنانچہ آپ متفقہ طور پر سردار قوم بنے اور اپنے سسر حلیل بن حبشیہ کی وصیت کے مطابق اور قوم کے اتفاق کے

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ملک عرب: براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں ایک جزیرہ نما واقع ہے جو وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے تمام جزیرہ نماؤں میں سب سے بڑا ہے۔ یہی ملک عرب ہے۔ یہاں کے لوگ جس زمین پر بستے ہیں وہ بحر احمر، بحر ہند، خلیج عمان اور دریائے فرات کے پانی سے محصور ہے۔ یعنی اس کے تین طرف پانی ہے اور ایک حصہ خشکی میں ہے۔

طبعی لحاظ سے ملک عرب پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ اول تہامہ، دوم حجاز، سوم نجد، چہارم یمن، پنجم عروض۔ اہل عرب سام ابن نوح کی اولاد ہیں۔ کہتے ہیں نوح کے طوفان کے بعد سام نے مکہ میں سکونت اختیار کی جہاں سے اس کے بیٹے اور پوتے اطراف و اکناف عالم میں پھیلے اور انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک آباد کیے۔

قبائل عرب: اہل عرب تین طبقوں میں تقسیم ہیں۔

بائدۃ: یہ وہ عرب ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی تھے۔ پر اب نہیں رہے۔ یہاں تک کہ ان کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ لوگ عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس، امیم اور جرہم قبیلوں کے لوگ تھے۔

عاربہ: یہ لوگ وہ ہیں جو قحطان ابن سام کی اولاد سے تھے۔ یہ لوگ یمن میں پیدا ہوئے۔

مستعربۃ: یہ عرب وہ ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کے قبیلے کا بانی عدنان تھا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔

گویا اس شجرہ سے معلوم ہوا کہ تمام عرب جناب اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام اور قحطان ابن سام کی اولاد ہیں۔ ہمارے رسول جو دنیا کے ہر دور، ہر قوم اور ہر ماحول کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول بن کر آئے۔ جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے قبیلہ کا نام ہاشمی ہے جو اپنے قبیلہ قریش اور دیگر تمام قبائل عرب سے ممتاز و افضل تھا۔

اولاد اسماعیل علیہ السلام: جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔ یہ لوگ مغرب میں ننھیال مصر تک۔ جنوب میں یمن تک اور شمال میں شام تک جا پہنچے۔ گویا اس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام کی نسل بابل، مصر، شام اور عرب پر قابض ہو گئی۔ نیز بحر ہند اور

ہو جب کعبۃ اللہ کے متولی ہوئے۔ آپ نے کعبۃ اللہ کی تولیت سنبھال کر نہایت عمدہ رفاہی امور سرانجام دیئے۔ قصی ابن کلاب نے لوگوں کے آپس میں جھگڑے نمٹائے۔ ان کی شادی بیاہ کرنے اور دیگر تقریبات کے منعقد کرنے کیلئے دارالندوہ کے نام سے ایک عمارت بنائی۔ نیز اس کے کہنے پر چونکہ تمام قبائل قریش مکہ شریف میں آ گئے تھے۔ لہٰذا جگہ کی قلت کو دور کرنے کیلئے ان درختوں کو کٹوا دیا جو حدود حرم میں اگے ہوئے تھے۔ یہاں انہی نے ان کے خیمے لگوا دیئے اور یہ سب کام درخت کٹوانے اور خیمے لگانے کا اس نے خود شریک ہو کر کیا۔ اس کے علاوہ حاجیوں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کیلئے ایک مستقل انتظام عمل میں لایا گیا۔ جو نہایت مفید اور فرحت بخش تھا۔

اولاد قصی: قصی ابن کلاب کے انتقال کے بعد اس کے تین بیٹے عبد مناف، عبد قصی اور عبد العزیٰ نے جنہوں نے تجارت کے ذریعے خوب دولت کمائی۔ اپنے بھائی عبدالدار سے جو باپ کے عالم ضعیفی میں باپ کے امور سرانجام دیتا تھا۔ یہ کہا کہ اب اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ قوم کا سردار کون بنے اور کس کے ذمہ کیا کام ہے؟ چنانچہ معمولی سے نزاع کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ عبد مناف جو عبدالدار کی بہ نسبت زیادہ ذہین اور دانا تھے۔ رفادہ وسقایہ اور حجاج کی مہمان نوازی کا فریضہ سرانجام دیں۔ حجابت، لواء، دار الندوہ وغیرہ مناصب عبدالدار کے پاس رہتیں۔

عبد مناف جب تک زندہ رہے قبیلہ قریش میں نہایت عزت و احترام سے رہے۔ ان کے دنیا سے رخصت ہونے پر اولاد میں اقتدار و منصب کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ عبد الشمس، ہاشم، نوفل، اور مطلب۔ تقسیم مناصب اس طرح عمل میں آئی کہ سقایت و رفادہ جناب ہاشم کو ملی اور قیادت عبد الشمس کے حصہ میں آئی۔

جناب ہاشم: جناب ہاشم جن کی اولاد ہاشمی کہلائی۔ وہ نہایت حسین و جمیل اور حسن تدبر اور بہت صالح کردار کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی خصائص اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت اپنے تمام خاندان میں بڑے معزز و محترم اور دانا خیال کیے گئے۔

چاروں بھائی تو آپس میں بڑی محبت و یگانگت رکھتے تھے۔ مگر معلوم نہیں عبد الشمس کا نوجوان اور خودسر بیٹا اُمیہ کیوں اپنے چچا ہاشم سے حسد رکھنے لگا۔ ابتداء میں ہر چند اس نے ہاشم کی طرح فیاض دل بننے کی سعی کی لیکن فطرتاً چونکہ وہ ایسا نہیں تھا۔ لہٰذا چند ہی روز میں اس کی سخاوت و فیاضی رخصت ہو گئی۔ اور اس کی جگہ بغض و حسد اور شقاوت قلبی نے گھر کر لیا۔ اور یہ حسد و رقابت یہاں تک بڑھی کہ اسے ہاشم سے ایک مقابلہ کر کے ہار جانے میں دس برس کیلئے جلاوطن ہونا پڑا۔

مختصراً یہ کہ قوم قریش میں جناب ہاشم کی وہی قدر و منزلت قائم تھی۔ جو قصی ابن کلاب کی تھی۔

وجہ تسمیہ: آپ کا قافلہ تجارت سب قافلوں سے بڑا ہوتا تھا۔ سال میں دو مرتبہ کاروان تجارت باہر لے جانے کی آپ ہی نے رسم پیدا کی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ نام تو آپ کا اصل میں عمر تھا لیکن قبیلہ قریش کو ایک دعوت دے کر نہایت لذیذ اور مزیدار ہشم یا شوربے میں روٹی کا چورا ملا کر کھلایا تھا۔ تب سے قوم نے آپ کو ہاشم کے نام سے پکارا اور آپ عمر سے ہاشم ہو گئے۔

شام کے ایک سفر تجارت میں جو آپ نے مدینہ کے راستے کیا تھا۔ آپ نے سلمیٰ نام کی ایک خوبصورت مدنی بی بی سے شادی کی۔ اس سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کے بالوں میں ذرا سفیدی تھی۔ آپ نے اسی مناسبت سے اس کا نام شیبہ رکھا۔ شیبہ کے پیدا ہونے کے بعد جناب ہاشم کچھ دیر اور مدینہ میں رہے۔ اس کے بعد شام کے سفر پر چل پڑے۔ مگر ابھی غزہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ بیمار پڑ گئے اور بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ شام کا یہ سفر آخرت کا سفر ثابت ہوا۔ مرتے وقت جناب ہاشم نے اپنا تمام مال و متاع ابو اہم بن عبد العزیٰ کے ہاتھ اپنے بھائی المطلب کو پہنچوا دیا۔ نیز تاکید کی کہ وہ میرے اکلوتے لخت جگر شیبہ کی پرورش و تربیت بڑی توجہ کے ساتھ کرے۔ مگر افسوس المطلب نے اپنے بھائی کی وصیت کو برسوں بھلائے رکھا۔ اور جناب شیبہ نہایت کسمپرسی کے عالم میں پلتے رہے۔

عبدالمطلب: ایک طویل مدت کے بعد جب المطلب کو اپنے مرحوم بھائی ہاشم کے اکلوتے فرزند ارجمند شیبہ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو مدینے گئے اور یتیم کو گلے سے لگایا اور پیار کیا۔

ہر چند شیبہ کی والدہ اور اس کے رشتہ داروں نے شیبہ کو ساتھ لے جانے کی مخالفت کی لیکن المطلب نے منت سماجت کر کے انہیں رضامند کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے چچا کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گئے۔ آپ جب مکہ کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے تو لوگ سمجھے کہ آپ المطلب کے غلام ہوں گے۔ ہر چند المطلب نے لوگوں سے کہا۔ نہیں یہ غلام نہیں میرا بھتیجا شیبہ ہے۔ تاہم آپ سے متعلق بات لوگوں کے منہ سے نکل چکی تھی۔ لہٰذا آپ شیبہ سے عبدالمطلب ہو گئے۔ جس کے معنی المطلب کے غلام کے ہیں۔ یہی وہ عبدالمطلب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وہ پوتا عطا کیا جو خاتم الانبیاء ہے۔ المطلب نے مرتے وقت جناب عبدالمطلب کو جانشین کیا۔ چنانچہ اپنے چچا کے انتقال کے بعد آپ شریف مکہ ہوئے۔ آپ نہایت خلیق اور مہربان سردار تھے۔ تمام قریش کی گردنیں آپ کے حضور میں شجاعت و سخاوت اور شرافت غرض ہر اعتبار سے جھک گئیں۔ اور مسند ریاست بغیر کسی لڑائی جھگڑا کے آپ کے قدموں میں آ گئی۔ علامہ اسحاق نے لکھا ہے کہ جو شرف وقوت اور بزرگی آپ نے پائی۔ آپ سے پہلے کسی رئیس مکہ کو نصیب نہ ہوئی۔

اولادِ عبدالمطلب: جناب عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ کہتے ہیں آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ انہیں دس فرزند عطا کر دے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو اس کے نام پر کعبۃ اللہ میں ذبح کریں گے۔ چنانچہ جب آپ کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو گئے تو آپ نذر پوری کرنے کیلئے کعبۃ اللہ میں ہبل بت کے قریب آئے اور اپنے دسوں بیٹوں کے نام پر قرعہ اندازی کی۔ قرعہ میں آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے جناب عبداللہ کا نام نکل آیا جو آپ کو سب بیٹوں میں سے پیارے تھے۔ جب قریش کو اس بات کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ اگر عرب میں فرزند قربان کئے جانے کی رسم چل پڑی تو سخت آفت میں جان آجائے گی۔ آپ اس ارادہ کو ملتوی کر دیں اور عبداللہ کی جگہ اونٹ قربان کر دیے جائیں۔ چنانچہ آپ نے قریش کی تجویز پسند کر کے سو اونٹ قربان کر دیے۔

چنانچہ عبدالمطلب کے بارے میں ابن سعدؒ نے ہشامؒ بن محمد سے روایت کی ہے کہ آپ تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین تھے۔ اور آپ کا قد سب سے لمبا تھا اور سب سے زیادہ حلیم اور سخی تھے۔ جب کوئی بادشاہ آپ کو دیکھتا تو آپ سے بڑے احترام و عزت سے پیش آتا۔

جنابِ عبداللہ: اس واقعہ کے بعد مورخین لکھتے ہیں کہ آپ وہب عبد مناف کے پاس گئے۔ اور ان کی بیٹی آمنہ بی بی سے اپنے لختِ جگر جناب عبداللہ کا نکاح کر دیا۔ جو قریش کی عورتوں میں ہر لحاظ سے سب سے ممتاز و افضل تھیں۔ اگرچہ آپ کا نکاح ابرہہ کی فوج کشی کے سال میں ہوا۔ تاہم حملہ ابرہہ کے وقت جناب عبداللہ مکہ سے شام کے سفر پر جا چکے تھے۔ جناب عبداللہ شام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں بیمار پڑ گئے۔ چنانچہ آپ مدینہ میں اپنے ننہال کے ہاں رک گئے۔ اور یہاں ایک ماہ بسترِ علالت پر رہ کر ملکِ بقا کو روانہ ہو گئے۔

واقعۂ فیل: ابرہہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک عیسائی سردار تھا۔ اور کعبۃ اللہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اس کے دل میں کانٹا بن کر چبھنے لگی۔ چنانچہ وہ کعبۃ اللہ کو ڈھانے کیلئے حبشہ سے ایک لاؤ لشکر لے کر مکہ پہنچ گیا۔ اور اس نے وہاں کے لوگوں کو اپنے ارادے سے باخبر کرنے کیلئے ان کے جانور پکڑ لیے۔ انہی میں جناب عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔ جب جناب عبدالمطلب کو اس کی آمد اور ارادے کا علم ہوا تو آپ اس کے پاس گئے اور اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے بڑی حسرت سے پوچھا: "تمہیں اپنے جانوروں کی تو فکر پڑ گئی۔ لیکن اس کی فکر نہیں جس کی بدولت تم یہاں مکرم و معظم ہو۔" آپ نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا کہ اونٹ میرے ہیں میں ان کا مالک ہوں۔ اس لیے ان کی

واپسی کیلئے چلا آیا۔ رہی بات کعبہ کی۔ سو اس کا مالک کوئی اور ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

ابن ہشام و ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش نے بیت اللہ کی کوئی مدافعت نہیں کی۔ بلکہ جناب عبدالمطلب کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں چھپ گئے۔ جب دوسری صبح ہوئی اور ابرہہ کی فوج نے کعبۃ اللہ کو ڈھانے کیلئے حرکت کی اور وہ ہاتھی بھی آگے بڑھے جو اسی غرض سے حبشہ سے لائے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابابیل پرندوں کی فوج اس کی فوج کی طرف بڑھی۔ اور ہر پرندے کی چونچ اور پنجے میں کنکر تھے۔ لکھا ہے کہ وہ کنکر جس پر پڑتے وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ چنانچہ عذابِ الٰہی نے پل کے پل میں ابرہہ کی تمام فوج صاف کر دی۔ ادھر ابرہہ گرتا پڑتا صنعا پہنچا۔ اور وہاں پہنچ کر نہایت دردناک تکلیف میں واصلِ جہنم ہو گیا۔

ابرہہ کی ہلاکت اور کعبۃ اللہ کی حفاظت کے اس واقعہ سے اہلِ مکہ بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ جناب عبدالمطلب کی شان میں بڑے پُرزور قصیدے لکھے گئے۔ ادھر جناب عبدالمطلب کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے اور ادھر آپ کا گھر آپ کے پوتے کی ولادت کے نور سے جگمگا رہا تھا۔ بی بی آمنہ نے کعبۃ اللہ میں آپ کو اطلاع پہنچوائی۔ آپ خبر پا کر دوڑے دوڑے گھر آئے۔ بصد مسرت و اشتیاق پوتے کو گود میں لیا۔ پیشانی چومی۔ اور پھر لے کر کعبۃ اللہ میں چلے گئے۔ جہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پوتے کا نام "محمدؐ" رکھا اور کہا تمام دنیا میرے پوتے کی تعظیم و تکریم کرے۔ اور ہر جگہ اس کی تعریف ہو۔ میں نے اسی خوشی کی مناسبت سے اپنے پوتے کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا ہے۔

ولادتِ رسولِ ہاشمی: مورخین نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول سنہ ۴۰ یا ۴۸ نوشیروانی بہ مطابق ۱۸۸۲ء اسکندری واقعہ عام الفیل تحریر کی ہے لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوشیرواں عادل کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ ولادتِ محمدی کے وقت دنیا میں کوئی مقام ایسا نہیں تھا۔ جہاں حق کا بول بالا ہو۔ لوگ اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر دنیا کی وہ چیزیں پوجتے تھے جنہیں قدرتِ الٰہی نے ان ہی کی خدمت کیلئے پیدا کیا تھا۔ یہودی اور عیسائی جو اہلِ کتاب ہونے کے دعویدار تھے۔ اپنی مطلب براری کیلئے آسمانی کتابوں کو یکسر بدل چکے تھے۔ اور اس حال کو پہنچے ہوئے تھے کہ ان کے نزدیک انسان ہی ان کا خدا تھا اور خدا ہے۔

لیکن اہلِ عرب تمام دنیا میں برائیوں اور غلاظتوں میں سب سے آگے تھے۔ جوا کھیلتے، شراب پیتے اور جیتے جی بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ آتے تھے۔ ان میں بات بات پر تلوار نکل جاتی اور یہاں تک طول پکڑتی کہ مدتوں جاری رہتی۔ جس سے قبیلے کے قبیلے کٹ مرتے۔ اپنے آرام و آسائش کیلئے ایرانی

بادشاہوں کے حاشیہ نشینوں کے آگے سر جھکاتے اور بھوک مٹانے کیلئے سانپ، بچھو اور چوہے تک کھا جاتے تھے۔ بت پرستی ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ غرض یہی وہ سبب تھا کہ جس سے قدرت الٰہی نے تمام دنیا کے آخری رسول ﷺ کو عرب میں پیدا کر کے عربوں کو آپ کا مخاطب اول بنایا۔

مکہ بعثت نبوی سے پہلے: یمن کے خطرۂ سیلاب سے ڈر کر آنے والوں میں سے ایک شخص عمرو بن یحیٰی یمنی بھی تھا۔ جو عامر المزیقیا کی اولاد سے تھا۔ جب یہ شخص اپنے باپ کے مرنے کے بعد حجاز کا بادشاہ بنا تو اس نے ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام کا سفر اختیار کیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ اپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہیں اور پھر انہیں پوجتے ہیں۔ اس نے کسی سے پوچھا یا خود اپنے دل میں خیال کیا۔ بہرکیف اسے معلوم ہوا کہ یہ بت مصیبت کے وقت کام آتے ہیں۔ یہی بارش برساتے ہیں اور دل کی مرادیں برلاتے ہیں۔ چنانچہ عمرو بن یحیٰی نے ان لوگوں سے ایک بت لے لیا۔ جس کا نام ہبل تھا۔ اور اسے لاکر بیت اللہ شریف میں نصب کر دیا۔ اس نے خود بھی پوجا کی اور مکہ کے لوگوں کو بھی اسے پوجنے کی ترغیب دی۔

مکہ معظمہ میں جناب اسمٰعیل علیہ السلام کے دور نبوت سے لے کر عمرو بن یحیٰی کے باپ کے دور حکومت تک بت پرستی نہیں آئی تھی۔ لوگ موحد و خدا پرست تھے۔ اور دین ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کو مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ گھر جسے ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام باپ بیٹا دونوں نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ ان لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز تھا۔ خاص کر قبائل عرب میں سے بنی جرہم، عمالقہ، خزاعہ اور بنی بکر کے لوگ کعبۃ اللہ کو نہایت احترام و تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور بیت اللہ کا طواف کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سر جھکاتے اور عبادت الٰہی کرتے تھے۔ توحید پرستی کی یہ صورت حال مکہ میں کئی سو برس تک قائم رہی۔

اب بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ۔ مکہ کے لوگ سخت گمراہی میں پڑ گئے۔ عمرو بن یحیٰی نے مکہ کے دین کو بالکل بدل ڈالا۔ یہاں تک کہ وہ کعبہ جو توحید پرستی کا مرکز تھا۔ بت پرستی کا گڑھ بن گیا۔ تمام عرب کے لوگوں نے جو یہاں حج کیلئے آتے تھے۔ اپنے اپنے لیے بت بنا لیے۔ جو علیحدہ علیحدہ قبائل سے منسوب تھے۔ مثلاً کسی قبیلے کے بت کا نام سواع و برہاد تھا۔ کسی کا نام ود و یعوث تھا۔ کسی کا نام یعوق اور یریس اور غم والس اور نسر تھا۔ غرض بے شمار بت تھے جو اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں پوجے جاتے تھے۔ جسے ایک اللہ کی عبادت کیلئے تعمیر کیا گیا تھا۔

ایام طفولیت محمدیہ: محمد رسول اللہ ﷺ کو بچپن میں نہ ماں کی تربیت ملی، نہ باپ کی۔ آپ کے والد محترم جناب عبداللہ تو آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔

اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بی بی رضی اللہ عنہا اس عالم سے اس وقت رحلت فرما گئیں جب آپ ﷺ صرف چھ سال کے تھے۔ اور یہ مختصری مدت بھی آپ کی ماں کے ساتھ نہ گزری۔ کیونکہ عرب کے دستور کے مطابق آپ کو مکہ سے باہر اپنی دایہ بی بی حلیمہ کے ساتھ رہنا پڑا۔ جو آپ کے دودھ پلانے کیلئے ساتھ لے آئیں تھیں۔

الفتِ ابوطالبی: جب آپ آٹھ سال کے ہوئے اور آپ کے دادا جناب عبدالمطلب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں جناب عباس، ابوطالب، امیر حمزہ، ابولہب، زبیر، حارث، حجل، مقدم، ضرار سے پوچھا کہ تم میں کون یہ ذمہ داری قبول کر سکتا ہے کہ محمد ﷺ کا میرے بعد ماں اور باپ کی طرح خیال رکھے۔ اس پر جناب عباس رضی اللہ عنہ نے خود کو پیش کیا لیکن آپ نے یہ سوچ کر کہ یہ خود کثیر العیال ہیں۔ ان سے انکار کر دیا۔ اب جناب امیر حمزہ آگے بڑھے۔ آپ نے ان سے بھی انکار کیا اور کہا کہ تم خود ابھی کم سن ہو۔ پھر ابولہب آگے بڑھا۔ محمد ﷺ کو مجھے سونپ دیجئے۔ میں انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔ آپ نے کہا ابولہب تم سخت دل انسان ہو۔ میرے یتیم سے شفقت کا سلوک نہ کر سکو گے۔ اب ڈرتے ڈرتے جناب ابوطالب پدر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام آگے بڑھے۔ بوڑھے باپ سے کہا کہ ہر چند میں کچھ اثاثہ پاس نہیں رکھتا۔ اپنے دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں بہت غریب ہوں۔ تاہم محمد ﷺ کی دلداری اور ناز برداری کرنے کی ہمت ضرور رکھتا ہوں۔ جناب عبدالمطلب نے اپنے کم سن پوتے محمد ﷺ کی طرف دیکھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ دادا کے اس استفسار پر اپنے چچا جناب ابی طالب کے زانو پر جا بیٹھے۔ بوڑھے دادا نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ بیاسی برس کی عمر میں بعض کے نزدیک ایک سو بیس برس کے سن میں اپنی جان شیریں جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ جناب ابوطالب نے اپنے باپ کی وصیت کو جس درد و سوز اور کمال جاں سپاری سے پورا کیا۔ اسے علامہ ابن خلدون نے فقط ایک ہی جملہ میں بیان کر کے تمام حقیقت واضح کر دی۔ فَاَحْسَنَ وِلَایَتَهٗ وَکِفَالَتَهٗ۔

جناب ابوطالب نے ولدیت و کفالت کا حق ادا کر دیا۔ محبت کا یہ عالم تھا کہ جناب ابوطالب آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے۔ آپ اگر کہیں باہر جاتے تو مہربان چچا ساتھ ہوتے۔ گھر میں کھانا پکتا اور بچے کھانا نکالنے پر اصرار کرتے۔ تو آپ ان سے کہتے: بچو! ابھی ٹھہر جاؤ ہمارے بیٹے محمد ﷺ کو آ لینے دو۔ چنانچہ جب آپ کے پیارے بھتیجے گھر میں آتے تو آپ اپنے بچوں سمیت آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔

علامات نبوت: مورخین اسلام کہتے ہیں کہ باوجود اس دنیاوی محرومی کے جناب محمد رسول اللہ ﷺ چھوٹی سی عمر میں بھی اخلاق و عادات کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ کبھی جھوٹ نہ بولتے

نہ کسی کو گالی گلوچ دیتے اور نہ آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت چکھا۔ غرض آپ اپنے پاکیزہ اطوار و اطوار کے اعتبار سے سب سے افضل و ممتاز تھے۔ تمام لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور بڑی قدر کی نگاہوں سے آپ کو دیکھا جاتا تھا۔ آپ اصلاحی کاموں میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ تنہائی پسند واقع ہوئے تھے۔ اور اکثر سوچ بچار میں پڑے سوچتے رہتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ تیرہ سال کے ہوئے تو آپ اپنے چچا جناب ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ جب آپ کا قافلہ بصری پہنچا تو ایک عیسائی راہب بحیرہ نے آپ کی ذات میں نبوت کی نشانیاں پا کر ابوطالب کو مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر واپس چلے جائیں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہودی انہیں قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ جناب ابوطالب آپ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔

حلف الفضول: جب آپ کا سن مبارک پندرہ برس کا ہوا تو آپ نے اپنے چچا زبیر کی تحریک پر اس معاہدہ قریش میں شرکت کی جس کا مقصد مظلوموں کی حمایت کرنا تھا۔ آپ نے اس تحریک میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ لیا۔ اس تحریک کا نام حلف الفضول تھا۔ کہتے ہیں کہ اس تحریک کے تین اراکین فضل نام کے تھے۔ اس لیے یہ نام تجویز ہوا۔

جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا: پھر جب آپ پچیس برس کے ہوئے تو عرب کی متمول اور پاک باطن بیوہ خاتون جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تجارت کے سلسلے میں دوسری بار شام کے سفر پر گئے۔ آپ کے ساتھ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ تھا۔ آپ کو اس سفر میں بہت نفع حاصل ہوا۔ تجارت میں شاندار کامیابی اور اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپ کی صفات حمیدہ معلوم کر کے خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ اور ان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گرویدگی اس حد تک بڑھی کہ آپ کو نکاح کا پیغام دے دیا۔ جسے آپ نے فوراً قبول کر لیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی اور جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس برس کی تھیں۔ مقام غور ہے کہ عرب جیسے گرم ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس برس کی عمر تک محمد رسول اللہ ایک متین و سنجیدہ انسان کی طرح کنوارے رہے۔ مگر دامن میں کہیں دھبہ نہ آنے پایا۔ اور جب تک بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹے تو بہت جلد انتقال کر گئے۔ البتہ بیٹیاں جناب فاطمہ، جناب زینب، جناب رقیہ اور جناب کلثوم رضی اللہ عنہن یکے بعد دیگرے بعد انتقال کے جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ بی بی زینب کا نکاح ابوالعاص سے ہوا۔ مگر یہ دختر رسول باپ کے ایک دشمن کے ہاتھوں نیزہ لگنے سے بحالت حمل شہید ہو گئیں۔

جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا آپ کے دل پر ہمیشہ صدمہ رہا۔ آپ اکثر انہیں یاد کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدیجہ نے اس وقت میری مدد کی جب میں نادار اور مفلس تھا۔ پھر جب لوگ مجھے مفتری و کاذب کہتے تھے تو خدیجہ نے میری نبوت کی تصدیق کی اور جب تمام قوم اور ملک میرے خلاف تھا تو خدیجہ کی رفاقت اور ہمدردی میرے ساتھ تھی۔

مسئلہ تعدد ازدواج: مخالفین اسلام کے خیالات کے باعث نادان مسلمان اعتراض کر بیٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تو گیارہ بیویاں کیں۔ لیکن مسلمان کو بیک وقت چار بیویوں کی غیر مشروط اجازت نہیں دی۔

پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ مشروط حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہ نکاح کر لینے کے بعد آیا۔ دوسرے اس بات پر توجہ دینا چاہیے کہ مسلمانوں کو تو اس بات کا اختیار دے دیا گیا ہے کہ جس بیوی کو طلاق دینا ضروری خیال کریں اسے طلاق دے کر دوسری شادی کر لیں۔ اور اس طرح وہ اپنی عمر میں بیسوں شادیاں کر سکتے ہیں۔ جس میں انصاف شرط ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن الا ملکت یمینك و کان اللہ علی کل شیءٍ رقیبا۔

"یعنی اے رسول اس (گیارہ بیویوں) کے بعد آپ کو اور بیویاں کرنا حلال نہیں۔ اور نہ یہ کہ آپ انہیں بدل کر اور بیویاں کر لیں۔ اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا لگے لیکن وہ جو تیری ہیں اور اللہ ہر چیز کا محافظ ہے"۔

اجمال ازواج مطہرات یہ ہے کہ آپ کی جوانی جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزر گئی جو آپ سے عمر میں بڑی تھیں اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ ان کے بعد بجز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جو کم عمر اور کنواری تھیں۔ باقی سب ادھیڑ عمر، معمر اور بیوائیں تھیں۔ نیز بجز عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کہ ان کا رشتہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بی بی خدیجہ کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغموم پا کر خود لائے تھے۔ اور اصرار کیا تھا۔ باقی تمام ازواج مطہرات نے آپ سے خود نکاح کی درخواست کی تھی۔ جسے درحقیقت قبول کر کے آپ نے مسلمانوں کیلئے بھلائیاں اور قربانیاں کیں۔ بیوگان سے شادی نہ کرنے کا عرب میں بڑی سختی سے رواج قائم تھا۔ لہٰذا جن عورتوں کے شوہر مر جاتے ان پر سخت مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا تھا۔ آپ نے بیوگان پریشان حال سے نکاح کر کے جہاں ان کے دکھ درد کا مداوا کر دیا۔ وہاں اس بری رسم کے بندھن توڑ دیے۔ مخالفین اسلام کی طرف سے ایک اعتراض اور وارد ہوتا ہے۔ "وہ کہتے ہیں اسلام نے بیک

وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے کر عورت کے وقار کو گرایا ہے"۔ (اول) تو یہ کہ اسلام نے انصاف کی شرط رکھی ہے۔ (دوم) ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ مرد کا لباس عورت اور عورت کا لباس مرد کہہ کر عصمت نسائیت کو بحال رکھا ہے۔ درحقیقت عورت کو مرتبہ انسانیت سے گرانے اور ذلیل ترین مخلوق ثابت کرنے میں خود عیسائیوں اور یہودیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ چوتھی صدی عیسوی میں جب عیسائیت کا بہت زور تھا۔ نیز شریعت عیسوی تمام یورپ کے قانون کا ماخذ بن گئی۔ تو اس کے مطابق عورتوں کے وہ تمام حقوق جو فلاسفہ یونان و روما کی صدیوں تک کوشش کیے جانے کے سبب مسلّم ہوتے جا رہے تھے۔ قطعاً سلب ہو گئے اور اس کمزور مخلوق کو طرح طرح کے ناموں سے نوازا گیا۔ مثلاً عیسائی بزرگوں میں ترتلیتن نے کہا۔ عورت شیطان کا دروازہ، خوبصورت دل کش مصیبت ہے۔ (۲) سینٹ گریگوری نے کہا۔ اژدھے سے زیادہ خطرناک اور افعی سے بڑھ کر چالاک۔ (۳) سینٹ جیروم نے کہا۔ عورت تمام برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ (۴) سینٹ آگسٹائن نے کہا۔ عورت، آدم سے اللہ کے حکم کی نافرمانی کروانے میں شیطان کی معاون و مددگار ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کی تحریروں پر عیسائیوں کے مذہب کا انحصار ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس تک کلیسا نے انہی باتوں کی تعلیم دی ہے۔ اور اسی بات کی تاکید کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے تجرد اختیار کیا جائے۔ کیونکہ ازدواجی رشتہ خواہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو پھر بھی ایک گناہ اور جہنم کی آگ کی ایک لپیٹ ہے۔

ہمیں اتنا تعجب مذکورہ اقوال پر نہیں کہ جتنا قول مسیح سے ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ سے نہایت کرختگی میں کہا: "اے بڑھیا! تو کیوں آتی ہے تیرا مجھ سے کیا کام ہے"۔ ظاہر ہے کہ یہ نبی کی زبان ترجمان ہدایات الٰہی نہیں ہو سکتی۔ یہ انہی دعویداران انجیل کا جھوٹ ہے کہ جو اسے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ۱۸۷۰ء میں انگریزی قانون کے مطابق مہذب ممالک۔ مغرب نے عورت کے حال پر جو نوازشات کی ہیں ان کے پیش نظر ہمیں کچھ تعجب نہیں رہتا۔ ہسٹری آف ویمنیز سفریج جلد سوم صفحہ ۲۹۰ پر لکھا ہے کہ مغربی قانون میں عورت کسی شے پر قابض نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ خود اس کی پیدا کی ہوئی یا اسے ورثہ میں ہاتھ آئی ہو۔ بحالت مجبوری وہ مجبور ہے کہ اسے کسی کے پاس امانت رکھوا دے اور اس کی مرضی پر کاربند ہو۔ اگر وہ شادی کرنا چاہے اور اپنے مال پر قبضہ پانے کی خواہش رکھتی ہو تو وہ قانوناً مجبور ہے کہ اپنے آئندہ شوہر سے ایک معاہدہ کرے جس کی رو سے اپنی تمام املاک اس کے حوالے کر دے۔

بیوی کا درجہ ایک ماما جیسا ہے زیادہ نہیں۔ انگریزی قانون کی رو سے اس کا شوہر اس کا مالک اور آقا

ہے۔ اسے بیوی کی ذات اور اس کے نابالغ بچوں پر پورا اختیار حاصل ہے۔ وہ اسے اتنی لکڑی سے مار سکتا ہے کہ جو اس کے انگوٹھے سے موٹی نہ ہو۔

دی ابجین آف ویمن میں جوزف میک کیب نے لکھا ہے کہ متحدہ امریکہ کے قانون میں بھی عورت کو اور مرد کو شخص واحد قرار دیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو وصیت سے تمام جائیداد سے نہیں بلکہ خود اس کی املاک سے بھی محروم کر سکتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی منشاء کے خلاف نہ کوئی وصیت کر سکتی ہے اور نہ کسی قسم کا معاہدہ۔ اور نہ اسے اپنی جائیداد کے منتقل کرنے کا ہی کوئی حق حاصل ہے۔ اس کا لباس اس کی ملک نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی جان کو اپنا نہیں کہہ سکتی۔ اس کا شوہر اس کے بچوں کو چھین سکتا ہے۔ اس کے کپڑے اتروا سکتا ہے اور اس کے بچوں کو بھوکا مروا سکتا ہے۔ لیکن عورت کیلئے کسی قانونی چارہ جوئی کا دروازہ کشادہ نہیں۔ عورت اگر کچھ کمائے تو مرد شوہر کی حیثیت سے اس کی کمائی پر قبضہ پانے کا مستحق ہے۔

یورپ میں اس وقت عورت کا جو عالم ہے یہ صرف آج سے ایک سو برس پہلے کی سعی و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اور اس میں اسلام ہی کے اثرات کا دخل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یورپ تسلیم نہ کرے۔ لیکن یورپ میں یہ ہرگز دم خم نہیں کہ وہ اپنے ان گناہوں کی تردید کر سکے۔ جو اس نے عورت کے مظلوم طبقہ پر مذہب کی آڑ لے کر دن رات کیے ہیں۔

محرکات رسم دختر کشی:

عرب میں جو دختر کشی کا رواج تھا۔ وہ عیسائیوں ہی کی تبلیغ کا نتیجہ تھا۔ اکثر ان کے قبیلے یہاں آباد تھے۔ اور عیسائیت کو پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل

وإذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هون ام يدسه في التراب۔

"اور جب ان میں سے کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو اس کا چہرہ فق ہو جاتا اور وہ رنجیدہ ہو جاتا تھا۔ اور اس بری بات کی وجہ سے اپنی قوم سے چھپا چھپا پھرتا۔ اور دل میں سوچتا تھا کہ اسے باوجود ذلت کے اپنے ہاں رہنے دے یا مٹی میں دفن کر دے"۔

اگر کوئی لڑکی کسی طرح سے بچ جاتی تو اس کو ترکہ پدری سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ یوں سمجھئے کہ صرف جان بخشی ہی اس کا باپ کے ترکہ میں ایک حصہ تھا۔ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے قبضہ و اختیار میں ہو جاتی تھی۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد اسے مال متروکہ کی طرح وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ بیوہ ہونے کے بعد سوتیلی مائیں اپنے سوتیلے بیٹوں کی بیویاں ہو جاتی

تھیں۔ اور اس کیلئے رضامندی شرط نہیں تھی۔ ان کو اپنے سوتیلے بیٹوں کی زوجیت میں جانا ہی پڑتا تھا۔ نیز اس میں سب سے مقدم حق بڑے بیٹے کا ہوتا تھا۔ اگر وہ قبول نہ کرتا تو انہیں اس کے چھوٹے بھائیوں کو پیش کیا جاتا۔ اگر وہ انکار کر دیتے تو پھر کوئی اور قریبی رشتہ داران کا مالک و مختار ہو جاتا تھا۔

تعمیر کعبہ: محمد رسول اللہ ﷺ قریب پینتیس برس کے ہوئے۔ تو کعبۃ اللہ کی دوبارہ تعمیر کے وقت قریش میں حجر اسود کے نصب کرنے سے متعلق جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر فریق و گروہ کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کے نصب کرنے کا فخر اسے ہی موقع ملے۔ قریب تھا کہ اس جھگڑے میں خون خرابہ ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا۔ لوگوں نے جو آپ کو دیکھا تو ایک زبان ہو کر پکار اٹھے۔ هذا الامين رضينا هذا محمد۔ یعنی یہ لیجئے محمد ﷺ آ گئے ہیں۔ ہم سب راضی ہیں کہ اپنا فیصلہ ان سے کروا لیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے آپ کو حاکم بنا لیا اور آپ نے جو فیصلہ کیا اس پر سب راضی ہو گئے۔ آپ نے یہ کیا کہ حجر اسود کو اپنی چادر میں ڈال دیا۔ جسے اتحاد و اتفاق کے ساتھ سب نے چاروں طرف سے مل کر اٹھایا۔ جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو آپ نے چادر میں سے اٹھا کر اپنے دست مبارک سے نصب کر دیا۔

منصب نبوت: اب آپ کا زمانہ نبوت قریب آتا جا رہا تھا جس سے آپ کے غور و فکر اور سوچ بچار کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کرتی جا رہی تھی۔ آپ مکہ سے تین میل دور اکثر غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مستغرق رہتے۔ ایک روز آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی تمام قوموں کیلئے اپنا آخری رسول منتخب کر لیا۔ اور آپ کو یہ پیغام بھیجا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

"اپنے اس رب کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ جس نے گوشت کے لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھو کہ تمہارا رب بزرگ ہے وہ۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنہیں وہ جانتا نہ تھا"۔

فریضہ نبوت: سرفراز نبوت ہو کر اول آپ نے فرداً فرداً لوگوں کو توحید کی طرف بلایا اور انہیں بتایا کہ ہبل، عزیٰ، لات و منات وغیرہ جن بتوں کی بندگی میں تم پڑے ہو وہ جھوٹے ہیں۔ ان کا ہرگز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عمل دخل نہیں اور نہ ان کی کوئی سفارش چل سکتی ہے۔ یہ بت یہ مٹی کے حس و حرکت گھروندے پتھروں کے بے جان مجسمے جن شخصیتوں کے نام کے تم نے گھڑ رکھے ہیں باطل ہیں۔ آؤ اس خدا کی بارگاہ میں جھک جاؤ۔ جس کا کوئی شریک نہیں وہ ایک اکیلا ہے۔ اور اس تمام کائنات

زمین و آسمان کا واحد خالق ہے۔ وہ خود بخود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تاریخ اسلام میں آپ کی ہدایت کا یہ دور خفیہ تبلیغ کہلاتا ہے جو تین سال تک برابر جاری رہا۔ اس زمانے میں بچوں میں سے سب سے اول ایمان لانے والے جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور عورتوں میں جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا خاتون کا نام سر فہرست ہے۔ اس کے بعد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ مورخین نے کچھ اسماء اور بھی لکھے ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

حضرات! عثمان غنی، ابوذر غفاری، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ، ابوسلمہ، الارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، عبیدہ بن الحارث، سعید بن زید، فاطمہ بنت خطاب، اسماء بنت ابی بکر، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، ابن الارث، عمیر بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، مسعود بن قاری، سلیط بن عمرو، عیاش ابن ابی ربیعہ، اسماء بنت سلمہ، خنیس بن حذافہ، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن جحش، ابواحمد جحش، جعفر ابن ابی طالب، اسماء بنت عمیس، خالد بن البکیر، عامر ابن البکیر، عمار بن یاسر، صہیب ابن سنان، حاطب ابن الحارث، ازہر بن عبد مناف، ابوحذیفہ، واقد بن عبداللہ، نعیم بن عبداللہ، المطلب ابن ازہر بن عبد مناف، فکیہہ بنت یسار، رملہ بنت ابی عوف السائب ابن مظعون، عامر بن فہیرہ، خالد بن سعید۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اعلان رسالت: آغاز نبوت کے چوتھے برس جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق کو عام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے۔

يا ايها الناس انى رسول الله اليك جميعا ن الذى له ملك السموٰت والارض لا اله الا هو يحيى ويميت فامنوا بالله ورسوله النبى الامى الذى يومن بالله وكلمته واتبعوه لعلكم تهتدون۔

"اے میرے پیارے محبوب محمد! کہہ دیجئے کہ بے شک میں تم سب کے واسطے اللہ کا رسول ہوں۔ جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ تعالیٰ، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول امی پر جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر تاکہ تم ہدایت پاؤ"۔

اعلان حق: توحید پرستی کی یہ کھلے بندوں دعوت، انسان کو انسانی غلامی سے نجات دینے کا وہ پہلا پیغام تھا۔ جسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی غیابت سے آپ کے زمانہ رسالت تک اہل دنیا نے بھلا رکھا تھا۔ یہ وہ صورت بادی تھی کہ معبودان باطل تھرانے لگے۔ دنیائے جہالت کی ہر در و دیوار کانپ اٹھی۔ باپ دادا کی ریت و رسم کا جنون، شخصیت پرستی کی اندھی تقلید اپنی تمام ہولناکیوں اور تباہیوں کے ساتھ

ابوسفیان ابن حرب، امیہ ابن عبدالشمس کی قیادت میں توحید پرستی کی مخالفت بن کر سامنے آئی۔ لیکن باوجود ان تمام مخالفتوں کے پائے نبوت میں سرمو بھی لغزش نہیں آنے پائی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ و ہدایت کے میدان میں برابر قدم بڑھاتے چلے گئے۔

ایک روز آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر قبیلے قبیلے کو نام بہ نام پکارنا شروع کیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو فرمایا: اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کی ایک فوج کھڑی ہے جو چاہتی ہے کہ موقع پا کر تم پر حملہ کرے، تو کیا میرا یقین کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: یقیناً کیونکہ ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ بجز سچائی کے اور تم میں کچھ نہیں دیکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو سنو! یہ مٹی کے بے حس و حرکت بجسے جنہیں تم خدا سمجھتے ہو۔ یا خدا کی طاقتوں کا مظہر خیال کرتے ہو۔ بالکل باطل ہیں یہ تمہارے کسی کام نہیں آسکتے۔ اے لوگو! ایسی شے جو کچھ اپنا بنا سکے اور نہ تمہارا، تم نے اس کے سامنے سر جھکانا کیونکر گوارا کر لیا۔ اور اسے کیسے خدا مان لیا۔ اے لوگو! یہ لات و عزیٰ اور نائلہ و ہبل ہرگز پوجنے کے لائق نہیں۔ تمہیں عبادت صرف اسی ایک ذات کی کرنی چاہیے جس نے ہمیں تمہیں اور اس تمام کائنات کو پیدا کیا۔ اے لوگو! میں تمہیں اس شدید عذاب سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ جو تمہاری خدا سے غفلت اور گمراہی کے سبب تمہیں سخت گرفت میں لے لے گا۔ اس پر ابولہب نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! خدا تجھے برباد کرے، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس بات کے سبب یہ آیت نازل ہوئی۔

تبت یدا ابی لھب وتب وما اغنٰی عنہ مالہ وما کسب۔

"ابولہب ہی برباد ہو گا اور اس کو اس کا مال کام آئے گا نہ اس کی کمائی"۔

مصائب: جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے تیرہ سال سخت دشواریوں اور مصیبتوں میں گزرے۔ قوم نے آپ کو ایک خدائے وحدہ لاشریک کی توحید کا سبق دینے اور اس کی بندگی کی طرف بلانے کی پاداش میں طرح طرح کی تکلیفیں اور دردناک اذیتیں پہنچائی ہیں۔ آپ کی توہین و تحقیر جو کچھ بن پڑا کر گزرے۔ آپ کو ادائے نماز سے روکنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ تھوکا۔ کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالی۔ آپ کی گردن میں آپ ہی کے عمامہ کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دیا۔

مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے ان کی زندگی تلخ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن بے شمار تکالیف و مصائب کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فریضہ تبلیغ رسالت میں برابر منہمک رہے۔ ایک روز کفار مکہ نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا ایک وفد آپ کے چچا حضرت ابی طالب پدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ ہمارے خداؤں کی تذلیل کرنے سے منع

کریں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا سے بالکل صاف صاف کہہ دیا:

عم واللہ لو وَضَعُوا الشمس فی یمینی والقمرُ فی یساری علٰی ترك ھٰذا الامر حتّٰی یظھرہ اللہ واھلك فیہ ما ترکتہٗ۔

"اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو جب تک یہ کام غالب نہ ہو جائے یا میں خود ہی ہلاک نہ ہو جاؤں میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا"۔

آزمائش: اس کے بعد سرداران قریش نے آپس میں طے کیا کہ ایک وفد خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس جائے اور پوچھے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو نے جو ہمارے خداؤں کے ساتھ کیا ہے۔ کسی نے نہیں کیا۔ آخر تو انہیں کیوں برا کہتا ہے۔ اس سے تیرا مطلب کیا ہے؟ اگر تو دولت چاہتا ہے تو ہم دولت دے ڈالتے ہیں۔ اگر تجھے ہمارے سردار بننے کی تمنا ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو بادشاہ ہو جائے تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ باتیں کہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے صرف تمہیں بندوں کی غلامی سے نکال کر صرف ایک اللہ کا بندہ بنانے کے سوا اور کوئی غرض نہیں۔

ایک موقع پر مشرکین و کفار مکہ نے خیال کیا کہ حج کا موسم آنے والا ہے۔ لوگ دور دراز کی جگہوں سے یہاں آئیں گے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش ہو گی کہ انہیں مسلمان کیا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ موسم کے آنے سے پہلے پہلے اس کے خلاف کوئی منصوبہ طے کر لیں۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہوئے تجویز پیش کی کہ جب لوگ یہاں آنے لگیں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاہن ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جائے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: ہم کاہنوں کو خوب جانتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کاہن نہیں ہو سکتا۔ پھر لوگوں نے کہا: مجنون ثابت کر دیا جائے۔ ولید نے کہا: یہ بھی نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز مجنون نہیں۔ پھر بولے: ہم شاعر کہنا شروع کر دیں۔ ولید نے کہا: شاعر بھی نہیں۔ پھر جب لوگ تجاویز پیش کرتے کرتے عاجز آ گئے تو کہنے لگے: اچھا تم ہی بتاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہے؟ ہم اسے کیا کہیں؟ ولید نے کہا: اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو میری رائے یہ ہے کہ تم اسے ساحر کہو۔ واقعی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں بڑا جادو ہے۔ وہ دلوں پر خوب اثر کرتا ہے۔

نضر بن الحرث نے کہا: اے سرداران قریش! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمہاری کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ تم اسے بچپن سے جانتے ہو وہ تم میں سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے۔ اسے تم پسند کرتے تھے اور امین کہتے تھے۔ اب وہ تمہارے پاس وہ کلام لے کر آتا ہے جو اس پر نازل ہوا۔ تو تم اسے کاہن کہتے ہو۔ حالانکہ وہ

[illegible] حالانکہ وہ جادوگر نہیں۔ اے سرداران قریش! تم اپنے حال پر غور کرو۔ بخدا تمہارے لیے یہ بہت بڑی شے نازل ہوئی ہے۔

ایک روز ابو جہل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کیلئے مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ جب آپ سجدہ میں گئے تو اس نے ایک پتھر اٹھایا اور چاہا کہ سر کچل دے تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ گھبرا کر فوراً بھاگ نکلا۔

ہجرتِ اولیٰ:

ادھر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ ریگستان عرب کی گرم گرم سلاخوں سے ان کی آنکھیں پھوڑی جاتی تھیں۔ انہیں بھوکا رکھا جاتا تھا۔ ان پر پانی بند کر دیا جاتا۔ بہت سوں کو پھانسی دی گئی۔ اور بہت سے ایماندار جلا دیے گے۔ مکہ میں رہ کر رسول اللہ ﷺ خود بھی مصائب اٹھاتے جا رہے تھے۔ لیکن آپ سے مسلمانوں کا یہ حال نہ دیکھا گیا۔ آپ نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر جانے کو کہا۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مسلمان مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے۔ ان مہاجروں میں تراسی (۸۳) مرد اور اٹھارہ (۱۸) عورتیں تھیں۔ لیکن کفار کے دل اس پر بھی ٹھنڈے نہ ہوئے۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو حبشہ میں بھی دم نہ لینے دیا۔ پہلے تو انہوں نے حبشہ کے پادریوں سے مل کر کوشش کی کہ مسلمانوں کو ان سے پوچھ گچھ کئے بغیر ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بغیر تحقیقات کیے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اور پادریوں کو سختی سے ڈانٹ دیا گیا۔

نجاشی نے مہاجرین اسلام کو طلب کیا۔ جناب جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مہاجروں کے نمائندہ کی حیثیت سے دربار میں پہنچے۔ اور کہا:

"اے بادشاہ! ہماری قوم سخت جاہل تھی۔ ہم بتوں کو پوجتے تھے۔ اور مردار جانور کھا لیتے تھے۔ آپس میں قطعاً شرم و لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ خوب لڑتے یہاں تک کہ لڑائیاں پھیل پھیل کر کئی قبیلوں تک جا پہنچتی تھیں۔ جس سے ہزاروں خون کی ندیاں بہہ نکلتیں۔ ہم اپنے قریبی رشتہ داروں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ برائیاں کرتے تھے۔ اور ہم میں جو طاقتور ہوتا وہ کمزوروں کو دبا لیتا۔ اور انہیں نیست و نابود کر دیتا تھا۔ ہم سب کا یہی حال تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہمارے لیے ایک رسول مبعوث کیا۔

ہم اس کے حسب و نسب سے خوب واقف ہیں اور اس کی سچائی اور پاک دامنی کو بھی اچھی

طرح سے جانتے ہیں۔ پس اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے واحد لاشریک تسلیم کریں۔ اور اس کی عبادت کریں اور اس کے علاوہ پتھروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، چھوڑ دیں۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولا کریں۔ اور جس کسی کی امانت ہمارے پاس ہو اسے لوٹا دیا کریں۔ قریبی رشتہ داروں سے مل جل کر رہیں۔ اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کریں۔ اور جن چیزوں سے ہمیں روکا گیا ہے۔ انہیں ہرگز نہ لیں۔ اور جن باتوں کی ممانعت آئی ہے انہیں قبول نہ کریں۔ اور نہ کسی کا خون کریں۔ ہمیں ہر قسم کی برائی سے منع کر دیا گیا ہے۔ نیز کسی پر تہمت لگانے یا یتیم کا مال کھانے اور نیک بیبیوں پر الزام لگانے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔

اور ہمیں زکوٰۃ اور نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اور پھر آپ نے دیگر اسلامی امور گنا دیے۔ آپ نے کہا یہ ہیں وہ حقائق جس سے ہم نے محمد ﷺ کو سچا مان لیا۔ اور ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اور ہر اس چیز کہ جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں۔ پیروی کی ہے ہم صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ جو شے ہم پر حلال کر دی گئی ہے اسے حلال سمجھتے ہیں۔ اور جس کو حرام کر دیا گیا ہے اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اسے حرام ہی جانتے ہیں۔

یہ ہیں وہ حقائق جن پر ہماری قوم ہمارے خون کی پیاسی ہو گئی۔ اور ہم پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے۔ اور ہمیں سخت مصائب میں مبتلا کیا۔ اے بادشاہ! جب یہ لوگ ہم میں اور ہمارے دین میں حائل ہونے لگے تو ہم مجبوراً اپنے ملک سے نکل کر تیرے ملک میں آ گئے"۔

دربارِ نجاشی:

نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے جو محمد ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے یہ آیہ قرآنی تلاوت کی:

کھیعص ذکر رحمت ربك عبده ذكريا۔ اذ نادىٰ ربه نداء خفيا۔ قال رب الى وهن العظم منى واشتعل الراس شيبا ولم اكن بدعائك رب شقيا۔

"اپنے بندے زکریا پر تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے۔ اس نے کہا: اے میرے رب میری ہڈیاں بوڑھی ہو گئیں اور میرا سر بڑھاپے سے چمک اٹھا۔ یعنی سفید ہو گیا۔ اور اے

میرے رب میں تجھ سے مانگنے میں کبھی محروم نہیں ہوا"۔

قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اپنا کام کر گئی۔ ان آیات کو سن کر نجاشی اور اس کا تمام دربار زار و قطار رونے لگا۔ اور اس نے مکہ کے وفد سے واضح طور پر کہہ دیا کہ جاؤ اپنے گھر کی راہ لو۔ میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

دوسرے روز کفار مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک آخری چال اور چلی۔ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ مسلمان جو تیری پناہ میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا۔ مہاجرین اسلام نے صاف اقرار کیا کہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کا رسول اور اس کا بندہ مانتے ہیں۔ نجاشی نے کہا بے شک جو تم نے کہا ہے صحیح کہا۔ تم سب میری امان میں ہو پھر اس نے کفار مکہ کے تحفے تحائف واپس کر دیئے اور انہیں ذلیل و خوار ہو کر لوٹنا پڑا۔

نجاشی: ہر چند اس واقعہ سے بلوہ ہوا پادری سخت برہم ہوئے۔ تاہم اس اللہ کے بندے نے عیسائیت کے تمام طلسمات کو توڑ کر اعلان کر دیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور عیسیٰ ابن مریم بھی اس کے بندے اور رسول ہیں۔

حمایت ابوطالبی: ادھر مکہ میں اسلام کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ جوں جوں کفار اسے دبانے کی کوشش کرتے رہتے اسلام توں توں ابھرتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ قریش کے تمام بڑے بڑے بہادر آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ ان میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سر فہرست ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے تک مسلمان اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ کے مسلمان ہو جانے پر کعبہ میں اعلانیہ نماز پڑھنے لگے۔ اور یہ پہلی مرتبہ ادائے نماز ہے۔ جو مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلیری و شجاعت پر اعلانیہ کعبہ میں ادا کی۔

مقاطع: اب کفار کے دل پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر خوف کھانے لگے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو اور ستانا شروع کر دیا۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ یوں تو لوگ اسلام لانے سے باز نہیں آئیں گے۔ بہتر ہے کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بنی ہاشم سے تعلقات نہ رکھے۔ اور نہ ان سے کوئی چیز لے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچے۔ ہاں اگر بنی ہاشم محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں تو پھر ہمارا بنی ہاشم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ لیکن وہ مہربان چچا جس نے محمد رسول اللہ ﷺ سے کہا جاؤ بیٹے جو کچھ تمہیں کہنا ہے کہے چلے جاؤ۔ ابوطالب تمہیں کسی حالت میں بھی دشمن کے حوالے نہیں کرے گا۔ اور پھر وہ ابوطالب جو مسلح ہاشمی نوجوانوں کو ساتھ لے کر قریش کے پاس گیا۔ اور کہا: اے قریش! ذرا ہاشمیوں کے ہتھیاروں کی چمک تو دیکھو۔ بخدا! اگر تم نے

میرے بھتیجے محمد رسول اللہ ﷺ کو مار ڈالا تو میں تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پھر ہماری اور تمہاری لڑائی چاہے کسی نتیجے پر بھی پہنچ جائے۔ وہ مرد مجاہد نبوت کے ساتویں سال ابولہب کے سوا اپنے پیارے محمد رسول اللہ ﷺ اور تمام بنی ہاشم کو لے کر شہر سے باہر ایک پہاڑ کے درہ میں آ گیا۔ جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں۔ تین برس سخت مصائب میں یہاں رہنا پڑا۔ اس مدت میں جب قریش کے چند لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا احساس ہوا تو انہوں نے باوجود اپنے دوسرے بھائی بندوں کی مخالفت کے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ اور ادھر قدرت خدا دیکھئے کہ وہ معاہدہ جو در کعبہ پر آویزاں تھا۔ اسے دیمک چاٹ گئی۔ گویا اس طرح بنی ہاشم کو مصائب سے نجات مل گئی۔ اور وہ پھر مکہ میں آ گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مکہ میں فی الحال انہیں کامیابی کی امید نہیں تو آپ نے طائف کا سفر کیا۔ یہ واقعہ جناب ابی طالب کے بعد کا ہے۔ جن کی رحلت نے نبوت کے دسویں برس آپ کو داغ مفارقت دیا۔ کفار نے جناب ابوطالب کی وفات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اب وہ آپ کو بے حد پریشان کرنے لگے۔ راستہ چلتے آپ کے سر پر مٹی ڈال دیتے۔

سجدہ میں جاتے تو آپ کی کمر پر اونٹ یا بکری کی اوجھڑی رکھ دیتے۔ اور بعض اوقات آپ کا دامن پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے۔ اس دوران میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آتے اور کفار کو دھمکاتے۔ اور کہتے کہ تم اللہ کے ایک بندے کو صرف اس لیے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ تمہیں ہزاروں بندگیوں سے نکال کر صرف ایک اللہ کا بندہ بنانا چاہتا ہے۔

سفر طائف: طائف کے سفر میں کفار نے غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپ کے اوپر کنکر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ جس سے آپ کے پیر لہولہان ہو گئے۔ آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو دعا مانگتے۔ کہ اے اللہ! میں تجھ سے ہی اپنی کمزوری اور ذلت کی شکایت کرتا ہوں۔ قوم سے شکوہ نہیں کرتا۔ اے اللہ! تو ان کے حال پر رحم فرما۔ اے اللہ! تو کمزوروں کا ناصر اور مددگار ہے۔ تو مجھ کو کس کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے۔ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔

ایک مرتبہ جب مدینہ سے قبیلہ اوس و خزرج کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی جس کا حال تورات میں لکھا ہے۔ اب آنے والا ہے اور اس کی آمد سے مدینہ میں ہمارا وقار پھر بحال ہو جائے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے معمول کے مطابق ان کے پاس بھی پیغام ہدایت لے گئے۔ ان لوگوں نے دل سے آپ کے موجودہ نبی ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ ان میں چھ آدمی مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے مدینہ میں آ کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے برس اوس و خزرج کے کچھ لوگ اور آئے جن میں سے بارہ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ نیز اپنے ساتھ ایک مبلغ اسلام جناب

عمیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے مصعب رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ لیتے گئے۔ مصعب ابن عمیر نے اہل مدینہ کو اسلام کی تعلیم دینا شروع کی۔ جس کے اثر سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ نبوت کے تیرہویں برس ۷۳ مردوں نے اسلام قبول کیا۔ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے مدینہ چلنے کی درخواست کی اور یک زبان ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ جو عہد لینا چاہتے ہیں شوق سے لیجیے۔ ہم کامل وفاداری و جانثاری اور سچائی کے ساتھ آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے فقط یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کرو گے جو تمہارا ہمارا اور اس تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ ان لوگوں کی طرف سے براءؔ بن معرور سردار خزرج نے آپ سے وعدہ کیا۔ اور بیعت کی جسے تاریخِ اسلام میں بیعت عقبی ثانیہ کہتے ہیں۔ عقبہ مدینہ سے کچھ دور ایک مقام کا نام ہے۔

مدینہ بعثت سے پہلے: بنی اسرائیل کے اس گروہ نے جو تجارت کی غرض سے مکہ اور مدینہ آتا جاتا تھا۔ جب موسیٰ سے شکایت کی کہ عمالقہ ہمارے خیموں میں گھس کر ہمیں لوٹ لے جاتے ہیں۔ اور ہم سے شدید مزاحمت کرتے ہیں۔ تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے عمالقہ کی سرکوبی کیلئے مدینہ پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ نیز سپہ سالار کو ہدایت کی کہ عمالقہ کا ایک بھی فرد زندہ نہ رہنے پائے۔ چنانچہ فوج نے عمالقہ سے جنگ کی۔ اور اس کی تمام قوم کا صفایا کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ایک علقی شہزادے کو چھوڑ دیا۔ جناب موسیٰ اس اثناء میں انتقال کر چکے تھے۔ موسیٰ کے نائبین نے اس جرم میں ان لوگوں کو جنہوں نے شہزادہ کی جان بخشی تھی۔ الاردن میں داخل ہونے سے روک دیا اور کہا کہ تمہاری سزا فقط یہ ہے کہ تم واپس مدینہ جاؤ اور وہیں جا کر سکونت اختیار کرو۔

چنانچہ یہ لوگ الٹے پاؤں مدینہ آئے تو اس وقت مدینہ کی آبادی نہایت گنجان تھی۔ یہ تین قبیلے تھے جن کا تعلق جناب ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ بہر کیف بنی اسرائیل کا مدینہ پر قبضہ ہو جانے سے مدینہ یہودیت کا مرکز بن گیا۔ جو ارض، بیت المقدس اور اردن کے بعد یہودیت کا تیسرا مقام کہلایا۔ ہر چند مدینہ کا سرکاری مذہب یہودیت ہونے کے باوجود یہاں کے لوگ موحد و خدا پرست رہے۔

جس زمانے میں سیلاب یمن کے حادثہ کے پیش نظر اولاد قحطان کا شیرازہ منتشر ہوا تو عمرو و مزیقیا کے پوتے اوس و خزرج مدینہ چلے آئے۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ اور مدینہ کے نواحی علاقوں میں رہتے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر کے اپنی معاشی حالت ... اچھی بنائی تھی۔ تاہم یہودیت کو ان سے کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ جس سے مدینہ بدستور یہودیت کا مرکز رہا۔

ہجرت نبوی: اب مدینہ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ کفار مکہ نے اسلام کی ترقی کا یہ رنگ دیکھ کر ابو جہل کے مشورہ سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور طے کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ جب آپ کو کافروں کے ارادے کا علم ہوا تو آپ اپنے بستر پر جناب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لٹا کر چپکے سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ پہنچ گئے۔

کفار مکہ نے تمام رات ننگی تلواریں لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا۔ جب صبح ہوئی اور بھید کھلا تو جھنجھلائے اور ادھر ادھر آپ کو پکڑنے کیلئے آدمی دوڑائے۔ مگر آپ اس مدت میں ان کی گرفت سے نکل چکے تھے۔ بالآخر کفار نے تھک ہار کر آپ کی گرفتاری پر سو اونٹ کا انعام مقرر کر دیا۔

مدینہ والوں کو جب آپ کے آنے کا علم ہوا تو اپنی مشتاق نگاہیں آپ کے قدموں میں بچھا دیں۔ گویا ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کا دن اہل مدینہ کیلئے عید کا دن تھا۔ آپ کے مشتاقانِ دید کا گلی کوچوں اور سڑکوں اور بازاروں میں کھوے سے کھوا چلتا تھا۔ کوٹھے اور چھتیں عورتوں سے پٹی پڑی تھیں کہ اتنے میں جانثارانِ اسلام کے آخری رسول کی سواری نمودار ہوئی۔ اشتیاقِ دید کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ میرے ہاں قیام فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی جسے مسجد نبوی کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دفاعی تنظیم قائم کی جس میں ان یہودیوں نے بھی حصہ لیا۔ جو خود اپنی مرضی سے آپ کی ماتحتی میں آ گئے تھے۔ انہی لوگوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ جو آپ کی آمد سے قبل مدینہ کی سرداری کے خواب دیکھتا رہا تھا۔ اس شخص نے ظاہری طور پر تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن بباطن اپنے بھائی یہودیوں سے مل کر اسلام کی بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ گویا مسلمانوں کا مکہ سے نکل کر اگر کفار سے پیچھا چھٹ گیا تو مدینہ میں آ کر یہودیوں اور منافقوں کی ایک نئی جماعت مسلمانوں کی حریف بن گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر اپنے اہل بیت اور مسلمانوں کو مکہ سے بلوا لیا۔ یہ ایک ایک کر کے اپنے گھر بار اللہ تعالیٰ کی رہ میں چھوڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے ان کا بکمال خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا۔ حتیٰ کہ ایک مدنی مسلمان (انصاری) نے ایک ایک مکہ کے مسلمان (مہاجر) کو اپنا بھائی بنا کر اپنے مال کے دو حصے کر کے نہ صرف مال ہی سپرد کیا بلکہ اگر کسی انصاری بھائی کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر سے نکاح بھی کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے دفاعی تنظیم کے ماتحت جو ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس کے متن کا خلاصہ یہ ہے۔

"کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کے دین و مذہب اور جان و مال کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

بلکہ دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔ اگر فریقین میں کوئی جھگڑا پیدا ہوگا تو اس کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف رجوع کرنا ہوگا"۔

یہ معاہدہ ایک دوستانہ حیثیت سے کیا گیا تھا۔ مگر افسوس یہودیوں نے اپنی روایتی بدعہدی کے مطابق اسے جلد ہی توڑ دیا۔ جس سے نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ کے یہودیوں نے کفار مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازباز کرنی شروع کردی۔ اور مسلمانوں کو اپنے تحفظ کیلئے پے در پے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

جنگِ بدر: کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان بدر کے مقام پر سن ۲ ہجری میں سب سے پہلے جنگ بدر ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ تین سو تیرہ جانثارانِ اسلام کو لے کر مقابلہ پر آئے۔ کفار مکہ کا سپہ سالار ابوسفیان حرب ابن امیہ ابن عبدالشمس تھا۔ اس کے ہمراہ ایک ہزار مسلح سپاہی تھے۔ ۱۷ رمضان کو مقابلہ ہوا۔ کفار نے منہ کی کھائی اور بھاگ نکلے۔

جنگِ اُحد: دوسرے برس کفار نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کو پھر میدان کارزار گرم کیا۔ یہ غزوہ جنگ احد کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں عبداللہ بن ابی کی منافقت کھل کر سامنے آئی۔ وہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر راستے ہی سے پلٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ صرف سات سو فدایانِ اسلام کو لے کر تین ہزار کفار مکہ کے مقابلہ کو پہنچ گئے۔ میدان کارزار میں گھمسان کا رن پڑا یہاں تک کہ دشمن بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ لیکن مال غنیمت لوٹنے والے نادان مسلمانوں کی غلطی سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی۔ بڑے بڑے صحابی شہید ہوگئے۔ آپ کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں ایک وحشی نام کے چھپ کر وار کرنے سے شہید ہوگئے۔ اور تو اور خود جناب رسالت مآب ﷺ نے چہرہ پر ایک تیر کھایا اور کھلبلی یہاں تک مچی کہ کفار نے آپ کی شہادت کا اعلان کردیا۔ ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے لاشوں کا مثلہ کیا۔ یعنی ان کے ناک کان کاٹ لیے۔ جناب امیر حمزہ کا تو بہت بری طرح حلیہ بگاڑ دیا۔ اور بڑی بے دردی سے آپ کا جگر کلیجہ نکالا۔ اور پھر اسے چبا چبا کر پھینک دیا۔

فتح مکہ: بالآخر ایک وقت ایسا بھی آگیا جس میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدہ کو پورا ہونے کا دن تھا۔ نہایت استقلال اور صلح و آشتی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و ہدایت کئے جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی طاقت بہت مضبوط ہوگئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ دس ہزار پاک نفوس کو لے کر مکہ کی طرف بڑھے۔ اور آپ کی مکہ میں داخل ہونے کی شان یہ تھی کہ تمام قبائل اپنے سرداروں کے پیچھے اپنا اپنا جھنڈا لئے چلے آرہے ہیں۔ اور ان سب سے پیچھے جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے بغیر کسی لڑائی جھگڑا کے نہایت پرامن طریقے سے مکہ فتح کرلیا۔

شان اللہ شان کریمی دیکھئے! آپ جب ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کے

دل کانپ اٹھے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ مسلمانوں پر ڈھائے ہوئے ظلم و ستم موت بن بن کر سامنے آنے لگے۔ لشکرِ اسلام کو دیکھ کر ابوسفیان کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہ تھا۔ بدن میں ہوش اڑ گئے۔ سمجھتا تھا کہ میری ہر حرکت اور اس کا ہر جذبہ میرے قتل کیلئے کافی ثبوت ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عم رسول مکہ سے ہجرت کئے چلے آرہے تھے کہ راستے میں محمد رسول اللہ ﷺ مل گئے۔ آپ انہیں واپس مکہ کی طرف لے آئے اور مکہ سے باہر قیام کیا۔ رات کے وقت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہر شخص کو آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ سے نکل کر شہر کی طرف چلے کہ راستے میں انہیں ابوسفیان ملا۔ ابوسفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھایا۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نہایت رحیم و کریم ہیں۔ تم اگر ان کے پاس جاؤ گے اور صلح چاہو گے تو وہ پسند کریں گے۔ چنانچہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے۔ آپ نے ابوسفیان کو پہچان کر قتل کرنے کا ارادہ کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر باز رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ لینے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھپٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور آپ سے قتل ابوسفیان کی اجازت چاہی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ ابوسفیان میری پناہ میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے رات بھر کیلئے انہیں عباس کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کا فیصلہ کل ہو جائے گا۔

دوسرے روز ابوسفیان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کرلیا۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ ابوسفیان فخر کا بہت خواہش مند ہے۔ اس پر آپ نے ابوسفیان کو یہ اعزاز بخشا کہ جو کافر ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان ہے۔

مکہ میں داخلہ کے وقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوسفیان کو لشکر اسلام دکھایا جائے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لشکر دکھایا۔ اس پر ابوسفیان بولا: اے عباس! (رضی اللہ عنہ) تمہارے بھتیجے تو اب ایک بہت بڑے بادشاہ بن گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ابوسفیان تم ابھی تک رسول اللہ ﷺ کو بادشاہ ہی سمجھ رہے ہو۔ یہ بادشاہت نہیں نبوت و رسالت کا زور ہے۔

اخلاق رحمت عالم: آج رحمتِ عالم ﷺ کے دربار نبوت میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے مکہ کی سرزمین مسلمانوں کیلئے خارزار حیات بنا کے رکھ دی تھی۔ ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جنہوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے، آپ کا گلا گھونٹا، کنکر پھینکے اور پتھر برسائے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے شعب ابی طالب میں آپ کو خاندان سمیت قید کر کے آب و دانہ تک بند کردیا تھا۔ وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خاندانی قبرستان میں دفن ہونے نہ

دیا۔ وہ بھی تھے جن کے تیر وسنان نے پیکرِ قدسی کے ساتھ گستاخیاں کیں لٹے پٹے مہاجروں کا حبشہ تک پیچھا کیا۔ مدینہ میں بھی سکھ کی نیند حرام کر دی تھی۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون رسالت مآب کے سوا کسی اور شے سے تسکین یاب ہی نہ ہو سکتی تھی۔ آج ان میں وہ بھی تھے جن کی مخالفتوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ ٹکراتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہلکے سے تبسم سے فرمایا:

"اے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں"۔

یہ لوگ ظالم تھے شقی القلب تھے۔ مگر ادا شناس مزاج نبوت ضرور تھے، کہنے لگے:

آپ ایک شریف بھائی ہیں۔ ہمیں آپ سے اچھے سلوک ہی کی توقع ہے۔

لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہندہ کو چھوڑ دیا جائے گا۔ جس نے آپ کے محبوب چچا کا کلیجہ چبایا۔ اور کسے توقع تھی کہ آپ کے چچا کا گلا کاٹنے والے وحشی کی جاں بخشی کر دی جائے گی۔ اور یہ کون خیال کر سکتا تھا کہ آپ اس ہبار کو معاف کر دیں گے۔ جس کے نیزے کی ضربات سے دخترِ رسول ﷺ بحالتِ حمل انتقال فرما گئیں۔ اللہ اللہ قابو پا کر چھوڑنا، اقتدار پا کر دشمنوں کو نوازنا، ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ وہ کام ہے جو موسیٰ نے کیا اور نہ سکندر و نوشیرواں ہی سے ہو سکا۔ آپ نے اپنے دشمنوں سے وہی سلوک کیا۔ جو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا۔ آپ نے فرمایا:

"جاؤ اے لوگو! تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو"۔

پھر آپ نے کعبہ کے بتوں کو دیکھ کر یہ آیت پڑھی:

جاء الحق وزحق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

"یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل زائد ہی ہوا کرتا ہے"۔

خطبہ: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ ایک ہے وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہم سب ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ اور ایک اللہ کے بندے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ کان کھول کر یہ بات سن لو کہ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فخر و امتیاز حاصل نہیں۔ تمام نسلی امتیازات اور قومی اونچ نیچ کو اللہ تعالیٰ نے آج کے دن ملیامیٹ کر دیا۔ اس کی بارگاہ میں کوئی آقا ہے نہ غلام۔ ہم سب ایک ہی منزل پر کھڑے ہونے کے حق دار ہیں۔ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور زندگی کے سانس لینے کا اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ایک سا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کے بندوں پر حکم چلائے۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے۔ اور اس کے نزدیک وہی لوگ معزز و مکرم ہیں جو متقی

اور پرہیزگار ہیں۔

غرض و غائت جنگ: یورپین مورخین کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قریش اور دیگر قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو لڑائیاں کی ہیں وہ حصول فتح، استیصال مخالفت اور زبردستی مسلمان بنانے کی غرض سے کی گئیں۔ آپ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر لوگوں سے اپنی رسالت جبراً منوائی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک حملہ آور کی حیثیت سے کبھی جنگ و جدل کیا اور نہ اسلام کے معاملہ میں کسی طرح جبر و اکراہ سے کام لیا۔ آپ نے جتنی لڑائیاں لڑیں ان کی حیثیت صرف دفاعی تھی۔ انتقامی ہرگز نہیں۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں تین جنگیں کی ہیں۔ اول جنگ بدر، دوم جنگ اُحد، سوم جنگ احزاب۔ آپ کے اور کفار مکہ درمیان صرف یہی لڑائیاں ہیں جن میں آپ بہ نفس نفیس شامل ہوئے۔ یہ تینوں جنگیں نہ تو اس غرض سے تھیں کہ مسلمانوں کے وہ حقوق جو خطرے میں پڑے ہوئے تھے انہیں قائم کیا جائے اور نہ یہ مقصد تھا کہ ان نقصانات کی تلافی ہو جائے جو کفار مکہ کے ہاتھوں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو پہنچ چکے تھے۔ اس کا مقصد فقط وہی ہے جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ یعنی دفاع۔ جیسا کہ ہم کفار مکہ کے مظالم کا ایک اجمال پیش کر چکے ہیں۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے بالحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اندریں حالات اگر آپ صبر و تحمل کیے چپ چاپ بیٹھے رہتے اور اپنے اور مسلمانوں کے بچاؤ کیلئے کچھ ہاتھ پیر نہ ہلاتے تو آپ اپنے فرض کے ادا کرنے میں یقیناً کوتاہی کرتے۔ اس وقت آپ کا یہی فرض منصبی تھا کہ اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو ہلاک ہونے سے بچاتے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا اور آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا۔ ہم اسلام کے معترضین بتلائیں کہ اپنی حفاظت کیلئے ہاتھ پیر ہلانا اور جب اپنی جان پر آ بنے۔ حتی المقدور کوشش کرنا دنیا کا وہ کون سا قانون ہے۔ جو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اور وہ کون سا شخص ہے جو ایسے حالات میں اپنی جان بچانے کی فکر نہیں کرتا۔ حفاظت اور مدافعت ایک قدرتی امر ہے۔ بڑے سے بڑے انسان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑے تک وقت آ پڑنے پر اپنی حفاظت اور مدافعت کیلئے کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے بعض سیرت نگاروں نے بھی آپ کی مہمات شمار کرنے میں سخت مسامحت کی ہے۔ چنانچہ ابن سعد کاتب الواقدی نے آپ کی مہمات کی تعداد جن میں آپ خود بھی شامل ہوئے۔ ستائیس (۲۷) لکھی ہے۔ ﴿قسطلانی جلد ششم صفحہ ۳۸۶﴾

ابن اسحاق نے بھی یہی تعداد لکھی ہے۔ لیکن وہ مہمات جن میں آپ خود شریک نہیں ہوئے بلکہ ایسے اشخاص کی ماتحتی میں پیش آئیں۔ ان کی تعداد اڑتیس (۳۸) لکھی ہے اور ابن سعد نے چوہتر (۷۴)

بیان کی ہیں۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۷۶)

ابو یعلیٰ نے حضرت جابر سے جو روایت کی ہے اس میں اکیس مہمیں شمار کی گئی ہیں۔ لیکن زید بن ارقم نے جو کہ سب سے زیادہ معتبر راوی ہیں۔ غزوات مذکورہ کی تعداد انیس (۱۹) لکھی ہے۔ اور یہ آپ کے ہمراہ تھے۔ مختصراً یہ کہ ہمارے محدثین اور مورخین نے جو مختلف مہمات کے نام اور احوال درج کئے ہیں۔ ان میں نہ تو عقلی تنقید کا باقاعدہ لحاظ رکھا ہے۔ اور نہ ان اصول درایت کی پابندی کی ہے۔ جن پر کسی روایت کی شہادت کو پرکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے وہ تمام مہمات بھی جوں کی توں درج کر لیں جن سے متعلق کوئی معتبر شہادت نہیں ملتی۔ ان میں بعض تو بالکل بے بنیاد ہیں۔ اور بعض کو جنگی مہمات لکھ دیا گیا ہے۔

یہی وہ غلطی ہے جسے متعصب یورپین مورخین لے اڑے اور انہوں نے وہ تمام امور جنہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ غزوات وسرایا اور بعوث قرار دے دیا، چنانچہ ان لوگوں نے۔

(۱) آپ کا دوستانہ عہد نامہ ترتیب دینے کیلئے وکلاء کو بھیجنا۔

(۲) تبلیغ اسلام کے دعاۃ کا روانہ کرنا۔

(۳) سرداران ممالک غیر، کے پاس اسلامی سفیروں کا بھیجنا۔

(۴) تجارتی مہمات۔

(۵) حجاج کے قافلے۔

(۶) قزاقوں کی جمعیت کو منتشر کرنے یا متنبہ کرنے۔

(۷) دشمن کی حرکات کی نگہداشت کیلئے مجاہدین اسلام کا بھیجنا۔

(۸) مخبرین کو خبریں لانے کو بھیجنا۔

(۹) دشمن سے لڑنے یا اسے روکنے کیلئے فوج کا روانہ کرنا یا لے جانا۔

غرض ان تمام باتوں کو یورپ کے بدبخت مورخوں نے غزوات وغیرہ کے طور پر لیا ہے جس کے معنی ان کے نزدیک لوٹ مار کی مہمات کے ہیں۔ یورپ اور عرب کے مورخین دونوں نے آپ کی کل مہمات ایک سو ستائیس شمار کی ہیں جو ہرگز درست نہیں۔

درحقیقت مہمات کی یہ تعداد جو بیان کی گئی ہے یعنی ستائیس، انیس، اکیس اور سترہ۔ ان میں آٹھ اور نو تو واقعی ایسی ہیں جن میں جنگ ہوئی۔ باقیوں کی کوئی سند نہیں اصل مہمات یہ ہیں:

(۱) جنگ بدر۔ (۲) جنگ اُحد۔ (۳) مریسیع۔ (۴) قریظہ۔ (۵) حنین۔ (۶) طائف۔ (۷) احزاب۔ (۸) خیبر۔ (۹) مکہ۔

ان میں سے بنی مصطلق کے ساتھ مریسیع مقام پر جنگ ہونے کی کوئی معتبر شہادت نہیں ملتی۔ بنی قریظہ کے ساتھ بھی لڑائی لڑنے کی کوئی سند نہیں۔ ان کا سلسلہ صرف جنگ احزاب سے تھا۔ اس لیے اسے جداگانہ طور پر شمار نہیں کیا جا سکتا مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ رہی بات جنگ طائف کی وہ مثل اوطاس کے جنگ حنین کا ایک جزو تھا۔ جو لوگ لڑائی سے فرار کر دیے گئے تھے۔ انہیں پکڑنے کیلئے طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ جو بعد ازاں اٹھا لیا گیا۔ اس طرح مجملہ پانچ مہمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ جن پر شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر یہ مہمات بھی فی الواقع جنگ کے نام سے یاد کیے جانے کی مستحق نہیں۔ درحقیقت یہ بھی محض دفاعی اقدام تھا۔ ہاں انہیں خفیف سی جنگ یا معمولی سا مناقشہ کہا جا سکتا ہے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کا جانی نقصان انچاس (۴۹) اُحد میں بیس (۲۰) اور احزاب میں تین (۳) خیبر میں تیرانوے (۹۳) اور حنین میں بھی تیرانوے (۹۳) تھا۔ لیکن ان پچھلے دونوں اعداد میں شبہ اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا نقصان علی الترتیب چودہ، چوہتر، پانچ، انیس اور سترہ تھا۔ ان تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کی طرف سے کل اموات ایک سو انتیس اور دشمنوں کی طرف سے دو سو اٹھاون ہوئیں۔ ہمارے نزدیک یہ تعداد مسلمانوں کے نقصان سے دو چند ہے اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے تعلیم کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اب ایک سوال اور باقی رہ جاتا ہے کیا جنگ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی خاطر کی جاتی تھی؟ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مشرکین و کفار سے جزیہ حاصل کرنے کیلئے بھی جنگ نہیں لڑتے تھے۔ اگر جنگ کا واقعی یہ مقصد ہوتا تو جنگ کی حالت میں انہیں کبھی اجازت نہ ہوتی کہ وہ آ کر وعظ سنیں۔ اور پھر اپنے امن کی جگہ واپس چلے جائیں۔ جزیہ صرف انہی غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا جو آپ کی پناہ میں آ جاتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ باقاعدہ محاصل صدقات و زکوٰۃ جو مسلمانوں کو اسلامی جمہوریت کے مصارف کیلئے ادا کرنے پڑتے تھے ان سے نہیں لیے جاتے تھے۔ قرآن حکیم سے مذکورہ جنگوں کی غرض و غایت یہ ثابت ہوتی ہے کہ جنگ حفاظت خود اختیاری کی بنا پر صلح و امن اور مذہب کی آزادی کو قائم رکھنے اور فتنہ و فساد اور ایذا رسانی کے دور کرنے کیلئے مجبوراً تجویز کی گئی۔ یعنی مسلمان کافروں کے ظلم و ستم سے رہائی پائیں اور دین اسلام اس مذہبی مزاحمت اور زبردستی سے آزاد ہو جائے۔ جو مسلمانوں کو دوبارہ بت پرستی کی طرف لوٹ آنے کیلئے مشرکین و کفار کی طرف سے عمل میں لائی جا رہی ہے۔

قرآن حکیم نے آپ کے دعوت حق کے طریقہ پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

اجمال طریق دعوت حق:

فرمایا:

ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم با التی هی

احسن۔ (سورہ نحل ع ۱۲۶ پ قرآن حکیم)

"آپ انہیں اللہ کے راستے کی طرف حکمت کی باتوں اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے اور ان سے اس طرح بحث کیجئے جو بہت ہی پسندیدہ ہو"۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین۔

"دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ہے"۔

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانھم قوم لا یعلمون۔

"اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے اور پھر اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دے۔ یہ رعایت اس لیے ہے کہ لوگ سچائی کو جانتے نہیں"۔

مسلمانوں سے ارشاد فرمایا:

ولا تفسدو فِی الْاَرْضِ بعد اصلاحھا ذٰلکُمْ خیر لکم ان کنتم مومنین۔

"تم دنیا میں انتظام کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو"۔

الفتنۃ اشد من القتل۔

فتنہ وفساد کشت وخون سے زیادہ سخت ہے۔

ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین۔

"اور تم زیادتی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

جزء سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللّٰہ انہ لا یحب الظالمین۔

"برائی کا بدلہ ٹھیک ویسی ہی برائی ہے۔ لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا صلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ بلاشبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

تبلیغ اسلام: اب فتح مکہ کے بعد عرب کے دوسرے قبائل نے اسلام کی طرف توجہ دی چنانچہ بہت سے وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تبادلہ خیال کی غرض سے آئے اور دل مطمئن کر لینے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کو مسلمانوں پر واجب کردیا۔ چنانچہ وہ لوگ اصحاب کہلاتے ہیں جو مختلف قوموں اور قبیلوں کے ہاں تبلیغ اسلام پر بھیجے گئے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے تمام بادشاہوں کے

نام دعوت اسلام ارسال کیا۔ مثلاً شہنشاہ روم، شہنشاہ ایران، شاہ حبش، شاہ مصر، حاکم دمشق، امیر الہود، شہزادگان عمان، حاکم بحرین، روسائے یمن، اُمرائے حضرت موت، بادشاہان غسان شام، شاہ یمامہ، امیر بصری۔ ان میں سے بہت سے بادشاہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ مگر جن بادشاہوں نے انکار کیا وہاں اتنا ضرور ہوا کہ اسلام کا گھر گھر چرچہ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ بعد کو وہاں بھی اسلام پھیل گیا۔

مختصراً یہ کہ اسلام اپنی خوبیوں اور اپنی رعنائیوں کی بدولت بہت جلد ترقی پا گیا۔ اسلام کی روشنی سے بادشاہوں کے محل اور غریبوں کی جھونپڑیاں دونوں یکساں جگمگا اٹھے۔

حجۃ الوداع: ذیقعدہ ۱۰ ہجری میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ مدینے سے حج کو چلے اور اس شان سے مکہ کی طرف بڑھے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار مردان باصفا آپ کے جلوس میں تھے۔ یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد کیا اس کا ماحصل یہ ہے۔

اے لوگو! مجھے تم سے جو کچھ کہنا ہے اسے بگوش ہوش سن لو۔ شاید اگلے برس یہ موقع نہ مل سکے۔ دیکھو جیسے تم آج کے دن۔ مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہاری جان تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام دستور آج ملیامیٹ کردیے گئے۔ جاہلیت کے زمانہ کی رسم سود بھی آج سے بند کردی گئی۔ پرانے خون کے بدلے بھی ختم ہوگئے۔

اے لوگو! عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بے بس ہیں۔ تم نے ان کو اللہ کی ضمانت پر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا ان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش آنا۔ اور دیکھو غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا، جو خود کھانا وہی انہیں کھلانا۔ جو خود پہننا وہی انہیں پہنانا۔ اور اگر ان سے کوئی خطا ہوجائے تو معاف کردینا۔ اے لوگو! تم سب کا خالق ومالک ایک ہی ہے تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم میں سے سب سے زیادہ معزز ومکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور نہ یوں عربی کو عجمی پر فخر ہے۔ نہ کوئی عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ سورہ مائدہ کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم و اَتْمَمْتُ علیکم نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لکم الاسلام دینا۔

"آج ہم نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا"۔

ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر عہدِ رسالت محمدیہ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ایک ہی تعلیم دی ہے وہ تعلیم جسے توحید پرستی کی بنیاد کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں پورے طور پر بار آور ہوئی۔ اسلام اسی تعلیم کا نام ہے۔ گوڈفرے ہیگنس ایک یورپین

مستشرق نے لکھا ہے کہ اسلام میں اگرچہ معجزات نہیں۔ تاہم ایک تھوڑی سی مدت میں اسلام کا پھیل جانا یقیناً ایک معجزہ ہے۔ اور اسلام کی یہ معجزے نما اور عجیب و غریب ایک حیرت انگیز ترقی ہے اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

وفاتِ نبوی: قرآن حکیم جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرح پتھر کی تختیوں پر کھدا ہوا نازل نہیں ہوا۔ اور نہ اس بات کی ضرورت پڑی کہ اس کے نوٹ نہ کیا جانے کے سبب اس کے تلف ہو جانے کا خوف ہوا ہو۔ اور نہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کیلئے اس کی دوبارہ نقل پتھر کی تختیوں پر کھودنے کی ضرورت پیش آئی۔ قرآن حکیم کے نزول کی نسبت کوئی امر عجائبات سے ملوث نہ تھا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دل سینا کا پہاڑ تھا۔ اور مسلمانوں کیلئے دل پتھر کی لوحیں تھیں۔

ہمارے نزدیک یہی وہ سبب ہے کہ جس سے خدا کا کلام اور خدا کے رسول کی سیرت دونوں چیزیں جوں کی توں قائم ہیں۔ ان میں سرمو بھی کوئی تفاوت نہیں۔ رہی بات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی جسم خاکی کے باب میں سو جب تک فریضہ نبوت بہ تمام و کمال پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ آپ اس دنیا میں ایک آخری رسول کی حیثیت سے حیات رہے اور جب وہ فریضہ الٰہی ادا ہوا آپ تریسٹھ برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس بلا لئے گئے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے تین روز بعد لحد میں اتارے گئے اور آپ کو وہیں انہیں کے اس حجرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں آپ نے اپنی جان یعنی اللہ کی امانت کو اللہ کے سپرد کیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو کسی اور مقام پر لے جانا چاہا لیکن جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول رسول ﷺ دُہرانے پر کہ نبی وہیں دفن ہوتا ہے۔ جہاں وہ موت کی آغوش میں پناہ لیتا ہے، چنانچہ حجرے ہی کو آپ کا مقامِ آرام بنا دیا گیا۔

وفاتِ رسول کا صدمہ یوں تو ہر مسلمان کے دل پر تھا۔ لیکن جناب عمر فاروق ؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے جو شخص کہے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جناب صدیق ؓ نے جنہیں صبر و استقامت کی قوت اللہ تعالیٰ نے بہت عطا فرمائی تھی۔ جب یہ حالت دیکھی تو لوگوں سے کہا: اے لوگو! جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ اسے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ محمد ﷺ آج اس دنیا سے اٹھ گئے۔ اور جو شخص ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جس کی عبادت کا پیغام محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے وہ اللہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد جناب صدیق اکبر ؓ نے یہ آیت پڑھی:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبل الرسل فان مات او قتل انقلبتم على

اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین۔

"محمد ﷺ خدا کے ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی اور بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں اسلام ہی سے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ جلد ہی شکر کرنے والوں کو جزا دے گا"۔

سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ کے بارے میں دو حدیثیں ہیں:

(۱)۔ کسی نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی نہ کسی نے پڑھائی صرف درود و سلام پڑھا گیا۔

(۲)۔ نمازِ جنازہ ہوئی حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پڑھائی۔

اس امت میں جو اپنے ماں باپ تک آپ ﷺ کی ذات پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی۔ وہ امت اپنی جان دے کر بھی آپ کے اوپر کوئی آنچ نہیں آنے دیتی تھی۔ بھلا اس میں یہ کیونکر جرأت ہوتی اور کس میں حوصلہ تھا کہ یوں اس امام کے ہوتے ہوئے امامت کرتا۔ شاید انہیں اس نازک لمحے میں ہوش بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امام بناتے۔

آپ کی نمازِ جنازہ پہلے مردوں نے مگر ایک ساتھ نہیں جماعتوں کی صورت میں ادا کی۔ کیونکہ آپ کے حجرہ میں چودہ بیس آدمیوں سے زیادہ کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھی۔ اور مردوں میں بھی سب سے پہلے اہل بیت نے اس کے بعد مہاجرین و انصار نے پھر عام مسلمانوں نے پڑھی۔ اس کے بعد عورتوں نے اور سب سے بعد بچوں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی خدمت میں آخری صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس طرح سے نمازِ جنازہ پڑھنے کا یہ سلسلہ تین روز تک جاری رہا۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

> **نوٹ:** علامہ ابن کثیر نے اس کتاب میں حضور ﷺ کا ذکر نہیں کیا تھا، لہٰذا ناشر کی طرف سے کتاب کے آخر میں حضور ﷺ کے ذکر کا اضافہ کیا ہے۔ جسے احمد مصطفیٰ صدیقی نے تحریر کیا ہے۔

باب السلام سندھ سے تعلق رکھنے والے تین سو زائد علمائے اہلسنت کی
علمی و ادبی خدمات کا مجموعہ

انوار علمائے اہلسنت سندھ

○

تحقیق و ترتیب

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین شاہ راشدی ایم اے

○

ترتیب و تہذیب

محمد عبدالکریم قادری رضوی

زاویہ پبلشرز
8-C (محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور
فون: 042-7248637
موبائل: 0300-4505466 - 0300-9487047
Email: zaviapublishers@yahoo.com

زاویہ پبلشرز کی دیگر اسلامی کتب

حضرت علامہ شاہ شاہ تراب الحق قادری کے قلم سے

تصوف و طریقت	90
خواتین کے دینی مسائل	75
ضیاء الحدیث	90
جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	90
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	120
مزارات اولیاء اور توسل	75
فلاح دارین	60
نماز کی کتاب	30
مبلغ بنانے والی کتاب	60
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت	50
دینی تعلیم	30
تفسیر سورۃ فاتحہ	25
مبارک راتیں	25
اسلامی عقائد	20
شریعت محمدی کے ہزار مسائل	135